جلد نمبر (۲) نمبر (۱)

۲ جنوری ۱۹۳۸ء

فی پرچہ ا رسالانہ ۳ روپے

چین و جاپان

نانکن فتح کرنے کے بعد جاپانی افواج جنوبی چین کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ۱۲ دسمبر تک تقریباً تیس ہزار جاپانی فوج شنگھائی سے باہر بھیجی جا چکی ہے اور متعدد جہاز بندرگاہ میں تیار کھڑے ہیں۔ جاپان کے اتنی جلد محاذ تبدیل کر دینے کی وجہ یہ تھی کہ چینی جنرل چانگ فہک وئی جو پچھلی بغاوت میں کافی نام پیدا کر چکے ہیں۔ ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ شنگھائی سے تقریباً سو میل جنوب مغرب کی طرف شہر ہانگچو سے جاپانی افواج کو نکال کر دوبارہ اپنا قبضہ قائم کرنا چاہتے تھے اور اس طرح اس محاذ پر جاپانیوں کو کافی مشکلات کا سامنا تھا۔ لیکن جاپانی افواج کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک سخت لڑائی کے بعد چینی افواج کو پسپا کر کے ہانگچو سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ایک پہاڑی مقام ہوبگشان پر جہاں سے شہر ہانگچو صرف اٹھارہ میل رہ جاتا ہے قبضہ کر لیا ہے۔

ہانگچو کی لڑائی برابر جاری ہے اور چینیوں کی بہادرانہ کوششوں پر بھی جاپانی فوجیں شمال اور شمال مشرق کی جانب بڑھتی رہیں۔ اور ۲۴ دسمبر کو چار جاپانی پلٹنیں صدر دروازے سے شہر میں داخل ہو گئیں اور دوسری دو پلٹنیں دشوار گذار پہاڑیوں کو رات کی بات طے کر کے شمال اور شمال مغرب سے حملہ آور ہوئیں۔ جنگ کا دوسرا محاذ شانتنگ کا صوبہ ہے اور جاپانیوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے تسی نان کے قریب سے زرد دریا کو پار کر کے یہاں بھی اپنی پوزیشن کو کافی مضبوط بنا لیا ہے۔

چین اور جاپان دونوں جگہ اس خبر کو اہمیت دی جا رہی ہے کہ شمالی منگولیا جہاں سوشلزمی حکومت قائم ہے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جمہوریت کو معطل کر کے چین کی حکومت میں داخل ہو جائے گا۔ تاکہ جاپان کے خلاف جنگ کر سکے۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ چین کی مرکزی حکومت نے احکامات جاری کر دئے ہیں کہ قوم کی سب جائدادیں اور کارخانے جن سے کسی قسم کی پیداوار ہوتی ہے حکومت کے فوجی قبضہ میں تصور کی جائیں تاکہ حکومت دشمن کے مقابلہ میں اپنی جنگ آزادی کو زیادہ مدت تک جاری رکھ سکے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس وقت صوبہ زچوال اور روس کے درمیان تین ہزار میل لمبی سڑک تعمیر کی جا رہی ہے جس پر سات لاکھ سے زیادہ مزدور اور ہزارہا انجینیر دن رات کام کر رہے ہیں خیال ہے کہ اس سڑک کے تعمیر ہو جانے پر اسلحہ جات صرف چودہ روز کے اندر روس سے چین تک پہنچ جایا کریں گے۔ اس وقت چھ مہینے صرف ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی ۱۲۰ روسی ہوائی جہاز چین کی طرف اڑ رہے ہیں روس نے اس شرط پر مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ چین اپنا سوشلسٹ دشمن پروپگنڈا بند کر دے۔ اور سوویٹ چین کی آزادی تسلیم کرے۔ ان خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چیانگ کائی شیک کے بھی سمجھ میں آ گیا کہ عوام

اس وقت تک چینی حکومت کے درست نہیں ہو سکتے جب تک وہ چینی حکومت کو اپنی حکومت نہ سمجھیں۔ ابھی تو انکے لئے چینی سرمایہ داروں کی حکومت اور جاپانی سرمایہ داروں کی حکومت یکساں ہے۔ چاہے یہ ہیں چاہے وہ۔ اگر عوام کو حقوق مل گئے۔ صرف ووٹ نہیں بلکہ روٹی بھی۔ تو پھر وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ کے لئے لڑیں گے۔ یہ لڑائی ہوگی جو جاپان کے چھکے چھڑا دے گی۔

چین کی خاص کمزوری یہ ہے کہ روپیہ نہیں ہے۔ لڑائی کا سامان نہیں ہے۔ اور عوام کی ہمدردی نہیں ہے۔ اب یکیاں پوری ہو گئیں دوسری طرف جاپان میں اقتصادی ابتری بہت ہے۔ تجارت بگڑ رہی ہے۔ اور وہاں کی مزدور پارٹی میں بلچل پھیل رہی ہے۔ چنانچہ ابھی حال ہی کی خبر ہے کہ جاپان ہوم منسٹر نے جاپان پرولتاری پارٹی۔ مزدور کونسل اور کسان یونین کو غیر قانونی قرار دیا ہے اور انکے ایما سے پولیس نے بھی کئی دھاوے بولے اور ۳۰۰ آدمیوں کو اشتراکیت کے حامی ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ اگر لڑائی زیادہ زمانہ تک رہی تو یہ کمزوریاں جاپان کو چین کے مقابلہ میں کمزور بنا دیں گی۔

"آزادیاں"

مدراس کے وزیر مسٹر منشی نے حال ہی میں ایک تقریر کے دوران میں کانگرس جس آزادی کو چاہتی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا

"آزادی کا مطلب انارکی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کو ہر کام میں من مانی کارروائی کی اجازت ملجائے۔ اس پر کوئی پابندی نہ رہے۔ آزادی کا صاف اور سیدھا مطلب تحریر و تقریر نیز ایسوسی ایشن کی آزادی ہے۔ لیکن یہ آزادی دوسروں کی آزادی کو حذف کرنیوالی نہیں ہونی چاہئے، اس قسم کی جمہوری آزادی صرف اس حالت میں زندہ رہ سکتی ہے جب کوئی بھی کسی دوسرے کو بزور دبانے کی کوشش نہ کرے۔ مختصراً جب لوگ عدم تشدد کے حامی ہوں، اگر ہم تشدد کی اجازت دیدیں چاہے وہ زبانی ہو یا جسمانی۔ تو آزادی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اگر تشدد کرنیوالے کی آزادی اتنی متبرک اور مقدس ہے، کہ ہم اس میں مخل نہیں ہو سکتے۔ تو یقیناً اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جن پر تشدد کیا جاتا ہے۔ آزادی کا کوئی حق نہیں رکھتے"۔

۲۳ دسمبر کو لارڈ لوتھین نے برلن کے ایک جلسہ میں کہا۔ "سوشلسٹ جو دنیا کے سامنے یہ سوال اٹھاتے ہیں" کیا ہم اسکو آزادی کہیں گے کہ ایک آدمی روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور کامیاب نہیں ہوتا۔ سوشلسٹ کہتے ہیں کہ آزادی اس وقت تک نہیں مل سکتی، جب تک ہر مرد و ہر عورت کو ایسا روزگار نہ ملجائے جس سے وہ اچھی حالت میں زندگی بسر کر سکے"۔

آزادی ہے کیا چیز؟ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہم آزادی کس چیز کو سمجھتے ہیں؟ جو سمجھتے ہیں وہی چیز آزادی" ہوگی۔ اس وقت برطانیہ نے ہندستان کے کچے مال پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے، اور اپنے تیار مال کے لئے اسکو بازار بنا رکھا ہے۔ کوئی ہندستانی اسکو گوارا نہیں کر سکتا تھا، اس لئے پارلیمنٹ نے اس کے بچاؤ کے لئے قانون بنائے۔ انگریزی تجارت محفوظ رہے گی۔ انگریزی سرمایہ محفوظ رہیگا اسی طرح کے بہت سے قانون۔ ان قوانین کو برحق ثابت کرنے کے لئے ہیں، پولیس اور عدالت۔ اگر یہ پورا ثبوت نہ دے سکیں تو پھر فوج اور مشین گن ہے۔

اب برطانیہ کہتی ہے کہ تم ہندستانیو! پوری طرح آزاد ہو۔ جتنا چاہو پڑھو جہاں چاہو نوکری کرو، تجارت کرو۔ آئی۔ سی۔ ایس بنو۔ جو چاہو وہ کرو۔ ہاں ہاں انگریزوں کے حقوق کی پامالی نہ کرو۔ اور حقوق جو انھوں نے خود ہی مقرر کئے ہیں، ایسے ہیں کہ انکو مہیا کر دینے کے بعد بمشکل اتنا رہ جاتا ہے کہ ۳۵ کروڑ انسان آرام سے زندگی گذار سکیں۔ پھر ۳۵ کروڑ بھوکوں نہ مریں تو کیا ہو۔ اب ان فاقہ زدوں میں جو چوری کرے، اسکو جیل یا پھانسی۔

انگریزوں نے جو آزادی دی ہے کیا وہ آزادی ہے؟ انصاف کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہے وہ چھین کر خود رکھ لو، اور پھر کہو اب تم آزاد ہو جو چاہو لو؛

یہ آزادی نہیں۔ غلامی ہے۔ ہم اسکو غلامی کہتے ہیں۔ سارا ہنگامہ اسی کے خلاف ہے۔ کانگریس اسکے مٹانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ ہم بیکار، بے روزگار نوجوان، غریب کسان، اور غریب مزدور کیا چاہتے ہیں؟ کھانا کپڑا، مکان، علاج، سنیما وغیرہ۔ اسی کو آزادی کہتے ہیں۔ اگر یہ نعمتیں سو دوسو آدمیوں کو ملیں تو وہ آزادی نہ ہوگی۔ وہ سو دوسو کالے ہوں یا گورے ہندوستانی ہوں یا انگریز۔ یہ نعمتیں سب کو ملنا چاہئیں۔

ابھی دولت کا بڑا حصہ جیک ڈام کے قبضہ میں ہے۔ اگر ان سے نکل کر گوند اور عمرو کے قبضہ میں آگیا تو ۳۵ کروڑ کا کیا بھلا ہوگا۔ عوام لڑ رہے ہیں صرف اس لئے کہ انکے پاس پیٹ پالنے کو بہت کم ہے، اور وہ لڑتے رہیں گے۔ جب تک انکو یعنی ۳۵ کروڑ کو ضرورت بھر نہ ملجائے۔ اور ۳۵ کروڑ کے نزدیک آزادی اسیوقت حاصل ہوگی۔

اسوقت جو جماعت ذرائع آمدنی ہڑپ کئے بیٹھی ہے وہ باقی ۳۵ کروڑ پر تشدد کر رہی ہے۔ وہ یوں کہ اس نے اپنے لوٹے مال کی حفاظت کے لئے پولیس کے ڈنڈے جیل کی عمارتیں، پھانسی کے تختے اور مشین گنیں لگا رکھی ہیں، ہمکو اس تشدد کو مٹانا ہے۔ کانگرس کی لڑائی اسی تشدد کے خلاف ہے۔ اور جب تک ایک جماعت دوسری جماعت پر تشدد کر رہی ہے یہ لڑائی جاری رہے گی۔

کانگرس کے دونوں ہاتوں کی آپس میں لڑائی

بہار کی کانگرس پارٹی نے اپنے ان ممبروں کو جو کسان سبھاؤں میں حصہ لیتے ہیں الگ کر دینے کی دھمکی دی ہے یہی قصہ یو۔ پی میں کھڑا ہو رہا ہے۔ بمبئی میں بھی جب ڈیلیگیٹوں کا الکشن ہو رہا تھا تو کانگرس کے داہنے بازو نے

یہ اعلان کیا کہ "ہم لوگ خالص کانگرسی ہیں"۔ اور بائیں بازو نے اعلان کیا کہ "ہم اس جماعت میں ہیں جس میں جواہر لال ایسے لوگ ہیں" اور یہ جماعت اس وقت کانگرس کو چلا رہی ہے۔

ان واقعات کو دیکھ کر سمجھ میں آ رہا ہے کہ موجودہ دستور اساسی میں برطانیہ کی کیا چالیں ہیں۔ وہ کانگرس میں پھوٹ بھی ڈلوانا چاہتی ہے۔ لیکن جیسا کہ گاندھی جی نے کہا ہے "ہم کو وہ کرنا چاہئے جو برطانیہ کا منشا نہیں ہے اور وہ نہ کرنا چاہئے جو برطانیہ کا منشا ہے"۔ ہم اس نقطہ پر پہونچ گئے ہیں جہاں اس پر سولہ آنہ عمل کرنا چاہئے۔

کانگرس کے اصول مذہب کی طرح قائم نہیں ہیں۔ بلکہ برابر بدلتے رہتے ہیں۔ دس سال پہلے جو کانگرس تھی وہ پانچ سال پہلے نہیں رہی اور جو پانچ سال پہلے تھی وہ اب نہیں رہی۔ کیا اب انتہا پر پہونچ گئی ہے؟ اور زیادہ آگے قدم نہیں بڑھا سکتی؟ خالص کانگرسی وہی ہے جو ترقی پسند ہو۔ جسکے اصول زمانہ کی مانگ پر آگے بڑھتے ہیں۔

کانگرس نے ہمیشہ کسانوں کا یہ حق مانا ہے کہ وہ علٰحدہ اپنی جماعت بندی کریں۔ کانگرس میں زمیندار اور کسان دونوں ہیں۔ اور ان دونوں کے نفعے آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اسلئے کسان کبھی ایسی جماعت میں چاہے وہ کتنی ہی ہمدرد ہو، اپنے حقوق کے لئے پوری طرح نہیں لڑ سکتے جہاں ایک گروہ انکی کاٹ کرنے کو موجود ہو۔ پھر کیا جرم ہے اگر وہ اپنی جماعت بندی الگ کریں؟

صدر کانگرس جواہر لال نے حال ہی میں کسان سبھاؤں پر ایک لمبا بیان دیا تھا۔ اس میں کسانوں کا یہ حق مان لیا تھا۔

کانگرس کی وزارتیں بار بار اس بات کو صاف کر چکی ہیں کہ کسان اور زمیندار کے معاملہ میں وہ کسانوں کی ہمدرد ہیں۔

کسانوں کی غریبی ایسی نہیں ہے جو روپیہ میں ایک آنہ یا دو آنہ لگان کم کر دینے سے مٹ جائے۔ یہ غریبی کسانوں کو دن بدن منظم کرتی جائے گی۔ جتنا وہ منظم ہونگے۔ اتنا ہی اپنے حقوق کے لئے مضبوط ہوتے رہینگے۔ ان کی جیت، انکی سبھاؤں میں ممبروں کی تعداد بڑھائے گی۔ جلد ہی وہ زمانہ آئے گا جب ہندستان کے ۷۰ - ۸۰ فیصدی کسان، کسان سبھاؤں کے جوشیلے ممبر بن چکے ہونگے۔ اگر کانگرس نے کسان سبھا سے لڑائی کی تو اس وقت اس کی کیا پوزیشن ہو جائے گی۔

آنے والی مصیبت کی پیش بندی چینیوں کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کمزور ہیں۔ اسکی سزا جاپان نے اپنے ہاتھوں میں لی ہے۔ بلا قصور چینی فوج پر حملہ کیا۔ انکے غیر محفوظ اسکولوں، کالجوں، بازاروں اور پبلک جگہوں پر دیہاتوں پر اور امن پسند شہریوں پر بمباری کی گئی۔ جاپانی تباہ کاری پر ابھی تک تیس لاکھ جانیں بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور ابھی کوئی حد نہیں معلوم۔ ابھی تو لڑائی شروع ہوئی ہے۔

جس جرم کی سزا چین کو مل رہی ہے اس میں ہم بھی گرفتار ہیں۔ ڈر ہے کہ ہم کو بھی سزا دینے والا کوئی نہ نکل آئے۔ اسلئے پنڈت جواہر لال نے اپیل کی ہے کہ ۹ جنوری کو چین ڈے منایا جائے۔ اس دن چینی زخمیوں کی دوا علاج کیلئے چندہ کیا جائے جو چین بھیجدیا جائیگا۔ اس طرح ہم یاد رکھینگے کہ ہم پر کیا مصیبت آنیوالی ہے اور اس طرح ہم دنیا کے مظلوموں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کر لینگے کہ جب ہم پر سامراج ساہوں کا حملہ ہو تو وہ بھی مدد کی کوشش کریں۔

حامی اسلام مسولینی

۲۲ دسمبر کو دار العوام میں مسولینی کی اسلامی پالیسی پر بحث ہوئی۔ لفٹننٹ کمانڈر فلیچر نے کہا کہ مسولینی یورپ اور دنیا کے تمام بین الاقوامی تعلقات میں زہر پھیلا رہا ہے۔ اس کی اسلامی پالیسی برطانیہ کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اٹلی کے ریڈیو (باری براڈکاسٹ) نے فلسطین کے ہنگامہ میں بڑا حصہ لیا ہے، اور وہاں کے لوگوں کو برابر برطانیہ کی مخالفت پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ روزانہ عربی میں ریڈیو تقریر ہوتی ہے۔ اور اسکی لہریں ایسی جاتی ہیں جنکو فلسطین کے قہوہ خانے پکڑ لیتے ہیں۔ خبروں کی ایجنسیاں بھی اس طرح خبروں کو بھیجتی ہیں جو مسولینی کے حق میں اچھی اور برطانیہ کے حق میں بری ہو جاتی ہیں۔ مثلاً آغا خاں کا قصہ ہے۔ ایجنسیوں نے اس خبر کو یوں بھیجا ہے کہ آغا خاں نے یوں مسولینی سے کہا "اگر مسولینی اپنے ان وعدوں کو جو انھوں نے اسلام کے لئے کئے ہیں پورا کریں تو ساری اسلامی دنیا کو ان پر بھروسا ہو جائے گا"۔ آغا خاں سے جب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے جواب میں کہا تھا "ہم لوگ ہندستان میں ملک معظم کی ماتحتی میں بہت خوش و خرم ہیں"۔ آغا خاں کا اسلامی دنیا میں جو اثر ہے وہ ظاہر ہے۔ اس صورت میں انکے الفاظ کا اس طرح بگاڑ کر اخباروں میں پہونچنا برطانیہ کے لئے بہت مضر ہے۔"

ہفتہ وار اخبار "آزیوں کولونیال" میں جو اطالوی افریقہ کی حکومت کا ترجمان ہے۔ یہ دو خبریں پاس پاس چھاپی گئی ہیں۔ انکا پاس پاس ہونا بہت معنی خیز ہے۔ خبریں یہ ہیں۔

امام یمن کا پیغام مسولینی کو۔

"ہم لوگ اس برتاؤ کے بیحد مشکور ہیں جو اطالوی حکومت نے ہمارے ساتھ اور اسلامی ممالک کے ساتھ کیا ہے۔ اور امید ہے کہ یہی پالیسی آئندہ بھی رہے گی"

سیریا میں پہنچنے کے بعد مفتی اعظم کا پیغام۔

"انگریزوں کو خبردار رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہو کہ انکی فلسطینی پالیسی عربوں کو، بلکہ دنیائے اسلام کو انکا مخالف بنا دے۔ اپنے جھگڑوں میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ ہم آخر تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

خبریں بتاتی ہیں کہ مسولینی اسلامی دنیا کی حمایت کو تیار ہے۔ اور یہ کہ مفتی اعظم کو مدد کی ضرورت ہو۔ اور شاید کسی طرف سے مدد پہنچنے کی امید بھی ہو جبھی وہ برطانیہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔

اگر ان خبروں کو اطالوی اخباروں کی روشنی میں دیکھا جائے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اطالوی اخباروں نے شروع ہی سے فلسطین کے عربوں کی حمایت کی۔ اور برطانوی پالیسی کے خلاف رہے۔ لہٰذا وہ تو اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ تقسیم اور یہودیوں کے وطن کی تحریکیں بند کر دینا چاہئیں۔

جب فلسطین میں برطانیہ کی جابرانہ حکومت کی ابتدا ہوئی اور مفتی اعظم کو فلسطین سے نکال دیا گیا، تو اطالوی ممالک کے تمام مسلمانوں نے بہت غل مچایا۔ لیبیا اور ابتھوپیا کے مسلمانوں نے اسکے خلاف مظاہرے کئے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو برطانوی مظالم کے شکار ہو گئے تھے، چندہ جمع کیا۔ یہ ہمدردی ایسی تھی کہ مفتی اعظم نے لیبیا کو وطن بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

آجکل حضرموت کا ہنگامہ چل رہا ہے۔ اس پر ایک اطالوی اخبار نے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں کے ساتھ کتنی ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ مضمون کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔

"انگریزوں کا حضرموت پر قبضہ بالکل نیا ہے۔ اسکی ابتدا ۱۹۳۶ء سے ہوتی ہے۔ جبکہ برطانوی پارلیمنٹ نے یہ طے کیا کہ عدن کے مشرقی حصہ پر قبضہ جما لینا چاہئے۔ اس دخل در اندازی نے ملکی باشندوں کو اپنی آزادی کیلئے لڑنے پر مجبور کر دیا۔ ایک انگریزی موٹر پر فیر کیا گیا۔ اس پر انگریزوں نے سخت انتقام لیا۔ اور برطانوی ہوائی جہاز آٹھ روز تک حضرموت پر بم برساتے رہے جنہوں نے بے گناہ باشندوں، دیہاتوں، چوپایوں، کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان ترکیبوں سے وہ اگست سے ستمبر تک لڑتے رہے اسی دوران میں عدن کے گورنر نے انگریزی طریقہ کے موافق دیہاتوں پر بڑے بڑے ٹیکس لگا دئے۔

برطانوی کمانڈر جنکے ذمہ اس خطے کی فتح تھی۔ برابر اندر گھستا رہا۔ اور جنگی طریقہ کی جگہ پر امن طریقے استعمال کرتا رہا۔ کبھی کسی عرب افسر کو بڑی رشوت دیدی کبھی کسی افسر کو قید کر کے سزائے موت دیدی۔

ستمبر کے بعد جب فلسطین کے ہنگامے کی خبر ملی تو بدوؤں کے جتھے مسلح ہو کر جمع ہو گئے اور حملہ آوروں کا باقاعدہ مقابلہ کرنے لگے۔ اسی گورنر نے ۲۴، ۲۵، ستمبر کو بمباری کا حکم دیا۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ پہلے تو برطانوی جہاز بمباری کرتے رہے اور جان و مال کو برباد کرتے رہے۔ بعد کو صرف اشتہار برسانے لگے۔ اور اسی پر قانع ہو گئے۔"

عربی اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامہ ضرور ہے۔ مگر اس کی صورت دوسری ہے۔ اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ برطانیہ کو قبضہ جمانے کی اور بمباری کی اچھی صورتیں آتی ہیں۔ یہ اطالوی مضمون بول رہا ہے کہ یہ پروپگنڈے کیلئے لکھے گئے ہیں۔ اور صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عربوں کی حمایت کرانے والی ایک طاقت موجود ہے، اور وہ اٹلی ہے۔

عرب کی سرزمین میں مسولینی کا پہلا قدم نہیں ہے۔ امام یمن سے اسکے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ اٹلی پہلی یورپین طاقت تھی جس نے ۱۹۲۶ء میں یمن کو آزاد حکومت تسلیم کیا۔ اس سال ستمبر میں اسکی تجدید کی گئی۔ امام یمن نے مسولینی کو ایک خط لکھا جس میں اس دوستی کا اقرار کیا۔ (یہ خط ۱۵ اکتوبر کو اطالوی اخبارات نے بہت چمکا کر چھاپا) اور اس کے ساتھ تحفہ میں بادشاہ، ولیعہد اور مسولینی کو عربی گھوڑے بھیجے۔

حجاز کی حکومت سے بھی ۱۹۳۲ء سے تعلقات ہیں۔ اس سال اس عہدنامہ کی تجدید کی گئی کہ اطالوی حکومت کے حاجیوں کی حفاظت کیجائے گی۔ اور مسولینی نے بہت توجہ سے ابتھوپیا سے مسلمانوں کا ایک قافلہ تیار کر کے حج کو بھیجا۔

ہمکو ۲۲ برس گذرے ایک حامی اسلام کا تجربہ ہو چکا ہے۔ قیصر جرمنی۔ اور آجکل ہندستان میں بھی ایک حامی اسلام بھگت رہے ہیں: مسٹر جناح۔ کہاں حامی اسلام کی حمایت۔ اور کہاں مسولینی۔ مسولینی جانتا ہے کہ مذہب کا نام لیکر لوٹنا کتنا آسان ہے۔ اسکی دوستی کی تہ میں غلام ملکوں اور تجارت کی لالچیں کام کر رہی ہیں۔ حبشہ کے فتح کرنے کیلئے یمن کی دوستی بہت ضروری تھی۔ یمن کی جغرافیائی حالت ایسی ہے کہ وہ آسانی سے اٹلی کے ارادوں میں روڑے اٹکا سکتا تھا۔ اسی طرح حجاز کی دوستی بھی بہت ضروری تھی۔ ان دوستیوں کی نیو کئی سال پہلے رکھ دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب حبشہ پر حملہ کیا گیا تو کسی عربی حکومت نے ادھر توجہ نہ کی۔

اب اٹلی کے غلام ملک ڈوڈیکینیس، لیبیا اور ابتھوپیا۔ عربی ریاستوں کے اردگرد واقع ہیں۔ اور ان ملکوں میں ۵۰ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ اگر ان پر کسی طرح کی زیادتی کیجاتی تو آس پاس کے عرب ان کی حمایت کرنیکو طیار ہو جائیں گے۔ اس طرح ان ملکوں پر اٹلی کا دباؤ پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر اٹلی خود اسلام کا محافظ بن جائے تو اپنے یہاں کے مسلمان بھی خوش اور آس پاس کے عربوں کو بہکانے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔

بحیرۂ احمر کے ذریعہ اٹلی کی تجارت چلتی ہے۔ اور وہ اپنے غلام ملکوں سے تعلقات قائم رکھتا ہے۔ اس لئے مصر و حجاز کی دوستی بہت ضروری ہے۔ مصر کو دوست بنانے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ مصر میں ۵۰ ہزار اطالوی آباد ہیں اور انکو اس حکومت سے بہت نفع ہو رہا ہے۔ اس لئے جب موقع ملتا ہے مسولینی مصر کے ساتھ دوستی کے اظہار سے نہیں چوکتا۔

اسلامی ملک اطالوی مال کی اچھی منڈیاں ہیں۔ اور زیادہ اچھی ہو سکتی ہیں۔ اگر پروپگنڈا بہتر کیا جائے۔ محافظ اسلام بننا، مسجدیں بنوانا، پرانی اسلامی عمارتوں کی مرمت کرانا۔ حاجیوں کا قافلہ تیار کرنا سب پروپگنڈا ہے اور اٹلی کو اس سے فائدہ پہونچا ہے۔ اور زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

ادھر اس پروپگنڈے کی رفتار میں ذرا تیزی آگئی ہے۔ اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ برطانیہ فلسطین کو بحری قلعہ بنانا چاہتی ہے۔ اور یہ اٹلی کے لئے مضر ہے۔ اٹلی کی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب بحیرۂ روم پر برطانوی قبضہ کمزور ہو جائے۔ اس کو کمزور کرنے کیلئے اٹلی نے بحیرۂ روم میں غدر مچا دیا۔ کشتیاں ڈبوئیں۔ جہازوں پر بم گرائے۔ اسی قسم کی ایک اسکیم ہے فلسطین کے عربوں کی حمایت کرنا۔

دوسری بات ایک قیاسی ہے۔ وہ یہ کہ جاپان کو سب سے بڑی مدد یہ دی جا سکتی ہے کہ برطانیہ کو دوسرے معاملات میں اس قدر الجھا دیا جائے کہ اسکو اپنی کمزوری کا احساس رہے۔ اور چین کی لڑائی میں کچھ دخل نہ دے سکے۔ عربوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں یہ مصلحت ہو سکتی ہے۔

یہ تشدّد!

(منظر رضوی)

آج جبکہ ہندستان بھر کی امید بھری آنکھیں اپنی انقلابی قیادت کی تلاش میں بہار کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ملک بھر کے زمیندار اور رجواڑے اور نوکر شاہی کے دیوتا بہار کی جنتا کی انقلابی شورش کو دیکھ کے سہمے ہوئے تھے، اور جبکہ خود برٹش سامراج شاہی اپنے محلوں میں ان دکھی اور غریب کسانوں کی جاگ کو دیکھ دیکھ کے کانپ رہی تھی تو اسوقت گاندھی شاہی کے ایک معزز اور اہم ستون چپ چاپ سارن ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں زیرادئی تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک دوسرے شہری ان اٹھے اور گنگا کے سینہ پر اپنی ناؤ چلاتے صداقت آشرم پہنچے۔

ان دو تاریخی مگر انقلاب شکن سفروں کو ہماری قومی تحریک کی تاریخ میں نحوست اور بدشگونی کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیوں؟

جو لوگ آج تک کانگرس کے ترنگے جھنڈے کے نیچے کھڑے سامراج مخالف تحریک کو تقویت دیتے رہے تھے اور جنھوں نے جنتا کو ان کی روز روز کی مانگوں مالی بربادیوں اور اقتصادی ترقی کے نعروں پر منظم کرکے کانگرس کی رہنمائی میں کھڑا کیا تھا اور جو اسوقت سامراج شاہی کے مقابلہ میں لوہے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط چٹان بنے ہوئے تھے انکے خلاف جاگیرداری مفاد کو بچانے کے لئے بہار صوبہ کانگرس کمیٹی نے اپنا فتویٰ جاری کیا ہے کہ کوئی کانگرسی کسان سبھا کی تحریک اور مشغلوں میں حصہ نہ لے، اس نے اپنے ماتحت کمیٹی کو ہدایت کی ہے کہ وہ کمیٹیاں اپنے ممبروں پر سی۔ آئی۔ ڈی والوں کی طرح نگاہ رکھیں اور جو لوگ کسان تحریک میں حصہ لیتے پائے جائیں ان کی رپورٹ صوبہ کمیٹی کو کر دیں۔ یہ وزارت اور اقتدار کا نتیجہ ہے۔ اقتدار بھی ایسا کہ وزیر اعظم کے اقتدار کی خلاف ورزی روز روز ہو رہی ہے۔ برطانوی نوکر شاہی کے ملازمین وزیروں کا روز مضحکہ اڑاتے ہیں۔ پھر بھی یہ خرمستی!

صوبہ کمیٹی الزام لگاتی ہے کہ تشدد کا پرچار کرکے اور ڈنڈے کی فلاسفی بیان کر کرکے ان کسان بھائیوں نے صوبہ کا امن خراب کر ڈالا ہے اور کانگرس میں انتشار پھیلا رہے ہیں جس سے کانگرس کمزور ہو رہی ہے۔

کانگرس کے یہ بڑے بندھو بھی ہم پر تشدد کا الزام اسی طرح اور اسی مقصد سے لگاتے ہیں جسطرح اور جس مقصد سے ہمارے جنگ پسند فرقہ پرست دوست ہم پر دہریت اور لامذہبیت کا الزام لگاتے ہیں ہمیں اس پر تعجب نہیں خود تشدد کا جہاں تک تعلق ہے اس پر اگر سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہماری ساری سماج اسی ایک تشدد کی نیو پر کھڑی ہے۔ سماج کی اکثریت کی زمین، دولت اور پیداوار کے وسیلوں سے محرومی، اور ایک چھوٹی سی اقلیت کا زندگی اور حیات کے تمام لوازمات کو حکومت کی مشینری کے ذریعہ دبا لینا، ساری انسانی زندگی کو اپنے آرام و آسائش کے لئے استعمال کرنا اور اس استعمال کو جائز قرار دینے کے لئے ایک خاص قسم کے فلسفہ کی تدوین، مذہب کا پرچار جمہوریت اور مساوات کے نعرے لگانا اور اس نظام جبر و استحصال کو جائز قرار دینا تاریخ کا ایک بدترین تشدّد ہے جسکے سامنے ہمیں ہلاکو، چنگیز، ہوائی بمباری اور زہریلی گیس کو بھی بھول جانا چاہئے کیونکہ یہ وقتی اور موسمی چیزیں تو اسی نظام سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس ہمہ گیر سماجی تشدد کی وجہ سے جو لوگ وسائل زندگی سے محروم ہوگئے ہیں اور جن میں اس محرومی کا احساس ہے وہ اس تشدد کی جڑ کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ اور امن دوستی کی بنیاد پر دولت اور زندگی کے وسیلوں کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ جب اسکے لئے وہ چھوٹی چھوٹی کوششیں ایک آخری اور بڑی کوشش کے لئے شروع کرتے ہیں تو ہماری تشدد پسند سماج کے ارباب اقتدار چیخ اٹھتے ہیں، اور ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم تشدد کرنے جاتے ہیں، ہم تشدد کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم تو سماج کو تشدد کے پنجوں سے چھڑانا چاہتے ہیں، اور اسے امن کی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں، اس مقصد کیلئے ہوسکتا ہے کہ آگے چلکر کبھی ہمیں تھوڑا سا تشدد کرنا ہی پڑ جائے۔ لیکن آج یا اگلے کچھ برسوں میں اس کا امکان کہاں ہے۔ تشدد تو جب ہی ہم کر سکتے ہیں جب ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہو، کچھ دولت اور ثروت ہو۔ تشدد کے جتنے بھی ذرائع ہوسکتے ہیں انھیں تو آج ہماری برٹش سامراج شاہی اور اسکے بعد ہندستانی سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام ہتھیائے ہوئے ہیں ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟ صرف ایک تنظیم ہے جو ہم کر رہے ہیں جس سے ہم اس سماج اور سامراج شاہی کے تشدد کا حفاظتی اور دفاعی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم تو اسے دیکھتے ہیں کہ اگر آج ہم تشدد کی کارروائی کریں تو ہمیں کچھ ہی منٹوں میں کچل کر ختم کر دیا جائے گا۔ اور ہمارے بچاؤ کی کوئی بھی صورت باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے ہم تو صرف ایک ایسی تنظیم کر رہے ہیں جو پر امن رہ کر سماج کے مظالم کا مقابلہ کر سکے، اس کوشش میں ہمارا پہلا مقصد برٹش سامراج شاہی کو ختم کرنا ہے جو ہمارے سماجی تشدد کی پیٹھ ٹھونکتی ہے۔ اور اسے آمادہ کرتی ہے کہ ہماری محنت اور زندگی کے ساتھ دشمنی کرے۔

جہاں تک برٹش سامراج شاہی کو ختم کرنے کا تعلق ہے اسمیں ہم اور ہمارے کانگرسی بندھو بھی ایک ہیں۔ اور ہم مل کر چل سکتے ہیں۔

اور ہمیں ملکر ہی چلنا ہے۔ قومی آزادی کے مسئلہ پر ہمیں علیحدہ ہونیکی ضرورت نہیں۔ ہم اس کی پوری ضرورت سمجھتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے کانگرس کا پلیٹ فارم ہی استعمال کیا جائے۔ اور اسی کو مضبوط بنایا جائے یہ پلیٹ فارم جب ہی مضبوط ہوسکتا ہو جب اسے عوام کے حق اور فائدوں کے معاملہ میں اور بھی انتہا پسند اور فیاض بنایا جائے۔ ہم سوشلسٹ ہوتے ہوئے اور سوشلسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہوئے اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ کانگرس نہ تو سوشلسٹ پارٹی بن سکتی ہے اور نہ اسے بننا چاہئے۔ اسی لئے ہم نے کبھی بھی کانگرس پر کوئی سوشلسٹ پروگرام لادنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن ہم اسکے کوشاں ضرور ہیں کہ کانگرس ترقی پسند سرمایہ داری کے اصولوں کی تحت ایسی ایسی باتوں کو مان لے جس میں عام لوگوں کا فائدہ ہو۔ ایسا ہی کرنے سے عام لوگوں میں اس کی طاقت بڑھ سکتی ہے۔ اور ہمیں فیض پور میں زراعتی پروگرام کے جسکا سوشلزم سے کوئی تعلق بھی نہیں، مان لئے جانے کے بعد اس کا اچھی طرح تجربہ ہوا ہے کہ کانگرس عام لوگوں میں کتنی مقبول ہوئی ہے۔ پچھلے چناؤ میں اس کی اتنی بڑی کامیابی اسی کا اور کراچی کے اقتصادی پروگرام کا نتیجہ ہے۔

عام لوگوں میں چونکہ کانگرس کے ان سب کاموں کی وجہ سے بہت بڑی جاگ پیدا ہوگئی ہے اسلئے وہ اپنے تمام نفعے اور نقصان کو سمجھنے لگے ہیں۔ اسی احساس کی وجہ سے اب وہ اس بات کی ضرورت سمجھنے لگے ہیں کہ کانگرس سے علیحدہ انکی اپنی جماعتیں بھی ہونی چاہئیں جن سے ان کی اپنی غرض اور فائدوں کی حفاظت ہوسکے۔ وہ مسلسل کئی برسوں کی لڑائی میں رہ کر ایک بہت بڑی بات سیکھ چکے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہر کشمکش اور جھگڑے سے کچھ نہ کچھ فائدہ اور ترقی سماج کی ہوتی ہے۔ لیکن اس کو نیچے طبقہ کے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اسے اوپر اوپر کے لوگ ہی ہتھیا لیتے ہیں۔ اور ہتھیا کیا لیتے ہیں؟ وہ تو سماج میں ایسی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں کہ خواہمخواہ اس سے فائدہ پہلی اور اوپر کی سیڑھی کو ہوتا ہے۔ پھر اس طبقہ کو اسی لڑائی میں اور خاص کر کے اس کی اسٹرائکوں اور ہڑتالوں اور لگان بندی کے وقت یہ تجربہ ہوا کہ اوپری طبقہ چاہے وہ کانگرسی ہو یا غیر کانگرسی ہمیشہ اپنے افراد اپنے طبقہ والوں کے فائدوں کی حمایت کرتا ہے۔ اور محنت کرنے والے مزدوروں اور کسانوں پر اسے کوئی رحم نہیں آتا اور ایسے تشدد سے انکا دل نہیں دکھتا۔ اس لئے وہ کانگرس سے الگ ہو کر اپنے اپنے طبقاتی مفاد کو سامنے رکھکر تنظیم کرنے لگا تاکہ وقت پڑنے پر وہ انکا مقابلہ کر سکے اور لڑائی سے (جس میں اسی کا خون بہتا ہے اور جس میں سب سے زیادہ وہی پٹتا ہے) جو فائدہ ہو اس میں سے اپنا حصہ بھی لے۔

سن ۱۹۲۱ء، ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کی تحریک سے ہندستان ذرا آگے بڑھا (؟) کچھ فائدے (؟) ہوئے۔ لیکن یہ سب کے سب اوپر کے لوگوں کے ہاتھ میں گئے۔ اسمبلی کی ممبری، وزارت اور یہ شان و شوکت۔ اور اس وزارت کے بل بوتے پر سودیشی کی تحریک۔ سودیشی کی تحریک سے ہندستانی کارخانے اور انکے مالکوں کو فائدے پہنچنے شروع ہوئے۔ بڑے بڑے دولتمندوں کو روپیہ لگانے کے موقعے ملے۔ اب محنتی طبقہ سوچتا ہے ہمیں اتنی ہی اجرت ملتی ہے، اور تمام چیزیں گراں ہیں، کسان سوچتا ہے لگان، وہی آبیانہ اور نذرانہ اور زمینداروں کے وہی ڈنڈے اور گالیاں، آخر اس کانگرسی وزارت نے ہمارے لئے کیا کیا؟ سوراج اور خود مختاری کے چرچے انھوں نے چناؤ کے زمانے میں مہینوں سنے۔ اسکے بعد اپنے نمائندوں کو وزیر ہوتے دیکھا۔ مگر ہمیں ہوتے دیکھا تو وہ فائدے جنکے لئے وہ برسہا برس سے لڑ رہے تھے۔ اسلئے ضرورت اور محسوس ہوئی کہ ان کی طبقاتی جماعت ہو۔ کانگرس پر قبضہ تو انھیں لوگوں کا ہے جن سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اب اسکے لئے وہ کانگرس میں رہکر کیسے لڑ سکتا ہے؟ اور اگر وہ لڑ بھی سکے تو کانگرس کے نیتا اس کا ساتھ کہاں دینگے، وہ تو حمایت کریں گے اپنے ساتھیوں کی بلکہ اس نظام کی جسے وہ پسند کرتے ہیں۔

علیحدہ طبقاتی تنظیم سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ کانگرس کے خلاف ہم کوئی محاذ کھڑا کریں۔ ہمارا یہ مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔ کانگرس کو ہم اپنی سامراج مخالف جنگ کی مشینری سمجھتے ہیں۔ اور جب تک اسکو طاقتور بنا کر اس کے ذریعہ ہم قومی آزادی حاصل نہیں کرتے تب تک سوشلزم کی تعمیر کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے ہمیں تو اسی پر بھروسہ کرنا ہے۔ ہم اسکے خلاف محاذ کیوں کھڑا کریں گے پھر کانگرس اُدست پروکرنیوالی جماعت نہیں جو اس کی ضرورت بھی ہو۔ ہم تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبقہ کے اغراض و مقاصد کی اسکے اندر اتنی حفاظت نہیں ہوسکتی جتنی ہونی چاہئے۔ اور وہ صرف اس لئے کہ اسکی تاریخی حیثیت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے۔

بہار میں کسانوں نے جسقدر ایجی ٹیشن کیا ہے۔ اس سے کانگرس کی طاقت بڑھ گئی بڑھ گئی ہے اور بڑھ رہی ہے۔ اس سے آئینی کاموں میں بہت کچھ مدد مل سکتی تھی۔ اور نئے دستور کو اسکے ذریعہ بڑی آسانی سے پامال کر دیا جاسکتا تھا لیکن ہماری وزارت اس سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ اور نہ کسانوں کو ہی فائدہ پہنچا سکی۔ وہ خود اس فوسرش سے ڈر گئے۔ کیونکہ انکے اپنے اغراض اور مفاد انھیں زمینداروں سے ملے تھے جو مہاراجہ دربھنگہ کی سرکردگی میں سول نافرمانی کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ اور ڈر کر انھیں لوگوں سے جنہوں نے آج سے پہلے بلبلا کر قومی تحریک کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ کسانوں کو بھول کر سمجھوتہ بھی کر لیا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارے لیڈروں کے مفاد اسی نظام تشدد سے وابستہ ہیں اور اسے وہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا ذہنی پس منظر ہمارے بدترین قسم کے ظالم اور جفاکار زمیندار اور ان کی پونجی پتی سماج ہے۔ اس لئے ہمیں تعجب نہیں۔ اس حرکت سے ہماری جنتا کی سمجھ میں اب باتیں صاف صاف آئیں گی۔ اور اب وہ اپنے لیڈروں کو چھانٹ بھی

شروع کرینگے۔

اور سمجھوتہ بھی ایسا ہوا ہے جسکے ماتحت کسانوں کی طاقت کو کچلنے کا ہر ضروری اور مناسب سامان بھی کیا گیا ہے۔ اور پہلا حربہ صداقت اشرم نے ہاتھ میں اٹھالیا ہے۔ اب لوگ، اور خاص کر ہمارے طالب علم ساتھی گھبرا کر پوچھتے ہیں، اب کیا ہوگا؟

ہوگا کیا؟ وہی جو ہم کرتے آئے ہیں۔ کانگرس کے خلاف ہمیں محاذ کھڑا کرنا نہیں ہے۔ وہ ہمارے لئے مہلک اور مضر ہے۔ ہمیں کانگرس کو مضبوط بناتے رہنا ہے۔ زبان سے نہیں بلکہ اسی طرح کی تنظیم پروپیگنڈا بھی تیز کرنا ہے۔ ممکن ہے ہمارے بڑے بند و قچی دوست، ہمیں کانگرس سے کشمکش کے الزام پر نکال باہر بھی کرینگے۔ اس وقت دشواری ضرور ہوگی پھر بھی ہمیں وہی کرنا ہے جو آج کر رہے ہیں۔ وقت اور ضرورت کے اعتبار سے ہم تقسیم عمل کرینگے۔ اور اسکے ذریعہ کانگرس کی تحریک کو کسانوں کی تحریک سے منسلک اور وابستہ رکھینگے۔ اور بالواسطہ یا بلا واسطہ کانگرس کو طاقت پہونچاتے رہینگے۔ ہمارے بہت سے ساتھی اس وقت کانگرس سے معاندانہ جذبہ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو انھیں صحیح راستہ پر لگانا ہے۔ اور ایسی باتوں سے پرہیز کرنا ہے جس سے کانگرس کو نقصان پہنچ سکے۔ ظاہراً یہ ایک روحانی نظریہ معلوم ہوسکتا ہے، لیکن موجودہ صورت حال کا یہی تقاضا ہے اور ہمیں یہی کرنا ہے۔ ایک تو ہمارے کمیونسٹ ساتھیوں نے غلطی کی جو کانگرس سے اب تک الگ رہے اور اس کی مخالفت بھی کرتے رہے۔ ہم انھیں باتوں کو دہرا نہیں سکتے

اسوقت ہمارے مسلم لیگی عام مسلمانوں کو بھی سوچنا ہے کہ جبکہ کانگرسی جیسے انتہا پسند و ترقی خواہ لوگ عوام کو بھول سکتے ہیں تو یہ بدترین قسم کے رجعت پسند لوگ جو مذہب کے نام پر انسانوں کو درندہ اور وحشی بنائے پھرتے ہیں وہ کس طرح انھیں پامال کرسکتے ہیں۔ اور کرتے آئے ہیں۔

سوشلسٹ کیا چاہتے ہیں؟

از رام منوہر لوہیا

ہم آزادی، امن، اور ترقی کے طلبگار ہیں جنکا ہر سمجھدار آدمی طلبگار ہوتا ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں کیونکہ جب تک عام لوگوں کو آزادی الٰہی حاصل نہو کوئی جاندار سماج تیار نہیں ہو سکتا۔ ہم امن چاہتے ہیں کیونکہ لڑائی انسانی بھلائی کی مستقل دشمن بن گئی ہے، اور دنیا کی طاقتوں کا بڑا حصہ خونخوار ہتھیاروں کو جمع کرنے میں صرف ہو رہا ہے۔ ہم ترقی چاہتے ہیں یعنی دنیا کے دوارب انسانوں کے کھانے پینے، رہنے سہنے کا سامان اور ڈھنگ بہتر ہو جائے۔ تھوڑا ہی زمانہ گذرا "آزادی، مساوات اور برادری" خیالی دنیا کے بسنے والوں کی باتیں تھیں اور ابھی تک ایک ایسا طبقہ ہے جو انکو ایسی ہی باتیں سمجھتا ہے، صحیح لفظوں میں، برادری کا مطلب ہے، امن، اور مساوات کا مطلب ہے، ترقی؛ اس صورت میں ہمارے اور فرانسیسی انقلاب کے مقاصد میں کچھ فرق نہیں رہ جاتا۔ لیکن فرق ہے۔ اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ سوشلزم نے آزادی امن، اور ترقی کے معنی بہت گہرے کردئے ہیں۔

سچی آزادی اسیوقت ہے جب وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہو۔ جب تک سوشلزم نے پتہ نہیں چلایا تھا کہ آزادی ایک مکمل چیز ہے۔ لوگ صرف ایک رخ یعنی سوال آزادی سمجھتے تھے۔ ابھی کچھ دن پہلے تک آزادی کے سیاسی پہلو کو، یعنی بالغ کو ووٹ کا حق اور جمہوری حکومت کو لوگ آزادی سمجھا کرتے تھے۔ لیکن عملی دنیا کا تجربہ کہ صرف سول آزادی، سیاسی آزادی ملجانے سے انسان کو آزادی نہیں ملتی۔ تجربے نے یہ بتادیا کہ بالغ کا ووٹ ملنے اور سول آزادی ہونے پر بھی، حکومت پر مہاجنوں، اور تاجروں کا قبضہ رہتا ہے، اور عوام کی آزادی رائے، سیاسی نظام کے، اور اخباروں کے مالکوں کے ہاتھوں میں پھنسی رہتی ہے۔ فائدہ اٹھانے کے موقع اتنے کم ہوتے ہیں کہ صرف ایک چھوٹا سا طبقہ ہے جو رکاوٹوں کے نہونے سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آزادی کے تخیل میں یہ بہت بڑی کمی تھی جو سوشلزم نے پوری کردی۔ جب سماج کا تجربہ کیا گیا، ہر رخ سے اسکی بناوٹ دیکھی گئی، اور اسکی بنیادوں پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جب تک پیداوار کا مقصد نفع کمانا رہیگا اور جب تک ذرائع آمدنی اور پیداوار مٹھی بھر آدمیوں کے قبضے میں رہینگے، اسوقت تک عام انسانوں کو آزادی نہیں میسر آسکتی۔ اس لئے جب سوشلسٹ "آزادی" کہتے ہیں تو انکا مطلب ہوتا ہے کہ قوم کی پیداوار کے ذرائع ذاتی ملکیت سے نکال لئے جائیں تاکہ قوم کے تمام افراد اقتصادی طور پر آزاد ہو جائیں۔ پھر وہ سیاسی اور تمدنی آزادی سے بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اسی طرح، امن، حاصل کرنے کی تمنا میں سوشلسٹ لڑائیوں پر، اور لڑائیوں کے اسباب پر غور کرتا ہے۔ اسکے نزدیک خاندانی جھگڑے، قومی تمنائیں، اور انسانی خواہشات سطحی چیزیں ہیں۔ لڑائی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اسوقت دنیا دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طرف سامراج طاقتیں ہیں اور دوسری طرف نوآبادیاں، اور مظلوم عوام۔ سامراج طاقتیں نوآبادیوں اور مظلوم عوام کو لوٹنے کے لئے آپس میں لڑتی رہتی

ہیں۔ یہ اقتصادی نابرابریاں، لڑائیوں کی خاصی وجہیں ہیں۔ اور سرمایہ داروں کی لوٹ، اور اسلحہ کی پیداوار صرف اسی وقت بند ہو سکتی ہے جب عوام میں امن کی تمنا عالمگیر ہو جائے۔

ہم عام انسانوں کی ترقی کے خواہشمند ہیں۔ موجودہ سائنسی ایجادوں اور مشینوں نے اب اس بات کو ممکن کر دیا ہے کہ قدرتی پیداوار سے مدد لیکر عام انسانوں کی تمام ضرورتیں پوری کر دی جا سکیں۔ ادھر کی دو صدیوں میں دنیا کی پیداوار، جس میں پرانی قسم کا سامان، اور نیا سامان دونوں شامل ہیں بے حد بڑھ گئی ہے اور ابھی ایسی ترقی کے غیر محدود امکانات ہیں۔ لیکن، روپیہ، اور ذرائع آمدنی مہاجنوں اور تاجروں کے ایک چھوٹے طبقے کے ہاتھوں میں ہیں۔ اسوجہ سے یہ سامان عوام تک نہیں پہونچ سکتا، اور وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس نے "تقسیم" میں ناانصافی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسی ایجادات سے فائدہ نہوا، اور پیداوار بدستور رکھی، یہ ممکن تھا کہ عوام کو اچھی رہائش ملتی، اور پھر اس سے ایک عالمگیر کلچر اور تمدن تیار ہو جاتا۔ لیکن موجودہ حالت میں ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ ہم لوگ یہی کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں، ترقی، اسی وقت ترقی ہے جب عوام کا ایک ایک فرد اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ جب قومیں اپنے فتوحات، اور اپنے اسلحہ پر نازاں ہوتی ہیں۔ تو ہم کو یہ مسخراپن نظر آتا ہے۔

آزادی، امن، اور ترقی ہم لوگوں کے نزدیک بڑی نعمتیں ہیں۔ اور ہمکو معلوم ہے کہ یہ اسوقت تک نہیں حاصل ہو سکتیں جب تک ہم قوم کی پیداوار سے "نفع کمانے" کا مقصد، جس نے ہمکو تباہ کر رکھا ہے نہ نکال دیں۔ اسی کے ذریعہ سے سامراج اپنے پھندوں میں ہمکو پھنسائے ہے۔

عوام کا بہت بڑا حصہ سامراجی جوئے کے اتارنے کی لڑائی میں حصہ لینے کے لئے آمادہ ہے۔ اور فی الحال ان میں سے ایک چھوٹی تعداد سوشلزمی سماج بنانے کیلئے لڑنے پر بھی تیار ہے۔ اس طرح بڑی تعداد لوگوں کی "آزادی اور ترقی" کا مطلب غیر ملکی غلامی سے نجات پانے کو سمجھتی ہے۔ اور یہی خیال ہم لوگوں کی مجموعی زندگی کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ کانگرس اسی خیال کی جسے "زمانے کا خیال" کہنا چاہئے نمائندگی کر رہی ہے۔ سوشلسٹ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ کانگرس میں شریک ہیں، اور اسکی اطاعت کر رہے ہیں، کیونکہ قومی آزادی ہماری منزل تک پہنچنے کیلئے بہت ضروری ہے۔

سوشلزم کے اصول، اور وہ تمنائیں جو ان سے ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، قومی جد و جہد میں بھی ہماری بہت مدد کرتی ہیں۔ ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ تاریخ کس راہ جا رہی ہے۔ زمانے میں کون خاص طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ سامراج کی کمزوری اور مضبوطی دونوں ظاہر ہو جاتی ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں اور ہندستان کے باہر اس کے خاص خاص اڈے کون ہیں۔ کب سلطنت برطانیہ مشغلوں میں پھنسکر کمزور ہو رہی ہے۔ اور کب اسکے مرکز میں کمزوری آ رہی ہے ہمارے آدمیوں میں کس کس سے اسکو مدد پہونچتی ہے۔ اور کیسے ہم اسکو مٹا سکتے ہیں ہم اپنے عوام کو کیسے اور کدھر سامراج کے خلاف مسلسل جد و جہد میں لگائے رکھیں، تاکہ اس کی مرکزی طاقت پھیکی پھیکی ہوتی جائے۔ سوشلزم ان باتوں کا جواب دیتی ہے۔ اور اس طرح بتاتی ہے کہ کسطرح لوگوں کو جد و جہد کے لئے منظم کیا جائے۔

جب ہم بیرونی حکومت سے لڑنے کیلئے تیاریاں اور تنظیم کرتے ہوتے ہیں، اسی وقت اس حکومت کے ہندستانی حامیوں سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ یہ حامی یہاں کے زمیندار اور سرمایہ دار ہیں۔ ہم سامراج کی حقیقت کو پہچانتے ہیں، اسی لئے نہ تو مڈبھیڑ سے گھبرا کر بھاگیں گے، اور نہ اسکو "قومیت" کے پردوں سے ڈھانکنے کی کوشش کرینگے۔ ہندستانی ریاستیں، یہاں کے بڑے زمیندار، اور غیر ملکی تجارت، بنک اور کارخانے سوائے چند کے سب سامراج کے ستون بنے ہوئے ہیں۔ اور جب ہم سامراج پر حملہ کر رہے ہیں، تو یہ ستون اس سے بچ نہیں سکتے۔ اس طرح جو قدم بھی ہم "قومی آزادی" کی طرف بڑھائیں گے، تو ایک نوعیت سے سوشلزمی سماج کی طرف بھی بڑھائیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ سامراجی طاقت ٹوٹنے پر ہم سے ایک ایسا اقتصادی نظام بنانے کو کہا جائے، جو نہ تو سرمایہ داری نظام ہو، اور نہ سوشلزمی، اسوقت ہم آگے بڑھینگے اور اپنے مقاصد یعنی آزادی، امن، اور ترقی حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔

نوجوان

[illegible]

چپاتی

معصوم پیٹ بھرے لیڈروں کی خدمت میں

(از شہاب ملیح آبادی)

کیا رنگ زمانے کو دکھاتی ہے چپاتی   دنیا میں بڑی دھوم مچاتی ہے چپاتی
اک بوند سے سو بحر بناتی ہے چپاتی   خلقت کو اشاروں پہ نچاتی ہے چپاتی
کس ناز سے قدموں کو اٹھاتی ہے چپاتی

بجلی ہے کہیں، مہر کہیں، باد بہاری   معشوق کے رخسار چھوئے، زلف سنواری
کھیلی جو جوا عشق میں، جیتی کبھی ہاری   بیدل ہے سفر میں، کبھی موٹر پہ سواری
انگار کو پانی میں بہاتی ہے چپاتی

دریا، کہیں میداں، کہیں خشکی، کہیں دھارا   آنسو کہیں، شبنم کہیں، گوہر کہیں تارا
اعزاز سکندر ہے، کہیں شوکت دارا   اک دانہ کی قیمت ہے سمرقند و بخارا
اقلیم پہ اقلیم لٹاتی ہے چپاتی

تعمیر ہوئے، فخر کے، دولت کے منارے   سر پر ہیں، کہیں تاج کے جلوے کھیل رہے
مذہب کی ہے جاگیر، کہیں زر کے اجارے   ہے خاک بسر اک، کوئی سینے کو ابھارے
خاشاک سے تلوار بناتی ہے چپاتی

سینے میں کوئی غیب کا ایمان لئے ہے   جنت کا، کوئی حور کا ارمان لئے ہے
ہاتھوں میں کوئی حشر کی میزان لئے ہے   بغلوں میں کوئی عیش کا دیوان لئے ہے
کافر کو مسلمان بناتی ہے چپاتی

دنیا میں کوئی سیر و سیاحت پہ تلا ہے   کرسی پہ کوئی مست، حکومت پہ تلا ہے
کونسل پہ، کوئی عیش پہ عشرت پہ تلا ہے   پردے میں کوئی دین کے، امارت پہ تلا ہے
مخلوق کو خالق سے ملاتی ہے چپاتی

شاعر کو کہاں عیش میں اندازۂ غم ہے؟   پستی کا ہو احساس!! بلندی پہ قلم ہے
کعبہ ہے، کلیسا ہے، جوانی ہے صنم ہے   مژدہ تجھے پرواز!! کہ آسودہ شکم ہے
بڈھوں کو جواں خواب دکھاتی ہے چپاتی

سلطاں کو فقیروں کی طبیعت نہیں معلوم   سنتے ہیں، جو ہوتی ہے حرارت نہیں معلوم
معیار حقیقت کو حقیقت نہیں معلوم   انسان کو انسان کی فطرت نہیں معلوم
اعزاز صدارت پہ لبھاتی ہے چپاتی

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن

(قاضی عبدالجلیل عباسی)

اگست ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا سنگ بنیاد زیر صدارت مسٹر محمد علی جناح اور زیر قیادت جواہر لال نہرو لکھنؤ میں پڑا اور ایک طویل مدت کے بعد ہندستان کے دو مشہور مگر متضاد خیالات رکھنے والے لیڈر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔ مسٹر جناح نے اپنے خطبۂ صدارت میں طلبہ کو اس بات پر مبارکباد دی کہ انکے دلوں میں فرقہ وارانہ خیالات کا وجود تک نہیں اور نہایت پرزور الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ ہندستان میں صرف یہی ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں ہندو مسلمان سکھ پارسی، بدھ و عیسائی کا کوئی سوال نہیں۔ جلسہ میں ہندستان کے تمام صوبوں کے طلبار کے نمائندے شریک ہوئے۔ نہایت پرزور تقریروں کے ساتھ بہت ہی اہم تجویزیں پاس ہوئیں۔ ہندستان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ یو ان حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ سی. آئی. ڈی مقرر ہوئے۔ خبریں ملیں کہ اتحاد و اتفاق کی رسی بہت مضبوط ہے اور اس کا توڑنا بغیر "آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن" قائم کئے ناممکن ہے چنانچہ ارباب حکومت کو فکر ہوئی کہ مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی تحریک کہاں سے شروع کیجائے۔ ان کی بدقسمتی کہیئے یا ہماری خوش قسمتی کہ ان کی نظر انتخاب علیگڈھ کی سرزمین پر پڑی اور وہاں کے دو ایک انگریزی بولنے والے طالب علم اس مقصد کیلئے خرید لئے گئے۔ تیاریاں بہت دھوم دھام سے ہونے لگیں۔ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد بھی حکومت کو خوش کرنے کی فکر میں ہر امکانی امداد پہنچانے پر تل گئے۔ مگر طلبا حکومت کی چالیں سمجھ گئے۔ انھوں نے یونین میں لاکر اس مسئلہ کی بہت شدت سے مخالفت کی اور صاف صاف لفظوں میں یہ تجویز پاس کردی کہ آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی تحریک شملہ کی پوٹیوں سے آئی ہے اور اس لئے اس کی مخالفت ہر آزادی پسند طالب علم کا فریضہ ہے۔ مخالفت کا زور شور دیکھکر اراکین تحریک کے حواس باختہ ہوگئے۔ گھبراہٹ میں انھوں نے علیگڈھ کے بجائے لکھنؤ اپنی تحریک کا مرکز قرار دیا اور عبداللہ یوسف علی کو صدارت کے لئے منتخب کیا۔ علیگڈھ کے طلبہ نے بھی تہیہ کرلیا کہ ہم مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی بنیادوں کو توڑے بغیر چین کر نہ بیٹھیں گے۔ ہم طلبا کی جماعت کو فرقہ وارانہ جھگڑوں میں کبھی پڑنے نہ دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ یوسف علی کے نام ایک اپیل شائع کی کہ اگر آپ ان جھگڑوں میں پڑیں گے تو مجبوراً ہمیں آپ کا استقبال چارباغ اسٹیشن پر سیاہ جھنڈیوں سے کرنا پڑیگا۔ چنانچہ

عبداللہ یوسف علی نے صدارت سے انکار کردیا اور اس طرح سارا بنا بنایا کھیل یکایک بگڑتا دیکھکر اراکین تحریک نے اجلاس ملتوی کردیا مگر علیگڈھ کے طلبار اسکے باوجود کافی تعداد میں لکھنؤ میں آئے اور حضرت مولانا عبدالوالی صاحب فرنگی محلی کی صدارت میں ایک جلسہ گنگا پرشاد میموریل ہال میں کیا جس میں اس خطرناک تحریک کی سخت مخالفت کیگئی۔ یہ واقعات دسمبر ۱۹۳۶ء کے ہیں۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں پھر ملتوی شدہ مسلم اسٹوڈنٹ کانفرنس کا انعقاد لکھنؤ میں زیر صدارت مسٹر مشیر حسین قدوائی ہوا۔ علیگڈھ کے بہادر طلبا پھر کافی تعداد میں آئے۔ اور جلسہ میں شریک ہوئے۔ صدر محترم نے خود اپنے خطبۂ صدارت میں اس خطرناک تحریک کی پرزور الفاظ میں مخالفت فرمائی اور فرمایا کہ ہندو و مسلمان ایک جسم کی دو آنکھیں اور ایک چڑیا کے دو پر ہیں۔ اور اسلئے جب طلبار کی ایک آل انڈیا جمعیتہ موجود ہے تو مسلمان طلبا کو اپنا علحدہ نظام ہرگز نہ بنانا چاہیئے۔ بہت سے طلبار نے مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی شدید مخالفت میں تقریریں کیں، چنانچہ جلسہ کا رنگ بالکل بدل گیا اور خود مسلم اسٹوڈنٹ کانفرنس کے نمائندوں نے "مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن" کی شدید مخالفت میں تجویزیں پاس کیں۔ اور آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن میں اپنا پورا اعتماد ظاہر کرنے کیلئے ایک تجویز پاس کی اور ہندستان کے تمام مسلمان طلبار سے اپیل کی کہ وہ طلبار کی آل انڈیا جماعت میں شریک ہوکر اپنی طاقت کو مضبوط کریں۔

اراکین مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی یہ اتنی بڑی شکست تھی کہ وہ ایک عرصہ تک اسکا ماتم کرتے رہے لیکن اب پھر جب انھوں نے دیکھا کہ مسلم لیگ کا ہر طرف زور ہو رہا ہے اور ہندو مسلمان کی فرقہ وارانہ جنگ کامیاب ہو رہی ہے تو انھیں معًا یہ خیال آیا کہ مسلمان طلبار کی بھی علحدہ جمعیتہ ہند آجکل قائم کیجاسکتی ہے۔ چنانچہ اب انھوں نے ایک نہایت رجعت پسند حکومت کے سایہ میں اپنا اجلاس کرنا چاہا ہے تاکہ ان کی زندگی بھر کی ناکامیابی کا بدنما داغ دھل جائے۔ سنا ہے مسٹر فضل الحق نے انھیں ہر طرح امداد دینے کا وعدہ کیا ہے دینا ہی چاہیے۔ ہندوؤں سے بدلا لینے کا وعدہ تو کر ہی چکے ہیں۔ اب مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن قائم کرنے میں امداد کون کریگا؟ میں مسٹر فضل الحق سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر پورجا پارٹی ( ) میں مسلمان اور ہندو ایک ساتھ رہ کر کام کرسکتے ہیں اور وہاں مسلمانوں کے علحدہ نظام کی ضرورت نہیں پڑتی تو آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن نے کیا خطا کی ہے؟ سنتے ہیں مولانا ظفر علی اور مولانا شوکت علی جیسے لیڈران قوم ان کی

بشت پناہ ہیں اور مسٹر محمد علی جناح جنھوں نے کل آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی مخالفت کرتے ہوئے طلبا کو اس بات پر مبارکباد دی تھی کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر بلاامتیاز ہندو مسلم سکھ و پارسی جمع ہیں اور خود اس سے سبق لینے کا وعدہ فرمایا تھا آج سب کچھ بھول کر ایک خطرناک اور خالص فرقہ وارانہ کانفرنس کی صدارت فرمانے جا رہے ہیں۔ اللہ اللہ ہمارے مسلمان لیڈر بھی کیسی کیچلی بدلا کرتے ہیں۔ آل انڈیا فیڈریشن کے صدر ہوگئے تو طلبا کو متحد ہونے پر مبارکباد دیدی اور آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے صدر بنگئے تو مسلمان طلبا کو علیحدہ پلیٹ فارم بنانے پر داد دیدی۔ اپنا کوئی اصول نہیں۔ کوئی لائحہ عمل نہیں۔ جب چاہا فرقہ وارانہ باتوں کی مخالفت کرکے ہندستان کے لیڈر بن گئے۔ اور جب "ضرورت سمجھی" مسلمانوں کے حقوق کے محافظ بنکر اسلام کے علمبردار بنگئے۔ پبلک کا حافظہ بھی کسقدر کمزور ہے کہ وہ ہمیشہ انکی پچھلی اداؤں کو بھول کر وقتی اداؤں پر ریجھ جایا کرتی ہے۔

بہرحال اب پھر آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ کانفرنس کا پہلا اجلاس زیر صدارت مسٹر محمد علی جناح کلکتہ میں ۲۷ - ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ہو رہا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ بنگال کے طلبا آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے خلاف کیوں ہیں - وہ اگر چاہیں تو بنگال اسٹوڈنٹ فیڈریشن کو مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن بنا سکتے ہیں کیونکہ وہاں وہ لوگ اکثریت میں ہیں۔ ہم یو۔ پی کے طلبا اگر مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی ضرورت محسوس کرتے تو ایک حد تک درست بھی تھا کیونکہ ہم یہاں اقلیت میں ہیں۔ ہمارے حقوق کو اکثریت نظرانداز کر سکتی تھی۔

ہم طالب علم ہیں۔ ہمارے مقاصد ایک ہیں۔ ہماری ضروریات قطعی یکساں ہیں۔ ہم ہندو ہوں یا مسلمان دونوں یکساں طور پر موجودہ خراب طریقۂ تعلیم کے شکار ہیں۔ ہم دونوں یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے ارباب حل و عقد کے یکساں طور پر شکار ہوتے ہیں۔ ہم دونوں فیس زیادہ دیتے ہیں، ہم دونوں حاضریوں کی کمی کے باعث امتحانات میں شریک ہونے سے روک دئے جاتے ہیں۔ ہماری مشکلات قطعی ایک اور ہماری مصیبتیں بالکل یکساں ہیں، ہم بحیثیت طالب علم کے ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے اور اگر جدا ہوگئے تو ہم بحیثیت طالب علم ہرگز زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر ہندستان کے سارے مسلمان طلبا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور سارے ہندو طلبا دوسرے پلیٹ فارم پر تو کیا فیس کم کرانے کا سوال پیدا ہوگا یا ایک ٹیچر کی زیادتیوں کے خلاف جنگ کرنا ہوگا یا طریقۂ تعلیم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ایک وفد وزیر اعظم کے پاس لیجانا ہوگا یا اسی قسم کی اور بہت سی ضرورتیں پیش آئیں گی تو مسلمان طلبا اپنی کارروائی الگ کرینگے اور ہندو طلبا اپنی اسکیم الگ بنائیں گے؟ کیا یہ کبھی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں البتہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کی مخالفت کی آگ بھڑکتی رہے گی اور کوئی عملی اسکیم نہ بن سکے گی یا اگر بنے گی تو کامیاب نہ ہو سکے گی اور یہی حکومت کا منشا ہے۔

نصب العین

(مترجمہ رحمت نعمانی کانپور)

وائنا کی خوبصورت سڑک پر شام کے وقت ایک دوشیزہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔ وہ سڑک پر چل رہی تھی لیکن نظریں آسمان کی سیر کر رہی تھیں لیکن فکر میں محو تھی اتنے میں موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ لڑکی چونک پڑی اور گھبراہٹ میں سڑک کے کنارے سے لپک کر بیچ میں آگئی۔ ڈرائیور نے موٹر کا بریک دبایا لیکن رکتے رکتے موٹر لڑکی سے ٹکرا گئی۔ اور وہ گر پڑی۔

موٹر رکی۔ اس میں سے ایک نوجوان نکلا اور دوشیزہ کے قریب جاکر بولا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں پیر ذرا موچ کھا گیا ہے"

"بڑا افسوس ہے، میری غلطی ——"

"نہیں، نہیں، میری ہی غلطی تھی۔ مجھ کو ہوشیار ہو کر چلنا چاہئے تھا" اتنا کہہ کر لڑکی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن گر پڑی۔ ایک پیر میں موچ آگئی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے پیر میں چوٹ زیادہ لگی ہے۔ میں ہسپتال لیچلوں وہاں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں ہسپتال جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل تک ٹھیک ہو جائیگا مگر اس وقت میں چل نہ سکوں گی۔ مہربانی کرکے ایک ٹیکسی بلا دیجئے۔"

"میری کار ہے!" اتنا کہکر نوجوان نے ہاتھ کا سہارا دے کر آہستہ آہستہ لے جاکر کار میں بٹھا دیا اور پوچھا۔

"کہاں؟"

"میں، وینیز رسٹران، جا رہی تھی"

"وہاں تو آج ایک جلسہ ہے"

"ہاں سوشلسٹوں کا"

"آپ وہیں جا رہی تھیں؟"

"ہاں آج ایک مشہور سوشلسٹ لیڈر کی تقریر ہونیوالی ہے"

"لیکن تمھارے پیر کی تکلیف؟"

"ارے یہ کوئی بڑی تکلیف نہیں۔ آپ مجھے وہاں چھوڑ دیجئے۔

میں تقریر سن کر گھر چلی جاؤں گی۔"

"تقریر سن کر میری ہی کار پر کیوں نہ گھر چلی جاتیے؟"

"آپ اسی میں خوش ہیں تو اچھی بات ہے"

جلسہ ختم ہوا۔ دوشیزہ باہر آئی تو دیکھا کہ نوجوان موٹر لئے انتظار کر رہا ہے۔

"آپ آ ہی گئے؟" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"کیوں نہ آتا؟ بازی نہیں لگائی تھی؟" نوجوان نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

لڑکی بیٹھ گئی۔ موٹر چلنے لگا۔ نوجوان نے پوچھا!۔

"کدھر؟"

"بیٹیش گام"

"وہیں رہتی ہیں؟"

"ہاں"

"ماں باپ کے ساتھ؟"

"نہیں، تنہا"

"جلسہ میں کیسی تقریر ہوئی؟"

"بہت اچھی"

"دل پر کیا اثر ہوا؟"

"یعنی؟"

"یقین سوشلزم پر ہو گیا؟"

"ہو گیا سے کیا مطلب؟ میں تو پہلے ہی سے سوشلسٹ ہوں، میرے والد پروفیسر پیٹراس ——"

"پروفیسر پیٹراس؟ آپ ان کی لڑکی ہیں؟"

"ہاں میں مارتھا پیٹراس ہوں"

کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ دوشیزہ کو شک ہو گیا کہ نوجوان سوشلسٹ نہیں ہے۔ پہلے تو اس شبہ کو حقیقت میں بدلنا نہیں چاہا لیکن کچھ دیر بعد پوچھ ہی لیا۔

"آپ سوشلسٹ نہیں ہیں؟"

"نہیں، میں کارل نامان ہوں —— ڈاکٹر نامان کا بیٹا"

"ڈاکٹر نامان؟ جو سوشلسٹوں کے سخت مخالف ہیں"

"ہاں جو سوشلسٹوں کے جانی دشمن ہیں"

پھر دونوں طرف خاموشی ہو گئی۔ اتنے میں مارتھا کا مکان آ گیا۔ مارتھا نیچے اتری۔ اب بھی پیر میں درد ہو رہا تھا۔

نوجوان: "میں اندر پہنچا آؤں؟"

"نہیں میں چلی جاؤں گی"

"میں کل آپ سے ملنے آ سکتا ہوں؟"

"ضرور، آپ کو سوشلسٹ بنانے کی کوشش کروں گی"

"اور شاید آپ ہی سوشلزم کو چھوڑ دیں" دونوں ہنسے اور ہاتھ ملا کر کارل موٹر پر بیٹھا اور اپنے مکان کو روانہ ہو گیا۔

(۳)

اس عرصہ میں دونوں ملے اور کئی مرتبہ ملے۔ سوشلزم پر ہر مرتبہ بحث ہوئی۔ نہ تو کارل، مارتھا کا سوشلزم چھڑا سکا اور نہ مارتھا ہی کارل کو سوشلسٹ بنا سکی۔

ہاں، اتنا ضرور ہوا کہ سیاسی مسائل کی حد کے باہر دونوں ایک دوسرے سے نزدیک ہوتے گئے۔ اور آہستہ آہستہ، گاہے بگاہے کی ملاقات نے محبت کی شکل اختیار کر لی۔ سیاسی خیالات میں جتنا ہی اختلاف بڑھتا گیا محبت کا پودا بھی اتنا ہی پروان چڑھتا گیا لیکن محبت کے حلقہ کے باہر جب وہ سیاسی سرزمین پر قدم رکھتے تو پھر وہی اختلاف، وہی بحث۔

یہ سلسلہ کچھ دنوں تک یوں ہی چلتا رہا۔ آسٹریا کی سیاست میں بھی امن تھا۔ لیکن اس امن کے پیچھے بدامنی کی گھٹائیں بھی پوشیدہ تھیں۔ آخر وہ برسنے لگیں۔ آسٹریا کی عنانِ حکومت سوشلسٹوں کے ہاتھوں سے نکل کر سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ لیکن شہر ویانا اس وقت بھی سوشلسٹوں کا مضبوط قلعہ بنا رہا۔ کارل کو بھی سلطنت کی طرف سے ایک اچھا عہدہ مل گیا۔ مارتھا اب سوشلسٹوں کے لیڈروں میں سے ایک تھی۔

حکومت کے انقلاب کی وجہ سے وائنا میں روزانہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ مچا ہی رہتا تھا۔ ادھر ادھر کبھی طلبا میں کبھی لیڈران میں آپس میں تصادم ہو جاتا تھا۔ ایک دن کارل اور مارتھا بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ کارل نے پوچھا!۔

"مارتھا! ہمارے سیاسی اختلاف کا کیا نتیجہ ہوگا؟"

"نتیجہ کیا ہوگا کارل! محبت کی جگہ محبت، سیاست کی جگہ سیاست!"

"مجھے مستقبل سے خوف سا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں؟"

"فرض کرو کہ . . . ."، کارل کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا فرض کریں کارل؟ کہتے کیوں نہیں؟"

"فرض کرو ہماری جماعتوں کا اختلاف بڑھتا گیا اور ...... اگر کبھی ان میں جنگ ہوئی تو ......"

"تو ہم اپنے نصب العین کے لئے سب کچھ چھوڑ دینگے"

"سب کچھ؟"

"ہاں، سب کچھ"

"محبت بھی"

"محبت چھوڑی نہیں جاتی کارل، اسکا چھوڑنا بھی غیر ممکن ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو کیا میری محبت چھوٹ جائے گی؟"

"نہیں یہ تو روح کا ایک جزو بن گئی ہے۔ نصب العین پر ثابت قدم رہنے والے محبت پر بھی ثابت قدم رہ سکتے ہیں"

"اوہ، مارتھا!" کہہ کر کارل نے مارتھا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لئے۔

(۴)

آخر وہ دن آہی گیا. گورنمنٹ اسٹریا کی جانب سے سوشلسٹ جماعت غیرقانونی قرار دیدی گئی. لیکن سوشلسٹوں نے شکست تسلیم کرنا اپنے شایان شان نہ سمجھا۔ انھوں نے بندوقوں کا مقابلہ بندوقوں سے کیا. لیکن اپنے مقام سے ہٹنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

مارتھا بھی ایک جگہ سوشلسٹ بہادروں کی کمان کررہی تھی اتفاق سے جو سرکاری جتھا وہاں مقابلہ کرنے آیا اس کا کمانڈر "کارل" ہی تھا۔

یکایک کارل کی نظر کھڑکی کے اس پار مارتھا پر پڑی۔

"مارتھا!" اس نے بدحواسی میں چلاکر پکارا۔

مارتھا کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ کارل نے پوچھا!۔

"مارتھا! تم یہاں کیاکررہی ہو؟"

"اور تم یہاں کیاکررہے ہو؟"

"میں اس فوج کا کمانڈر ہوں"

"اور میں بھی اس جتھے کی ڈکٹیٹر ہوں"

"بیوقوف نہ بنو۔ مکان خالی کردو۔ مجھے اسکو توپ سے اڑا دینے کا حکم ہوا ہے۔"

"تو پھر کیا دیکھ رہے ہو کمانڈر صاحب؟"

"باہر نکل جاؤ" کارل نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

مارتھا نے کچھ جواب نہ دیا۔ اپنی بندوق اٹھائی اور ایک سپاہی پر نشانہ لگاکر گولی چلادی۔

"فائر!"...... کارل کے منھ سے نکلا۔

توپ چلنے لگی۔ اسکے جواب میں گولیاں تھیں، چند ہی لمحوں کے بعد مکان ایک افتادہ قلعہ کی طرح نظر آنے لگا۔

کارل اندر گیا۔

اس نے دیکھا۔ مارتھا ایک کونے میں بیہوش پڑی ہے اور اسکے گلے کے زخم سے خون بہہ رہا ہے۔ کارل نے زخم پر کپڑا رکھ کر اسے خوب کس کر باندھ دیا۔ پھر وہ مارتھا کو اٹھاکر اندر کے ایک کمرے میں لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد مارتھا نے آنکھیں کھولیں۔

"پیاری مارتھا!" کارل نے پکارا۔

"کارل" مارتھا نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تم ہوش میں ہو؟ یا خدایا! اب اسے بچا ——"

کارل کا گلا بھرآیا اور وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں باغی ہوں" مارتھا نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"کچھ پروا نہیں۔ تمھارے لئے میں جان تک دینے کو تیار ہوں۔"

"میرے لئے؟"

"ہاں تمھارے لئے۔"

"نصب العین کے لئے نہیں؟"

"تمھارے لئے"

"سوشلسٹ بن کر؟"

"نہیں تمھارا ہوکر"

"میرے لئے اپنی جماعت کے سامنے ذلیل ہوگے۔ بہتر یہ ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں تو مرہی رہی ہوں، تم اپنا فرض ادا کرو۔"

"نہیں میں نہیں جاؤں گا مارتھا! ذلت، سزا اور موت، ان سب کا مجھے کچھ بھی خوف نہیں۔"

مارتھا کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی!۔

"تھوڑا پانی لے آؤ۔"

کارل گیا۔ مارتھا نے زخم کی پٹی کھول ڈالی۔ خون کی دھاریں بہہ نکلی۔ آہستہ آہستہ وہ کمزور ہونے لگی۔ جب کارل پانی لیکر آیا تو اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہوچکی تھیں۔

چین

ہمارے چندے

پنڈت جواہرلال نہرو نے مندرجہ ذیلی بیان اخبارات میں شائع کرایا ہے۔

میں نے حال ہی میں ہندستانیوں کی توجہ ان مہیب واقعات کیطرف منعطف کی جو چین پر جاپانی حملہ کے سلسلہ میں رونما ہوئے ہیں اور ان سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے چینی بھائیوں کی امداد اسطرح کریں کہ دواؤں کی فراہمی کے لئے چندے دئے جائیں۔ میرے پاس جنرل چو تہہ نے چینی زبان میں ایک خط بھیجا ہے۔ جنرل چو تہہ وہی شخص ہے جسکی فوج نے

چند سال قبل یہ حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا تھا کہ آٹھ ہزار میل کی مسافت سخت مشکلات کے باوجود طے کرلی تھی۔ فوجی کارناموں کی تاریخ میں یہ واقعہ بے مثل تسلیم کیا گیا ہے۔

اس خط پر میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ روز اتوار تاریخ ۹ جنوری کو ہندستان میں یوم چین منایا جائے۔ اور ہر جگہ جلسے کئے جائیں۔ اور چینی فوج کی طبی امداد کے لئے چندہ جمع کیا جائے۔ جتنے روپے جمع ہوں انکو کانگرس کمیٹی سوراج بھون الہ آباد کے محکمہ خارجیہ میں بھیجدیا جائے۔

پنڈت جواہرلال نہرو نے ایک طویل مراسلہ حکومت صوبہ متحدہ کے نام ۲۴ دسمبر کو بھیجا ہے جس میں کسانوں کی فلاح کی ایک اسکیم ہے۔ بنجر اور اوسر قطعات زمین کو آباد اور قابل زراعت بنانے کی کوشش حکومت کیطرف سے

صوبہ میں غلہ کی پیداوار بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور حکومت کو بھی موقع ملجائے گا کہ وہ اجتماعی زراعت کے منافع و فوائد کا ذاتی تجربہ وسیع پیمانہ پر کرے اور کسانوں کو اس سے فوائد حاصل ہوں۔

دوسرا ور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانے کیلیے بھی پنڈت جواہر لال نہرو نے غالبًا چند سہل تدبیریں پیش کی ہیں۔

لارڈ لوتھین صدر کانگرس سے ۱۲ر دسمبر کو ملاقات کرنے سوراج بھون تشریف لیگئے۔ گفتگو تقریبًا ۲ گھنٹے تک جاری رہی۔ لارڈ صاحب نے کہا فیڈریشن بھی نئے قانون کا ایک حصہ ہے جب اس قانون کو کانگرس نے قبول کرلیا ہے تو پھر وہ فیڈریشن کی کیوں مخالفت کر رہی ہے۔ صدر کانگرس نے اس کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ کانگرس صرف اسی صورت میں تشفی یاب ہوسکتی ہے جب فیڈریشن کی کو تبدیل کردیا جائے کیونکہ موجودہ صورت میں کسی صورت سے فیڈریشن قابل قبول نہیں ہوسکتا

پنڈت پرمانند کا مقدمہ واپس لے لیا گیا

لکھنؤ ۲۰ر دسمبر یونائیٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حکومت یو۔پی نے پنڈت پرمانند پر سے جو مقدمہ دفعہ ۱۲۴۔الف تعزیرات ہند کے متعلق چل رہا تھا وہ واپس لے لیا گیا۔

پنڈت پرمانند پر یہ مقدمہ دہرہ دون میں باغیانہ تقریر کرنے کے الزام میں چل رہا تھا۔ (ی۔پ)

قابل فروخت]

اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اسپشل جج صاحب بہادر درجہ دوم مقام سلطانپور

انکمبر مقدمہ نمبری ۵ سنہ ۱۹۳۶ء

تاریخ پیشی ۲۶ مارچ ۱۹۳۶ء

۱۔ ہرکھبس سنگھ ولد بخش سنگھ

۲۔ راج بہادر سنگھ
۳۔ بدری پرشاد سنگھ } پسران ہرکھبس سنگھ

۴۔ بین سنگھ
۵۔ ودن سنگھ } نابالغان بولایت راج بہادر سنگھ برادر خود

} ساکنان موضع خونج پور پرگنہ چاندہ تحصیل کادیپور ضلع سلطانپور قرضدار سائل

بنام

۱۔ بدری نرائن ولد سر بھوم ساکن موضع کجن کنوال پرگنہ ترائتیور تحصیل و ضلع سلطانپور

۲۔ سروابخش سنگھ ولد [illegible] سنگھ ساکن موضع خونج پور پرگنہ چاندہ تحصیل کادیپور ضلع سلطانپور۔ قرضخواہ فریق ثانی نے۔

چونکہ سائلان ساکن مذکور ضلع سلطانپور نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب الاصل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ) فہرست (الف) قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلق اراضی

نمبر شمار	ضلع	نام جائداد	موضع مع نمبر بندوبست و محال	درخواست دہندہ کی متعلق قابل وراثت یا قابل انتقال حقیت کی تصریح	رقم درخواست دہندہ رجسٹر دفتر صاحب کلکٹر	درخواست کی حقیت بجوز تشخیص مال گذاری	کیفیت
۱	سلطانپور	حقیت علی الکھاتہ [illegible] لو	مرشد پور دیوار پرگنہ چاندہ	قابل انتقال	[illegible]	[illegible]	
۲	”	[illegible] ۱۶ ب	خونج پور پرگنہ چاندہ	”	[illegible]	[illegible]	
۳	”	[illegible] ۱۳ ب	گوپال پور پرگنہ مہاں پرگنہ چاندہ	”	[illegible]	[illegible]	
۴	”	[illegible] ۱۳ ب	ایضًا	”	[illegible]	[illegible]	
۵	”	[illegible] ۵ لو	ایضًا	”	[illegible]	[illegible]	
۶	”	[illegible]	کنجن پور پرگنہ چاندہ محال خود	”	[illegible]	[illegible]	
۷	”	[illegible] ۵ لو	مام پور گومہاں پرگنہ چاندہ محال خونج پور	”	[illegible]	[illegible]	
۸	”	[illegible]	بھیرپور پرگنہ چاندہ	”	[illegible]	”	
۹	”	[illegible]	ایضًا	”	[illegible]	”	
۱۰	”	[illegible]	ایضًا	”	[illegible]	”	

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ لکھنؤ

جسکے ماتحت یہ اخبار شائع ہوتا ہے

کل سرمایہ	۲۰۰۰۰
سرمایہ جسکے حصے آجکل فروخت ہو رہے ہیں	۱۰۰۰۰
سرمایہ جو وصول ہو چکا ہے	۳۵۰۰

ڈائرکٹران

پنڈت گووند ولبھ پنت — اچاریہ نریندر دیو

مسٹر رفیع احمد قدوائی — ڈاکٹر حسین ظہیر

ڈاکٹر محمد اشرف — ڈاکٹر عبد العلیم

نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ

ہندوستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے [illegible] پریس [illegible] نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد (۲) نمبر (۲) ‖ لکھنؤ ۹ جنوری ۱۹۳۸ء ‖ فی پرچہ ۱ر سالانہ ۲عہ ر

محمود پاشا کی وزارت

شاہ فاروق کے فرمان پر نحاس پاشا کی وزارت الگ ہوگئی، اور محمود پاشا نے جو لبرل جماعت کے لیڈر ہیں اپنی وزارت مرتب کی ہے۔

مصری پارلیمنٹ کے دو ایوان ہیں مجلس الشیوخ (ایوان اعلیٰ) مجلس النائبین (ایوان نمائندگان) مجلس الشیوخ میں ۱۴۷ ارکان ہوتے ہیں جنہیں ۹۲ منتخب ہوتے ہوتے ہیں اور ۵۲ کو بادشاہ نامزد کرتا ہے۔ ان میں سے (۶۲) ارکان وفدی جماعت کے نمائندہ ہیں۔

مجلس النائبین کے جنکو تمام اختیارات حاصل ہیں ۲۳۲ ارکان ہیں۔ جن میں سے ۱۶۶ وفدی جماعت کے ہیں۔ صرف ۲۰ لبرل جماعت کے جس کے لیڈر محمود پاشا ہیں۔

شاہ فاروق نے اب وزارت اکثریت سے لیکر اقلیت کے سپرد کی ہے۔

شاہ فاروق اور نحاس پاشا کے اختلاف کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نحاس پاشا شاہ فاروق اور فریدہ کی شادی کے مخالف تھے۔ علما بھی انکے مؤید تھے۔ لیکن بادشاہ نے اسکو منظور نہیں کیا۔ اور وزارت ایسی جماعت کے سپرد کی ہے جس کی تعداد اتنی کم ہے۔ یہ اتنی بڑی بے قاعدگی ہے جو شاید ہی کسی جمہوری حکومت میں ہوتی ہو۔ قاعدہ سے تو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ پارلیمنٹ توڑ دی جاتی۔ اور بادشاہ ووٹ والوں سے اپیل کرتا۔ اب یہ ملک کو اختیار تھا کہ وہ بادشاہ کی شادی کو پسند کرتا، یا وفد پارٹی کے پروگرام کو۔

مصری طلبا کیوں نحاس پاشا کی جان کے گاہک ہیں؟

کچھ طلبا نے نحاس پاشا (وفد پارٹی کے لیڈر اور سابق وزیر اعظم) پر حملہ کیا تھا۔ مگر مارڈالنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے دکیم اکتوبر کو نحاس پاشا کی حکومت نے خبروں کی ایجنسیوں اور اخباروں کو اسکولوں اور کالجوں کے طلبا کی اسٹرائکوں کی خبریں، یا کسی طرح کی بھی ہوں بیٹھے کی ممانعت کردی تھی۔ یہ وہی قانون ہے جو ۱۹۲۹ء میں وزیر محمود پاشا نے بلا پارلیمنٹ کی منظوری کے تیار کیا تھا مگر اس کی ایسی سخت مخالفت ہوئی کہ عمل میں لایا جا سکا۔ اس مخالفت میں نحاس پاشا نے بڑا حصہ لیا تھا لیکن اب نحاس پاشا ہی کی جمہوری اور دستوری حکومت اخباروں کی آزادی چھین رہی ہے۔

طلبا اور نحاس پاشا کی حکومت میں یہ اختلاف کیوں ہے؟

طلبا نے مصر کی سیاست میں ہمیشہ بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ شہریوں اور کسانوں کے درمیان یہ تعلقات کی کڑی بنے رہے ہیں۔ انھوں نے کسانوں کو پڑھایا لکھایا۔ ان میں بیداری پیدا کی اور انکو سیاسیات کی ابجد سکھائی۔ وفد پارٹی کو کبھی کامیابی نہ ہوتی اگر طلبا مدد نہ کرتے۔ طلبا نے برطانیہ کا مقابلہ یوں کیا کہ پارٹی کی تحریک کسانوں تک لے گئے، ٹڈی دل جلوس نکالے، اور عام اسٹرائکیں کرائیں، اور پولیس کی ڈٹ کر مقام کا مقابلہ کیا۔ جس میں زخمی بھی ہوئے، اور جان سے بھی مارے گئے۔

لیکن جب سے وفد پارٹی نے برطانیہ سے سمجھوتے کی بات کی طلبا کا

نوٹ

ایک باختیار گروہ سخت مخالف ہوگیا۔ اسکے نزدیک ایسی حرکتیں مکمل آزادی کے کریڈ کے خلاف ہیں۔ طلبا اس تحریک میں اکیلے نہیں ہیں۔ بلکہ وفد پارٹی کے اور مخالف پارٹی کے ممبروں کی اچھی تعداد بھی شریک ہے۔

وفد پارٹی نے حکومت ملنے سے پہلے کچھ وعدے کیے تھے۔ تعلیم یافتہ جماعت کی بیکاری دور کرنا۔ عام تعلیم کیلئے نئے اسکول کھولنا (پچاسی فیصدی آبادی ابھی تک ناخواندہ ہے۔ بقیہ میں سے ۱۰ فیصدی صرف پڑھنا لکھنا جانتے ہیں اور ۵ فیصدی اچھی تعلیم پائے ہوئے ہیں)۔ دیہاتوں میں ہسپتال قائم کرنا حفظان صحت کے اصولوں کا پرچار کرنے کیلئے محکمے کھولنا۔ اور کسانوں کے معیار زندگی اور طریقہ کاشت میں اصلاح کرنا۔ ابھی تک وہاں کے کسان ہندستانی کسانوں کی طرح دقیانوسی ہلوں کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب تحریکیں ایسی تھیں جن میں لکھے پڑھے بیکار تعلیم یافتہ نوجوان کھپ سکتے تھے۔ لیکن حکومت نے ابتک کچھ نہیں کیا۔ بلکہ اس نے بیکار طلبہ کی مدد سے انکار کر دیا اور کہا کہ انکو اپنا علاج خود کرنا چاہیئے۔ یعنی تجارتی اداروں میں ملازمت تلاش کرنا چاہیئے۔ یا ڈاکٹری اور وکالت کے قسم کے پیشے کرنا چاہیئیں۔

(ملاحظہ ہو، وزیر تعلیمات کی تقریر ۳۱ رمئی ۱۹۳۸ء)

نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۸ و ۱۹۳۹ء کا تعلیمی سال شروع ہوتے ہی طلبا میں سخت برہمی کے آثار دکھلائی پڑے۔ اسٹرائکیں شروع ہوئیں اور انھوں نے اتنا زور باندھا کہ مذہبی درسگاہوں، ازہر وغیرہ اور دیہاتوں کے مدرسوں تک دب گئیں۔ حکومت کے طرح طرح کے وعدوں اور دھمکیوں نے کچھ اثر نہیں کیا۔ وزیر تعلیم نے یہاں تک دھمکی دی کہ جو طلبا ان اسٹرائکوں میں لیڈری کر رہے ہیں انکو آخری امتحانوں میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی مگر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور طلبا اسی پامردی سے لڑائی کے مورچے پر جمے رہے۔

ممبروں سے [illegible] کمل ہے۔ زوجی کالج کے طلبہ برابر اعتراض کر رہے ہیں ان کے [illegible] جلوس [illegible] رستے پر، ہم وزیر تعلیم کی خدمت میں جا کر [illegible] مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ مستعفی حکومت [illegible] وزیر تعلیم نے طلبا سے [illegible]

سیاسی [illegible] ذکر دیا تھا [illegible] ہو گئی ہے۔ حالات ہمارے نقطوں سے [illegible]

[illegible] بڑھا ہوا ہے [illegible] کا تذکرہ کیا

پیٹ بھروں کی پالیٹکس

دسمبر کے آخری ہفتہ میں لبرل (اعتدال پسند) کانفرنس منعقد ہوئی۔ مسٹر جے۔ این باسو نے استقبالیہ خطبہ پڑھا۔ اور سری سیتا لو ڈے نے ایک لمبا سا خطبہ صدارت پڑھا۔ اس میں کہا کہ "اب کانگرس اعتدال پسندوں کے اصول پر عمل کر رہی ہے۔ وہ یوں کہ اس نے وزارت قبول کر لی ہے۔ مزدوروں پر لاٹھی چارج کیا۔ کسانوں کو جیل میں ڈالنے کی دھمکی دی۔ کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کو گرفتار کیا ایک کانگرسی کو ۱۲۴ الف کے ماتحت بھی گرفتار کیا گیا۔

اعتدال پسندوں کیلئے واقعی یہ بات خوشی کی ہے کہ عوام یعنی ۳۲ کروڑ پر سختیاں کیجا رہی ہیں، اور انکو ڈنڈوں کے زور سے سمجھایا جا رہا ہے کہ "حقوق" "روٹی اور آرام" نہ مانگو۔ یہ صرف حق ہے" ہم لوگوں" کا۔ پہلے ان معقولوں میں صرف دس بارہ اعتدال پسند تھے، اب معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ کھدر پہننے والے بھی آگئے۔ بہتر ہوگا کہ ان الفاظ کی تنقید جواہر لال کی زبان سے کی جائے۔ جواہر لال نے ہردوار گنج میں کہا ہے۔

"آج ہماری حالت کیا ہے؟ برطانیہ نے ایک انتظامی جال بنایا ہے، جو ہمکو غلام بنائے ہوئے ہے۔ یہ فوج نہیں ہے جو ہمکو جکڑے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ خاص نظام ہے وائسرائے سے لیکر جو شملہ اور نئی دہلی میں براجمان رہا ہے۔ دیہات کے پٹواری تک ایک جال بنا ہوا ہے۔"

"اس نظام میں ہمارے وزیر کہاں نظر آتے ہیں۔ وائسرائے اپنی جگہ پر گورنر اپنی جگہ پر۔ اور تمام افسر اپنی جگہ پر۔ حتیٰ کہ لال پگڑی والا پولیس مین بھی نہیں بدلا۔ ہاں ہمارے چھ آدمی اس طرح دفن ہوگئے ہیں کہ نہ زمین کے اوپر ہے نہ پوری طرح زمین کے نیچے۔"

"میں یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ ہمارا کوئی ساتھی جیل کی کوٹھری میں پڑا ہے۔ میں یہ برداشت کرسکتا ہوں کہ ہمارے لاکھوں بھائی ساتھ ساتھ آزادی کی لڑائی میں اپنی جان پر کھیلیں۔ لیکن وہ چیز برداشت نہیں ہو سکتی۔ میں نے وعدے کئے تھے کہ یہ کروں گا۔ وہ کروں گا۔ لیکن آج جب میں دیکھتا ہوں وزارت ہمارے پاس ہے لیکن پھر بھی ہم اپنے دعوے پورے نہیں کرسکتے۔ یہ برداشت نہیں ہوتا۔ ہم کو ایک مقررہ راستہ پر جانا ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ تو بہتر ہے کہ ہم اس جگہ پر نہ رہیں۔"

کسانوں اور وزارت کے جھگڑوں پر مسٹر شالوڈ نے کہا۔

"یہ دقتیں جو کانگرس کے وزیروں کو پیش آرہی ہیں۔ انہیں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جب تم لوگوں میں ایک بار حکومت و قانون کے خلاف بغاوت کرنے کی روح پیدا کردوگے، تو وہی روح جب تمہاری حکومت ہوگی، تمہارے خلاف کرے گی۔"

ہردوار گنج کی تقریر میں جواہر لال نے جو الفاظ کہے وہ اسکی بہترین تنقید ہو سکتے ہیں۔ "ہمکو کانگرسی وزارتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سوراج مل گیا۔ وزارتیں خاص طاقت نہیں ہیں۔ خاص طاقت دیہاتوں کے رمنڈلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ جو ہماری پشت پناہ ہیں انکو مضبوط ہونا چاہیئے۔ ورنہ ساری عمارت بیٹھ جائیگی"

اعتدال پسند سمجھ رہے ہیں کہ وزارت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وزارت ہو۔ اور زیادہ یہ ہے کہ، ہماری وزارت ہو اور ہم، ترقی کریں۔ ہم جو چاہیں وہ ۳۳ کروڑ کو دیں۔ اور جو چاہیں نہ دیں۔ عوام کا صرف یہ کام ہے کہ ہاتھ پھیلائے، آنکھیں پھاڑے، ہماری دیا کے منتظر رہیں اور اس ہم، کے دائرے میں مشکل سے چند لاکھ آدمی آتے ہیں۔ کانگرس کا مقصد اس سے بلند ہے۔ جواہر لال کہتے ہیں۔

"ہمارا مسئلہ ہے، بھوکے، بیکار اور بے گھربار لوگ۔ دوسرے ملکوں میں جو لوگ بے مذہب ہیں وہ بھی ہم سے اچھی طرح رہتے ہیں۔"

جواہر لال کے ہم میں ۳۵ کروڑ ہندستانی آتے ہیں۔

اعتدال پسند کچھ پیٹ بھرے، باعزت لوگوں کا جمگھٹا ہے۔ ان کی جان دو چیزیں ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ سال بھر میں ایک جگہ جمع ہوگئے۔ جلسے ہوئے تقریریں ہوئیں اخباروں میں تصویریں آگئیں۔ لوگوں کو یاد آگیا ارے ایک سیاسی جماعت وہ بھی ہے۔ ہندستان کی بھوک کیسے دور ہو؟ بیکاری کیسے دور ہو؟ برطانیہ سے اختیارات

کیسے پہنچنے جائیں؟ ان سوالوں کے جواب میں اعتدال پسند سرنہیں کھپاتے:۔

ہندستان سے برما کا فاصلہ

ہندستان سے برما کی جدائی کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاک، تار، اور پارسل پر زیادہ قیمت کے ٹکٹ لگانا پڑتے ہیں۔ اچھے اگلے دنوں میں ایک پیسہ کا پوسٹ کارڈ ہندستان کے کسی صوبہ کی خبر برما پہنچا دیا کرتا تھا لیکن اب سامراجی لیڈروں نے برما کو ہندستان سے کاٹکر الگ کر دیا۔ اب اس کی ذات دوسری ہے۔ وہاں تک پہونچنے کے لئے پوسٹ کارڈ پر دو آنہ کا ٹکٹ ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے تار، اور پارسلوں کا حساب بھی بڑھ گیا ہے۔ لیکن اس گرانی کی کیا وجہ؟ یہ تو یقینی ہے کہ خلیج بنگال پر، جیسے پہلے جہاز جاتے تھے اب بھی جہاز جاتے ہیں۔ اور ہندستان و برما کا فاصلہ بھی نہیں بڑھا، کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی جاپانی آبدوز یا جنگی کشتی، ڈاک کے جہازوں کی تاک میں رہتی ہو۔ اگر یہ بھی ہو تو بھی ڈاک گراں ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں۔"

(امرت بازار پتریکا)

آنریبل فضل الحق کی نت نئی بولیاں

فضل الحق نے میمن سنگھ میں تقریر کی۔ اس میں کہا کہ ہمارے کابینہ پر اعتراض ہے کہ ہم تنخواہیں دو ہزار اور تین ہزار ماہوار لیتے ہیں، حالانکہ کانگرسی وزیر صرف پانچسو لیتے ہیں۔ اعتراض کرنیوالوں کو نہیں معلوم کہ ہمارے وزیر کابینہ میں آنے سے پہلے چار اور پانچ ہزار ماہوار کماتے تھے"

بات ٹھیک کہی، ایسے اونچے نیتا ابھی تک صرف ولایت سے سستے داموں آتے تھے۔ اگر فضل الحق نے ہندستان ہی میں دو ہزار اور تین ہزار کے خریدے تو سستے خریدے۔ اب کون کہے کہ کانگرسی کابینوں میں ایسے بھولے لوگ ہیں جن کی بڑی بڑی آمدنیاں تھیں، مگر چھوڑ چھاڑ، پانچسو پا کر رہے یہاں فضل الحق کا ایسا مربی کہاں۔ جو ان کی خدمات کی قدر کرے۔ اگر نفع نہ دے تو لاگت تو دے۔

"امرت بازار پتریکا" کی گستاخی دیکھو!! کہتا ہے کہ بنگالی کابینہ میں ایسے ایسے وزیر ہیں جن کی آمدنی ڈھائی سو سے اوپر نہیں پہونچی تھی"۔

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں "شیر بنگال" نے زیادہ شاعری سے کام لیا تھا۔ بولے کہ کانگرسی وزیر کہنے کو پانچسو تنخواہ لیتے ہیں، مگر یہ پانچسو ویسے ہی ہیں جیسے پولیس کے ورد فوجی کے بچاس۔ کچھ ادھر سے آمدنی کچھ ادھر سے آمدنی موٹر الاؤنس، مکان کا الاؤنس، یہ الاؤنس، وہ الاؤنس، سب مل جلکر یہ پانچسو ہزاروں سے اوپر نکل جاتے ہیں۔

ہمارے لیگی بھائی یہ سنکر بہت خوب ہنسے۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ ہنسی تو ضرور آنا چاہئے تھی، مگر فضل الحق کی بات پر نہیں بلکہ خود فضل الحق پر، ایک صوبہ کا وزیر اعظم، اور ایسی بے پر کی اڑائے!!

جن کانگرسی وزیروں کے پاس سرکاری مکان نہیں ہے، انکو مکان کا کرایہ دیا جاتا ہے۔ یو۔ پی میں یہ رقم ۱۵۰ سے نہیں بڑھنے پاتی ہے، اسکے علاوہ اور کوئی، کسی قسم کا عطیہ یا الاؤنس یا اوپر کی آمدنی نہیں ہے۔

فضل الحق اگر چاہتے تو یہی بات میمن سنگھ میں بھی کہہ دیتے۔ کسکو ایسی باتیں تفصیل سے معلوم ہوتی ہیں۔ اور معلوم بھی ہوں تو کون کہنے اٹھتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ جس زمانے میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا برسات تھی، اور اب ہے موسم جاڑے کا۔ ہر فصل کی بولیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔

آل انڈیا نسواں کانفرنس

دسمبر کی آخری تاریخوں میں۔ ناگپور میں آل انڈیا نسواں کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ ابھی تک کانفرنس کو پالیٹکس سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ اس کا مقصد صرف عورتوں کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی رہا ہے۔ لیکن ایکی آخری اجلاس کے دن ایک ترمیم پیش کی گئی، جس پر ساڑھے تین گھنٹہ تک بحث رہی۔ ترمیم یہ تھی کہ عورتوں کو پالیٹکس میں اس طرح شرکت کرنے کی، کہ پارٹیوں کی پالیٹکس میں نہ پڑیں، اجازت دیدی جائے آخر میں ۶۵ ووٹ ترمیم کی موافقت میں آئے۔ اور ۶۲ مخالفت میں، گویا اکثریت اس ترمیم کی موافق تھی مگر صدر نے یہ فیصلہ کیا کہ نصب العین میں اس وقت ترمیم ہو سکتی ہے جب ۳/۵ کی اکثریت سے ترمیم پاس ہو۔ اس لئے نصب العین وہی برقرار رہا۔

اگر صرف باتیں بنانا ہے، اور کچھ کرنا دھرنا نہیں، تو ایسے معصوم نصب العین بہت موزوں ہیں، لیکن اگر واقعی تعلیمی یا معاشرتی ترقی مقصود ہے تو بلا پالیٹکس میں پڑے کچھ ہو نہیں سکتا۔

اگر ہم ایک ذرا سا کام کرنا چاہیں کہ دیہاتی اسکولوں میں طلبا کی تعداد بڑھ جائیں۔ تو ہمکو ان مسئلوں پر غور کرنا پڑے گا۔

(۱) طلبا کے اسکول چھوڑنے کی جو وجہیں ہوتی ہیں، وہ کیسے دور کیجائیں؟

(۲) دیہاتی طلبا کے سامنے کوئی تعلیم کا مقصد ہونا چاہئے۔ مقصد کیا رکھا جائے۔ پہلے مقصود ہوتا تھا پٹواری بننا۔ مگر اب مڈل پاس کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ یہ مقصد بے کار ہو گیا۔

(۳) تعلیم کے لئے اخراجات کہاں سے آئیں؟

نمبر ۱ (الف) ماں باپ اسکول چھڑا دیتے ہیں تاکہ اپنے لڑکوں کو کسی روزگار میں لگائیں۔
نمبر ۱ (ب) طلبا اسکول چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ دیہاتی اسکولوں کی پڑھائی بالکل بے مزہ چیز ہے، جو کچھ وہاں سکھایا جاتا ہے، اس سے اور زندگی سے دور کا تعلق بھی نہیں۔

ان الٹی ہواؤں سے لڑنے کے لئے غریبی اور بیکاری کا مسئلہ اٹھانا پڑیگا۔ اور ان مسئلوں کا چھونا، پالیٹکس میں پڑنا ہے۔

معذرت

ہندستان (جلد ۱ نمبر ۲) ۱۹ / دسمبر کو جو افسانہ مزدور کے عنوان سے چھپا ہے وہ رام پرتاب صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ ہمکو سخت ندامت ہے کہ ان کا نام نہ فہرست پر چھپا اور نہ افسانے کے شروع میں۔

صوبہ متحدہ کی تیسویں سیاسی کانفرنس

پاس نوکرسمس کے ہفتے میں ہندستان بھر میں کانفرنسوں اور جلسوں کی بھرمار تھی۔ لیکن ہردوا گنج کے گمنام قصبے میں صوبہ متحدہ کی سیاسی کانفرنس کا تیسواں اجلاس ان سب میں انوکھا تھا۔ جب سے کانگرس اور اس کی شاخوں کے اجلاس شہروں کو چھوڑ کر دیہات میں ہونے لگے ہیں، اس وقت سے انکا رنگ ڈھنگ بالکل بدل گیا ہے۔ پہلے ان جلسوں میں صرف پڑھے لکھے سفید پوش لوگوں کا مجمع ہوتا تھا لیکن اب کسان اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں کہ شہر والے ان کے درمیان گم ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔ ہردوا گنج میں صرف ایک صوبہ کی کانفرنس تھی لیکن بلا مبالغہ اس میں لکھنؤ کے آل انڈیا اجلاس سے زیادہ مجمع تھا۔ یہ مجمع ایک لاکھ سے ہرگز کم نہ تھا۔ اجلاس کی کارروائی میں دلچسپی لینے والوں یعنی ٹکٹ خرید کر پنڈال کے اندر جانے والوں کی تعداد بھی ساٹھ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ باقی لوگ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے تماشا دیکھنے والے تھے۔ مذہبی میلوں میں بھی اتنی رونق اور چہل پہل مشکل سے نظر آتی ہے۔ انتظام تمام مشکلوں کا لحاظ کرتے ہوئے بہت اچھا تھا باہر والوں کے ٹھہرنے کا معقول انتظام تھا۔ علی گڑھ کی ضلع کانگرس کمیٹی کے کارکن اور خاص کر ٹھاکر ملکھان سنگھ قابل مبارکباد ہیں کہ اتنی بڑی کانفرنس کا انتظام ان لوگوں نے اتنی اچھی طرح کر لیا۔

اصلی کانفرنس تو ۳۰ سے شروع ہوئی لیکن دو تین دن پہلے سے ہی لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ ۲۹ کو کسانوں کی ایک کانفرنس موہن لال گوتم کی صدارت میں ہوئی جس میں کسانوں کے مطالبات پیش ہوئے۔ اس میں بھی مجمع ستر ہزار سے کم نہ ہوگا۔ کسان اب اپنی ضرورتوں کو سمجھنے لگا ہے۔ اور اب وہ زمانہ گیا ہے جب دو چار پڑھے لکھے آدمی کسانوں کے نمائندے بن کر اپنے جی سے ان کی بھلائی کی تجویزیں منظور کرتے تھے۔ اب جگہ جگہ کسان سبھائیں قائم ہیں جو نہ صرف وقتی مطالبات پیش کرتی ہیں بلکہ زمینداری کو منسوخ کرنے کا بھی مطالبہ کرتی ہیں۔ اب کسانوں کو میٹھی میٹھی باتوں سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ اب انکے رہنما خود انھیں میں سے پیدا ہو رہے ہیں جو ان کو صحیح راستے پر لگائیں گے اور سامراج و سرمایہ داری کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کریں گے۔

کسانوں کی اس دلچسپی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کانفرنس کی سبجکٹس کمیٹی میں زیادہ تر تجویزیں کسانوں سے متعلق ہی پیش ہوئیں۔ ایک بہت لمبی تجویز جیسے کئی حصے تھے دو دن کی بحث کے بعد منظور ہوئی۔ اس میں کانفرنس نے صوبہ کی حکومت کے سامنے وہ اصلاحات پیش کی ہیں جن پر عمل درآمد فوراً ضروری ہے۔ امید ہے کہ لگان اور قرضہ سے متعلق جو قانون اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش ہوگا اس میں ان تجویزوں کا لحاظ رکھا جائیگا۔ اگر زمینداری فوراً ختم نہیں ہو سکتی تو کسانوں کی حالت کو سدھارنے کیلئے جن اصلاحات کی فوراً ضرورت ہے انپر تو جلد عمل ہونا چاہئے اسلئے کہ کسان اب زیادہ دن امیدیں لگائے بیٹھے نہیں رہ سکتے۔

اس سلسلے میں ایک ٹیڑھا سوال جو ملک بھر میں پیش ہے یہ ہے کہ کانگرس کی ابتدائی کمیٹیوں اور کسان سبھاؤں میں کیا تعلق ہونا چاہئے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب کانگرس کے ممبروں میں کسانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے اور دن بدن بڑھ رہی ہے تو کسان سبھاؤں کی الگ کیا ضرورت ہے؟ اس میں شک نہیں کہ کانگرس کسانوں اور مزدوروں کے مطالبات پر روز بروز زیادہ زور دے رہی ہے لیکن کانگرس کا اصل مقصد سامراج کے خلاف پوری طاقت سے جدوجہد کرنا ہے۔ اس میں ملک کی تمام سامراج دشمن جماعتیں شامل ہیں۔ وہ نہ تو مزدوروں اور کسانوں کی ضرورتوں پر توجہ کر سکتی ہے اور نہ ان کے لئے اس طرح لڑ سکتی ہے جس طرح کسان سبھائیں یا مزدور سبھائیں۔ کانگرس کو چاہئے کہ ان سبھاؤں کے قیام میں مدد دے اسلئے کہ کسانوں اور مزدوروں کی تنظیم انکے معاشی مطالبات کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے آزادی کی تصویر اس وقت تک دلکش اور دلفریب نہیں بن سکتی جب تک اس میں معاشی انقلاب کا رنگ نہ بھرا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض جگہ کسان سبھاؤں اور کانگرس کمیٹیوں میں مخالفت سی پیدا ہو گئی ہے اس لئے کسان سبھاؤں کو بند کر دینا چاہئے۔ اگر کہیں ایسی صورت ہو تو اس مخالفت کو جلد سے جلد دور کرنا چاہئے اسلئے کہ اس میں زیادہ نقصان خصوصاً کسان سبھاؤں کا ہوگا۔ ان میں ابھی اتنی طاقت نہیں پیدا ہوئی ہے کہ وہ ہندستان کے سب سے بڑے قومی ادارے کی مخالفت کے باوجود زندہ رہ سکیں۔ اس مخالفت میں کانگرس کا بھی نقصان ہے۔ اسلئے کہ اگر کسان کانگرس میں شامل نہ ہوں تو کانگرس کا وجود بے اثر ہو کر رہ جائیگا۔ کانگرس کمیٹیوں اور کسان سبھاؤں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک کو دوسرے سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ صوبہ متحدہ کی کانگرس کمیٹی کی مجلس انتظامیہ میں یہ سوال ہردوا گنج میں پیدا ہوا تھا اور یہ طے ہوا کہ مجلس انتظامیہ اس سے متعلق ایک مفصل بیان شائع کرے گی۔ ہمیں امید ہے کہ اس بیان سے ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور کانگرس کے عہدہ دار اور کسان سبھاؤں کے کارکن مل جل کر کام کریںگے۔

کانفرنس میں بہت سی تجویزیں ایسی پاس ہوئیں جن میں صوبہ کی حکومت سے کسی نہ کسی بات کی درخواست یا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس میں بعض ایسی بھی ہیں جو ان لوگوں کو ناقابل عمل معلوم ہونگی جو حکومت کے دقیانوسی نظریہ کے قائل ہیں یعنی یہ کہ موجودہ نظام کو قائم رکھ کر تھوڑی سی اصلاح کرنے سے کام چل جائیگا۔ ہمارا موجودہ نظام حکومت ایسا ہے کہ اس میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی پوری پابندی کر کے ہم اس میں معمولی تبدیلی بھی نہیں کر سکتے۔ کانگرس نے وزارتوں پر قبضہ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ایک ناقص مشین کے کل پرزے درست کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر دے بلکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس ذریعہ کو اپنے ہاتھ میں رکھے جس سے مخالف جماعت اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور جس پر قابو رکھنے سے ہم سامراج کے خلاف اپنے مورچے کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں وزارتوں کا فرض ہے کہ ایسی راہ اختیار کریں جس سے ملک میں سامراج دشمن تحریک کو پوری پوری مدد ملے۔

بغاوت کا سوال

(منظر رضوی)

آجکل دفعہ ۱۲۴ - الف تعزیرات ہند کے چرچے بہت سننے میں آتے ہیں۔ اور اسکے ماتحت پنجاب، بنگال اور مدراس وغیرہ میں دھڑا دھڑ گرفتاریاں بھی ہو رہی ہیں۔ یہ دفعہ ان لوگوں پر لگائی جاتی ہے جو برطانیہ کے بادشاہ کے خلاف ہندستان میں بغاوت (؟) پھیلاتے ہیں، اور ہندستان کی برطانوی حکومت کو جو "قانونی طور پر قائم ہے" (؟) اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس دفعہ کے تحت آج کل جو کارروائیاں ہو رہی ہیں، اور جو مقدمے چل رہے ہیں ان سے ہمیں بحث نہیں۔ کیونکہ جب تک اس دفعہ کا وجود باقی ہے تب تک حاکم طبقہ چاہے وہ ہندستانی قومیت کا ہو یا برطانوی نوکرشاہی کا اپنی طاقت کو قائم رکھنے کیلئے استعمال کرتا ہی رہیگا۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ کیا برطانوی تاج شاہی کو ہندستان پر کوئی آئینی اور قانونی حق حاصل ہے؟ اور کیا ہم کسی آئینی حکومت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟ یا کسی لٹیرے طبقے کو حکومت سے معزول کرنا چاہتے ہیں، اور اس کی جگہ خود لینا چاہتے ہیں؟۔

ان سوالوں کو سمجھنے کے لئے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ قانونی حکومت کہتے کسے ہیں؟۔

آج کل کی جمہوریت ایک باہمی معاہدہ ( ) پر کھڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور ہاتھوں میں لینے سے پہلے حاکم جماعت عام لوگوں کے سامنے اپنا سیاسی، سماجی اور اقتصادی پروگرام رکھدیتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم اسی پروگرام کے مطابق تم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم کو قبول ہو تو ویسا کہو۔ جنتا اس پر سوچتی ہے اور اسکے بعد فیصلہ کرکے بتاتی ہے کہ ہاں تمہاری حکومت ہمکو منظور ہے۔ ہم پر حکومت کرو۔ تب وہ جماعت جنتا کی رائے سے جنتا پر حکومت کرنے لگتی ہے۔ آج کل سب ملکوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ روس یا اسپین کی جنتا جب اپنے اپنے ملکوں کی بادشاہی سے عاجز آگئی تو اس نے بار بار دستور ساز جمعیت کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ زارشاہی سے عاجز ہو چکی تھی۔ اور دوسری طرح کی حکومت چاہتی تھی جسکے تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہوں اسلئے وہ دستور ساز انجمن میں بیٹھ کر اپنے ہی طبقہ کا راج قائم کرنے کیلئے ایک نیا معاہدہ تیار کرنا چاہتی تھی۔

لیکن ہندستان کی جنتا نے کبھی انگریزوں کو دعوت نہیں دی کہ تم آکر ہمارے اوپر راج کرو۔ یہ انگریز تو آپ ہی آپ تجارت کے بہانے سے یہاں ٹپک پڑے اسی بہانے سے بڑے بڑے قلعے بنوالئے اور فوجیں رکھیں۔ اور وقت کو پہچان کے بار بار ہندستانی ریاستوں پر حملہ کرکے اپنی طاقت بڑھاتے رہے۔ اخیر میں جب انکا زور بہت بڑھ گیا تب ہندستانیوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ انگریز اپنا راج قائم کر رہے ہیں۔ وہ بگڑ گئے۔ اور آزادی حاصل کرنے کیلئے انگریزوں پر جہاد کر دیا۔ اس میں ہندو مسلمان، عورت مرد سب شریک ہوئے۔ یہ ۱۸۵۷ء کی بات ہے۔ اس جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ہندستانیوں کو انگریزوں کی حکومت پسند نہیں تھی۔ اسلئے وہ اس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر انگریزوں نے دھوکے اور فریب سے چپکے چپکے اپنی طاقت بہت بڑھا لی تھی۔ بہت سی انگریزی فوج یہاں بلا رکھی تھی تاکہ اسکی مدد سے ہندستانیوں کا خون بہا کر بدامنی مچا کر اور دہشت پھیلا کر اپنا راج قائم کر لینگے۔ یہ سارے منصوبے وقت پر کام آئے۔ اسکے بعد بھی ملک بڑھانے کا طریقہ جاری رہا۔ بہت سے قانونی طریقے نکالے گئے جیسے کسی راج کے کوئی اولاد نہ ہو تو اسکی ریاست ضبط۔ اگر کسی نواب نے فوج کا چندہ نہ دیا تو اسکی نوابی ختم۔ اسی طرح کی باتوں سے برٹش ہندستان کا حلقہ بڑھتا رہا (اسکے یہ معنی نہیں کہ ہم ہندستانی ریاستوں، راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کے طرفدار ہیں) یہ سب کام تشدد اور دہشت کے ذریعہ اور کہیں چالبازی اور فریب سے ہوتا رہا۔ کبھی بھی جنتا یا اسکے نیتاؤں نے برٹش راج کی حامی نہیں بھری۔ اور نہ اپنی رائے دی۔ وہ ہمیشہ کھلبلی مچاتے رہے۔ برطانیہ کی وکٹوریہ شاہی البتہ اس کوشش میں تھی کہ اس کی حکومت کو قانونی درجہ حاصل ہو جائے۔ اس مقصد سے اس نے ہمیں کھیل کر قانون کا ایک ڈھونگ رچایا۔ یہ ڈھونگ تھا ۱۸۵۸ء کا اعلان! جس میں مذہب کی حفاظت کا وعدہ تھا۔ اور کچھ معمولی اور بے کار سی باتوں کے چرچے تھے۔ اسی اعلان کو برطانوی نوکرشاہی کے دلدادے معاہدے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ تو ایک طرفہ بات تھی۔ سات سمندر پار کی ایک ملکہ نے جاری کیا تھا۔ وہ عوام کے کانوں تک پہنچا بھی نہیں۔ جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء میں جہاد کیا تھا انھوں نے یا عوام کا اعتماد رکھنے والی دوسری جماعتوں نے کبھی اسکی حمایت کی، اور نہ اس پر دستخط کئے۔ وہ سب کے سب اسکے مخالف تھے، اور دوسرے لوگ ڈر سے چپ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ راجوں مہاراجوں نے اور کچھ رئیسوں اور نوابوں نے اس کی تائید کی ہو۔ کیونکہ در پردہ اسکے ساتھ برطانیہ کا یہ وعدہ تھا کہ وہ غریب جنتا کو لوٹنے میں انکی مدد کرے گی۔ اور انکی حفاظت کرےگی۔ اسلئے اگر ان لوگوں نے غداری کی بھی تو ہمکو کوئی تعجب نہیں۔ غدار لوگ نمائندے عوام کے نہیں ہوتے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ برطانیہ کی سامراج شاہی نے جب ہندستان کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو وہ ہندستانیوں کی مرضی اور رائے سے نہیں لی۔ بلکہ جبر اور دباؤ سے۔ توپ اور بندوق کے زور سے۔ اسکے بعد، اسی آزادی کی پہلی لڑائی کے بعد سے آجتک بہت برس گذر گئے، بہت سی باتیں ہوئیں، اور انگریزوں نے برابر اسکی کوشش کی کہ اسے قانونی درجہ حاصل ہو جائے۔ مگر جنتا اور اسکے نیتاؤں نے یہ نہیں مانا، وہ اسکے خلاف بڑے بڑے اندولن کرتے رہے۔ بڑی بڑی شورشیں ہوئیں۔ انہیں شورشوں کے دبانے کے لئے ۱۸۵۸ء کا (Regulation Act) بنایا گیا۔ امن اور شانتی اس حکومت کو نصیب نہیں ہوا۔

جو حکومت عوام کی مرضی اور خواہش و رائے کے خلاف قائم ہوئی ہو اور جسکے خلاف روز روز شورش برپا رہتی ہو اور جو توپوں اور مشین گنوں سے اپنی حفاظت کرتی ہو وہ حکومت قانونی اور آئینی حکومت نہیں ہو سکتی ہے اسکے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حکومت قانون کے ذریعہ قائم ہوئی ہے بلکہ وہ حکومت تشدد اور ظلم اور جبر کی حکومت ہے۔ " ایسی حکومت کے خلاف" انگلینڈ کے ایک مشہور قانون داں پروفیسر ڈائسے نے کہا ہے۔ " ہتھیار اٹھانا بھی جائز ہے "

ہماری لڑائی جس حکومت کے خلاف ہے وہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے اور اسکے مقابلہ میں پروفیسر ڈائسے اور دوسرے انگریزی اور یورپی قانون دانوں کے قول کے مطابق ہتھیار اٹھانا بھی جائز ہے۔ لیکن کانگرس ہتھیار نہیں اٹھاتی ہے اور نہ دوسروں کو اٹھانے دیتی ہے۔ وہ کہتی ہے ہمیں جائز اور پر امن طریقہ سے پورن سوراج یا مکمل آزادی حاصل کرنا ہے۔ اور ابتک وہ اسی طریقے پر کاربند بھی رہی ہے۔ پھر بھی ہمیں باغی کہا جاتا ہے۔ اور ۱۲۴- الف کے تحت پکڑ لیا جاتا ہے۔ بغاوت کا یہ الزام منصفانہ ہے؟

باغی کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ سیاسی باغی اس شخص یا اس جماعت کو کہتے ہیں جو قانون کے ذریعہ قائم کی ہوئی حکومت کے خلاف کھلی یا چھپی ہوئی کارروائی کرے اور اس حکومت کی جڑ کھود کر اسکو ختم کرنے کے منصوبے باندھے۔ جنرل فرینکو ایک باغی ہے جس نے اسپین کی قانون کے ذریعہ قائم کی ہوئی حکومت کے خلاف سازش کر کے ہتھیار اٹھایا ہے۔ اسکے خلاف ہر طرح کی کارروائی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندستان پر جن لوگوں کی حکومت اس وقت ہے وہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کی جماعت ہے جس نے عام لوگوں کی خواہش اور مرضی کے خلاف انھیں کچل کے اور دبا کے فوج کے سہارے اپنا راج قائم کر لیا ہے۔ انگریزوں سے ہمکو صرف اتنا کہنا ہے کہ تم قانون کے خلاف یہاں جمے ہوئے ہو اسلئے ہم تمھیں یہاں سے نکال باہر کرینگے۔

ہم اپنی جنتا کو بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ ڈاکو ہیں اور زبردستی تمہاری دولت اور ملک پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ اسلئے تم لوگوں کو نکالنا چاہئے۔ اسی کہنے کیلئے ہم پر بغاوت کے مقدمے چلائے جاتے ہیں اور قانون کی آڑ لیجاتی ہے۔ قانون کا ہم پر غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ قانونی حیثیت سے ہم پر بغاوت کا الزام نہیں لگتا۔ قانونی طور پر تو ہم ایک دعویدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ہم پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ ہم برطانوی بادشاہ کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ یہ ایک حماقت کا الزام ہے۔ ہم برطانیہ کی پوری نوکر شاہی کا یہاں سے خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کا کیا سوال ہے۔ بادشاہ تو ہماری انقلابی تحریک اور آنیوالی انقلابی حکومت سے کوئی تعلق رکھتا ہی نہیں۔ وہ ہماری نظری حکومت سے خارج ہے۔ لیکن ہم برطانوی بادشاہ کی ذات یا شخصیت کی کوئی توہین کرنا نہیں چاہتے نہ کرتے ہیں۔ ہم بعض وقت اسکے خلاف بولتے ہیں اور اسپر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ اسوقت ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ بادشاہی کے ادارہ کے متعلق کہتے ہیں۔ ہمارا سارا اعتراض بادشاہی کے ادارہ پر ہوتا ہے جارج ششم کی ذات پر نہیں۔ ہمیں اسلئے بھی اسکے خلاف بولنا پڑتا ہے کہ وہ برطانوی حاکم طبقہ کے جبر اور استحصال کا زندہ نشان ہے۔ اس کی سرپرستی میں ہم پر لوٹ ہوتی ہے اور ہمکو دبایا جاتا ہے۔ اس لئے اور اس لئے بھی کہ وہ غیر قانونی طور پر ہماری رائے کے بغیر زبردستی ہمارا بادشاہ بن بیٹھا ہے ہم ہندستان میں بادشاہ کی حیثیت میں اسکے قبضے اور تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے خلاف اپنی جائز اور قانونی آواز اٹھاتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے ہاتھ میں ہتھیار اور فوج کی طاقت نہیں ہے اسلئے آسانی سے ہمکو اور ہماری آواز کو کچل دیا جاتا ہے۔ مگر جتنا ہمیں دبایا جائیگا اتنا ہی ہم ابھرینگے۔ ہم میں اور ہماری تحریک میں لچک ہے۔ وہ دبانے سے اچھلتی اور الہتی ہے۔

اس دفعہ کے تحت پنجاب اور بنگال، مدراس یا اور جگہوں میں جو مقدمے ہو رہے ہیں انپر ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے۔ مگر ایک بات تو شری راجگوپال اچاری کے بارے میں کہنی ہی پڑے گی۔ اچاری جی کانگرس کے بنائے ہوئے وزیر اعظم ہیں اسلئے انکی حیثیت سر سکندر یا فضل الحق سے مختلف ہے۔ یہ لوگ تو برطانی نوکر شاہی کے دلدادے ہیں۔ اور اسے قائم بھی رکھنا چاہتے ہیں اسلئے جب وہ دفعہ ۱۲۴ الف کا استعمال کرتے ہیں تو تعجب نہیں۔ مگر ایک کانگرسی وزیر ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ کانگرس مکمل آزادی چاہتی ہے اور دستور ساز انجمن کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان دونوں باتوں کے معنی یہ ہیں کہ آزاد ہندستان میں جو حکومت ہوگی وہ قومی جمہوری حکومت ہوگی۔ اس میں کسی بادشاہ کا وجود نہیں ہوگا۔ اسلئے ۱۲۴- الف کا وجود بھی ہمارے آزاد ہندستان کی تعزیرات میں نہیں رہیگا۔ راجہ جی نے جب ۱۲۴- الف کے ماتحت کارروائی کی تو اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ کانگرس کے مسلک سے ہٹ گئے اور اسی نوکر شاہی میں پھنس گئے۔ اور جو حلف انھوں نے دلی میں لیا تھا اسے بھول گئے اور اسکے خلاف کیا۔ انھوں نے کراچی کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی۔ وہ کانگرس اور قومی تحریک اور جنتا کی رائے کے باغی ہیں۔ اور وہ قومی دشمنوں سے مل گئے ہیں۔

مکمل آزادی چاہنے اور دستور ساز انجمن کا مطالبہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بادشاہی، نوکر شاہی، موجودہ دستور، موجودہ تعزیرات ہند، دفعہ ۱۲۴- الف اور اس کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔ اسلئے اگر بغاوت کا غیر قانونی مقدمہ طاقت کے نشہ میں چلایا جا سکتا ہے تو صرف ایک دو رفیقوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ ساری کانگرس کے خلاف مہاتما گاندھی سے لیکر ایک آشرمی رضاکار تک اور شری راجگوپال اچاری سے لیکر صوبوں کے ایک ادنیٰ ایم۔ ال۔ اے تک اس دفعہ کے ماتحت ماخوذ ہونے چاہئیں۔ سری کرشن، بشوا ناتھ داس، بھولا بھائی دیسائی سب کے سب اسی کے مجرم (؟) ہیں۔

سامراج کی نوکر شاہی کا یہ ڈھونگ بہت دنوں تک نہیں چل سکتا ہے۔ ہم تیزی کے ساتھ ایک آخری اور فیصلہ کن لڑائی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جس میں ہم " باغی " اس تانا شاہی کو تباہ و برباد کر دینگے۔

کامیاب مزدور کا گیت

(سید مطلبی فریدآبادی)

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

کون؟ وہ محنت کرنے والے — کپڑا، لتا بننے والے
غلہ پیدا کرنے والے — دن بھر شب بھر مرنے والے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

ساری ملیں چلانے والے — سڑکیں محل بنانے والے
ہتھوڑا ہتھوڑا کھانیوالے — اور بھوکوں مرجانیوالے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

غوطے دن بھر کھانے والے — اور پھر موتی لانے والے
لاکر پھر پچھتانے والے — مٹھی چنا ہم پانے والے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

خون پسینہ دینے والے — ناؤ جہاں کی کھینے والے
ڈوبنے والے، بہنے والے — منھ سے کچھ نہ کہنے والے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

نہریں کاٹ کے لانے والے — سوکھی زمیں ہرپانے والے
برتن سارے بنانے والے — خود ہاتھوں میں کھانے والے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

موٹر، ریل چلانے والے — لانے اور لیجانیوالے
بوجھ عالم کا اٹھانے والے — خود دب کر بس جانے والے

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

لاکھوں روپے کمانے والے — تھک کر ہم گر جانے والے
اٹھ کر پھر پل جانے والے — چند ٹکے خود پانے والے

ملک کے مالک اب ہم ہیں
ملک کے خادم اب، ہم ہیں

زانو غربت پایا آخر — مل کر سنگھ بنایا آخر
ظلم و ستم کو ڈھایا آخر — اپنا رنگ جمایا آخر

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم، اب ہم ہیں

ہاں زخم بھرا اب سینے کا — ہاں لطف ہے اب کچھ جینے کا
اب کوئی نہیں خوں پینے کا — پھل پایا خون پسینے کا

ملک کے مالک، اب ہم ہیں
ملک کے خادم۔ اب ہم ہیں

دنیا کے ہم روح رواں ہیں — تھے بڈھے!! پر اب تو جواں ہیں
کہتے تھے جو "ہم مالک جاں ہیں" — بتلائے کوئی وہ لوگ کہاں ہیں

ملک کے مالک۔ اب ہم ہیں
ملک کے خادم اب ہم ہیں

آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کی پالیسی

پارٹی کے بنیادی خیالات۔ جنہیں بعض پٹنہ کے جلاس میں منظور کیا گیا

ہماری پارٹی کا سالانہ جلاس جو پچھلے سال میرٹھ میں ہوا تھا، اس میں پارٹی کی پالیسی کو سمجھانے کیلئے ایک بیان منظور کیا گیا تھا۔ یہ بیان اسی بیان کی ایک بڑی صورت ہے۔ اس بیان کے دو مقصد ہیں۔ پچھلے سال کی پالیسی کو دہرانا اور پچھلے سال پارٹی کو جو تجربے ہوئے ہیں انکو پیش کرنا اور سامراجی نظام کو ختم کرنیوالی تحریک نے اس عرصے میں جو جو ترقیاں کی ہیں ان پر غور کرنا۔

سامراج کے خلاف ساری قوم کا مل کر لڑنا۔

ہم لوگوں کا اور دوسرے تمام ان لوگوں کا جو سامراج کے خلاف لڑنے والے ہیں۔ اس وقت یہ کام ہے کہ سامراج کو ختم کرنے کیلئے ساری قوم کو ملاکر لڑنے کیلئے کھڑا کریں۔ یہ کام کوئی نیا کام نہیں ہے۔ برسوں پہلے سے اس قسم کی کوشش ہو رہی ہے۔ البتہ اسے آگے بڑھانا ہے۔ اور اس میں زور پیدا کرنا ہے۔ اور ہر جگہ پھیلانا ہے۔

مزدوروں اور کسانوں نے پہلے سامراجی نظام کے خلاف بہادری سے لڑائی کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں مگر سامراجی نظام کے خلاف جتھابندی کر کے لڑائی کرنے والی خاص جماعت ہندستان کی قومی سبھا یعنی انڈین نیشنل کانگرس ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ابھی پوری طرح سے یہ سبھا سامراج کی دشمن نہیں بنی ہے ابھی اسکے ساتھ عام لوگوں کی بڑی تعداد شامل نہیں ہوئی ہے۔ اور جن فروعوں کے لئے ان عوام کو طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا ہر روز کرنا پڑتا ہے۔ ان کی طرف کانگرس کا دھیان نہیں ہے۔

سامراج کے خلاف لڑنے والے سب لوگوں کو چاہئے کہ وہ ملک کے تمام ایسے لوگوں کو جو سامراجی نظام کو ختم کرنا چاہتے ہیں اکٹھا کریں اور سامراجی نظام کے خلاف ایک زبردست مورچہ قائم کریں۔ اور اس مورچہ میں غریب لوگوں کو جتنی بڑی تعداد میں ہو سکے شامل کریں۔ ہمیں اس کام کے لئے کانگرس کا سہارا لینا ہوگا اور یہیں سے اپنا کام شروع کرنا ہوگا۔ کانگرس کو سامراج کے خلاف ایسا مورچہ بنانا ہوگا جس میں سب لوگ آکر شریک ہو سکیں۔ کانگرس نے قومی آزادی کیلئے ہندستانیوں کو ایک جگہ جمع کرنے میں بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اور آج ملک میں آزادی کی لڑائی لڑنے کیلئے عوام کا اگر کوئی بڑا مورچہ ہے تو وہ یہی کانگرس ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس مورچہ کو اور طاقت ور بنائیں۔ اور اسکو آگے بڑھانے کے ذریعے سوچیں۔ کام تو ایک ہی ہے لیکن اسکو تین حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا جائیگا۔ تاکہ زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ ایک حصہ اس کام کا یہ ہے کہ ہم کانگرس میں رہ کر کام کریں۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ کانگرس کے باہر غریب عوام میں جاکر پرچار کریں اور تیسرا یہ کہ کانگرس کے اندر اور باہر ہر جگہ سامراج کو ختم کر دینے کا خیال پھیلایا جائے اور سامراج کو ختم کرنے والوں اور گرم دل والوں کو لیڈر بنایا جائے اور ان کی طاقت کو بڑھایا جائے۔ اس بیان میں یہی تین باتیں سمجھائی جائیں گی۔

کانگرس کے اندر کا کام۔

کانگرس اپنا سنگھٹن اس طرح کرتی ہے کہ سب لوگوں کو اپنی سبھا کا ممبر بناتی ہے۔ یہ ممبر زیادہ تر کسان لوگ ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو نہ بہت امیر ہوتے ہیں نہ بہت غریب۔ ان ممبروں میں سے قریب قریب سبھی ایسے ہوتے ہیں جو سامراج سے مل کھول کر نہیں لڑتے۔ بلکہ سال میں ایک دفعہ جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے نمائندہ اور بہت تھوڑی چن دیتے ہیں۔ کانگرس کی جو کمیٹیاں ہیں ان کے لئے کوئی ایسا کام نہیں ہوتا جو روز روز کرنے کا ہو۔ یہ لوگ کسانوں اور مزدوروں کی سبھاؤں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ انہیں نئے دن جن جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں بھی کانگرس کمیٹیاں دلچسپی سے نہیں شریک ہوتیں۔ اب تو خیر آزادی کی لڑائی میں غریب عوام کو ملانا طے ہوا ہے نہیں تو پہلے ان کانگرس کمیٹیوں کے سامنے غریب عوام سے ملنے جلنے کیلئے سوائے تعمیری پروگرام کے اور کیا ذریعہ تھا؟ اور یہ کام بھی تو کانگرس کمیٹیاں خود نہیں کرتیں۔ یہ کام تو دوسری سبھائیں جو بالکل الگ تھلگ رہتی ہیں، وہ کرتی ہیں۔ جیسے ہندستان کی سوت کاتنے والوں کی سبھا (A.I.S.A) کانگرس نے کھلی لڑائی کے جو طریقے نکالے ہیں جیسے چند قانونوں کو توڑنا۔ تو یہ ایسے طریقے ہیں جن میں غریب عوام زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ لوٹ کھسوٹ اور ظلم کے خلاف لڑائی لڑنے کے لئے صرف یہی پروگرام کافی نہیں ہے جب کہ جنتا کو آئے دن طرح طرح کی مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ کانگرس ہے تو عوام کی تحریک۔ لیکن اس پر قبضہ امیر لوگوں کا ہے۔ وہی آگے آگے چلتے ہیں اور جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مطلب اور خیالات کی وجہ سے کانگرس کے اندر عوام کی تحریک کو ترقی دے ہی نہیں سکتے۔ لیکن یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ کانگرس کی سرداری اب صرف انھیں کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ کانگرس کے اندر ابھی حال حال ہی میں ایک بہت ہی گرم دل جنم ہوا ہے۔ جس کی جھلک کانگرس کی سرداری میں بھی نظر آرہی ہے اور ان دونوں میں اختلاف بڑھتا جا رہا ہے مگر گرم دل کا اثر ابھی بہت کم ہے۔ اور سرداری ابھی نرم دل ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ نرم دل کے سبھی لوگ امیر اور سرمایہ دار ہیں۔ بے شک کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہیں۔ مگر مجموعی حیثیت سے اس دل کے لوگ درمیانی درجے کے ہیں

یعنی معمولی امیر۔ لیکن ان لوگوں پر دباؤ زمینداروں کا ہے اور یہ لوگ انھیں کے مطلب اور فائدے کی بات سوچنے کے لئے مجبور۔ اور ہندستان کے سرمایہ داروں کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔

کانگرس کی موجودہ حالت کو کھول کر بیان کرنے سے یہ بات خود سمجھ میں آجاتی ہے کہ کانگرس کے اندر ہمارا کیا کام ہے۔ میرٹھ کے بیان میں لکھا گیا تھا کہ "کانگرس میں سامراج کے خلاف لڑنے والی جو طاقتیں ہیں ان کو امیروں کی سرداری سے علٰحدہ کر کے ایک انقلابی سوشلزم کے جھنڈے تلے لایا جائے" اس بیان میں اس بات کو ذرا اور کھول کر سمجھایا جائے گا۔

میرٹھ کے بیان میں اس کام کی جو تعریف کی گئی ہے وہ بہت تنگ اور ادھوری ہے۔ کانگرس میں ہمارا کام یہی نہیں ہے کہ سامراج کے خلاف لڑنے والی طاقتوں کو امیروں کی سرداری سے الگ کر لیا جائے اور ان کو سوشلسٹ جھنڈے کے نیچے جمع کیا جائے۔ بلکہ ہمیں تو یہ کرنا ہے کہ کانگرس ہی کو اتنا بڑھائیں اور ترقی دیں کہ اس کی صورت بدل کر سامراج کے خلاف لڑائی کا ایک طاقتور مورچہ بنا دیں۔ سوال صرف یہی نہیں ہے کہ کانگرس کی سرداری بدل دی جائے اسکے لئے ضرورت ہے کہ کانگرس کا بالکل نیا سنگھٹن کیا جائے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ کام صرف کانگرس کے اندر ہی رہ کر پورا نہیں ہو سکتا ہمیں کانگرس کے باہر بھی کرنا ہوگا۔ مگر یہاں یہ دیکھنا ہے کہ کانگرس میں ہمارے کام کی کیا صورت ہوگی۔ پہلے سنگھٹن کا کام لیجئے۔ اس میں ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ کانگرس کے جو قانون (دستور) ہیں انکو بدل کر کانگرس کو عام لوگوں سے اور زیادہ قریب لایا جائے گا کہ عام ممبروں اور ابتدائی کمیٹیوں کا کانگرس کے کام میں زیادہ عمل دخل ہو سکے۔ کانگرس میں زیادہ لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ کانگرس کی برادری کو بڑھایا جائے۔ اس کو طاقتور بنایا جائے اور کام کے لئے ابھارا جائے۔ پھر ان ابتدائی کمیٹیوں میں عوام کو زیادہ سے زیادہ بھرتی کیا جائے ان کو کانگرس میں شریک کرنا چاہئے۔ اس کام کے ہونے تک ان کمیٹیوں اور کانگرس کے درمیان بہت قریب کا تعلق پیدا کرنا ہوگا تاکہ کام مل جل کر ہو سکے۔

کانگرس کے پروگرام کے بدلے ہمارا پروگرام:-

کانگرس کے پروگرام کو لیجئے ہمیں اسے بدلنا ہوگا۔ ایک ایسا پروگرام بنانا ہوگا جس کی بنیاد عوام کے فوری مطالبات پر ہو۔ اس پروگرام کو سامنے رکھکر غریب عوام کی لڑائی کو آگے بڑھایا جا سکے گا۔ اس پروگرام میں سب سے پہلی بات یہ ہونی چاہئے کہ کسانوں اور مزدوروں کی سبھائیں بنائی جائیں اور یہ سبھائیں جو کام اٹھائیں ان کی تن من سے مدد کی جائے، اسکے علاوہ اور دوسرے تمام ممکن طریقوں سے اگر وہ اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر ٹھیک اترتے ہوں ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ عوام میں روز روز کام کرنے کیلئے کانگرس کمیٹیوں کو ایک پروگرام بنا دیا جائے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اس بدلے ہوئے پروگرام کے مطابق کام کرنے کے لئے کانگرس میں جو چھوٹے چھوٹے لوگ کام کرتے ہیں ان کو تیار کیا جائے سیاسی حیثیت سے یہ لوگ کیوں بہت پیچھے رہتے ہیں اس لئے کہ وہ عوام کی روزی کے سوال سے ہمیشہ الگ رہتے ہیں۔ صرف پروپگنڈے سے تو کوئی خاص [illegible]ی نہیں کیا جا سکتی۔ ان کو کمیٹیوں کو کسانوں اور مزدوروں کے اندر لانا چاہیے۔

تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ہمارا پروگرام روز بروز بڑھنے والا ہے۔ اور سامراج کو ختم کر دینے کی جو تحریک ہے اسے اور زیادہ طاقتور بنا دے گا۔

میرٹھ کے بیان میں اعلان کیا گیا تھا کہ سامراج کے خلاف لڑنے والی تحریک کو انقلاب چاہنے والی سوشلسٹ پارٹی کی سرداری میں چلایا جائے ہمیں اعلان کو ذرا اور صفائی سے پیش کرنا ضروری ہے۔ سامراج کے خلاف جو لڑائی جاری ہے۔ اس میں کئی گروہوں کے لوگ شریک ہیں۔ کسان بھی ہیں۔ مزدور بھی ہیں۔ اور اوسط طبقے کے لوگ بھی۔ جو نہ بہت امیر ہیں نہ بہت غریب ہیں۔ ہندستان میں مزدور لوگ خاص طور پر انقلاب پیدا کرنے والے لوگ ہیں۔ حالانکہ ابھی ان کی جتھابندی بھی کمزور ہے اور انھوں نے اس لڑائی میں اپنی طاقت کا پورا پورا اندازہ نہیں کیا ہے۔ آزادی کی لڑائی عوام اس وقت تک نہیں جیت سکتے ہیں جب تک مزدور لوگ اس لڑائی میں آگے آگے ہو کر نہ لڑیں، اس لئے سوشلسٹ ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اس ہمیشہ یاد رہنے والی لڑائی میں ان مزدوروں کو لڑنے کے لئے کھڑا کریں، یہی انقلابی سوشلزم کی سرداری ہے۔ اور یہی اس کا کام۔

کانگرس کے باہر کا کام:-

سامراج کے خلاف جو لڑائی ہے اسے عوام کی روز روز کی جدوجہد سے الگ نہیں سمجھنا چاہئے۔ دونوں قریب قریب ایک ہی ہیں۔ جب عوام کی بے چینی خوب بڑھ جائے گی تو سامراج کے خلاف ایک کامیاب لڑائی لڑی جا سکے گی۔ اسلئے کانگرس سے باہر ہمارا سب سے پہلا اور سب سے ضروری کام یہ ہے کہ ہم کسانوں مزدوروں اور ان تمام لوگوں کی جو ستائے ہوئے ہیں اور لوٹے جاتے ہیں سبھائیں قائم کریں اور ان کو آگے بڑھائیں۔

اسکے علاوہ ہمیں ملک کے نوجوانوں کا بھی سنگھٹن کرنا ہے۔ تاکہ اوسط درجے کے لوگوں کا جو سب سے گرم اور جوشیلا دل ہے۔ اسے ابھارا جا سکے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اگر ہم نے اس قسم کی علٰحدہ سبھائیں بنا لیں تو ہم نے بہت بڑا کام کر لیا۔ ان کو سامراج کے خلاف مورچے پر لڑنے کے لئے آگے بڑھانا ہوگا۔ یہ سبھائیں علٰحدہ طور پر اپنے پروگرام کے مطابق تو کام کرتی ہی رہیں گی اسکے علاوہ انکا تعلق کانگرس کمیٹیوں سے پیدا کرا دینا ہوگا۔ اور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ دونوں مل کر کام کرنے لگیں۔ اس طرح پہلے اپنی سبھاؤں میں بھرتی ہو کر جب کانگرس میں عوام داخل ہوں گے تو وہ گروہ کی حیثیت سے داخل ہوں گے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے (کانگرس میں عوام کو گروہ کی حیثیت سے داخل ہونا چاہئے نہ کہ ایک ایک کر کے) پھر کانگرس سامراج کے خلاف ایک زبردست اور بڑا قومی مورچہ باندھ سکے گی۔ جب کانگرس کی صورت بدل کر ایسی ہو جائے گی تو اس کا ڈھانچہ اور اس کی سرداری دونوں بدل جائیں گے اور نئی شکل جو پیدا ہوگی اس میں سامراج کے خلاف لڑنے والی تمام طاقتوں کا میل ہو جائیگا اور کانگرس پھر بالکل ستائے ہوئے انقلابی لوگوں کی سرداری میں آجائے گی۔)

سوشلسٹوں کا اتحاد:-

ہندستان میں جو حالات پیدا ہو رہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے سامراج کو مٹا دینے والی تحریک کی سرداری سوشلسٹوں کے ذمے آتی ہے۔ لیکن افسوس ہے۔

کر سوشلسٹوں میں آپس میں میل نہیں ہے۔ پارٹی شروع ہی سے سوشلسٹوں کے درمیان میل کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ بات خود سے سوچنے کی ہے کہ کانگرس کی طرف سے ہر کام عوام کی تحریک میں سے ہو۔ سامراج کے مٹانے کے لئے کوئی پروگرام ہوا جو کچھ ہدایت یا مشورہ دیا جاتا ہو سب کی رائے سے دیا جاتا ہے۔ کوئی اسکے خلاف نہیں ہوتا۔ کانگرس کی یہ بڑی خصوصیت اور تعریف کی بات ہے۔ اگر سوشلسٹ طرح طرح کی بات کہیں گے اور ایک بات پر متحد نہیں ہوں گے تو اس سے بڑا الجھاؤ پیدا ہو جائے گا اور ہماری قومی لڑائی کو نقصان پہنچے گا۔

جب تک پورا پورا اتحاد نہیں ہو جاتا اُس وقت تک ہم لوگ ایک بات پر تو کم سے کم راضی ہو سکتے ہیں۔ کہ اس وقت فوراً کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ سر دست سوشلسٹوں کے مختلف گروہوں کو اسی سمجھوتے پر مل کر کام کرنا چاہئے۔ پھر وہ وقت بھی آ جائے گا کہ ہم لوگ ایک متحدہ جماعت بنا لیں گے۔

سوشلسٹوں کے درمیان اس قسم کے سمجھوتے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ گرم دل کے جتنے لوگ بھی ہیں ان سے بھی ملاپ کر لیا جائے اور اس پارٹی کے سرداروں اور آگے چلنے والوں میں میل اور اتحاد پیدا کیا جائے۔ اس بارے میں بھی پارٹی کو اپنی کوششوں کو جاری رکھنا چاہئے۔

ہماری پارٹی کو زیادہ تر پچھلے سال ترقی ہوئی ہے۔ کچھ صوبوں میں ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھی جس سے برابر کی ترقی نہیں ہو سکی۔ بہت سی پارٹیاں ہیں جیسے سیکڑوں ممبر ہیں تو بہت سی ایسی بھی ہیں جنکے ممبر بیس تیس سے زیادہ نہیں بڑھے حالانکہ یہ بھی خاص کام کرنے والی ہیں۔ اس سستی کا سبب کھلا ہوا اور صاف ہے۔ وہ یہ کہ جتھا بندی کیلئے اور آگے بڑھنے کیلئے جو پروگرام ہونا چاہئے وہ صاف صاف سمجھا یا نہیں گیا ہے۔

ہماری پارٹی کی بنیاد مارکس کے اصولوں پر ہے اس خیال کو قائم رکھ کر یہ اصول نہ ٹوٹنے پائے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ کانگرس میں کام کرنے والوں کی بڑی سے بڑی تعداد کو پارٹی کی ممبری میں بھرتی کیا جائے۔ اسکے علاوہ کسانوں اور مزدوروں اور دوسری تحریکوں کے گرم اور جوشیلے دل سے اپنی پارٹی کے لئے ممبروں کی بھرتی کرنی چاہئے۔

صدر کانگرس اور سرحد

(پچھلی مرتبہ جب پنڈت جواہر لال نہرو سرحد کے دورے سے واپس آئے تھے تو ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے انسے مل کر سرحد کے حالات دریافت کئے تھے۔ اور ان کی درخواست پر پنڈت جی نے اپنے خیالات ظاہر کئے جنکو مختصراً درج کیا جاتا ہے۔)

سرحد کے لوگوں کو دیکھکر فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی تہذیب اور تمدن کے اعتبار سے بقیہ ملک سے مختلف ہیں، اسکے علاوہ سرحدی علاقہ کو نکالکر باقیماندہ ملک کے تمام فرقوں کی رسوم و رواج ایک دوسرے سے مختلف ہونے پر بھی ان میں ایک خاص ربط اور ایک خاص اتحادی رشتہ پایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا سرحدی لوگ بھی اس باہمی رشتہ میں منسلک ہیں یا نہیں۔ پنڈت جی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اس مختصر دورے میں ہندستان کے قومی اتحاد کا خیال اکثر میرے ذہن میں رہتا تھا۔ اس کا ذمہ دار کسی حد تک میرا تخیل بھی تھا لیکن یہ خیال ایک بڑی حد تک وہاں کے حالات پر مبنی تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ سرحدی لوگوں کے سامنے ہمیشہ ہندستانی اتحاد اور ہندستانی آزادی کی تصویر رہتی تھی۔ وہ اپنے عام جلسوں اور آپس کی بات چیت میں ہندستان ہی کی آزادی کے مسئلہ پر تذکرہ کرتے تھے نہ کہ صرف اپنے قصبہ، ضلع یا علاقے کا۔ ہماری عدم تعاون کی تحریک کے زمانے سے ان باہمی رشتہ کا تخیل سرحدی دماغوں میں مستحکم جڑ پکڑ رہا ہے گو کہ اس کا پس منظر تحریک کے بہت پہلے بھی موجود تھا۔ ایک ہی مقصد کیلئے ایک ساتھ قربانیاں کرنے سے سرحدیوں اور باقی ملک کے باشندوں کے سیاسی رشتے اور زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔

سرحد میں فرقہ وارانہ ذہنیت بالکل نہیں پائی جاتی۔ اور وہاں کے لوگ مذہبی تعصب سے کوسوں دور ہیں درحقیقت جو خوبیاں اور کمزوریاں پنجابیوں میں پائی جاتی ہیں وہی سرحدی لوگوں میں بھی نظر آتی ہیں، انکو سازشیں کرنا نہیں آتا اور اسلئے انکے تمام کاموں میں ایک خاص سادگی اور خلوص پایا جاتا ہے جس سے کوئی شخص بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ انکے رسوم اور رواج بھی ہندستان کے دوسرے صوبوں سے مختلف ہیں۔ مثلاً سوائے شہروں کے وہاں پردہ کا رواج بہت کم ہے اور جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے ہیں پردہ غائب ہوتا جاتا ہے۔ سرخپوش رضاکاروں میں پٹھان عورتوں کی ایک پلٹن ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے قبائلی علاقوں میں پردہ بالکل نہیں ہے۔

جو تحریک بقیہ ملک میں جنگ برما کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی سرحد کے آزاد قبائل اب بھی اسکو چلا رہے ہیں، سامراج کی عیارانہ سازشوں کا وہ اپنی طاقت بھر مقابلہ کر رہے ہیں۔ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو انکے دلوں کو حرکت دیتا ہے پنڈت جی نے کہا۔ میں ان قبائل کی نسبت زیادہ معلومات نہیں رکھتا لیکن ایک بات ظاہر ہے کہ ان میں آزادی کی پیاس اس شدت سے موجود ہے کہ وہ آسانی سے نہیں بجھائی جا سکتی۔ ان تک رسائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ انہیں مکمل آزادی دیدی جائے۔ اور ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے جائیں۔ اگر ان کی طرف دشمنی سے ہاتھ بڑھایا جائے گا تو وہ پہلے کیطرح بہادری سے اسکا مقابلہ کرینگے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دوستی کا بھی بڑا پاس کرتے ہیں اور جس کسی کو وہ اپنا دوست سمجھتے ہیں اسکے لئے ہر ممکن کام کرنیکو تیار رہتے ہیں۔ یہ علاقہ بہت ہی کم آباد ہے۔ یہاں غریبی بہت بڑی

ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں کے مسائل خالصتاً اقتصادی ہیں۔ ان مسائل کو خالصتاً اقتصادی نقطۂ نظر سے حل کرنا کوئی مشکل کام نہیں لیکن اگر اس حل کا مقصد یہ ہو کہ زبردستی غلام بنا لیا جائے تو ایسی حالت میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

کچھ عرصہ ہوا ایک وزیری لیڈر نے اپنی تقریر میں سرحد کے اغوا کے معاملات پر سخت اظہار نفرت کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ چند مفسدوں کا کام ہے۔ اس کی تقریر بالکل درست تھی۔ اسکو حکومت برطانیہ کی جارحانہ پالیسی سے لڑنا ہے اور اس میں چند لوگوں کے اغوا سے اسکو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نقصان ہوتا ہے کیونکہ ان واقعات سے عوام اسکے خلاف ہو جاتے ہیں۔ ہمکو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سرحدی لوگ کوئی بیوقوف نہیں ہیں گو کہ وہ سیدھے سادھے اور زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں باضابطہ تنظیم اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہو ان میں واقعات کے سمجھنے کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح طریقہ پر انکی طرف رخ کیا جائے تو وہ بھی بخوشی اپنا ہاتھ بڑھا دینگے کیونکہ موجودہ جنگ کے ہوائی جہازوں اور ہوائی بمباری کی خوفناک مصیبتوں کا اٹھانا نہ تو انکے لئے آسان ہے اور نہ انکو اس سے کوئی خوشی ہو سکتی ہے۔ وہ باعزت سمجھوتہ کو بخوشی منظور کر لیں گے لیکن وہ کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتے جس سے انکو محکوم بننا پڑے۔ آزاد ہندستان میں ان قبائل سے دوستی اور اخوت کے تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل بات نہ ہو گی۔

برطانیہ کی جارحانہ پالیسی جس کی وجہ سے ہر تھوڑی مدت کے بعد سرحد پر چھوٹی موٹی جنگ چھڑ جاتی ہے بالکل بے سود ثابت ہوئی۔ وہ قبائل کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ہاں اس مہم کے زبردست خرچ کا بار ہندستان پر پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وزیرستان کی اس مہم پر ایک لاکھ روپیہ روزانہ خرچ ہوا ہے۔

اس بمباری نے سرحدی علاقہ پر تباہی اور بربادی تو کافی حد تک پھیلا دی لیکن قبائل کے استقلال کو توڑنے میں اسکو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

مجھے بڑے بڑے جلسوں میں تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے عوام کے بڑھتے ہوئے جوش کو بھی متعدد بار دیکھا ہے۔ لیکن سرحد کے لوگوں کے ادب اور انکی تہذیب، خاموشی کو میں نے خاص طور پر محسوس کیا۔ انکے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ آئینہ ہوتے تھے، انکے دلی جذبات کا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنے پیچھے قیمتی خزانے چھپائے ہوئے ہیں۔ سارے ہندستان کو ان سرحدیوں پر فخر کرنا چاہئے ہندستان کچھ ہی عرصہ میں آزاد ہو جائے گا اور اس آزاد ملک میں سرحد کے لوگوں کی خاص عزت ہو گی۔ انکے اصول ملک کے دوسرے حصوں سے بالکل مختلف ہیں لیکن پھر بھی انھوں صلح و آشتی کے اصول کو قبول کر کے کانگرس کے نظریہ کی اہمیت زیادہ کر دی ہے۔

ممکن ہے یہ لوگ ہمکو بہت ہی فائدہ کی باتیں سکھائیں۔ وہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں کرتے اور ہر تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال انکا عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند ہونا ہے۔ اس پالیسی نے سارے ہندستان پر اثر کیا ہے اور اسکو تمام لوگ تسلیم کرتے ہیں لیکن ابھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس کو بزدلی کا ہم معنی خیال کرتے ہیں۔ کیا کوئی شخص پٹھانوں پر بزدلی کا الزام رکھ سکتا ہے؟ اگر انھوں نے بزدلی کو قبول کیا ہے اور اس پر کاربند ہیں تو یہ ان کی طاقت کا ثبوت ہے نہ کہ کمزوری کا۔

تہوار منانے والے

(جگل کشور شکلا)

"رتن! ابے او رتن آج رکھشا بندھن کا دن ہے اور تو ابھی تک پڑا سو رہا ہے۔ کھول دروازہ عقل کے دشمن" جواب میں اندر سے منمناتی آواز آئی "جا یار سو لینے دے کل سکنڈ شو میں سنیما گیا تھا"

دروازہ پر محرم کی ڈھول کیطرح۔ دھم۔ دھم۔ دھم۔ دھم ہو رہا تھا۔ رتن کے جگانے میں سورج نے تو منہ کی کھائی تھی لیکن اس نئی مصیبت سے کوئی بچاؤ نہ پاکر کمرے کا دروازہ کھولنا ہی پڑا۔ اور چندھی آنکھیں بنائے ہوئے باہر آیا۔ رگھوراج بولا "آج رکھشا بندھن ہے اور جناب ابھی تک پڑے سو رہے ہیں ...... ہوسٹل کے سارے کے سارے مہراج رکھشا بندھن چلے گئے۔ پانی برس کر نکل گیا۔ بدلی چھائی ہوئی ہے اور تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں ...... آج تیوہار ہے تم سوتے ہو۔ بس پڑھ لکھ لیا اور .... اچھا سو رہے ہو۔ جلدی تیار ہو جاؤ گھومنے چلیں گے۔"

رگھوراج نے کہہ سنکر رتن کو راضی کیا۔ پھر خود بھی تیار ہونے کیلئے لاپرواہی سے گاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا: "تنی دھیریا دھرو۔ بھولی سو ...... کھانے کی کڑھی پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سامنے سے انکے ہوسٹل کے باورچی خانہ کے مہراج نے آکر راستے ہی میں انکی کلائی پر پیلا دھاگا باندھنا شروع کر دیا۔ اسے ٹھہرنا پڑا۔

جس مہراج کو وہ روز الو۔ گدھا۔ گنوار کہا کرتا تھا، جس کی دال اور بھاجی میں آج تک ایک دن بھی نمک ٹھیک نہ پڑ سکا تھا، کبھی کم تو کبھی زیادہ۔ وہی مہراج سر پر چار خانے کا میلا انگوچھا رکھے ہوئے ایک فاتحانہ انداز سے اس کے ہاتھ میں پیلا دھاگا باندھ رہا تھا۔ "ہری اوم آن آن کلانم سکل منو کتم کرسے ..." رگھوراج منتر کی اس درگت پر غور کر رہا تھا کہ مہراج کی سانس کیساتھ تمباکو، پان، ڈلی کا ایک جھونکا آیا اور اسکے چہرے کو دوسری طرف گھما دیا "کیوں جی کس سے" وہ ہری بابو کے باورچی خانہ کا مہراج کہہ رہا تھا کہ تم کچھ برہمن نہیں ہو، اسے ویسی کیا دت اس کا نام ہے۔ بھئی ہلوگوں کو تو اصلی بچے برہمن کی ضرورت ہے ...."

"اجی بابوجی! اوکی سار بداس ہن۔ ہم اوئی کا نام جان گئیں۔ اوئی سسر تو جات مال معروف ہیں۔ ہم لوگن کی برابری کا کہا ئے کے کہیئے ......"

مہاراج رگھوراج کے نعاد پاس آکر بھس پہنانے لگے "بابوجی! اوئی کا ذکر کا تعلق۔ (تعلق) اوئی کی ساس سے (رسے) رہن۔ اوئی کی اب لوگن کا پڑھائی

سکت ہے۔ ہم نے اور کرنا چاہے گا۔ پھر رہتا انھیں آپ نے کہی کا۔ ہم لوگ بچپے ہیں۔ اپنی لڑکی ان کا سارن کا بکھوں دیتی تھوڑے ...... ہمارے کب گر تھ، ہم لوگ ہاک پر ترستی۔ ہم اور کے ہاتھ کا پانی تو پی سبھے سنگری۔ ذنی کا ہنا۔ برابری کرتے اور ہمارا تنا کل (خاندان) تو وہ بتاتے نہیں سکتے" کہکر مہاراج نے اپنی ناک پر ناک سُرک کر مہر لگائی، اور، گھوراج کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ایسی ہنسی سے دانت نکالے جس میں دو حصہ ہنسی ایک حصہ کھسیانا پن اور ایک حصہ میں بیوقوفی اور بڑائی سب آپس میں ملی رہتی ہیں۔

اچھا اچھا کہکر گھوراج آگے بڑھ گیا اور اپنے کمرے کے اندر گھس کر دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے انھیں بے سُرے سُروں میں گنگنایا: "باپ نے ماری مینڈکی اور بیٹا۔ ن۔ ن۔ ن ناچ"

دو بجے کے قریب رتن تیار ہوکر گھوراج کے پاس آگیا۔ رتن نے لیکر۔ ریشمی قمیص۔ موزے اور جوتے پہن رکھے تھے۔ پر رگھوراج کو پتلون ہی سے کام چلانا پڑا تھا۔ اس کی ٹانگیں پتلی۔ پنڈلی کمان کی طرح ٹیڑھی۔ بھلا انھیں کھلا لیکر وہ دنیا میں کیسے منھ دکھاتا۔ دونوں اپنی اپنی سائیکلوں پر بیٹھ شہر کو چلے۔ کچھ دور چل کر گھوراج نے سگرٹ جلاتے ہوئے کہا۔ "بھائی رتن آج نہ معلوم مہرجی کیسا ہو رہا ہے۔ گھر ماں۔ اندرا سبھوں کی یاد آرہی ہے۔ لیکن اندرا کو تو شاید تم جانتے ہی نہیں۔ میں اور وہ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ پھر اسکے بعد ماں کے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ ابھی کل ہی اسکی چٹھی آئی ہے گھر کی تصویر سیا اسکی آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ راکھی کا دن ... اماں مٹھی پوجا کر رہی ہیں .. اندرا آدھے پیر تک بھیگی دھوتی چھپ چھپ کرتی ہوئی نل سے پانی بھر بھر کر فرش دھو رہی ہے ... ادھر اماں کی ایک سی پوجا کرتی ہوئی آواز۔ ادھر بالٹی میں پانی گرنے کا ایک سا دل کو بھاری بنانے والا شور ...... اسکا دماغ معطل ہو گیا ..... نادر چھٹی کے دن بھی دفتر جانے کی تیاری میں ہیں .... اماں دھوے کے ساتھ کہہ رہی ہیں، اجی تم گھر بیٹھو، تہوار کا دن ہے کیا چالیس میں جان تھوڑا ہی دینا ہے۔ یہ تو روز کا چرخہ ہے ......" بیچ ہی میں رتن بول اٹھا۔ "اچھا رگھوراج جب ہم اور تم اس کالج میں نام لکھانے پہلے دن آئے تھے تو تمھیں یاد ہے؟ اس دن بھی ایسے ہی بادل اور پانی لگا ہوا تھا۔"

رگھوراج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس، ہوں، کہدیا، جیسے باتونی عورتیں کسی سے بات کرتے وقت اپنے بچوں سے اسکے پکارنے پر ہاں، ہوں، کر دیا کرتی ہیں۔

رگھوراج نے کہا ابھی کاشمیری ہوٹل چلیں گے۔ پچھلی دفعہ واں مزہ آیا تھا۔ پھر وہ کچھ گنگنانے لگا اچھا کہنے کے بجائے رتن نے کہا "تب میں بڑا بدھو تھا۔ لیکن یار ایک بات ہے، اس زندگی میں بھی بڑا مزہ تھا۔ صبح اٹھنا اپنے فراغت ہوکر تڑکے ہی پڑھنے بیٹھ جانا۔ کسی سے ہوسٹل میں بولنا، نہ گپ نہ گھومنا گھمام ......"

"حضرت! آپکو جوتے باندھنا تک تو آتا نہ تھا۔ ٹائی باندھنا تم نے مجھ سے سیکھا۔ پر یار ایک بات ہے۔ تب تم بڑے سلونے لگتے تھے ...... تمہاری نیلی قمیصیں مجھے آج بھی یاد ہے۔ دل پر چوٹ کرتی تھیں۔"

رتن شرما گیا۔ اسکے گال مہاسوں سے لدے تھے۔ صابن نے چہرے پر ذرا بھی چکنئی باقی نہیں رہنے دی تھی۔ رگھوراج کی بات سنکر اسکے گالوں پر خون کی لالی دوڑ گئی۔ یہ دیکھکر رگھوراج زور سے ہنسا اور بولا "واہ میاں ابھی تک تمہاری سکیل سیکس (جھیپ) گئی نہیں؟"

رتن کا ہینڈل ڈگمگایا پہیے کے سامنے ایک بڑھا آگیا، لیکن کسی طرح اسے الگ ڈھکیلتے ہوئے وہ آگے نکل گیا۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ بازار پہنچ گیا تھا۔ کچھ بڑھے ہی تھے کہ سامنے سے ایک لڑکی سائیکل پر آتی ہوئی دکھائی دی۔ رگھوراج نے ہونٹوں کو آگے نکالا۔ کسی انگریزی گانے کی کڑی سیٹی میں بجی ... لا لا لا آ آ۔ رتن نے جیب سے رومال نکالا اسے منھ پر پھیرا۔ رگھوراج نے بالہیر ہاتھ پھیرا اتنے میں سائیکل بغل سے نکل گئی۔ سینٹ کی ایک لمبی لکیر ہوا میں کھنچ گئی۔ ساری کی سرسراہٹ اسکے کانوں میں گھسکر جیسے دل میں اتر گئی۔ رگھوراج نے مڑکر ایک بار پھر پیچھے دیکھا۔ نیلی ساڑی کے پاٹ پر چوڑی استنبولی بیل ...

... وہ نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ یہی کہ یہ سب ایسی کیوں ہوتی ہیں ...

.... اتنے میں اس کی سائیکل کے آگے سے ایک مرغی کو مرغا دوڑا لے گیا اسے دیکھا کہ مرغی دوسری طرف جاکر ٹھہری۔ اس کا ٹھہرنا تھا کہ ایک دوسرا مرغا اسکے پاس آیا۔ اپنے پر کنپائے اور ناچنے لگا۔

ایک زیرہ جل والا۔ ایک بیل گاڑی۔ کچھ لادی لادے ہوئے گدھے۔ ایک بانس کے کٹھرے میں بہت سے کبوتر۔ اور ان سبھوں کے بیچ بیچ آدمی۔ سب سڑک پر گھس رہے تھے۔ انہیں راستہ ملنا مشکل ہو گیا۔ وہ اتر پڑے۔ پٹری کے پاس سے چلے۔ کئی کھدر پوش سڑک کے کنارے ہاتھ میں کتاب لیے ہوئے گا رہے تھے۔ "دیکھو لوگو نیا زمانہ نیا توفیشن آیا ہے، چولھا چکی چھوڑ کے بٹیا ساڑی جوتا بجایا ہے ...."

انکی آواز موٹی اور بھدی تھی۔ ہاتھوں میں ڈھپلی اور جھانجھ تھی ہجاروں طرف بھیڑ لگی تھی بمشکل سے ان دونوں کو راستہ ملا۔

رگھوراج نے کہا "ان بیوقوفوں کو ساڑی جوتا بھی برا معلوم ہوتا ہے بس قیدیوں کی طرح عورتیں زندگی بسر کریں"

رتن نے کہا۔ لیکن آپ ان لوگوں سے زیادہ گہرائی میں نہیں گئے۔ بھائی جان! اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے انقلاب کی لہر ان نیچے کے طبقے کے لوگوں تک پہنچ تو گئی ہے لیکن زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے وہ غلط باتوں پر اس بات کو لگاتے ہیں۔ آگے آنیوالی ترقی پسند چیزوں کی تصویر دماغوں میں نہیں لاسکتے اور پچھلے زمانے کی اس موروثی زنجیر کو توڑتے ڈرتے ہیں جو نہیں سڑے اور گلے ہوئے رواجوں سے جکڑے ہے

رگھوراج چڑھ کر بولا "اچھا۔ اچھا تم ہی تو ایک اکیلے سمجھنے والے باقی ہے۔ اور سارے عقلمند مر گئے۔ بس اکیلے آپ ہی بچے ہیں"۔ اس مضمون پر بات کرنے کیلئے رگھوراج کو ٹھیک آدمی نہ سمجھکر رتن چپ ہو رہا۔

(باقی آئندہ)

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا خبرنامہ

یہ خبر اردو داں طبقہ میں بڑی خوشی کے ساتھ سنی جائے گی کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنا بلیٹن جو اب تک انگریزی زبان میں ہی شائع ہوا کرتا تھا اردو زبان میں بھی شائع کرنیکا فیصلہ کر لیا ہے۔ چنانچہ اسکا پہلا نمبر بابت ۲۰ دسمبر چھپکر ابھی آ چکا ہے۔

جب سے کانگرس نے عوام کی جاگ اور اغراض شعور کو دیکھکر اس کی براہ راست ربط و تعلق قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے تب سے کے کاموں اور پروگرام میں بڑی بڑی انقلابی تبدیلیاں ہونے لگی ہیں جیسے پوربی کسانوں کے لئے ایک مفصل پروگرام تیار کرنا، کلکتہ کی آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی بیٹھک میں مزدور کمیٹی کی سفارشوں کو منظور کرنا اور ایسی ہی بہت سی دوسری باتیں کانگرس کے اسی رجحان کا نتیجہ ہیں۔ عوام کے سیاسی شعور اور انکی بیداری کو دیکھتے ہوئے اب اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ سیدھے ان لوگوں تک اپنا پیغام پہنچایا جائے اور انکو اس بات کا بھی موقع دیا جائے کہ وہ اپنے نمائندوں اور کام کرنیوالوں کے مشغلوں اور کاموں کی دیکھ بھال کریں۔ اور ملک کی آنیوالی بڑی لڑائی کی روز روز تیاریوں اور کے طرح طرح کے جھگڑوں کو خوبی سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس بات کے لئے ضرورت پڑی کہ کانگرس کے تمام لٹریچر کو عوام کی زبان میں پیش کیا جائے۔

ہندستان میں چونکہ اردو جاننے والوں کی بھی بڑی تعداد ہے۔ اس لئے اس لٹریچر کا اردو میں بھی چھاپنا ضروری ہو گیا۔ اس سے پہلے بہت کافی لٹریچر اردو میں آ چکے ہیں۔ اب عام لوگوں کے لئے یہ بلیٹن شائع کیا گیا ہے جس میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی۔ ورکنگ کمیٹی اور سالانہ اجلاس کی تجویزیں، کارروائیاں اور صدر کے بیانات وغیرہ ہوا کرتے ہیں درج رہا کریں گی۔ قومی تحریک کے رجحان اور دوسری سیاسی و اقتصادی قوتوں کو سمجھنے کیلئے یہ ایک بنیادی لٹریچر ہے۔

بلیٹن کا سالانہ چندہ ۱۲ (مع محصول ڈاک) ہے۔ انجمنوں اور دوسرے اداروں سے صرف ۱۰ اور فی کاپی ۲۔

امید ہے کہ اردو کی ترقی چاہنے والے اور قومی تحریک سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسکا برابر مطالعہ کرینگے۔ اور بلیٹن کے مستقل خریدار بن جائیں گے۔

شعبۂ اطلاعات سیاسی و معیشی

لاہور کے دو مشہور اخبار انقلاب اور احسان نے دو تین دن ہوئے ایک بڑی عجیب خبر شہید گنج والی نئی تحریک کے متعلق اڑائی ہے۔ اور یہ بتایا کہ آنند بھون کے جادوگر یعنی جواہرلال نہرو نے احراریوں کو اپنی ساحری سے مسحور کر کے اس سول نافرمانی کی تحریک پر آمادہ کیا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کی سکندری وزارت کا خاتمہ ہو جائے۔

وزارتوں کے خاتمہ کا جہاں تک تعلق ہو سکتا ہے وہ ایک نیک شگون ہے اور ہندستان کی بڑی بڑی وزارتیں اسکے لئے تیار بھی بیٹھی ہیں لیکن احراریوں کی تحریک اور جواہرلال یا ڈاکٹر اشرف ایک عجیب سی اور بے جوڑ بات ہے پنجاب میں ذاتی لیڈری اور موقع پرستی اور وقتی شور و غل آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ برسہا برس سے ہوتا آیا ہے۔ ایسی تحریکوں اور ہنگاموں کی آج تک کسی بھی ذمہ دار شخص اور ایک قومی نصب العین کے ماتحت کام کرنیوالے نے تائید نہیں کی ہے۔ چہ جائیکہ جواہرلال یا ڈاکٹر اشرف وغیرہ ایسے ہو ادیں، اور احراران لا کو ہمت کریں۔ اس تحریک سول نافرمانی سے جواہرلال یا ڈاکٹر اشرف کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اور جسطرح ہم نے پہلے موقع پر اتحاد ملت کی غلط اور موقع پسندانہ نیت اور الکشنی محرکات کا نتیجہ سمجھتے تھے اسی طرح اسے آج بھی ایک غلط کارروائی خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہر ذمہ دار شخص سمجھ سکتا ہے۔" (منظر رضوی)

خبریں

ہمارے صدر

مسلم لیگ سے سمجھوتہ کے بارے میں پنڈت جواہرلال نہرو نے یہ بیان دیا ہے۔

ہندستان کے متعلق جو بھی مسائل ہیں ہم انپر ہر وقت غور کرنے کیلئے تیار ہیں۔ جہاں تک اقلیتوں کے حقوق کا سوال آتا ہے تو ان کے ساتھ انصاف کرنے کے علاوہ انکا اعتقاد و اعتماد حاصل کرنے کے لئے کانگرس مزید مراعات دینے کو بھی تیار ہے۔ کانگرس ایسی آزادی کا خیال تک نہیں کر سکتی ہے جس میں مختلف مذہبی فرقوں کو مساوی حقوق نہ حاصل ہوں اور جس میں تمام فرقوں کو مساوی توسیع اور ترقی کا پورا پورا موقع نہ ملے۔ جہاں تک مذہبی اور تمدنی معاملات کا تعلق ہے کانگرس نے مکمل طور پر اطمینان دلا دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ انکو قانون کے بنیادی حقوق میں داخل کر لیا جائیگا۔ شخصی قانون کے بارے میں مزید اطمینان دلایا جا چکا ہے۔ سیاسی حقوق کے متعلق فی الحال کمیونل ایوارڈ قائم ہے اور ہم بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ ہم بغیر متعلقہ جماعتوں کی رضامندی کے اس میں کوئی تبدیلی کرنا نہیں چاہتے۔ ہم نے یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ ہم اس سمجھوتہ کیلئے تیار ہیں جو بابو راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کے درمیان ہوا تھا۔ اب کیا باقی رہتا ہے؟ اگر ابھی کوئی اہم بات رہ گئی ہے تو ہم اسپر غور کرنے کو تیار ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کون سا مسئلہ زیر بحث ہے۔ کلکتہ میں مسٹر جناح اور وزیر اعظم بنگال کی تقریروں کا حوالہ دیتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ "مسٹر جناح نے یہ کہا تھا کہ وہ ان کانگرسی لیڈروں سے جنگ کر رہے ہیں جو ہندؤں کو گمراہ کر رہے ہیں اور مسٹر فضل الحق نے مسلمانوں کو صلاح دی تھی کہ وہ ہندؤں سے لڑنے کیلئے متحد ہو جائیں۔ اور اپنے مخالفین

مخالفین کے لئے انھوں نے لاٹھی سنبھالنے کی دھمکی دی تھی۔ انھوں نے فرقہ وارانہ کشمکش کی پیشین گوئی کی ہے جس میں انکا خاص حصہ ہوگا۔ جس طرح انھوں نے علانیہ منافرت کے فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے اس کی امید آج تک سیاسی لیڈر یا ذمہ دار آدمی سے نہیں کی گئی۔ مجھے اس قسم کی گفتگو سے دلچسپی نہیں ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ایسے معاملات کو بنیر سنجیدگی اور صاف بیانی سے بحث ہونی چاہئے جنکی سوال بنایا جاتا ہے۔

جو لوگ فرقہ وارانہ سوال اٹھا کر کانگرس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں وہ محض پرچھائیوں سے لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ کانگرس کا ان تنگ نظریوں سے کوئی تعلق نہیں، ہم برطانوی سامراج سے جنگ کر رہے ہیں اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں اور اس میں ہم ہر فرقہ کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کیلئے خوشی سے تیار ہیں۔

کانگرس ایک سیاسی جماعت ہے جو قومی اور سیاسی میدان میں بھی کام کر رہی ہے۔ اور اقتصادی مسائل پر غور کرتی ہے۔ اور چونکہ آجکل ہندستانی مسئلہ بھی ایک خاص اہمیت حاصل کرتا جاتا ہے اور چونکہ ملک کے منظم عوام نے کانگرس کی طاقت بڑھادی ہے۔ اسلئے کانگرس اب کسی حد تک بین الاقوامی میدان میں بھی کام کر رہی ہے، اور اسکو مذہبی یا فرقہ وارانہ سوالوں سے کوئی مطلب نہیں۔ موجودہ وقت میں اہم مسائل تو یہ ہیں کہ فیڈریشن کے خلاف اور حکومت خود اختیاری کیلئے جنگ کیجائے۔ بے روزگاری اور غریبی کیلئے جنگ کیجائے۔ حفظان صحت تعلیم اور تجارت کو فروغ دیا جائے۔

آخر میں پنڈت جی نے امید کی ہے کہ عوام کے نفرت یا حقارت کے جذبات برانگیختہ کرنے کے بجائے فرقہ وارانہ سوالات اور اقلیتوں کے معاملات پر غیر جذباتی بحث کی جائے۔

صدر کانگرس نے ہندو مسلم سمجھوتہ کیلئے بیان شائع کیا ہے اسکو مسلم لیگ کے لیڈران نے بہت پسند کیا ہے مگر مسلم لیگ کے لیڈران نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا ہے اور نہ ہی وہ اس پر اس وقت تک تبصرہ کرنے کیلئے تیار ہیں جب تک مسٹر جناح کی طرف سے اس کا کوئی مناسب جواب نہ دیا جاوے۔

کانگرس پریذیڈنٹ اور مسلم لیگ کے بعض لیڈران کے درمیان فرقہ وارانہ مسئلہ پر کچھ عرصہ سے مباحثہ ہو رہا تھا۔ پنڈت نہرو اور محمد اسمٰعیل خاں اور چودھری خلیق الزماں کے درمیان اس سلسلہ میں خط و کتابت بھی ہوئی تھی۔ اور مرادآباد اسٹیشن پر مولانا شوکت علی اور پنڈت جواہرلال نہرو کی گفتگو کو بھی خاص اہمیت دیجا رہی ہے۔

مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ ۴ جنوری کو کلکتہ سے الہ آباد ملے گئے۔ سہ پہر کو میونسپلٹی نے آپ کو ایک ایڈریس پیش کیا "یوم محمد علی" کے سلسلہ میں آپ نے آج شام کو ایک پبلک جلسہ میں تقریر کی جس کے دوران آپ نے مسلمانوں کو منظم ہو جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ مسلمانان ہند کانگرس کے ساتھ مصالحت اور معاہدہ کرنے کیلئے تیار ہیں مگر مسلمانوں کو منظم کرنے کا کام بند نہ کیا جائے۔

بمبئی۔ ۳ جنوری۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کو معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ کانگرس نے اب ہندو مسلم سوال کو حل کرنے کیلئے انتہائی اور قطعی کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کانگرس کو اب اطمینان ہو گیا ہے کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ اس مسئلہ کو فوراً فیصل کیا جائے۔ چنانچہ پنڈت جواہرلال نہرو صدر آل انڈیا کانگرس نے ورکنگ کمیٹی اور مہاتما گاندھی سے مشورہ کرنے کے بعد اسکے متعلق پہلا قدم اٹھایا ہے اور ایک بیان بغرض اشاعت بھیجا ہے۔ آج صبح کے اجلاس میں ورکنگ کمیٹی میں بھی اس امر پر مباحثہ ہوا اور فیصلہ کیا گیا کہ اسکو عملی جامہ پہنانے سے قبل مہاتما گاندھی سے مشورہ لیا جائے۔

کلکتہ ۴ جنوری۔ گذشتہ شب کو ہندو مسلم اتحاد ایسوسی ایشن کا اجلاس زیر صدارت نواب بہادر آف مرشدآباد منعقد ہوا۔ نواب بہادر نے کہا کہ انھوں نے مسلم لیگ کے بعض لیڈران سے گفتگو کی تو انکو معلوم ہوا کہ انکو کوئی اعتراض نہیں ہے کہ کانگرسی لیڈران ہندو مسلم مصالحت کے متعلق کوئی تجویز کریں۔ دوران مباحثہ مشترکہ انتخابات اور مسٹر جناح اور راجندر پرشاد گفتگو کا بھی حوالہ دیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ مارچ میں آل بنگال یونٹی کانفرنس کو طلب کیا جائے۔

سبھاش چندر بوس ہری پورا کانگرس کی صدارت۔ چار نام زیر غور ہیں

الہ آباد ۴ جنوری۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی طرف سے اعلان شائع کیا گیا ہے۔ کہ ہری پورا کانگرس کے لئے مسٹر سبھاش چندر بوس۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ پنڈت جواہرلال نہرو۔ اور خان عبدالغفار خان کے نام پیش ہوئے ہیں۔

ہندستانی ٹیم کی شاندار فتح تیسرے ٹیسٹ میچ کا نتیجہ

کلکتہ۔ ۳ جنوری۔ ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ آل انڈیا ٹیم تیسرے ٹیسٹ میچ میں لارڈ ٹینی سن کرکٹ ٹیم کے مقابلہ میں ۹۳ رن سے جیت گئی ہے۔ آخری اسکور حسب ذیل ہیں۔

ہندستانی ٹیم:۔ پہلی اننگ۔ ۳۵۰ دوسری اننگ ۱۹۳ ٹینی سن ٹیم:۔ پہلی اننگ ۲۵۰۔ دوسری اننگ ۱۹۲

آج صبح ٹینی سن ٹیم کے کھلاڑیوں کی امرسنگھ اور مکند کے بولنگ کے آگے پیش نہ چلی جن میں سے ہر ایک نے چار چار وکٹیں اڑائیں۔ (ا۔ پ)

حکومت برطانیہ نے تقسیم فلسطین کو مسترد کردیا

نئی دہلی۔ ۵ جنوری۔ برطانوی حکومت نے ہائی کمشنر فلسطین کو جو مراسلہ بھیجا ہے وہ آج بیک وقت انگلستان فلسطین اور ہندستان میں شائع ہو گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت برطانیہ تقسیم فلسطین کی اسکیم کو کسی حالت میں منظور نہیں کرتی ہے۔ اور نہ کمیشن کی اس تجویز کو قبول کرتی ہے کہ عربوں کو یہودیوں کے علاقہ سے خارج کر کے عربوں کے علاقہ میں بسا دیا جائے۔

یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ کمیشن کی تقسیم فلسطین کی جب تک آسانی نہ کر لی جائیگی نا قابل عمل مانی جائے گی۔ لیگ کونسل کے فیصلہ کے بموجب ایک ٹیکنیکل کمیشن کی تقرری عمل میں آئے گی۔ جو تقسیم کے تمام عواقب اور نتائج پر غور کرے گی۔

اطالیہ و جاپان۔ معاہدے پر دستخط ہو گئے

روما ۳۰ دسمبر آج صبح کاؤنٹ سیانو اور جاپانی سفیر نے اطالیہ اور جاپان کے درمیان سپلیمنٹری تجارتی معاہدے پر دستخط کر دئے جس کے ذریعہ ان کو مشرقی افریقہ میں بھی تجارت کرنے کا اختیار ہوگا۔ جاپان مشرقی افریقہ کا نمک اور شاید کچھ روئی بھی خریدے گا اور اسکے بدلے میں مکینکل چیزیں دیگا۔

قابل فروخت)

اطلاعنامہ بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعویٰ کے حسب دفعہ ۱۱۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب ابو شمشیر بہادر بھوش نبر می اسپشل جج صاحب بہادر گونڈہ و جج دوم مقام گونڈہ۔

تاریخ پیشی ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء

مقدمہ نمبری نمبر ۲۴۴ سنہ ۱۹۳۶ء زیر بار قرضہ

بابو مہابت بہادر سنگھ وغیرہ۔ قرضدار سائل

بنام محمد زمان وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ (۱) بابو مہابت بہادر سنگھ ولد منشی گوکل پرشاد۔ (۲) کرشن بہادر سنگھ ولد بابو مہابت بہادر سنگھ } قوم کائستھ ساکن موضع نیگاں پرگنہ لوڑہا بازار گونڈہ کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش ہوئی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔ لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کردو۔

تفصیل جائداد مدخلہ سائلان حسب دفعہ ۸۔ انکمبرڈ ایکٹ (فہرست)

فہرست (ب) تفصیل جائداد غیر منقولہ

(۱) حقیت زمینداری حصہ ۲ موضع نیگواں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۲) حقیت زمینداری حصہ ۲ موضع چاندپور پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۳) حقیت زمینداری حصہ ۹ پائی موضع منی جوت مشمولہ غازی پور پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۴) حقیت زمینداری حصہ ۱۰ ۱/۲ پائی موضع بانکی جوت مشمولہ لہنگوڑہ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۵) حقیت زمینداری حصہ ۶ پائی ۵ ک موضع رسولپور خاں محال خلجی پور مصرولی تھوک ہمراج پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۶) حقیت زمینداری حصہ ۲ دو آنہ موضع رسولپور خان محال خلجی پور مصرولی حقیت متفرقہ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۷) حقیت زمینداری حصہ ۵ اک موضع رسولپور تاج پٹی مہادیو پرشاد پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۸) حقیت زمینداری حصہ ۴ پائی ۲ ۱/۲ ک موضع رسولپور تاج پٹی گوکل پرشاد سنگھ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۹) حقیت زمینداری حصہ ۱ ۱/۲ پائی موضع رسولپور خاں محال خاص تھوک ہمراج پٹی پرمالال پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۰) حقیت زمینداری حصہ ۱ ر ۳ پائی ۷ ۱/۲ ک موضع رسولپور خاں محال خاص پٹی کندھیا لال پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۱) حقیت زمینداری حصہ [illegible] موضع رسولپور خاں محال خاص حقیت متفرقہ پٹی نمبر ۵ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۲) حقیت زمینداری حصہ ۲ موضع آراضی شیخا جوت پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۱۳) حقیت زمینداری حصہ ۱۲ ۱/۲ دسمل موضع منی جوت محال بہبان تیجا سنگھ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۴) حقیت زمینداری حصہ ۸ موضع لہنگورہ تعلقہ خاص پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۱۵) حقیت زمینداری حصہ ۶ پائی پرگنہ ڈاک موضع ترہنی پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۶) حقیت زمینداری حصہ ۱ پائی ۲ ۱/۲ ک موضع فتحپور پٹی پرمالال پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۱۷) حقیت زمینداری حصہ ۷ ۱/۲ ک موضع فتحپور پٹی گوکل پرشاد پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۱۸) حقیت زمینداری حصہ ۹ پائی موضع راگھو پور پٹی فتح بہادر سنگھ پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۱۹) حقیت زمینداری ۱ پائی موضع حسن پور محال لکھی پور پرگنہ سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ۔

(۲۰) حقیت زمینداری حصہ ۳ پائی موضع گونڈری پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

فہرست (ج) تفصیل جائداد منقولہ

(۱) بیل گاڑی ۔ ایک عدد (۲) گائے ۔ دو راس (۳) بھینس ۔ ایک راس

تفصیل جائداد مدخلہ مہاجنان حسب دفعہ ۱۰۔ انکمبرڈ ایکٹ۔

(۱) مکان پختہ واقع چک دورا مشمولہ رسولپور خاں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۲) مکان پختہ واقع موضع چاندپور پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۳) مکان پختہ واقع موضع نیگواں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۴) سیر ۸ سگہ خام واقع موضع چک دورا مشمولہ رسولپور خاں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۵) سیر سگہ خام واقع موضع مصرولی مشمولہ رسولپور خاں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

(۶) سیر ۱۱ سگہ خام واقع موضع بنجریا جوت مشمولہ رسولپور خاں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۷) سیر ۸ سگہ خام واقع موضع چاندپور پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ۔

(۸) سیر ۸ سگہ خام واقع موضع نیگواں پرگنہ لوڑہا بازار ضلع گونڈہ

دستخط (بخط انگریزی)

مہر عدالت تنبیہہ

اوقات حاضری عدالت۔ ۱۰ بجے دن سے ۴ بجے شام تک

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودھری عالم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر بنارسی باغ نزد ہنگ نرسن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپوا کر نمبر ۶ کینٹ روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

(باقی صـ۱۲)

طبیعت میں گھوچ نہیں رہتی کہ اب کیا ہوگا؟

اس تماشے میں سوشیلا دیوی کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ انکے آجانے سے تماشے میں کوئی اضافہ نہیں ہوجاتا۔ ان کی ایکٹنگ بھی بہت معمولی ہے۔ بے معنی کردار جیتے جاگتے ہیں۔ لیڈر میں جو بات نہ ہونا چاہئے وہ ہے۔ اور جو ہونا چاہئے وہ نہیں ہے۔ دو جگہ صرف واقعے کے معلوم کرنے کو ہیں۔ اور طبیعت کی وہ بشاشت، اور رعنائی جو خدمت خلق سے پیدا ہوجاتی ہے۔ انکے چہرے پر غائب تھی جس کی وجہ سے خود لیڈر تو نہیں ہاں تجربہ کار دائی ضرور معلوم ہوتی تھیں۔

اسی طرح طرحدار لڑکے کا کردار صرف ٹھونسا گیا ہے۔ کہ نرملا دیوی سے پٹوایا جائے۔ ہاں اس کی حرکتیں دلچسپ ضرور ہیں۔

وکیل صاحب نے اور نرملا نے اپنے آپ سے لمبی لمبی بحثیں کی ہیں۔ انکو نبھایا اچھی طرح ہے۔ لیکن اب یہ چیز بہت پرانی ہوگئی جن باتوں کو ہم یوں حل کرتے ہیں، اگر واقعات سے حل کریں تو قدرتی بات ہوجاتی ہے۔ اور زور آجاتا ہے۔ وکیل صاحب کی ایکٹنگ ذرا ضرورت سے زیادہ ہے۔ جتنے بڈھے وہ بنے ہیں، اور اس سے کچھ کم بنتے تو تماشے کا زور بڑھ جاتا۔ انکی خودکشی عجیب اہیات بات ہے۔ اس بڑھاپے میں۔ ایسے ٹھنڈے مزاج آدمی کا، اتنی ٹھنڈی طرح۔ صرف دماغ، کو کام میں لاکر خودکشی کرلینا اسکو کسی طرح طبیعت قبول نہیں کرتی۔

نرملا نے بغاوت کی۔ اور اس بغاوت کا تائید کرنیوالا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ گو وہ بار بار ماتا پتا کی تصویر کے پاس جاکر تائید حاصل کرتی ہے۔ مگر یہ تائید بے جان ہے۔ ایسی بغاوت اسی وقت ہوتی ہے جب دنیا میں کچھ لوگ اپنے خیال کے ہوں۔ بلکہ انکو یقین ہو کہ کچھ لوگ ہیں جو میری نگاہوں سے دنیا کو دیکھتے ہیں۔ خانگی کی دوستی سے کبھی یہ کمی پوری کرائی گئی ہے۔ اس سے یہ خدمت ممکن تھی، نرملا کو ایسے انسان کی ضرورت تھی جسپر وہ تکیہ کرے۔ اس کمی کی وجہ سے انسان کی حد سے نکل گئی۔ خاصکر اس وقت، جب اس نے اپنے ماموں کو پاگل خانے بھجوادیا، اور اس پر ذرا بھی رحم نہیں کھایا۔ گویا وہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتی تھی۔

نرملا کی زندگی "رومان" مانگتی تھی۔ اور برابر مانگتی رہی۔ اگر یہ مانگ کسی طرح پوری ہوجاتی تو پیوندکاری کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اگر بڈھوں کے ساتھ شادی نہو، تو اوسط طبقہ کی بہت سی لڑکیاں زندگی بھر کنواری رہیں۔ اوسط طبقہ میں تھوڑے سے نوجوان برسرروزگار ہوتے ہیں اور ان میں سے کم ہوتے ہیں جو بدچلن نہیں ہوتے۔ جو لڑکیاں بچیں وہ کہاں جائیں۔ حال یہ ہے کہ ہر گھر والے ہیں جنکا سن خاصا ہوگیا ہے۔ مگر پیام یا تو آتا ہی نہیں۔ اور آتا بھی ہے تو ایسے لڑکے کا جسکے گھر کھانے کا سہارا نہیں۔ یا بہت بدچلن ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی دولتمند بڈھے کا پیام آجاتا ہے، تو ماں باپ غنیمت نظر آتا ہے۔

سچ پوچھو تو تماشے کا اصلی ہیرو نرملا کا ماموں ہے، جو زندگی بھر غریب رہنے کی وجہ سے، روپیہ سے بہت مرعوب ہے۔ اور بال بچوں کی وجہ سے لالچی بھی ہے۔ اسی لئے بوڑھے کے ساتھ نرملا کی شادی کردی۔ مگر حشر یہ ہوا کہ بھانجی کے ہاتھوں پاگل خانے میں زندگی کاٹنا پڑی۔ اس کا قصور صرف یہ کہ غریب تھا۔ ڈر تھا کہ تماشائیوں کی ہمدردی اس معصوم غریب کے فنکار بڈھے کی طرف چلی جائے۔ اسی لئے ڈرامہ نگار کو "گدھوں" کا پیوند لگانا پڑا۔ بڑھاپے کی شادی کا مسئلہ اگر حل ہوسکتا تھا تو اسی بڈھے میں ہمدردی پیدا کرنے سے مگر اسکا خلاقہ ادھیڑنے سے اور الجھ گیا۔

سبھاؤں میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔ یا ان تحریکوں کو نہیں پسند کرتے ہیں، وہ کسانوں کے جلسے میں زمینداروں کے محافظ کہے جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے کانگرسیوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ انکو زمینداروں نے خرید لیا ہے۔

جب سے کانگرس نے وزارت قبول کی ہے، کسان سبھا اس بات پر زور دے رہی ہے کہ کانگرس کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اگر جلد ہی حالات میں اصلاح نہیں کی گئی تو کانگرس کمیٹی نے جو دھمکی دی ہے اسپر عمل کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

مقدمات ہندی کے قانون کی وجہ سے یو۔ پی کی حکومت کو آٹھ لاکھ کا خسارہ ہوا۔ اور آئندہ بجٹ میں یہ کمی پڑے گی۔ اسکے علاوہ پبلک کاموں کیلئے بھی روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس غرض سے حکومت نے تمام ڈپارٹمنٹوں کو حکم بھیجا ہے کہ وہ غور کریں کہ کس طرح کفائت کیجائے جو کام میں خرابی نہ آنے پائے۔ تنخواہوں میں تخفیف۔ ملازمتوں کی ازسر نو ترتیب۔ ملازموں کی تخفیف۔ اور کئی ڈپارٹمنٹوں کو ملانا۔ یہ باتیں حکومت کے زیر غور ہیں۔

رسل و رسائل اور آب پاشی کے محکمے نے جو حافظ ابراہیم کی ماتحتی میں ہے، ایک لاکھ روپیہ کی اخراجات میں کمی کی ہے۔ اس نے چیف انجینیر کا عہدہ اڑا دیا جس سے ۴۵ ہزار سالانہ کی بچت ہو گئی۔ اسی طرح دو سپرنٹنڈنٹ انجینیر کی جگہ اڑا دی گئی۔

---

۶ جنوری۔ لگان اور مالگذاری کی جانچ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ زمینداروں اور سوشلسٹوں نے اپنی اپنی رائے کمیٹی کو دیدی ہے۔ اور اب حکومت سے فیصلہ کی درخواست ہے۔ حکومت نے اپنا فیصلہ آئندہ اجلاس پر رکھ چھوڑا ہے۔

آنریری مجسٹریٹوں کی تقرری کیلئے قاعدے مقرر ہو گئے ہیں۔ اور غالبا ۱۵ جنوری کو کانگرس پارٹی میں پیش ہوں گے۔ تجویز ہے کہ ہر ضلع میں ایک کمیٹی بنائی جائے جو آنریری مجسٹریٹوں کے نام تجویز کرے۔ امیدوار کا سن پچاس سے اوپر نہ ہونا چاہئے۔ لیکن جو لوگ عدالت کا پرانا تجربہ رکھتے ہیں انکے لئے سن کی یہ قید نہ ہوگی۔

زرعی تبدیلیاں۔ یو۔ پی کی حکومت جو زرعی تبدیلیوں کے متعلق تجویزیں آئندہ اسمبلی کے اجلاس میں رکھے گی وہ یہ ہیں۔

سیر کا حق زمینداروں سے لے لیا جائے گا۔ جو کاشتکار اس قانون کے پاس ہو جانے سے سات سال پہلے سے خود کاشت زمین کو جوتتا رہا ہے۔ اسی کا موروثی حق مان لیا جائے گا۔

شراب بندی۔ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے الہ آباد میں حکومت کی آبکاری کی پالیسی کی وضاحت کی۔ اس سلسلہ میں حکومت نفع کمانے کو بالکل بند کر دینا چاہتی ہے۔ اور اسی غرض سے شراب کی سرکاری دوکانیں کھولی جائیں گی۔

بعض مقاموں پر تجربہ کے طور پر شراب بالکل بند کر دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں حکومت کو نقصان ضرور ہوگا۔ مگر وہ اسکو اٹھانے کیلئے تیار ہے۔

کانپور مسز سکینہ جنکو یو۔ پی کی حکومت نے کانپور کے مزدوروں کے جھگڑے کی جانچ کمیٹی میں نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، کہتے ہیں کہ کپڑے کی ملوں میں ۱۹۳۸ء کی مزدوری ۱۹۲۹ء کے مقابلہ میں چالیس فیصدی کم ہو گئی ہے حالانکہ کاروبار کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔

یو۔ پی کی حکومت نے آبیانہ کی جانچ کیلئے حافظ ابراہیم کی ماتحتی میں ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر آبپاشی نے اسمبلی سے وعدہ کیا ہے کہ آبیانہ میں تخفیف کیجائے گی۔

بہار میں دیسی زبان میں تعلیم دینے پر غور کیا جا رہا ہے۔ اس غرض سے ایک کمیٹی بنائی جائے گی۔ جسکے ممبر ہندستان کے تمام ماہران تعلیم ہونگے۔

---

۱۰ جنوری۔ بمبئی اسمبلی کا آج اجلاس شروع ہوا۔ کسانوں کے ایک ٹڈی دل نے اسمبلی کی عمارت کے سامنے مظاہرے کئے۔

مولانا ابو الکلام آزاد اور پنڈت جواہرلال نہرو نے کانگرس کی صدارت کیلئے اپنا نام سوباش چندر بوس کے حق میں واپس لے لیا۔ اب ہری پور کے اجلاس کے صدر وہی ہونگے۔

سوبھاش چندر بوس نے لندن میں ایک تقریر کی اس میں فیڈریشن کیلئے کہا کہ کانگرس اسکے مقابلے میں کوئی ہتھیار اٹھا نہ رکھے گی۔ کانگرس والیان ریاست کو خالص رجعت پسند جماعت سمجھتی ہے۔

انگریز اور ہندستانی ترقی پسندوں کے ایک جلسہ میں مرارجی ڈیسائی لگان و مالگذاری کے وزیر (بمبئی) نے کہا کہ جو اسکیم بنائی جائے۔ اس میں تین باتیں ہونا چاہئیں۔ پہلی تو یہ کہ کسانوں کو لٹنے سے اور پریشان کئے جانے سے بچائیں۔ اور بڑھتے قرضہ سے محفوظ رکھیں۔ اور قسط وار ادائی کی اسکیم بنائیں جس سے کسان جلد قرضہ سے نجات پا جائیں۔ اس غرض سے حکومت ایک تجویز پیش کرنیوالی ہے کہ تمام مہاجنوں کی رجسٹری ہوا کرے۔ اور سود کا نرخ مقرر کیا جائے۔ ایک دوسری اسکیم یہ ہے کہ ایک قرضہ کی سمجھوتا کمیٹی بنائی جائے۔ جو دیہی قرضوں کے مقدموں کا فیصلہ کرے۔

کانگرس اور لیگ میں سمجھوتہ

مسٹر جناح کا بیان

مسلم لیگ سے سمجھوتہ کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان ہم نے گزشتہ اشاعت میں دیا تھا۔ اسکے جواب میں مسٹر جناح نے بھی ایک بیان دیا ہے جسمیں موصوف نے یقین دلایا ہے کہ وہ اور لیگ کونسل مصالحت کے سلسلہ میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کی تجویز پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کو تیار ہیں۔ آپ نے کہا۔

"میں پنڈت جواہر لال نہرو کے بیان کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ کیونکہ انکی زبان صلح جویانہ ہے۔ اگرچہ اس میں جنگ جویانہ جذبہ کارفرما ہے۔ گزشتہ ایام میں جو واقعات پیش آئے ہیں ان سے کانگرس کے اعلیٰ عہدیداروں کو یہ مان لینا پڑا کہ مسلم لیگ کو برابر کی جماعت تسلیم کرنا پڑیگا۔ اگر وہ واقعی مصالحت کرنا چاہتے ہیں تو آنریبل فضل الحق کی بابت انھوں نے جو اظہار خیال کیا ہے وہ بالکل نامناسب اور بے موقع ہے۔ نیز جو انھوں نے میری بابت کہا ہے کہ میرا رویہ غیر دوستانہ ہے یہ بھی بالکل غلط ہے۔

اگر کانگرس واقعی دیانتداری اور سچائی کے ساتھ مصالحت کرنا چاہتی ہے تو یہ صرف اخباری بھاگ دوڑ سے نہیں ہوسکتی۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی کی کئی نشستیں ہوچکی ہیں لیکن اس نے ابھی تک اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ پنڈت جی کے دعووں کو میں نے پڑھا لیکن انھوں نے مجھپر الزام رکھکر اپنے بیان کو خراب کردیا کیونکہ دراصل یہ چیلنج پنڈت جی کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ میری طرف سے۔

فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے بارے میں مسٹر جناح فرماتے ہیں۔

"میں نے بارہا کہا ہے کہ مجھ میں اور بابو راجندر پرشاد میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا اور مجھے اس کا کوئی حق بھی نہ تھا۔ ہاں میں نے بابو راجندر پرشاد اور انکے دوستوں کا فارمولا لیگ کے اجلاس میں رکھنے کا ضرور اعلان کیا تھا بشرطیکہ ہندو اور سکھ اسکو ایک رائے ہوکر منظور کرلیں۔ لیکن مہاسبھا اور سکھ اور بعض سربرآور کانگرسیوں نے بھی اسکو منظور نہ کیا۔ پنڈت جی نے کہا کہ "ہم اس سمجھوتے پر قائم رہنے کا اعلان کرچکے ہیں"، اس 'ہم' سے انکا کیا مطلب ہے۔ بلاشبہ وہ کانگرس کے صدر کی حیثیت سے بول رہے ہیں، لیکن ابھی نہ تو وہ خود اور نہ کانگرس ہی ایسی جگہ پر پہنچی ہے کہ اس طرح کے اعلان یا وعدے کرسکے۔ اقلیتوں کے مذہب، کلچر، اور زبان کے تحفظ کے اعلان کے بارے میں میں صاف صاف کہہ چکا ہوں کہ ہم اس قسم کے وعدوں اور اعلانوں پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ ہم صاف اور معقول تحفظات چاہتے ہیں جن سے ہم صرف اپنے مذہب، تمدن، اور زبان بلکہ اپنے سیاسی حقوق کی بھی حفاظت کرسکیں۔ اور ملک کی حکومت، اور انتظام میں اپنی جائز جگہ حاصل کرسکیں۔

ہندو مہاسبھا کے صدر نے پنڈت جواہر لال نہرو کے بیان کے متعلق اخباروں میں یہ بیان دیا ہے کہ ہندوؤں کی صحیح نمائندہ صرف ہندو مہاسبھا ہے۔ کانگرس کو ہندو مسلم سمجھوتا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جو کانگرس اور مسلم کے سمجھوتے پر گاندھی جی سے باتیں کرچکے تھے۔ مسٹر جناح سے ملے اور ان سے سمجھوتے کی شرطیں پوچھیں مسٹر جناح نے کہا کہ بہتر ہوگا کہ گاندھی جی سمجھوتے کی شرطیں تیار کریں، اور پھر مسلم لیگ غور کرے۔

کسان سبھا اور کانگرس

بہار کسان سبھا کے صدر سوامی سہجانند یو۔ پی میں پندرہ دن کا دورہ کرنے نکلے ہیں۔ اس سلسلہ میں ۶ر جنوری کو لکھنؤ میں آئے۔ کئی جگہ تقریریں کیں۔ اس میں کہا کہ

"ہمارے لیڈروں نے ہمکو رونا اور آگے بڑھنا سکھایا ہے۔ اور ہم سے یہ کہا کہ جب تک سوراج نہ مل جائے لڑتے رہو۔ اس لئے ہم خاموش بیٹھنا نہیں چاہتے۔ ہم تو اپنے ان لیڈروں سے جنھوں نے یہ کہا تھا۔ اور جن میں سے بعض اب وزارت کی گدی پر بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ آؤ اور ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک ہو۔

یونیورسٹی میں تقریر کی۔ وہاں کہا کہ ہم کانگرسی وزارتوں میں ڈکٹیٹری نہیں چاہتے ہیں۔ بہار کی کانگرسی وزارت پر زمینداروں کا قبضہ ہے۔ اور اس نے کانگرس کمیٹی تک کا حکم نہیں مانا۔ آپ نے کسانوں کے تشدد کا ذکر کیا اور کہا کہ جو کچھ انھوں نے کیا اپنے بچاؤ میں کیا۔

آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کی مجلس عاملہ کا بمبئی میں (۷ر جنوری) اجلاس ہوا۔ اس نے بہار کسان سبھا، اور بہار کانگرس کمیٹی کے جھگڑے کے متعلق یہ قرارداد پاس کی۔

"کمیٹی اس کارروائی کو بالکل ناپسند کرتی ہے جو بہار صوبہ کانگرس کمیٹی نے بلامناسب تفتیش حالات کسان سبھا۔ اور اسکے صدر سوامی سہجانند کے ساتھ کی۔ بہار کسان سبھا نے ایک مثال قائم کردی ہے کہ کیسے کسانوں کی آزاد تنظیم ہو۔ اور ساتھ ساتھ کانگرس سے ملکر متحدہ محاذ بنایا جائے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بہار کی کسان سبھا نے کانگرس کو طاقت پہونچائی۔

کمیٹی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ بعض بعض کانگرسی کانگرس دشمن حرکتیں کررہے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے گھبرا کر فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ بہار میں اور دوسرے مقاموں میں کسان سبھاؤں کی تنظیم میں دشواریاں پیدا کرے گا۔

آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ کانفرنس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰ مارچ کو منعقد ہوگا۔

راجندر پرشاد نے کسان سبھا اور بہار کانگرس کمیٹی کے جھگڑوں پر یہ بیان دیا ہے۔

جو شخص چاہے بہار میں آکر دیکھ سکتا ہے کہ کسان سبھا کے لوگ تشدد کا پرچار کرتے ہیں۔ کسانوں میں جو نعرہ بہت پسند کیا جاتا ہے وہ یہ ہے "مالگذاری لوگے کیسے؟ ڈنڈا ہمارا زندہ باد" جو کانگرسی کسان

خبریں

ہندستان کے باہر

چین و جاپان

۵ جنوری۔ دو ہو کے ہوائی اسٹیشن پر چینی ہوا بازوں نے دو مرتبہ بمباری کی۔ نو بم نشانہ پر پڑے اور دشمنوں کو کافی نقصان پہنچایا۔

۶ جنوری کو بائیس جاپانی ہوائی بمبازوں نے ۱۶ ہوائی جہازوں کو لیکر ہان کاؤ پر حملہ کیا اور وہاں کے ہوائی اسٹیشن پر بم گرائے۔ ریڈیو اسٹیشن پر بھی بم گرانا چاہے لیکن نشانہ بہک گیا۔ اور رفیوجیوں کے جھونپڑوں پر بم جا گرے

شنگھائی کی راجدھانی تس نان میں چار سو پچاس جاپانی مکانات تھے۔ چینیوں نے شہر خالی کرنے سے پہلے سب ڈھا دئے۔ اب صرف بارہ باقی ہیں۔

جاپانیوں کا نیا حملہ ہسوچاؤ پر ہو رہا ہے۔ جدھر دو طرف سے فوجیں بڑھ رہی ہیں

چین نے دو کرور ڈالر کے اسلحہ کی فرمائش بیرونی ملکوں کو بھیجی ہے۔ اس فرمائش میں بڑی توپیں ہیں۔ جو چینیوں کے پاس بے حد کم ہیں مشین گنیں ہیں اور دس ہزار اعلیٰ درجہ کی رائفلیں ہیں۔ یہ سامان دو راستوں سے آئیگا۔ ایک تو روس کی طرف سے سنکیانگ ہوکر اور دوسرے سمندر سے یا ننن ہوکر۔

جاپانی حکومت لڑائی کے اخراجات پورا کرنے کے لئے نئے ٹیکس لگانے کی سوچ میں ہے۔ یہ چھ قسم کے ٹیکس ہیں جو ہر قسم کی آمدنی اور جائداد پر لگائے جائیں گے۔ آئندہ سال کا بجٹ جو بنایا جا رہا ہے، اس میں لڑائی کی مد پچھلے پورے پورے بجٹوں سے بڑی ہے۔

---

۹ جنوری۔ جاپانیوں نے ایک برطانیہ کے ہوٹل پر جو بین الاقوامی آبادی میں تھا قبضہ کرلیا۔ اور یونین جیک اتار کر وہاں جاپانی جھنڈا لگا دیا۔

جرمنی و جاپان

برطانوی اخباروں میں یہ چھپا تھا کہ جرمنی کا درمیان پڑنا، مفید ہو رہا ہے۔ مگر قیاس ہے کہ اس میں خاص مبالغہ ہے۔ برطانوی اخباروں کا یہ بھی بیان ہے کہ ہر ہٹلر اس صلح کی زیادہ کوشش ڈر سے کر رہا ہے۔ کہ کہیں لڑائی کے طول کھینچ جانے سے جاپان کمزور نہ ہوجائے۔ جو پھر اشتراکیت دشمن جتھے میں کارآمد نہ ہو۔

جرمنی اخباروں کا بیان ہے کہ جرمنی حکومت صلح کی بات چیت کر رہی ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ کہاں تک کامیاب ہوئی۔ جاپانی اخبار اس بات چیت کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔

چینی اخباروں کا بیان ہے کہ ہاں بات چیت ضرور ہو رہی ہے مگر کامیابی کی امید نہیں۔ کیونکہ جاپان کا یہ مطالبہ کہ چین اشتراکیت دشمن بن جائے منظور نہیں کیا جاسکتا۔

اسپین

۳۰ جنوری۔ اسپینی خانہ جنگی کی سب سے بڑی لڑائی ٹرول پر ہو رہی ہے۔ جس میں ایک لاکھ اسی ہزار آدمی شریک ہیں۔ تین چار روز بہت ساکھے کی لڑائی رہی جسکے بعد حکومت کے قدم جم گئے۔ اس نے دو مضبوط بیرونی مورچوں پر جن کی مار شہر پر پڑتی ہے۔ قبضہ کرلیا ہے، ٹرول کی وادی میں پہلے باغیوں کا قبضہ تھا لیکن اب حکومت نے اسپر لڑائی کا میدان ایسا تنگ بنا دیا ہے کہ فرانکو کو اپنی ان فوجوں کو جو اس نے میڈرڈ پر حملہ کرنے کیلئے جمع کیا تھا ادھر بھیجنا پڑا ہے۔

۵ جنوری۔ گھٹنوں گھٹنوں برف میں گھسکر حکومت کے سپاہیوں نے بہت بے جگری کے ساتھ باغیوں پر حملہ کیا جس سے ٹرول کے ڈھلانوں کے چند اہم مقاموں پر قبضہ ہوگیا۔

باغیوں کے پچاسی ہوائی جہازوں نے ٹرول پہاڑیوں کے اتار پر بمباری کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ سطح پر کہرا چھایا تھا۔

باغیوں کے ایک جتھے نے حکومت کے ایک مورچہ پر حملہ کیا۔ حکومت کے سپاہیوں نے باغیوں کے قریب آنے کا انتظار کیا اور جیسے وہ قریب پہنچ گئے توپوں کے دہانے کھول دئے۔ چند منٹ میں حملہ آور پسپا ہوگئے۔

میڈرڈ میں ایک فرمان جاری کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام لوگ جو لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ یا کسی طرح فوج کے کام میں نہیں ہیں۔ ۳۰ دن کے اندر شہر خالی کر دیں۔

۹ جنوری۔ ٹرول کی تمام عمارتیں مسمار ہوگئیں۔ لوگوں نے تہ خانوں میں گھس کر پناہ لی ہے۔ باغیوں کے کمانڈر نے تیرہ ہزار سپاہیوں سمیت اطاعت قبول کرلی۔ برطانوی پارلیمنٹ کے دو ممبروں نے شہر کا گشت کیا۔ اب اسپر حکومت کا پورا قبضہ ہے۔

امریکہ کی اسلحہ بندی

صدر روزولٹ نے ۱۹۳۸-۳۹ء کا جو بجٹ پیش کیا ہے، اس میں ۹ کرور ۵ لاکھ ڈالر کا گھاٹا پڑتا ہے۔ اس بجٹ میں اسلحہ بندی کیلئے ننانوے کرور دس لاکھ ڈالر رکھے گئے ہیں۔

سر دست آٹھ جنگی جہاز سولہ انچ دہانے والی توپوں کے، ایک ہوائی جہاز بردار، ۱۷ جنگی کشتیاں۔ چالیس حملہ آور جہاز ۳۵۔ آبدوز ۱۲۵ بمباز ہوائی جہاز، ہوائی جھپٹے۔ اور ہوائی جاسوس تیار ہو رہے ہیں۔

ایک تجویز ہے کہ ایک ایسی مستقل آمدنی رکھی جائے جس سے ہر سال اسلحہ میں اضافہ کیا جاتا رہے۔

نرملا سسرال پہونچی۔ وکیل صاحب کی بڑھی چاچی کو غضبناک نرملا نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سیدھے منہ بات نہ کرتی۔ چلے کٹے فقرے کستی رہتی۔ چاچی نے بگڑ کر چاہا کہ اسکا کھانا پینا بند کر دے۔ مگر یہ دبنے والی نہ تھی۔ چاچی نے اسکے سامنے جھوٹی تھالی رکھدی۔ تو اس نے چاچی کی تھالی سے بدل لی۔ جب چاچی نے اپنا حق جتا کر اسکو بے دخل کرنا چاہا۔ اور کہا کہ تیری ماں، تیرا باپ، تیری بہن، کوئی کھانا نہیں کھا سکتا۔ تو اس نے ڈنڈوں سے گھر کے باہر نکال دیا۔ یہ اس اصول پر عمل کرتی تھی کہ چاہے کتنو دکھ جھیلنا پڑے مگر ظلم کے خلاف بغاوت کرو۔

بوڑھے وکیل صاحب پورے بوڑھے تھے۔ جوان بی بی کو قابو میں رکھنا انکے بس سے باہر تھا۔ دوسری طرف انکے دل میں چور تھا اور اپنے کئے پر ندامت تھی۔ جب لوگ ان سے بڑھاپے کی شادی کا تذکرہ چھیڑتے تو یہ منہ چھپا کر بھاگتے۔

نرملا ایک رات بھی وکیل صاحب کے کمرے میں نہیں گئی۔ ایک دن چاچی نے دھوکا دیکر بھیجدیا۔ تو نرملا نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، اور وکیل صاحب کو آنے نہیں دیا۔ وکیل صاحب نے بگڑ کر اسکو باہر سے بند کر دیا۔ نرملا نے مکان میں آگ لگا دینے کی دھمکی دی، تب وکیل صاحب نے ڈر کر دروازہ کھول دیا۔

گھر میں نرملا کی ایک دوست تھی۔ کیشو کی لڑکی شانتی۔ یہ اسی سے اپنا دل بہلاتی پاس پڑوس کی لڑکیوں سے بھی کچھ دوستی ہوگئی تھی وہاں جاتی آتی رہتی۔ کچھ دنوں بعد گھر میں دو نئے آدمی آئے۔ ایک کیشو کا طرحدار لڑکا۔ اور دوسری وکیل صاحب کی لڑکی سوشیلا دیوی جو اسوقت ملک میں لیڈر تھی، اور بہت مشہور تھی۔ شانتی نے اس شادی کی پہلے بھی مخالفت کی تھی۔ اب نرملا سے ملکر اپنے باپ کی حرکت پر بہت شرمائی۔ اور نرملا کو ڈھارس دینے کی کوشش کی۔ وہ زیادہ ٹھہر نہیں سکتی تھی جلدی واپس چلی گئی۔

کیشو کے طرحدار لڑکے کی نیت نرملا پر پھسل گئی اور وہ چھیڑنے کیلئے اسکے کمرے میں آگیا نرملا نے فوراً نکل جانے کا حکم دیا۔ اسی وقت وکیل صاحب بھی آگئے اور انھوں نے بھی بیٹے کو ڈانٹا۔ صاحبزادے نے باپ کے ساتھ گستاخی کی۔ نرملا غصے سے آگ ہوگئی اور چھڑی اٹھا کر خوب پیٹا۔ اور باہر نکال دیا۔ کیشو کو نرملا کی بہادری دیکھ کر اپنی بزدلی کا احساس ہوا۔ اب وہ سمجھا کہ میں اس عورت کا شوہر بننے کے قابل نہیں۔ اس نے بڑھکر نرملا کے ماتھے کا سیندور پونچھ لیا۔ اور پھر اسکو قسم ماتا پتا کی دلائی کہ اب سیندور نہ لگانا۔

نرملا پہلے تو یہ سن کر خوش ہوئی کہ میں آزاد ہوں، مگر اس کا ہندو دل اس کفر کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ سیندور لیکر وکیل صاحب کے پاس پہونچی کہ لگا دیجئے۔ وکیل صاحب نے لگا دیا۔ مگر شوہر بنکر نہیں۔ بلکہ باپ بنکر۔

وکیل صاحب اتنے ہی دنوں میں اس کوفت سے ادھ مرے ہوگئے تھے ان کی ندامت کا یہ حال تھا کہ جب سوشیلا دیوی نے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ فوراً کام کا بہانہ کرکے باہر چلے گئے۔ ایک دن جب سوشیلا نرملا کو ڈھارس دے رہی تھی اور اپنے باپ کی حرکت پر شرم سے گڑی جا رہی تھی۔ انھوں نے دونوں کی باتیں سنیں، اور اپنی حرکت پر بہت پچھتائے۔ سیندور لگانے کے بعد چوبیس گھنٹے بہت پریشان رہے۔ آخر یہ فیصلہ کیا کہ نرملا کو آزاد کرنے کیلئے مجھے خودکشی کر لینا چاہئے۔ وہ دو خط لکھکر چلے گئے۔ اور دریا میں ڈوب گئے۔

اس پرانے موضوع کو، دنیا نہ مانے، نے انوکھے رنگ سے اٹھایا ہے۔ اور نبھایا بھی خوب۔ نرملا نے بچوں کو جو ناٹک کرایا اس سے اور اسکے ناچ گانے سے معلوم ہوگیا تھا کہ اسکے دل میں کیسی جوان امنگیں اور طبیعت میں کیسی آزادی ہے۔ اس لئے جب وہ بڈھے دولھا سے بغاوت کرتی ہے تو کچھ اچنبھا نہیں ہوتا۔

ماموں، وکیل صاحب، اور چاچی جو اس شادی کے مجرم تھے جب نرملا کی ضدوں کے آگے بے بس ہو جاتے ہیں تو بڑا مزا آتا ہے۔ وکیل صاحب کو اپنے بڑھاپے کا، اور نرملا کے جوان دل کا احساس تھا۔ اور دوسری طرف نرملا کو یقین تھا کہ حق میری طرف ہے۔ نہ وکیل صاحب کو دبانے کی ہمت پڑتی، اور نہ نرملا کسی طرح دباؤ ماننے کیلئے تیار تھی۔ اس نے جس طرح بنا اپنے ستانیوالوں کو تنگ کیا ہے۔ تماشے کے ان ٹکڑوں میں مسکراہٹ، ہنسی اور قہقہے سب ہی کچھ ہیں۔ بعض بعض سین تو ایسے ہیں جو تماشائیوں کے ذہن میں بس جائینگے۔

جب نرملا چاچی کو گھر سے نکال دیتی ہے، اسی وقت اس کا ماموں آجاتا ہے۔ دیکھتے ہی نرملا کو! دا آجاتا ہے کہ میری ساری مصیبتوں کی جڑ یہی ہے۔ وہ فوراً پولیس والے کو بلا کر کہتی ہے کہ یہ پاگل میرے گھر میں گھس آیا ہے۔ پولیس مین اسکو پکڑ کر لے چلا۔ جس وقت پولیس مین نرملا کے ماموں کو پکڑ رہا تھا، ایک گدھے نے شور مچایا۔ اور جب اسکو لے جا رہا ہے، اسوقت بھی اتفاقاً گدھے ساتھ ہو لئے۔ ان باتوں نے ماموں کے دماغ پر اتنا گہرا اثر کیا کہ وہ سچ مچ پاگل ہوگیا۔ اور پاگل خانے میں پہونچکر سی پوں سی پوں کرنے لگا۔ اس سین میں گدھے کی آواز کو ماموں کی دماغی حالت سے خوب نتھی کیا ہے۔

تماشے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں منظر، محل اور فرنیچر دکھا کر تماشائیوں کو خوش کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ روزمرہ کی زندگی کو سادے انداز میں دکھانے کی کوشش ہے۔ جزئیات سے انکی نقاشی کی ہے، اور اسی پر زور دیا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی پرانی وضع کے بڑے بڑے پیوند لگے ہیں۔ جا بجا گاتے ہوئے فقیر، رنگین باغ، آتشبازی اور چراغاں کے نظارے جوڑے گئے ہیں جو کسی طرح تماشے میں ضم نہیں ہوتے اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ تماشا صرف ایک کردار کے ایک رخ پر قائم ہے۔ وہ نرملا کی بغاوت ہے اس بغاوت کا انجام کیا ہوا؟ یہ تماشا نگار کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے تماشا پورا کرنے اور وکیل صاحب کو خودکشی کرانے کیلئے بہت سے بے جوڑ پیوند لگا دئے۔ خاصکر انٹرول کے بعد تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تماشا ڈھکیلا جا رہا ہے۔ پلٹو کمزور ہو جاتا ہے

باقی صفحہ ۱۵

تو اس نے بتایا کہ پہلے یہ بڑا امیر تھا یکا یک اس کا دماغ خراب ہوگیا۔ تب سے عجیب عجیب کام کیا کرتا ہے، کبھی تو اپنا بدن نوچ ڈالتا ہے اور اپنا ہی خون دیکھکر ہنستا ہے۔۔۔۔۔۔ اتنے میں پھر گدڑو ایک مجمع کو چیر کر نکل پڑا۔ ایک آدمی کو دھکا لگ گیا، اس نے مڑ کر دیکھا۔ لیکن گدڑو سینک سلائی سے کالے ہاتھ پیر آگے پیچھے پھینکتا ہوا بڑھ گیا۔ اس کی ننگی ہڈیلی پیٹھ پر ایک گدڑی تھی جو کسی جنگلی کبوتر کے بچے کی ادھڑی پیٹھ کی طرح معلوم ہوتی تھی ہوسم نے گدڑی کے اوپر کے کپڑے کو دھندلا۔ پھیکا۔ سلیٹ کا اڑا ہوا سا رنگ دے دیا تھا۔ اسے جاتے ہوئے چوراہے پر کے ایک تنبولی نے انگلیوں کے اشارے سے پاس بلایا۔ گدڑو کچھ کہے بغیر اسکے پاس جا کھڑا ہوا تنبولی نے اسکے سر کو اپنے انگوٹھے اور انگلیوں کے درمیان پکڑ کر گدی پر ایک کراری چپت لگا دی۔ اور ایک پان گدڑو کے سامنے بڑھا دیا۔ جیسے انعام میں دے رہا ہو۔ گدڑو نے ایک ضروری رسم کی طرح سنجیدگی سے اسے لے اور یہ سب ہو جانے دیا۔ پان کو ہاتھ میں لے کر اوپر نیچے پلٹ کر دیکھا اور کھا لیا۔ پھر تیزی سے لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا پٹڑی پر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ٹھہر جاتا اور اپنا تھوک منھ سے نکالکر انگلیوں پر لیتا۔ یکا یک اس نے لال تھوک دیکھکر زور کا ٹھٹھا لگایا اور مٹکا کر بولا۔ ہاں (ہا)، ہاں۔ ہاں۔ اپنا کھون (خون) کھائنت (کھائت) ہنن (ہن)۔۔۔۔۔۔ رتن اور رگھوراج اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ رتن نے کہا۔ "یار یہ کیا سوچتا ہوگا؟" رگھوراج۔ "سوچتا کیا ہوگا وہ تو پاگل ہی ہے۔ یہ تمہارے بڑے پاک چار طرف دوڑنے والے دو پیر کے گدھے ہی کیا سوچتے ہوں گے جو اس قدر خوش ہیں اور دو چار پیسوں کے لئے جان دے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ منھ پائے پیٹ کھلائے" رتن کی آنکھیں چمک اٹھیں اس نے کہا۔ دوست تمہاری عقل پر قارون کا خزانہ صدقے، ان کی اس حالت کے ہمیں لوگ ذمہ دار ہیں، پھر انھیں گالی دینے اور کوسنے کا ہمکو کون سا حق ہے؟۔۔۔۔۔۔ "بات کاٹ کر رگھوراج بول اٹھا بخشش دو بھیا ہم کر دیہ لکچر سننے کے ارادے سے ہوسٹل سے نہیں چلے تھے" رتن چپ ہو رہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اور بغیر خیال کئے اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "۔۔۔۔۔۔ اس خبطی جماعت کی روح جیسے گدڑو کی شکل رکھ کر آگئی ہو" بازار کے کونے پر ایک صراف اپنی دوکان پر تکیہ کے سہارے بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ ادھر سے ایک بڈھی عورت آئی۔ چہرے اور گلے کی جھریاں لٹکی ہوئی۔ ہاتھ میں ایک لٹھیا پیر میں کیچل سنا ہوا آکر ایک راکھی صراف کی طرف بڑھائی۔ صراف بگڑ پڑا۔ "چل چل تیرے باپ کا دھن گڑا ہے نا یہاں کنگلی کہیں کی" بڈھی پیٹھ پھیر کر آگے بڑھی، اس کا بدن آگے کی طرف جھک گیا جیسے ہوا کے تھپیڑے سے پودے ایک طرف کو ترچھے ہو جاتے ہیں۔ جاتے جاتے دوکان میں بیٹھے ہوئے صراف کے نوکر نے دو ایک دھکے دیکر اسے ٹھیک سا راستہ دکھا دیا۔ جتھے کی نگالی پھر سکر جاگی۔ صراف کی بگڑی ہوئی صورت اور گڑگڑی کی آواز بدستور اپنی اپنی جگہ پر آگئی۔ اور تکیہ پر کا تیل کا دھبہ ایک چوڑی پیٹھ سے ڈھک گیا۔ سیٹھ جی کی پیٹھ ابھی ٹکی نہ تھی کہ ایک نوجوان برہمنی گود میں ایک ننگا اور گندا بچہ لئے پھر آ ٹپکی۔ اس کی دھوتی میں رنگ برنگ پیوند لگے ہوئے تھے وہ سر پر پھٹی ہوئی تھی، اور ایک چیتھڑا ماتھے پر بھی لٹک رہا تھا۔ راکھی صراف کے سامنے بڑھائی ہی تھی نوکرنے سمجھا کہ اس دفعہ مالک اسکو اٹھا کر کھا ہی جائیں گے۔ صراف نے آہستہ آہستہ اپنا سر عورت کی طرف گھمایا جیسے وہ پیچ پر گھوم رہا ہو۔

(باقی)

سنیما **دنیا نہ مانے** سنیما

(تماشائی)

خلاصہ تماشا نرملا بمبئی میں پڑھتی تھی جب اسکے ماں باپ مرگئے۔ تو اسکو دیہات میں ماموں کے گھر آکے رہنا پڑا۔ ماموں کے گھر میں بہت سے بچے تھے۔ ایک دن انکو ناٹک کرا رہی تھی، اور گانا سنا رہی تھی کہ خبر ملی ہونے والا پتی اسکو دیکھنے آیا ہے۔ یہ جلدی سے بن سنور باہر گئی۔ بڈھے وکیل صاحب نے اس کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ وکیل صاحب کے ساتھ ایک جوان لڑکا تھا۔ نرملا اس دھوکے میں رہی کی شادی اسکے ساتھ ہوگی۔ اور ماموں نے بھی اس دھوکے کو دور نہیں کیا۔ شادی رچی جب ارپنھانے چلی تب نرملا کو اپنے دھوکے کا علم ہوا، وہ بگڑی اور ہاتھ روک لیا۔ لیکن ماموں نے ہاتھ پکڑ کر زبردستی پہنوا دیا۔ نکاح کے بعد نرملا اپنے کمرے میں جاکر ماں باپ کی تصویر کے سامنے رونے لگی۔ اس وقت ایک لڑکے نے آکر کہا کہ وکیل صاحب نے ماموں کو بہت سا روپیہ دیا ہے۔ اب نرملا سمجھی کہ میں بیچی گئی ہوں۔ اسکو اپنے ماموں سے نفرت ہوگئی۔ اسوقت باہر فوٹو لیا جا رہا تھا۔ ماموں اور وکیل صاحب نرملا کو بلانے اندر آئے۔ نرملا بھری تو بیٹھی ہی تھی، غصہ میں جو منھ میں آیا کہہ گئی۔ اب وکیل صاحب کو پتہ چلا کہ ان کی جوانی کیا چیز ہے۔

تہوار منانے والا

مسلسل

(جگل کشور شکلا)

بیٹھے بیکل ان دونوں نے نظر دوڑائی۔ رگھو راج بولا "کچھ کھانے کی چیز ——— مومپھلی نہ خرید لوں؟"

"نہیں نہیں! بھتیا معاف دو۔ اس مومپھلی کے علاوہ دنیا میں کیا کوئی دوسری چیز ہی نہیں رہی، کوئی ایسی چیز لو کر ہوٹل پہنچنے کے پہلے ختم ہو جائے۔ بندہ تو اپنے اس 'ایروپلین' پر بیٹھا ہوا سب کچھ کرنا چاہتا"

سڑک کے کنارے ایک امرود والا چلا رہا تھا۔

"گول گول چھانٹو بینو۔ الہ آبادی چھانٹو بینو!

پھتیا ڈگے چھانٹو بینو!"

رگھو راج بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ اور رتن سے امرود خریدنے کو کہکر خود پاس والی چوبی پر پیر ٹیک کر سائکل پہ بیٹھا رہا۔ وہیں زمین پر ایک پان والی بیٹھی تھی۔ تیل اور مسالے سے اس کی دھوتی کالی ہو رہی تھی۔ پانپڑ کا خوانچہ سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ اپنے آنچل سے ڈھکے ہوئے ایک تین چار سال کے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ رگھو راج چوبی پر پیر ٹیکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رتن نے امرود خرید کر تین خود لے لئے اور تین اسکے ہاتھ میں پکڑا دئے۔ بغیر دیکھے رگھو راج نے لے لیا اور پاپڑ والی کی طرف دیکھتے ہوئے سائکل بڑھائی۔ دونو پھر ہوٹل کیطرف چلے۔ امرود والے کی عورت اپنی دوکان کے پاس بیٹھی ہوئی پانچوں انگلیوں کو اپنے بالوں کے جوڑے میں ڈالے سر کھجلا رہی تھی۔ رگھو راج اور رتن کو جاتے دیکھکر اسنے منہ چڑھایا اور پاپڑ والی سے بولی "کا جی بھلا دیکھیو ان لونڈن کا، تین چیز بھلا کو ڈلت ہے۔ مدرسہ میں پڑھ پڑھ کے کرستان ہوئی گئے۔ پورا انگریز لگا ہے۔" پاپڑ والی نے ہونٹھ نکالکر اس بات کی تائید کی اور تالی بجا کر ہاتھ مٹکاتی ہوئی بولی "ہوں ہے دیدی مجوسکرکا (: وسما) موا سوری اور (طرف) ٹکر ٹکر گھورت رہے"

امرود والی نے اس کی باتوں پر کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا اور اپنی کہانی جاری رکھتے ہوئے بولی "دیکھو بھلا دیدی کل میں گنگوں رگئی) پنڈت کے گھر کتھا سنے بیچ مانو جرن گھڑی او (وہ) کتھا کہے لگت ہیں دیدی مانو جیسے اکاس پہ سے دیوتا اُترا آوت ہیں۔ دیدی بھلا اتنے (اتنے) بڑے بڑے لبوترے! موری لڑکائیں ماں بھلا اتی (اتنی) عمر تک بے بیاہے رہ جائیں ...... غجب (غضب) ؟" کہکر وہ رام رام کہنے لگی۔

رتن اور رگھو راج کے امرود ابھی چکھنے نہ پائے تھے کہ ہوٹل سامنے آگیا۔ انھوں نے ہاتھ کے امرود ایک طرف پھینکنے اور منہ پونچھ کر بڑھے ہی تھے کہ رتن یکایک رک گیا۔ ..... اس نے گھبرا کر رگھو راج کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا اور انگلی دکھاتے ہوئے پھس پھسایا " رگھو راج جلدی بھاگ ...... وہی رستوراں (ہوٹل) والا آ رہا ہے جسکے روپئے پچھلے سال کے تیرے اوپر باقی ہیں ......" رگھو راج نے گھبرا کے رتن کے اشارے کیطرف دیکھا۔ کاشمیری ہوٹل سے ملا ہوا ایک کالا دروازہ تھا جسکے اندر گھومے ہوئے زینے اوپر کو گئے تھے۔ دروازہ تارکول سے پتا ہوا تھا، کواڑ پر پرانے جال کی گرمٹی کی شکل کی کالی کیلیں نکلی ہوئی تھیں۔ ایک منشی نما ادھیڑ آدمی میلا کرتا پہنے نکلے آ رہے تھے۔ کرتا کچھ چھوٹا اور کندھے پر پھٹا ہوا تھا۔ بدن اور پتلی ٹانگوں کے لحاظ سے انکا چہرہ گول اور بڑا تھا۔ گال کچھ سوجے ہوئے تھے جس پر سوئی کے سے باریک سوراخ اسے حکوترے کے اوپر کے چھلکے کے مانند بنائے ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹ ہلانے اور پیر رکھنے کے ڈھنگ ہی سے جلدی ظاہر ہو رہی تھی۔ رگھو راج اور رتن انھیں دیکھکر غائب ہو گئے۔

پھر وہ دونوں بھیڑ میں مل کر گھومنے لگے تہوار کا دن تو بھیڑ دیکھنے ہی سے معلوم ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ سڑک کے کنارے مٹیالے کپڑے پہنے آدمی کھڑے ہوئے ملتے تھے۔ انکے ہاتھوں میں بلبل کے اڈوں کی طرح بندھے ہوئے بانس تھے جن سے پتی لگی ہوئی تھی رنگ برنگ کے دھاگے لٹک رہے تھے۔ برہمنوں کا گروہ تیزی سے بڑھتا جگہ جگہ رکتا ہوا نظر آتا تھا۔ پیسے دو پیسے کے لئے گگھیاتے اور آپس میں لڑتے ہوئے وہ لوگ اپنے زوال کا نمونہ پیش کر رہے تھے۔ گروہ میں بوڑھے جوان۔ عورتیں، بچے سبھی تھے۔ انکے کپڑے پھٹے اور میلے تھے۔ ماتھے پر چندن کی مہریں تھیں۔ ہاتھوں میں راکھیاں اور دلوں میں دو چار آنے پا جانے کی لالچ۔ آوازیں سنائی پڑتی تھیں "پُن کا کام ہے بٹیا۔ آج تو مور (میرا) حک (حق) ہے۔ برہمن دیئے سے پُن ہوئی۔ لالہ مہاجن کا چولا سکھی رہے۔" جواب میں نہ دینے والے طعنہ دیتے۔ "کام نہیں کرتے بنتا۔ خون کی کمائی بس ایسے ہی جنیو میں تالی لٹکا کرلے لوگے ...... ہیں ہیں ہلجانے (؟) نہ پانے والا دوسری طرف منہ پھیر کر جواب پی لیتا اور آگے بڑھتا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ بیل کی سی کھوپڑی والے ایک برہمن کو رتن نے ایک پیسہ دیکر اپنی جان بچائی ہی تھی کہ دس قدم پر بھیڑ میں سے گدڑ و نکلتا ہوا دکھائی پڑا۔ رتن نے رگھو راج کو دکھانے کیلئے اشارہ کیا ہی تھا کہ وہ پھر اسی بھیڑ میں کھو گیا۔ رتن نے کہا "یہ خبطی چاہے جاڑا ہو چاہے گرمی ہمیشہ اسی طرح چیتھڑے پر گودڑ کی گٹھری لئے شہر کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روندتا پھرتا ہے۔ ایک دن میں نے ایک چورسلے پھروالے تنبولی سے پوچھا

مزدور سے خطاب

(غلام احمد فرقت)

اُٹھ اور اُٹھ کر پنجۂ گلچیں سے گلشن چھین لے اپنا مسکن چھین لے، اپنا نشیمن چھین لے

عرش سے ٹکرا دے اپنی دکھ بھری آواز کو خون کے قطروں سے رنگ دے قصرِ استبداد کو

حریت کی راہ میں چُن چُن کے کر سب کو شکار بچ کے اب جانے نہ پائے کوئی بھی سرمایہ دار

ایسے ایسے سرکشوں کی جان و ایماں کر تباہ

دیکھ کر جس کو فرشتہ موت کا مانگے پناہ

قبضۂ شمشیر میں انگڑائیاں بے چین ہیں سر کٹانے کیلئے آبادیاں بے چین ہیں

چاکری کی قید میں آزادیاں بے چین ہیں سینۂ مزدور میں قربانیاں بے چین ہیں

آسماں پر دیکھ وہ سرخ آندھیاں بے چین ہیں

قصر ڈھانے کیلئے بربادیاں بے چین ہیں

جور و استبداد کے محلات کو ڈھاتا ہوا روندتا عشرت کدوں کو خون برساتا ہوا

انقلاب انگیز نغمے ہر طرف گاتا ہوا مسکراتا، حریت کے پھول برساتا ہوا

سر بکف میداں میں تلواروں کو چمکاتا ہوا سینۂ دشمن کو سنگینوں سے برماتا ہوا

حریت کے راگ گاتا، جھومتا میداں میں چل

دار کے رنگین تختے چومتا میداں میں چل

گونج دے ساری فضائیں انقلابی راگ سے پھونک دے قصرِ غلامی حریت کی آگ سے

اس بھرے سنسار سے ننگِ گدائی میٹ دے میٹ دے دولت پرستوں کی خدائی میٹ دے

دورِ محکومی کا اب تختہ اُلٹنا چاہیئے

حریت سے اب غلامی کو بدلنا چاہیئے

بیغ نظر وہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ کہ محض ایک ووٹ کیلئے عزیمہ کی روٹیوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ چنانچہ مجبوراً انھیں لیگ کی طرف جانا پڑا پکھ غریب ایسے بھی تھے جو ضروریات زندگی بہت رکھتے ہیں لیکن آمدنی کم۔ انکو جب روپیہ پیش کیا گیا۔ تو ضمیر کے خلاف۔ ضرورت سے مجبور ہوکر انھیں انکی طرف جھکنا پڑا۔ بہت سے جاہلے تھا سمجھ اس قسم کے تھے کہ گو موجودہ سرگرمیوں کیوجہ سے کانگرس کیطرف انکا رجحان تھا مگر جہالت اور ناسمجھی کی بدولت وہ "اسلام خطرہ میں ہے" کی صداؤں کے ساتھ لیگ کی طرف ہوگئے۔ غرضیکہ یہی چند زبردست رکاوٹیں تھیں جنکی موجودگی میں صاف ظاہر ہے کہ عوام کے ایک کافی طبقہ کو مجبوراً اپنے ضمیر کے خلاف کانگرس کی مخالفت کرنا پڑی۔ اگر یہ دیواریں بیچ میں حائل نہ کردی جاتیں توہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سارے کے سارے ووٹ کانگرس کو ملتے اور لیگ کو اپنا منہ چھپا کر بھاگنا پڑتا۔

ان انتخابی جنگوں میں لیگ کی زبردست ناجائز سرگرمیوں نے یہ بات قطعی طور پر واضح کردی ہے کہ ملک میں کانگرس کی بڑھتی ہوئی اقتصادی و سیاسی لڑائی نے لوگوں کو عام اس سے کہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ کاشتکار ہوں یا مزدور۔ نوکر پیشہ ہوں یا صنعت پیشہ اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے اور ان کی پوری ہمدردی کانگرس کے ساتھ ہے۔ دوسری بات یہ کہ کچھ لوگ جذباتی یا اقتصادی یا دوسری مجبوریوں کی بنا پر دوسری صف میں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو عوام اور کانگرس کے رستہ کے درمیان مسلم لیگ کی طرف سے۔ آخری اور عظیم چارۂ کار کے طور پر اسلام کی عزت، تشدد، روپیہ اور اثرات کی خندقیں حائل نہ کردی جاتیں۔ ان حقیقتوں کی موجودگی میں۔ لیگ کی عارضی فتح کے معنی یہ تو کسی طرح بھی نہیں نکلتے کہ عوام اسکے ساتھ ہیں۔ بلکہ اصلیت یہ ہے کہ لیگ نے کانگرس کے ہمدرد مسلمانوں کو، اپنی حکمت عملی میں پھانس لیا ہے۔ اور انکے رجحانات اور ضمیر کے خلاف زبردستی اپنی کامیابی کے محضر پر دستخط کرائے۔ عوام کی پوری ہمدردی۔ اور طاقت کانگرس کے ساتھ ہے جسکے اظہار کا موقع اگر آج نکل گیا تو کل ضرور آئیگا۔

اس موقع پر ہم اُن حضرات کو بھی بتانا چاہتے ہیں، جنھوں نے انتخابات کے بعد یہ سوال اٹھایا ہے کہ کانگرس کو مسلم لیگ سے سمجھوتا کرلینا چاہئے۔ انکا یہ خیال قطعی غلطی پر مبنی ہے۔ انھیں ایسی ہکی ہکی باتیں کرکے پھر بعد میں پچھتانا پڑے۔ ہم انکے بہکانے سے صورت واقعہ اور حقیقت حال کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ گو صحیح ہے کہ مسلم لیگ نے ایک عارضی کامیابی ناجائز طور پر حاصل کرلی ہے۔ لیکن وہ دن دور نہیں، جب ہماری کوششیں اور کام کی رفتار، غریب مسلم مزدور اور کسان عوام کو اتنا جری اور باہمت بھی بنادے گی کہ وہ تعلقات کے احساس، تشدد کے خوف، جعلی یا بیکاری کے ڈر۔ اور روپیہ کے لالچ، ضمیر کو اپنے راستہ سے ٹھکرا کر کانگرس کے پلیٹ فارم پر آجائیں گے اور ہمارے دوش بدوش آزادی اور انقلاب کی جد وجہد کرتے ہوئے نظر آئینگے۔

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مزدوروں کسانوں اور غریب مسلمانوں کی ساری طاقت کانگرس کے ساتھ ہے، اور یہی طاقت اصلی انقلابی طاقت ہے۔ جو آئندہ آزادی کی لڑائی میں سامراجی قوتوں سے جنگ کرے گی۔ بڑے لوگ ہمیشہ الگ رہے ہیں اور الگ رہیں گے۔ ساتھ ہی انکی چالبازیاں بھی جاری رہیں گی۔ لیکن ہماری غلطی ہوگی اگر ہم اپنے اصلی کام سے غافل ہوکر انکا مقابلہ کرنے میں لگ جائیں۔ اس وقت ہمارے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کی مکمل تنظیم کرکے اُن میں اتنی جرأت و ہمت پیدا کردیں کہ وہ ہر قسم کی رکاوٹوں کی پرواکئے بغیر صحیح راستہ پر چل نکلیں۔ اور اسمبلی کے اندر اور باہر سے اُن کو اتنی طاقت پہنچائیں کہ وہ بڑی بڑی لڑائیوں کی جد وجہد کے قابل ہوسکیں ظاہر ہے کہ اگر ہم نے عوام میں اپنے کام کی رفتار تیز کردی تو وہ وقت بہت جلد آجائے گا۔ جب مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ اس کی جیسی ساری فرقہ وارانہ جماعتیں یا تو فضا کے شدید تقاضے کے مطابق قوم پرست اور آزاد خیال بنکر آزادی کی لڑائی میں کود پڑیں گی۔ یا عوام اسے اپنے ہی ہاتھوں سے ختم کرکے کانگرس کے مشترکہ پلیٹ فارم پر چلے آئیں گے۔

رباعی

زلفوں [illegible] کا پھول [illegible] دیکھا
بیگانگی [illegible] دیکھا
آنکھوں میں نہاں جذبۂ فولاد شکن
پلکوں پہ لرزتا ہوا تارا دیکھا

معین احسن جذبی

آزادی، مکمل آزادی، کامل خود مختاری، وغیرہ رکھدیا بلکہ آزادی حاصل کرنے کیلئے کام کا پروگرام بھی بنا ڈالا۔ مگر ایسا کہ گھوم پھر کر غریبوں کی نکیل بڑے ہی لوگوں کے ہاتھ میں رہے۔ ظاہر ہے کہ جماعتوں کے بنانے کے بعد اسمبلیوں اور کونسلوں اور بورڈوں کا ممبر ہونا فرض ہو جاتا ہے اسلئے کہ قوم کا کچھ کام اندر سے کیا جا سکتا ہے اور کچھ باہر سے۔ گویا خدمت قوم کے سلسلہ میں اعزازی فیض کماتے میں ہاتھ لگتا ہے چنانچہ جیسے ہی الکشن کا موقع آیا۔ تو تمام زندگی کرا کے عوام کی خدمت کیلئے لگے انتخابی لڑائی لڑنے۔ لیکن یہ زمانہ سنہ ۱۹۲۰ء کا تو ہے نہیں کہ عوام "بڑا" سمجھ کر بغیر سوچے سمجھے ووٹ دے جائیں۔ مزدوروں کسانوں، اور غریبوں میں ہوشیاری پیدا ہو گئی ہے عمدہ بول سے لیتے پیتے اور رٹتے تھے۔ اسلئے ضروری ہوا کہ انکے سامنے، کام کا کوئی پروگرام بھی پیش کیا جائے۔ لیکن اس صورت میں ڈر ہے، کہ کچھ نہ کچھ کرنا بھی پڑے گا اسلئے بس یہ ترکیب سب سے اچھی ہے کہ مذہب کے نام پر جوش دلایا جائے طرح طرح کی یاد دلا کر مجبور کیا جائے۔ اور ضرورت ہو تو روپیہ دیکر بیکا لیا جائے۔ اس طرح نہ تو لوگوں کی توجہ چناؤ کی طرف کی طرف ہو سکے گی نہ ہی اسمبلی میں جا کر کوئی کام کرنا پڑے گا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ، قوم کے سچے ہمدردوں کی شکست سے انقلاب اور آزادی کی منزل زیادہ دور ہو جائے گی۔

بالکل یہی ہے شان نزول اور شان عمل مسلم لیگ کی۔

۱۹۳۷ء سے پہلے یا تو مسلمانوں کے حقوق خطرے میں نہیں تھے یا مسلم لیگ اور مسٹر جناح کی اسلامیت سو رہی تھی، لیکن جوں ہی ہندستان میں نیا قانون جاری ہوتے اور اسمبلیوں کے چناؤ کا وقت قریب آیا۔ چند لوگوں نے مل جلکر جھٹ مسلم لیگ کے تن بیجان میں روح پھونکدی اور پارلیمنٹری بورڈ بنا ڈالا۔ یہ چال مسلمانوں کی لامرکزیت کے نام پر چلی گئی کہ مولانا حسین احمد، مولانا احمد سعید، مولانا کفایت اللہ اور دوسرے بڑے بڑے علماء اور مفکر مغالطہ میں آ گئے۔ حتیٰ کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی دھوکے میں آ کر مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی اور انکے مقابلہ پر کانگرس کا کوئی نمائندہ نہیں کھڑا کیا۔ اسلئے مسلم لیگ کو عام انتخابات میں کامیابی ہوئی۔

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ حقیقت چھپتی نہیں۔ بالکل صحیح ہے۔ انتخابی کامیابی کے بعد ہی لیگ کے اصلی خد و خال ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ اور لگا رشتہ قائم ہونے سر محمد یوسف اور نواب صاحب چھتاری سے۔ اُدھر اسمبلی میں کیبنٹ کے مسئلے پر الجھن پیدا ہو گئی۔ کانگرس نے شرط پیش کی اپنے پلیج پر دستخط کرنے کی، لیگ پارٹی نے اُسے منظور نہیں کیا، منظور کیسے کرتی؟ سارے جھگڑے اور دوڑ دھوپ تو کی تھی مطلق العنان وزیر بن کر حکومت کرنے کیلئے۔ یہاں کانگرس پلیج پر دستخط کرنے سے حکومت کے بجائے خدمت قوم کا پٹہ گلے میں پڑا جاتا تھا۔ چنانچہ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اب جو دھوکے میں آئے ہوئے مخلصین نے حقیقت کو سمجھا تو ایک ایک کرکے علیحدہ ہونے شروع ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ مسلم لیگ صرف مسٹر جناح، مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی اور راجہ صاحب محمود آباد کی جماعت رہ گئی۔ اور اس داخل خارج سے عوام کے شبہات بھی مسلم لیگ کی طرف سے بڑھنے لگے۔ گویا جس کشتی کو تشکیل کر بہاؤ کے رخ پر لگایا گیا تھا وہ پھر چلی موت کے ساحل کیطرف۔ قدرتی طور پر ایسی حالت میں مسلم عوام کی ہمدردی قائم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس کی ترکیب یہ نکالی گئی کہ مسلمانو! کانگرس کی ہندو منشی لیگ کے مسلم لیڈروں

کو وزارت میں اس لئے نہیں لیتی کہ وہ مسلمانوں کو مٹانا چاہتی ہے۔ لہذا خوب احتجاج کرو، اس کی اس حرکت کے خلاف اور انکو اپنے حقوق یعنی ہمارے لئے وزارت بس یہ کیا تھا۔ نا سمجھ عوام کے دل پر اس اپیل کا ایسا اثر پڑا کہ ہر طرف حقوق حقوق اور "اسلام خطرے میں ہے" کا ایک شور مچ گیا، اور اصلیت اس جوش و خروش کی گہرائی میں چھپ گئی۔

دراصل یہ جھگڑا ہے مسلم لیگ اور کانگرس کا جو آج تک چلا آتا ہے اور جسکی بنا پر انتخابی میدانوں میں کانگرس کے خلاف صف آرائی کرکے عوام کو خوب خوب اپنی لکڑی کے بل پر نچایا جاتا ہے۔ جیسا کہ بلند شہر، سہارنپور، مرادآباد و بجنور و جھانسی کے ضمنی الکشنوں سے ظاہر ہے کہ انتخاب کی اصلی اہمیت اور اسکے مقصد کو چھپانے کیلئے مذہب کے نام پر خوب خوب چالیں کی گئیں۔ حکام اور بڑے لوگوں کے اثرات کام میں لائے گئے۔ تشدد اور سختی کا استعمال کیا گیا۔ اور بڑی مقدار میں روپے تقسیم کئے گئے۔

ان حالات میں، کیا کوئی حقیقت شناس، منصف مزاج، سنجیدہ اور معقول آدمی کہہ سکتا ہے کہ مسلم لیگ کی لڑائی اصولوں کی لڑائی تھی۔ اگر نہیں تو ظاہر ہے کہ جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے مسلم لیگ ہاری اور کانگرس جیتی۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا مسلم عوام کی پوری حمایت مسلم لیگ کو حاصل ہے؟ تو اس سلسلہ میں ہمیں چناؤ کی ان لڑائیوں میں اس چیز کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ ان تمام علاقوں میں جہاں کسان اور مزدور آباد تھے، زبردست رکاوٹوں کے کانگرس کو کثیر تعداد میں ووٹ ملے۔ البتہ قصباتی اور شہری مقامات پر کانگرس کی پوزیشن کمزور رہی۔ لیکن اسے دیکھنے سے پہلے ہمیں دو باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ ایک تو یہ کہ جہاں تک ان مقامات پر غریبوں کی آبادی کے تناسب کا تعلق ہے کانگرس کو کتنے ووٹ ملے۔ دوسرے یہ کہ مجموعی طور پر زیادہ ووٹ حاصل نہ ہونے کی وجوہات کیا تھیں؟ پہلی چیز تو بالکل صاف ہے کہ بلند شہر انوپ شہر، امروہہ، حسن پور وغیرہ مقامات صنعتی اور تجارتی ہیں۔ اس لئے یہاں کے زمیندار، تعلقدار، اور تاجر پیشہ طبقے کے مقابلہ میں مزدوروں اور غریبوں کی آبادی کچھ ہی زیادہ ہے۔ اونچا طبقہ اپنے ذاتی مفاد کے اختلاف کیوجہ سے کانگرس کا مخالف ہے ہی۔ اس طرح گویا نصف کے قریب ووٹ مسلم لیگ کو ٹھوس مل گئے۔ رہا غریب طبقہ تو اس میں سے بھی غلط کارروائیوں اور پروپگنڈوں کی بدولت ایک کافی تعداد لیگ کی طرف گئی اسکے بعد باقی سارے ووٹ کانگرس کو ملے۔ اور اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ غریب آبادی کے تناسب کے لحاظ سے وہ بہت بڑی تعداد میں زیادہ ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ عوام کی اکثریت کانگرس ہی کے ساتھ تھی۔ البتہ مسلم لیگ اپنے اعلیٰ طبقہ کے ٹھوس بلاک کی بدولت مجموعی طور پر اکثریت میں رہی۔

دوسری چیز بھی واضح ہے کہ مجموعی طور پر اپنی اکثریت بنانے میں ہم اسلئے ناکامیاب ہے کہ اعلیٰ طبقہ کا اثر، روپیہ، تشدد اور مذہبی پروپگنڈہ اپنا کام کر رہا تھا۔ لیگ کی طرف جانیوالے عوام میں کچھ لوگ تو وہ تھے۔ جو بڑے لوگوں سے کسی نہ کسی طرح ملازمت، اجرت یا خرید و فروخت وغیرہ کے سلسلہ میں وابستہ ہوتے ہیں۔ ان پر جب اثر ڈالا گیا تو ملک کی موجودہ مالی تباہی کے

لیگ جیتی یا کانگرس

مراد آباد، سہارنپور اور بلند شہر کے ضمنی انتخابات پر ایک نظر

(رفیق صہبائی)

مراد آباد، سہارنپور اور بلند شہر کے ضمنی انتخابات میں کانگرسی امیدوار کو شکست ہوگئی۔ گو بظاہر مقابلہ امیدواروں میں تھا لیکن دراصل لڑائی تھی دو جماعتوں میں اور ان کے اصولوں میں۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ کیا کانگرس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے اصولوں کی فتح ہوئی؟ اور کیا جماعتی حیثیت سے لیگ کو مسلم عوام کی ہمدردی حاصل ہے؟ لیکن ان سوالوں کے جوابات کیلئے نہ تو فلسفیانہ نظریات کی ضرورت ہے نہ منطقی دلائل کی۔ بلکہ واقعات اور حالات سے خود ہی جوابات نکل آتے ہیں۔

بمبئی کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا تھا کہ "مسلم لیگ ایک سیاسی جماعت ہے، مذہبی نہیں"۔ اب اگر یہ دعویٰ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ دو خالص سیاسی جماعتیں عوام سے اپنے پروگرام اور بنیادی اصولوں کو منوانے کیلئے ان انتخابات میں ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں۔ کانگرس نے اس سلسلے میں عوام کے سامنے جس طرح اپنا اقتصادی اور سیاسی پروگرام پیش کیا اور انکو بتایا کہ کانگرس کیا کرنا چاہتی ہے، کیا کر رہی ہے، اور کیا کر چکی ہے؟ وہ اصولی طور پر ایک جائز فعل تھا اور ضروری بھی۔ لیکن مسلم لیگ نے بجائے اسکے کہ ایک آزادی چاہنے والی سیاسی جماعت کی حیثیت سے وہ عوام کے سامنے اپنا اقتصادی و سیاسی پروگرام پیش کرتی، ووٹ حاصل کرنے کا جو ڈھنگ اختیار کیا وہ عجیب و غریب تھا۔

بڑے بڑے پوسٹروں میں مولانا اشرف علی صاحب اور دوسرے لوگوں کے فتوے چھاپے گئے تھے کہ کانگرس کو ووٹ دینا قطعی حرام اور ناجائز ہے، اسکا ساتھ دینا ارتداد اور کفر۔ لیگی مقررین اپنی تقریروں میں یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ کانگرس مرتدوں اور کافروں کی جماعت ہے۔ فلاں کانگرسی وزارت نے یہ ظلم کیا۔ اور فلاں نے وہ ستم کیا۔ کانگرسی ووٹروں اور ورکروں کی تواضع لاٹھیوں سے کی جاتی تھی جیسا کہ حسن پور میں خدائی خدمتگاروں اور احراری رضاکاروں پر بھالوں اور ڈنڈوں سے حملہ کیا گیا حتیٰ کہ پولنگ اسٹیشنوں پر کانگرسی ووٹروں کو پیٹا گیا۔ جلسوں پر پتھر پھینکے گئے۔ اور گڑبڑی کی گئی۔ ایڈیٹر مدینہ کی عینی شہادت ہے کہ مراد آباد میں پولنگ اسٹیشنوں پر ووٹر اپنے اپنے متعاونہ کے لئے جھگڑ رہے تھے۔ اور سرکاری حکام لیگی امیدوار کی حمایت میں ووٹروں پر ناجائز دباؤ ڈال رہے تھے۔ بلند شہر میں پولنگ اسٹیشنوں پر "سند راہ مسجد" کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ بلند شہر کے کئی مواضعات میں لٹھ بند آدمی تعینات کر دئے گئے تھے کہ کسان کانگرس کو ووٹ دینے نہ جا سکیں وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کیوں ہوا؟ اسی لئے کہ مسلم لیگ کے پاس کوئی ایسا اقتصادی اور سیاسی پروگرام ہی نہ تھا جسے وہ پیش کرتی۔ اور جو کچھ لکھنؤ میں بنایا گیا تھا۔ اس کی ابتدا اسمبلی کی ممبری اور وزارت سے ہوتی ہے اور انتہا بڑے آدمیوں کی چھوٹے آدمیوں پر حکومت کرتے رہنے اور ان کی محنتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہنے پر۔ اسے غریبوں کے سامنے کیسے پیش کیا جاتا؟ پھر غریبوں کو اب بڑے لوگوں کی باتوں، وعدوں اور جماعتوں پر بھروسہ نہیں رہا ہے۔ اسلئے بہرصورت ضروری تھا کہ ایسی ترکیبیں اختیار کی جائیں کہ غریب مسلمانوں کی توجہ اصل باتوں کی طرف نہ ہو سکے۔ اور اس مطلب کیلئے مشرقی سرزمین پر جہاں عوام روحانیت کی فضا میں پلتے ہیں اور مذہب کی گہری عقیدت انکے دلوں میں ہوتی ہے۔ اس سے بہتر جوش دلانیوالی، اور اصلی باتوں پر پردہ ڈالنے والی اور کون سی صورت ہو سکتی تھی کہ "مسلمانو! ہوشیار! اسلام خطرہ میں ہے! اور کانگرس اسے تباہ کئے ڈالتی ہے"!

ہمیں خود بھی افشائے راز کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ واقعات ہی ایسے نتائج اگل رہے ہیں جن سے اس "ضرورت" پر بھی روشنی پڑتی ہے جسنے مسلم لیگ کو "نئے جنم" پر مجبور کیا! بات یہ ہے کہ ادھر چند سالوں سے کچھ تو مالی تباہی ملک پر ایسی آ پڑی ہے، کچھ سیاسی خرابیاں ایسی پیدا ہو گئی ہیں اور ساتھ ہی کچھ قومی جماعت کانگرس کے کام کا رخ بھی ایسا بدل گیا ہے کہ جس کی وجہ سے غریب ہندو مسلم عوام اپنی تکلیفوں کو محسوس کر کے ذرا ہاتھ پیر ہلانے لگے ہیں جسکا ثبوت گذشتہ دو سال میں مزدوروں کی ہڑتالوں، کسانوں اور زمینداروں کے جھگڑوں، ملازمت پیشہ اور صنعت پیشہ لوگوں کی مانگوں، سبھاؤں، انجمنوں اور یونینوں کے بنانے سے ملتا ہے۔ چونکہ یہی چیز انقلاب اور آزادی کی بنیاد ہے کہ جنتا طرز زندگی، نظام معیشت اور طریقۂ حکومت میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرنے لگے اس لئے بھلا ایسے خطرناک وقت پر وہ لوگ جن کی خوشحالی اور بڑائی ہی موجودہ نظام کے دم سے قائم ہے۔ کیسے چپ بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ جیسے ہی انھیں احساس ہوا کہ عوام میں آزادی اور انقلاب کی اسپرٹ بڑھتی جا رہی ہے جھٹ آپس میں مل بیٹھے، اور مشورہ کے بعد مدتوں کی مری ہوئی جماعتوں یا نئی پارٹیوں کو منزل عدم سے عالم وجود میں لا ڈالا اور ان کا نصب العین۔۔۔ باقی (پورا)

ہیں۔ دونوں میں یکساں زندہ رہنے کی خواہش ہے۔

زمیندار کے پاس پیسہ ہوتا ہے۔ دونوں وقت کھانا کھاتا ہے مزیدار کھانے کی تمنا رکھتا ہے۔ اسکے پاس سردی سے بچنے کیلئے کپڑے ہوتے ہیں مکان ہوتا ہے جو برسات میں ٹپکتا نہیں۔ اور جاڑوں میں گرم رہتا ہے جب اس کا بچہ بیمار پڑتا ہے تو دوا علاج کیلئے پیسہ ہوتا ہے۔ اگر ڈاکٹر حکیم، دودھ، بتائیں تو بچہ کیلئے مہیا کیا جا سکتا ہے۔ قیمتی دوائیں بھی آسکتی ہیں، اگر اس کا بچہ ضد کرے تو کھلونے آسکتے ہیں۔ اسکے لڑکو کو کوئی ماریپٹ نہیں سکتا۔

زمیندار ان نعمتوں کو عزیز رکھتا ہے کیونکہ زندگی کی لذت انہیں نعمتوں سے ملتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر آمدنی گھٹ گئی تو زندگی کا مزہ گیا۔ کاشتکار کی امنگوں کو تسلیم کرنے کا مطلب ہے ان راحتوں سے ہاتھ دھولینا۔

اسکے نزدیک، اسکے بچوں کے لئے کپڑے لتے، دودھ، دوا، کھلونے ضرور ملنا چاہئیں۔ کیونکہ اسکے بغیر اسے بڑی تکلیف رہے گی۔ اور ممکن ہے مر بھی جائے۔ ایسے مذہبی اور اخلاقی اصول جو اس کی راحتوں کو بچاتے ہیں اسکو دل کو لگتے ہیں۔ جو عالم و پنڈت اسکی ایسی کہتا ہے، وہ عقلمند اور خدا رسیدہ نظر آتا ہے۔

کاشتکار غریب گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر اسکے بھی معدہ ہوتا ہے جو دونوں وقت پابندی سے کھانا مانگتا ہے محنت و مشقت کرنے سے کاشتکار کا خون بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس کی کمی پورا کرنے کے لئے اچھی غذا کی اسی طرح ضرورت ہوتی ہے جیسے سفید پوش کو۔ جوان ہونے پر کاشتکار کے سینے میں بھی امنگیں اور حوصلے موجیں مارنے لگتے ہیں وہ چاہتا ہے ایک بیوی جو اس کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہو۔ اور بچے، مکان، کپڑے چٹخارے دار کھانے۔ اور ان سب کے لئے پیسے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تو ٹھہرے اسکے نزدیک عیش و عشرت کے سامان۔ جب صبح اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو پیٹ میں ایک جلن محسوس ہوتی ہے جسکو بھوک کہتے ہیں اسکے دور کرنے کیلئے کم سے ایک پیسہ روزانہ چاہئے۔ آٹھ آنہ مہینہ۔ ۶ روپیہ سال۔ ایک غربت کے مارے کاشتکار کیلئے یہ بہت ہے۔ اس لئے وہ دل بہلاتا ہے اب دوپہر کو کھانا۔ اسوقت محنت کرکے کھانا۔ اگر ابھی ستو پی لونگے تو دوپہر کو کیا کھاؤنگے۔ اسکے بچے سردی میں ٹھٹھرتے ہیں تاپنے کو لکڑیاں تک نہیں جڑتیں۔ اسکے بیوی بچے بیمار پڑتے ہیں۔ وہ دوا علاج کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ صرف جھاڑ پھونک سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ ہاں للچائی نگاہوں سے اس ڈاکٹر کو دیکھا کرتے ہیں جو انگریزی کپڑے پہنے زمیندار کے گھر آتا ہے۔

جب زمیندار کے گھر لایا آتا ہے، اور وہ ٹینٹ میں روپیہ کھونس کر جاتا ہے۔ اس وقت اسکے دل میں ٹیس اٹھتی ہے کہ کاش میری محنت میری ہی ہوتی۔ اتنا روپیہ مل جاتا تو کتنا کام بن جاتا۔ زمیندار لگان مانگتا ہے۔ یہ بہانے کرتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ مار پڑے گی۔ اور پھر دینا پڑے گا۔ مگر آس لگی رہتی ہے کہ شاید کچھ ایسا ہو کہ معاف ہو جائے۔ یہ بالکل بچوں کی ایسی آس ہے۔ لیکن بے بسی کے وقت ہم سب ہی بچے ہو جاتے ہیں۔ جب ہمارے دوست کو ڈاکٹر، حکیم سب جواب دے چکے ہوں، اور ہم کو بھی اس کی موت کا یقین ہو جائے اس وقت بھی بے دلیل آس آکر ہمکو گھیر لیتی ہے کہ شاید گنڈے تعویذ ہی سے اچھا ہو جائے۔

ایک مہینہ ادھر جب زرعی قانون پر، بہار میں زمینداروں و کاشتکاروں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ ایک چھوٹے زمیندار کی بیوی یہی دعائیں مانگتی ہوگی کہ اسکے بچوں کی آرام و راحت بچ جائے۔ اور قانون زمینداروں کے حق میں بنے۔ ایک ادنی کاشتکار کی بیوی یہی دعائیں مانگتی ہوگی کہ بھگوان کرے قانون کاشتکاروں کے حق میں بنے۔ تاکہ اس کی لڑکی کا بیاہ ہو۔ مہاجن کا قرضہ ادا ہو۔ اور ایک کوٹھری بن جائے جہاں وہ اپنے بال بچوں سمیت، ساس نندوں سے الگ رہ سکے۔ اگر یہ سب میسر آگیا تو زندگی کیسی بھلی اور پیاری معلوم ہوگی!

جب بہار کی حکومت نے زمینداروں کے حق میں فیصلہ کیا، تو بہت سے زمینداروں نے 'دان پن' کیا ہوگا۔ "خیر خیرات" دی ہوگی یوں کہ خدا نے انکے بال بچوں پر رحم کیا، اور انکی آمدنی بچا دی۔ اسی وقت کاشتکاروں کے گھروں میں افسردگی برس رہی ہوگی۔ جو آس لگی تھی ٹوٹ گئی۔

"اب پھر وہی کنج قفس اور پھر وہی صیاد کا گھر"

سماج کی موجودہ بناوٹ ہی ایسی ہے کہ ایک طبقہ کو روٹی دوسرے طبقہ کے منہ سے چھین کر ملتی ہے۔ مثال میں یہ طبقہ لیجئے۔ برطانیہ اور ہندستانی والیان ریاست۔ مہاجن اور قرضدار، کارخانے دار اور مزدور، زمیندار اور کسان، ان سب کے تعلقات ایسے ہی ہیں۔ اس صورت میں سب جماعتوں کی نمائندگی کوئی نہیں کرسکتا۔ اس کو متضاد جماعتوں میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کرنا ہوگا۔

یہ کشمکش کوئی پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ کشمکش ہمیشہ سے ہے۔ صرف فرق یہ ہو گیا ہے کہ اب ریلوں، ملوں، خط و کتابت، اخبارات، تعلیم اور تعلیم یافتہ جماعت کی عالمگیر بے کاری نے محروم طبقہ کو منظم کرنا شروع کردیا ہے۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ اسکو پہچان لیا اور بتا دیا کہ یہ چیز یہ ہے۔

کانگرسی وزارتوں کی نیشنل پالیسی یہ تھی کہ زمینداری کو مٹا دیا جائے۔ اور نہ مضمون ہی یہ کہتا ہے۔ مضمون تو اس پر بحث کرتا ہے کہ اب کانگرس کے سامنے کون کون راہیں ہیں، اور واقعات کے دھارے کدھر لے جائیں گے۔ ابھی سوراج نہیں ملا ہے۔ ابھی بڑی کڑی منزلیں طے کرنے کو ہیں۔ اسوقت کانگرس کو ایسے اختیارات کہاں کہ وہ زمینداری کو مٹا کر، زمین کی ایسی تقسیم کرے کہ پیداوار تک ۳۵ کروڑ کی پہونچ ہو جائے؟ ابھی کسانوں اور مزدوروں کے لئے جو کرسکتی ہے۔ وہ بہت معمولی ہے۔ مگر اس سے یہ ہوگا کہ ان جماعتوں میں مقابلہ کی سکت پیدا ہو جائے گی

اودھ بہری پور کے کانگرس کے اجلاس کی طرف کوچ کرے گا۔ بیچ دلی کے کسی مقام پر جمع ہوکر اپنے مطالبات مرتب کریگا، اور پھر انکو صدر کانگرس کی خدمت میں پیش کریگا۔ کسان لیڈر بہت جوش و خروش سے اس کام کی تیاری میں مشغول ہیں۔

بارہ ہزار کسانوں کا غول سی۔پی۔ اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ناگپور میں آکر جمع ہوا تھا۔ پہلے اس نے شہر کا گشت کیا، اور پھر اسمبلی ہال کے سامنے جاکر جمع ہوئے۔ وزیر اعظم مسٹر کھرے نے آکر انکے مطالبات سنا اور انکو پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

پنجاب میں کسان سبھا کے کارندے بہت انہماک سے سبھاؤں کی تنظیم میں مشغول ہیں۔ اسوقت تک ساٹھ ہزار سے زیادہ ممبر ہوچکے ہیں۔ اور قیاس ہے کہ جنوری کے آخر تک انکی تعداد ایک لاکھ پہونچ جائے گی۔ اور مارچ میں پنجاب کی کسان سبھا کی کانفرنس منعقد کیجائے گی۔

مدراس میں اندھرا رعیت انجمن، اور کسان سبھائیں قرضہ کی تخفیف کے قانون کو اپنے موافق بنوانے کیلئے، اور زمینداری کی جانچ کمیٹی میں شکایات پیش کرنے کیلئے کسانوں کو منظم کررہی ہیں۔ پروفیسر رنگا نے گوداوری کے علاقہ میں اڑتالیس جلسے کئے۔ اب دوسرے ضلاع میں دورہ کررہے ہیں۔

پروفیسر رنگا کسانوں کا ایک غول منظم کررہے ہیں۔ جو مدراس اسمبلی کیطرف کرکے پہونچے گا، تاکہ تخفیف قرضہ کے قانون کو اپنی موافقت میں پاس کرلے۔

بہار اور یو۔پی کی کسان سبھاؤں کے کارنامے ہم اخباروں میں روزانہ دیکھتے ہیں۔ انکا بہاؤ بڑا تیز ہوتا جارہا ہے۔ اگر ابھی یہ حال ہے تو سال بھر کے بعد کیا ہوگا؟ دو سال، اور تین سال کے بعد کیا حال ہوگا؟ اگر ہمکو مستقبل کی تاریخ سمجھنا ہے۔ بلکہ اگر موجودہ سیاست سمجھنا ہے تو ان دھاروں کو سمجھنا چاہئے۔

ہر غول میں کسانوں کے نعرے ہوتے ہیں "روٹی لاؤ" "کپڑے لاؤ" "مالگذاری بند کراؤ" "جو زمین کاشت کرے وہی زمین کا مالک" یہ مانگیں جب تک موجودہ سماج کی بناوٹ قائم ہے، نہیں پوری ہوسکتیں۔ اور جب تک یہ نہیں پوری ہونگی تبتک کسان تحریک رک نہیں سکتی۔ برابر بڑھتی ہی جائے گی۔

طبقہ وارانہ کشمکش

ہندستان نمبر (۲۱) جلد (۱) میں مضمون ہے "کانگرس دوراہے پر" معاصر تعمیر فیض آباد نے اسپر کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ یہ ایسے اعتراضات ہیں جو عام طور پر دل میں پیدا ہوسکتے ہیں۔ بہتر ہے انپر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

"......... سارے ہندستان کی نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت سے اس کا (کانگرس کا) فرض ہے کہ وہ ملک کی چھوٹی بڑی جماعت کی خیرخواہ اور غمگسار ہو۔ مگر یہ سلسلہ تقدار جماعت کے افراد تو کانگرس کا یہی مسلک ظاہر کررہے ہیں، اور کانگرس کا آفیشل آرگن ایک طبقہ کو دوسرے کے خلاف ابھار رہا ہے۔"

پہلے ہم کو اس بات پر غور کرنا ہے کہ طبقہ وار کشمکش پیدا کہاں ہوئی؟ اسکے اسباب کچھ لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں یا حالات کے؟

کاشتکار منظم ہوچلے ہیں، انھوں نے اپنی سبھائیں بنالی ہیں، اور زمینداروں کے سامنے مانگیں رکھدی ہیں۔ مانگیں ایسی ہیں جو زمینداروں کے نفعوں کو گھٹاتی ہیں۔ اگر بے ضرر ہوتیں، یا معمولی سا گھاٹا اٹھانے سے پوری ہوسکتیں، تو زمیندار کب کے انکو پورا کرچکے ہوتے۔

بہار میں کاشتکاروں کی مانگیں یہ تھیں۔ زمین پر بہار از یادہ حق مان لو۔ لگان کم کرو۔ بقایا لگان وصول کرنے کے قاعدے نرم کرو۔ سلامی لینا بند کرو۔ بیگار لینا بند کرو۔ یہ سب مانگیں زمینداروں کی آمدنیوں کو کمترتی ہیں۔ اس لئے ایک طرف زمیندار اڑے ہوئے ہیں کہ ہم ان مانگوں کو پورا نہیں ہونے دینگے۔ اگر حکومت نے دباؤ ڈالا تو سول نافرمانی سے مقابلہ کرینگے۔ کاشتکار اڑے ہوتے ہیں کہ ہم اپنی مانگوں کو منوا کر رہینگے۔

ریلوے اور متعدد ملوں کے مزدور بھی منظم ہوگئے ہیں۔ انھوں نے بھی مالکوں سے مقابلہ شروع کردیا۔ شولا پور، احمد آباد، اور کانپور کے مزدوروں نے جو مانگیں اپنے مالکوں کے سامنے رکھی ہیں۔ انکا خلاصہ یہ ہے۔ تنخواہ بڑھاؤ، چھٹی دو۔ رشوت بند کرو۔ ذرا ذرا سی بات پر مزدوروں کو نکال دینے کا سلسلہ بند کرو۔ یہ مانگیں کسی نہ کسی طرح کارخانہ داروں کی آمدنی کم کرتی ہیں۔ اس لئے وہ مزدوروں کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں۔ مزدور بھی کہ مقابلہ پر جمے ہیں۔

اس وقت کوئی اخبار اس ناگوار حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ کاشتکاروں اور زمینداروں۔ مزدوروں اور کارخانہ داروں میں کشمکش موجود ہے۔ کاشتکاروں کے مقابلہ کو زمیندار کانفرنسیں ہوئیں۔ اس میں والنٹیر بھرتی کئے گئے۔ اور انھوں نے اس تحریک کو کچلنے کی ترکیبوں پر غور کیا۔ مل مالکوں کی انجمنیں بھی جاندار ہوگئیں، آئے دن جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ اور مزدوروں کے خلاف زہریلے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ اخباروں میں روزانہ نظر پڑتا ہے کہ یہاں کاشتکاروں اور زمینداروں میں جھگڑا ہوگیا۔ وہاں مزدوروں اور مل مالکوں میں چل گئی۔

اس جھگڑے کی وجہ یہ ہے کہ کاشتکار اور زمیندار دونوں کا جسم ایک ہی طرح کے گوشت پوست سے بنتا ہے۔ ایک ہی طرح کی جان ہوتی ہے۔ دونوں اپنے بال بچوں سے ایک ہی طرح محبت کرتے

فرقہ پرستی اور مہاسبھا

شری ساورکر اپنے صدارتی خطبہ میں کہتے ہیں۔

"بعض ہندستانی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندو مہاسبھا ..... تنگ نظر فرقہ وار، اور 'انٹی انڈین' جماعت ہے ...... میں یہ سوال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جب وہ ہندستانی قومیت کے نام پر حلف لیتے ہیں تو کیا وہ خود ہی تنگ نظری کے مرتکب نہیں ہوتے۔" ساورکر جی کو خبر نہیں ہے کہ اب کانگرس ان حدوں سے کوسوں آگے نکل گئی ہے، اور اب وہ صرف اتنا ہی نہیں چاہتی کہ انگریزوں کو ہٹا کر ہندستانیوں کو راج دے دیا جائے۔ بلکہ وہ مانتی ہے کہ ہندستانی عوام کی غریبی میں ہندستانی سرمایہ داروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے، اور ان کی غریبی دور کرنے کیلئے 'انقلابی تغیرات' کرنا ہونگے۔ گویا وہ بہت سے ہندستانیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں سے بھی جو سرمایہ دار ہیں لڑائی کرنے پر تلی ہے۔

آگے چلکر کہتے ہیں۔

"حقیقت میں اس دنیا میں رہنے والے سب لوگ بھائی بھائی ہیں۔

..... بھنت تکارام لکھتے ہیں۔

ہمالیہ پربت کی حدبندی ہمیں باقی دنیا سے علیحدہ کیوں کرے ہم ساری دنیا سے عموماً، اور انگریزوں سے خصوصاً کیوں لڑیں؟ جبکہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ کیوں نہ ہندستانی مفاد کو برطانوی امپیریلزم پر قربان کر دیا جائے جو ہندستانی قومیت سے کہیں زیادہ وسیع تخیل ہے۔"

شری ساورکر اور سنت تکارام دونوں کے دونوں اسی پھیر میں ہیں کہ ہندستان کا سارا ہنگامہ، سرکاری ملازمتیں چھوڑنا جیل جانا، پولیس کے ڈنڈے کھانا سب صرف ایک تمنا کے لئے ہے، وہ یہ کہ ہندستان کی حکومت جسکے قبضہ میں ہو وہ ہندستانی ماں باپ کا سپوت ہو۔ اگر یہ حاصل ہو گیا تو سب کچھ مل گیا۔

کھیت میں دن دن بھر خون پسینہ کرنیوالا کسان۔ گلیوں گلیوں کی خاک چھان کر بھیک مانگنے والا فقیر۔ آپ بھوکوں مر کر دوسروں کے لئے دولت بنانے والا مزدور جب اپنی اپنی مصیبتوں سے تنگ آ جائیں گے، تو یہ یاد ہو کر خوش ہو لیا کرینگے کہ اب ہماری 'پنیہ بھومی اور ماتری بھومی' پر سر کیسا نکالنے، اور عمارتیں بنانے کا حق جس شخص کو حاصل ہے وہ ہندستانی ہے۔ صرف یہی خیال بھوکوں کی بھوک، اور بیماروں کی بیماری دور کر دے گا۔ کیسا پیارا ہوگا وہ زمانہ!!

ساورکر جی اور تکارام جی دونوں اسی فلسفہ میں محو ہیں "نا کو ڈراجہ تا کو ڈر پرجا، تھو رہے سب درین کا" یا یہ کہ راجہ اپنی گدی میں مگن، فقیر اپنی کمبلی میں مگن ہے۔ ان بیچاروں کو کیا خبر کہاں جو ہے کو بلی کھاتی ہے بلی کو کتا مار ڈالتا ہے، اور کتے کو چیتا پھاڑ ڈالتا ہے، اور چیتے کا انسان شکار کرتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی جان لینا، پیار و محبت، یا مذاق و دل لگی میں نہیں ہوتا بلکہ اپنا پیٹ بھرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اپنی جیو رکھشا، کے کارن ہوتا ہے —

اسی طرح موجودہ سماج میں انسانوں کا ایک طبقہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسرے کی محنت چوستا ہے۔ اسکی روٹی چھینتا ہے۔ اگر زمیندار کاشتکاروں کی محنت میں حصہ نہ بٹائے تو کیسے جئے؟ بلی بھی اپنے بچاؤ کیلئے کتے پر حملہ کرتی ہے۔ اسی طرح ہندستان کے فاقہ زدہ کسان، اور مزدور اپنے لوٹنے والوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ یہ لڑائی صرف دل لگی میں نہیں ہو رہی ہے بلکہ پیٹ کی لڑائی ہے۔

مہاسبھا کہتی ہے کہ ہم ہندوؤں کے حقوق کیلئے لڑ رہے ہیں۔ یہ حقوق کیا بلا ہیں؟ کونسل کی نشستیں۔ کونسل کی نشستیں کیوں حاصل کیجائیں گی۔ تاکہ ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کیجائے، یعنی انکی ملازمتوں اور تنخواہوں کی۔ یعنی لڑائی مادی ہے۔ پیٹ کیلئے ہے۔ یہ مادی منافع آئیں گے کہاں سے؟ کچھ مسلمانوں سے چھین کر، اور کچھ انگریزوں سے چھین کر یعنی سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ بلکہ ایک طبقہ کا بھلا اسی وقت ممکن ہے جب دوسرے طبقے کے منافع چھین لئے جائیں۔ حقوق کا نام لیتے ہیں تکارام جی کا فلسفہ ہوا ہو جانا چاہیئے۔

ملازمتیں ملیں گی صرف اوسط طبقہ کو۔ مگر لڑائی اسوقت تک فتح نہیں ہو سکتی جب تک عوام نہ ہوں۔ اب عوام کیسے ساتھ ہوں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ انکے دلوں میں 'ملیچھوں' کی طرف سے نفرت پیدا کراؤ۔ گائے اور گنگا کا واسطہ دلاؤ، اور للیتا چٹیا دھنیا کی جے پکارو۔ عوام مورکھ تو ہوتے ہی ہیں پھنسے چلے آئیں گے۔ پھر کیا ہے۔ ملازمتیں ہی ملازمتیں ہیں۔

سروپ رانی

۱۰ر جنوری کو ایک عرصے کی بیماری اٹھا کر کوئی ستر برس کی عمر میں سروپ رانی نہرو اس دنیا سے اٹھ گئیں۔ ان کی زندگی ہندستانی بیویوں کیلئے تقلید کے قابل تھی۔ جوانی کا زمانہ ہر قسم کے عیش اور آرام میں گزرا لیکن جب بڑھاپا قریب آیا تو قومی تحریک نے انکے سارے گھرانے کو اپنے اپنے دھندوں سے چھڑا کر ایک بھنور میں پھنسا دیا۔ موتی لال کی بیوی اور جواہر لال کی ماں کی زندگی چین سے کیسے گذر سکتی تھی؟ پچھلے بیس سال کے عرصے میں شاید ہی کوئی سال ایسا گزرا ہوگا جب اس خاندان کا ایک نہ ایک آدمی جیل میں نہ رہا ہو۔ شوہر، بیٹا، بہو، بیٹی، داماد، غرض ہر شخص ایک ہی دھن میں لگا ہوا تھا۔ خود ان کی طبیعت غالباً سیاسی نہ تھی لیکن جب ضرورت پڑی تو جلوس کے آگے آگے چلکر لاٹھی کھانے کو بھی تیار ہو گئیں، اس چوٹ کا اثر ان کی صحت پر بہت خراب پڑا لیکن سب کچھ اپنی بوڑھی جان پر تیرا اور اپنے کسی عزیز کو آگے بڑھنے سے نہ روکا۔ ان میں نام و نمود بالکل نہ تھا چپ چاپ گھر کی دیکھ بھال میں وقت گزارتی تھیں۔ ایسی شفیق ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانیکا غم پنڈت جواہر لال کو جتنا بھی ہو کم ہے۔ اس غم میں تمام ہندستان انکا شریک ہے۔

کسان سبھائیں

تقریباً پندرہ ہزار کسانوں کا ایک غول ٹانڈلیش کے ضلعوں سے جمع ہوگا۔

جلد ۲ نمبر ۳ — ۱۶ ؍ جنوری ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ؍ سالانہ ؍
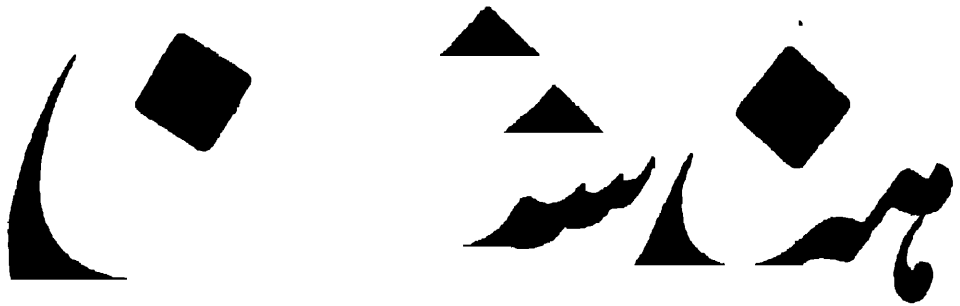
ہندو مہاسبھا کا اجلاس

...شری ساورکر نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندو قوم کی یہ تعریف کی ' مہاسبھا کسی دھارمک اصول یا کسی دھرم شاستر پر بھی مبنی نہیں خواہ کوئی شخص ایشور میں یقین رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مہاسبھا کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ صرف اس شخص کو ہندو سمجھتی ہے جو بھارت ورش کو اپنی 'پتر بھومی' اور 'پنیہ بھومی' سمجھتا ہو۔"

"...... جو لوگ مہاسبھا کو صرف ایک مذہبی جماعت سمجھتے ہیں انکو یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہندو بذات خود ایک قوم ہیں... ..... جو لوگ کہتے ہیں کہ ہندو جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اسقدر بٹے ہوئے ہیں کس طرح ایک قوم کہلائے جا سکتے ہیں؟ انھیں میں یہ جواب دیتا ہوں کہ، زبان، تمدن، نسل اور مذہب کی یکسانیت میں دنیا کی کوئی قوم اتقدر ایک رنگ نہیں جتنی ہندو قوم ہے۔ کسی قوم کو قوم قرار دینے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ انہیں گونا گوں اختلافات نہ ہوں۔"

آگے چلکر ہندوؤں کو ایک قوم ثابت کرنے کیلئے انھوں نے کہا ہے وہ اپنے ہیروں ویدک رشیوں، پاتنجلی۔ بھوبھوتی، کالیداس، شیواجی۔ پرتاب۔ اور گرو گوبند سنگھ پر فخر کرتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اتنی حد بندی پر بھی اس تعریف میں بہت سے مسلمان داخل ہو جائینگے۔ اور بہت ہندو نکل جائینگے۔ ہندوستان میں کئی کروڑ ایسے مسلمان ہوں گے جنکے باپ دادا یا برہمن، یا راجپوت تھے، یا اچھوت تھے، اب وہ مسلمان ہوگئے۔ وہ ہمیشہ سے ہندوستان کو اپنی پنیہ بھومی اور پتر بھومی سمجھتے چلے آئے ہیں۔ تمدن و تہذیب کے لحاظ سے وہ لوگ دھوتی باندھتے ہیں۔ پاجامہ پہن کر کون کمیونٹیوں میں کام کرسکتا ہے؟ تہواروں اور رسموں میں بالکل ہندوؤں سے ملتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے حقوق کی بھی مہاسبھا حفاظت کرے گی؟

ہندو مہاسبھا کو شاید معلوم ہوگا کہ یہاں کروڑہا انسان ایسے ہیں جنکو بھنگی اور اچھوت کہا جاتا ہے۔ ان کی زندگی برہمنوں کے گائے بیل، اور صاحب لوگوں کے کتوں سے بھی بدتر ہے۔ یہ بھارت ورش کو، اور صرف بھارت ورش کو 'پنیہ بھومی' اور 'پتر بھومی' سمجھتے ہیں۔ عرب و بغداد کا تخیل انکے پاس تک بھٹکتا نہیں کیا مہاسبھا ان لوگوں کی بھی محافظ ہے؟

اگر کوئی مسلمان پاجامہ چھوڑ، دھوتی باندھنے لگے، یا کوئی ہندو بالکل مسلمانوں کی طرح رہائش اختیار کرے تو اسکے حق میں مہاسبھا کے پنچوں کا کیا فیصلہ ہوگا؟

جلد ۲ نمبر ۴ | ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء | فی پرچہ ۲ر سالانہ ۲روپے

مشرقی افریقہ میں انگریزوں کی لوٹ

کینیا (مشرقی افریقہ) کی کونسل میں ایک قانون پاس ہونے والا ہے جس کی رو سے ہائی لینڈ کا سولہ ہزار مربع میل کا ٹکڑا، یورپی قوموں کیلئے مخصوص ہو جائیگا۔ کسی ہندستانی یا افریقی کو وہاں زمین خریدنے یا مکان بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ کینیا کی سرزمین میں یہ خطہ سب سے زیادہ زرخیز ہے۔ اور یہاں کی آب و ہوا سب جگہوں سے اچھی ہے۔ برسہا برس سے اسپر انگریزوں کے دانت تھے۔ وہاں آ آکر آباد ہوتے رہے۔ اور تجارت کرتے رہے۔ مگر جب ان خطوں میں سونے کی زیادہ مقدار ملنے لگی۔ یہ لوگ بدحواسی سے ٹوٹ پڑے۔

شروع شروع جب اس خطہ کو یورپی قوموں کیلئے مخصوص کر دینے کی تحریک اٹھی تو ہندستانیوں نے اس "سینہ زوری" کے خلاف بہت شور مچایا۔ یہ دیکھ کر حکومت نے ہندستانی انجمن کو جواب دیا کہ یہ خیال کرنا کہ حکومت یورپین اور ہندستانیوں میں تفریق کرے گی۔ آپ لوگوں کی غلطی ہے۔ جہاں تک کان کنی، آبادکاری، اور زمین کی خرید و فروخت کا سوال ہے۔ حکومت کسیطرح کی تفریق کرنا نہیں چاہتی ہے۔

لیکن یہ وعدہ صرف بہلاوا تھا۔ بشنسلاء میں لارڈ الگن نے اپنے اختیارات سے ایک ٹکڑا سفید قوموں کیلئے مخصوص کر دیا۔ بعد ۱۹۳۲ء میں حکومت نے ممانعت کر دی کہ ہائی لینڈ کی زمین کسی طرح ہندستانیوں کو نہ دی جائے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ انگریزوں نے خود ہندستانیوں کے ہاتھ اپنی جائداد فروخت کرنا چاہی۔ لیکن اس کی اجازت نہ ملی۔ ہندستانیوں نے اسکے خلاف بہت احتجاج کیا۔ لیکن اس کا صرف اتنا نتیجہ ہوا کہ مارس کارٹر کمیشن نے ۱۹۳۳ء میں فیصلہ کیا کہ دس ہزار مربع میل میں، جو اب تک سفید قوموں کے لئے مخصوص کیا جا چکا ہے، ۲ ہزار مربع میل کا ٹکڑا اور ملا دیا جائے۔ اور کونسل سے ایک قانون پاس کرا کے اس کی مضبوطی کر دی جائے۔

کینیا کے مظلوم ہندستانیوں نے ہندستانی اسمبلی کے سامنے فریاد کی۔ شکایت ایسی معقول تھی کہ اسمبلی کے انگریز ممبروں تک نے اسکی تائید کی۔ حکومت ہند نے آنریبل سرنیواس شاستری کو مشرقی افریقہ دریافت حال کیلئے بھیجا۔ انکی رپورٹ تک میں اس بے انصافی کو بے انصافی کہکر پکارا گیا ہے۔ اور وہاں کے مظلوم ہندستانیوں کے ساتھ ہمدردی کی گئی ہے لیکن جب ہندستانیوں نے حکومت ہند سے امداد مانگی تو اس نے کہا کہ محکمہ نوآبادیات کے سامنے یہ فریاد پیش کی گئی۔ اور انصاف کیلئے زور دیا گیا۔ مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ گویا حکومت ہند

بے بس ہے لیکن اس بے بسی کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اسلئے ہم خود مختار ہیں جو چاہو کرو۔ اس بات پر ابھی عمل احتجاج کیا جائے تو فوراً پولیس کے ڈنڈوں اور فوج کی گولیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اس جواب کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اب جو کچھ ہو بخوشی بھگت لو۔

کونسل کے قانون کا مقابلہ کرنے کیلئے مشرقی افریقہ کے ہندستانیوں کی نیشنل کانگرس نے طے کیا ہے کہ ہماری کانگرس اور ہماری قانون ساز اسمبلی کے سامنے فریاد کرنے کو اپنا وفد ہندستان بھیجے گی

ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہمارے ہم قوموں کو اس طرح سفید قوموں کی راحت پر بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ اس ناانصافی کا مقابلہ کرنے میں ہم کسیطرح اپنے ان ہندستانی بھائیوں سے پیچھے نہیں رہینگے۔ اسکے خلاف آواز اٹھانے کیلئے ملک کو تیار کرینگے۔

یہ دیکھو اور برطانوی سامراج کے نمائندے مسٹر چیمبرلین کا قول دیکھو: "ہماری نگاہ میں نہیں

جنوبی افریقہ کے ہندستانیوں کی نیشنل کانگرس کا سالانہ اجلاس

جنوری کے شروع میں اس کانگرس کا سالانہ اجلاس مسٹر ڈسمبر ناڈو اور ڈوکٹر کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ صدر نے اپنے خطبہ میں کہا۔ "کانگرس اس بات کو دیکھا کرے گی کہ ہم لوگ نہیں جو جہالت کرا رہے حالات کو قوم و رنگ کی تفریق سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ یہ کینیا کی حکومت ہے، اور سفید آباد کار ہیں جو ہر بات میں رنگ کا خیال کرتے ہیں۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ ماؤ ماؤ کے آنے سے ہندستانیوں کو نقصان نہیں پہنچائینگے۔ اور انگریزوں کے حق میں نہیں ہیں، انکا وہ لوگ زمین ہانٹنے میں ملک کا اختیار نہیں رکھتے ہیں اور سول ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں، صحت میونسپلٹی، تعلیمات وغیرہ میں اعلیٰ عہدوں کو رکھنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے۔ حکومت نے کبھی انصاف کرنا نہیں چاہا۔"

برطانیہ کا ہندستان کے بعد سب بڑا غلام ملک افریقہ ہے۔ برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ہم "سرپرستی" کے جذبے سے مجبور ہو کر وہاں راج کر رہے ہیں۔ پارسال۔ ڈ۔ لا۔ ویر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "افریقہ پر برطانیہ کس طرح حکومت کرتی ہے۔" اسکو پڑھکر اس "سرپرستی" کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ دنیا بھر کی چالبازیوں اور مکاریوں اور دغابازیوں کو کام میں لا کر سفید قومیں افریقہ کی مالک بن بیٹھیں۔ اب حکومت کرنے میں دو اصولوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تو سفید قوموں کیلئے اچھی زمین مہیا کرنا۔ اور دوسرے ان سفید مالکوں کیلئے سستے مزدور مہیا کرنا۔

جنوبی رہوڈیشیا میں باون ہزار یورپین بستے ہیں۔ اور انکے قبضہ میں ۴۰ فیصدی زمین ہے۔ اور دس لاکھ اصلی باشندے ہیں۔ انکے پاس ۲۷ فیصدی زمین ہے جنوبی افریقہ میں ۱۸ لاکھ سفید باشندوں کے پاس ۸۰ فیصدی زمین ہے۔ اور صرف یہی حصہ زرخیز ہے۔ اور ستر لاکھ اصلی باشندوں کے پاس ۲۰ فیصدی بنجر زمین ہے۔

اصلی باشندوں کو جزیہ کی لمبی رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ اسلئے وہ بے تکان مشقت کرنے پر مجبور رہیں۔ سفید قومیں کم ٹیکس ادا کرتی ہیں۔ اور زیادہ فائدہ اٹھاتی ہیں۔ کینیا میں سفید باشندے ۶۶ لاکھ پونڈ ٹیکس دیتے ہیں۔ اور افریقی ۹۰ لاکھ ادا کرتے ہیں۔ لیکن حکومت سفید بچوں پر تقریباً تین پونڈ فی کس خرچ کرتی ہے، اور افریقی بچوں پر صرف ۸ پنس فی کس۔

افریقیوں کے لئے نہ تعلیم ہے۔ نہ اسپتال، نہ صفائی۔ موتوں میں بچوں کی تعداد ۴۰ فیصدی ہوتی ہے۔ ۹۵ فیصدی افریقی ملیریا میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور ۷۰ فیصدی نار و بیش۔

ہندستان کے مشہور رکن اسمبلی سیٹھ گوند داس صاحب جنوبی افریقہ تشریف لیگئے ہیں جہاں ہندستانیوں نے صاحب موصوف کا بہت پر جوش خیر مقدم کیا لیکن حکومت جنوبی افریقہ کے ایک وزیر سے ملنے کیلئے جب وہ اسکے دفتر کی بالائی منزل پر بذریعہ "لفٹ" جانا چاہتے تھے تو لفٹ کے سفید فام ملازم نے انکو لفٹ کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ اس بنا پر کہ کالے آدمیوں کو "لفٹ" استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی! صاحب موصوف کیلئے سفید فاموں کی جانب سے یہ خیر مقدم سب سے زیادہ سبق آموز ثابت ہوا ہوگا!

سیٹھ گوند داس جنوبی افریقہ میں ہندستانیوں کے حالات کا مطالعہ کرکے تشریف لے گئے ہیں اور ہندستانی حکومت کے موجودہ ایجنٹ جنرل سید رضا علی کے ذاتی مہمان رہے ہیں۔۔۔ اگر لفٹ کا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو سیٹھ صاحب کا یہ مطالعہ بالکل نا مکمل رہ جاتا!

"پیام"

بلیک ہول کی کہانی

پروفیسر ہمایوں کبیر نے بنگال اسمبلی کو نوٹس دیا ہے کہ آئندہ اجلاس میں وہ تجویز پیش کرینگے کہ بلیک ہول کی یادگار اپنی جگہ سے اکھاڑ دی جائے۔ اور کسی عجائب خانہ میں رکھ دی جائے۔

کلکتہ میں ڈلہوزی اسکوائر میں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک لاٹ ہے۔ جسکو بلیک ہول کی یادگار کہتے ہیں۔ مسٹر ہالول نے جو ایک زمانہ میں بنگال کا گورنر تھا اس یادگار کو پہلی بار تیار کرایا تھا لیکن جب بجاری جنگی گھر بننے لگا تو ۱۸۲۱ء میں گرا دیا گیا۔ پھر لارڈ کرزن کے زمانہ میں اسکو ایک نامعلوم آدمی نے تیار کرایا۔ یہ واقعہ انگریزوں کو اتنا پسند ہے کہ اب تک تاریخی ریڈروں میں گھسا ہوا ہے اور ہندستانی بچوں کے دماغ میں ٹھونسا گیا ہے۔ اور یہ یادگار ایسی ہے کہ برسوں تک ہر انگریز اس کی زیارت کرنا فرض سمجھتا رہا ہے۔ لیکن وہ نامعلوم آدمی کچھ ایسی نیکی کر دریا میں ڈال" والے واقع تھے کہ اپنے خاکساری کے نام نہیں ظاہر کیا۔ دوسری طرف لارڈ کرزن بھی ایسے نام چھپاؤ تھے کہ مرتے مرگئے، مگر کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ کس نے بنوایا تھا، اور کیوں۔۔۔

جو انگریز ہندستان کو شکار گاہ سمجھ کر ولایت سے چلے، انکے دکھتے ضمیر کو ٹھنڈک پہنچانے کیلئے یہ کہانی بہت کافی ہے۔ کہ جب ہندستانیوں کے ایک نواب نے اتنی بڑی بڑی آفتیں ڈھائی ہیں تو دو ایک ننھی ننھی نا انصافیاں ہم کیوں نہ کرلیں۔ حکومت ہند نے اس کہانی کو نیم سرکاری طور پر خوب اچھالا۔ مگر کبھی تحقیق کرلینے کی ہمت نہ کی۔ مسٹر ہالول نے یادگار اپنے خرچ سے بنوائی۔ اور گورنر ہونے پر انگریزی کونسل سے افتتاح کی خواہش نہیں کی۔ جس جس مورخ نے واقعہ لکھا ہے ماخذ پر بحث نہیں کی۔ کیونکہ سب کو ڈر تھا کہ جھوٹ کھل جائیگا۔ ایک مورخ نے ماخذ کی کمزوری یوں چھپائی ہے۔ "یہ واقعہ دیسی لوگوں کی نظر میں ایسا معمولی تھا کہ کسی نے ادھر توجہ تک نہ کی۔ اور اس زمانے کے بڑے بڑے مورخین نے اسکا ذکر تک نہ کیا"۔ حالانکہ ہر تاریخ میں اس سے چھوٹے مظالم کے تذکرے موجود ہیں۔

خود مسٹر ہالول نے اس الزام پر ندامت ظاہر کی ہے۔ ایک خط میں (اگست ۱۸۵۸ء) لکھتا ہے۔ "میں نے نواب عجیب و غریب ظلم کا الزام لگایا تھا۔ وہ یہ کہ ہم لوگوں کو ایک چھوٹے سے قیدخانے میں ٹھونس دیا تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ میں نے نا انصافی سے کام لیا۔"

ماسوں نے لکھا ہے کہ گھٹ کر مرنے والوں میں جن لوگوں کے نام ہیں وہ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک کمپنی سے پنشن لے کر مزے اڑاتے رہے۔

جے۔ ایچ۔ لٹل۔ اور ایکینئے کا اعترافِ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بالکل "من گھڑت" ہے۔ ۱۴۶ انگریزوں کو ۲۶ فٹ مربع کوٹھری میں بھر دینا محال ہے۔

پروفیسر راش بروک ولیم نے لکھا ہے کہ "مسٹر ہالول اپنے زمانے ہی میں بڑا چلتا پرزہ سمجھا جاتا تھا"۔

اس یادگار کو اکھاڑنا ابھی ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ عجائب خانہ میں محفوظ بھی رکھنا چاہئے مظالم کی یہ جھوٹی یادگار، برطانیہ کے مظالم کی سچی یادگار ہے۔

ایسی ہی ایک مہمل چیز یوپی میں موجود ہے۔ کانپور کا "میموریل ویل"۔

احرار اور مولانا شوکت

مولانا شوکت علی صاحب احرار سے بہت خفا معلوم ہوتے ہیں۔ ... سب سے زیادہ قابل شکایت بات یہ ہے کہ احراری اب فلسطین کے مسئلہ میں بھی دست اندازی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ فلسطین بالکل خلافت کمیٹی کی چراگاہ ہے! یہ مداخلت بھلا گوارا نہیں! اچھا تو مولانا اعلان فرماتے ہیں۔

"انشاء اللہ العزیز جلد مسلمانوں کا ایک ذمہ دار وفد عالم اسلام سے مشورہ کرتا ہوا لندن پہنچیگا، اور ایک آخری تنبیہ انگلستان کو دیگا کہ اگر یہی یہود نوازی پالیسی قائم رہی تو عالم اسلام سے جنگ لازمی ہے، اور ہم ہندستان کے مسلمان اپنی بساط کے مطابق اپنے پیارے عرب بھائیوں کی ارض مقدس میں امداد کرنے میں انشاء اللہ دریغ نہ کرینگے ..."

وفد! اور وہ بھی ذمہ دار! جو عالم اسلام سے مشورہ کرتا ہوا لندن پہنچیگا — ایک بہت خوفناک دھمکی ہے! — ایسی خوفناک کہ سوائے مولانا کے اور کسی کی زبان پر بھی نہیں آسکتی! اور پھر جب وفد کا ارادہ یہ ہو کہ وہ انگلستان کو تنبیہ کرے اور اسلام سے جنگ کا بھی ذکر کرے تو سمجھ لیجئے کہ برطانوی فوجوں کو اہل فلسطین سے معافی مانگ کر فوراً واپس آنا پڑے گا ورنہ جنگ یورپ کے بجائے خلافت کمیٹی اور انگلستان کے درمیان ایک جنگ عظیم برپا ہو جائے گی!!

گذشتہ دو برس میں جس جنگ عظیم کی جو تاریخ مولانا لگاتے رہے ہیں وہ ہنوز پردہ خفا میں ہے اور ایک دفعہ خود دمشق ایک ہمدرد رکن وفد جا چکا ہے اسکی مجاہدانہ کوششوں کے نتائج بھی ابھی سینہ راز میں مخفی ہیں!

"پیام"

جاپان نے برطانیہ کو عیسائی بنادیا

چین ذی سے ستائے ہوئے چینیوں کا سنگاپور میں ایک جلوس نکلا۔ پولیس نے اس پر حملہ کیا، اور ڈنڈوں سے اسے منتشر کر دیا۔ یہ جواب ہے ان زیادتیوں کا جو جاپان نے برطانیہ کے ساتھ کیں۔ جاپانی ہوائی جہاز نے برطانوی سفیر پر بم گرایا، اور برطانوی جہاز پر گولہ باری کی، جاپانی سپاہیوں نے دو برطانوی پولیس افسروں کو پکڑ کر خوب پیٹا، اور جاپانی سپاہیوں نے انگریزی ہوٹل پر قبضہ کر لیا۔ اور یونین جیک اتار کر اس کی جگہ جاپانی جھنڈا گاڑ دیا۔ برطانیہ نے اپنے ایک گال پر طمانچہ کھا کر فوراً دوسرا گال پیش کر دیا یعنی اس نے جاپان کی غیر جانبداری سے مدد شروع کر دی۔

اگر جاپانی کسی وقت قومی جوش میں آکر چین کی فتح پر جلوس نکالیں تو اسوقت بھی برطانیہ یہی برتاؤ کرے گی؟ ہے اتنی ہمت؟

مانٹر کا بیان ہے کہ یہ ہنگامہ صرف چینی کمیونسٹوں کی وجہ سے ہوا۔ ان لوگوں نے پوسٹر لگائے تھے جن پر لکھا گیا تھا کہ چین پر گھونسا پڑ رہا ہے۔ گویا اگر یہ پوسٹر نہ ہوتے، تو پولیس کی غیر جانبداری بھی نہ ہوتی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار پولیس یونہی جاپانی مخالف جلوس میں مداخلت کر چکی ہے۔ اسوقت کہا گیا تھا کہ ایسے جلوسوں سے جاپانیوں کی دلآزاری ہوتی ہے۔ اور برطانیہ تو ٹھہری غیر جانبداری پر پوری عامل۔ کسی

یکسی طرح اب جاتا ہے۔

احتجاج اور معافی مانگنے کا فن

ایک جاپانی ہوائی جہاز نے اتوار کے دن فرانسیسی گرجا پر اسوقت بم گرایا جب وہاں عبادت ہو رہی تھی۔ بیچارہ پادری ختم ہو گیا۔ اور کچھ لوگ زخمی ہو گئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرانسیسی حکومت سخت احتجاج کرے گی، اور جاپان فوراً کہیگا کہ بھول ہو گئی۔ اس لڑائی نے ایک بات خوب کھول دی۔ وہ یہ کہ یہ طاقتور حکومتیں حقیقت میں اتنی طاقتور نہیں ہیں جتنی معلوم ہوتی ہیں۔ برطانیہ کی قلعی کھل ہی رہی تھی کہ امریکہ کی باری آگئی۔ 'پینی' اور 'لیڈی برڈ' نامی جہاز پر بم گرائے گئے۔ صدر روزویلٹ نے بہت سخت احتجاج کیا۔ خوب غل مچایا۔ جاپان نے جواب میں بہت معذرت کی، اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن حرکتیں ہو رہی ہیں۔ احتجاج ہو رہے ہیں۔ اور معافیاں مانگی جا رہی ہیں۔

اب باری ہے فرانس کی کہ وہ بھی سخت احتجاج کرے اور پھر ازراہ عنایت جاپان بھی معاف کر دے۔

آئرستان اور انگلستان

آئرستان اور انگلستان کے نمائندے مل کر بات چیت کرکے کچھ سمجھوتا کرنا چاہتے ہیں۔ کہنے کو تو آئرستان برطانوی تاج کا ماتحت ہے۔ اور اس کا شمار ابھی تک نوآبادیوں میں ہے۔ لیکن اس نے چند معاملوں میں جتا دیا کہ وہ بالکل آزاد ہے۔ برطانیہ نے ابھی تک شاہ اٹلی کو حبش کا شہنشاہ نہیں مانا۔ لیکن آئرستان نے بے دھڑک حبش پر اٹلی کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ گویا یہ دھمکی تھی کہ اگر تم ہمارے فائدوں کا خیال نہ کروگے تو ہم اپنا ہی کرلینگے۔

آئرستان اور انگلستان میں اسوقت سب سے بڑا جھگڑا السٹر کا ہے۔ برطانیہ اس ٹکڑے کو کسی طرح آئرستان کو نہیں دینا چاہتی ہے۔ اسی السٹر کا جھگڑا ایکبار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انگلستان میں خانہ جنگی کا اندیشہ تھا۔

لیکن اب معاملات کی صورت بدل گئی ہے۔ عالمگیر جنگ سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اسلئے آئرستان کو اپنے بچاؤ کے لئے انگلستان کے بیڑے اور ہوائی جہازوں کی ضرورت ہوگی۔ دوسری طرف انگلستان کو ایسی نوآبادی سے جو برطانوی تاج کی مرضی کے خلاف اٹلی سے سمجھوتا کر سکتی ہو ہر قسم کا ڈر ہے اگر وہاں اٹلی کا اثر و اقتدار ہو گیا تو پھر گویا کہ آئرستان کے ساحلوں کو محفوظ رکھنا انگلستان کے لئے ضروری ہے۔

اس لئے کچھ عجب نہیں کہ اس بار دونوں میں کچھ سمجھوتا ہو جائے۔

ہندستان

پالیٹکس جس نے ہندستان کے چار انک پرچے مسلسل دیکھے ہوں گے، وہ اچھا مقصد اور پالیسی سمجھ گیا ہوگا جو لوگ پالیٹکس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اور موجودہ حالات دنیا کو سمجھنا چاہتے ہیں، "ہندستان" انکا رفیق سفر ہے۔

اخباروں میں سیکڑوں طرح کی خبریں ہوتی ہیں اور جب پڑھ چکو تو ذہن سے صاف نکل جاتی ہیں۔ ایک آدھ خبر ذہن میں پڑی بھی رہ گئی تو اس طرح جیسے کوئی کسی سی بات۔ برسوں اخبار پڑھتے رہتے ہیں، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ حالات کیا کہتے ہیں۔ تاریخی دھارے دنیا کو کدھر لئے جا رہے ہیں۔ جو واقعہ آج ہوا ہے اسکا سبب کیا تھا۔ بلا سبب تو کوئی بات ہوتی نہیں — موجودہ واقعات کے اسباب اگر سمجھ لو تو پھر آئندہ کی دنیا کی بھی دھندلی دھندلی تصویر دکھائی دینے لگتی ہے۔ اگر آج کا واقعہ بلا سبب نہیں، تو کل جو ہونے والا ہے وہ بھی بلا سبب نہیں ہو سکتا۔ اور ہونے والے واقعات کے اسباب موجودہ واقعات ہیں۔ یہی مستقبل کو بنائیں گے۔ اس لئے ہمکو سمجھنا ہے کہ وہ کون پٹریاں ہیں جن پر واقعات دوڑتے ہیں اور تاریخ چلتی ہے۔ اگر ان پٹریوں کا رخ اور گھماؤ سمجھ گئے تو مستقبل کو بہت کچھ سمجھ گئے۔ "ہندستان" ان پٹریوں کو دکھاتا ہے۔ انکا رخ اور گھماؤ بتاتا ہے۔

ادب جب اپنے ارد گرد سے ہم تھک جاتے ہیں، تو خیالی دنیا بنانے لگتے ہیں تاکہ نہ ایسی پریشانیاں ہوں اور نہ ایسے برے لوگ۔ اس خیالی دنیا کے بنانے میں عقل بھی ہاتھ بٹاتی ہے۔ جتنا سارا اسکے پاس جمع ہوتا ہے جب اس کار خیر میں لگا دیتی ہے۔ آگے آگے آرزو، ہمت سے کام لیتی، روایتوں اور زنجیروں کو توڑتی اور پیچھے پیچھے عقل معاملات کو سلجھاتی ہوئی۔ اس دنیا میں کیا کیا خرابیاں ہیں؟ یہ خرابیاں کیوں ہیں؟ انکا تعلق افراد سے ہے یا سماج سے؟ کیا یہ خراب مصیبت بھری دنیا ایسی ہی رہے گی؟ اسکو بدلنے کے خواب خواب ہی رہیں گے؟ اگر بدل سکتی ہے، تو کون طاقت اس میں کام کرے گی؟

زندہ رہنے والا ادب وہی ہے جو اس راہ چلے۔ جو ماضی پر آنسو بہانے کے بجائے مستقبل کی تربیت کرے۔ پریشانیوں سے ہارے دماغ کو لوریاں دیکر سلانے کے بجائے، ہمت دلا کر دنیا فتح کرنا سکھائے۔

ایسی بات جو دس سال بعد جھوٹی ہو جائے، دس سال بعد مر جائے گی۔

عوام جاگ رہے ہیں، جتنا جتنا وہ ہوشیار ہونگے، اتنا ہی سرمایہ داروں اور اوسط طبقے کے نفعے چھنکر انکے پاس پہونچ جائینگے۔ وہ زمانہ قریب ہے جب سرمایہ دار طبقہ اور اوسط طبقہ فنا ہو جائے گا۔ طبقہ بندی مٹ جائے گی سب ہی عوام ہونگے اور سب ہی بادشاہ۔ سب ہی مالک ہونگے اور سب ہی خادم۔ اس لئے جو ادب موجودہ زمانے کی خوبیوں کے راگ گاتا ہے، سرمایہ داری کا دم بھرتا ہے۔ جب تک سرمایہ داری باقی ہے وہ باقی ہے۔ عام انقلاب جہاں سرمایہ داری کو مٹائے گا، اسکو بھی دھو ڈالے گا۔

ادب سے ہمارے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ہمارے جذبات کیا ہیں۔ معشوق سے محبت، راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے رقیب سے نفرت، وصال کی آرزو۔ لیکن حالات بتلاتے ہیں کہ سچے جذبات کچھ اور ہیں۔ محبت کے مارے نوجوان اتنی خودکشی نہیں کرتے ہیں جتنی بیکاری کے مارے۔ پیٹ کے کارن جو جرائم ہوتے ہیں وہ بہت ہیں اور وصال کے کارن کم۔ معشوق، رقیب، وصال زندگی کی گہری آرزو نہیں ہیں لیکن اسوقت جبکہ پیٹ بھرا ہو۔

رقیب سے نفرت اتنی نہیں ہے جتنی بے کاری سے۔ ہمکو یعنی ۳۵ کروڑ کو وصال کی اتنی آرزو نہیں ہے جتنی اچھی آمدنی کی۔ سچا شاعر وہی ہے جو ان جذبات کو ادا کرے۔

"ہندستان" ایسا ہی ادب پیش کرنے کی کوشش میں ہے۔ ابھی یہ راہ نئی ہے۔ اسلئے کٹھن ہے لیکن ہمارے نوجوان شعرا ایسی تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ تھوڑے ہی دنوں میں نئے نئے راستے نکل آئے، اور آئندہ کیلئے امیدیں بڑھ گئیں۔

افسانہ زیادہ آگے نہیں بڑھا، کیونکہ اسکو زیادہ سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ موجودہ زمانہ کو ناپنا تولنا، حالات کا تجزیہ کرنا۔ اور ان کی اس طرح نقاشی کرنا کہ موجودہ سماج پر تنقید ہو جائے۔ آنے والے سماج کو بنانے والی لہریں دکھائی دیں۔ جنپر چلکر ذہن خود مستقبل کی تصویر بنا لے۔ لیکن ہاں۔ جو افسانے ہندستان میں نکلے ہیں وہ اس آرٹ کیلئے میدان ضرور بنا رہے ہیں۔

سنیما زندگی کے چند رخ پیش کرتا ہے۔ اور اس سے کچھ نتیجہ نکالتا ہے۔ وہ نتیجے عام لوگوں کے دماغ میں سرایت کر جاتے ہیں۔ سنیما عوام کے ذہن میں اچھائی برائی کے معیار تیار کرتا ہے۔ بعض باتوں کی آرزو دل میں پیدا کرتا ہے اور بعض چیزوں سے نفرت دلاتا ہے۔ اس لئے ہمکو برابر غور کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے ڈرامے کیا کہتے ہیں۔ زندگی کے جو رخ وہ پیش کر رہے ہیں وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ ڈرامہ جس چیز کو اچھائی کہہ رہا ہے وہ ایسی تو نہیں ہے کہ ایک کیلئے اچھی ہو، اور دس کیلئے برائی ہو جائے۔ اسی طرح جو آرزو جگا رہا ہے دل میں پیدا کر رہا ہے، کہیں ایسی آرزو تو نہیں ہے کہ اسکے قبول کرنیوالے کو دوسروں کیلئے مصیبت بنا دے۔ اس غرض سے ہندستان نے سنیما پر لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور جاری رہیگا

تبصرے۔ ہم واقعات کو خاص نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بہت سی چیزیں کچھ لوگوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں، لیکن ہم انکو مہمل سمجھتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ہم اہم کتابوں، رسالوں، اور اخباروں پر تبصرے لکھیں۔ یہ سلسلہ شروع کیا تھا، مگر جاری نہ رہ سکا، لیکن اب اسکے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اور مہینے میں ایک بار ضرور تبصرے آیا کریں گے۔

اپنے مقصد میں ہم کتنا کامیاب رہے ہیں، یہ فیصلہ پڑھنے والوں کے ہاتھ میں ہے۔ اب ہمکو مشورہ اور تنقید کی ضرورت ہے بلا اسکے ہم ہندستان کو پڑھنے والوں کی ضرورت کے مطابق نہیں ڈھال سکتے۔ ہمکو بتائیے کہ ہندستان میں کیا کیا اور ہونا چاہئے۔

اپنوں سے گلہ ان اخباروں اور رسالوں کے ہم مشکور ہیں جو "ہندستان" کے مضامین نقل کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے خیالوں اور اصولوں کو پھیلاتے ہیں۔ اور اسطرح ہمارے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ لیکن کچھ اخبار اور رسالے ایسے ہیں جو حوالہ دینا بھول جاتے ہیں۔ بعض تو کبھی کبھی، اور بعض بہت پابندی سے۔ اب یہ بھول بڑھتی جاتی ہے۔ ہمکو حیرت تو اسوقت ہوئی جب ساقی کے سالنامہ میں پنڈت جواہرلال کا مضمون "ترقی پسند ادب" بلا حوالہ نظر آیا۔ جو ٹی کا نوٹ بھی ملا ہوا تھا۔ اس میں کسی جگہ سے مضمون کو تقریر لکھ دیا تھا۔ ہمکو دوستوں کی بھول کا ڈھنڈورا پیٹنا برا لگتا ہے۔ لیکن مجبوری سے شکایت کرانی ہے۔ ہمارے مضمون نگار شکایت کرتے ہیں کہ ہم انکے مضامین کی رکھوالی اچھی طرح نہیں کرتے۔

بڑی لڑائی اور ہمارا کام

(منظر رضوی)

آج دنیا کے کونے کونے میں جنگ کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ اور کل شعلہ بن کر بھڑک اٹھینگی۔ اس شعلہ میں ہندستان بھی لپیٹا جائیگا کیونکہ وہ انگلستان کی ایک نوآبادی ہے۔

ہمارا: ہماری سیاسی پارٹیوں کا اور ہمارے اخباروں کا پہلا فرض ہے کہ وہ اس جنگ کے مفہوم کو اسکی نوعیت کو، اسکے تقاضوں، رجحانات، اور اسکے محرکات کو صاف صاف غیر مشتبہ لفظوں میں بتا دیں۔

ہمیں بعض وقت دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے اخبار لڑائی کی خبروں کو سنکر سہم اٹھتے ہیں۔ اور حکومت کی طرف خوف اور امید کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں اور اسے مشورہ بھی دینے لگتے ہیں کہ تم ہماری حفاظت کے لیے سامان کرو اور ویسے سامان کرو۔ اس طرح ہمارے اڈیٹروں اور انکے ذریعہ عوام میں ایک خوفناک پر خطر اور ہمیں اور ہماری قومی تحریک کو غارت کرنے والی ذہنیت پیدا ہو رہی ہے۔ یہ ایک خطرے کی بات ہے!

سامراجی اور فاسسٹی ملک اب ملکر ایکبار پھر دنیا کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ صنعت و سرمایہ کے مرتکز ہوجانے کی وجہ سے قومی اور ریاستی حدود میں، بکرو پونجی شاہی کی پیداوار آفریں قوتیں پنپ نہیں سکتیں۔ وہ مفلوج ہو چکی ہیں انہیں اور وسعت چاہیئے۔

لڑائی دراصل انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور جاپان میں ہے۔ اور یہ بھی نوآبادیوں کیلئے۔ دنیا بھر کے زرخیز علاقوں کو انگلینڈ اور فرانس دبائے بیٹھے ہیں۔ جرمنی، اٹلی اور جاپان کو کچے مال، روئی، تیل، کوئیلے، اور غلے وغیرہ چاہئیں ان سب کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے سے کمزور پر حملہ کر دو اسے لوٹ لو۔ یہ لوٹ تو بھی رہی ہے۔ مگر اتنے سے تو پیٹ نہیں بھرتا۔

لڑنے والی قوموں کے ایک سرے پر اٹلی، جرمنی، جاپان کے پونجی پتی حاکم طبقے ہیں۔ جنکا کہنا ہے کہ ملک کی حفاظت، قومی ناموس کو بچانے، تمدن اور مذہب کو قائم رکھنے کیلئے ہمیں دوسروں سے لڑنا ہے۔ یہ مزدور پیشہ اور کاشتکار طبقہ کا امن کے وقت استحصال کرتے ہیں اور جنگ کے وقت ان میں مذہبی جنون، قومی نفرت اور قومی غرور ابھارتے ہیں اور اپنے مطلب کیلئے انہیں دوسرے ملک کے مزدوروں سے لڑا بھڑا کر خستہ و خراب کر دیتے ہیں، دولتمند طبقہ کے طریقے ہر جگہ یکساں ہیں۔ ہر جگہ وہی مذہب اور تمدن کی تباہی کا خطرہ۔

لیکن آج ہر ملک کے محنت پیشہ طبقہ میں پونجی کی غارت گری سے ایک عام بے چینی اور شورش پھیلی ہوئی ہے۔ اسلئے ہماری یہ سامراجی اور فاسسٹی ریاستیں بہت بوکھلائی ہوئی ہیں۔ وہ جگہ جگہ انھیں دبانے اور کچلنے کا سامان بھی کر رہی ہیں۔ ان کی تحریکیں کچل رہی ہیں۔ لیکن ان کی اقتصادی بیداری اور طبقاتی شعور کو کیسے دبایا جا سکتا ہے۔ اس لئے انھیں احمق بنانے کیلئے نوآبادی کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نوآبادی ملجانے سے ساری غربت اور مصیبت ختم ہو جائے گی برطانیہ سے لڑو۔ فرانس سے لڑو؛ دشمن تمہارے یہی ہیں۔ حالانکہ خود یہی حکومتیں ان مزدوروں کو، اس لڑائی کے بعد جب وہ اپنے حق کا مطالبہ کرینگے، اسوقت بھی کچلیں گے۔ نوآبادی کا نعرہ تو صرف دولتمند اور حکمراں طبقہ کے مفاد کیلئے لگایا جا رہا ہے۔

دوسری طرف انگلستان اور فرانس ہیں جو دنیا بھر کی نوآبادیوں کو تہذیب و تمدن پھیلانے کے نام پر ہڑپ کئے بیٹھے ہیں۔ اور ان کو آزاد نہیں ہونے دیتے۔ وہ ان نوآبادیوں کو بچانے کیلئے برسوں سے فوجی تیاری کر رہے ہیں۔ اور آج اٹلی اور جرمنی کی دھمکی کو اپنے اخباروں میں حجاب بے حجاب کے بین الاقوامی نفرت پھیلا رہے ہیں۔ اور جنگ کی طاقتوں کو سمیٹ سمیٹ کے یکجا کر رہے ہیں۔ اپنی شرارت آفریں حرکتوں اور فاسسٹوں کی ہمت افزائیوں کے ساتھ ساتھ اپنی خاموشی سے دنیا کی رائے عامہ کو اٹلی اور جرمنی اور جاپان کے خلاف ابھار رہے ہیں۔ تاکہ امن شکنی کا الزام انکے سر تھوپ دیں اور دنیا کی اخلاقی حمایت انہیں حاصل ہو۔ حالانکہ جنگ عظیم کے بعد سترہ سال کی تاریخ، دنیا کی اقتصادی کشمکش، اور نوآبادیوں کی قومی تحریکیں اس بات کو اچھی طرح دکھلاتی ہیں کہ اس آنے والی ہولناک جنگ کی تمامتر ذمہ داری انھیں دونوں ملکوں پر ہے۔ نوآبادیوں کی قومی تحریکوں کو کچلنا اور انکے وسائل سے فائدہ اٹھانا، مزدوروں کی کشمکش اور انکا استحصال جرمنی وغیرہ جیسے ہونہار حوصلہ مند ملکوں میں اشتعال اور دلگیری کے جذبہ کو ابھارنے کیلئے کافی تھا۔

بین الاقوامی لڑائی جو ہونے کو ہے اس کی لڑائی دراصل جنگ عظیم کے بعد سے ہونے لگی ہے۔ اسلحہ میں اضافہ، ۱۹۲۹ء کی کساد بازاری، منڈیوں کی تلاش میں ٹکر اور جھگڑے، کچے مال کیلئے کشمکش اور پونجی کے نشو و نما میں فاسسٹی اسٹیج کا آجانا ان سب سے اب جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ زرخیز علاقوں پر قبضہ کرنا، باہری ملکوں کو فتح کرنا۔ مقابل ملکوں کو تباہ کرنا اور اس کی دولت کو ہتھیانا، محنت کش مزدور پیشہ جنتا کی توجہ طبقاتی کشمکش، اقتصادی آزادی کی طرف سے پھیر کر قومی اور بین الاقوامی کشمکش کی طرف پھیر دینا، اور اس طرح سرمایہ دارانہ اغراض کی حفاظت کرنا اب ہر ملک کا جرمنی، جاپان، اٹلی، فرانس، اور انگلستان کا خاص مقصد ہے۔

دونوں جماعتیں حرب جنگ سے مسلح ہو کر وقت کی منتظر بیٹھی ہیں؛ لوٹ، ظلم، استبداد، غارتگری اور بربریت میں دونوں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کو ہیں، وہ عوام کو احمق بنانے کیلئے، اپنے مقصد کے لئے میدان جنگ میں انہیں ذبح کرانے اور لڑنے کا شکار بنانے کیلئے قومیت، حب الوطنی، ایثار و قربانی، قومی آبرو کے نعرے لگا رہی ہیں۔ کل یہی جماعتیں کہیں گی کہ ہم تو فلاں فلاں ملک کو آزاد کرانے کیلئے میدان جنگ میں کود رہے ہیں، آج بھی یہی پیغام ملیگا جاپان اور اٹلی سے؛ دوسری طرف برطانیہ کے اعلانات، اور کمیشنوں کی آمد بھی شروع ہو گی۔

ہمارا ملک ایک نوآبادی ہے۔ اس لئے ہمیں اس جنگ سے خطرہ ہی خطرہ

ہے۔ فائدہ کی امید نہیں، اس جنگ میں ہیں اور ہمارے وسائل معاش کو استعمال کیا جائیگا۔ برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں کی حفاظت کیلئے تاکہ وہ نعمتمند نکلے، برطانیہ کے اغراض ومفاد سے ہماری کوئی بھی غرض وابستہ نہیں۔ ممکن ہے ہمارے ملک کے سرمایہ دار طبقے کچھ فائدوں کی امید رکھتے ہوں! اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکی امیدیں بر آئیں۔ لیکن سوال دو چار لاکھ یا دو چار کروڑ کا نہیں۔ بلکہ چونتیس کروڑ دو بھوکے اور ننگے بچوں، عورتوں اور مردوں کا ہے سب سے بڑا سوال انکی اقتصادی آزادی کا ہے۔

جنگ کو ہم بھی ایک خطرناک چیز سمجھتے ہیں۔ لیکن اس خطرہ سے بچنے کیلئے ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں برطانیہ کے سامنے جھکنا بھی چاہئے یا اپنی تمام تحریک اور تنظیم کو چھوڑ چھاڑ کے برطانیہ کی مدد میں لگ جانا چاہئے۔ جیسا کہ ہمارے کچھ اخباروں کی تحریر سے جھلکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بدشگونی ہوگی! ایک پرخطر غلطی!

ابھی تو طبر شروعات ہے ان باتوں کی، جنگ کے خطرے جیسے جیسے بڑھتے جائینگے یہی باتیں ہمارے سامنے اور بھی شدت کے ساتھ اور پورے زور و شور کیساتھ پیش کی جائینگی۔ اہنسا کے دیوتا آئینگے؛ اور ستیہ کے پجاری بھی بولیں گے۔ اہنسا اور ستیہ اور دھرم اور مذہب کے نام پر ہمارے یہ بزرگ اپنے اور برطانیہ کے سامراجی اغراض کی حفاظت کیلئے مادر وطن کے نعرے لگائینگے۔ زرد اور سیاہ مالیت کے جبر و استحصال کی ڈراؤنی کہانیاں کہینگے۔ اور اس سفید سامراج برطانی راج کی ہندستان دوستی کے گیت گائینگے۔ اور فیڈریشن میں جو ترمیمیں ہونے کو ہیں اس سے خود پورا پورا فائدہ اٹھانے کیلئے مزدوروں اور کسانوں کو امن اور شانتی کا سبق دینگے۔ بھارت ماتا کی عزت اور حفاظت اور نئی غلامی میں جکڑے جانے کا خوف دلائینگے۔ اور وہ تم انہیں یعنی جاپانی غلامی اور برطانی غلامی کا موازنہ کرکے برطانیہ کو ضرورت قصیدہ بتائینگے اور کہینگے مدد کرو برطانیہ کی!

ہمارے سامنے اچھی برائی اور خراب برائی کے امتیاز اور مقابلے کا کوئی سوال نہیں۔ ہم اس برائی کو اور برائی کی جڑ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ برائی اچھی ہوسکتی ہے کسی کسی حالت میں تو صرف اوپری طبقہ کے لوگوں کیلئے۔ عوام کیلئے برائی بہرحال برائی ہے اور وہ ہمیشہ بری طرح پیش آتی ہے، ان سے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ لارڈ لوتھیان کے آنے کے بعد سے ہوا کس رخ بہنے لگی ہے۔

اسوقت اگر سامراج شاہی سے کوئی سمجھوتہ ہوا تو وہ اسلئے اور صرف اس لئے ہوگا کہ ہندستان تاج شاہی کی حفاظت کرے۔ اسکے صلے میں کچھ اقتصادی رعایتیں شاہد ہوں گی۔ اور ہندستان کا اوپری طبقہ سامراج شاہی سے ملکر مزدوروں اور کسانوں کا اور بھی سختی اور جبر سے استحصال کرنے لگے گا۔ اس سمجھوتہ میں نیچے کو کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا۔ یہ سمجھوتا ہمارے لئے تیسری برائی ہے۔

ایسی صورت میں ہمارا صرف ایک ہی نعرہ ہے، ایک ہی کام ہے سامراجی جنگ کو انقلاب میں بدل دو اس کام میں آج دشواریاں نظر آسکتی ہیں! اور بہت سے لوگ اسے سنکر خائف بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن جن حالات میں یہ مہابلا کھڑی ہوئی جنگ ہوسکتی ہے اس میں عزم جلنے کیلئے کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں۔ وقتی حالات کیا ہوں گے اور کون کون سے عمل اور طریقے سے یہ انقلاب ہوسکیگا

اسکے متعلق ابھی کچھ کہنا دشوار ہے اور غیر مناسب بھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ انقلاب موثر اسی وقت ثابت ہوسکتا ہے جبکہ یہ ہر سامراجی ملک میں شروع ہو۔ اور دنیا بھر کے غلام اور تباہ حال لوگ ملکر اپنے ملک کے جابر طبقے سے لڑیں۔ لیکن اسکے لئے کسی ملک کو دوسرے کا منتظر نہیں رہنا چاہئے۔ ۱۹۱۷ء میں لینن نے دنیا بھر کے مزدوروں کو یہی پیغام دیا تھا۔ روس جس نے اس پیغام کو لبیک کہا کامیاب ہوا۔

انقلاب کی فضا پیدا کرنے کیلئے ضرورت ہے کہ آج ہی سے برٹش سامراج شاہی سے ہر مورچہ اور ہر محاذ پر ٹکر ہو؛ اور ٹکر لی جائے۔ ایک طرف شہری آزادی ہے، دوسری طرف کسانوں کا مسئلہ ہے، مزدوروں کے سوال ہیں، پڑھے لکھے لوگوں کی بے روزگاری ہے۔

تقریباً ان سب مورچوں پر ہم آج لڑ رہے ہیں اور پوری طاقت اور شدت سے لڑ رہے ہیں۔ جنگ کے خطروں کے ساتھ ساتھ ہماری لڑائی کا ایک مورچہ بن رہا ہے۔ وہ مورچہ ہے جنگ کی مخالفت کرنا۔ ایسی مخالفت سے سامراج شاہی کے بازو شل ہوجائیں۔ اسکے لئے ضرورت ہے کہ امن کا پرچار کیا جائے۔ کیونکہ جنگ امن کی ضد ہے؛ اور جنگ میں عوام کو شریک ہونے سے روکنے کیلئے یہی چیز ہے۔ مگر صرف امن کا پرچار ہی کافی نہیں ہوسکتا اسکے ساتھ عمل اور جد وجہد کا پروگرام بھی لازم ہے۔ اگر ہم صرف امن کا پرچار کرکے رہ جاتے ہیں تو اس سے فائدہ تو انھیں لوگوں کو ہوگا جو خود بھی امن امن پکاریںگے اور عوام کو جد وجہد سے باز رکھنا چاہینگے۔ اور پھر ایک جمہوری طرز کے امن کیلئے یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ شئے مسلسل انقلاب کے بغیر حاصل ہوسکتی ہے۔ آج تو صرف ایک ایسے انقلاب کی ضرورت ہے جس سے قومی جمہوری آزادی حاصل ہوسکے۔ جمہوری امن اور اقتصادی گلو خلاصی کی نوبت تو بعد کو آتی ہے۔

جس انقلاب کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے وہ آج کی ترقی پسند قومیت کا واحد نعرہ ہوسکتا ہے۔ اور اس کا مقصد ہندستان میں محض ایک قومی جمہوریت کا قائم کرنا ہوگا۔ (جس میں چالیس گھنٹہ کا ہفتہ کم از کم ایک روپیہ روزانہ مزدوروں کی اجرت، بغیر کسی معاوضہ کے زمینداری کا خاتمہ اور پچاس فیصدی لگان میں کمی، بے روزگاروں کو وظیفہ، اور مفت ابتدائی تعلیم بنیادی حق کے طور پر تسلیم کرلئے جائیں۔) عوام میں جو انتہائی کلفت پھیلی ہوئی ہے اور آئندہ جنگ کی وجہ سے جو اور بھی بڑھیگی۔ اس سے ان میں انقلابی جذبہ اور اشتعال پیدا ہوگا اور اس وقت ہمارا نعرہ کامیاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

آج ہمارے مزدور اور کسان بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کہیں منظم ہیں وہاں انکی صف میں انتشار پھیلانے کی منظم سازشیں ہورہی ہیں جب بھی انقلابی مواد اکٹھا ہوجاتا ہے اسے کوئی طاقت دبا نہیں سکتی ہے آتش فشاں کے مادے دبتے نہیں۔ وہ صرف پھٹتے ہیں۔ آج ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم ہر مورچہ پر اپنی روزمرہ کی لڑائی کو آگے بڑھاتے رہیں۔ روز روز پونجی پتیوں اور سامراج سے ٹکر لیتے رہیں۔ آئین سبھا میں

اور اسکے باہر صنعتی حلقوں میں کاشتکاری کے علاقوں میں اور پھر فرقہ پرستی، رجعت اور جمود کے محاذ پر۔ انہیں چھوٹی چھوٹی ٹکڑوں سے ایک بڑی اور آخری ٹکر آئیگی جس میں ہماری قوم دشمن قوتیں مغلوب اور تباہ ہوں گی۔

اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ (۱) آئینی سبھاؤں میں جنگی قرضہ کی شدید مخالفت کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوں (۲) قومی اور ملکی یعنی اندرونی امن کی تحریکوں سے علیحدگی اختیار کیجائے اور بین الاقوامی امن کا مطالبہ ہو (۳) ہر طرح کے چندہ وغیرہ کی مخالفت کیجائے اور دینے سے انکار کیا جائے (۴) فوجی بھرتی کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور ہر شخص فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کرے (۵) لڑنے والی فوج میں دوسرے ملکوں کی فوج کے ساتھ برادرانہ سلوک اور برادرانہ احساس پیدا کیا جائے۔ تاکہ وہ میدان جنگ میں مل کر اپنی اپنی استحصالی حکومتوں کے خلاف اعلان جنگ کردیں۔ (۶) ہر طرح کی پرولتاری احتجاجی تحریک کی حمایت کی جائے۔ اور عوام اس تحریک کو لیکر آگے بڑھیں۔ (۷) لیکن ان سب سے زیادہ اہم چیز یہ برطانوی بادشاہ کی ہندستان میں تاجپوشی کا مقاطعہ۔ تاجپوشی کی کامیابی کے معنی ہیں جنگ میں برٹش سامراج کو ہندستان سے ہر طرح کی امداد ملے گی۔ تاجپوشی ہماری آئندہ کی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہوگی۔ یہ جڑ ہے ہماری ہر قسم کی تباہی کی۔ اسلئے اس جڑ کو اکھاڑ پھینکو۔

کانگرس نے ہندستان کے بڑے بڑے مسئلوں، مزدوروں، کسانوں اور بے روزگاروں کے سوالوں کو حل کرنے کیلئے اور ہندستان کا آزاد دستور بنانے کیلئے دستور ساز انجمن کا نعرہ بلند کیا ہے۔ دستور ساز انجمن کیسے وجود میں آئے گی اس پر ہمنے پچھلے کئی موقع پر صاف صاف طرح سے لکھا ہے۔ لیکن اسی دستور ساز انجمن کو لڑنے کا بھی نعرہ بنایا جا سکتا ہے۔ ہندستان کے بڑے بڑے مسئلے کیونکر حل ہو سکتے ہیں؟ ہندستان کو جنگ سے علیحدہ کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ امن قائم رکھ کر اقتصادی ترقی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ سب سوال اسی دستور ساز انجمن سے وابستہ ہیں۔ زمینداری کا خاتمہ دستور ساز انجمن میں ہی ہو سکتا ہے اس طرح ہم کسانوں کو اس نعرہ پر منظم کر سکتے ہیں۔ چالیس گھنٹے کا ہفتہ ایک روپیہ روزانہ کی کم سے کم اجرت، بے روزگاری کے وظیفے وغیرہ بنیادی حق کے طور پر اسی اسمبلی میں تسلیم ہو سکتے ہیں۔ عوام کے سارے مفاد اسی اسمبلی سے وابستہ ہیں۔ اسی لئے عوام کو اس نعرہ پر کھڑا کرو۔ اس سامراج شاہی کے خلاف۔

فیڈریشن کا آج سے کوئی سات ماہ بعد نزول ہونے کو ہے۔ اور شاید یہی مدت لگے گی بڑی لڑائی کے چھڑ جانے میں۔ ہمارا کام ہے آج ہی سے رعایا عامہ کو اس نعرہ پر منظم کرنے کا، اور عوام کی اسکے لئے صف باندھنے کا۔ سات ماہ کی مدت ہماری انقلابی جنتا کو اسکے لئے تیار کرنے کے لئے کافی

آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا پروگرام

ہم کیا چاہتے ہیں:-

۱- سارا اختیار ان عام لوگوں کو دیا جائے جو اپنی محنت سے سب چیزیں پیدا کرتے ہیں۔

۲- ملک کی حالت کو سدھارنے کی سب تدبیریں سرکار کی طرف سے سوچی جائیں اور اپنے سرکار اپنی نگرانی رکھے۔

۳- جتنے خاص اور اہم کارخانے ہیں (جیسے لوہے کے کارخانے، سوت کے کپڑے کے کارخانے، ریلیں، جہاز، چاء وغیرہ کے باغات اور کانیں) اور انکے علاوہ جتنے بنک، بیمے کی کمپنیاں اور دوسرے عام فائدے کی چیزوں کے کارخانے ہیں، ان سب کی مالک عام لوگوں کی پنچائیت بنا دی جائے اور جب یہ ہو جائے تو آہستہ آہستہ چیزوں کے پیدا کرنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے اور بانٹنے اور لین دین کے، باقی اور جتنے کارخانے اور کوٹھیاں ہیں، ان سب کی مالک عام لوگوں کی یہی پنچائت بنا دی جائے۔

۴- باہر کے ملکوں سے جتنا بیوپار ہوتا ہے وہ صرف سرکار کرے اور کوئی دوسرا شخص نہ کرنے پائے۔

۵- جو کاروبار ایسے ہوں جنکی مالک عام لوگوں کی پنچائت نہ بن سکے ان میں چیزوں کے پیدا کرنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے اور بانٹنے اور لین دین کے کام امداد باہمی کے اصول پر چلائے جائیں۔

۶- راجہ مہاراجوں، زمینداروں اور ان سب لوگوں سے جو عام لوگوں کا خون چوستے ہیں بغیر کسی قسم کا معاوضہ دئے اُن کی جائدادیں چھین لی جائیں۔

۷- زمین کا بٹوارہ پھر سے کرکے کسانوں کو زمینیں دی جائیں۔

۸- سرکار کی طرف سے کسانوں کو اس بات کا شوق دلایا جائے کہ وہ امداد باہمی کے اصول پر اکٹھے مل کر کھیتی کریں۔

۹- کسانوں اور مزدوروں کے جو قرضے ہیں وہ ختم کردئے جائیں۔

۱۰- سرکار کی طرف سے یہ حق مانا جائے کہ کوئی آدمی بے روزگار نہیں رہے گا اور اگر کوئی بے روزگار ہو گیا تو سرکار کی طرف سے اسکے گذارے کا بندوبست کیا جائے گا۔

۱۱- سب معاشی چیزوں کا بٹوارہ اس طرح کیا جائے کہ جس کو جتنی ضرورت ہو اُسے اتنا دیا جائے اور کام لینے کا یہ ڈھنگ ہو کہ جو جتنا کام کر سکے اس سے اتنا ہی کام لیا جائے۔

۱۲- سب جوان آدمیوں کو ووٹ دینے کا حق دیا جائے اور منتخبہ

کے لوگ الگ الگ اپنے نمائندوں کا چناؤ کریں۔

۱۳۔ سرکار کسی دھرم اور مذہب کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کرے اور نہ کسی دھرم کی کوئی امداد کرے اور نہ دھرم و ذات کی وجہ سے کسی کے ساتھ کسی قسم کا فرق جائز سمجھے۔

۱۴۔ مرد و عورت ہونے کی وجہ سے کسی کو بڑھایا یا گھٹایا نہ جائے۔

۱۵۔ جس چیز کو ہندستان کا سرکاری قرضہ کہا جاتا ہے اسکے ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا جائے۔

کام کس طرح کیا جائے؟:-

۱۔ کانگرس کے اندر رہ کر کام کیا جائے اور مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ کانگرس کو صحیح طور پر سامراجی نظام کے خلاف کر دیا جائے۔

۲۔ کسانوں اور مزدوروں کی سبھاؤں کو قائم کیا جائے۔ جہاں ایسی سبھائیں بن چکی ہوں وہاں ان میں داخل ہوا جائے۔ تاکہ کسان اور مزدور اپنی مالی اور سیاسی حالت کو سدھارنے کے لئے جو آئے دن جھگڑے کرتے رہتے ہیں ان میں شامل ہوا جا سکے اور ان جھگڑوں کو خوب بڑھایا جا سکے۔ اور آزادی اور سوشلزم کیلئے عام لوگوں کی ایک زبردست تحریک کو چلایا جا سکے۔

۳۔ نوجوانوں، عورتوں، اور والنٹیروں وغیرہ کی سبھاؤں کو قائم کیا اور ان میں شامل ہوا جائے تاکہ پارٹی کے پروگرام کیلئے ان کی مدد مل سکے۔

۴۔ تمام سامراجی جنگوں کی مخالفت کی جائے اور ان کی وجہ سے جو گھبراہٹ اور پریشانی پیدا ہوتی ہے اس سے قومی تحریک کے مضبوط کرنے کا کام لیا جائے۔

۵۔ برطانوی حکومت سے کبھی بھی دستوری معاملات پر کسی قسم کی کوئی بات چیت نہ کی جائے۔

۶۔ جب طاقت اپنے ہاتھ میں آ جائے تو ایسی دستور ساز اسمبلی کو دعوت دی جائے جس کا چناؤ مزدوروں، کسانوں اور دوسرے ستائے ہوئے لوگوں کے نمائندوں کی مقامی کمیٹیاں کریں گی اور جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ ہندستان کیلئے ایک دستور بنائے گی۔

ہم فوراً کیا چاہتے ہیں؟:-

سیاسی زندگی؟:-

۱۔ تقریر و اخبار کی آزادی۔

۲۔ ملنے جلنے اور سبھائیں بنانے کی آزادی۔

۳۔ مزدوروں کو دبانے اور قوم کو نقصان پہنچانے والے قوانین کی منسوخی

۴۔ کاشتکاروں اور پٹہ داروں کی ان زمینوں اور جائدادوں کی واپسی جو قومی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے ضبط ہو گئی تھیں۔

۵۔ جتنے سیاسی قیدیوں کو بغیر مقدمہ چلائے نظر بند کر دیا گیا ہے ان کو رہا کر دیا جائے۔ گاؤں، شہر، ضلع، اور صوبہ سے باہر نکل جانے، یا ان جگہوں سے باہر نکلنے اور دوسری پابندیوں کے جتنے احکام جاری کئے گئے ہیں وہ سب واپس لے لئے جائیں۔

۶۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی کر دی جائے اور بالغ لوگوں میں جو جہالت پھیلی ہوئی ہے اسے مٹا دیا جائے۔

۷۔ ہندستان کی حکومت فوج پر جتنا روپیہ خرچ کرتی ہے اس میں کم از کم ۵۰ فیصدی کی کمی کر دی جائے۔

۸۔ مذہبی اوقاف پر پابندیاں عائد کر دی جائیں۔

معاشی زندگی میں:-

۹۔ عام فائدہ کی چیزوں کے جتنے کارخانے ہیں ان کی مالک میونسپلٹیاں بنا دی جائیں۔

۱۰۔ سود پر چاہے وہ بالواسطہ لیا جائے یا براہ راست لیا جائے، پابندیاں لگائی جائیں۔

۱۱۔ کسانوں اور مزدوروں کے جتنے قرضے ہیں وہ ختم کر دئے جائیں۔

۱۲۔ ہر قسم کی آمدنیوں پر جس میں ایک مقررہ کم سے کم حد کو چھوڑ دینے کے بعد زراعت کی آمدنیاں بھی شامل ہیں۔ ایسا محصول لگایا جائے جس کی شرح آمدنی کی ترقی کے ساتھ تیزی سے بڑھتی رہے

۱۳۔ مرنے کے بعد وارثوں کو جو جائداد ملتی ہے اس پر بھی اسطرح محصول لگایا جائے کہ جتنی بڑی جائداد ہوا تنی ہی اسکے محصول کی شرح بھی زیادہ ہو۔

مزدوروں کیلئے:-

۱۴۔ مزدوروں سے جہاں کہیں بیگار لیجاتی ہو۔ یا ان سے غلاموں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ انھیں وہاں آزاد کرایا جائے۔

۱۵۔ انکے لئے سبھائیں بنانے، ہڑتال کرنے اور دھرنا دینے کا حق تسلیم کیا جائے۔

۱۶۔ مزدوروں سے کام لینے والے لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ ان کی سبھاؤں کو تسلیم کریں۔

۱۷۔ گذارے کے لائق اجرت، ایک ہفتہ میں چالیس گھنٹہ کام، رہنے کیلئے صحت بخش مکان اور کام کیلئے صحت بخش حالات پیدا کئے جائیں۔

۱۸۔ بے روزگاری، بیماری، حادثہ، بڑھاپے وغیرہ کیلئے بیمہ کیا جائے۔

۱۹۔ سب مزدوروں کو سال میں ایک ہفتہ کی چھٹی پوری تنخواہ کے ساتھ دیجائے اور مزدور عورتوں کو جب انکے بچہ پیدا ہونیوالا ہو دو مہینے کی چھٹی پوری تنخواہ کیساتھ دیجائے۔

۲۰۔ ایسے بچوں کو جن کی عمر اسکول جانے کے لائق ہو کارخانوں میں نوکر رکھنا ممنوع قرار دیا جائے اسی طرح ۱۶ سال سے کم عمر بچوں اور عورتوں کیلئے زمین کے نیچے یعنی تہ خانوں، زمین دوز سرنگوں اور کانوں وغیرہ کے نیچے کام کرنا ممنوع قرار دیا جائے۔

۲۱۔ برابر کام کی برابر اجرت۔

۲۲۔ جب کبھی اجرتوں کی ہفتہ وار ادائگی کا مطالبہ کیا جائے اُسے پورا کیا جائے۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

مزدور اور سرمایہ داری

(سید اختر)

وہ جس دنیا میں رہتا ہے فقط نفرت کی بستی ہے
اسی کے ایک گوشے میں مگر دولت برستی ہے

وہ بستی ہے جو اک بستی گلشن کو ترستی ہے
مگر گل گشت شیشہ سر اسی جا پہ چھلکتی ہے

ادھر دولت کی دیوی کے یہ پیشانی کھلی ہے
ادھر کاشانۂ مزدور پر غربت برستی ہے

وہ کاشانہ جہاں آرام کی باتیں نہیں ہوتیں
جہاں گنج چمکتا ہے مگر راتیں نہیں ہوتیں

یہاں سرمایہ داری جوش کھاتی ہے ابھرتی ہے
یہاں شیطان کی شیطانیت پروان چڑھتی ہے

ستم پرورش ہوتی ہے یہ آغاز کہولت میں
یہ پلتی پھولتی ہے بادشاہوں کی حکومت میں

یہ سچائی کو اپنی آگ ہی میں جھونک دیتی ہے
دل انصاف میں یہ تیر اپنا بھونک دیتی ہے

یہ مذہب اور سیاست سے بھی اکثر کام لیتی ہے
یہ دست ظلم میں خون جگر کا جام لیتی ہے

اکڑتی پھرتی ہے باطل پرست انصاف کے بل پر
گراتی بجلیاں ہے حضرت مزدور کے دل پر

کسی بستی کو جب پہلے پہل یہ جا کے لیتی ہے
تو سیم و زر کو محنت مفلسوں کی ڈھانپ دیتی ہے

یہ سستے دام مزدور کی محنت مول لیتی ہے
ستم کرتی ہے اک کی ہڈیاں تک تول لیتی ہے

یہ مزدوروں کو اکثر خون کے آنسو رلاتی ہے
یہ سکھ کی نیند لیکن اپنے مالک کو سلاتی ہے

مگر جب مفلسوں کی مفلسی سر سے گزرتی ہے
تو دنیا اک نئے انداز سے کروٹ بدلتی ہے

سمٹ آئی ہے اک مرکز پہ طاقت بے گناہوں کی
بنا لیتے ہیں آہوں سے یہ دنیا ایک آہوں کی

نہیں لاتے تھے جو شکوہ کبھی اپنی زبانوں پر
اٹھاتے تھے بہت رنج و الم جو اپنی جانوں پر

بہت بیباک ہیں ظالم سے اب نظریں ملاتے ہیں
شہادت گاہ آزادی میں سر اپنا کٹاتے ہیں

تماشا دیکھتے ہیں اُن کی جانبازی کا حیرت سے
مگر یہ باز آتے ہی نہیں اپنی شرارت سے

جو چہرہ زرد رہتا تھا کبھی رنگ فلاکت سے
وہی چہرہ دمکتا تھا ہے اب جوش شجاعت سے

بس اب سرمایہ داری ہاتھ دھولے اپنی ہستی سے
وہ اٹھا شور محشر آج مظلوموں کی بستی سے

رہیں گی اب نہ باقی ہستیاں سرمایہ داروں کی
بجھائی جائیگی اب آگ ان مظلوم سینوں کی

نہیں باقی رہیگی اب یہ حالت شادمانی کی
اتاری جائیگی جسموں سے خلعت حکمرانی کی

وہ طوفاں بن کے اٹھے ہیں وہ خوں بن بن کے برسینگے
یہ قصر ظلم و عدوان اپنی بنیادوں سے لرزینگے

وہ بادل بن کے گرجینگے وہ بجلی بن کے ٹوٹینگے
وہ غاصب کے خزانوں سے خزانہ اپنا لوٹینگے

نئی دنیائے نا انصاف کی بنیادیں ہلا دینگے
یہ نظم زندگی برباد کردینگے مٹا دیں گے

کرینگے اپنی محنت اور اجرت سے قلعہ بندی
وہ چینی ہوں کہ مصری ہوں فلسطینی ہوں یا ہندی

مگر سرمایہ داری سے وہ اپنا خوں نچوڑینگے
وہ مدہوشوں کو، دہشت کے تازیانوں جھنجھوڑینگے

مزا دولت کا اب دولت کے بندوں کو چکھا دینگے
لرز اٹھیگا اک عالم انہیں ایسی جزا دینگے

تہوار منانے والے

(جگل کشور شکلا)

مراث نے آہستہ آہستہ اپنا سر عورت کی طرف گھمایا جیسے وہ تیج پر گھوم رہا ہو گڑیا۔ اس دفعہ بھی لیکن نشانہ نوکر پر تھا۔ "ابے بیٹا منہ کیا تکتا ہے۔ اٹھا کر ایک بیسہ دیدے نہیں بنتا ـــــ دھرم کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" بات کا باقی حصہ ایک جماہی میں سما گیا۔ بھر بڑبڑایا "اری نوکری کرے گی"۔ بھیڑ میں سے ملی ہوئی آوازیں آئیں "دھرم کا کام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیوہار آ۔ آ۔ آ۔ ہ ۔ ۔ ۔ ۔" عورت نے جواب میں گھونگھٹ کاڑھا اور ایک اجڈی طریقہ سے سنا ہوا سا "نا آہیں ایں" کہا پھر پیسہ اٹھا کر جلدی، مراث نے کئی بار چٹکی بجاتے ہوئے 'ہری اوم' 'ہری اوم' کہا۔

رتن اور رگھوراج دوسری طرف چلے؛ انکا ارادہ ہوٹل میں پیچھے کی طرف جانے کا تھا بھیڑ سے جا رہے تھے کہ انکے پیچھے سے ایک خوانچے والے نے آواز دی، "مال گرم ہے"، اور اسکے بعد ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اسکا گلا گھونٹ دیا۔ ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے اسکی اندرسے شکر قندیں تل کے لڈو۔ جلیبیاں سب بکھری پڑی ہیں ایک چیل مٹھائیوں سے اپنا تیوہار منا کر جا رہی؛ تیوہار کا دن تھا۔ خوانچہ پڑا تھا۔ اسکے گرنے پر خوانچہ والے نے بے حال ہو کر کھجور کے مورچھل کو زمین پر پھینکا اور تھال کو سیدھا کر کے بکھری چیزیں پھر اسی میں رکھنے لگا۔

نہ جانے کہاں سے گدڑ ادھر آنکلا۔ گری ہوئی مٹھائیاں دیکھ کر بڑی زور سے ہنسا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچنے لگا۔ اسکے منہ پر جگہ جگہ کالک لگی تھی خوانچے والے کی پیٹھ پر ایک دھپ لگا کر اسنے شاباشی دی اور جھک کر اسکا منہ چومنے جا رہا تھا کہ خوانچے والے نے ڈر کر اسے الگ ڈھکیلا۔ گدڑ نے کئی چھوٹے بڑے کنکر زمین سے چن کر ہتھیلی پر رکھے اور سب لوگوں کو دکھاتے ہوئے منہ میں ڈال لیا۔ کنکر اسکے دانتوں کے نیچے بری طرح سے کرکرانے لگے۔ کھٹ اکٹ۔ سب لوگ جو پہلے اسے دیکھ کر ہنس رہے تھے چپ ہو گئے۔ انکے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ کنکر نگل جانے کے بعد گدڑ نے اسی نالی سے پانی پیا۔ اور جا ہی رہا تھا کہ ایک لڑکے نے اسکی لانگ کھول دی۔ جواب میں گدڑ رو ہی رہا تھا ... کرتا ہوا بھاگ کر بھیڑ میں مل گیا۔

مٹھائی والے کے چاروں طرف لوگ آہستہ آہستہ اکٹھا ہونے لگے۔ کچھ صاف کپڑے والے لئے کچھ دھوتی اور چوٹیا۔ کچھ داڑھی اور پاجامے دکھائی پڑے۔ دیکھا کہ ایک ذلیل آدمی ایک گندا کام کر رہا ہے۔ گندگی سے طبیعت خراب ہوئی۔ آگے بڑھے ایک آدھ نے جاتے جاتے اپنی نصیحت کا، انجکشن، بھی لگا دیا۔ "ابے گئی زندگی۔ چن کر نوکرن سے پہیے کھڑے کریگا۔" اپنے سر کو جس میں لال آنکھیں چمکتی رہتیں، اور جسکو ایک آدھی بار ٹھنک کی میں ٹوپی ڈھکے رہتے۔ خوانچے والا اوپر اٹھاتا۔ اتنی بھیڑ میں بھی ان آنکھوں میں ایک دیرانی جھلک اٹھتی۔ جو لوگ ٹھہر کر خوانچے والے کی مدد کر رہے تھے۔ ان میں خاص طور سے میلے لباس والے ہی نظر آتے تھے۔ ایک گھسیارہ جس کی داڑھی پر گرد پڑی تھی۔ مٹھائیاں سمیٹنے میں مدد کرنے لگا۔ ایک بیرے نے خوانچے والے کو سمجھایا "یار میں تمہیں بتلاؤں انہیں پھینکنا مت۔ رات کو تاڑی خانے کے سامنے پر چٹکی بجاتے بکیں گی۔" بیرے کی چٹکی کی آواز کے بیچ میں ہی بغل سے بھشتی میاں بول اٹھے "لاحول ولا قوۃ۔ وہاں گاہک گوشت پیاز کی پھلوریاں لے گا۔ بھلا ان مٹھائیوں کو کون پوچھے گا۔"

رتن نے رگھوراج سے کہا۔ "دیکھا، کیچڑ سے بھی اٹھا رہا ہے۔ اسے سمجھ نہیں کہ یہاں گندا ہے۔ اس مٹھائی سے بیماری پھیل سکتی ہے ۔ غریبی بھی کیا چیز ہے کہ انسان کو جانور بنا دیتی ہے۔" "ابھی یہی سالے گندے بیچنے والے ہی تو شہر میں بیماری پھیلاتے ہیں۔ دیکھو میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں" لپک کر رگھوراج مٹھائی والے کے پاس پہنچا اور اپنے جوتے کی نوک سے اسے ٹھیل کر بولا "ابے انہیں زمین سے تو کیوں اٹھا رہا ہے؟ بے ایمان لوگوں کو یہ کھلا کر بیماری پھیلائیگا؛" خوانچے والا گھائل کی طرح اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ رتن رگھوراج کو ہاتھ پکڑ کے لے گیا اور غصہ میں بولا آپ کو کونسا اختیار تھا اس سے اس طرح بکا بک کرنے کا؟ منع ہی کرنا تھا تو دوسری طرح سے کر سکتے تھے۔" رگھوراج اینٹھ کر بولا "پورا اختیار تھا۔ اختیار کیوں نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" مسئلہ حل بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ تیز ہوٹل کا پچھلا دروازہ آگیا۔ ایک خانساماں کو جو وردی میں تھا انھوں نے اپنی سائکلیں پکڑا دیں۔ اور ایک کمرہ میں داخل ہو گئے۔

انکے حکم کے مطابق ایک بوڑھا "بوائے"، دو کشتیوں میں دو مٹن چاپ، چائے۔ مکھن۔ کیک۔ توس۔ لیکر آیا۔ پگڑی کے دونوں طرف کان کے اوپر نکلے ہوئے اسکے بال ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے روئی چپکی ہو۔ چاپ کا ٹکڑا کانٹے سے اٹھاتے ہوئے رتن نے کہا "ابی رگھوراج کیا کہیں خرچ اتنا بڑھ گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس مہینے ساٹھ فادر نے بھیجے تھے سب ہوا ہو گئے اور ۲۰ تاریخ بھی ابھی نہیں کھسکی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" "ذرا دیرے لائق بس رونا ہٹانے کو تم ہے۔ اس کی بحث ہی جانے دو نہیں تو "موڈ" (طبیعت) بگڑ جائے گا" کہتے ہوئے رگھوراج نے وہسکی کی ایک کھلی ہوئی بوتل لیکر گلاس میں بھک بھک انڈیلا۔ گلاسوں میں چمکتے ہوئے کنٹر (چھوٹے بلبلے) نیچے سے اوپر جانے لگے منہ میں لگاتے ہی ایک جلتی ہوئی لکیر گلے میں کھنچ گئی۔ پھر رتن ٹانگ پسار کر سگریٹ کا دھواں اڑانے لگا اور اس اڑتے اور اینڈتے دھوئیں کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔۔

رگھوراج کچھ گنگنانے لگا۔ اس کی سوئی بے سری آواز ڈگری بہ ڈگری کچھ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یکایک کرسی پر سیدھے ہوتے ہوئے اس نے کہا۔ "کیوں رتن ہوٹل سے لگا ہوا بائیں طرف کو مسدی لال کا مکان ہے نا؟"۔ اس ریسٹارنٹ والے کا" "اجی ہاں اسی میں تو ہے ہی ہوٹل کے دائیں طرف تو گراموفون کی دوکان ہے" جھٹکے سے رگھوراج نے کہا اور اٹھ کر کمرے کے چاروں کونوں پر کان لگاتے ہوئے ایک طرف کے نیلے پردے کو ہٹایا وہ ایک بند دروازے پر پڑا ہوا تھا۔ اس دروازے میں ایک پیڑ کا تختہ جڑا ہوا تھا۔ پردہ ہٹنے سے کسی عورت کی ہنسی کی

کیطرح کی آواز پیچھے سے ذرا صاف آنے لگی۔ رگھو راج نے ایک لمبی درازے سے دوسری طرف جھانکا۔ اور پھر ایک بار رتن کی طرف سانس کھینچتے ہوئے دیکھا۔ اس کی قمیص کے بٹن کھل گئے تھے۔ ہنسلی کی ہڈی کھلی ہوئی دکھلائی پڑ رہی تھی۔ پھر وہ دونوں باری باری سے اندر جھانکنے لگے۔ ایک اندھیرا کمرہ دکھائی پڑ رہا تھا۔ اسکے ایک دروازے سے جسے چوڑا کا تختہ بند کئے تھا۔ رتن جھانک رہا تھا اور اسکے ٹھیک سامنے دوسرا دروازہ ایک دالان میں کھلتا تھا۔ دالان کی دیواروں کا پیلا رنگ دھوئیں سے کالا ہو گیا تھا۔ بیچ میں ایک گدڑے دار پلنگ کی کھاٹ پر کھانستا ہوا ایک چودہ پندرہ سال کا لڑکا اپنی نوجوان بہن سے الجھ رہا تھا۔ اس کھاٹ کے چاروں طرف دھواں گھوم گھوم کر ایک ہوائی چال کی چھوٹی سی کھڑکی سے باہر نکل جاتا تھا۔ لڑکا دبلا اتنا ہو گیا تھا کہ کھاٹ کی سطح سے مل گیا تھا۔ آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں۔ اس کی کھاٹ کے پاس زمین پر بہت سا بلغم پڑا ہوا تھا۔ کچھ دور پر پانچ چھ چھوٹے ننگے بچے آپس میں لڑ رہے تھے۔ دو تین کے ہاتھ میں گڑ تھا جس کی وجہ سے مکھیاں اور چیونٹیاں ان سے چمٹ رہی تھیں۔ اسکے ہاتھ پیر اور سینے کی ہڈیاں دکھائی پڑ رہی تھیں۔ لیکن سب کے عوض میں پیٹ تن رہا تھا۔ انہیں زور زور دھمکی دینے کی ایک زنانی آواز آ رہی تھی۔ اسنے میں انہیں سے ایک لڑکا گلا پھاڑ کر چیخ اٹھا۔ زنانی آواز اس سے بھی بلند ہوئی۔ "مرنے دے اپنے باپ کو حرامزادے تیری بوٹی بوٹی کٹوا دوں گی۔ . . . .

"ادھر ذہنہ رکا کوڑھی۔" بچوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈونگرے نے اپنے پال ۔۔۔ کے اشتہار کیلئے شاید انہیں کی تصویر چنی تھی۔ بیمار کو پانی دینے کے بعد لڑکی نے پیٹھ میں سہارا دے کر اسے لٹا دیا اور چلی۔ اسکی عمر قریب پندرہ سولہ سال کی تھی۔ لڑکی کے جانے کے بعد رگھو راج اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ پھر رتن دروازے جھانکا۔ اندر دیکھتے ہوئے اسنے کہا "کیوں رگھو راج! یہ لوگ تو بالکل بھیک منگے ہیں . . . . . . اچھا او او! اسیو جب سے اتنی دیر سے آپ یہاں چھپے ہوئے تھے . . . . . . لڑکی ہے!"

"کیوں پھر آگئی کیا۔"

"گئی کب تھی۔ کیسی کرن بڑی خوبصورت ہے۔"

"اچھا ہنے دو۔ تمھیں تو جب تک چہرہ پر پوڈر پتا ہوا نہ ہو تب تک کچھ ہے ہی نہیں۔"

رتن چپ ہو گیا اور رگھو راج اس کی جگہ آ گیا۔ ہٹ کر رتن کیواڑے کے بیچ کی طرف کی ایک دوسری درازے دیکھنے لگا۔

اندھیرا ہو چلا تھا۔ یکایک ہوٹل بجلی کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ دوسری طرف لڑکی ہاتھ میں ایک جلتا ہوا مٹی کا چراغ لیکر آئی۔ کسی بڈھے کی امید بھری آنکھوں کی طرح دالان ٹمٹمانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سندری لال ایک وید کو ساتھ لئے ہوئے آئے۔ لڑکوں کی ماں ایک لمبا گھونگھٹ نکال کر دالان کے کھمبے سے آ لگی۔ کھاٹ کے پاس ایک چرمراتا ہوا اسٹول رکھا گیا۔ وید جی اس پر بیٹھے اور قریب قریب پانچ منٹ تک بیمار کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے۔ پھر بولے "یہ تو دق ہے بھائی علاج وہی رہے گا۔ مریض کو بالکل آرام دیجئے۔ کھٹائی وغیرہ گرمی کرنیوالی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ بخار اب اور بڑھتا جا رہا ہے۔" "جی ہاں" کہکر سندری لال وید جی کا منہ تکنے لگے۔ وید جی کے چہرے پر کوئی دھندلی ڈراؤنی

دوسرے مہینے کا بھی چڑھتا جا رہا ہے . . . . . . زمانہ خراب لگا ہے" سندری لال بولے" وید جی آپ تو پڑوس میں رہتے ہیں رات دن دیکھتے ہی ہیں میری کیا حالت ہے . . . . ." "ہاں۔ ہاں۔ ہاں روپیہ کا معاملہ ہے لالہ جی . . . ." وید جی ہنسے اور ماتھے کی لکیریں اور گہری ہو گئیں۔ سندری لال نے عاجزی سے کہا "جی ہاں دیکھئے کس طرح کام چلا رہا ہوں۔ میری تو جانتے ہی دیکھئے۔ یہ عورتیں آپ سے کیا کہوں ایک ایک گہنا علاج کیلئے گروی رکھ چکی ہیں۔ اب پیسے کیلئے سلائی اور پیسائی کرتی ہیں . . . . . سچ کہتا ہوں وید جی اس لڑکے کی بیماری میں ایک ایک روپیاں تھجا ذر کر رہا ہوں . . . . . . تیوہار کا دن . . . آج ان بچوں کو کیا دوں، مانگتے ہیں کھلونا لاؤ۔ مٹھائی لاؤ۔ میں آپ کا سب کرایہ دوں گا۔ مہلت مل جائے۔ ابھی نوکری سے چھٹی ملی کر آپ کے پاس گیا تھا . . . . " او۔ او۔ او۔ کھا۔ کھا۔" لڑکے نے بہت سا خون ملا ہوا کف قے کیا۔ ماں نے دوڑ کر ایک مٹھی ارد اور دو ٹکڑے کوئلے کے ہاتھ میں لئے اور لڑکے کے چاروں طرف پھیرنے لگی وہ منہ سے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ ویسے ہی پھیرتی ہوئی بٹی کیطرف دیکھ کر بولی "یہ سب اوپری فساد ہے۔ تم اپنی ہی جوتے جاتے ہو۔ بس میرے بچے کی جان یونہی چلی جائے گی۔ ہائے!" پھر وہ ایک عجیب ڈراونی طرح سے لڑکے کا منہ تکنے لگی اور آہستہ آہستہ کہنے لگی" معاف کر دو۔ چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دو جی ہم بہت غریب ہیں . . . . . . اس کی انگلی کاٹ کر ہیں تمہارے اوپر چڑھاؤ۔ . . . . . کہتے ہوئے اس نے اپنے دانتوں کو دبایا۔ اسکا سر کانپ اٹھا۔ وید جی چپکے سے کھسک گئے۔

لڑکا کانپنے لگا اُسے اور کھانسی آئی۔ چہرہ نیلا پڑ گیا۔ لڑکی جھک کر بھائی کی پیٹھ سہلانے لگی۔ اسکا آنچل لٹک پڑا۔

رگھو راج درازے دیکھ رہا تھا۔ رتن بھی دیکھ رہا تھا۔ رگھو راج نے رتن کو بلا کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف آنکھ ماری۔ رتن نے زور سے سانس کھینچی اور بولا "! اف کیا زندگی ہے . . . . . انکا تو بازن رہا ہے" رگھو راج نے جواب میں منہ سکوڑا۔ "دنیا ہے یار کوئی امیر کوئی غریب جو مزہ ہے اسے لیلو باقی چھوڑ دو" بیمار چپ پڑا تھا۔ لڑکی یکایک چپکے چپکے کھڑکی کی طرف دوڑی۔ سڑک پر سے ڈھول اور مجیرے کی آواز آ رہی تھی۔ رتن نے بھی دوڑ کر اپنے کمرے کے شیشے سے جھانکا۔ کالے میلے لوگ ایک جنازے کے ساتھ چل رہے تھے۔ کچھ گا رہے تھے۔ ایک ڈھولک بج رہی تھی۔ مردے پر لال کپڑا ڈھکا تھا اور چلنے میں وہ ہل جاتا تھا۔ جنازے کے پیچھے کچھ عورتیں تھیں ان میں سے ایک کے بال کھلے ہوئے تھے وہ ہو۔ ہو کرتی ہوئی چیخ رہی تھی۔ "مورکھا چھوڑ کے کتھا (کہاں) چلے گئو جیو (راجا) . . . . . . بھیڑ اسکے پاس سے سطح نکل رہی تھی رگھو راج لوٹ کر بولا "یہ تو بیاسوں (چمار) کے یہاں بھی کیا رواج ہے" ادھر پھر جھانکنے لگا۔ بیمار نے زور سے سانس لی اور سر پیر تک کپڑا تان لیا ڈھول اور ہو۔ ہو کی ملی ہوئی آواز پھر دور سے آئی۔ لڑکی کے کھڑکی پر بچے آپس میں بھن بھن کرتے ہوئے ناچ رہے تھے۔ اسکا چھوٹا بھائی نہ معلوم کب آکر اس کی بغل میں کھڑا ہو گیا تھا۔ نیچے سڑک پر ایک غبارے والا جا رہا تھا۔ لڑکے نے چیخا۔ "ایں ایں ایں اگبارہ۔ گبارہ" لڑکی نے چونکتا ہو کر

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

(ہندستان کے باہر)

جاپان جاپان کی کیبنٹ نے چار سال کی لڑائی کی اسکیم بنائی ہے۔ غالباً جاپان کا اندازہ ہے کہ یہ لڑائی چار سال تک چلے گی۔

جاپان کی شاہی کیبنٹ نے کیبنٹ کا لڑائی جاری رکھنے کا ارادہ ہے جاپانی دشمن پروپیگنڈہ توڑنے کے لئے چین میں دوسری حکومت قائم کرنیکا فیصلہ منظور کرلیا۔

شمالی چین ۸ جنوری۔ جاپانی اس کوشش میں ہیں کہ سوچاؤ جنکشن کے شمالی حصہ مینی لنگھائی ریلوے کو کاٹ لیں۔ اور یوں چینی فوجوں کی ادھر سے آمد رفت بند ہوجائے۔

۱۰ جنوری۔ سوچاؤ کے جنکشن پر جاپانی فوجیں جمع ہورہی ہیں۔ مقابلہ کیلئے جنرل چیانگ کائی شیک چار لاکھ فوج لئے موجود ہے۔ جاپانیوں نے شہر ٹسننگ اور دوسیں جو سوچاؤ سے کچھ دور ہے فتح کرلیا۔

۱۱ جنوری۔ چینی فوجوں نے ٹسننگ کے ریلوے اسٹیشن اور اسکے جنوبی حصہ پر قبضہ کرلیا۔ اب اپنی مضبوطی کر رہے ہیں۔ جاپانی فوجوں کو لنگھائی ریلوے پر حملہ کرنیکا خیال چھوڑکر ادھر آنا پڑا۔

۱۲ جنوری۔ ٹسننگ کے اس طرف شہر پر چینی محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے نہر کا پانی جم گیا۔ چینی فوراً جان پر کھیل کر نہر پار کرگئے اور جاپانیوں کو اچانک آ دبوچا۔ ایک دن اور رات گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر ٹسننگ چھین لیا۔ اب تک جاپانی اسکو دوبار فتح کرکے ہار چکے ہیں۔

۱۱ جنوری۔ خلیج ٹسننگ ٹاؤ میں پہلے سے جاپانی بیڑا تھا۔ اسکی مدد کو پانچ اور آگئے۔ پھر جاپانیوں نے شہر ٹسننگ ٹاؤ پر قبضہ کرلیا چینیوں نے مقابلہ نہیں کیا۔

۱۳ جنوری۔ ۱۷ ہزار جاپانی جو شہر ٹسنگ ٹاؤ سے ستمبر میں ہٹالئے گئے تھے اب واپس آرہے ہیں۔

صوبہ شنسنگ کا جو حصہ فتح ہوگیا ہے وہ پیکین کی حکومت میں ملالیا جائیگا۔

بیرونی منگولیا کی فوج نے، جو حکومت روس کی تربیت یافتہ ہے۔ اندرونی منگولیا کی جاپان دوست فوج پر حملہ کیا۔ اور شہر پارلی منگ سیاؤ پر قبضہ بھی کرلیا۔ جاپانی فوج کی امداد کو کمک آگئی ہے۔

۱۳ جنوری۔ دریائے یانگ سی میں غیر ملکیوں کے جہاز اگر جانا چاہیں تو اب انکو جاپانی بیڑہ کی منظوری لینا ہوگی۔ جاپان نے ظاہر کیا ہے کہ لڑائی کی ضرورت اس بات پر مجبور کرتی ہے۔

۱۴ جنوری۔ جاپانی جنگی جہازوں اور ہوائی جہازوں نے چینی جزیرہ ہینن کے خاص شہر ہوئی ہاؤ پر گولہ باری کی۔ یہ جزیرہ جنوبی چینی سمندر خلیج ٹانگ کنگ میں واقع ہے۔ اسکے دوسری طرف فرانسیسی نوآبادی، انڈوچین واقع ہے۔ اس حملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی خطرہ میں ہے۔

۱۶ جنوری۔ سوبہ کوانگ تنگ کے ساحل پر جاپانی بیڑہ بکثرت ہوائی جہاز لیکر پہونچا۔ اور کچھ گولے گرائے۔ قیاس ہے کہ جنوبی چین پر چڑھائی کی تیاریاں ہیں۔

صلح کی بات چیت ۔ مسٹر چیانگ کائی شیک ہانگ کانگ میں آئی ہیں۔ قیاس ہے کہ نئی حکومت سے صلح پر بات چیت کرنا مقصود ہے چینی اخبار اسکی تائید کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ جاپانی لوٹ کی آخر تک مخالفت کیجائے گی۔

جاپانی مال کا بائیکاٹ ۱۰ جنوری۔ برسل۔ بین الاقوامی مزدور سبھا کی فیڈریشن اور سوشلسٹ فیڈریشن کے ایک متحدہ جلسہ نے جاپانی مال کے بائیکاٹ کی تجویز پاس کردی اور جو حکومتیں جتنا بندی سے امن اسکے اصول کی اختیار کئے ہیں ان سے بائیکاٹ پر عمل درآمد کی اپیل کی گئی ہے۔ تاکہ جاپان اور چین کو روشنے سمجھا جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ "یہ ضروری ہے ہر ملک کی فرداً فرداً جتنی بھی حکومتیں ہوں ان کو شیر بنا کر لیں کہ وہ لیگ کے اصول پر عمل کریں"

تجویز میں مفصل اسکیم دی گئی ہے کہ کیسے جاپان سے لین دین مال کا تبادلہ بند کیا جائے۔ اور ایسے مال کی درآمد جسکی لڑائی میں سخت ضرورت ہوتی ہے جیسے پیٹرول کیسے بند کیا جائے۔ اس میں بین الاقوامی ہمدردی پر اور ایک دوسرے کی فوجی اور مالی مدد پر بھی زور دیا گیا ہے۔

اٹلی اور مصر کے تعلقات مصری حکومت نے اپنے قنصل جنرل متعینہ حبش کو طلب کرلیا اور اسکے عہدہ کو منتقل کردیا جو فرانسیسی سالی لینڈ کا ہے۔ اس طرح گویا مصر اور اٹلی کا ایک اور سیاسی تعلق منقطع ہوگیا۔

اس سے پہلے اٹلی بھی حبش کے کلیسا کا تعلق مصر سے منقطع کرچکا ہے حبش کا کلیسا ہمیشہ مصری اسقف کا ماتحت رہتا تھا مگر اطالوی فتح کے بعد اطالوی حکومت نے حبشی کلیسا کو اس اسقف کی نگرانی سے نکال لیا اور اپنا ایک کلیسائی عہدہ دار مقرر کردیا ہے۔

تیسرا سوال جو پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ اٹلی چاہتا ہے کہ مصر اسکے قبضہ کو حبش پر تسلیم کرلے مگر ابھی تک مصر لیا کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اطالوی سفیر نے بھی اس بات پر مصری حکومت کو آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اسکے بعد اٹلی نے نیا سفیر بھیجا ہے مگر وہ بھی اس کوشش میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکا۔

اسی کشمکش کی بنا پر اب مصر نے حبش سے اپنے سفیر کو بھی ہٹاکر فرانسیسی سالی لینڈ میں بھیج دیا ہے۔

ترکی کی جنگی تیاریاں ترکی حکومت نے اپنی پارلیمنٹ سے جنگی تیاریوں کیلئے ۱۵ لاکھ پونڈ اور خرچ کرنے کی اجازت مانگی ہے۔

اسپین۔ باغیوں نے اپنی فوج کی نگرانی کیلئے کچھ سپاہی تعینات کئے ہیں۔ کیونکہ انکی فوج کے سپاہی بھاگ کر حکومت سے مل رہے ہیں۔

اسٹریا اور ہنگری۔ اسٹریا، اٹلی اور ہنگری کی کانفرنس ختم ہوگئی۔ اسکے بعد تینوں نے اخبارات میں بیان دیا ہے۔ جس میں فرانکو کی اسپینی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔

اسٹریا اور ہنگری نے جو بیان دیا ہے اس میں مان لیا ہے کہ اٹلی نے مناسب جانا ہے کہ لیگ اقوام کو چھوڑا ہے اور انھوں نے اشتراکیت دشمن معاہدوں سے ہمدردی ظاہر کی۔

جرمنی اور یوگوسلاویا میں معاہدہ ہونے والا ہے تفصیل ابھی نہیں معلوم۔

ہندستان

یو۔ پی۔ اسمبلی

یو۔ پی۔ اسمبلی کا اجلاس ۱۰ دسمبر کو شروع ہوا۔ کارروائی سے پہلے صدر کی تحریک پر مسٹر سیلانی نہرو اور مسٹر تیاگی کی موت پر تعزیتی ریزولیوشن پاس ہوئے۔ مخالف پارٹی نے ریاست بہار کے محکمہ کے ملازموں کی تقرری کی بابت بحث کرنے کیلئے ایک تحریک التوا پیش کی لیکن صدر نے اسے رد کر دیا۔ اسکے بعد وزیر عدل و انصاف نے محکمہ کے کارخانوں کی نگرانی کا بل پیش کیا اور تحریک کی کہ بل سلکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ سر یواستو نے اسکو انقلابی بل کہکر مخالفت کی لیکن آخر کار بل سلکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

دوسرے روز کیلئے بھی تحریک التوا کے دو نوٹس تھے۔ پہلا آنریری مجسٹریٹوں کے ہٹا دینے کے متعلق اور دوسرا اس سرکلر کے متعلق تھا جو حکومت نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے نام روانہ کئے تھے کہ وہ اور کانگرسی لیڈران یکجہتی اور امداد باہمی کے اصول پر کام کریں۔ پہلا نوٹس واپس لے لیا گیا اور دوسرے کو صدر نے رد کر دیا۔ پھر یو۔ پی کورٹ فیس ترمیمی بل پیش ہوا۔ مخالف پارٹی نے غریبوں کے نام پر بہت واویلا کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور بل سلکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ اسکے بعد شاپ بل اور مزدور عورتوں کیلئے زچہ خانہ سکیم کا بل پیش کیا گیا۔ دونوں بل بھی سلکٹ کمیٹی میں دیدئے گئے۔

۱۰ تاریخ کو ظہیر الحسن لاری (مسلم لیگ) نے صدر کے جماعتی سیاست میں حصہ لینے کے متعلق بحث کرنے کیلئے ایک تحریک التوا پیش کی۔ صدر نے کہا کہ وہ جماعتی سیاست میں حصہ لینے کو انتہائی ضروری سمجھتے ہیں۔ ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ گو اکثریت انکے ساتھ ہے لیکن انکے نزدیک صدر کو پورے ہاؤس کا اعتماد حاصل ہونا چاہئے اور اگر مخالف پارٹی کے لوگ انکو صدر بنانا نہ چاہیں تو وہ بخوشی مستعفی ہو جائینگے۔ اسکے بعد مسٹر جیوالال ورمی نے بھی کانگرس کی طرف سے ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی جسمیں خطابات کے بالکل الم دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ اور وزرا سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ملک معظم کو اس کی اطلاع دیدیں کہ آئندہ سے وہ لوگ کوئی سفارش نہ کرینگے۔ نواب سر محمد یوسف۔ کنور سر مہراج سنگھ اور شیخ حبیب اللہ نے سخت مخالفت کی لیکن تجویز پاس ہو گئی۔

سوبھاش چندر بوس کانگرس کے اگلے اجلاس کے جو ہری پور میں منعقد ہونے والا ہے صدر منتخب ہو گئے۔

سوبھاش چندر بوس نے اپنے انتخاب کی خبر سنکر اخباروں کو یہ بیان دیا ہے۔

"یہ پیش گوئی کرنا کہ کانگرس آنے والے اجلاس میں کیا طے کرے گی۔ ابھی مناسب نہیں ہے۔ لیکن یہ عام طور پر مسلم ہے کہ کانگرس کے اندر کی تمام طاقتوں کو سامراج کے مقابلہ میں ملکر چلنا چاہئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں ہندستان کو دنیا سے اور قریب کرنا ہے، کیونکہ ہندستان کے مسئلے بھی دنیا کے مسئلوں کی شاخیں ہیں۔"

۱۰ جنوری۔ کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور لنکا سماج کے نمائندوں کے ایک جلسہ میں سوبھاش چندر بوس نے تقریر کی جسمیں کہا کہ کانگرس کے اندر ایک بائیں بازو یعنی کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا ہونا ٹھیک بات ہے، میں خود، چند اور ہندستانیوں کے ساتھ کانگرس کے اندر بائیں بازو میں کام کر چکا ہوں۔
انھوں نے اس بات کا وعدہ کیا کہ میں ہندستان اور لنکا میں تعلقات بڑھانے کی کوشش کروں گا۔

---

۱۲ جنوری۔ راجندر پرشاد نے اخباروں کو یہ بیان دیا ہے۔

میں بہار کی کسان سبھا کا مخالف نہیں ہوں، میں نے براہ راست اس میں کام نہیں کیا، مگر اس کی مدد کرتا رہا ہوں۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ کانگرس کی پالیسی اور کانگرس کے لیڈروں پر اعتراض کرے۔ لیکن یہ بات مناسب نہیں کہ کانگرس کے آدمی کانگرس پر تنقید کریں۔ اس سے نظم بگڑنے کا اور کانگرس کا ساکھ ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے سوامی سہجانند کا ساتھ دیا۔ لیکن جب وہ زیادہ آگے بڑھ گئے تو مجھے رک جانا پڑا۔

جب راجندر پرشاد سے جواہرلال جی کے بیان کا تذکرہ کیا گیا جس میں انھوں نے کہا ہے کہ بہار کانگرس پر اونچے لوگوں کا قبضہ ہے تو انھوں نے کہا کہ مجھے یقین نہیں جواہر لال جی نے ایسا کہا۔ اگر کہا بھی ہے تو یہ خلاف واقعہ ہے۔

۱۰ جنوری۔ ہزاروں کسانوں کا ایک بہت بڑا جلوس بمبئی اسمبلی ہال کے سامنے آیا۔ اس میں کسانوں کے بہت سے غول تھے جو مختلف جگہوں سے آئے تھے۔ انکے ہاتھوں میں جھنڈے تھے، جنپر ان جگہوں کا نام لکھا ہوا تھا۔
اجلاس ختم ہونے پر وزیر اعظم باہر آئے۔ اور کسانوں سے وعدہ کیا کہ حکومت جو کچھ انکے لئے کر سکتی ہے ضرور کرے گی۔ اور انہوں نے افسوس کیا جب کابینہ کا ایک ممبر کسانوں کے پاس جا سکتا تھا لیکن وہ لوگ اتنا روپیہ صرف کرکے بمبئی آئے۔ خود آنے سے بہتر ہوتا اگر اپنے نمائندوں کو بھیجدیتے۔

بہار کی حکومت نے جیل خانوں میں چند اصلاحوں کے نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں سے یہ ہے کہ اب تک قیدی گدھوں اور بیلوں کی طرح استعمال کئے جاتے تھے۔ مثلاً کولھو میں جوتا جاتا۔ یہ سلسلہ اب بند کر دیا جائیگا۔ اس کی جگہ کوئی اور صنعتی کام لیا جائیگا۔
جو قیدی بہت بڈھے ہیں، یا کمزور، بیمار، اور نحیف ہیں۔ مگر ابھی تک انکی قید کی میعاد نہیں پوری ہوئی ہے، اس لئے بدستور قید میں ہیں، آزاد کر دئے جائینگے۔

ماریشش میں مظالم

رام منوہر لوہیا نے اخباروں میں یہ بیان دیا ہے۔
ہمکو ماریشش میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی اسٹرائک کی خبریں پہونچی ہیں۔ اس میں آٹھ موتیں ہوئیں۔ اور سیکڑوں گرفتاریاں۔ ماریشش میں مزدوری بہت کم دیجاتی ہے۔ مزدور کی ماہوار آمدنی دس روپیہ سے لیکر پندرہ روپیہ تک ہوتی ہے۔ چھوٹے کاشتکار کے پاس بازار صرف ایک ہے۔ شکر کے کارخانے۔ اس طرح وہ ان کارخانہ داروں کی انجمن کا غلام ہے۔ اور اب ایسی ترکیبیں کیجارہی ہیں۔ کہ ذرا سے قرضہ کی ادائی میں اس کی زمین چھین لی جائے۔
یہ جھگڑے والے سب ہندستانی ہیں جنکی آبادی دو تہائی ہے۔ انکا مطالبہ ہے کہ مزدوری کے قوانین بنائے جائیں۔ کم سے کم تنخواہ کی تعداد مقرر کی جائے۔ اور شکر کی قیمت مقرر ہو۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا خبر نامہ

(منظر رضوی)

روزنامہ انقلاب لاہور نے حال ہی میں کانپور کے مسلم اور غیر مسلم اسکولوں اور اداروں کی امدادی رقم کا جو انہیں کانپور میونسپلٹی سے ملتی ہیں تذکرہ کرتے ہوئے چند بے بنیاد باتیں لکھی تھیں مطلب یہ تھا کہ میونسپلٹی میں مسلم اداروں کی حق تلفی ہوتی ہے ۱۹۳۶-۳۷ء کی رپورٹ کے مطابق کانپور میں ۱۲۰ اسکول ہیں۔ ان میں ۵۳ اسکول ایسے ہیں جن میں ہر ذات پات اور مذہب وملت کے لڑکے پڑھ سکتے ہیں۔ اور ان میں کوئی فرقہ وارانہ رکاوٹ نہیں ہے۔ اور انپر سالانہ خرچ کی رقم ۱۰۰۰ ر ۹۱ روپیہ ہے۔ مسلم اور ہندو لڑکیوں کے علیحدہ علیحدہ اسکول ہیں۔ مسلم لڑکیوں کے اسکولوں کی تعداد ۵ ہے۔ اور انکا سالانہ خرچ تقریباً ۸۰۰۰ روپیہ ہے۔ ہندو لڑکیوں کیلئے ۱۲ اسکول ہیں اور انکا سالانہ خرچ تقریباً ۵۱۸۰۰ اد(Recurring grant) میونسپلٹی اسوقت ۲۷ ایسے کتب خانوں کی امداد کر رہی ہے جو ہندوؤں کے انتظام میں ہیں، ۱۹ ایسے کتب خانوں کی جو مسلمانوں کے انتظام میں ہیں، اور تین ایسے کتب خانوں کی جو دوسرے فرقہ والوں کے انتظام میں ہیں۔ اسی طرح ۱۱ مسلم اسکولوں، ۳۳ ہندو اسکولوں اور ۱۲ دوسرے اسکولوں کو امداد ملتی ہے۔ ہسپتالوں اور دوا خانوں کی بھی یہی حالت ہے۔ جنمیں ۴ مسلمانوں کے انتظام میں ہیں، ۱۹ ہندوؤں کے اور ۳ دوسروں کے انتظام میں ہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ دوا خانے۔ اسکول اور کتب خانے کسی خاص فرقہ کے لئے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ ان سے فائدہ ہر فرقہ اور مذہب کے لوگوں کو برابر کا پہنچتا ہے۔ یہ پابندی کہیں نہیں ہے کہ فلاں ہسپتال میں علاج صرف مسلمانوں کا ہوگا اور ہندوؤں کا نہیں یا فلاں اسکول میں صرف ہندو بچے تعلیم پائینگے اور مسلم بچے نہیں۔ فرق ان میں صرف اتنا ہے کہ انمیں سے کسی کا نظم ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہے کسی کا مسلمانوں کے۔

انقلاب نے حلیم مسلم ہائی اسکول کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ بورڈ کے اجلاس میں جب اسکی امداد کی تجویز پیش ہوئی تو ہندو ممبروں نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ تجویز خود ہی خطرے گر گئی۔ اور اسکول کو امداد نہ مل سکی۔

کانپور میونسپل بورڈ نے اپنی تجویز مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۶ء (۱۴) کے ذریعہ حلیم مسلم ہائی اسکول کیلئے ہی نہیں بلکہ اسکے علاوہ اور بھی پانچ اسکولوں کیلئے جن میں مسلم بچوں کی مجموعی تعداد ہزاروں کے لگ بھگ ہے دس ہزار کی رقم کی منظوری کی سفارش کی ہے۔ اور ممبروں سے حالات کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے رپورٹ طلب کی ہے جو عنقریب بورڈ میں پیش ہونے والی ہے۔

باقی صفحہ

کھیت والوں کیلئے :۔

۲۳۔ زمینداری اور تعلقداری کے علاقوں میں زمین کی ملکیت کو بلا معاوضہ ادا کئے ختم کر دیا جائے۔

۲۴۔ امداد باہمی کے طریقے پر کھیتی کرنے والے لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔

۲۵۔ بقایا لگان ختم کر دیا جائے۔

۲۶۔ ان کسانوں سے جن کے کھیت اتنے چھوٹے ہیں کہ گذارے کے لئے بھی کافی نہیں ہیں، کوئی لگان یا محصول نہ لیا جائے۔

۲۷۔ لگان اور مال گذاری میں کم سے کم ۵۰ فیصدی کمی کر دی جائے۔

۲۸۔ کسان سے جو نذرانے، بے گار اور رسد وغیرہ کے قسم کی چیزیں لیجاتی ہیں وہ بند کی جائیں اور ان کا لینا جرم قرار دیا جائے۔

۲۹۔ لگان یا قرضے کی ڈگری کی تعمیل کے سلسلے میں کسان کا مکان اس کی کھیتی کے ذرائع اور اس کے کھیت کا وہ حصہ قرق نہ کیا جائے جو ایک معمولی کسان کے خاندان کے گذارے کیلئے ضروری ہے۔

باقی صلا

اس طرف دیکھا اور جھٹ سے اپنے ہاتھ سے اسکا منہ بند کر دیا۔ شور کرنے پر اپنے ہر لڑکے کو دو تین چانٹے مارے پھر، ملزم، کو اٹھائے گیا یکایک کوئی سڑک پر ٹھٹھا مار کر ہنسا۔ بیار رہا۔ رتن دروازے سے دیکھ رہا تھا۔ زمین پر پڑا ہوا کفن اور خون اسکے دل میں ڈر پیدا کر رہا تھا۔ اتنے میں لڑکی کی لمبی چوڑی پرچھائیں دیوار پر چلتی ہوئی نظر آئی۔ گھر میں سب لوگ چپ تھے۔ سناٹے سے ایک آواز سن، سن، کی نکل رہی تھی۔ جیسے، ات بول رہی ہو۔ تیوہار والوں کی بھیڑ باہر چل رہی تھی۔ ان کی ہنسی اور شور بیچ بیچ میں سناٹے کو توڑ دیتے تھے۔ رتن نے اپنی جیب تھپتھپاتے ہوئے، رگھوراج سے کہا "یہاں سے چلو۔"

پھر دونوں جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

[ہندستان عوام فروخت کیلئے]

نمونہ نمبر ۱

فارم اطلاعنامہ حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

بعدالت جناب بابو رام چرن صاحب بہادر، اسپیشل جج درجہ دوم اعظم گڈھ

نمبر اندراج کیس ۳۲۴ ۱۹۳۶ء

ہرگاہ رام چرن سنگھ و چندر بلی سنگھ پسران رگھو بیر سنگھ و اودت سنگھ پسر رام چرن بیر سنگھ و دھنیر سنگھ و ستہ بو سنگھ نابالغان پسران رام چرن نہیر سنگھ بولایت رام چرن نہیر سنگھ پدر خود و رام لکھن سنگھ و رام سرن سنگھ و دیا رام سنگھ نابالغان پسران اودت سنگھ بولایت اودت سنگھ پدر خود و رام دیو سنگھ و چرتی سنگھ نابالغان پسران چندر بلی سنگھ بولایت چندر بلی سنگھ پدر خود ساکنان بہیا بھدیا پرگنہ اترولیا ضلع اعظم گڈھ نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے۔ لہٰذا اس تحریر کی رو سے حسب دفعہ ضمنی ا دفعہ ۱۱ ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل ضمیمہ ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ یا حقداران نے حسب دفعہ اسلاکران مذکورکی جائداد بتایا ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور پر کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو تاریخ گزٹ سے جو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ ہے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں اس حاکم کے روبرو اپنی عرضی پیش کرے جسکے دستخط ذیل میں ثبت ہیں۔

ضمیمہ (الف)

قرضدار کے استحقاق مالکانہ متعلقہ آراضی

نمبر سلسلہ	نام ضلع	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱	اعظم گڈھ	زمینداری	بہادرن پٹی پرگنہ اترولیا پٹی رگھوبیر سنگھ کھاتہ کھیوٹ نمبر ۱	موروثی	۱۲ گنڈا ۸ جھنہ	۸/۷/۶
۲	〃	〃	منڈوہی پرگنہ اترولیا پٹی مذکور کھاتہ کھیوٹ نمبر مذکور	〃	〃 〃	۱۷/۱۵/۱
۳	〃	〃	بہیا بھدیا پرگنہ پٹی مذکور کھاتہ کھیوٹ نمبر ۲	〃	موازی ۳ جھنہ	۶۱/۱۴/-

آج تاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ء میرے دستخط و مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ دستخط دستخط انگریزی حاکم

جلد ۲ نمبر ۵ | لکھنؤ ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ سےر

اسپینی حکومت کی طاقت

ٹرول پر اسپینی حکومت نے ایک بڑی فتح حاصل کر لی جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسکی فوجیں چھوٹے حملے کرنے، اور تیز نقل و حرکت کے لئے کیسی اچھی تیار ہیں۔ لیکن حکومت کے افسروں کا خیال ہے کہ پہلے سال چھ مہینہ کے اندر اپنی فوجوں کے لئے اتنے اسلحہ تیار کر لئے جائیں جتنے فرانکو کے پاس ہیں اور فوجوں میں اور آبادی میں ذرا اطمینان کی لہر دوڑ جائے تو پھر بڑا حملہ شروع کیا جائے۔ فرانکو سے مزدور اور کسان بیحد بدگمان ہیں۔ اسوقت اسکی ساکھ صرف چھوٹی چھوٹی فتحوں سے بچی ہوئی ہے، اگر یہ رک گئی تو خود اسکی فوج میں بغاوت ہو جانیکا اندیشہ ہے۔

اسوقت حکومت کے پاس پچاس لاکھ اچھی تیار فوج ہے اور بہت عمدہ بتازہ دم ایک لاکھ محفوظ فوج ہے۔ یہ پورے بھروسے کی فوجیں ہیں۔ اور جب ضرورت ہو ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔ غیر ملکی لوگوں کی فوجیں جنھوں نے برنلے اور دوسرے مقاموں پر بہادری دکھائی چند ہزار سے زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ لوگ اب مختلف فوجوں میں بٹے ہوئے ہیں کیونکہ انپر بالکل بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ پرانی اسپینی فوج اب کسی شمار قطار میں نہیں۔ اسکو بڑی سخت ڈسپلن میں رکھنا پڑتا ہے۔

اسلحہ کے کارخانے کیٹالونیا میں ہیں۔ وہاں صرف چھوٹے ہتھیار ہی نہیں، بلکہ ٹینک، بھی تیار ہوتے ہیں اور ہر مہینے تیس چالیس ہوائی جہاز بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کارخانوں میں ترقی دی جا رہی ہے، اور امید ہے کہ جلدی ہی ہوائی جہازوں کی تیاری دگنی ہو جائیگی۔ ہوابازوں کی کمی نہیں۔ اسی لئے اسپینی ہوا باز اسپین میں اور [illegible] سکھائے جا رہے ہیں۔

جب اک رخی غیر جانب داری کی اسکیم چل رہی تھی تو اسپین میں صرف دو جگہ سے اسلحہ پہونچ رہے تھے۔ روس اور میکسیکو۔ روس نے اسپینی حکومت کو بچایا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی لئے اسلحہ کے کارخانے کھلوائے اور اپنے یہاں کے ماہر بھیجے۔

اخبار نگار دنیس کے ایک نامہ نگار نے لکھا ہے مواد اسی مضمون سے لیا گیا ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسپینی کمیونسٹوں کی بہادری میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور فسطائی دشمن جماعتوں میں سب سے زیادہ جوش سے کام کرنے والی جماعت کمیونسٹ پارٹی ہے۔ میڈرڈ میں کمیونسٹوں کی بڑی عزت ہے۔ کسان اور مزدور ان پر بھروسا کرتے ہیں۔ فسطائی دشمن پارٹی کے لوگ اوسط طبقہ کے نوجوان اور بڑے بڑے لیڈر جیسے جنرل میاجا وغیرہ اگر کمیونسٹ نہیں ہیں تو کمیونسٹ دوست ضرور ہیں۔

لیکن جب سے جنگی سامان اسپین میں تیار ہونے لگا ہے حکومت کے کچھ لوگ اس سے اور کمیونسٹوں سے گھبرانے لگے ہیں۔ اس میں وہ لوگ ہیں جو پرانے کمیونسٹ دشمن ہیں۔ جیسے انارکسٹ لوگ اب تک فوجوں کی بہترین سالاری کمیونسٹ جماعت کے سیاسی لیڈروں نے کی تھی لیکن اب حکومت ان سے گھبراتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ فوجوں کو آزاد خیال بنائے دے رہے ہیں۔ اس لئے حکومت سالاری دوسری جماعتوں کو دے رہی ہے۔ یہ بات آگے چلکر بہت مضر ہوگی۔ وہی سپاہی جوش سے مرتا ہے جو سمجھتا ہے کہ ہم کرائے کے ٹٹو نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے لئے

ڈر رہے ہیں۔ اگر جیت گئے تو ملک کی دولت کا ایک حصہ سلامت اپنا ہوگا۔ فرانکو کو اسی تعلیم سے گھبرانا چاہئے۔ گر اسپین کو نہیں۔

فرانکو ایک بڑی چڑھائی کی تیاری مدتوں سے کر رہا ہے۔ گر اسکی نوبت نہیں آئی۔ اور نہ شاید آئے۔ اس نے خیال کے غیر محفوظ خطے میں فتوحات حاصل کر کے اپنی دھاک ضرور جمالی، مگر اب جیتے ہوئے شہروں کے مزدوروں اور کسانوں پر قبضہ جمانا مشکل نظر آتا ہے ممکن ہے کہ فرانکو ایچ دن کی کانوں پر قبضہ کرے یا اسی طرف کچھ اور فتوحات کرے لیکن اسکی جنگی اہمیت کچھ نہیں ہے۔

جب اس نے میڈرڈ کے آس پاس کے شہریوں پر بم پھینکے۔ ہمیں تو خیال ہوا تھا کہ اب میڈرڈ پر حملہ ہوگا۔ لیکن میڈرڈ اتنا محفوظ ہے اس پر حملے ہونے سے ایک اکھاڑ ضرور ضائع ہوگی۔ نتیجہ کسی کو نہیں معلوم۔

اگر دوباتوں کا خوف نہ ہوتا تو حکومت کی فتح یقینی تھی۔ ایک یہ کہ ایک بار پھر غیر جانبداری کی اسکیم پر سختی سے عمل ہو اور اسپین کے بیرونی دنیا سے تعلقات بند ہو جائیں۔ اور دوسرا یہ کہ جرمنی اور اٹلی فرانکو کو جنگی سامان اتنا دیدے کہ حکومت کی کی کرائی محنت بیکار ہو جائے۔

اگر چین کی لڑائی یوں ہی طول پکڑ گئی۔ تو اٹلی اور جرمنی کو جنگی سامان دینے میں تامل ہوگا کیونکہ انکو ہر وقت عالمگیر لڑائی کا ڈر لگا ہوا ہے۔

جاپانی حملہ کا نیا رُخ

ایک چھوٹے سے جاپانی بیڑے نے صوبہ کوان ٹنگ کے ایک مقام پر گولے گرائے۔ یہ صوبہ جنوبی چین میں سب سے زیادہ زرخیز مقام ہے اور جس جگہ گولے گرائے گئے ہیں وہ کینٹن اور پرتگال کے غلام ملک مکاؤ کے درمیان پڑتا ہے۔ اس وقت چینی حکومت کے پاس اچھا بندرگاہ صرف کینٹن ہے، اگر اس پر بھی جاپان کا قبضہ ہوگیا تو چیانگ کائی شیک کے لئے سمندر لگ بھگ بند ہو جائیگا۔

اسوقت جو حملہ ہوا ہے وہ بہت معمولی ہے، اور کسی طرح بندرگاہ نہیں بند کرتا لیکن امکان ہے کہ یہی لڑائی طول پکڑ لے۔ کیونکہ چینی فوجیں حملہ کی خبر سنکر ادھر روانہ ہو چکی ہیں اور جاپان بھی اپنے رکھ رکھاؤ کے خیال سے یہ نہیں کر سکتا کہ دو چار گولے گرا کر چلا جائے۔

ابتک تو جاپان کا ارادہ تھا کہ پہلے شمالی چین پر قبضہ جما لیا جائے۔ پھر جنوبی چین پر حملہ ہو۔ لیکن شنگھائی کے محاصرے پر اور لسننگ کی لڑائی میں چینی فوجوں نے بتا دیا کہ انکا دبانا آسان نہیں۔ اس لئے جاپان نے سوچا ہوگا کہ سر دست جاپانی بیڑے کا بڑا حصہ خالی ہے۔ وہ اگر کینٹن کا محاصرہ کرے تو جاپان کا زیادہ نقصان نہیں ہوگا لیکن چینی فوجوں کو لسننگ کا مورچہ چھوڑ کر ادھر آنا پڑے گا۔ اور اسی طرح وہ دو حصوں میں بٹ جائے گی

— باہری ملکوں سے لڑائی کا سامان چینی سمندری راستوں سے آ رہا ہے۔ کینٹن کے محاصرے سے یہ راستہ بند ہو جائے گا۔

جس مقام پر گولے گرتے ہیں وہ برطانوی نوآبادی ہانگ کانگ سے صرف چالیس میل کے فاصلہ پر ہے اگر یہاں مورچہ جم گیا تو پھر انگریزوں کو احتجاج کرنے اور جاپان کو معافی مانگنے کے بہت سے موقع ہاتھ لگیں گے۔

حساب سے دوسیر غلہ کس نے اٹھایا

ہندوستان میں یا کسی اور ملک میں اگر پیداوار بہت ہو جاتی ہے تو غلہ جلا دیا جاتا ہے۔ ورنہ بھاؤ گر جاتے اور کسانوں کو پیداوار سے کم رقم ملے۔ جس سے وہ لگان ادا کر سکیں۔ اور دوسری طرف مل کی بنی چیزیں نہ خرید سکتی۔ اس سے ملوں کی چیزیں بھی بہت سستی ہو جائیں۔ کارخانے داروں کا نفع رکنے لگے اور مل بند ہونے لگیں یعنی ملک میں کساد بازاری پھیل جائے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ یہاں غلے اور تمام چیزوں سے فائدہ مٹھی بھر لوگ اٹھاتے ہیں۔

لیکن روس میں ابھی تک بھاؤ نہیں گرا اس کا مطلب یہ ہے کہ روس میں عوام کے پاس پیسہ ہے اور وہ غلہ خرید سکتے ہیں۔ پیسہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نئے دستور میں روسی حکومت نے ہر شخص کے روزگار کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر کوئی شخص بیکار رہ جائے تو وہ حکومت پر مقدمہ چلا سکتا ہے۔

اسٹالن اور ٹراٹسکی میں شروع کے اختلافات کی خاص وجہ یہی تھی کہ ٹراٹسکی کا خیال تھا۔ ابھی کاشتکاروں کو سوشلزم کی طرف نہ بلانا چاہئے کیونکہ ان میں ذاتی ملکیت کی محبت بہت ہوتی ہے ایسا کرنے سے بغاوت اٹھ کھڑی ہوگی۔ لیکن اسٹالن کو کسانوں کا زیادہ تجربہ تھا۔ اسی کا خیال تھا کہ کسان ہی ویسا ہی آدمی ہے جیسے سب۔ وہ بھی اچھی زندگی کا خواہش مند ہے۔ اگر سوشلزم اس کے فائدے کی چیز ہے تو ضرور ادھر آئے گا۔

وقت نے ثابت کر دیا کہ اسٹالن کا کہنا ٹھیک تھا اسوقت ۹۰ فیصدی کاشتکار سوشلزم کی اصول پر کاشت کر رہے ہیں بڑھ چڑھ کر اس کے ذریعہ سے جھوٹی سچی خبریں۔ بیہودہ تصنیفیں خلاف عقل باتیں نا واقفوں میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ آتشیں جھوٹ۔ یہ ایسی اسکی خبر جہاں دیہاتوں کے لوگوں، اور جنگلوں کی ... بھی ہوتی ہے۔ وہاں دنیا سے دور بسنے والے بھولے بھالے لوگوں کے دماغوں میں ... ایسا زہر اتر جاتا ہے۔ وہ بیچارے اتنی دور سے آئی ہوئی۔ بڑے لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں پر یقین لے آتے ہیں۔ اس طرح زہر ان میں پیوست ہو جاتا ہے۔ اور اور پھر ان سے۔ انکے بچوں کو لگ جاتا ہے۔

جن حضرات کے پاس اخبار وقت سے نہ پہونچتا ہو وہ براہ کرم خط لکھتے وقت پتہ کے نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

روسیون کا کھاتا

ایک خبر ہے کہ اسوقت روس مین ۔
"ترانوے فیصدی کاشتکار ۲۴۲۰۰۰ ہو کشت زار وں مین امداد باہمی کے اصول پر کاشت کر رہے ہین ۔ اسوقت کاشتکار ون کی انجمنون کے پاس ۳۶۷۰۰۰ ہل چلنے کی مشینین ، اور ۵۰۰۰۰ اکٹا ڈ کی مشینین اور لاکھون قسم کی دوسری مشینین ہین جو کاشتکار ون کے کام آتی ہین روس نے زراعت مین سب ملکون سے زیادہ ترقی کی ہے ۔

۱۹۳۷ء مین ۱۱۳۰۰۰۰۰۰ من غلہ پیدا ہوا ہے ۔
اور ابھی حکومت اور زیادہ ترقی دینے کی فکر مین ہے ۔

خطابات کی ناقدری

بمبئی اسمبلی نے ایک قرار داد اس مضمون کی پاس کی ہے کہ خطابات اور مختلف قسم کے اعزاز جو گورنر جنرل یا ملک معظم کی طرف سے دئے جاتے ہین بند کر دئے جائین ۔

اس بات پر بحث کرنا کہ خطابات دینا اصولی حیثیت سے کیسا ہے بیکار ہے ۔ اسوقت ہندوستان مین یہ چیز سخت ذلیل ہے ۔ یہان غیر قومون کی حکومت ہے ، اور وہ صرف اسی لئے بادشاہت کرتے ہیں کہ یہان سے روپیہ لوٹین اس کے لئے طرح طرح کی چالبازیان کرنا پڑتی ہین ۔ خاصکر اب ، جب کہ ہندستانیو کو محسوس ہو گیا ہے کہ بری طرح لوٹے جا رہے ہین

اب جسے خطابون کی لالچ ہو برطانیہ کی چالبازیون مین شریک ہو ۔ ہندستانیون کو دم دلاسا دیکر خاموش کرے ۔ ان کو سمجھائے کہ انگریزی حکومت ایک طرح کی برکت ہے اور غریبی ایک قسم کی روحانی دولت ہے ۔ ان کو طرح طرح کی بھول بھلیا ں مین پھانستا رہے ۔ گویا کہ خطاب بے ایمانی اور غداری کی قیمت ہین ۔ جو خطاب یافتہ ہے وہ ہندستان کے مزدورون کا دشمن کسانوں دشمن اور تعلیم یافتہ بیکارون کا دشمن ہے اور انگریز سرمایہ دارون کا وفادار خادم ہے ۔ اگر

اس مین شبہ ہو تو تمام خطاب یافتہ لوگون کے اعمال سامنے دیکھ لیجئے ۔ انہون نے محروم جماعتون کے ساتھ کیا کیا اور بیکارون کے لئے کیا کیا ؟
خطاب قوم کی اخلاقی حالت بگاڑتے ہین ۔ کیونکہ نوجوانون کے سامنے ترقی ، اور عزت کے غلط معیار رکھتے ہین

اسی سلسلہ مین معاصر اجمل کا بیان ملاحظہ ہو

"بمبئی اسمبلی مین خطابات پر جو مباحثہ ہوا اس مین ایک مسلم لیگی "خان بہادر" نے قرآن مجید سے خطابات کی حمایت مین یہ آیت پیش کر دیا اللہ تعالے نے حضرت آدم سے کہا (انا جعلنا کھ فی الارض خلیفہ) اور یہ بھی کہا کہ حضرت ابراہیم کے لیے خلیل اللہ حضرت اسمٰعیل کے لئے ذبیح اللہ حضرت عیسی کے لئے روح اللہ اور حضرت ابو بکرؓ کے لئے صدیق اور حضرت علیؓ کے لئے مولی اگر خطابات نہ تھے تو اور کیا تھے ۔"

اور آپ کے لئے "خان بہادر" ۔ ؟

اسپین

۲۲ ، جنوری ، چوتھی حملوں کا مارا شہر ٹرول اس وقت بلا مالک کی زمین بنا ہوا ہے جس پر حکومت اور باغی دونوں اپنے اپنے مورچوں سے قبضہ جمانے کے لئے حملوں پر حملے کر رہے ہیں ۔ اس ہفتہ ہوائی حملے اور توپ بازی بہت بڑھ گئی ہے ۔ باغیوں نے بائیں رخ سے حملہ کیا ہے ، اور ٹرول کے گرد گھومتے ہوئے ، اسکو گھیرتے چلے جا رہے ہیں اور اسی کوشش میں ہے کہ دائرہ برابر چھوٹا ہوتا جائے ۔ اس وقت باغیوں کے قبضہ میں لام دیلا ہے ۔ یہ مقام ایک مثلث نا پلیٹو ہے جسکی چوٹی ٹرول کے جنوب مغرب کی طرف جھکی ہوئی ہے ۔ حکومت کے پاس سانٹا بار بارا ہے جو بڑا ٹیلا ہے ، اور ٹرول کے شمال مشرق پر جھکا ہوا ہے ۔ اور سان سیبو تو ہے جو اسی سے اونچی ایک پہاڑی ہے ۔ لڑائی کے میدان میں جا کر پتہ چلتا ہے کہ ٹرول اسی کے قبضہ میں رہ سکتا ہے جس کے پاس لاموولا ، اور سانٹا بار بارا ہے ۔ اس لئے باغی سانٹا پر بہت مستعدی سے حملہ کر رہے ہیں ، اور حکومت کی فوجیں بہت بہادری سے بچاؤ کر رہی ہیں ۔

عدل و انصاف

جمعیۃ العلماء کانفرنس گورکھپور نے ایک تجویز پاس کی ہے ۔
"تجویز ۸ (الف) جمعیۃ العلماء گورکھپور کا یہ عام جلسہ زمیندار اور کسان کی اس کشمکش کو جو صوبہ یوپی میں رونما ہے تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ اور حکومت سے توقع کرتا ہے کہ وہ بہت جلد ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہو جائے گی جو موجودہ کشمکش کا خاتمہ کرنے اور زمیندار کسان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مفید ثابت ہو گا ۔ اور اس معاملہ میں قانونی حیثیت میں ایسی احتیاط برتی جائیگی کہ وہ جانبین کے لئے اصول عدل و انصاف کے خلاف نہو ۔"
اسی کسان اور زمیندار کے جھگڑے کے لئے ایک معاصر لکھتا ہے ۔
"یکسا اعتدالی خط قائم کر کے دونوں کو تباہی سے بچانے کی کوشش نہیں کی جاتی"

نہ تو جمعیت علمائے بتایا کہ عدل و انصاف کی حد کہاں ہے، اور نہ معاصر نے کہ اعتدال کا خط کہاں ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ عدل و انصاف" اور اعتدال کا خط ہمیشہ سرکتا رہتا ہے کبھی کاشتکار کی طرف دب آتا ہے، اور کبھی زمیندار کی طرف مثال میں ایک کاشتکار کو لیجئے۔ اسے کیا کیا ادا کرنا پڑتا تھا۔

لگان	۵ روپیہ	
سال میں دو بار گڑ کی بیلی مفت جسکا کرایہ	ایک	۰
فصل کٹنے پر مکان بنانے یا شادی بیاہ کرنے پر زمیندار کو نذرانہ	"	"
قصد پر جرمانہ	"	۰
زمیندار کے گھر شادی بیاہ ہو تو نذرانہ	"	"
باقیانہ موٹرانہ وغیرہ	"	۰
دس روپیہ		

زمیندار زمین دینے سے پہلے کاشتکار سے یہ حقوق طے کر لیتا تھا۔ کاشتکار جہاں جاتے انھیں حقوق کا سامنا تھا۔ وہ مجبوراً مان لیتا تھا گویا کہ "عدل و انصاف کی سوئی دس روپیہ پاکر ٹھہر لی تھی۔ اگر کوئی صرف آٹھ روپیہ لیتا تو اسکا فعل 'عدل و انصاف' کی حدوں سے نکل کر رحم و ترس میں داخل ہو جاتا لیکن کاشتکار کی بھوک کا مطالبہ تھا کہ ایک پیسہ بھی نہ دو۔ ان میں سے اکثر دل جلے کبھی کبھار اس اٹل قانون کے خلاف بغاوت کر دیا کرتے تھے جس پر خوب مارے پیٹے جاتے، نمک حرام اور بے ایمان کہے جاتے، جس سے دوسرے کسانوں کو عبرت ہوتی۔

جنگ عظیم ہوئی اس نے مہنگی بہت بڑھا دی ـــــــــــــــــــ جس زمیندار کے گھر میں پہلے گھی روٹی کھائی جاتی تھی وہاں صرف روٹی رہ گئی تھی جو لوگ زمین کے مالک ہوں، وہ یوں مصیبتیں جھیلیں! جب "مائی باپ" بھگت رہے ہوں، تو بیٹوں کو بھی بھگتنا چاہیئے۔ اسی لئے زمینداروں نے حکومت سے لگان بڑھانے کی اجازت چاہی۔ اس دور کے اخباروں اور تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی یہ مطالبہ بالکل "عدل و انصاف" نظر آیا حکومت نے اپنے لاڈلوں کی درخواست منظور کر لی اور چھ آنہ فی روپیہ تک لگان بڑھانے کی اجازت دیدی۔ عدل و انصاف کی سوئی آگے بڑھی۔ اعتدال کا پارہ اوپر چڑھا۔ اور دس روپیہ دینے والے کاشتکار کو بارہ دینا پڑے۔

لگان پہلے ہی بہت زیادہ تھا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ عدل و انصاف نے اور 'اعتدال' نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ مہنگی صرف زمینداروں کے لئے ہی نہیں ہوئی ہے۔ کاشتکار بھی اس آفت میں پھنسے ہیں۔ اور انکے معدے ابھی تک اتنے ہی بڑے ہیں جتنے پہلے تھے مشقت کرنے سے جتنا خون پہلے جلتا تھا۔ اب بھی جلتا ہے اگر پہلے انکو سیر بھر یومیہ خوراک کی ضرورت ہوتی تھی، تو اب بھی ہوتی ہے زمینداروں کو ایسی باتیں کہاں سوجھائی دیتی ہیں وہ بچارے کسانوں کی ضروریات سے ایسے ہی ناواقف ہوتے ہیں جیسے سیمرغ کی ضروریات سے انکے دماغ میں تو یہ خیالات پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ تو عادی ہوتے ہیں مصیبت کے۔ ان لوگوں کی تندرستیوں کا کیا کہنا مٹی بھی کھا لیں تو خون بنا لیں۔ اس طبقہ کے شاعروں نے بھی اس ذلیل زندگی کو خوب خوب رنگ دیئے۔ قوس وقزح اور شفق کے سارے رنگ اسی میں بھر دیئے انکو دکھائی دینے لگا کہ اس زندگی سے سکون ہے اطمینان ہے۔ محبت ہے اور ایمان،

ہمارے کسان پہلے ہی سے ادھ مرے ہو رہے تھے انصاف' اور اعتدال کی یہ پوری مار نہ سہہ سکے۔ انھوں نے جگہ جگہ لگان ادا کرنے سے انکار کر دیا جو وصول کرنے آیا اسے مار پیٹ کر بھگا دیا۔ کبھی کبھی تو جان سے مار ڈالا بعض بعض مقاموں پر کھلی بغاوتیں کیں۔ اودھ کی بغاوت اسی قسم کی تھی۔ یہ دیکھکر زمینداروں نے عدل و انصاف کی پوری کل گھمائی۔ پولیس عدالت جیل خانے اور وغیرہ میں بندوقیں مشین گنیں اور ہوائی جہازوں کے بم سب چالو ہو گئے۔

مولویوں اور پنڈتوں نے کسانوں کو غریب رہنے کے فائدے سمجھائے بھوک کی خوبیاں بتائیں۔ بعض کانگریسیوں نے بھی زمینداروں کی دوستی کا حق ادا کیا اور کاشتکاروں کو سمجھایا بجھایا جب نہ مانے تو پولیس کے ڈنڈوں کی مدد سے انکو عدم تشدد کی تعلیم دیدی۔ ان دلیلوں نے 'عدل و انصاف' اور اعتدال کی سوئی کو بارہ روپیہ سے نیچے نہیں اترنے دیا۔

جہاں پر کاشتکار پولیس کی چوکیوں اور تھانوں کے جال میں جکڑے تھے وہاں کھلم کھلا بغاوت نہیں کر سکے۔ انھوں نے پیٹ پالنے کے لئے زیادہ خطرناک راستے اختیار کئے۔ چوری اور ڈاکا۔ عدل و انصاف نے اس ظلم و ستم کو روکنے کی پوری کوشش کی۔ پولیس بڑھائی گئی۔ خفیہ پولیس بڑھائی گئی چور اور ڈاکو پکڑے جانے لگے۔ عدالت میں پیش ہوئے۔ ججوں نے خون کرنے والے کو پھانسی لوٹنے والوں کو عمر قید کی سزا دی۔ سزا دینے میں پورا انصاف کیا یعنی امیر غریب راجا، پرجا، شریف رذیل سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ اب اسکو کیا کیا جائے کہ جرم کرنے والے سب کے سب غریب تھے، پرجا تھے اور رذیل تھے۔

کاشتکاروں کو اس طرح لڑنے میں کامیابی ہوئی اور 'عدل و انصاف' کا قلعہ ویسا ہی بنا رہا۔ لیکن ایک ہی طرح کے دکھ درد نے ان میں اسکا اثر پیدا کر دیا جس کے بل بوتے پر انھوں نے نئی طرح سے لڑائی چھیڑی بیگار کو ٹالتے گئے بیل کی گاڑیاں بھیجنا بند کر دیں۔ نذرانوں میں بھی کمی کرنے لگے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوا کہ جب زمیندار نے کسی کو بے دخل کر کے زمین خالی کی تو کوئی لینے پر راضی ہی نہیں ہوا۔ اب زمیندار کا حق تو بدستور تھا، وصول کرنے کی ہمت نہ تھی یہ تسلیم کر لینا کہ تمہارے ایکے سے ہم دب گئے اور اب ہم میں حق لینے کی طاقت نہیں۔ بہت برا ہوتا۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہوتا کہ اگر تم اور زیادہ ایکا کر لو، تو ہم کو اور زیادہ دینا پڑے گا۔ اسی لئے زمینداروں نے "ہنسی خوشی" اپنے حقوق چھوڑنا شروع کئے کاشتکاروں کی امید کا ستارہ چمکا اور 'عدل و انصاف' کا پارہ اترنے لگا۔ بارہ کے دس رہ گئے۔

اسی اثنا میں کانگریس کا الیکشن آیا، اونچے کاشتکاروں کو ووٹ ملے، کانگریس نے کاشتکاروں کو جیتنے کے لئے لگان گھٹانے کے وعدے کئے کاشتکاروں کی ہمت جوان ہو گئی، انھوں نے کانگریس کو راج دلا دیا۔ عدل و انصاف کے پارے کو پولیس فوج کی طاقت جتنا سنبھال سکتی تھی سنبھالتی رہی۔ لیکن کسانوں کی متحدہ طاقت زیادہ زبردست نکلی۔ اب اس پارے کو نیچے اترنا پڑے گا۔

اب جمعیۃ العلماء کو بتانا چاہیئے کہ 'عدل و انصاف اور اعتدال' کو کہاں پر روکنا چاہیئے اور کس طرح روکنا چاہیئے ایسی طاقت کہاں سے آئے گی جو ۳۴ کروڑ کا ایکا توڑ دے اسکو سمجھا دے کہ انکی غریبی انکے لئے بڑی اچھی چیز ہے اور انکو ہمیشہ کے لئے 'عدل و انصاف' کے نام پر دبا دے،

چین کا سوال

چنگاریاں

۷ جولائی کا واقعہ ہے پیپنگ کے نزدیک جاپانی سپاہی چاندماری کی مشق کر رہے تھے، اسی سلسلہ میں آدھی رات کے بعد ان سپاہیوں نے اپنے ایک دوسرے سپاہی کو ڈھونڈنے کے بہانے پیپنگ شہر میں گھسنا چاہا جاپانیوں کو اس شہر میں گھسنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ شہر کے چینی افسران نے جاپانی سپاہیوں کو گھسنے کی اجازت نہ دی۔ جاپانیوں کو بہت ناگوار خاطر ہوا انھوں نے چینی شہریوں پر حملہ کر دیا۔ آخرکار چینی گارڈ کو اپنے بچاؤ کیلئے گولیاں چلانی پڑیں۔ بس جاپان کو چین سے لڑائی چھیڑنے کا اچھا بہانہ مل گیا۔ وہ تو تیار بیٹھا تھا کہ کوئی موقع ملے اور چین کے کسی ایک حصے کو ہڑپ کر لے۔

اس حادثہ پر بات چیت ہو رہی تھی کہ ۹ اگست کو شنگھائی میں ایک واردات ہو گذری۔ شنگھائی میں ہنگ جو ایروڈروم کے پاس دو جاپانی سپاہی اچانک کئی چینی سپاہیوں سے بھڑ گئے۔ وہ زبردستی ایروڈروم میں گھسنا چاہتے تھے لہذا اس جھگڑے میں ان دونوں جاپانی سپاہیوں کی جانیں گئیں بس اب کیا تھا جاپانی بیڑے کے ایڈمیرل نے اس واقعہ کے بدلہ لینے کی غرض سے فوراً یہ مانگ پیش کی کہ شنگھائی کے آس پاس ۳۰ میل کے دائرہ میں ایک بھی چینی سپاہی نہ رہنے پائے اور اس حد میں چینی سرکار کی طرف سے جتنی مورچہ بندیاں ہوئی ہیں وہ سب توڑ دی جائیں۔ اس بے عزتی کو چین کی سرکار کس طرح سہہ سکتی تھی؟ اس نے شنگھائی میں رہنے والے چینی سپاہیوں کی فوج کی حفاظت کیلئے نینکنگ سے فوراً ایک فوج شنگھائی روانہ کر دی۔ جاپان بہت ناراض ہوا۔ اس نے کہا کہ ۱۹۳۲ء کے صلحنامہ کی شرطوں کو نانکنگ کی سرکار نے شنگھائی میں فوج بھیج کر توڑ ڈالا ہے لیکن سچ بات یہ تھی کہ شنگھائی میں فوجیں لاکر جاپان اس صلحنامہ کو پہلے ہی توڑ چکا تھا۔

اس طرح پیپنگ اور شنگھائی دونوں سمت سے جاپان کی فوجوں نے بہانہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حملہ کر دیا۔ شنگھائی میں لڑائی چھیڑنے میں جاپان کا ایک خاص مقصد پوشیدہ تھا۔ وہ نانکنگ کی مرکزی حکومت کا دھیان پیپنگ سے ہٹا کر شنگھائی کی طرف تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ بلاشک یہ چال جاپان کی سیاسی چالبازی تھی۔

پردے کے پیچھے

چین جاپان کی اس لڑائی کو سمجھنے کیلئے ہمیں ذرا پچھلے تاریخ پر ایک نظر ڈالنا پڑے گی۔ چین و جاپان کے درمیان آج ہم جو کشمکش دیکھ رہے ہیں اس کی شروعات چالیس سال پہلے ہو لی تھی۔ انیسویں صدی کے آخر تک جاپان نے اپنی سرکار کا نئے طریقے سے سدھار کر لیا تھا فوج کا بندوبست بھی بالکل نئے طریقے پر کر لیا تھا۔ ایشیا میں موجودہ طرز کی فوجیں رکھنے والا آزاد ملک صرف جاپان ہی تھا۔ وہاں پر سرمایہ داری ترقی پر تھی اور اپنے قدم مضبوط کر چکی تھی جب جاپان نے دیکھا کہ چین کے بازار سے امریکہ انگلستان اور فرانس جیسی تجارتی ممالک فائدہ اٹھا رہے ہیں تو جاپانی سرمایہ داری نے بھی اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا اور اس طرح سے جاپانی شہنشاہیت کی بنیاد پڑی۔ لیکن جاپان کو ان مغربی ممالک سے مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ لہذا اسنے اپنے اقتدار کی یہ راہ سوچی کہ چین کے خاص صوبوں پر پورا قبضہ کر کے انکو اپنے مال کی کھپت کیلئے محفوظ کر کے۔ اسی لئے پچھلے چالیس سالوں سے وہ موقعہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چین کے صوبوں پر اپنا قبضہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

۱۸۹۵ء کی لڑائی میں جاپان نے چین سے فارموسا کا جزیرہ ہڑپ کر لیا۔ پھر ۱۹۱۰ء میں بے دھڑک کوریا پر قبضہ جما لیا۔ ۱۹۱۵ء میں جب دنیا کے بڑے بڑے ممالک جنگ عظیم میں پھنسے تھے جاپان نے چین سے جبریہ بہت سی شرائط اپنے موافق لکھائیں اس طرح سے چین کے جو حصے حاصل کئے گئے تھے وہاں اپنے آپ مستحکم کرنے اور اپنے قبضہ سے پورا فائدہ اٹھانے میں جاپان نے کافی عرصہ لگا دیا۔ ۱۹۳۰ء کی اقتصادی تنگی سے گھائل جاپانی سرمایہ داری کو پھر ضرورت پیش آئی کہ وہ چین کے بازاروں کی طرف دست درازی کرے۔ اسنے ۱۹۳۱ء میں جاپان نے مشرقی ایشیا میں اپنے سامراج کو بڑھانے کیلئے پھر پاؤں نے پھیلائے۔ اس بار جاپان نے کوریا سے آگے بڑھکر منچوریا پر اپنا دخل جما لیا۔ جاپان کی اس زبردستی پر چین نے دنیا کے کل ممالک کے سامنے عرضداشت کی۔ یورپ اور امریکہ کے ملکوں نے جاپان کی اس پالیسی کی مخالفت کی۔ لیکن جاپان کو اس کی رتی بھر بھی پرواہ نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منچوریا میں جاپان کے زیر سایہ ایک خودمختار (؟) حکومت قائم ہوئی۔ چین کو منچوریا سے دست بردار ہونا پڑا۔ منچوریا کے چھننے کے وقت چین اپنے گھریلو جھگڑوں میں الجھا تھا اسلئے جاپان کو منچوریا پر قبضہ جمانے میں کچھ دقت پیش نہ ہوئی۔ وہ جھگڑے کیا تھے؟

یہ معلوم کرنے کیلئے ہمیں چین کی پچھلی سیاسی زندگی کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔ ۱۹۲۵ء کے بعد سے چین کے سیاسی اکھاڑہ میں دو پارٹیاں اہم حصہ لے رہی ہیں۔ ایک تو کومن ٹانگ جسکے ہاتھ میں چین کی مرکزی حکومت ہے اور دوسری کمیونسٹ پارٹی۔ ۱۹۳۱ء تک کومن ٹانگ نے کمیونسٹ پارٹی کو ہر طرح پسپا کرنے کی کوشش کی۔ کومن ٹانگ کے افسر اعلیٰ جنرل چیانگ کائی شیک نے ہزاروں کمیونسٹوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ جاپان نے بھی دیکھا کہ اگر کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں حکومت چلی گئی تو پھر چین پر قبضہ جمانا ٹیڑھی کھیر ہو جائے گا۔ اسلئے وہ مرکزی حکومت کومن ٹانگ کو لگاتار یہی مشورہ دیتا رہا کہ کمیونسٹ پارٹی خطرناک ہے۔ اسے کچلنا ضروری ہے۔

کیونکہ کمیونسٹ پارٹی چین کے بازاروں پر سے باہری طاقتوں کا قبضہ ہٹانا چاہتی تھی اور کل طاقت کسانوں اور مزدوروں کی سرکار کو دینا چاہتی تھی لیکن کومن ٹانگ ملکی حکومت کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی بیرونی سرمایہ کی مدد سے چین کے کاروبار کو ترقی دینے کی رائے رکھتی تھی۔ اس لئے جاپان کی رائے کومن ٹانگ کو درست نظر آئی اور اپنی کمیونسٹ پارٹی کی جڑیں کاٹنے کی ناکامیاب کوشش کی۔

لیکن ۱۹۳۱ء میں جاپان نے جب منچوریا کو سموچا ہی نگل لیا تو کومن ٹانگ کی آنکھیں کھلیں۔ کمیونسٹ نے ملک کی مختلف طاقتوں کو جاپان سے لوہا لینے کیلئے ایک متحدہ مورچہ بنانے کی دعوت دی۔ اسنے سمجھا کہ ملک کی آزادی کا سوال آپسی جھگڑے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن کومن ٹانگ نے کمیونسٹ

پارٹی کی اس اپیل پر کچھ دھیان نہ دیا۔ بجائے اسکے کہ کومن تانگ جاپان سے مورچہ لیتی اس کی طاقتیں کمیونسٹ پارٹی کو نیست و نابود کرنے ہی میں صرف ہوتی رہی اس موقع سے جاپان نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور تھوڑا تھوڑا کر کے وہ چین کے اندر اقتصادی دخل کرتا گیا۔

متحدہ مورچہ اس عرصہ میں کمیونسٹ پارٹی لگاتار متحدہ مورچہ بنانے کی اپیل کرتی رہی ۱۹۳۶ء میں کمیونسٹ پارٹی نے اعلان کیا کہ وہ کسی بھی پارٹی کے ساتھ ملکر جاپان کے ساتھ لڑنے کیلئے تیار ہے۔ اگر اسکی تین شرطیں منظور کرلی جائیں۔

۱۔ چین کی سرکاری کمیونسٹ پارٹی کی سرخ فوج کو کچلنے کی پالیسی ترک کردیجائے۔

۲۔ چین کے باشندوں کو مکمل سول آزادی کے حقوق دیئے جائیں۔

۳۔ پورے ملک کو جاپانیوں کے خلاف مقابلہ کرنے کے لئے اسلحہ بندی کی اجازت دی جائے۔

اس طرح کے اعلانوں کا چین کی جنتا پر خوب اثر پڑا۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں مادام سن یات سن نے متحدہ مورچہ قائم کرنے کے لئے اپیل نکالی جس پر چین کے ہزار معزز لوگوں کے دستخط تھے۔ اتنا سب کچھ ہونے پر بھی مرکزی حکومت جاپان کے زیر اثر رہتی رہی۔ اور کمیونسٹ پارٹی کے دبانے میں اپنی طاقت صرف کرتی رہی۔ آخر میں تنگ آکر کمیونسٹ پارٹی نے شمالی چین میں اپنا اڈا جما لیا اور جاپان کے خلاف متحدہ مورچہ قائم کرنے کے اعلان کا پرچار کیا۔

ادھر جاپان نے ہتھیار کے زور سے شمالی چین کے صوبوں کی طرف ہاتھ بڑھائے کیونکہ شمالی چین میں سب سے زیادہ زرخیز حصہ ہے۔ معدنیات کی بھی وہاں بھرمار ہے۔ کوئلہ اور لوہا دونوں ہی شمال میں بہتات سے ملتے ہیں۔ جاپانی سرمایہ سے قائم کی ہوئی کپڑے کی ملیں بھی یہاں بہت ہیں ظاہراً جاپان اسی صوبہ میں اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ صوبجاتی نظام قائم کرنے کے جھوٹے نعرے لگا کر وہ ان صوبوں کو ورغلاتا رہا۔ ایک دو صوبوں میں غدار چینیوں کی مدد سے صوبجاتی حکومت قائم بھی کی اور جاپان نے انھیں کٹ پتلیوں کی طرح اپنے اشاروں پر نچانا شروع کیا۔

چین کی پارٹیوں کے دلوں میں جاپانیوں کا یہ آتنک گھس آنا کانٹے کی طرح چبھتا رہا ہے۔ اور چیانگ کائی شیک نے جاپان کے خلاف جہاد کرنے کا ارادہ کیا۔

۱۹۳۶ء کے دسمبر میں سیانفو صوبہ میں چیانگ کائی شیک کمیونسٹوں کو کچلنے کے لئے خود فوج لے کر گیا۔ وہاں کمیونسٹوں نے الٹا اسے قید کر لیا۔ اسیر چیانگ کائی شیک نے کمیونسٹ افسروں کے ساتھ صلح کی اور متحدہ مورچہ کے اعلان کو منظور کیا اسکے بعد کومن تانگ پارٹی کی میٹنگ ہوئی اور اس نے منظور کر لیا۔ آج اسی پالیسی کے مطابق چین کی تمام پارٹیاں نرم اور گرم جاپان کے خلاف اپنے اختلافات کو بدل کر رہی ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جب جاپان نے منچوریا پر قبضہ کیا تھا تب چین کی طاقت گھریلو جھگڑوں سے برباد ہو رہی تھی۔ آپس میں پھوٹ تھی۔ اسلئے چین کا مستقبل اتنا سیاہ نہیں ہے جتنا جاپانی خیال کرتے ہیں۔

سرخ فوج کمیونسٹ پارٹی کی سرخ فوج آج جاپانیوں کے چھکے چھڑا رہی ہے۔ کچھ دن ہوئے جاپانی سپاہ پیکنگ ہانکاؤ ریلوے لائن کی طرف سے ہو کر [illegible] چین کی سرخ فوج کے ایک دستے نے ٹکرا کے روکا۔ خوب گمسان کی لڑائی شروع ہوئی جاپان کی بیشمار فوج کے دانت کھٹے ہو گئے۔

پھر بھی چین میں جاپانی فوج روز بروز آندھی کی طرح آگے بڑھ رہی ہے۔ جاپان کے مظالم دن بدن زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ چینی جنتا لگاتار ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتر رہی ہے۔ سارا نانکنگ آسمانی آگ کی بارش سے جلکر خاک ہو گیا ہے۔ چاروں طرف خوف و ہراس کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ۱۵ نومبر کو جاپانیوں نے لگاتار چوبیس گھنٹے تک سوچو شہر پر بمباری کی۔ شہر کے نہتے اور لاچار لوگوں پر قریباً آٹھ سو بم برسائے۔ نانکنگ شہر کی ساری آبادی گھروں کو چھوڑ کر باہر چلی گئی ہے۔ دس لاکھ آدمی اس جاڑے میں بے گھر بے در ہو گئے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی چینیوں میں ایک بے پناہ جوش نظر آتا ہے۔ عورتیں اور طلبا بھی فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنی آزادی کی حفاظت میں مصروف ہیں۔ جاپان اپنے وحشیانہ برتاؤ سے چین کو قابو میں لانا چاہتا ہے لیکن چین دبنے والا نہیں ہے۔ اس نے آج جان پر کھیلنے کا قصد کر لیا ہے۔

خود غرض ممالک کی خاموشی لڑائی چھڑتے ہی چین نے جاپان کے خلاف بین الاقوامی مجلس کے پاس ایک شکایت کا خط بھیجا۔ بین الاقوامی مجلس نے چین کی شکایت کو جائز قرار دیا۔ لیکن ۱۹۳۱ء کی طرح جاپان نے اس بار بھی اسکی پرواہ نہ کی لیگ اسکے آگے اور کچھ نہ کر سکی۔

امریکہ انگلستان اور فرانس نے باوجود اسکے کہ انکے مفاد چین کی جیت سے وابستہ ہیں کوئی کوشش چین کی مدد کی نہیں کی۔ بین الاقوامی حالت اسوقت ایسی ہے کہ روس باوجود چین کا زبردست حامی ہوتے ہوئے بھی کھلم کھلا اس لڑائی میں حصہ نہیں لے سکتا۔

یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس لڑائی کی ساری ذمہ داری جاپان پر ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ چین کے لوگ وہاں کے مرد و عورتیں اور طلبا اپنا ایکا قائم کر کے بہادری کے ساتھ اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی جاپان ایک طاقتور ملک ہے۔ جس کی فوجیں زیادہ منظم ہیں اور اس لئے اب تک اس کی چین میں فتح ہوتی رہی ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ چین دنیا کا سب سے پرانا مہذب دیش ہے۔ اور اسکی عزت اور ادب اور آزادی پر حملے ہو رہے ہیں۔ اس سے چین کو بچانا ہر آزادی کے سپاہی کا فرض ہے خواہ وہ چین میں رہتا ہو یا ہندستان میں۔

کیا کریں؟ سوال یہ اٹھتا ہے کہ چین کی مدد کیسے کی جائے کچھ لوگوں کو جو دور اندیش نہیں ہیں اس وقت چین کی جنتا کے اوپر سے آفت ٹالنے کیلئے یہ ضروری معلوم ہوگا کہ امریکہ یا انگلینڈ کی اپنی سرکاری فوجیں بھیجکر چین کو بچالیں لیکن چونکہ ان سامراج شاہی ملکوں کا بھی چین میں دخل ہے اسلئے انکی فوجوں کا چین میں جانا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ حالانکہ ہم ضرور پسند کرینگے کہ ان ملکوں کی سرکاریں جاپان کے اوپر تجارتی بندشیں مقرر کریں۔

ہمارا رخ اب چین کی طرف ہمارا کیا رخ ہونا چاہیے۔ ہندستان آج خود غلامی کی بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے کھوئی ہوئی آزادی واپس پانے کیلئے وہ جی جان سے کوشش کر رہا ہے۔ بھارت غلامی کی تکلیفوں سے بخوبی واقف ہے اور اس لئے اسکی ساری ہمدردی اور خیر خواہی آج چین کے ساتھ ہے۔ آج جو تکلیفیں چین بھگت رہا ہے اس سے ہندستان واقف ہے کیونکہ دونوں ایک راہ کے راہ گیر ہیں اور دونوں ہی پردیشی طاقتوں سے اپنا جھٹکارا چاہتے

ہی مشہور آرٹسٹ شاعر رابندرناتھ ٹیگور نے جاپان کے وحشیانہ برتاؤ سے متنفر ہو کر اپیل نکالی ہے۔ صدر کانگرس جواہر لال نہرو نے کانگرس کی طرف سے درخواست کی ہے۔ جس میں انھوں نے ہندستان کی طرف سے چین کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی ہے اور جاپانی مال کے بائیکاٹ کی رائے دی ہے۔ سارے ہندستان میں جاپانی [illegible] جا رہا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ جس طرح آپ نے کی جنتا کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کیلئے تمام ملکوں کی عام جنتا نے اپنے رضاکاروں کے جتھے لڑنے کیلئے بھیجے تھے روپیہ اور کپڑے اکٹھے کر کے وہاں کے مظلوموں اور زخمیوں کیلئے بدل کپڑے اور دوا کا انتظام کیا تھا۔ ایسی بڑی میٹنگ اور مظاہرے کئے گئے تھے اور جاپان میں اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح ہم چین کے مظلوموں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا ثبوت رضاکار بھیج کر زیادہ سے زیادہ روپیہ بھیج کر دیں اور وہاں کی عام جنتا کا جو کہ ملک کی آزادی کیلئے لڑ رہی ہے حوصلہ بڑھائیں اور ساتھ ہی ہم جاپانی مال کا جس کی کھپت روز بروز زیادہ ہوتی جا رہی ہے بائیکاٹ کر کے جاپانی شہنشاہیت پر ایک بہت اقتصادی دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ انگلستان میں یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ جاپانی کمیشن کمیٹی قائم ہوئی ہے اور جاپانی مال کا بائیکاٹ زوروں پر چل رہا ہے۔ چین کو مالی امداد پہنچانے کیلئے روپیہ اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ ابھی حال میں دوا کا سامان لڑائی کے گھائلوں کیلئے انگلستان کی جنتا نے [illegible] روانہ کیا ہے۔

اقلیتوں کے حقوق

کانگریس نے ہندوستان کی اقلیتوں کے بارے میں اپنے نظریہ کا کئی بار اعلان کیا ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ کانگریس انکی حفاظت کرنا اور ان کے آگے بڑھنے کے لئے یا ملک کی سیاسی، اقتصادی اور تمدنی زندگی میں حصہ لینے کا پورا موقع دینا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ کانگریس کا مقصد ہے ملک کو آزاد کرنا اور اُسے ایسے ایک ھاگے میں باندھنا۔ جہاں کوئی بھی فرقہ اکثریت ہو یا اقلیت کسی دوسرے کو اپنے فائدے کے لئے نقصان نہ پہنچا سکے گا اور جہاں سارے ہندوستان کے فائدے کے لئے ملک کے سب فرقے مل کر کام کرینگے۔ آزادی اور تعاون کے اس مقصد کے معنی یہ نہیں کہ ہندوستان کی مختلف تہذیبوں میں سے کسی پر دباؤ ڈالا جائے گا بلکہ ان سب کو محفوظ رکھا جائیگا تاکہ سب لوگوں کو اور ہر فرقہ کو اپنے اپنے رجحان کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی ترقی کرنے کا موقع مل سکے۔ چونکہ اس مسئلہ پر کانگریس کی پالیسی کے بارہ میں غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اپنی پالیسی کا پھر اعلان کر دینا چاہتی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے بارہ میں ان اصولوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔

۱۔ ہندوستان کے ہر ایک باشندہ کو اپنے خیالات کا آزادی سے اظہار کرنے کا انجمن اور سوسائٹیاں بنانے اور بغیر ہتھیار کے امن کے ساتھ مجمع میں شامل ہونے کا اختیار ہوگا بشرطیکہ اس کا مقصد قانون اور اخلاق کے خلاف نہو۔

۲۔ ہر ایک شہری کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے جیسے مذہبی خیالات رکھے اور چاہے جس فرقہ میں رہے بشرطیکہ وہ جنتا کے امن اور اخلاق کے خلاف نہو۔

۳۔ اقلیتوں اور الگ الگ زبانوں کا استعمال کرنے والے صوبوں کی تہذیب زبان اور رسم خط کو محفوظ رکھا جائیگا

۴۔ مذہب اور فرقوں کا خیال کئے بغیر سب لوگوں کو چاہے عورتیں ہوں یا مرد قانون کی نظر میں برابر سمجھا جائے گا۔

۵۔ عام ملازمتوں یا ذمہ داری اور عزت کے عہدوں پر تقرری اور تجارت وغیرہ کے بارہ میں مذہب اور فرقہ داری کی وجہ سے رکاوٹیں نہ ہوں گی۔ اور نہ اس بارہ مرد و عورت کے فرق کی وجہ سے کچھ مجبوریاں ہونگی۔

۶۔ سرکار یا مقامی فنڈ یا کچھ دوسرے لوگوں کی طرف سے رفاہ عام کے لئے بنوائے ہوئے کنوؤں، تالابوں، سڑکوں، اسکولوں اور دوسرے ایسی جگہوں کے استعمال کے لئے سب لوگوں کے برابر کے اختیارات ہونگے اور سب کے فرض بھی ایک سے ہی ہونگے۔

۷۔ سرکار کی طرف سے ہر مذہب کے معاملہ میں غیر جانبداری برتی جائیگی

۸۔ سب بالغ لوگوں کو ووٹ دینے کا اختیار ہوگا۔

۹۔ ہر ایک شہری کو ہندوستان میں کہیں بھی جانے کسی بھی حصہ میں بسنے جائداد خریدنے اور کوئی بھی تجارت کرنے کا اختیار ہوگا۔ سب جگہ قانون کی پابندیاں بھی اس پر ایک ہی ہونگی۔ اور ہر جگہ ایک ہی طریقہ پر قانون اسکی حفاظت اور مدد کرے گا۔

اقلیتوں کے بنیادی حقوق والی تجویز کی یہ دفعات اس بات کو بالکل صاف کر دیتی ہیں کہ ذاتی خیالات، مذہب اور تہذیب کے بارہ میں اقلیت کے ساتھ کسی طرح دست اندازی نہ ہوگی۔ وہ اپنے ذاتی قانون یعنی شرعی اور مذہبی قانون، قائم رکھ سکیں گی اور اکثریت ان میں کوئی تبدیلی کرانے کے لئے زور نہیں دے سکتی ہے اور نہ دے سکے گی۔

کمیونل ایوارڈ کے بارہ میں کانگریس ایک تجویز منظور کر کے اپنی پالیسی کا بار بار اظہار کر چکی ہے اور آخر میں پچھلے سال چناؤ کے مسودہ میں اس نے اسی پالیسی کو صاف صاف کہدیا ہے۔

کانگریس اس ایوارڈ کے خلاف ہے کیونکہ قومی اتحاد اور جمہوریت کے وہ خلاف ہے اور ہندوستان کی آزادی اور اتحاد کے راستہ میں وہ روڑا اٹکاتا ہے۔ پھر بھی کانگریس نے اعلان کر دیا ہے کہ اس ایوارڈ میں اگر کوئی تبدیلی ہو یا اسے رد کیا جائے تو اس سے تعلق رکھنے والے فرقوں کے آپس کے سمجھوتہ سے ہی ایسا ہو سکے گا۔ کانگریس ایسے باہمی سمجھوتہ کا ہمیشہ استقبال کرتی ہے اور اس سمت میں کامیابی کے لئے کسی بھی اچھے موقع سے فائدہ اٹھانے کو تیار ہے۔

سب ایسے کاموں میں جن کا اقلیت سے تعلق ہے کانگریس اقلیت کو ساتھ لیکر ہی ان کاموں میں آگے بڑھنا چاہتی ہے ان کی خوشنودی کو ساتھ لیکر وہ اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتی ہے وہ مقصد ہے ملک کو آزاد کرنا اور ہندستان کے سب لوگوں کی حالت کو سدھارنا۔

وحشی گیت

(قاضی نذر الاسلام)

قید خانے کا آہنی پھاٹک توڑ دو — خون بھری زنجیریں سامنے سے ہٹا دو

انہیں آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دو — اور بربادی کے دیوتا موت کے راگ سنا

سرخ جھنڈے کو قید خانے کی ٹوٹی ہوئی دیوار پر لہرانے دو

نقارہ پر چوٹ دو — پکار کر پوچھو "کون بادشاہ ہے"

جرم صداقت کی سزا کون دیتا ہے — آ ہا - ہا - ہا - میں ہنسنا چاہتا ہوں

آدمی اور سزائے موت — یہ حماقت کون سکھاتا ہے ؟

او بیکار پھرنے والے اس بڑے قید خانے کی بنیادیں ہلا دو

پکارو اور زور سے پکارو — موت کو ہم آغوشی کے لئے بلا ؤ

دیکھو طوفان بڑی تیزی سے آرہا ہے — کیا تم اب بھی کاہل بیٹھے رہو گے

آہ ! باہر نکلو اور ایک وحشی جھٹکے سے ساری دنیا کو ہلا دو۔

بڑھو بڑھو۔ اور قید خانوں کو آگ لگا دو۔

بیکاری

وہ چاک جگر ہے کہ سیے جاتا ہوں
اے کشمکش دہر جیے جاتا ہوں
اک طرفہ ستم ہے کہ پیتا ہوں شراب
اور ساتھ ہی آنسو بھی پیے جاتا ہوں

معین احسن جذبی

بھوک

اختر انصاری

میں نے اپنی زندگی میں بھوک کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ایک بھوکا پیٹ ایک بھوکا دل اور ایک بھوکا دماغ ـــ یہی میری مختصر داستان حیات ہے۔ معلوم نہیں میں کب پیدا ہوا۔ اور اب میری عمر کیا ہے۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے اس دنیا میں تقریباً بیس سال گزار چکا ہوں۔ ان بیس سال کی زندگی نے حافظے پر جتنے نقوش چھوڑے ہیں وہ سب بھوک اور بھوک کی تلخیوں سے متعلق ہیں۔

پیدائش سے لیکر سات آٹھ برس کی عمر تک کا زمانہ مکمل بے خبری کا زمانہ تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میری زندگی کا یہ حصہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا یقیناً کوئی ماں ہوگی جس نے مجھے دودھ پلایا ہوگا۔ اور میری پرورش کی ہوگی لیکن آج اس کا دھندلا سا تصور بھی میرے ذہن میں نہیں ہے۔ میں راتوں کی تنہائی میں اکثر اپنے حافظے پر زور دیتا ہوں اور اپنی یاد کے پوشیدہ ترین خزانوں کو کھنگالتا ہوں لیکن وہ تاریک پردہ جو میری بچپن کی زندگی پر پڑا ہوا ہے کسی صورت سے نہیں اٹھتا۔ اے کاش۔ میں کبھی کبھی اس طرح سوچتا ہوں کوئی ایسا شخص ہوتا جو میری ماں کے متعلق مجھے کچھ بتاتا۔ وہ کیسی تھی، کس قسم کے کپڑے پہنتی تھی۔ اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ کیونکر پالتی تھی۔ یہ اور ایسی بہت سی باتیں مجھے اس کے ذریعے معلوم ہوتیں اور میں انکو اپنے دماغ کے کسی گوشے میں محفوظ کر لیتا۔ مگر افسوس ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔

اس کے بعد کی زندگی بھوک اور بھوک کی سختیوں کی ایک مسلسل داستان ہے جو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس داستان کا سب سے پہلا باب سب سے زیادہ روح فرسا ہے۔ میری عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ ہوگی میں ایک وکیل صاحب کے ہاں رہتا تھا۔ ہزاروں کام تھے جو مجھے کرنے پڑتے تھے۔ دس بارہ کرسیاں دن میں کئی مرتبہ کمرے سے باہر نکالتا اور پھر اندر سے باہر رکھتا۔ بازار کے سینکڑوں پھیرے ہوتے کبھی پان لینے جاتا تو کبھی دہی لینے اور کبھی برف لینے۔ دوپہر کے وقت وکیل صاحب کی بیوی اور انکے بچے آرام کرتے تو میں پنکھا جھلتا اور خس کی ٹٹیوں پر پانی چھڑکتا۔ غرضکہ صبح سے لیکر رات کے دس گیارہ بجے تک مجھے ایک لمحہ کے لئے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ اور پھر ان تمام مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ میں بھوکا تھا مجھے ہر وقت یہ خواہش ہوتی تھی کہ کچھ کھانے کو ملے۔ معلوم نہیں اسکا کیا سبب تھا۔ شاید یہ ہو کہ وکیل صاحب کی بیوی مجھے ٹھیک سے کھانے کو نہ دیتی تھیں صرف دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے میرے حصے میں آتے تھے۔ اور ان سے کبھی میرا پیٹ بھرتا تھا کبھی نہیں۔ چنانچہ میں اکثر چوری کیا کرتا۔ خادمہ روٹی پکاتے پکاتے دوسرے چولہے پر رکھی ہوئی ہانڈی دیکھنے لگتی تو میں نظر بچا کر ایک چپاتی اٹھا لیتا۔ اور چھپا کر باہر لیجاتا۔ یا وہ صحن میں ہوتی اور مجھ سے کہتی کہ پتیلی چولہے سے اتار کر نیچے رکھدے تو میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاتا۔ اور پھرتی سے ایک بوٹی یا آلو کا ایک ٹکڑا نکال کر منہ میں رکھ لیتا۔ ان چوریوں میں پکڑا بھی جاتا تھا اور پھر مار بھی بُری طرح پڑتی تھی، ایک دن تو غضب ہی ہوگیا۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ وکیل صاحب کچہری گئے ہوئے تھے، اور ان کی بیوی اپنے پانچوں بچوں سمیت ایک کمرے میں بند تھیں۔ پنکھے کی ڈوری ایک سوراخ کے ذریعے باہر نکال دی گئی تھی اور میرا کام یہ تھا کہ اسکو برابر کھینچتا رہوں کمرے کے دونوں دروازوں پر خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد میں کنویں سے بالٹی بھر لاتا اور ان ٹٹیوں پر بہا دیتا۔ ایک دفعہ پانی لینے جا رہا تھا کہ راستے میں باورچی خانے کے کھلے ہوئے دروازے پر نظر پڑی کمبخت بڑے زور کی بھوک معلوم ہوئی۔ اندر جا کر چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ الماری کے سب سے اوپر کے خانے میں سفید شکر سے بھری ایک اونچی سی بوتل رکھی تھی اس کو اتارنا چاہا لیکن وہ بہت وزنی ثابت ہوئی اور ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ بوتل کے ٹکڑے ہوگئے اور ساری شکر زمین پر بکھر گئی۔ میرا خون خشک ہوگیا۔ دل میں سوچا کہ اب خیر نہیں ہے۔ اتنے میں یاد آیا کہ کمال اندر جا چکی۔ پریشانی کے عالم میں وہاں سے باہر نکلا گھر پر چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی، اور لو کی لپٹیں آگ کے شعلوں کی طرح بدن کو جھلسے دیتی تھیں۔ میں نے جا کر پنکھے کی ڈوری سنبھال لی اور کھینچنے لگا۔ لیکن جسم میں جان نہ تھی۔ سوچنے کی قوت سلب ہو چکی تھی۔ کچھ سوچا۔ چوروں کی طرح دبے پاؤں گھر سے نکلا اور اسٹیشن کی طرف چل پڑا ۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد دنیائے تصویر ایک نیا منظر پیش کرتی ہے۔ شمالی ہندوستان کا ایک بڑا تجارتی شہر ہے۔ شہر سے چند میل کے فاصلے پر قید خانے سے ملتا جلتا ایک یتیم خانہ ہے اور میں اپنی زندگی کے دن اس میں گزار رہا ہوں۔

اس یتیم خانے میں ایک طویل مدت تک رہا کھانے کے لئے یہاں وہ بھی نہیں تھا جو وکیل صاحب کے ہاں میسر آجاتا تھا۔ اکثر رات کو ہم لوگ بھوکے سلا دیئے جاتے تھے بعض وقت چنوں پر قناعت کرنی پڑتی تھی یتیموں کو پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولیوں میں تقسیم کرکے بھیک مانگنے کے لئے شہر بھیجا جاتا تھا۔ اور کسی دن بھیک نہ ملتا تھا تو سزا کے طور پر کھانے سے محروم کر دیئے جاتے تھے۔ غرضکہ میں پہلے کی طرح اب بھی بھوکا ہی تھا یتیم خانے میں لڑکوں کو تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اور مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ کچھ لکھنے پڑھنے کا موقع ملا۔ ابتدائی قاعدہ پڑھایا گیا۔ اور اس کے بعد ایک دو سیپارے بھی پڑھے۔ لیکن میں نے عربی کے بجائے اردو سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا اور دو سال میں اتنی مشق بہم پہنچائی کہ مشکل سے مشکل عبارت پڑھنے اور سمجھنے کا اہل ہوگیا۔ پھر برابر کتابیں دیکھتا رہا اور اپنے مطالعے کو وسیع کرتا رہا۔ جب میری عمر پندرہ سال سے اوپر ہوئی تو یتیم خانے کے مہتمم نے مجھے شہر کے ایک انگریزی اسکول میں چپراسی کرا دیا۔ اور یوں میری یتیمی کا زمانہ ختم ہوا۔

اسکول میں مجھے دس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور میں دو وقت پیٹ بھر کے روٹی کھاتا تھا۔ لیکن پیٹ کی بھوک کم ہوئی تو دماغ کی بھوک نے ستانا شروع کیا تعلیم کا شوق مجھے بچپن سے تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں وکیل صاحب کے ہاں ملازم تھا تو کوڑے کے

ڈھیر تک بڑے بڑے عالم کاغذوں کو کیکر پھر تک اٹھتا تھا۔ اور معلوم نہیں انھیں کیا سمجھکر اٹھا لیتا تھا۔ اس طرح میں نے بہت سے کاغذ جمع کر لئے تھے۔ گرمیوں کی اُس دوپہر کو میں وہاں سے رخصت ہوا تو یہ کاغذوں کی پونجی رہیں رہ گئی۔ پھر جب یتیم خانے میں مجھے لکھنے پڑھنے کا موقع ملا تو میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے شوق اور محنت کی بنا پر غیر معمولی ترقی کی آپ میں ایسی جگہ تھا جہاں تعلیم ہی تعلیم تھی، یہاں مجھے محرومی کا ایک احساس ہر وقت ستانے لگا۔ صبح کے وقت سب سے پہلے لڑکا میں اُٹھتا لئے اسکول کے اندر قدم رکھتا تو میں حسرت بھری نظروں سے اسکو دیکھتا اور دل میں سوچتا کہ اے کاش اپ لڑکا میں ہوتا! یہ کتابیں میری بغل میں ہوتیں!!! کبھی ٹرش لیکر کلاس میں جاتا تو بے اختیار یہ جی چاہتا کہ لڑکوں کے ساتھ بیٹھ جاؤں اور جو کچھ ماسٹر صاحب کہہ رہے ہیں غور سے سنوں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ میں عمر بھر نہ بھولوں گا اسکول میں ایک ماسٹر صاحب شاعر تھے۔ اور اُن کی شاعری کی بہت دھوم تھی۔ اُنھوں نے اپنا کلام شائع کیا۔ اور ایک دن کتاب کی کئی جلدیں اپنے ساتھ لائے جو وقت وہ یہ کتابیں دوسرے ماسٹروں کو دے رہے تھے میں وہیں موجود تھا۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ میں کتابوں کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی فاقہ زدہ انسان روٹیوں کو تکتا ہے۔ آہ! یہ دماغی بھوک تھی جو مجھے ہر وقت بیقرار رکھتی تھی۔

اسکول میں چھ سال ملازم رہا۔ جس شخص کے گھر میں میں رہتا تھا وہ جلد ساز تھا اس کی مدد سے میں نے بھی یہ کام سیکھ لیا اور آخرکار میونسپلٹی میں دفتری کی جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

دفتری کا کام کرتے ہوئے مجھے تقریباً چار سال ہوگئے ہیں اب میری عمر پچیس[25] اور تیس کے درمیان ہے۔ زندگی بھر پیٹ کی بھوک کا شکار رہا ہوں۔ دماغ کی بھوک نے بھی کچھ کم نہیں ستایا ہے۔ اور اب مجھے ایک نئی قسم کی بھوک کا احساس ہوا ہے۔ افلاس اور احتیاج کے تند ائمنے جن جذبات کو بیدار نہیں ہونے دیا تھا وہ اب۔ قدرے سکون نصیب ہونے پر بیدار ہو رہے ہیں۔ باریک نسوانی آواز کی موسیقی، کھنکتی ہوئی چوڑیوں کا نغمہ، ریشمی لباس کی سرسراہٹ، بکھرے ہوئے بالوں کا تعطر، آغوش محبت کا گداز، ان چیزوں سے میری زندگی اب تک خالی رہی ہے اور ہے۔ سماج ـــــ مکاروں اور دغابازوں کا رچایا ہوا ڈھونگ!! ـــــ ایک جلد ساز کو صرف اس لائق سمجھتا ہے کہ وہ چند روپیوں سے بُری طرح یا بھلی طرح اپنا پیٹ بھرتا رہے اور کبھی ایک رفیق زندگی کی آرزو نہ کرے۔ گویا وہ بے جان پتھر ہے۔ اُس کے پاس دل نہیں ہے۔ یا ہے تو محبت اور جنسیت کے جذبات سے محروم ہے۔ لیکن سماج کے مظالم فطرت کے تقاضوں کو فنا نہیں کر سکتے۔ اور آج میرا سارا وجود محبت ایک آغوش بنکر کسی پیکر ناز آفریں کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ آہ یہ میرے دل کی بھوک ہے۔ میں آج بھی بھوکا ہوں!! میں عمر بھر بھوکا رہا ہوں!!!

غریب کسانوں کی تکلیف

(روپ رام کسان)

ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی زبردست کسان ضرور ہوتا ہے اور اسکا دباؤ غریب کسانوں پر بڑے زمینداروں سے کم نہیں ہوتا۔ قریب قریب ہر گاؤں میں ہر ایک کسان کی زمینداری یا کاشتکاری کی زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں چاروں طرف ہوتی ہے۔ ہمیشہ زبردست کسان غریب کسانوں کی کھیتی کو اپنے ہل بیل اور گاڑیوں وغیرہ سے نقصان پہونچاتے ہیں اور زبردست کسانوں کے ایک دو مویشی غریب کسانوں کے کھیت کھاتے پھرا کرتے ہیں اگر زبردست کسان کا کھیت پاس ہی ہے تو غریب کسان ڈر سے اپنے کھیت کو اسی وقت کاٹتا ہے جبکہ زبردست کسان کا خالی ہو جائے اور وہ ناپسند نہ کرے۔

اگر آبپاشی نہر سے ہوتی ہے اور قلابہ جات وار بندی کے ہے تو اس قلابہ پر غریب کسانوں کو پانی اس وقت ملتا ہے جبکہ زبردست کسان کے کل کھیت بھر جائیں اس طرح پانی اکثر بے وقت ہو جاتا ہے۔ اگر غریب کسان واربندی کرانی چاہتے ہیں تو اول تو زبردست کسانوں کے مقابلہ میں ایسا کرا ہی نہیں سکتے کیونکہ افسران سے اُن کے تعلقات زیادہ ہوتے ہیں اگر ہو بھی جائے تو خرچہ اجرت داخل کرنا پڑتا ہے اور کئی کئی برسوں تک مسل نہر کے دفتروں میں پڑی رہتی ہے بڑی دقتوں سے واربندی ہوتی ہے تو اب بھلا اُن غریبوں کے پاس گھڑی کہاں ہوتی ہے۔ ایسا ہونے پر بھی عموماً غریب کسانوں کا وقت اسی وقت ہوتا ہے جبکہ زبردست کسانوں کے کھیت بھر جائیں آبپاشی لکھنے والے صاحبان کو افسران نہر کی کوئی ہدایت نہیں ہوتی کہ وہ غریب کسانوں کی اس تکلیف کو رفع کرتے رہیں اور اسکا وقت درست کرادیا کریں۔

قبرستان یا مرگھٹ یا دیو استھان ہر قسم کی زمین بھی اُنکے ہی قبضہ میں ہوتی ہے جن پر اپنی سیر خود کاشت۔ دخیلکاری وغیرہ کی ملکیں بتاتے ہیں آبادی کے اندر قریب قریب ہر گاؤں میں ایک بازار وہ چوپال ہوتی ہیں جو بیاہ شادی کے وقت بارات ٹھہرتی ہیں اور بچے پڑھتے ہیں اور سرکاری افسران ٹھہرتے ہیں اور جلسے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ اب وہ بھی زبردست کسانوں کا گھر یا گھیر بن گئی ہیں اور وہ اپنا قبضہ بتلاتے ہیں۔

ایسی صورت میں کیا غریب کسانوں کی غریبی دو چار روپیہ لگان یا مالگذاری سے کم ہو کر دور ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں جبتک کل تعلقات کا خیال نہ کیا جائے، زیورات بھی مہاجنوں، ساہوکاروں کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ بازاروں میں دیکھئے زیورات ⅟₂ یا ⅟₄ قیمت پر نئی روپیہ ۲ر ۳ر ۴ر رہا ہے تک سود پر دھرا جاتا ہے اور وہ بالکل نہیں چھوٹتا۔ آخر میں سب بک جاتا ہے نہ کوئی پرچہ حساب ہے آگر نہ کچھ نشان۔ آجکل ساہوکاروں کی لوٹ اسامی سے اور بھی بڑھ چڑھ گئی ہے۔ کیونکہ اس طرح نہ نالش کی ضرورت نہ کورٹ فیس کی نہ ٹیکس ادا کرنا۔

ان تکلیفوں میں بہت سی غریب کسانوں کی چک بندی سے دور ہو سکتی ہیں۔*

* آبپاشی۔ مرگھٹ۔ قبرستان وغیرہ کی زمین خالی کراکر گاؤں سدھار کمیٹی کے تحت میں دیدی جائیں وہی اُنکی مرمت وغیرہ کرائیں اور زیورات کا لین دین قانونی شکل میں آجانا چاہئے۔

تبصرہ

جامعہ اور پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے دو رسالے ایک عرصہ سے شائع ہوتے ہیں ایک جامعہ جو علمی اور ادبی رسالہ ہے اور دوسرا "پیام تعلیم" جو بچوں کے لئے مخصوص ہے۔ جامعہ کا معیار یوں تو عام اردو رسالوں سے ہمیشہ بلند رہا ہے لیکن جنوری ۱۹۳۸ء کا رسالہ جو حال ہی میں موصول ہوا ہے ایک خاص شان رکھتا ہے سالناموں کی وبا ہندستان میں اور خاص کر اردو رسالوں میں بہت عام ہے اس وجہ سے اچھے رسالے اس حرکت سے بچتے رہتے ہیں جامعہ کا یہ نمبر سالنامہ ہے لیکن اس قسم کا نہیں جو عام ہے بلکہ اس معنی میں کہ اس کے تقریباً چالیس صفحے میں گذشتہ سال کے واقعات پر ایک تبصرہ ہے جس سے دنیا کی سیاسی اور معاشی حالت کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ جامعہ میں ہر مہینے "رفتار عالم" کے نام سے اس قسم کا تبصرہ شائع ہوتا ہے اس پرچے میں وہ بھی موجود ہے واقعات کا اندازہ کچھ دن گذر جانے پر ہی ٹھیک ہوتا ہے اسلئے جامعہ کی یہ کوشش قابل داد ہے کہ پچھلے سال کے واقعات پر ایک اجمالی تبصرہ نئے سال کے پہلے پرچے میں پیش کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو نہ صرف گذشتہ واقعات کا علم ہو جائے بلکہ آئندہ واقعات کو سمجھنے میں بھی مدد ملے۔ اس تبصرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لکھنے والے کی ذاتی رائے ظاہر نہیں ہوتی۔ سیاسی اور معاشی معاملات میں یہ بات بہت مشکل ہے مگر لکھنے والوں نے اور خاصکر ہندوستان کے واقعات پر تبصرہ کرنے والے صاحب نے اس بات کا بہت لحاظ رکھا ہے کہ کسی کا پلہ جھکنے نہ پائے اور کانگرس اور مسلم لیگ، اشتراکی اور غیر اشتراکی غرض کسی جماعت کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

اس پرچے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں واردھا کمیٹی کی پوری رپورٹ کا اردو ترجمہ موجود ہے۔ قومی تعلیم کی تشکیل میں اس رپورٹ کی بہت اہمیت ہے اسلئے ابتدائی تعلیم کے مسئلے پر اس میں ایک نئے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین اس کمیٹی کے صدر ہیں۔ اس کمیٹی نے ابھی اپنا کام ختم نہیں کیا ہے۔ نصاب کی تفصیلات پر ابھی غور ہو رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ رسالہ جامعہ میں آئندہ بھی پوری تفصیل شائع ہوگی۔

بچوں کے رسالے پیام تعلیم کی ابتدا سے جو لوگ واقف ہیں انہیں دیکھکر ضرور خوشی ہوگی کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں اس رسالے نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کا سالگرہ نمبر ہے جو اپنی خوشنمائی، دلچسپی اور افادے کے لحاظ سے بہت تعریف کا مستحق ہے اس میں تاریخی، ادبی، اخلاقی اور عام معلومات کے مضامین بہت سادہ اور دلچسپ طریقے سے پیش کئے گئے ہیں۔ تصویریں، نقشے اور کارٹون، نظمیں اور قصے غرض ہر قسم کی چیزیں موجود ہیں اور بچوں کی دلچسپی کا پورا سامان ہے۔ بچوں کی تعلیم بہت مشکل کام ہے جس کے لئے نہ تو ہمارے پاس کافی تعداد میں اچھے استاد ہیں اور نہ معقول کتابیں عموماً استاد ڈنڈے کے زور پر تعلیم دینا چاہتے ہیں اور زیادہ تر کتابیں بغدادی قاعدے کے نمونے پر روکھی اور پھیکی ہیں۔ حال میں مکتبہ جامعہ نے یہ کوشش شروع کی ہے کہ اردو میں بھی بچوں کے لئے دلچسپ کتابیں تیار ہوں۔ ان کتابوں اور رسالہ پیام تعلیم کے ذریعے سے بڑی تعلیمی ضرورت پوری ہونے لگی ہے۔ مکتبہ تمام استادوں اور بچوں والوں کے شکریہ کا مستحق ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا خبرنامہ

(منظر رضوی)

"انقلاب" نے مونگیر صوبہ بہار کے بارہ میں یہ خبر اڑائی تھی کہ وہاں مسلم ٹیچروں کی تنخواہ صرف مسلم لڑکوں کی دی ہوئی رقم میں سے دی جاتی ہے اور اس طرح مسلم ٹیچروں کو بہت ہی قلیل رقم ملتی ہے پوچھنے پر بہار سے ہمیں جواب یہ ملا کہ "تم نے وزارت یا شعبہ تعلیمات کا کوئی ایسا حکم دیکھا ہے" تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ کتنی سینہ زوری سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔

اسی طرح ہمارے معزز روزنامہ "انقلاب" نے بہار کے متعلق بھی کچھ دلچسپ خبریں چھاپی ہیں۔ مثلاً اورنگ آباد کا بلوہ۔ "انقلاب" کی خبر ہے یہ فساد کانگریسی وزارت میں ہوا حالانکہ یہ بلوہ مسٹر یونس (انڈی پنڈنٹ مسلم پارٹی کے لیڈر) کی عارضی وزارت کے زمانہ میں شروع ہوا تھا اور اب جسے کانگریسی وزارت نے تقریباً دبا دیا ہے۔

جب سے کانگریس نے مسلم عوام کے بڑے بڑے سوالوں کی طرف توجہ کی ہے۔ ہمارے پاس روزمرہ خطوط آتے رہتے ہیں جن میں طرح طرح کے سوالات ہوتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو ہندوستان کی سیاست اور تحریک سے کس قدر بے خبر رکھا گیا ہے۔ ہم مسلمان بھائیوں کی سیاسی ناواقفیت کو کس طرح دور کریں؟ شعبہ اطلاعات نے کچھ مہینوں سے اردو میں کافی لٹریچر شائع کر کے عوام میں تقسیم کیا ہے لیکن ہمارے لئے آسان نہیں ہے کہ ہم آٹھ کروڑ مسلمان بھائیوں تک لٹریچر کو پہنچا سکیں اردو اخباروں نے بھی ہماری کافی مدد کی ہے لیکن اگر مسلم عوام سے تعلق رکھنے والے اداروں سے اعانت ملے تو یہ کام آسانی سے ہو جائے۔

کتب خانوں، مدرسوں، اور اسی طرح کے دوسرے اداروں سے اپیل ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنے مفصل پتے ہمیں ارسال کریں تاکہ ہم انکے پاس اپنا لٹریچر بھیج سکیں۔

یوپی اسمبلی

صدر کا حصہ مسٹر ظہیر حسنین لاری نے التوا کی تحریک پیش کی "اسپیکر کا پارٹی کی پالیٹکس میں کھلم کھلا حصہ لینا" کے خلاف قرارداد پیش کرنا چاہتے تھے صدر تحریک نامنظور کردی کیونکہ مسئلہ کو زیر بحث لانے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے ورنہ ایک بری مثال قائم ہو جاتی -

انھوں نے کہا کہ میں انگلستان کی دارالعوام کی نہیں - بلکہ امریکہ اور فرانس کی تقلید کرتا ہوں، جہاں صدر پارٹی کی پالیٹکس میں حصہ لیتا ہے - کیونکہ موجودہ حالت میں ایسا کرنا ضروری ہے - اگرچہ میری موافقت میں اکثریت ہے لیکن پھر بھی اگر مجھے صدر بنانے میں مخالف جماعت کو کوئی اعتراض ہو تو میں استعفا دینے کو تیار ہوں -

---

مسلم لیگ پارٹی کا ایک جلسہ صدر کے اس بیان پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا - اس نے یہ قرارداد پاس کی - مسلم لیگ نے یہ قرارداد پیش کی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بات محفوظ رہے کہ صدر کے پارٹی کے پالیٹکس میں حصہ لینے پر مخالفت کی گئی - مسلم لیگ صدر کے اس پیشکش کو کہ وہ مخالف پارٹی کی رائے پر صدارت ترک کر دینگے قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے - اسے شخصیت سے بحث نہیں - بلکہ اصول سے بحث ہے -

---

انڈی پنڈنٹ پارٹی کا ایک جلسہ صدر کے اس بیان پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا - اور یہ پاس ہوا کہ صدر کا پارٹی پالیٹکس میں حصہ لینے کو یہ پارٹی ناپسند کرتی ہے اور صدر سے التجا کرتی ہے کہ اس سے باز رہیں -

---

ایک خط صدر کی خدمت میں بھیجا گیا جس پر خود نوابزادہ لیاقت علیخاں سرجوالا پرشاد سریواستوا رائے گووند چند اور کنور شمشیر جنگ کے دستخط تھے اس کا موضوع یہ تھا کہ صدر کو کسی پارٹی پالیٹکس میں حصہ نہ لینا چاہیئے -

---

فیڈریشن مسلم لیگ کی طرف سے ایک قرارداد پیش کی گئی جس میں فیڈریشن کی مخالفت کی گئی - اور یوپی کی حکومت سے خواہش کیگئی کہ فیڈریشن کے افتتاح میں کسی قسم کی رقم نہ دے -

لیگیوں نے کانگرس پر الزام رکھا کہ فیڈریشن کی مخالفت صرف ظاہری ہے - انھوں نے فیڈریشن سے ... لڑنے کو کہا ہے - یہی الفاظ

دستور اساسی کے لئے استعمال کیا تھا - مگر اب اسکو ڈرانے کے لئے منظور کر لیا -

اس پر اچاریہ نریندر دیو نے کہا کہ مسلم لیگ "مکمل آزادی" صرف زبانی کہتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے -

یہ قرارداد بالاتفاق منظور ہو گئی -

منتخبہ کمیٹی کی شکر فیکٹریوں کے متعلق رپورٹ کو وزیر امورات انتظامی نے پیش کرنا چاہا اسپر سریواستوا نے غور کرنے کے لئے مہلت چاہی - اور کہا کہ ایسی تبدیلیاں اس تیزی سے ہو رہی ہیں کہ پنڈت پنتھ مسولینی کے ایسے ڈکٹیٹر نظر آتے ہیں صدر نے غور کرنے کیلئے مہلت دیدی -

---

آنریری مجسٹریٹوں کے لئے اسمبلی نے یہ منظور کیا کہ ہر ڈسٹرکٹ میں انکے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے جو شخص چنا جائے یا تو اسکو قانون فوجداری کا تجربہ ہو یا پھر تین ماہ اسکو ٹریننگ دیجائے

پروفیسر کرشن چندر کی یہ قرارداد کہ مصنوعی گھی کو رنگ دینا لازمی کر دیا جائے، بالاتفاق پاس ہو گئی - اور غور کرنے کے لئے منتخبہ کمیٹی کے سپرد کی گئی -

---

یوپی کا گرام سدھار

یوپی کی حکومت نے دس ہزار دیہاتوں میں گرام سدھار کی اسکیم جاری کر دی ہے - ہر کارندہ ۹۰۰ دیہاتوں کا ذمہ دار ہوگا اس کا کام یہ ہے کہ اپنی تمام سرحد میں چھ مہینے کے اندر دورہ کرکے واپس آجائے اس کی خاص توجہ ان میں سے نو دیہاتوں پر رہے گی - اس طرح ۵ سال میں اس کا سارا حلقہ درست ہو جائے گا - اس کا کام ہے دیہاتی پنچایت بنانا - ایک دارالمطالعہ اور متحرک لائبریری قائم کرنا - دوائی تقسیم کرنا - گھریلو صنعتوں کو رواج دینا - کھیل کود رائج کرنا - سیوا دل اور بھجن منڈل کھولنا - ہر چھ مہینے کے بعد کام کا جائزہ لیا جائے گا -

یہ کارندے تمام فرقوں سے لے گئے ہیں - اس میں ۲۳ فیصدی اقلیتوں کو جگہ دی گئی ہے جس میں ۲۳ جگہیں مسلمانوں کو ملی ہیں - ایسی کچھ جگہیں خالی ہیں کیونکہ مناسب امیدوار نہیں ملے ہیں - ایسے امیدوار لینے کی کوشش کیگئی ہے جن میں پبلک خدمت کا جذبہ تھا - ہر کارندہ کو بیس روپیہ تنخواہ ۵ روپیہ بھتہ اور ایک

بالکل دیہاتی ہے۔

کام شروع کرنے سے پہلے کارندوں کو ایک ٹریننگ دی گئی تھی۔ وہاں انھوں نے بہت سادی زندگی گذاری سب فرقوں نے ساتھ کھانا کھایا کھانے میں صرف روٹی گڑ اور چنا تھا۔ یہ لوگ اپنا سارا کام خود کرتے اور روزانہ آس پاس کے دیہاتوں کو درست کرنے جاتے۔

وقتاً فوقتاً ان لوگوں کی کانفرنس ہوتی رہے گی۔ سردست اس کام کے لئے چودہ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

ہمارے صدر

ڈاکٹر عالم کے مقدمہ کی گواہی میں پنڈت جواہر لال عدالت میں پیش ہوئے۔ آپ نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ کانگریس نے ڈھائی لاکھ روپیہ مسلمانوں کو کانگریس میں لانے کے لئے پروپگنڈہ کرنیکو رکھا ہے جب کہ "سول اینڈ ملیٹری گزٹ" میں نکلا تھا۔ جس کے خلاف ڈاکٹر عالم نے مقدمہ چلایا ہے۔

آپ نے کہا کہ ایک معمولی آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ کانگریس کے حسابات جب چاہے پبلک دیکھ سکتی ہے۔ اور بار بار ان کی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ اس صورت میں ڈھائی لاکھ روپیہ کا چھپا کر دیدینا کیسے ممکن ہے۔

۲۲ جنوری سرحد کے ایک مقام پر تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نے کہا کہ فیڈریشن کے اصول کی مخالفت کون کرسکتا ہے۔ لیکن اختلاف اس بات سے کہ اس میں والیان ریاست کو اتنے اختیارات دیدیئے گئے ہیں اور انکے ذریعہ سے ترقی پسند تحریکوں کو دبایا جائیگا۔ اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وزارتیں لیکر ہم اپنا راستہ بھول گئے تو یہ اسکا سخت دھوکا ہے۔ ہم اپنا راستہ خوب پہچانتے ہیں۔

پنڈت جی سے پوچھا گیا کہ آپکے پاس فقیر آپی کا کوئی خط تو نہیں آیا۔ آپ نے کہا کہ ادھر تو کوئی خط نہیں آیا مگر کچھ مہینے ادھر خط آیا تھا جس میں فقیر آپی نے مجھے اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کو بلایا تھا تاکہ ہم لوگ جاکر دیکھیں کہ جو الزام فقیر آپی پر لگائے جارہے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں اسنے لکھا تھا کہ عورتوں کو اٹھالیجانا اور دوسرے اسطرح کے الزام لگانا بالکل جھوٹ ہے۔ اور یہ لکھا تھا کہ یہاں آکر پتہ چلیگا۔ برطانوی حکومت ہم لوگوں پر کیا ظلم ڈھاتی ہے۔ ہم لوگوں کو سب سے زیادہ پیاری چیز ہماری آزادی ہے اسکے لئے ہم آخر دم تک لڑینگے۔

پنڈت جی نے کہا کہ میرا ادھر جانے کو جی چاہتا ہے لیکن ادھر فرصت ملنی مشکل ہے۔

سوبھاش چندر بوس کی واپسی

۲۴ جنوری اخباروں کے نمائندوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا

جب ان سے آنے والی لڑائی کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ اب یورپ میں لڑائی کے امکانات بہت کم ہوگئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو اسپین کی لڑائی ہوئی جس نے سب لوگوں کی آنکھیں کھولدیں کہ لڑائی میں کیا مظالم ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا رویہ بدلا ہوا ہے۔ شاید اس وجہ سے اسکو یقین ہوگیا کہ وسطی یورپ اور مشرقی یورپ میں اسے دخل درانداز کا موقع آزادی سے نہیں مل سکتا ہے۔

نظربندوں کی رہائی پر کہا کہ جو کچھ ہوا ہے بہت کم ہوا ہے ہمکو تمام سیاسی قیدیوں کو چھڑانا ہے لیکن اس سلسلہ میں کیا کارروائی ہوگی یہ میں بلا گاندھی جی اور اپنے ساتھیوں سے ملے نہیں کہہ سکتا۔

فیڈریشن کیلئے کہا کہ کانگرس کو اپنی تمام طاقتوں کو اس کے مقابلہ میں صرف کردینا چاہیئے۔

کانپور کی مزدور سبھا نے اعلان کیا ہے کہ کانپور کے مزدوروں کی جانچ کمیٹی کو اپنی رپورٹ ایک مہینے کے اندر دیدینا چاہیئے مزدور کو برخاست کرنا روک دیا جائے اور جو برخاست ہوچکے ہیں انکو داخل کرلیا جائے۔ دفعہ ۱۴۴ بند کردیجائے اور مزدوروں کو جلسوں کی اجازت دیدیجائے۔ مزدور سبھا کے لیڈروں کو آزاد کردیا جائے، ورنہ ایک عام ہڑتال کیجائے گی۔

بمبئی اسمبلی

لوکل بورڈوں کے قانون کا مسودہ پڑھ ہوگیا اس میں ایک دفعہ کی روسے مسلمانوں کے لئے مشترکہ انتخاب رکھا گیا تھا۔ اسپر مسلم لیگ کے ممبروں نے مسٹر دہلدی کے ساتھ واک آؤٹ کردیا۔

اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی ہے جس کی روسے آئندہ خطابوں کیلئے سفارش نہیں کیجائے گی

تمام انڈمن کے قیدیوں کو جنکی تعداد ۱۰۹ ہے حکومت ہند نے انڈمن سے بنگال کی جیلوں میں منتقل کرنے کی اجازت دیدی۔

۱۲ جنوری کلکتہ انڈمن کے قیدیوں کا گروپ جس میں ۱۰۹ قیدی ہیں مہاراجہ جہاز سے آپہونچا۔

۲۴ جنوری لاہور سیاسی قیدیوں کی رہائی کی کانفرنس کیطرف سے ۱۴۴ (قانون فوجداری) کے توڑنے کو جو اسمبلی میں لگادیا گیا ہے ایک بہت بڑا جلوس نکالا۔ پولیس نے اسکو روکنا چاہا۔ جب نہ رکا تو اس پر لاٹھی چارج کیا۔ کچھ لوگوں نے پولیس پر جوابی حملہ کیا جس سے دو پولیس مین زخمی ہوگئے۔

کلکتہ میں آل انڈیا کریمن کانفرنس منعقد ہوئی اسنے فیڈریشن کی مخالفت میں قرارداد پاس کی۔

جاپان

وزیر اعظم جاپان کونوئے نے کہا - ہر ایک کو دشمن بنا لینا اچھی پالیسی نہیں - مثال کی طور پر برطانیہ بہت سمجھدار حکومت ہے اور حالات کے مطابق اپنی پالیسی بدلتی رہتی ہے ...... ہمکو جلد بازی سے فیصلہ نہ کرنا چاہیے - مثلاً یہ کہ چینی مسئلہ اسوقت تک نہیں حل ہوسکتا جب تک برطانیہ سے جھگڑا نہ مول لیا جائے - اگر یہ برطانیہ کے لئے درست ہے تو روس کے لئے بھی درست ہے -

---

جاپانی فوجیں برابر اسی بات پر اصرار کر رہی ہیں کہ انگریزی فوج جو شنگھائی کی بین اقوامی آبادی کے مغربی حصے کو قابو میں رکھتی ہے ہٹا دی جائے تاکہ وہاں جاپانی نوجوں کا قبضہ ہو جائے -

---

جاپان اور برطانیہ میں ایک نیا جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا جاپانیوں نے برطانیہ سے کہا کہ ایک چینی جو جاپان دشمن پروپیگنڈے کا مجرم ہے اور انگریزوں کی حفاظت میں ہے حوالے کر دیا جائے - برطانوی افسروں نے انکار کیا - جاپانیوں نے انگریزی عمارت میں گھس آنے کی دھمکی دی انگریزی فوج کے سالار نے کہا کہ مجھے مجبوراً بچاؤ کرنا پڑے گا - جاپانیوں نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ جھگڑا غلط فہمی کی وجہ سے تھا

چین

خبر گرم تھی کہ میڈم چیانگ کائی شیک کے ذریعہ پوشیدہ طور پر صلح کی بات چیت ہو رہی ہے میڈم چیانگ کائی شیک نے ایک بیان دیا ہے جس میں اس خبر کی سختی سے تردید کی ہے - انہوں نے کہا کہ چین صلح ضرور چاہتا ہے - مگر اس طرح نہیں کہ لینہ فرما نروائی کے حقوق دے بیٹھے - بیان میں یہ بھی ہے کہ چیانگ کائی شیک نے ایک نئی جنگی کونسل بنائی ہے جو لڑائی کی موجودہ پیچیدگیوں پر غور کرے گی

فرانس کی نئی حکومت

چیمبر کے اجلاس میں چاٹمس نے نئی حکومت کی پالیسی بیان کی انگلستان اور فرانس کے درمیان تعلقات خوشگوار رہیں گے - لیگ اقوام کا احترام کیا جائے گا - اور فرانسیسی قوم کا بچاؤ ہر حال میں کیا جائیگا مزدوروں کو بالکل یقین دلایا جائے کہ انہوں نے جو منافع جیت لے ہیں وہ پوری طرح محفوظ رہیں گے - اور حکومت کارخانے والوں کے سامنے ایک اسکیم رکھے گی، جسکی رو سے منیجروں کی ملازمتوں اور مزدوروں کی ملازمتوں اور حقوق کی حفاظت کیجائیگی -

---

آئرستان اور انگلستان

آئرستان اور انگلستان کے نمائندوں کے درمیان بات چیت شروع ہوگئی - ڈی ویلرا نے یہ بات صاف کر دی کہ اگر انگلستان اور آئرستان کی دوستی کو مضبوط بنانا ہے - تو السٹر آئرستان میں ملا دیا جائے - بلا اس کے آئرستان والے کبھی خوش نہیں رہ سکتے -

انگلستان کے نمائندوں نے کہا کہ آئر - اور شمالی آئرستان میں کوئی ایسا تغیر نہیں کیا جا سکتا جس میں شمالی آئرستان کی مرضی نہو -

بعد کی بات چیت میں توجہ تجارتی تعلقات پر رہی اور جو کچھ طے ہوا اسی کا آخری فیصلہ اپنے اپنے ماہروں کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ سردست دونوں قومی تقسیم کے مسئلہ کو ٹالدینا چاہتی ہیں -

یہ گفتگو صرف ابتدائی گفتگو ہے اس میں تحریری یا زبانی کسی قسم کا معاہدہ نہیں کیا جائے گا - شاید ایک دو مہینہ میں لندن میں پھر گفت و شنید کی جائے -

---

ڈی ویلرا نے واپس آکر بیان دیا ہے جس میں کہا کہ اس گفتگو سے ایک دوسرے کے خیالات کا پتہ چل گیا - زیادہ مضبوط تجارتی تعلقات پیدا ہو گیا - اب ممکن ہے کہ ہم لوگ آئندہ ملاقات میں کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں

سویڈن اٹلی سے دوستی چاہتا ہے

۱۸ - جنوری - اسٹاک ہولم - سویڈن کے وزیر خارجہ نے اخبارات میں ایک بیان دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اٹلی نے حبش پر چڑھائی کی تھی تو لیگ اقوام نے اسکا تجارتی مقاطعہ کیا تھا - اسی مقاطعہ میں سویڈن بھی شریک تھا - تب سے اسکے اٹلی کے تعلقات بگڑے ہوئے ہیں - لیگ اقوام جب بڑی بڑی طاقتوں کے معاملوں میں کچھ نہ کر سکی تو سویڈن کے لئے کچھ کرنے سے رہی - اس لئے بہتر ہے کہ وہ تمام چھوٹی چھوٹی حکومتیں جو سویڈن کی طرح سے گھاٹے اٹھا رہی ہیں ملکر اٹلی سے میل کی بات چیت کریں تاکہ کسی طرح کا سمجھوتہ ہو جائے -

کالے آدمی کی وقعت

۱۷ - جنوری - مسٹر رضا علی نے جوہانسبرگ کے ایک عمارت کے لفٹ پر جانے کا ارادہ کیا، تو لفٹ والے نے ان کو بٹھا لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ "کالے آدمی" تھے مسٹر رضا نے اپنے کو سمجھایا اور بتایا کہ میں سخت ضرورت سے جا رہا ہوں مگر لفٹ والا بٹھانے پر راضی نہیں ہوا - آخر جب ایک اور لفٹ والے نے انکو بٹھایا تب لفٹ پر انکی رسائی ہوئی سینکڑوں کے ساتھ یہی برتاؤ ہو چکا ہے - مسٹر رضا علی نے اس برتاؤ کی حکومت سے سخت شکایت کی ہے "ایک چھوٹے سے شکار نے بہت اہانت آمیز برتاؤ کیا"

لاسلکی زہر

انگلستانی ریڈیو نے عربی مین براڈکاسٹ کرنا شروع کردیا۔ تقریباً چالیس منٹ گانے بجانے کا پروگرام رہتا ہے۔ اور پندرہ منٹ خبرون کے لیے رکھے جاتے ہین۔ اسی طرح اسپینی اور پرتگالی زبانوں میں بھی براڈکاسٹ شروع ہوتا ہے۔ سبب انکا نقل ہی تو رہا ہے۔ سولینی، اپنے کو اسلام پناہ ثابت کرنے کے لیے عرصہ سے عربی میں ایسی خبریں براڈکاسٹ کرتا تھا جو برطانیہ کے مخالف اور اٹلی کے موافق ہوتی تھی۔

برطانیہ کو ۱۹۳۷ء دار کی چوٹ فلسطین میں پہنچی۔ اس نے مقابلہ یوں کیا کر رحم اللہ مین فلسطینی ریڈیو گھر کھولدیا۔ اور وہاں سے انگریزی عربی، اور ایرانی مین براڈکاسٹ ہونے لگا۔ دیہاتوں کافی خانوں، اور اسکولوں میں وٹیرسٹ رکھدئے گئے۔ کچھ ہی دنوں میں لوگوں کو اس مشغلے سے دلچسپی ہوگئی۔

لیکن دور دور کے عربی ملکوں تک اسکی آواز صاف نہیں جاتی تھی۔ وہاں اٹلی کا باری براڈکاسٹ سنا جاتا تھا۔ برطانیہ نے اب مجبور ہوکر اپنے خاص براڈکاسٹ بی۔ بی۔ سی، میں اس کے مقابلے کے لیے جگہ نکالی۔

برطانیہ اس میدان میں دیر کرکے آئی ہے۔ اسوقت تمام قومیں غیرزبانوں میں براڈکاسٹ کررہی ہین۔ حالانکہ پہلے اپنے ہی ملک کی نوآبادیوں کی زبانون کو نظرانداز کردیا جاتا تھا۔ لیکن اب ان قوموں کی میں زبانیں ضرور براڈکاسٹ کیا جاتا ہے جن کو غلام بنانا اور نگلنے کا ارادہ ہوتا ہے، جرمنی حکومت، افریقہ، امریکہ اور مشرقی ملکوں کے لیے تو زبانوں میں براڈکاسٹ کرتی ہے۔ اس میں انگریزی اور ہندوستانی بھی ہوتی ہے۔ اس براڈکاسٹ کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ سمجھا دیا جائے کہ ہم لوگ بہت اچھے ہین۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ لوگ سمجھانے والے ملک کا نیا سامان خریدنگے اور اوسی کے غلام بننا پسند کریں گے۔ یہ بات طرح طرح کی ترکیبوں سے سمجھائی جاتی ہے۔ گانا بجانا ہوتا ہے۔ قصے کہانیاں ہوتی ہیں۔ اور پھر خبریں ہوتی ہیں۔ اگر کسی ملک کا گانا بجانا ہی پسند آجائے تو اس ملک کا ڈیرا ہوجائے گا، اور پھر وہاں کی چیزیں، اور وہاں کے افسر بھی اچھے لگنیں گے۔ اس کے علاوہ خبروں میں ایک اور زہر کا فقرہ ہوتا ہے جو دو چار برس میں آدمی کے دماغ کو جکڑ لیتا ہے۔

سرمایہ داروں نے اپنے منافع کے لیے صرف ہندوستان۔۔ اور چین کے رہنے والوں کے جان ومال ہی کو نہیں لوٹا۔ بلکہ دماغوں اور محفلوں پر بھی چھاپا مارا ہے۔ انکی نہائی کتابیں، ۔۔ے، اخبار، اور مذہبی ارادے سب خوبی سے بھاگنے والی راہوں کو سکتے ہیں۔ اور دو لفظ چنیدوں کی غلامی کی برکتیں دلوں میں ڈ سیتے ہیں۔ لیکن یہ سلسلے پھر بھی ایک حد تک محدود تھے۔ براڈکاسٹ کی تحریک ان سب سے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

باجلاس جناب سید اختر احسن صاحب بہادر منصف ڈلمؤ ضلع رائے بریلی
مقام رائے بریلی

مقدمہ نمبر ۹۷ انبری ۱۹۴۰ء

بعدالت منصف صاحب بہادر ڈلمؤ مقام رائے بریلی

رااجا مسی جی چیلہ بدری پرشاد چارج ساکن حال مندر رام بھون داراگنج شہر الہ آباد	مدعی

بنام

رام راکھن ولد جیا تھہ قوم برہمن ساکن حال سیول لین برکوٹھی بابو صاحب انا پورا رانی ہنتیا کی کوٹھی متصل ہائی کورٹ پورا نا شہر الہ آباد	مدعا علیہ

بنام رام راکھن ولد جیا تھہ قوم برہمن ساکن حال سیول لین برکوٹھی بابو صاحب انا پورا رانی نیتا کی کوٹھی متصل ہائی کورٹ پورا نا شہر و ضلع الہ آباد۔

ہرگاہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت ۱۱۱۱۶ روپے کے دائرکی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ چوبیس ۲۴ ماہ فروری ۱۹۴۰ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جواب دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمھارے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز انکو پیش کردو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۸ ماہ جنوری ۱۹۴۰ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

تنبیہ۔ اگر بیانات تحریری کی ضرورت ہو کھنا چاہیے کہ تم کو (یا فلاں فریق کو یعنی جیسی کہ صورت ہو) حکم دیا جاتا ہے کہ بیان تحریری چوبیس ماہ فروری ۱۹۴۰ء تک گذرانو

اگر کوئی عدالت بموجب آرڈر ۵ قاعدہ ۳ مجموعہ ضابطہ دیوانی مدعا علیہ کی اصالتاً حاضری کی ضرورت سمجھے تو فارم (۱-۵) یا (۲-۵) استعمال کرے "اور محض الفاظ" یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے" قلمزد کردے۔

مہر عدالت

دستخط حاکم
بخط انگریزی

وقت حاضری بدفتر منصفی ڈلمؤ مقام رائے بریلی دس بجے سے چار بجے تک

جلد ۲ نمبر ۶ — ٦ر فروری ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ روپے

لارڈ لوتھین کھل گئی۔ آگیا فیڈریشن زبان پر

مسلم یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر لارڈ لوتھین سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے جی بھر کر فیڈریشن کی تعریفیں کر ڈالیں۔ انکو بڑا اصرار تھا کہ اسکو قبول کر لینا چاہئے۔ دوسرے دن اخباروں میں ایک بیان دیا جس میں کہا کہ "صرف یہی ایک طریقہ ہے جو ہندستان کو یورپ کی طرح ۲۶ ریاستوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے روک سکتا ہے!"

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندستان کے لئے ایک مرکزی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن انکار تو اس فیڈریشن کی خوبیوں سے ہے جو دستور اساسی ہند ۱۹۳۵ء کے ذریعہ برطانوی پارلیمنٹ نے ہندستان پر ڈالا ہے۔ اس فیڈریشن کو فیڈریشن کہنا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ اس میں جمہوریت پسند صوبوں کے نمائندوں کو استبداد پسند والیان ریاست کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ گویا آگ و پانی کو ایک برتن میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ لارڈ لوتھین کو بھی اسکا بے جوڑ ہونا تسلیم ہے۔ لیکن ان کی رائے ہے کہ جب رفتہ رفتہ ریاستی رعایا میں سیاسی بیداری پھیلے گی یہ بے جوڑ پن کم ہو جائے گا۔ سر دست جمہوریت کی بنیاد ڈالنے کیلئے اس اسکیم کو قبول کر لینا چاہئے۔

والیان ریاست اپنی رعایا سے ہزار طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دولت و آرام، عیش و عشرت، صرف رعایا کی محنت سے ہوتی ہے۔ ہر کسانے والے کا کچھ نہ کچھ حصہ در راجہ صاحب کے نذر ہو جاتا ہے۔ اس کی مصیبت یونہی کم ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی نذر کم کرنے کی کوشش کرے۔ لگان کم دے۔ ٹیکس کم ادا کرے۔ والی ریاست کی ذاتی جائدادوں پر جس میں عموماً ریاست کی اچھی اچھی زمینیں آجاتی ہیں، قبضہ کرے۔ یہ حقے جتنے جتنے رعایا کی طرف آتے جائیں گے، والی ریاست کی جیب سے نکلتے جائیں گے۔

اس لئے جس قانون میں ریاستی رعایا کا بھلا ہو والی ریاست کا نہیں ہو سکتا۔ جو نظام برطانوی راج کے صوبوں میں ہے، وہی نظام ریاستوں میں بھی۔ جو قانون صوبوں کی رعایا کے حق میں مفید ہوگا۔ ریاستی رعایا کے حق میں بھی مفید ہوگا۔ اس طرح اگر فیڈرل اسمبلی میں ایک ایسا قانون پیش کیا جائے جو صوبوں کی رعایا کے حق میں مفید ہو، وہ ریاستی رعایا کے حق میں بھی مفید ہوگا یعنی والیان ریاست کے حق میں مضر۔ والیان ریاست کے نمائندے کبھی اسکی تائید نہیں کر سکتے۔

کسانوں کو لگان نہ ادا کرنے۔ ریاستی رعایا کو والی ریاست کے حقوق روکنے سے کون چیز روکتی ہے؟ پولیس۔ عدالت جیل۔ فوج۔ یعنی برطانیہ عظمیٰ۔ گویا زمینداری اور ریاست کا تکیہ صرف برطانیہ پر ہے۔ اس لئے جو چیز برطانیہ کی حکومت کو ہندستان میں کمزور کرے گی۔ اور کسانوں اور مزدوروں کی طاقت بڑھائے گی۔ والیان ریاست کو پسند نہیں آسکتی۔ ہر صوبہ میں ایک رجعت پسند جماعت موجود ہے۔ جس کی رجعت پسندی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ انکے حقوق اس طرح کے ہیں جس طرح کے والیان ریاست کے حقوق ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں فیڈرل اسمبلی میں باہم ضرور مل جائیں گی۔ والیان ریاست کے نمائندوں کی تعداد یونہی بہت ہے۔ رجعت پسندوں کے آملنے سے ان کی اکثریت ہو جائے گی

فیڈریشن کی بناوٹ ایسی ہے کہ ریاستی رعایا اسی وقت قبضہ کر سکتی ہے جب والی ریاست کو بے بس کر دے۔ اس بے بس کرنے کیلئے انکو سخت لڑائی لڑنا ہوگی۔ والیان ریاست اس لڑائی کو دبائیں گے۔ دبانے کے لئے بہت ممکن ہے کہ فیڈریشن کی اکثریت انکا ساتھ دے۔

گویا کہ فیڈریشن قبول کرنا، کسانوں کے ساتھ، مزدوروں کے ساتھ اور اس ملک کی رعایا کے ساتھ غداری کرنا ہے۔

بے روزگاری کا نیا علاج

تعلیم یافتہ طبقے کی بے روزگاری کا سوال عرصے سے ایک خاص جماعت کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ اسی جماعت کے دباؤ سے صوبہ متحدہ کی حکومت نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کے صدر سر تیج بہادر سپرو تھے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ عرصہ ہوا شائع ہو گئی اور اس پر پورے ملک میں کافی بحث ہوئی۔ حال ہی میں حکومت ہند نے اس پر غور کیا ہے اور ایک نئی تجویز اس سلسلے میں تیار کی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ سرکاری نوکریوں کیلئے جو مختلف امتحان ہوتے ہیں ان میں بنیادی تبدیلی کی جائے۔ اسکی صورت یہ ہوگی کہ حکومت کی طرف سے ایک عام ابتدائی امتحان ہوگا جس میں اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد اور یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے جس کا جی چاہے ایک مقررہ فیس ادا کرکے شامل ہو سکے گا یہ امتحان مقابلہ کا ہوگا اور ہر سال ایک مقررہ تعداد میں سرٹیفکٹ دئے جائینگے۔ یہ سرٹیفکٹ کسی کو ملنے کا ذریعہ نہ ہوگا بلکہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ آئندہ جو امتحان نوکریوں کیلئے ہونگے ان میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکینگے جنکے پاس یہ ابتدائی سارٹیفکٹ ہوگا۔ حکومت کا خیال ہے کہ اس طرح سرکاری نوکریوں کے امیدواروں کی تعداد میں کمی ہو جائے گی اور بہت سے لوگ جو سالہا سال کی تعلیم بہت سا روپیہ صرف کرکے اس امید میں حاصل کرتے ہیں کہ ان کو سرکاری نوکریاں مل جائیں گی لیکن جنکی قسمت میں ناامیدی لکھی ہوتی ہے خرچ اور ناامیدی دونوں سے بچ جائینگے۔

سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو یہ تجویز بہت اچھی معلوم ہوگی لیکن اس میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ سب سے پہلی خرابی تو یہ ہے کہ اس ابتدائی امتحان میں شامل ہونے کے لئے کوئی قید قابلیت کی نہیں رکھی گئی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ جو لوگ فیس ادا کر سکتے ہیں وہ بلا لحاظ قابلیت امتحان میں شامل ہونگے اور جو لڑکے غریب لیکن تیز ہیں انکو موقع نہیں ملیگا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ حکومت کو اس امتحان پر ہر سال ہزاروں روپیہ صرف کرنا پڑیگا اور ایک بالکل نیا محکمہ اسی غرض سے قائم کرنا پڑیگا۔ اسلئے کہ ہر سال امیدواروں کی تعداد لاکھوں تک پہونچے گی۔ اسکے علاوہ جس عمر میں امتحان لیا جائے گا وہ جانچ کیلئے صحیح نہیں ہے۔ اکثر نوجوان سولہ سترہ برس کی عمر تک معمولی ذہین ہوتے ہیں اور بہت سے شروع میں تو تیز معلوم ہوتے ہیں لیکن بعد میں ان کی ترقی رک جاتی ہے۔ پھر اتنے بڑے پیمانے پر جو امتحان ہوگا اس میں صحیح جانچ ہو بھی نہیں سکتی۔ یہ بھی نہیں بتایا جا سکتا ہے کہ اس امتحان میں جو لوگ کامیاب ہونگے ان کی آئندہ تعلیم کس قسم کی ہوگی۔ اگر وہی معمولی کالج یا یونیورسٹی کی تعلیم ہوئی تو اس خرچ اور زحمت سے فائدہ کیا؟ ہاں اگر یہ ہو کہ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوں ان کو شروع ہی سے مختلف جماعتوں میں تقسیم کرکے حکومت کے مختلف کاموں کیلئے خاص طور پر تیار کیا جائے تو شاید کچھ مفید صورت نکلے مگر اس صورت میں مقابلے کا امتحان اس عمر میں نہ ہونا چاہئے بلکہ بیس اکیس سال کی عمر میں ہو تو بہتر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نظام تعلیم کا جو گہرا تعلق اب تک سرکاری نوکریوں سے قائم ہے اسکو بدلنے کی ضرورت ہے لیکن وہ اس سطحی تبدیلی سے نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اسکی ہے کہ تعلیم کے مقصد میں بنیادی تبدیلی ہو اور ایسی صورت پیدا کی جائے کہ ایک حد تک ضروری تعلیم عام کیجئے اور اسکے بعد صرف قابل نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم دیجائے۔ اور اس کا لحاظ رکھا جائے کہ غریب لیکن ذہین طالب علم اس سے محروم نہ رہیں اور امیر نالائقوں سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کو پاک کیا جائے۔ سرکاری نوکریوں کا مسئلہ قوم کی زندگی میں ایک بہت ہی جزوی مسئلہ ہے۔ سارے نظام تعلیم کو اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہا بے روزگاری کا سوال تو یہ بالکل معاشی سوال ہے۔ اور تعلیم سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے جب ہمارا معاشی نظام بدلا جائے۔ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے کوئی علٰحدہ حل نہیں مل سکتا۔

سلطان المدارس کے اساتذہ کی ذہنیت

لکھنؤ میں شیعوں کا ایک مدرسہ سلطان المدارس ہے جس کا تعلق حسین آباد ٹرسٹ سے ہے۔ اور گورنمنٹ امداد بھی ملتی ہے۔ یہاں تقریباً ۴۰۰ سو طلباء عربی و مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے ذریعہ سے ایک پمفلٹ نکالا ہے جسمیں مدرسے کے انتظامات کے متعلق کچھ شکایات ہیں۔ پمفلٹ کی تمہید یہ ہے۔

"ہماری زندگی کیا ہے؟ . . . . . . چودہ برس یہاں گذارنا۔ چودہ برس ہر قسم کی دلچسپیوں سے دور۔ ساری دنیا سے الگ تھلگ۔ لیل و نہار سے بےخبر ان چیزوں سے بھی بے خبر جنکا اثر ہماری تعلیم، روزی بلکہ ساری زندگی پر پڑتا ہے۔ یعنی سیاست ۔۔ مدرسہ کے تمام افسروں کی جی حضوری کرنا . . . . وظیفہ کی طمع و تشنیع سہنا۔ چودہ برس کے بعد۔ حاصل؟ کچھ نہیں نہ عربی سمجھ سکتے ہیں اور نہ دینی مسائل۔

ہمارے سامنے پہاڑ سی زندگی ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچوں کا پیٹ بھرنا ہے۔ زندگی کے پیچیدہ مسائل سے سابقہ پڑتا ہے۔ مگر ہم نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ کچھ کر سکتے ہیں . . . . . روزی کمانے کیلئے صرف دکھ دردیا ہمارے پاس رہ جاتا ہے۔ وقف کا مقصد کیا ہے؟ طلباء کو تعلیم دینا۔ صرف اسی لئے مدرسہ کی عمارت ہے۔ مدرسین ہیں کلرک اور چپراسی ہے۔ اگر تعلیم کی کوئی دوسری صورت نکل آئے تو مدرسین نہ ہونگے مگر طلباء ہوں گے"

طلباء کی بعض شکایات پڑھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔

طلباء کو شکایت ہے کہ انکے تمام خطوط کھولکر پڑھ لئے جاتے ہیں حتی کہ بیوی کے خط بھی۔ سپرنٹنڈنٹ کو انکے اخلاق کی طرف سے اتنی بدگمانی ہے کہ گرمیوں میں بھی بیچاروں کو کمروں میں سونا پڑتا ہے۔ ایک لڑکے علی سجاد کا نام خارج کر دیا گیا لیکن اسکو یہ لکھکر نہیں دیا جاتا کہ کیوں نام خارج کیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب طلباء کو بہت گندی گالیاں دیتے ہیں۔ ورزشی کھیلوں میں شریک ہونے اور سیاسی جلسوں میں جانیکی اجازت نہیں انکو یہ بھی نہیں معلوم کہ آجکل کس کی حکومت ہے۔

سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ انکا نصاب ایسا ہے کہ چودہ برس کے بعد بھی انکو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

طلباء نے فیڈریشن سے خواہش کی ہے کہ ایک کمیٹی مقرر کرے جو انکے مطالبات کی تحقیق کرے اور انکو پورا کرائے۔ یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہئے۔ عام طور سے سنا جاتا ہے کہ جن جن مدرسوں میں طلباء کو وظیفہ دیا جاتا ہے وہاں طلباء پر طرح طرح کے دباؤ ڈالے جاتے ہیں۔ حالانکہ وظیفہ والا روپیہ ہوتا طلباء ہی کا ہے۔ کیونکہ انھیں کے نام سے لیا جاتا ہے۔ سلطان المدارس کی بدنظمیوں کی اچھی تحقیقات ہونا چاہئے۔ تاکہ اس سے اور مدرسوں کے منتظمین سبق حاصل کریں۔

بحر روم کی مار دھاڑ بدستور ہے

بحر روم کی مار دھاڑ ابھی تک بدستور ہے۔ پندرہ روز ہوئے ولنشیا سے کچھ دور برطانوی اسٹیمر کلوی لارڈ کو ایک نامعلوم آبدوز نے تارپیڈو سے اڑا دیا۔ ایک اور برطانوی اسٹیمر کا مانے ایک اجنبی آبدوز کو ایک تجارتی جہاز پر حملہ کرتے دیکھا۔ فوراً اس کی چھان بین کی گئی۔ فرانسیسی جہازوں نے بھی ڈھونڈھا۔ مگر پتہ نہ پایا۔ ایک اور نامعلوم آبدوز نے برطانوی اسٹیمر بک جنبو اپر مغربی بحر روم میں حملہ کر لیا۔ اس نے تین سو گز کے فاصلے سے تارپیڈو مارا اور پھر فوراً غوطہ مار کر غائب ہو گیا۔

اسکے علاوہ ہوائی حملے بھی ہو رہے ہیں۔ جب بارسلونا سے ۵ میل دور بلاگو پر ہوائی حملہ ہو رہا تھا۔ ایک برطانوی اسٹیمر تھارنیس پر بم گرایا گیا۔ جس سے سات جہازی مر گئے۔ اور سات زخمی ہوئے۔

یہ حملے انجمن غیر جانبداری کے زمانے سے شروع ہوتے ہیں۔ لیکن نائن کی نو طاقتوں کی کانفرنس کے بعد یکبارگی بند ہو گئے۔ اب انکا سلسلہ پھر شروع ہو گیا ہے زخمی جہازیوں کے بیانات سے کافی ثبوت ملگیا کہ حملہ کرنے والے اٹلی، جرمنی اور فرانکو ہیں۔ یہ معاملہ یوں صاف ہے کہ برطانیہ اور فرانس کے حق میں بحر روم کا امن بہت ضروری ہے خاصکر برطانیہ کے مقبوضات کا یہی سیدھا راستہ ہے۔ اسی لئے برطانیہ نے بحر روم میں کئی ایک مضبوط بحری چوکیاں قائم کر رکھی ہیں۔ چند مہینے پہلے تو یہ چوکیاں ایسی تھیں کہ اس کی مدد سے برطانیہ جب چاہتی بحر روم میں دوسری طاقتوں کی آمد و رفت بند کر دیتی۔ یہ قبضہ اٹلی کے لئے زہر ہے۔ کیونکہ باہری دنیا سے تعلقات رکھنے کیلئے یہی ایک راستہ ہے۔ پہلے تو اٹلی نے صلحناموں کے زور سے بحر روم میں قبضہ حاصل کرنا چاہا۔ لیکن اب یہ صورت نکالی ہے۔ اور تجربہ بتاتا ہے کہ یہ زیادہ کارگر ہے۔

جاپان کا کھوکھلا پن

جاپان کی وزارت داخلہ نے گذشتہ سال کی تجارتی اتار چڑھاؤ کے اعداد شائع کئے ہیں۔ اس میں مزدوروں کی اسٹرائکوں کا حال بھی ہے۔ یہ واضح رہے کہ جب سے لڑائی شروع ہوئی ہے یعنی جولائی ۱۹۳۷ء اسٹرائک قانوناً جرم کر دی گئی ہے۔ کل ۱۹۵۶۔ اسٹرائکیں ہوئیں جن میں ۲۰۶۲۳۱ مزدور شریک تھے۔ پارسال اسی زمانے میں صرف ۱۱۶۱۔ اسٹرائکیں ہوئی تھیں۔ اور ان میں ۷۳۵ر۵۷ مزدور شریک تھے۔

کاشتکاروں میں شورشیں ۳۸۴۹ ہوئیں۔ پارسال انکی تعداد ۳۰۸۷ رہی تھی۔

تجارتی وزارت نے چیزوں کا بھاؤ شائع کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی چھڑنے کے چھ مہینے کے اندر کتنی گرانی ہو گئی۔ اکتوبر میں ۱۲ فیصدی ہر چیز کے دام چڑھ گئے تھے۔ نومبر تک بھاؤ اتنا بڑھ گیا ہے

دھات کی بنی ہوئی چیزوں کے دام ۹۳ فیصدی چڑھ گئے (قریب قریب دگنے)

عمارتی سامان ۳۴ " "

چربی وغیرہ ۱۹ " "

حال ہی میں جاپان کو نئے نئے ٹکس لگانا پڑے ہیں۔ دوسری طرف جاپانی تجارت کو ایک طرف بائیکاٹ نے نقصان پہونچایا۔ اور دوسری طرف جو جہاز پہلے تجارتی سامان لے جاتے تھے وہ اب لڑائی کا سامان ڈھونڈھنے میں پھنسے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دن بدن مہنگی بڑھتی جاتی ہے۔ اور جیسی جیسی لڑائی طول پکڑتی جائیگی مہنگی بڑھتی جائیگی۔ عوام بھوک سے تنگ آ کر شورشیں کرینگے

اگر چین کچھ دنوں یوں ہی جارہا۔ تو جاپان کی تباہی یقینی ہے۔
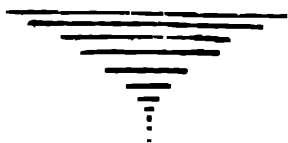
ہندو مہاسبھا کی نئی تیرتھ گاہ

ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری ساورکرجی نے جاپانی قنصل جنرل کو ایک خط میں لکھا کہ ہندوؤں کی ہمدردی جاپان کے ساتھ ہے۔ اس بے تکی ہمدردی پر ڈاکٹر رام منوہر لوھیا (خارجہ ڈپارٹمنٹ آل انڈیا کانگریس کمیٹی) نے ایک بیان دیا جس میں مہاسبھا کو اس حرکت پر بہت ملامت کی۔ اس بیان کا جواب مہاسبھا کی طرف سے یہ چھپا ہے۔

"اس کے متعلق نہ تو کوئی قرارداد سبجکٹ کمیٹی میں پیش کی گئی اور نہ جلسہ عام میں"

یہ بات بھی بری تھی کہ ایک ہنگامہ میں ۴-۵ لاکھ انسان مر چکے ہوں اور جس میں بودھ مذہب کے لوگ بھی شامل ہوں، اس کے متعلق ایک عالمگیر ادارے کی کوئی رائے نہ ہو۔ اس لئے پیش نہ کرنے کی وجہ بھی بتانا پڑی:—

"کیونکہ موجودہ حالت میں دونوں فریق میں سے کسی کی طرفداری کرنا نامناسب سمجھا گیا!"

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ جھگڑا بھول چوک میں رہ گیا۔ بلکہ سمجھ بوجھکر چھوڑ دیا گیا۔ موجودہ حالت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر ہمدردی کرو تو جیتنے والے کے ساتھ کرو، جو کچھ فائدہ بھی ہو۔ ہارنے کے ساتھ ہمدردی کی تو کیا کی اور ابھی ٹھیک کہا نہیں جا سکتا کون جیتے گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ لڑائی دونوں طرف

سے ہو رہی ہے۔ ادھر بھی فوجیں ادھر بھی فوجیں ادھر بھی توپیں ادھر بھی توپیں۔ یہ بھی جیو لیتے ہیں اور وہ بھی۔ آپ کوئی کیسے بتائے کہ بے قصور کون؟

ساورکر جی نے بھی ایک بیان دیا۔ بڑی بھولی بھولی باتیں ہیں کہتے ہیں:۔

"بابو رام منوہر لوہیا کی تنقید بالکل بے بنیاد ہے۔ انھوں نے سہو کر ایک بہت اہم فقرہ میرے خط کا چھوڑ دیا۔"

ساورکر جی کا خط پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی محبت میں زبردستی بنتے بنتے رہ گئے۔ وہ فقرہ کیسا ہوگا جو اُن کے سارے خط کے مضمون کو مٹا، ان کی ہمدردی کو چین سے چپکا دے۔ فقرہ یہ ہے:۔

"ہندو مہاسبھا کی تمنا ہے کہ دونوں ملکوں میں امن رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دیس کے ہندو، بدیسی ہندوؤں کی فتحیابیوں پر ناز کرتے ہیں۔ بھائی بندی کا جذبہ اہم چیز ہے۔"

ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں ہندو کی تعریف یہ کی گئی تھی جو ہندستان کو اپنی ماتری بھومی اور پتر بھومی سمجھتا ہو۔ جاپان نے تو کبھی نہ سمجھا اگر سمجھا تو غلام بھومی سمجھا۔

چین اور جاپان کے مذہب میں زیادہ فرق ہے اور نسل میں ایک چینی ہندو مہاسبھا کے اجلاس کی صدارت بھی کر چکا ہے۔ چین پھر نہ بھی تو مہاسبھائی ہو ہی گا، جب ہی تو۔ پھر آخر جاپان ہی بھائی کیوں بنایا جائے، چین کیوں نہیں؟ ساورکر جی ان باتوں کو نہیں دیکھتے۔ رہ تو جاپان کے بھائی بن کر رہیں گے۔ وہ ٹھہرا بڑا آدمی۔ اور جاپان ہے کہ ہندستانی ہندوؤں پر ایسی ایسی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے اس نے خبر تک نہ لی تعجب کیا؟ سوتیلے غریب بھائیوں کی ایسی ہی گت ہوتی ہے۔

قابلیت تو اب بھاڑتے ہیں۔

"یہ لڑائی کسی دشمنی کا نتیجہ نہیں ہے۔ جاپانی قوم چین سے ملکی فتوحات کے لئے نہیں لڑ رہی ہے بلکہ اس لڑائی کی وجہ ظاہر ہے۔"

کیا؟ —————!

جاپانی لڑ رہے ہیں چین کی اس عادت کے خلاف کہ وہ ہر بیرونی حکومت سے دب کر اس کے نامناسب مطالبات منظور کر لیتا ہے۔ اور برابر دوسری قوموں کو نامناسب تجارتی اور اقتصادی حقوق بانٹتا رہتا ہے لیکن جاپان کو آزاد تجارت کی اجازت نہیں ہے۔ اور جاپان دشمن پروپگنڈا وہاں ہوتا رہتا ہے اور دوسری قوموں کو بھی ایسے پروپگنڈے کی اجازت مل جاتی ہے۔"

دلیل کے تین ٹکڑے ہیں۔

۱۔ چین کمزور ہے اس لئے اس کو خوب پٹنا چاہئے۔

برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔"

کھود اپہاڑ نکلی چوہیا۔ یہ وہ فقرہ ہے جو شہنشاہ جاپان۔ وزیر اعظم جاپان وزیر جنگ جاپان۔ کمانڈر انچیف جاپان ہر ایک کہہ چکا ہے اور جب ان لوگوں نے یہ بتائی کہ چین کو اتنا پیٹو کہ وہ برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم کرے۔

آگے چل کر کہتے ہیں:——

کیوں کمزور ہوا۔

۲۔ چین اپنی دولت سب کو بانٹتا ہے۔ جاپان کو کیوں نہیں دیتا؟ اچھا ہے جاپان مار مار کر چھین لے۔

۳۔ چینیوں کو خوامخواہ، بلاوجہ، جاپان سے دشمنی ہو گئی ورنہ بچارا جاپان تو بڑا نیک۔ وہ تو کچھ کرتا ہی نہیں۔

شری ساورکر جی تو جاپان کی محبت میں جلا ہوئے جا رہے ہیں اور جاپان ہے کہ اس کے کمانڈر انچیف نے ۲۸ جنوری کو ایک ایسا فقرہ کہدیا کہ ان کا سارا کیا کرایا مٹ گیا۔

"جاپان کی آبادی اور ترقی کو دیکھتے ہوئے ضروری تھا کہ وہ چین میں جگہ نکالے۔"

افسوس! ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری کے جذبات کا ذرا احترام نہیں اس فقرے سے اُن کو کتنا دکھ پہونچا ہوگا! —— اندازہ ہے کہ وہ اخبار نہیں پڑھتے ورنہ ایسے ایسے دکھ روزانہ پہونچا کرتے —— اور اب تک تو کلیجہ چلنی ہو گیا ہوتا ——

آگے چل کر چین پر ایک جرم اور لگایا ہے کہ اس نے عیسائی مشنریوں کو پرچار کرنے کی اجازت دیدی اور چیانگ کائی شیک خود عیسائی ہو گیا کتنا بڑا جرم ہے! مہاسبھا تو یہ کبھی نہ کرتی۔ اس نے ابھی تک کسی عیسائی مشن کو ہندستان میں پرچار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ایسے جرم کی یہی سزا ہونی چاہئے کہ اس قوم کے اسکولوں کے بچے کھیتوں میں کام کرنے والے بھولے کسان، اسپتال میں پڑے ہوئے لنجے مریض بم سے بھون دئے جائیں۔ اور اس طرح ان میں ہندو مذہب کا پرچار کیا جائے۔ کیسا اچھا ہے جاپان جو یہ پوتر کرتی کر رہا ہے!

ہندو مہاسبھا کے سالانہ اجلاس میں کہا گیا تھا کہ ہندو کی تعریف میں مذہب نہیں آتا۔ وہ شائد گھبراہٹ میں زبان سے نکل جاتا ہے۔ بچارے جاپان کو خود ہی اپنے مظالم ڈھکنے کے لئے کوئی آڑ نہیں مل رہی ہے۔ اس کے ہمدردوں کو ملے تو کیسے ملے؟ لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ کانگریس نے تو چین سے ہمدردی دکھائی اب اگر ہندو مہاسبھا کانگریس کے ساتھ ساتھ چلتی تو کسی کو نظر بھی نہیں آتی اور اب؟ ادھر جاپان سے ہمدردی دکھائی، اور ادھر سب نے دیکھ لیا وہ ہے ہندو مہاسبھا۔ اور وہ ہیں شری ساورکر جی۔

پنڈت جواہر لال نے چینیوں کی ہمدردی میں چین ڈے منایا اور مرہم پٹی بھی بھیجی۔ اب ساورکر جی یہ کریں کہ جاپان کو تھوڑا گولہ بارود بھیجدیں بچاروں کو چینیوں کے کباب لگانے میں اس کی ضرورت ہے

کانگریس اور ہندستانی مسلمانوں کے بڑے بڑے سوال

(محمد اشرف)

۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک مختلف اوقات میں کانگریس نے بارہا ایسی تجویزیں منظور کی ہیں جن کا براہ راست یا بالواسطہ مسلمانوں سے تعلق ہے۔ ان سب تجاویز کو جمع کرنے اور ان کے متعلق تفصیلی طور پر لکھنے سے ایک خاصی کتاب مرتب ہو جائیگی۔ ہمارا مقصد اس وقت صرف اس قدر ہے کہ کانگریس کی کارروائیوں میں سے بعض چیدہ چیدہ تجاویز درج کردیں تاکہ مسلمانانِ ہند کو اس قومی ادارہ کی ہمہ گیری اور اہمیت کا ہلکا سا اندازہ ہو جائے اور وہ اسے محسوس کریں کہ مسلمانوں کی حقیقی خدمت فرقہ پرست انجمنیں نہیں بلکہ صرف استعمار دشمن اور کثیر قومی ادارے کر سکتے ہیں جن کے دروازے ہر ملت کے غریب اور جدوجہد کرنے والے لوگوں کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہوں۔

ہم نے بعض تجاویز بیرونی اسلامی ممالک کے متعلق دی ہیں۔ اسکا مقصد ہندستان کے مسلمانوں کی دلجوئی نہیں ہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ اسلامیانِ ہند اسے خوب محسوس کرلیں کہ آج ہندستان اور اسلامی دنیا میں اس لئے قرب و یگانگت پیدا ہو رہی ہے چونکہ بیشتر ایشیائی ممالک مغربی استعمار اور خصوصیت سے برطانوی استعمار کے نیچے دب گئے ہیں اور ایک کی قومی جدوجہد کا دوسرے پر لازماً اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مصر، شام، فلسطین، ترکی، طرابلس اور دوسرے اسلامی ملکوں پر ہندستانی قومی تحریک کی برابر نگاہ رہتی ہے اور خلافت کی تحریک نے تاریخی طور پر ہندستان میں ایک بلند پایہ قومی اور ملکی تحریک کا درجہ اختیار کرلیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہو جائے گی کہ بہت سے ایسے سیاسی مسئلے جنھیں مسلمان خالصتاً مذہبی اور ملی تصور کرتے ہیں۔ کانگریس کے استعمار دشمن مسلک کی وجہ سے ہم کانگریسیوں کے لئے اسی درجہ اہم ہیں اور ہماری سیاست کا لازمی جزو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں پنڈت جواہر لال نے تقسیم فلسطین اور واقعات سرحد سے برابر گہری دلچسپی لی ہے اور کانگریس نے برابر تجاویز منظور کیں اور ان پر عمل کیا ہے۔

مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کے متعلق کانگریس کی تجاویز پڑھنے سے یہ خوب واضح ہو جائے گا کہ کانگریس نے اکثر مسلمانوں کے مطالبات کو تسلیم کرلیا ہے مثلاً سندھ کی علیحدگی اور صوبہ سرحد کے لئے اصلاحات کا سوال یا غیر مشتبہ الفاظ میں اس کا اعلان کردیا ہے کہ کانگریس فرقہ وارانہ مسئلہ کا کوئی مخصوص حل اس وقت تک تسلیم نہ کریگی جبتک تمام فرقوں کو یہ صورت منظور نہ ہو۔ کانگریس کی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملیں گی جب اس نے نزاعی فرقہ وارانہ سوالات کا ایک حل پیش کیا لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ایک یا دونوں فریق اس مخصوص تجویز سے متفق نہیں، تو اس نے بلا تامل اسے منسوخ کر دیا۔

غرضکہ اقلیتوں اور مسلمانوں کو بالخصوص کانگریس کے رویہ اور نیت کے متعلق اطمینان ہونا چاہیئے۔ جنھیں وقت بے وقت اور خاصکر ایسے زمانہ میں جب متحدہ قومی تحریک کے آثار بڑھنے لگیں۔ اور آزادی کی جدوجہد سامنے ہو، یہ خوف دلایا جاتا ہے کہ کانگریس میں غیر مشروط طور پر شریک ہونے سے ان کے جائز حقوق خطرہ میں پڑجائیں گے اعتراض کرنے والوں اور خوف دلانے والوں کا بظاہر قومی اور ملکی آزادی کی جدوجہد سے کم از کم اس وقت دور کا بھی تعلق نظر نہیں آتا۔

میں نے کانگریس کی تجاویز مضامین کے اعتبار سے نہیں بلکہ سنہ اور تاریخ کے لحاظ سے بلاعنوان دیئے درج کردی ہیں تاکہ تسلسل کا اظہار ہو جائے۔

۱۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بنارس ۳۰، ۳۱ مئی ۱۹۲۰ء: آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی یہ قطعی رائے ہے کہ ترکی کو صلح کی جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ ان وعدوں کے خلاف ہیں جو حکومت برطانیہ کے لئے تھے اور قومی خود مختاری کے اصول، جسے اتحادی حکومتوں نے تسلیم کرلیا تھا، کے منافی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو تکلیف پہنچانے والے ہیں۔ اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ دوران جنگ میں ہندستان کی دولت آبادی میں آزادی کے ساتھ استعمال کی گئی تھی یہ کمیٹی اس کی مذمت کرتی ہے کہ اس استعمال کا نتیجہ متذکرہ بالا صلح کی شرائط کی صورت میں ظاہر ہوا جس سے خلافت کا وقار اور طاقت تباہ ہوتی ہے اور مسلمانوں کے مقدس مقامات خلافت کے قبضہ و حفاظت سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ یا اثر میں آتے ہیں۔

"کمیٹی پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ ہندوستان میں امن اور اطمینان کے قیام کی خاطر صلح ترکی شرائط پر ایسی نظر ثانی کی جائے کہ وہ متذکرہ بالا وعدوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے جائز مطالبات کے مطابق ہوجائیں:

۲۔ اجلاس خاص کلکتہ ۴، ۶، ۸، ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء "اس امر کے پیش نظر کہ خلافت کے مسئلہ پر ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کو پورا کرنے میں حکومت برطانیہ اور حکومت ہند دونوں نمایاں طریقہ پر ناکام رہی ہیں اور وزیر اعظم نے ارادۃً ان وعدوں کو جو انھوں نے مسلمانوں سے کئے خلاف ورزی کی ہے اور چونکہ ہر غیر مسلم ہندوستانی کا فرض ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مذہبی مصیبتوں کے دور کرنے میں ہر جائز طریقہ سے مدد کرے،

"اور اس واقعہ کے پیش نظر کہ اپریل ۱۹۱۹ء کے حادثات میں دونوں متذکرہ بالا حکومتیں نے پنجاب کے بے گناہ لوگوں بچانے اور ان افسروں کو جنھوں نے ان کے ساتھ غیر سپاہیانہ اور وحشیانہ سلوک کیا تھا۔ سزا دینے میں یا تو کوتاہی کی ہے یا بالکل ناکام رہی ہیں اور سر مائیکل اوڈوائر کو جو اکثر سرکاری جرائم کے براہ راست یا بالواسطہ ذمہ دار تھے اور جنھوں نے ان لوگوں کی مصیبتوں سے جو ان کی حفاظت میں رکھے گئے تھے بے پروائی برتی ذمہ داریوں سے بری کردیا ہے، نیز چونکہ دار العوام اور دار الامراء کے مباحثوں میں ہندستان کے لوگوں کے ساتھ ہمدردی کی تکلیف دہ کمی ظاہر ہوتی ہے اور صوبہ پنجاب میں باقاعدہ تشدد اور ہیبت انگیزی کی حمایت کا پتہ چلتا ہے اور چونکہ وائسرائے کے آخری اعلان میں پنجاب اور خلافت کے معاملات پر ندامت یا تأسف کی کوئی علامت نہیں ملتی، اس لئے۔

"کانگریس کی رائے ہے کہ ہندوستان کو اس وقت تک چین نہیں آسکتا جبتک اوپر ذکر کی ہوئی دو بے انصافیوں کی تلافی نہ ہوجائے اور یہ قومی وقار بہ قرار رکھنے اور اس قسم کی دوسری بے انصافیوں کو روکنے کا مؤثر ذریعہ صرف سوراج کا حصول ہو سکتا ہے،

اس کانگریس کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راہ عمل نہیں ہے کہ غیر متشدد ترک موالات کی پالیسی جسے مسٹر گاندھی نے شروع کیا ہے، اختیار کی جائے تا آنکہ متذکرہ بالا بے انصافیوں کی تلافی ہو جائے اور سوراجیہ حاصل ہو جائے:

۳۔ ورکنگ کمیٹی بمبئی ۱۴، ۱۵ جون ۱۹۲۱ء "اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر حکومت برطانیہ، انگورہ کی ترکی سلطنت کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کرے تو ہندوستانیوں کو حکومت کی مدد کرنی مناسب ہے یا نہیں؟ ورکنگ کمیٹی کی رائے ہے کہ ترک موالات کی اس تجویز کے پیش نظر جو کلکتہ کانگریس کے خاص اجلاس میں منظور کی گئی تھی، ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کے خلاف ان کارروائیوں میں حکومت برطانیہ کی مدد کرنے سے باز رہے اور اس لئے ہندوستان کے سپاہی پیشہ طبقہ کو چاہیئے کہ وہ اس سلسلہ میں حکومت کی خدمت کرنے سے انکار کر دے:

۴۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بمبئی ۲۸، ۲۹، ۳۰ جولائی ۱۹۲۱ء حسب ذیل تجویز کو جو مرکزی خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام اہالیان بمبئی کے ایک عام جلسہ میں پاس ہوئی ہے نوٹ کر لیا جائے۔

"اس واقعہ کے مدنظر کہ ہندوستان کے باشندوں کی قسمت لازمی طور پر ہمسایہ ایشیائی اقوام اور حکومتوں کے ساتھ وابستہ ہے مسلمانان بمبئی کا یہ جلسہ عام آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ہمسایہ حکومتوں کے ساتھ محبت اور اتحاد کے جذبات کو ترقی دینے کی کوشش کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہی خواہی اور ہمدردی کے تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ہندوستان کی ایک واضح اور قطعی خارجی پالیسی ترتیب دے۔

طے کیا گیا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے تجویز کی رسید مسٹر کیتھال جلسہ کے صدر اور مرکزی خلافت کمیٹی کے پاس روانہ کر دی جائے اور اس بات کا شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے اتنے اہم مسئلہ کی طرف آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی توجہ مبذول کرائی اور ورکنگ کمیٹی سے درخواست کی جائے کہ وہ متذکرہ پالیسی کے متعلق ایک بیان تیار کرے تاکہ اسے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دوسرے اجلاس میں غور و خوض کے لئے پیش کیا جائے:

۵۔ ورکنگ کمیٹی ۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء بمبئی۔ خارجی پالیسی کی اس تجویز کے متعلق جس کے ذریعہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جولائی کے اجلاس بمبئی میں خاص طور پر ورکنگ کمیٹی سے ایک بیان تیار کرنے کی درخواست کی تھی، ورکنگ کمیٹی کی رائے ہے کہ کانگریس پڑوس کی حکومتوں اور دوسری سلطنتوں پر ظاہر کر دے کہ

(۱) حکومت ہند ہندوستان کی رائے عامہ کی نمائندگی نہیں کرتی ہے اور اسکی جو پالیسی بھی ہوتی ہے اس کی غرض مدافعتی طور پر ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت نہیں ہوتی بلکہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنی غلامی میں رکھنا ہوتی ہے،

(۲) ہندوستان کو ایک خود مختار ملک کی حیثیت سے حاصل کر لینے کے بعد دوسری حکومتوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ چونکہ اس کے باشندے ان میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کے خواہشمند نہیں ہیں اور اس لئے ان کا ارادہ کسی ایسے تجارتی رشتہ کا قائم کرنا نہیں ہے جسے متذکرہ بالا حکومتوں کے باشندے نہ پسند کرتے ہوں یا جو انکے اغراض و مفاد کے منافی ہو،

(۳) نیز یہ کہ ہندوستان کے باشندے اکثر ان معاہدوں کے متعلق جو حکومت برطانیہ اور ہمسایہ حکومتوں کے درمیان طے پائے ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ استعماری حکومت نے ہندوستان کی لوٹ جاری رکھنے کے لئے کئے ہیں، اور اس لئے ان حکومتوں سے جو ہندوستان کے باشندوں کی بدخواہ اور ہندوستان کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے خواہشمند نہیں ہیں مطالبہ کرتی ہے کہ استعماری حکومت کے ساتھ اس قسم کے معاہدے کرنے سے باز رہیں۔

"کمیٹی اسلامی حکومتوں کو یہ بھی یقین دلاتی ہے کہ جب ہندوستان خود مختاری حاصل کرے گا تو اسکی خارجی پالیسی ایسی رکھی جائے گی جسمیں مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی توقیر کا خاص لحاظ ہو گا......:

۶۔ اجلاس سالانہ منعقدہ احمد آباد۔ ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۲۱ء "یہ کانگریس غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور ترکوں کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہے اور ترکی قوم کو یقین دلاتی ہے کہ ہندوستان کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے اور ان کی موجودہ حیثیت اور آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے جد و جہد میں مدد کے لئے تیار ہے:

۷۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ ۲۰ تا ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء کلکتہ "آل انڈیا کانگریس کمیٹی ترکی قوم کو حالیہ فتوحات پر مبارکباد دیتی ہے اور اپنی اس قطعی رائے کا اظہار کرتی ہے کہ ایشیا اور یورپ کے ترکی علاقوں میں پوری اور بے روک آزادی دینے کے متعلق حکومت انگورہ کے تمام مطالبات پورے نہ کر دیئے جائیں اور جب تک جزیرۃ العرب کو غیر ملکی قبضہ سے آزاد نہ کر دیا جائے ہندوستان میں امن و اطمینان نہیں ہو سکتا:

۸۔ اجلاس سالانہ منعقدہ گیا ۱۹۲۲ء "چونکہ مشرق قریب کے نازک حالات خلافت اور حکومت ترکی کے وجود کے لئے خطرہ ہو رہے ہیں اور ہندو مسلمان اور ہندوستان کے دیگر لوگ اس خطرے سے ہونے والے نقصانات کو روکنے کا عزم رکھتے ہیں، یہ کانگریس طے کرتی ہے ورکنگ کمیٹی خلافت ورکنگ کمیٹی کے مشورہ سے ایسے ذرائع اختیار کرے جن پر عمل کر کے ہندو مسلمان اور دوسرے لوگوں کی طرف سے ناجائز مفاد کی خاطر ہندوستان کو استعمال کئے جانے سے روکنے کے لئے متحدہ محاذ پیش کیا جا سکے اور بصورت حالات کا بندوبست کیا جا سکے؟

۹۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بلگام ۲۸ دسمبر ۱۹۲۴ء "طے پایا کہ کانگریس سمرنا کے ساتھ ان کی مصیبتوں میں مردانہ ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور امید کرتی ہے کہ وہ بہادری کے ساتھ ان آلام کو برداشت کریں گے اور ان کے ملک میں فتنہ و کا جو دور دورہ ہے اسکا کامیابی سے مقابلہ کریں گے:

۱۰۔ ورکنگ کمیٹی سابرمتی ۴ مئی ۱۹۲۶ء "بحث و مباحثہ کے بعد ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق منجملہ اور باتوں کے حسب ذیل تین تجویزوں پر اتفاق رائے ہوا۔

(۱) لکھنؤ پیکٹ کی شرائط کے پیش نظر کسی مجلس قانون ساز کے کسی کانگریسی ممبر کو یہ جائز نہ ہو گی کہ کوئی تجویز یا قانون جداگانہ انتخاب کو ختم کر کے مشترکہ انتخاب جاری کرنے کے لئے پیش کریں جب تک کہ اس کے متعلق مجلس قانون ساز کے ہندو مسلمان اراکین کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہو جائے۔

(۲) مجلس قانون ساز کے مسلمان امیدواروں کا انتخاب کرتے وقت صوبجاتی کانگریس کی مجلس عاملہ طور پر ان لوگوں کو ترجیح دیگی جنکی سفارش صوبجاتی خلافت کمیٹی نے کی ہو،

(۳) مجلس قانون ساز کی کانگریس پارٹی کا کوئی رکن فرقہ وارانہ مسئلہ سے متعلق کوئی ایسی تجویز قانون یا ترمیم پیش نہ کرے گا جسکی کانگریس پارٹی کے ہندو یا مسلمان اراکین کی تین چوتھائی کی اکثریت خلاف ہو۔

۱۱۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بمبئی ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء۔ ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق حسب ذیل مزید تجویزیں منظور ہوئیں۔

(۱) مسلمان لیڈروں کی یہ تجویز کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اور برطانوی بلوچستان میں اس قسم کی اصلاحات نافذ کی جائیں جیسی کہ دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں کمیٹی کی رائے میں مناسب اور معقول ہے اور اس کو عمل میں لانا چاہیئے اور اسکا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ دوسرے انتظامی اصلاحات کے ساتھ ساتھ ان صوبوں میں ایک مناسب عدالتی نظام بھی نافذ کیا جائے۔

(۲) اس تجویز کے متعلق کہ سندھ کو الگ صوبہ بنا دیا جائے اس کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ زبان کی بنیاد پر صوبوں کی دوبارہ تقسیم کا وقت آگیا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جسے کانگریس کے دستور میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔

"کمیٹی کی یہ بھی رائے ہے کہ صوبوں کی دوبارہ تقسیم کا کام فوراً شروع کر دینا چاہئے اور جو صوبہ زبان کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کرے اس اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

"کمیٹی کی مزید رائے ہے کہ اندھرا، سندھ اور کرناٹک کو علیحدہ صوبہ قرار دیکر اس کام کی ابتدا کی جا سکتی ہے۔

(۳) آئندہ دستور میں ہر شخص کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور مرکزی یا صوبجاتی کسی کونسل کو آزادیٔ ضمیر میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہوگا۔

"ضمیر کی آزادی سے مراد اعتقاد اور عبادت کی آزادی، مذہبی رسوم کی ادائیگی اور اجتماع کی آزادی، دوسروں کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اور دوسروں کے اسی قسم کے حقوق میں مداخلت کئے بغیر مذہبی تعلیم و تبلیغ کی آزادی ہے۔"

۱۲۔ اجلاس کلکتہ ۱۹۲۸ء۔ یہ کانگریس، مصر، شام، فلسطین اور عراق کے لوگوں کو مغربی استعماریت کے نتیجہ سے جو کانگریس کی رائے میں ہندوستان کی جنگ آزادی کے لئے بڑا خطرہ ہے آزادی حاصل کرنے کی کوششوں پر مبارکباد پیش کرتی ہے اور ان کو ہندوستان کی پوری ہمدردی کا یقین دلاتی ہے۔"

۱۳۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی لکھنؤ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء "آل انڈیا کانگریس کمیٹی ان ذلت آمیز اور تکلیف دہ پابندیوں کو جو جنوبی افریقہ کی یونین حکومت نے اپنے ملک میں علی برادران کے داخلہ پر عائد کی ہیں نہایت افسوس کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان پابندیوں کو قومی توہین خیال کرتی ہے۔ کمیٹی کی رائے میں حکومت ہند، یونین حکومت پر ان قابل اعتراض پابندیوں کو اٹھانے اور جنوبی افریقہ میں علی برادران کے داخلہ میں سہولتیں بہم پہنچانے پر اصرار نہ کرسکنے کے قومی وقار کو برقرار رکھنے میں ناکام رہی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ انہوں نے اس ملک میں قیام کے دوران میں سیاسی مباحث سے الگ رہنے کا خود ہی وعدہ کیا تھا۔

۱۴۔ ورکنگ کمیٹی نیو دہلی ۳، ۴ فروری ۱۹۲۹ء۔ کمیٹی نے افغانستان کی حالیہ اندرونی مشکلات اور شاہ امان اللہ کی نافذ کردہ اصلاحات کو ختم کرنے کی رجعت پسندانہ کوششوں کا بے چینی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ یہ کمیٹی دل سے ملک کی ترقی پسند عناصر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور افغانستان کو متحد اور ترقی پذیر ملک بنانے کی کوششوں کو کامیاب دیکھنے کی آرزومند ہے۔"

۱۵۔ اجلاس سالانہ لاہور ۱۹۲۹ء۔ چونکہ نہرو رپورٹ کو منسوخ کر دیا گیا ہے اسلئے فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق کانگریس کی پالیسی کا اعلان کرنا غیر ضروری ہے۔ کانگریس کو یقین ہے کہ آزاد ہندستان میں فرقہ وارانہ مسائل کو صرف قومی اصول پر حل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ سکھوں نے خاصکر اور مسلمانوں اور دوسرے فرقوں نے عام طور پر فرقہ وارانہ مسائل کے اس حل سے بے اطمینانی ظاہر کی ہے جو نہرو رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے، کانگریس سکھوں، مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کو یقین دلاتی ہے کہ کسی آئندہ آئین میں اس مسئلہ کا کوئی ایسا حل کانگریس کے لئے قابل قبول نہ ہوگا جو تمام متعلقہ جماعتوں کو پورا اطمینان نہ دلا دے۔

۱۶۔ سالانہ اجلاس فیض پور ۱۹۳۶ء "کانگریس کی رائے میں شمال مغربی سرحد پر حکومت ہند کی اختیار کردہ پالیسی قطعاً ناکام رہی ہے اور اس سے ہندستان اور سرحد پار کے قبائل کے مفاد کو نقصان پہنچا ہے۔ یہ پالیسی ملوکیت کے اغراض کی خاطر اختیار کی گئی ہے جس کا مقصد زیادہ تر یہ ہو کہ ہندستان کے گراں بار فوجی اخراجات کو جائز ثابت کیا جا سکے اور نیم جنگی حالات پیدا کر کے ان فوجوں کو جو عام طور پر یہی پڑی رہتی ہیں استعماری اغراض کے لئے ٹریننگ دی جائے۔ کوئی پالیسی جو ہوائی جہازوں کے ذریعہ بمباری جیسے خلاف انسانیت اور وحشیانہ طریقوں کے استعمال اور سرحد پار کے علاقوں پر ہمیشہ فوجی حملوں کو ضروری قرار دے قابل مذمت ہے۔ اسکے علاوہ یہ پالیسی سرحد پر امن قائم کرنے میں نمایاں طریقہ پر ناکام رہی ہے اور اکثر سرحد پار کے حلیف قبائل کو دشمن اور مخالف بناتی رہتی ہے۔

"ہندوستان کے اندرونی و بیرونی دونوں مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ سرحد پر امن ہو اور ہمارے ہمسایوں کے ساتھ دوستوں کا سا تعلق قائم رہے اور کانگریس یقین رکھتی ہے کہ یہ دوستانہ تعلقات اور امن بغیر کسی دقت کے قائم کئے جا سکتے ہیں اگر سرحد پار کے قبائل کے ساتھ دوستوں اور اچھے ہمسایوں کے مانند سلوک کیا جائے اور تہذیب پھیلانے یا اقتصادی امداد پہنچانے کے حیلے سے فوجی سڑکیں تیار کر کے یا کسی دوسرے پردے میں ان کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ کانگریس یقین رکھتی ہے کہ سرحد کے پٹھان قبائل کے خلاف غیر متمدن، خطرناک، ظالم اور حملہ آور ہونے کے الزامات بے بنیاد ہیں اور اس لئے تراشے گئے ہیں کہ ان کی بنا پر ناجائز مداخلت اور کثیر فوجی اخراجات کو صحیح ثابت کیا جا سکے۔ کانگریس اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے لوگ اپنے تمام ہمسایوں سے دوستی چاہتے ہیں اور ان کے ساتھ امن اور فلاح انسانی ترقی دینے والے بڑے کاموں میں تعاون کے لئے تیار ہیں۔

"سرحد پار علاقوں میں پچھلی تعزیری کارروائیوں کی جو حکومت ہند کی بے نتیجہ اور خطرناک سرحدی پالیسی کی مزید مثال ہے اور جس سے تباہی اور ناخوشگواری کا ایک لا انتہا سلسلہ شروع ہوتا ہے کانگریس مذمت کرتی ہے۔

"کانگریس کی رائے میں سرحد کے مسئلہ کو حل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سرحدی علاقہ کی اقتصادی سیاسی اور فوجی حالات کی تحقیقات کی جائے تاکہ سرحدی قبائل کو ساتھ لیکر سرحدی مسائل کو پر امن طریقہ پر ہمیشہ کے لئے طے کر دیا جائے۔"

روٹی

(شہاب ملیح آبادی)

کام ہے میرا بڑا، گو نام کی چھوٹی ہوں میں — آدمی کی زندگی ہوں، خون ہوں، روٹی ہوں میں
میری جنگی میں ہے باگِ انقلاب صبح و شام — الاماں یہ مرتبے! اللہ رے میرا مقام!!
میرے قبضے میں جہاں کی رونقیں، باغ و بہار — کھیلتے رہتے ہیں میری گود میں لیل و نہار
میری بیداری سے زندہ ہیبت تیغ و تفنگ — عقل ہو جاتی ہے انساں کی مرے جادو سے دنگ
اک کھلونا ہے مرے آگے یہ، ایں شان وقار — چہرۂ یزداں کی صولت، اہرمن کا اقتدار
میرے کز و فرِ شاہی میں ہے وہ جوش و خروش — خواجۂ ابلیس کی عظمت مری حلقہ بگوش.
بخشتی ہوں چہرۂ سلطاں کو شاہی کا غرور — میں بجا دیتی ہوں ڈنکا سلطنت کا دور دور

چہرۂ ملت کو گورستاں بنا دیتی ہوں میں
خود شیت بنکے انسانوں کو کھا لیتی ہوں میں

ناز کرتا ہے مرے کس بل پہ اوج شہریار — دوڑ جاتا ہے نگاہِ و کجکلاہی میں غبار
کھینچ لیتے ہیں دلوں کو گلرخانِ سیم ساق — حسن کے در پر جھکا دیتی ہوں شاہی طمطراق
رزم کی خالق ہوں، میں ہی بزم کی پروردگار — طبل حرب و چنگ ہوں، میں ہی گلستاں در کنار
میری چنگاری کی رو میں موجِ روانی بھی ہے — میرے شعلوں میں اگر ہے آگ تو پانی بھی ہے
پرورش پاتا ہے یوں آغوش میں میری شباب — مہوشی کے لب سے رہ رہ کر ٹپکتی ہے شراب

مہوشی کو نازکی کا راز سکھلاتی ہوں میں۔
نازکی میں لوچ بھر کر ناز سکھلاتی ہوں میں

ذہن سے جب محو ہوتا ہے تدبر کا وقار — جھومنے لگتا ہے مستی کے اثر میں روزگار
پھر اٹھاتے ہیں تکبر کا قدم اہل دول — رزق بنجاتا ہے انکے حق میں معدے کا خلل
پھر تو آنکھوں میں کھٹکتے ہیں مری اہل فراغ — دل کی خونی آنچ سے اکدم بھڑکتا ہے دماغ

میری تلقین شگفتہ کا یہ آشفتہ مآل!
آگ بنکر پھر تو سر میں یہ سلگتے ہیں خیال

شہریاری جام سرشاری ہے شاہی کے لئے — شہریاری ایک دعوت ہے تباہی کے لئے

شہریاری آدمی کے پیر میں زنجیر ہے　　شہریاری اہرمن کے خواب کی تعبیر ہے
شہریاری! یہ تو ہے بھوکی تمنا جنگ کی　　شہریاری! یہ تو ہے تلقین حرب و جنگ کی
دوڑتی ہے پھر تو مفلس کی طرف میری نگاہ　　تاجداری اک ضلالت، شہریاری اک گناہ

خواب محکومی سے ناداروں کو چونکاتی ہوں میں
یہ ارادہ لیکے بھوکوں کی طرف جاتی ہوں میں

کون؟ جنکی تشنگی سے زر پہ آتی ہے بہار　　کون؟ جنکی تلخیوں پر جھومتا ہے تاجدار
جنکی افسردہ دلی پر انحصار آب و تاب　　انجمن میں وقت کی اہل دول ہیں باریاب
جن کی آشفتہ دلی کا خون پی پی کر حیات　　دہر کے انکار نا دیدہ سے پاتی ہے نجات
جہاں جنکا علم پر ورردہ تہذیب و حشم　　جنکی بیگاری، پیشہ صاحب سیف و قلم
جنکے ماتھے کا عرق وجہہ فروغ رنگ و بو　　جنکی خود داری پہ قائم ہے وطن کی آبرو
صاحب باغ و چمن، جنکا چمن ہوتا نہیں　　ہاں وہی اہل وطن جنکا وطن ہوتا نہیں
ہاں وہی مظلوم، آزادی کی جن کو آرزو　　ہاں وہی مزدور جن کی قوم کو ہے جستجو

بڑھکے آگے ان کو دیتی ہوں بغاوت کی غذا
آدمی کا آدمی محکوم! ذلت تا کجا؟

اٹھ کہ آزادی کا سینہ ہوگیا ہے چور چور　　یہ غلامی تا بکے اے میرے دہقان غیور
آؤ آؤ سلطنت کو خاک کرسکتی ہوں میں　　جامۂ سلطانیت کو چاک کرسکتی ہوں میں

میری تیغوں کا کسی نے وار روکا ہے کہیں
میرا مارا سانس لیتا ہے مگر جیتا نہیں

میری سحر زندگی میں موت کے دھارے بھی ہیں　　جس کی موجوں میں اگر ہے آب، انگارے بھی ہیں
آفتاب قہر ہوں، طوفان بربادی ہوں میں　　حریت کا بحر ہوں سیلاب آزادی ہوں میں
ہاں درندوں کو درندہ بن کے کھالیتی ہوں میں　　آدمی کا دل تو دل چہرہ بدل دیتی ہوں میں
لوٹتی ہے زندگی جس کی جہالت سے خراج　　بڑھ کے رکھ دیتی ہوں سر پر میں اسی دہقاں کے تاج

ہاں زمیں میرے لئے ہے آسماں میرے لئے
یہ جہاں میرے لئے ہے وہ جہاں میرے لئے

غلام پیدائش

وہ اُن لوگوں کے بیچ پیدا ہوا جن کی قسمت میں جھولے سے لیکر قبر کی گود تک "محنت" کی لکیر کھنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس کی پیدائش سے نہ کسی کو خوشی ہوئی نہ کوئی اُمید ——— نہ کوئی دکھ۔

باپ نے سوچا جب وہ آ ہی گیا تو اُسے جینے کا حق ہے اور اگر مر بھی جائے گا تو یہ اسکی اپنی مرضی ہوگی۔ اور اس خیال کے ساتھ ایک اور خیال اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوند گیا۔ لیکن اس کو زور سے کہہ دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر ان لڑکوں کے خرچ میں کچھ بڑھتی تو ضرور ہو ہی جائے گی۔

بچہ کی بغل میں ایک دُبلی پتلی لیکن مسرور ماں پڑی تھی۔ اس نے بچہ کو دیکھ کر اسکی آنکھوں کا گلاب کھل اُٹھتا۔ لیکن غلاموں کی اُس بستی میں باپ تو نرا غلام ہی تھا۔

وہ ضبط نہ کر سکا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیر۔ یہ ننھی انگلیاں اس کی نظروں میں محبت بھی تھی فکر بھی، وہ ضبط نہ کر سکا نہ کر سکا ـــ "میری رانی اب ہمیں اور کفایت شعاری سے رہنا پڑے گا"

یہ کہکر اس نے چاہا کہ اپنے چہرے کی بزدگی سمیٹنے کو پونچھ ڈالے اُسے محسوس ہوا کہ اس کی باتوں سے اُسکی پیاری بیوی کو بڑی چوٹ پہونچ رہی ہے اور اس کی یہ خاموشی اسے یہ کہنے پر مجبور کر رہی تھی کہ تمھاری فکر کر میں سمجھ رہا ہوں۔ کیا تم مجھے نہ سمجھو گی۔

وہ چپ تھی۔ اس نے شوہر کی طرف آنکھ بھی نہ پھرائی اسکی زرد پیشانی پر ایک درد بھری حسرت دوڑ گئی۔ اور ایک سوکھی سی ہاتھ اٹھا کر بچے کے بدن سے لپٹ گئی گویا اسکی حفاظت کر رہی ہے۔

وہ سب کچھ دیکھتا رہا ———

وہ نہیں سمجھ رہا ہے۔ اسکے دل میں رنج پیدا ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ رنجش کو ضبط کرتا ہوا وہ اس ننھے جسم پر جھک گیا۔ اس کے دل میں ایک کسک تھی۔ اس کی زندگی کی ساتھی اُسے نہیں سمجھ رہی تھی۔ اس نے یہ الفاظ اسلئے کہے تھے کہ وہ اسی کے لئے انھیں کے لئے سب کچھ سوچ رہا تھا۔

بن بلائے مہمان سے پہلے بھی بھوں کی گذر اوقات کے لئے کافی کمانا اس کے لئے ناممکن تھا۔ اُس سوکھی بانہہ کے گھومنے کا یہ مطلب تھا کہ اپنے اس دوسرے بچے کے لئے وہ گھر کے مالک سے کچھ زیادہ مانگنا چاہ رہی ہے۔ اپنے بچوں کی حفاظت کی فکر میں ضرور وہ رقم مانگے گی جسے اس نے بلا سوچے ہوئے برسات کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ وہ سمجھتا ہو یہ مناسب نہیں ہے۔ اور اسی لئے وہ ملائمت سے یہ ظاہر کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا ایسا کرنا ناجائز ہے۔

"ہمیں بہت کفایت کرنا چاہئے اور پیسے پیسے کو گن گن کر رکھنا چاہئے" ہفتہ بھر کے خرچ کے لئے اُسے روپے دیتے ہوئے برابر یہی دہرایا کرتا تھا "تمھیں بہت کفایت کرنا چاہئے اور پیسے پیسے کو گن گن کر رکھنا چاہئے ..... ہاں بہت کفایت"

اپنے بیٹے کے بدن پر جھکا ہوا وہ اب تک اپنی بات کا جواب چاہ رہا تھا۔ لیکن اسکی خاموشی میں اُسے انکار کی صورت دکھائی پڑتی تھی۔ اپنے مردوں جیسی کاروباری عقل سے وہ غور کرتا ہوں رکھتا تھا لیکن اسکی اس طویل اور ڈرانے والی خاموشی نے اسے گھبرا دیا۔

اسکی آنکھوں کے سامنے وہ راستہ چمک اٹھا جس پر اس کے لڑکے کو چلنا پڑے گا وہی ٹیڑھا بے جب محبت بھری راہ جس پر اسکا باپ چلتے چلتے مر گیا تھا اور جس پر وہ خود چلا جا رہا ہے وہ بھولا نہ سما تا اگر اس کا بیٹا کچھ پڑھ لیتا۔ لیکن پڑھائی کا خرچ ——— اس کے باپ نے تو اسے ابتدائی تعلیم کا بھی موقع نہ دیا۔ نو برس کی عمر میں ہی اسے ایک معمار کے یہاں نوکری کرنی پڑی تھی اور بارہ برس کی عمر میں تو وہ ترا زو ڈھو رہا تھا۔ اور فرصت کے وقت وہ سر اٹھا کر اکیلا کرتا تھا۔ لیکن نہیں۔ اس کا بیٹا اتنا بدقسمت نہیں ہوگا۔ ایشور کی کرپا ہوگی تو اسے مدرسہ سے نہیں محروم رکھا جائیگا۔ لیکن آگے کے لئے اُسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ گرگھرانے کے لئے تو اسے کمانا ہی ہوگا۔

یہی تو اس کے باپ کی زندگی تھی اور اسی طرح تو وہ خود رہتا ہے ہماری بستی اسی طرح رہتی ہے۔

اُس کے اُن الفاظ میں اتنے سب معنی تھے وہ مرجھائی ہوئی عورت سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ماں تھی اُس کی خاموشی میں انکار گونج رہا تھا۔

وہ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ لیکن یہ جان سکا کہ آخر کار ایسا ہوا کیوں ؟

گھبرائے ہوئے مجرم کی طرح اُس نے اسکی طرف دیکھا اور اپنے گناہ کے ساتھ اسکی آنکھوں میں اپنی بیوی کا وہ اداس مرجھایا ہوا چہرہ پھر گیا جس کو دیکھ کر دل میں ایک چھوٹی سی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ اس کی مخالفت نہ کر سکا اسکی لاپروائی اُس کے جوش پر غالب آ گئی اس نے کہا "خیر کچھ پرواہ نہیں۔ ایشور کے برابر کوئی دوسرا نہیں جب وہ بڑا ہوگا تو ایشور اسکی مدد کرے گا"

لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔ اپنے دل کی بات کو وہ اچھی طرح ظاہر نہ کر سکی اس کی آنکھیں بھی کچھ نہ کہہ سکیں۔ اس کے ہونٹ بھی ہل کر اشارہ نہ کر سکے اُسکے حواس اس کی خیالات کی ترجمانی نہ کر سکتے تھے۔ پھر بھی اُس نے کچھ جواب دیا اور اس جواب کے پردہ میں وہ خود چھپی ہوئی تھی "تم اسکی فکر نہ کرو۔ تمھاری طرح بارہ سال کی عمر میں اسے لوہا ڈھونا نہ پڑے گا" وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کبھی بچے پر تھیں کبھی چھت کی کڑیوں پر۔

"تمھاری طرح اپنی زندگی اُسے لوہے کے کارخانے میں نہیں گذارنی پڑے گی۔ ہم لوگ اُسے مدرسہ بھیجیں گے اور چاہے جو کچھ ہو اس کے آگے پڑھنے کی تدبیر کریں گے اس کیلئے چاہے میری انگلیوں میں صرف ہڈیاں ہی کیوں نہ بچ جائیں اور جب اسکا پڑھنا ختم ہو جائیگا تو مزدور نہیں بنے گا ایک بنیا بنے گا شاید اکاؤنٹنٹ بھی"

اکاؤنٹنٹ کیا ہوتا ہے اُسے نہیں معلوم تھا اسکی آنکھوں میں ایک دھندلی شکل ناچ اٹھی منہ میں ایک موٹا سا سگار بالکل ویسا ہی جیسا کارخانے کے مالک کے منہ میں لگا رہتا ہے۔ اپنے خواب میں بھی وہ اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ کر سکی اس کے من میں صرف

اتنا ہی آتا کہ اس ساری بستی میں سبھی ایک طرح کے نہیں ہوسکتے۔ بلاشبہ وہاں کچھ اونچے بھی تھے اور نیچے بھی۔

اُسے یہ بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ اس کی بستی ایک غیر قدرتی چیز تھی۔ اپنے خوابوں میں بھی وہ اس کی خونی چہار دیواری سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہیں کرتی۔ اس کی امید کی ایک ہی دنیا تھی۔ اپنے بچے کے لئے بستی میں ایک اچھی جگہ۔ میں اس کے ساتھ بحث نہیں کروں گی۔ اس نے سوچا۔ پیچھے دیکھا جائے گا۔ شاید ایشور کی مدد سے ہم لوگ اُسے پڑھا سکیں۔

وہ اس نزاکت سے متاثر ہوکر جس کا مظاہرہ اپنی زندگی میں اس سے پہلے اس نے شاید ہی کیا تھا اس نے اپنے شوہر کی کھردری اور چوڑی ہتھیلی کو لے کر بچے کے آدھے ڈھکے ہوئے منہ پر رکھ دیا۔

"دیکھو تو یہ کتنا سندر ہے" وہ بولی اور بچے کی طرف ایک نظر دیکھ کر شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کے ارادے کو وہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس وقت مخالفت کرنے کی ہمت اس میں نہ تھی۔ اپنی کامیابی کے فخر سے عورت کا مرجھایا ہوا چہرہ چمک اٹھا۔ اور وہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچتا جارہا تھا۔ بڑی تکلیف کے ساتھ ـــ دو برس میں دو بچے اور جانے کتنے ابھی آنے کو ہیں۔ جب تک وہ بڑے نہیں ہوجاتے ہم لوگوں کی گذر کیسے ہوگی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اُسے بالکل نہیں سمجھتی ـــ بچے اور اس کی ماں کو بیڈھنگے طریقہ سے چومتے ہوئے۔ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

"اس سے بڑی مدد ملے گی۔ لیکن اس کے بڑے ہونے تک ہمیں صبر کرنا چاہئیے۔"

(ترجمہ ا۔ جعفا)

تبصرہ

سالنامے۔ دسمبر اور جنوری کے مہینے تبصرہ نگاروں کے لئے تو زہر کے مہینے ہوتے ہیں۔ خاص نمبروں کی وہ بھرمار ہوتی ہے کہ طبیعت عاجز ہوجاتی ہے۔ پہلے تو درجنوں عید نمبر آتے اسکے بعد سالنامے اور سالگرہ نمبر اب بسنت نمبروں کی بھرمار ہے۔ ان خاص نمبروں پر تبصرہ نہ کرو تو شکایت ہو اور کرو تو اس سے زیادہ شکایت ہو۔ سب سے بڑی خوبی خاص نمبروں کی یہ سمجھی جاتی ہے کہ اسکے صفحوں کی تعداد دو سو سے اوپر ہونی چاہئیے۔ اردو میں ہر سال کے آخر میں کم سے کم سو خاص نمبر ضرور نکلتے ہونگے۔ پھر ذرا خیال فرمائیے کہ ایک وقت پر تقریباً دس ہزار صفحوں کا اچھا مسالہ کیسے مل سکتا ہے۔ اچھے لکھنے والوں کی تعداد جتنی ہے سب کو معلوم ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بھرتی کے مضامین، سطحی نظمیں اور ادھ ننگی تصویروں سے یہ کمی پوری کی جاتی ہے:

ہر اخبار اور رسالے کے خاص نمبر کی کم و بیش ایک ہی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایک کا سرورق بدل کر دوسرے پر لگادے تو شاید ایڈیٹروں کو بھی اپنا اپنا پرچہ پہچاننا مشکل ہوجائے۔ افسانے اکثر ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں جن میں یا تو ایک نظر دیکھتے ہی عمر بھر کے لئے عشق ہوجاتا ہے اور طرح طرح کی فرضی مصیبت جھیلنے کے بعد دونوں مل جاتے ہیں یا اگر افسانہ "سوشل" ہوا تو اس میں سماج کی اصلاح کی ایسی ایسی ترکیبیں بتائی جاتی ہیں جیسے مداری اپنے جو منتر سے آم کا پھل اور درخت اپنے ٹوکرے کے اندر سے پیدا کردیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس میں حقیقت نگاری سے کام لیا جاتا ہے"

ایک عرصے سے جو غزلوں کے خلاف شور مچایا جارہا ہے تو اب اُنکی تعداد پہلے سے کم ہوگئی ہے لیکن ان کی جگہ جن نظموں نے لی ہے وہ ان سے بھی زیادہ مہمل ہوتی ہیں۔ نظموں میں بھی تخیل کی پرواز اتنی بلند ہوجاتی ہے کہ شاعر بے پر کی اڑانے لگتا ہے۔ وطنی نظموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک جنت کا نمونہ ہے۔ ہر طرف دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں اور دنیا کا کوئی ملک اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ ملک کی مصیبت اور غریبی کو مکروہ مضمون سمجھ کر شاعر اس کا ذکر مناسب ہی نہیں سمجھتا مختصر یہ کہ شاعر اور افسانہ نگار روزمرہ کی دنیا کو چھوڑ کر آسمان اور زمین کے بیچ میں ایک نئی خیالی دنیا بسالیتے ہیں اور اسی میں مگن رہتے ہیں۔

اخباروں اور رسالوں کے معمولی اور خاص نمبروں کی ایک تکلیف دہ خصوصیت اشتہار ہیں۔ کوئی پرچہ اٹھا لیجئے یہ تمیز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ مضمون کون سا ہے۔ اور اشتہار کون سا۔ ہر صفحے کا نصف یا تین چوتھائی حصہ اشتہاروں کیلئے ہوتا ہے اور جب جگہ بچتی ہے تو اس میں مضمون لکھا جاتا ہے۔ اشتہار زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں" جن کے پڑھنے سے لاکھوں کا بھلا ہوتا ہے۔ ایک پرچے کا بسنت نمبر اس وقت سامنے ہے اسمیں ایک صفحے پر "کوک شاستر" کا اشتہار ہے بیچ میں گرو گوبند سنگھ کی تصویر اور اسکے فوراً بعد طاقت کی طلسماتی دوا"، "روغن جوانی"، "اصلی شاہی سفوف" اور اسی قسم کی دوسری مفید دواؤں کے اشتہار پورے صفحے کی رونق بنے ہوئے ہیں۔

یہ ہیں ہماری اخبار نویسی کے کارنامے! جن لوگوں کو کہیں کام نہیں ملتا وہ اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر بن جاتے ہیں اور شاعروں اور مضمون نگاروں کی تو اتنی کثرت ہے کہ ان سب کی مردم شماری بھی مشکل ہے۔ ہمارے ادبی مذاق کو بگاڑنے میں یہ حضرات اپنی پوری کوشش صرف کررہے ہیں اور تنقید نگاری میں ہم لوگ ذاتی تعلقات اور مروت کو اتنا دخل دیتے ہیں کہ ان لوگوں کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ ضرورت اس کی ہے کہ جن لوگوں کو ادب کا صحیح ذوق ہے وہ اس عام وبا کو روکنے کی پوری کوشش کریں ورنہ ہمارے ادب کا مستقبل ایسا ہی تاریک رہے گا۔

خبریں

ہندستان کے باہر

چین اور جاپان

جاپان - ۲۶ جنوری۔ شنگھائی۔ نانکنگ ریلوے کی طرف، جاپانی فوجیں دو رخوں سے بڑھ رہی ہیں۔ اس طرح کہ وہاں پہونچکر سرحا پر مل جائیں لیکن چینیوں نے انکو روک رکھا ہے۔ جنوبی فوج پنگ پو کے قریب اور شمالی فوج ین چاؤ کے شمال میں رک گئی ہیں۔ اس رکاوٹ میں موسم کا بھی دخل ہے۔ جاپانی فوجوں کو ڈر ہے کہ آگے بڑھنا انکے حق میں مضر ہوگا۔ جنرل متسوی نے جاپانی حکومت سے اور فوجیں مانگیں تو وہاں سے جواب آیا کہ سردست فوجیں خالی نہیں ہیں۔ جاپانی حکومت ان رکاوٹوں سے خاصی پریشان معلوم ہوتی ہے۔

جاپان کے وزیر مالیات نے تیس کروڑ ین آمدنی بڑھانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس غرض سے زیادہ آمدنی والوں پر ٹیکس ۲۰ فیصدی بڑھایا جائے گا۔ اس کے علاوہ شکر چاول شراب پر ٹیکس بڑھایا جائے گا۔ اور کھیل کے میدانوں، تھیٹر اور دوسری تفریحوں پر بھی ٹیکس لگائے جائیں گے

جاپان اور انگلستان و امریکہ انگریزی اور امریکن تجارتی کمپنیاں کاروبار کے سلسلہ میں اپنی خاص حروف تہجی میں تار دیا کرتی تھیں۔ لیکن اب جاپانی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ کمپنیاں ان پوشیدہ حروف تہجی کا حل جاپانی فوجی افسروں کو دیدیا جائے جس کمپنی پر بھروسا نہیں ہے اس کا کسی قسم کا تار نہیں لیا جائے گا۔ امریکہ اور انگلستان کے تمام تاجر اس خبر سے بہت بگڑے۔ اور انھوں نے کہا کہ ہم اپنے پوشیدہ حروف تہجی کا حل نہیں دینگے۔ غالبًا دونوں حکومتیں بہت سخت احتجاج کریں۔

جاپانی کمانڈر انچیف متسوی نے بیان دیا ہے۔

"اگر برطانیہ صرف اپنے تجارتی حقوق کی چین میں حفاظت کرنے کے علاوہ کومن ٹانگ سے اقتصادی یا سیاسی تعلقات قائم رکھنا چاہتی ہے تو جاپان اور امریکہ میں جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

متسوی نے یہ بھی کہا ہے کہ جاپانی اتنے بڑھ گئے ہیں اور اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ انکو مجبورًا چین میں حصہ نکالنا ہے۔

چین - ۲۰ جنوری۔ چینیوں نے بندرگاہ مہو سین فتح کر لیا۔ جاپانیوں نے اسکو تسلیم کیا اور کہا کہ فضول سمجھکر اسکو خالی کر دیا گیا۔ چینیوں کا بیان ہے کہ ۲۰۰ جاپانی سپاہی اس میں کام آئے۔

دو ہو پر لڑائی ہو رہی ہے۔ کئی بار دست بدست لڑائی کی نوبت بھی آچکی ہے۔

چین و روس - نانکن پر پانچ چینی ہوائی جہازوں نے بمباری کی۔ ایک ہوائی جہاز کو جاپانی توپوں نے گرا لیا۔ ہوا باز اور تین جاپانی مر گئے۔ جہاز کی ساخت ... سے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوائی جہاز روس کا بنا ہوا تھا۔ ہوا باز بھی روسی تھا۔

معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ روس سے ہتھیار چین پہونچائے جا رہے ہیں اس میں جنگی موٹر۔ ہوائی جہاز۔ خاصکر تیز رفتار جنگی ہوائی جہاز شامل ہیں۔

اس غرض سے سنکیانگ کی سڑک درست کی گئی ہے، اور سپاہیوں کی چوکیاں ڈال دی گئی ہیں۔

اسپین - بارسلونا۔ ۲۰ راگونا۔ ولنشیا پر فرانکو کے ہوائی جہازوں نے کئی بار بمباری کی۔ اسپینی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ اگر باغی فرانکو وعدہ کرے کہ آئندہ کھلے شہروں پر بمباری نہیں کیجائے گی، تو حکومت بھی فرانکو کے کھلے شہروں پر بمباری نہیں کرے گی۔ ورنہ حکومت نے اپنے ہوائی جہازوں کو مجبورًا حکم دیا ہے کہ باغیوں کے مقبوضہ مالک پر یعنی سیویل۔ سلامنکا و الا ڈولڈ پر بمباری کریں۔

حکومت کی فوجیں ٹرول کی آس پاس کی جگہوں کو گھیرتی جاتی ہیں۔ اور وہاں فرانکو کی فوجیں دبتی معلوم ہوتی ہیں۔

یونان میں فسطائی راج - کچھ دن ہوئے یونانی پارلیمنٹ کی مخالف پارٹی کے لیڈروں نے ایک اعلان شائع کیا تھا جس میں حکومت کی پالیسی کی برائی کی تھی۔ اور عوام سے التجا کی تھی کہ اپنی تحریکیں اگر بغیر کسی ہوں۔ اور فرماں روائی کے حقوق اپنے قبضہ میں کر لیں۔

مسٹر میٹکساس کی گورنمنٹ نے بہت خاموشی سے مخالف پارٹی کے سب ممبروں کو گرفتار کر لیا۔ اور اب انکو کسی دور دراز جزیرہ میں نظر بند کر دیا جائے گا میٹکساس نے اپنی ڈکٹیٹری کا اعلان کر دیا۔

امریکہ کی اسلحہ بندی - صدر جمہوریہ امریکہ روزولٹ نے اپنی تقریر میں بہت بڑے پیمانہ پر اسلحہ بندی کی تجویزیں پیش کی ہیں۔

(۱) ۸۸ لاکھ ڈالر (ایک ڈالر - تقریبًا ساڑھے تین روپیہ) ہوائی جہاز تو اسلحہ پر خرچ ہوں گے

(۲) ۲۴ لاکھ پچاس ہزار ڈالر ایک نئی محفوظ فوج کی تیاری میں۔

(۳) ۲۰ لاکھ ڈالر فوجی سامان کی تیاری کیلئے۔

(۴) بیس لاکھ ڈالر فوجی اسلحہ کی مرمت میں۔

(۵) سمندری بیڑے پر جتنا خرچ ہو رہا ہے اس میں بیس فیصدی کا اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) ۱۹۴۳ء تک دو نئے جنگی جہازوں اور دو نئے چھوٹے جنگی جہاز تیار ہو جائینگے۔
(۷) ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ایک نئے وضع کے چھوٹے جہازوں کی تیاری میں جو تجربہ کے طور پر تیار کئے جائینگے۔

جنوبی افریقہ کے ہندستانی

۲۲۔ جنوری۔ بمبئی۔ سیٹھ گوندداس جنوبی افریقہ کا دورہ کرکے واپس آگئے انھوں نے بتایا کہ جنوبی افریقہ میں ہندستانیوں کے اچھے دن نکل گئے۔ اب وہ انکے لئے جہنم ہے۔
بنجیار کی بات انھوں نے بتایا کہ ہندستانیوں نے جس بہادری سے لونگ کے باہر بھیجے کو بند کر رکھا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے۔ زنجبار کے دورے میں پمبا کے مقام پر لونگ کے ہزار ہا درخت دکھائی دئے۔ یہاں ہر چوتھے سال گھنی پیداوار ہوتی ہے۔ اس سال بھی ایسی ہی پیداوار ہے۔ لیکن لونگ توڑنے کا کام بہت ناقص تھا۔ قیاس ہوتا ہے کہ شاید فصل کاٹنے میں اس لئے پہلو تہی کی گئی کہ پوری لونگیں بازار میں آئیں اور بائیکاٹ کی حد نہ معلوم ہو سکے۔
سیٹھ گوونداس، لارڈ ڈفرن ماتحت سکریٹری نوآبادیات اور انگریزی رزیڈنٹ سے ملے، اور لونگ کے بائیکاٹ پر باتیں کیں۔ باتیں پرائیوٹ تھیں، مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ حکومت لونگ کے قانون میں ترمیم کی بابت سوچ رہی ہے۔
سر رضا علی کو افریقہ سے ایک الوداعی دعوت دی گئی جس میں بڑے بڑے حکام شریک تھے۔ مسٹر ہات سیٹر وزیر معدنیات نے سر رضا علی کے کارہائے نمایاں بیان کئے اور جنوبی افریقہ کے ہندستانیوں سے اپیل کی کہ وہ یورپین لوگوں سے مل جل کر رہیں اور اپنا علحدہ محاذ قائم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ انھوں نے سر رضا علی کو ایک خطرے سے بھی آگاہ کیا کہ ممکن ہے کہ بعض خودغرض لوگ سر موصوف کو غیر یورپی محاذ کا ہمدرد بنالیں۔
جواب میں سر رضا علی نے ہندستانیوں کو رائے دہندگی کا حق دلائے جانے پر بہت زور دیا اور کہا کہ اگر ہندستانیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا جیسا کہ ۵۰ برس پہلے سے کیا جا رہا ہے تو مجھے ڈر ہے کہ کسی قسم کے صلاح و مشورے خواہ ان کے دینے والے مسٹر رضا علی جیسا معزز شخص ہی کیوں نہ ہو بالکل صدا بصحرا ثابت ہوں گے۔
سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے جو سلوک ہندستانیوں کے ساتھ کئے جا رہے ہیں اگر اُن سے مجبور ہو کر وہ نیٹو نسل کے ساتھ شریک عمل کریں ان پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن اگر حالات سدھر جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندستانی نیٹو نسل پر فریفتہ ہوں ہندستانی بہت بڑی غلطی کریں گے۔ اگر وہ اپنے اور نیٹو نسلوں کے مفاد کو یکساں خیال کریں گے۔"
رجعت پسند اخبارات کو سر رضا علی کا قدرے سخت لہجہ بہت ناگوار گذرا ہے اور اُنھوں نے ہندوستانیوں کو دھمکی دی ہے کہ جنوبی افریقہ

کے سفید آدمیوں کو منت اور خوشامد سے منالینا چاہئے ورنہ اگر وہ خفا ہو جائیں گے تو بہت بُرے پیش آئیں گے۔

بھوک ہڑتال

کرم ضلع پٹنہ کے پانچ کانگریسی کارکنوں نے گورنر اور وزیر اعظم کو الٹیمیٹم دیا ہے کہ ان کے خیال میں گورنر کے اختیارات خصوصی سیاسی قیدیوں کی رہائی میں ایک بڑی روک ثابت ہو رہے ہیں اور ہندستان کی مختلف جیلوں میں سیاسی قیدی بھوک ہڑتال کر رہے ہیں اس لئے احتجاج کے طور پر وہ لوگ بھی ۲ر فروری سے بھوک ہڑتال شروع کردیں گے تاوقتیکہ سیاسی قیدی نہ چھوڑ دئے جائیں۔ انھوں نے تمام صوبوں کے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں اور کہا ہے کہ سیاسی قیدی اب اپنی بھوک ہڑتال ختم کر سکتے ہیں کیونکہ اب بہت سے لوگ اُن کی لڑائی جاری رکھنے کے لئے تیار ہیں۔

طلبا اور سیاست

یو۔پی۔ اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر کرن سنگھ پارلیمنٹری سکریٹری نے کہا کہ کوئی قانون یا کسی قسم کے احکامات ایسے نہیں ہیں جن سے سرکاری اداروں کے طلبا کو قومی اور سیاسی تحریکات میں حصہ لینے سے روکا گیا ہو۔ انھوں نے کہا کہ گذشتہ دو سال میں سرکاری مدرسوں کے ایک طالب علم کو بھی سیاست میں حصہ لینے پر سزا نہیں دی گئی۔ جن اسکولوں کو سرکار مدد دیتی ہے ان کے مدرسوں کو بھی کانگریس یا کسی دوسری سیاسی جماعت کا ممبر بننے سے روکا نہیں جاتا بشرطیکہ وہ ایجوکیشنل بورڈ کے قاعدوں کے اندر رہیں ایک دوسرے سوال کے جواب میں اُنھوں نے کہا کہ طلبا کو بید لگانے کی سزا دینے کی اجازت نہیں ہے۔

بمبئی ۲۷ر جنوری' حکومت بمبئی نے تعلیمی اداروں کے ڈسپلن کے لئے ایک رزولیوشن تیار کیا ہے کہ ایسے نوجوان جن کی عمر ۱۶ سال سے متجاوز ہو اور جو تعلیم پا رہے ہوں' ماسٹر اور ٹیچر سب عام جلسوں میں آزادانہ شرکت کر سکتے ہیں۔ ۱۶ سال سے کم عمر والے اشخاص انکے والدین کی مرضی حاصل کرنے کے بعد کسی جلسے کی شرکت سے روکے جا سکتے ہیں۔ اگر ایسے جلسے ہیڈ ماسٹر یا کالج کے حکام کی نظر میں قابل اعتراض ہوں۔"
اس ریزولیوشن میں تصریح کی گئی ہے کہ ۱۶ سال سے متجاوز طالب علموں ماسٹروں اور ٹیچروں کو حق ہوگا کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے ممبر بن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس جماعت کا مقصد تشدد نہ ہو اور نہ تشدد کی تعلیم دیتا ہو۔ اس رزولیوشن کے ماتحت طالب علموں کو اجازت ہے کہ وہ کسی سماجی تعلیمی یا مذہبی جماعت کے رکن بن سکتے ہیں۔ لیکن ایسی سیاسی اور مذہبی جماعت کے رکن یا رکن عاملہ نہیں بن سکتے جس سے فرقہ وارانہ اسپرٹ پھیلائی جاتی ہو۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

ہندستان

جلد ۲ نمبر ۷ — ۱۳ فروری — فی پرچہ ۱؎ سالانہ ۳؎

کسی نہ کسی طرح سرحد پر قبضہ جمانا ہے

ای پی کے فقیر نے زمانہ ہوا پنڈت جواہر لال کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان پر اور ان کے قبیلے پر انگریزوں نے جو الزام لگائے ہیں وہ صاف کئے تھے۔ مگر اس وقت تک پنڈت جی نے حالات کا خود مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس لئے خط اخباروں کو نہیں دیا۔ لیکن اس مرتبہ جب سرحد کا دورہ کیا، وہاں کے قبیلوں اور قبیلوں کے افسروں سے بات چیت کی، اور صحیح خبریں معلوم ہوئیں تو وہ خط اخباروں کو دیدیا۔

فقیر صاحب پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ ہندو لڑکیوں کو زبردستی اٹھا لیجایا کرتے ہیں۔ اور یہ حرکت ایک آدھ بچے پٹھانوں کی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں پورے کے پورے قبیلے شریک ہوتے ہیں اور خود فقیر صاحب بھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حرکت کرنا انگریزی فوج سے یہ کہنا ہے کہ آ بیل مجھے مار۔ مگر ان لوگوں کو کچھ ایسی لت پڑ گئی ہے کہ چاہے ہوائی جہازوں کے ڈر سے جنگلوں اور پہاڑوں میں مارے مارے پھرنا پڑے اور پھر برسائی ہوئی آگ میں خود بھن جائیں۔ اپنے بیوی بچوں کو بھنتا دیکھیں، کچھ ہو، مگر یہ لت نہ چھوٹے گی۔ ایک لڑکی اٹھا لیجاتے ہیں۔ جب ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار کر بم برسا کر انگریز لے جیتے ہیں کر ماں باپ کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ اور صلح ہو جانے کا امکان نظر آنے لگتا ہے تو جا کر دوسری لڑکی اٹھا لاتے ہیں۔

ایسی عجیب و غریب کہانی کسی طرح دل کو نہیں لگتی تھی۔ سوچا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو انگریزوں سے اتنی سخت نفرت ہے کہ ایک بار سر اکبر حیدری انگریزی ٹوپی پہنے ادھر نکل گئے۔ تو گولی مار دی، سر پر تو نہیں پڑی مگر ٹوپی میں چھید ہو گیا۔ ممکن ہے کہ یہی نفرت ایسی حرکتیں کراتی ہوگی۔ لیکن اگر نفرت تھی تو انگریزوں سے نہ کہ ہندوستانیوں سے۔

اب فقیر کے خط سے معلوم ہوا کہ سب پروپیگنڈا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے سروں میں بھی اسی طرح کی عقل ہے جیسی ہم لوگوں کے سروں میں۔ ایک لڑکی سے عیاشی کر لینے کی قیمت میں ہزاروں جانوں کو بم کے نذر کر دینا۔ اسکو وہ بھی حماقت سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہ ان لوگوں کے سینوں میں بھی اسی طرح کا دل ہے جیسے ہم لوگوں کے سینوں میں۔ بھولی لڑکیوں کو اٹھا لیجانا انکے نزدیک سخت ظلم ہے۔ اور جو ایسا کرے وہ بدترین انسان ہے۔ ہاں آزادی کی انکے یہاں بڑی قیمت ہے۔ جان دیدینگے آزادی نہیں دینگے۔

برطانیہ کا پروپیگنڈا کیا ہوتا ہے، نظر بندی ہوتی ہے۔ جنگ عظیم میں بھی پروپیگنڈا جرمنوں کے خلاف ہوا اس زمانہ میں روس کے خلاف ہو رہا ہے۔ بات کی بات میں ملک کے ہندوؤں کو بھڑکا دیا کہ

سرحدی تمہاری لڑکی اٹھا لیجاتے ہیں۔ سکھوں کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ مسجد شہید گنج کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اور مسلمان ان حرکتوں پر کھسیا کر خاموش ہو گئے۔ پھر کیا تھا چلیں سرحد کی طرف چالیس ہزار فوجیں ساتھ ساتھ توپیں، بندوقیں، بم اور ہوائی جہاد۔ ہزاروں سرحدی بم سے بھون ڈالے گئے۔ انکی زمینوں پر قبضہ کیا گیا۔ انکے آزاد ملک میں غلامی کا سکہ جما گیا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حکومت ہند کے نزدیک یہ لڑائی نہیں۔ بلکہ صرف فوجوں کی مدد سے ورزش تھی۔ اس میں چند مہینوں میں دو کروڑ روپیہ صرف ہو گیا۔ دو کروڑ روپے ایسی رقم تھی جسکی مدد سے سرحدی اپنے ملک میں بسائے جا سکتے تھے۔ انکے لئے صنعت و حرفت تعلیم اور پیشوں کا انتظام کیا جا سکتا تھا جسکے بعد نہ یہ خانہ بدوشی رہتی، اور نہ کسی قسم کی لوٹ مار۔

لیکن برطانیہ تو کچھ اور ہی چاہتی ہے۔ سروں پر عالمگیر لڑائی منڈلا رہی ہے۔ اسی سلسلہ میں کلکتہ، بمبئی، مدراس، کراچی وغیرہ بندرگاہوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔ فوج کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔ سرحد کو بھی مضبوط کرنا ہے۔ یعنی سو فیصدی انگریزی قبضہ میں لانا ہے۔ اسکے لئے بدتر سے بدتر کام کرنے کیلئے برطانیہ تیار رہی ہے۔ اور کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی۔

مہاجنوں سے کاشتکاروں کی حفاظت

مدراس کی اسمبلی نے ایک قانون پاس کیا ہے جسکا نام کاشتکاروں کا حفاظتی قانون ہے۔ اسکی رو سے کسادبازاری سے پہلے والے قرضے، جو یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء سے قبل لئے گئے ہوں جبکہ روپیہ کی قیمت اب سے کم تھی، گھٹائے جائیں گے۔

ایک قاعدے کی رو سے اگر کاشتکار سال ہوئی رقم کا دگنا مہاجن کو ادا کرچکا ہے سود کے نام سے یا اصل کے نام سے تو البتہ قرضہ اصل کے ادا سمجھا جائے گا۔ دوسرے قاعدے کی رو سے کسادبازاری سے بعد والے قرضے جو یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء سے بعد کو لئے گئے ہوں، ان پر ۵ فیصدی سالانہ سود سے زیادہ نہیں شمار کیا جائے گا۔ جو کاشتکار سود کی رقم ۵ فیصدی سے زیادہ حساب پر ادا کرچکے ہیں انکی زیادہ رقم کو اصل سے منہا کردیا جائے گا۔

اس قانون کے پاس ہونے کے بعد سے کسی رقم پر جو کاشتکاروں کو قرضہ پر دی جائے ۶ ۱/۴ فیصدی سالانہ سے زیادہ سود نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

بقایا لگان بھی اسی قانون کی زد میں آتا ہے۔ مختلف قسم کی بقایا اس قانون سے معاف کردی گئی ہیں۔

قرضہ کی اصل بنیاد تو کسانوں کی غریبی ہے۔ کھیت تیار ہونے سے پہلے ہزاروں طرح کی ضرورتیں تاک لگائے رہتی ہیں، سب کو اس بہانے کسان ٹالتا رہتا ہے کہ کھیت تیار ہوجائے، تو پورا کروں۔ ادھر کھیت تیار ہوا اور ادھر آیا ہوا روپیہ سیکڑوں راستوں سے بہنے لگا۔ روپیہ سب کا سب خرچ ہوجاتا ہے، اور پھر بھی ضرورتیں رہ جاتی ہیں۔ لگان ادا کرنا رہ جاتا ہے۔ اگلی فصل کیلئے بیج اور کھاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیماری دکھی، پیدائش موت، بارش میں مکان گرنے، اور بیماری میں مویشی کے مرجانے کے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب سے بچنے کیلئے کاشتکار کو قرضہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک کاشتکاروں میں غریبی ہے قرضہ انکی جان نہیں چھوڑ سکتا اور غریبی اسوقت تک نہیں دور ہوسکتی جب تک سماج کی موجودہ بناوٹ قائم ہے۔ کانگریسی وزارتیں جو کچھ کرسکتی ہیں وہ یہ ہے کہ قرضوں کی بار ہلکی کردیں۔ اس قانون سے اسکی بار خاصی ہلکی ہوگئی ورنہ مہاجن کا قرضہ وہ بلا ہے جو کہ پشتوں تک ادا کیا جاتا ہے۔ اور اصل سے دس گنی اور بیندرہ گنی رقم ادا کی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی "ادائی" نہیں ہوتی۔

کانگریس میں مسلمان عوام کی آمد

ڈاکٹر محمد اشرف نے یو۔ پی کے پانچوں چھوٹے الکشنوں کے اعداد شمار شائع کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کو سب ملاکر ۱۶۶۵۶ ووٹ ملے اور مسلم لیگ کو ۱۳۸۱۶ ووٹ ملے۔ دیہاتیوں نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ اور شہریوں نے مسلم لیگ کا۔

ابھی تک ووٹ دینے کا حق محدود ہے۔ جائداد وغیرہ کی قیدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور کانگریس کو مسلمانوں میں باقاعدہ کام کرتے تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے۔ اگر اتنے زمانے میں اس مدت میں اتنی کامیابی حاصل کرلی تو بہت ہے۔

پھر کانگریس سے تعلق کرنے اور منظم کرنے کے کام کرنے میں بڑا فرق ہے مسلم لیگ کے صرف اتنا کہنا پڑتا ہے کہ کانگریس کافروں کی جماعت ہے۔ تمام اسلامی چیزوں کی دشمن ہے۔ اور مسلمانوں کو کھائے جارہی ہے۔ لہذا مسلمان بھائیوں اس پر جہاد بولدو۔ اس طرح تحریک چلانے میں دو چار زبانی فتوے، اور دو چار تحریری فتوے کافی ہیں۔

کانگریس کا کام پیچیدہ ہے۔ اسکو سمجھانا پڑتا ہے کہ یہ سیاسی لڑائی کیوں ہورہی ہے۔ اس لڑائی کے خاص اصول کیا ہیں؟ ہماری منزل کیا ہے؟ وہاں تک پہونچنے کا سیدھا راستہ کیا ہے؟ یہ ایسے سوالات نہیں ہیں جو ایک دن میں سمجھا دئے جائیں۔ اسکے لئے زمانہ چاہئے۔ ہاں، جہاں ایک بار عوام نے ان مسئلوں کو سمجھ لیا، پھر فتوؤں کے اشارے پر نہیں چل سکتے۔

انڈین سروس صوبجاتی حکومتوں کے ماتحت

یو۔ پی۔ اسمبلی نے بالاتفاق ایک قرارداد پاس کردی جس میں اس بات کی خواہش کی گئی ہے کہ اعلی سول، میڈیکل، اور پولیس کی ملازمتوں کو بجائے حکومت ہند کے ماتحت رکھنے کے صوبجاتی حکومتوں کا ماتحت بنادیا جائے۔

اس پرچہ میں مولانا حبیب الرحمن کا کانپور کے واقعہ پر ایک بیان نکل رہا ہے۔ اسکو دیکھکر پتہ چلتا ہے کہ موجودہ حالات میں ذمہ دار وزیروں کو حکومت کی مشینری سے صحیح کام لینے میں کیا کیا دشواریاں ہورہی ہیں۔ ابھی وزیروں کو اعلی افسروں پر اختیارات نہیں حاصل ہیں۔ اگر یہ افسران چاہیں تو ذمہ دار وزیروں کی اس طرح مخالفت کرسکتے ہیں کہ وہ خود گرفت میں نہ آسکیں۔ اس طرح جو تھوڑے بہت حکومت کو اختیارات ہیں ان سے بھی پورا کام نہیں لیا جاسکتا۔

اسکے علاوہ جیسا کہ کنور مہاراج سنگھ نے قرارداد پیش کرنے میں کہا کہ اس طرح یو۔ پی کے صوبہ کو ۱۵ لاکھ سے لیکر ۲۰ لاکھ تک کی بچت ہوجائے گی۔ قومی تربیت کا پروگرام روپیہ کی کمی کی وجہ سے رکا جارہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ رقم بڑا کام دے جائے گی۔

لیکن برطانیہ اس تجویز کو کب ماننے لگی۔ انڈین سروس کا توان ستونوں میں شمار ہے جس پر برطانیہ ہندستان میں تھمی ہوئی ہے۔ سمجھدار، تندرست، چست نوجوانوں کو لمبی تنخواہوں اور بڑے اختیارات دیکر خرید لیتی ہے۔ اور پھر ہندستان کے یہ بہترین دماغ برطانیہ کے دست راست بنکر یہاں کی ترقی پسند تحریک کو کچلتے ہیں۔

الفاظ کا الٹ پھیر

عرصہ سے یہ تجویز زیر غور رہی تھی کہ کچھ گاؤں جو ابھی تک حکومت ہند کی ماتحتی میں تھے۔ جودھ پور اور ادے پور کی ریاستوں کو دیدئے جائیں۔ ان دیہاتوں کے رہنے والوں نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ کانگریس نے اس کی مخالفت کی۔ مگر تجویز پر کوئی اثر نہ پڑا۔ ایک بار مرکزی اسمبلی میں، کانگریس پارٹی نے اس مضمون پر التوا کی تحریک پیش کرنا چاہی۔ مسٹر اے ال سرکار نے حکومت کی طرف سے اجازت بھی دیدی۔ مگر وائسرائے نے اجازت نہیں دی۔ اور بہانہ یہ کیا کہ ایسی بحث پبلک کے مفاد کے خلاف ہوگی۔

پبلک کون ہیں؟ ان دیہاتوں کے رہنے والے تو ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ کانگریس کے سامنے اس تجویز کی مخالفت کرچکے۔ اور عام ہندستانی بھی "پبلک" نہیں ہوسکتے، کیونکہ برطانیہ ہی کے بنائے ہوئے اصول پر ثابت ہوگیا کہ ہندستانیوں کی صحیح نمائندہ صرف کانگریس ہے۔ اور کانگریس اس تجویز کی شروع ہی سے مخالف ہے۔ پھر پبلک کون ہے؟ برطانیہ۔

آسام کی وزارت

آسام اسمبلی کے گزشتہ اجلاس میں سر محمد سعداللہ کی حکومت نے بڑے بڑے دھکے کھائے۔ گیارہ بار اسکو شکست ہوئی۔ اور کئی بار یہ خطرہ ہوا کہ وزارت ٹوٹی۔ وزیراعظم سر محمد سعداللہ نے اسمبلی کی زیادہ مضبوط اکثریت پر قبضہ کرنے اور کابینہ میں یکجہتی پیدا کرنے کیلئے اپنی کابینہ کو پھر سے مرتب کیا۔ امید ہوتی تھی کہ اب کام چل جائے گا۔ لیکن امرت بازار پتریکا کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ اس طرح کام چلتا نظر نہیں آتا۔ موجودہ وزارت لب گور ہے۔

ایک خبر ہے کہ مسٹر علی حیدر جنکی جگہ پر اب مسٹر حبیب المتین چودھری ہیں کانگرس میں آکر شریک ہو گئے ہیں۔ آثار تو ضرور ایسے ہیں کہ وزارت میں کوئی نہ کوئی تغیر ہو۔ مگر تغیر کیا ہوگا؟ یہ ابھی نہیں کہا جاسکتا۔

تشدد سے گھبرا کے مزدور اٹھا

ٹرینیڈاڈ کے مزدوروں کی بےچینی کی تحقیقات کیلئے جو کمیشن بٹھایا گیا تھا اس کا بیان ہے کہ بےچینی کی اصل وجہ عام اقتصادی ابتری ہے۔ جسکو دور کرنے کی موجودہ حکومت کی بناوٹ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ بےچینی حد کو پہنچ گئی۔ جب کھانا مہنگا ہوگیا، اور مزدوروں کی تنخواہیں اس مناسبت سے نہیں بڑھیں۔

یہ قصہ ٹرینیڈاڈ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ جنوبی افریقہ کے ملکوں کا بھی یہ حال ہے۔ اور ہر جگہ کا مزدور اس دباؤ کو توڑنے کیلئے تیار ہوگیا ہے۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ نیروبی میں مزدور سبھا قائم ہوئی۔ اور اس کا عمل دخل ممباسا تک پہونچ گیا۔

برطانیہ کے کارخانوں نے ان نئی طاقتوں کو محسوس کرلیا۔ مقامی چیمبر آف کامرس نے اپنی سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ مزدوروں کے اتحاد سے اسٹرائکوں کا خطرہ ہے۔ اور اس نے مل مالکوں کو ہوشیار کیا ہے۔ رپورٹ میں ہے :۔

"ایسے آثار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ بڑی ہلکی پھلکی اور اللہ مزدور بھی اب ہوشیار ہو رہا ہے۔ اور اندازہ کر رہا ہے کہ اسٹرائک بڑا کامیاب ہتھیار ہے۔"

اصل میں یہ ہتھیار ہے جس سے جنوبی افریقہ کے باشندے اپنی مصیبتوں کو دور کرسکتے ہیں۔ اور یہی ایک راستہ ہے جو آزادی اور فارغ البالی کی طرف جاتا ہے۔ اپنی طاقت پر بھروسا کرو۔ اور اپنے دکھ کیلئے خود لڑو۔

پھر کسادبازاری کی دھمکیاں

مسٹر چیمبرلین نے جو وزیراعظم انگلستان کے بھائی ہیں، اور ایک بہت بڑے لوہے کے کارخانے کے صدر ہیں، اور یورپ کے سرمایہ داری اقتصادیات کے ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں ایک بیان میں کہا ہے :۔

"خبر ہے کہ تجارت کے گرنے کے آثار امریکہ متحدہ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کھٹکا ہے کہ بارہ مہینے کے اندر اندر یہ کسادبازاری انگلستان میں بھی آجائے گی۔"

امریکہ کی خبر ہے کہ نومبر اور دسمبر کے درمیان تین لاکھ مزدور بیکار ہوگئے۔ اور مزدوروں کو عمومی طور پر تنخواہوں میں جو روپیہ ملتا تھا اس میں سے پندرہ کروڑ ڈالر کم ہوگئے (ایک ڈالر۔ تقریباً ۳ ½ روپیہ)

دوسری خبر ہے کہ جنوری کے آخر تک موٹر کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں میں سے ۳ لاکھ بیس ہزار مزدور بیکار ہوگئے۔

انگلستان میں بھی بیکار مزدوروں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ اس بیکاری کے کیا معنی ہیں؟ کسادبازاری کے کیا معنی ہیں؟ اس سے کیا خطرات ہیں؟

۱۹۳۰ء میں کسادبازاری کا ایک جھگڑا اٹھا تھا۔ پہلے چیزیں سستی ہوئیں۔ پھر اناج اتنا سستا ہوگیا کہ یا تو آٹھ سیر کا گیہوں بکتا تھا یا چوبیس سیر اور چھبیس سیر بکنے لگا۔ کسان غریب ہوگئے۔ لگان ادا کرنا بند کردیا۔ زمیندار بھی غریب ہوگئے۔ حکومت کو مالگذاری کم ملی۔ اس نے ہر محکمہ میں تخفیف کی، اور تنخواہیں کم کردیں۔ اس سے ملازمت پیشہ بھی غریب ہوگئے۔ یعنی غریبی عام ہوگئی۔ ہر چیز سستی تھی، مگر جیب میں پیسے نہ تھے جو خریدسکتے۔ یہی تماشا اب پھر ہونے والا ہے۔ اس کا راز سرمایہ داری ہے۔ سرمایہ داری چیزوں کو بنانا جانتی ہے۔ مگر اسکو لوگوں تک پہونچانا نہیں جانتی۔

جب بازار میں چیزوں کی مانگ ہوتی ہے۔ تو جلدی جلدی اس پر روپیہ لگتا ہے۔ کارخانے کھلنے لگتے ہیں۔ چیزیں تیار ہوتی ہیں اور بکتی ہیں اور مانگ ہوتی ہے۔ لوگ اور تیار کرتے ہیں۔ کارخانوں پر کارخانے کھلتے جاتے ہیں۔

خریدنے والوں میں مزدور ہوتے ہیں اور کسان۔ انکے پاس اتنا پیسہ کہاں؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامان بہت پیدا ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کو خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب سامان سستا ہونا شروع ہوتا ہے۔ اتنا سستا ہو جاتا ہے کہ ملوں کو فائدہ نہیں ہوتا۔ ملیں بند ہونے لگتی ہیں، اور بیکاری بڑھنے لگتی ہے۔ جب سب چیزوں کی خریداری گھٹ جاتی ہے۔ بازار کا بھاؤ گر جاتا ہے۔ یعنی کسادبازاری جم جاتی ہے۔

(دیکھئے "صنعت و حرفت ہندستان" جلد نمبر ۱۴)

جنوبی چین

جاپان کا حملہ اب صوبہ کوانتانگ کی طرف ہو رہا ہے جو جنوبی چین میں واقع ہے۔ یہ حصہ شمالی اور وسطی چین سے کئی باتوں میں الگ ہے۔ شمال کے پانچ صوبے مدتوں سے جاپان کی دھمکی سہتے رہے ہیں۔ بلکہ حملوں کا بھی نشانہ رہے ہیں۔ جب ۱۹۳۲ء میں جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا تو شنگھائی والوں پر اسکا خاصا اثر پڑا۔ لیکن جنوبی حصہ سوائے کینٹن پر دو چار چھوٹے چھوٹے ہوائی حملوں کے لڑائی سے بچا رہا۔ جنوب کے رہنے والے بھی شمالی لوگوں سے مختلف ہیں۔ کینٹن والے چینی تجارت کے مالک ہیں۔ غیر ملکیوں کی تجارتی چالبازیوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ سیاست سیکھ گئے ہیں اور ان میں سیاسی استقلال پیدا ہو گیا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ چین کی موجودہ تاریخ کی بہت سی بڑی بڑی تحریکیں جنوب سے اٹھی ہیں۔ تائی پنگ کی بغاوت یہیں سے اٹھی۔ ڈاکٹر سن یات سین کینٹن کے رہنے والے تھے، اور یہیں سے انھوں نے ۱۹۱۱ء کے "بڑے انقلاب" کی بنیاد ڈالی جس نے منچو خاندان کی حکمرانی مٹا کر چینی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ کینٹن ہی وہ جگہ ہے جہاں جنرل چیانگ کائی شیک نے اپنی فوجوں کو وسطی چین پر دھاوا کرنے کیلئے تیار کیا۔ اور جس کے ذریعہ جنوبی چین کی مرکزی حکومت نانکن میں قائم کی۔

موجودہ جمہوری حکومت کا بیج جنوب میں پڑا تھا لیکن عجب بات ہے کہ پچھلے دس سالوں سے جنوبی حکومت چیانگ کائی شیک کی جمہوریت سے الگ تھلگ رہی ۱۹۳۶ء کے وسط تک وہاں ایک خود مختاری حکومت قائم تھی جس میں تین صوبے کوانگ تنگ، کوانگسی اور یونان شامل تھے۔ یہاں کومنتانگ کے جنوبی لیڈر خاکر جان چائی سنگ اور لی تسونگ جین۔ زبان سے مرکزی حکومت تسلیم کرتے تھے۔ مگر ان کی فوج الگ تھی۔ بنک اور سکہ الگ تھا۔

اسکی علحدگی کی خاص وجہ تو لیڈروں کی خود غرضی تھی لیکن دس سال تک لوگوں کا اس بات پر رضامند رہنا بتاتا ہے کہ عام طور پر اس حصہ میں چیانگ کائی شیک کا طرز حکومت پسند نہیں تھا۔ ادھر سے بار بار مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ جاپان سے دبنا بند کردیا جائے۔ کئی سال پہلے سے جاپانی فوجیں شمال کی طرف رفتہ رفتہ مختلف بہانوں سے قبضہ جارہی تھیں۔ اسی زمانے میں کینٹن والے مقابلہ کرنے کیلئے بےچین تھے۔ نقشوں میں منچوریا کھوئی ہوئی زمین کی حیثیت سے دکھایا گیا تھا۔ بازاروں اور پبلک جگہوں، پارکوں اور راستوں پر چپکائے گئے تھے۔ سڑکوں پر بنائے جاتے تھے۔ لڑکے کاپیوں پر بچے کتابوں پر بنایا کرتے تھے۔ اور جا بجا "جاپان کو ناس کر دو۔ جاپان کو ناس کر دو" کے نعرے سنائی دیتے تھے۔

کہا جاسکتا ہے کہ کینٹن والے لڑائی کے میدان سے بہت دور ہیں اس لئے جتنی چاہے بہادری دکھالیں۔ لیکن ایسے حالات ہیں جو بتاتے ہیں کہ کینٹن والوں میں عملی طاقت بھی ہے کیونکہ ۱۹۳۲ء میں انیس روٹ فوج نے ایک مہینہ تک بڑی بہادری سے جاپانی حملوں کو روکا، جبکہ چیانگ نے مدد سے انکار کردیا تھا اور اس فوج میں زیادہ تر لوگ کوانگ تنگ، کوانگسی، اور فوکین کے رہنے والے تھے۔ اس فوج کے شہیدوں کی یادگاریں جنوبی چین میں جابجا نظر آتی ہیں۔ یہ یادگاریں ہیں ان لوگوں کی جو بہادر تھے اور جنھوں نے ظالموں کے مقابلے میں ہار جانے سے جان دینا بہتر کیا۔

۱۹۳۶ء کے وسط میں ہو ہان من جو کومنتانگ کا ایک بڑا لیڈر اور چیانگ کائی شیک کا مخالف کینٹن میں مرگیا۔ اسکے بعد ہی جنوبی حکومتی کونسل ٹوٹ گئی، اور جنوب نے مرکزی حکومت کی اطاعت قبول کرلی۔ اسکے بعد ہی کچھ تو کمیونسٹوں کے دباؤ سے، اور کچھ جنوبی چین کے دباؤ سے مرکزی حکومت کا رویہ جاپان کے ساتھ ذرا سخت ہوگیا۔ یوں چین میں ایکا ہوچلا۔ لیکن ابھی یہ ایکا مضبوط نہیں ہوا تھا کہ جاپان نے حملہ کردیا۔

کوانگ تنگ، اور کوانگسی کے دو صوبوں کی آبادی انگلستان سے کچھ ہی کم ہے۔ اور انکی فوجیں دس لاکھ سے کم نہ ہونگی۔ ان میں کچھ حصہ ایسا ہے جو دور دراز دیہاتوں، اور پہاڑوں پر ہے۔ انکے پاس اچھے اسلحہ ہیں اور وہ اچھے جوانمرد ہیں وہ اچھی طرح تیار نہیں ہیں۔ لیکن ایسا حصہ بھی ہے جو بہت قواعد داں ہے، اور نئے طرز پر مسلح ہے۔ ایسی ہی ایک فوج کینٹن کے شاہ ہو کی بارکوں میں ہے جو کینٹن کے شمال مشرق میں ہے۔ جرمن افسر انکو سکھاتے ہیں۔ ایک دوسرا ایسا ہی فوجی اسٹیشن سیو کوان میں ہے جو کینٹن کے شمال میں اسی میل پر ہے کینٹن ہانکاؤ ریلوے پر واقع ہے۔ یہاں ہوائی جہازوں کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جہاں امریکن ماہرین کی نگرانی میں چینی ہوائی جہاز تیار کرتے ہیں۔ صرف انجن دوسرے ملکوں سے منگوائے جاتے ہیں۔ کینٹن کے ہوائی جنگی محکمہ میں زیادہ تر ہوائی جہازوں میں امریکن انجن ہیں۔ اور سکھانے والے بھی زیادہ تر امریکن یا کناڈین ہیں۔

جنگی اہمیت کینٹن کو بہت حاصل ہے۔ کیونکہ ہانکاؤ جانے والی ریل کا یہ جنوبی حصہ یہاں سے جنگی سامان اور فوجیں آسانی سے وسطی چین تک پہونچائی جاسکتی ہیں۔ شہر بھی بہت اہم ہے کیونکہ جنوبی چین کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں دس لاکھ آبادی ہے۔ تلے اوپر مکانات ہیں پتلی سڑکیں، اور تنگ گلیاں ہیں۔ ہوائی حملوں کیلئے بالکل غیر محفوظ ابھی جو چند ہوائی حملے ہوئے تھے۔ انھوں نے بہت نقصان پہونچایا۔ لیکن بحری اور خشکی کے رستوں سے کینٹن بہت محفوظ ہے کینٹن کے پاس پہونچکر دریا ڈلٹا کی شکل بن جاتا ہے اور ساحل بلند ہوجاتے ہیں۔ یہاں بوکا گس کا قلعہ ہے۔ جسکے متعلق خبر ہے کہ خوب مسلح ہے۔ شمال اور مشرق میں کئی جنگی چوکیاں ہیں۔

کینٹن پر حملہ کرنے کے دو راستہ ہوسکتے ہیں، ایک ٹوٹائے شان سے۔ جہاں سے کینٹن کو ایک ریل جاتی ہے۔ اور دوسرا راستہ خلیج بیاس سے ہوسکتا ہے۔ جہاں سے تہہ تک ایک سڑک جاتی ہے۔ جنرل یو ہان ماؤ نے جو یہاں کا کمانڈر ان چیف ہے۔ فوجوں کو ان مقاموں کی حفاظت پر لگا دیا ہے۔

جاپان کی فوجی طاقت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ جنوبی چین کو فتح ہونگی مشکل کام ہے۔ لیکن اس خطہ کے لوگ اگرچہ اپنے شمالی بھائیوں سے قد میں چھوٹے ہیں لیکن بہت جفاکش اور بات کے دھنی ہیں۔ انکا ہرا دینا آسان کام نہیں۔

(مانچسٹر گارجین سے لیا گیا)

لینن اور اسٹالن کی قومی پالیسی

(ال - وینو)

آخری مردم شماری میں جو ۱۹۳۹ء کو ہوئی ہے سوویٹ متحدہ کی آبادی، لسانیاتی اصول کے بیانات کی بنا پر ۲۰۰، مختلف قوموں میں تقسیم کی گئی۔ حقیقت میں اس تقسیم میں تھوڑا سا مبالغہ ہے۔ ان قوموں میں ایک طرف روسی ہیں جن کی تعداد سات کروڑ اسی لاکھ ہے اور دوسری طرف ایسی قومیں پڑی ہیں جنکا صرف ایک فرد سوویٹ متحدہ کا باشندہ ہے انکو علحدہ قوم سمجھنا غلطی ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی قوم کو مختلف نام دے دئے گئے ہیں۔

اگر ایسی قوموں کو چھوڑ دیا جائے، اور صرف ان قوموں کا شمار کیا جائے جنکی تعداد معقول ہے، تب بھی پچاس قومیں اور قومی جتھے وہاں پائے جاتے ہیں جنکی تعداد ہزاروں لاکھوں کروڑوں سا دیٹ متحدہ کے بسنے والوں سے تیار ہوگی۔ وہ قومیں یا قومی جتھے جنکی ایک متحدہ جماعت ہے اور ساویٹ متحدہ کی سرحد پر رہتے ہیں آج کل ان کی خود مختار حکومتیں ہیں، یا آزاد ریاستیں ہیں۔ یا پنچائتی نظام ہیں۔ اس طرح گیارہ متحدہ جمہوریہ ۲۲ آزاد جمہوریہ اور ۹ خود مختار صوبے ہیں اور کچھ قومی حکومت کے صوبے ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ بکھرے ہوئے جتھے ہیں انکی قومیت دوسری طرح سے محفوظ کی گئی ہے ۱۹۳۹ء کے اعداد وشمار کے مطابق (اب آبادی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے) سب سے بڑی قومیں یہ ہیں۔ روسی سات کروڑ اسی لاکھ ہیں۔ یوکرینین تین کروڑ سے زیادہ۔ گورے روسی ۵۰ لاکھ۔ ازبکی ۴۸ لاکھ۔ کزاق ۳۰ لاکھ۔ تاتار ۳۰۰ لاکھ سے اوپر۔ یہودی ۲۶ لاکھ۔ جارجی ۲۲ لاکھ۔ ۵ ہزار۔ ترک (آذربائیجان کا ایک قبیلہ) ۲۲ لاکھ۔ آرمنی ۱۶ لاکھ سے۔ انکے علاوہ جرمن۔ تاجک۔ فرانسس اور مارڈون دس لاکھ سے زیادہ ہیں۔ ترکمان۔ کرگسی۔ باسکر۔ فسیچ۔ کمین اور پول دس لاکھ یا اس سے کچھ کم ہیں اور قوموں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ ہے۔

سوشلسٹ پروگرام ان قوموں کی ترقی تین راہوں سے کر رہا ہے ا۔

(۱) ——— خود مختاری کا حق اور جب چاہیں مرکزی حکومت سے الگ ہو جانے کا حق - بالشویک پارٹی کے اقتدار حاصل کرنے سے بہت پہلے اپنے تمام بیانوں میں ان حقوق کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ لینن نے ۱۹۱۳ء میں یہ لکھا ہے۔

"مختلف قوموں کے امن اور آزادی سے رہنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اگر چاہیں علحدہ ہو جائیں اور اپنی آزاد ریاستیں اور مکمل جمہوریہ قائم کرلیں۔ جسکا مزدور پارٹی پرچار کرتی ہے۔ مزدوری طبقہ کی جمہوریت یہ ہوگی کہ کسی قوم یا کسی زبان کیساتھ کوئی جانبداری نہو۔ اور نہ کسی قومی اقلیت کیساتھ کسی قسم کی پابندی یا نا انصافی ہو۔"

سوشلسٹی انقلاب ہونے کے بعد فوراً ہی "قوموں کے حقوق کے اعلان" کے ذریعہ سے یہ پروگرام قانون میں تبدیل کر دیا گیا اور اسپر لینن اور اسٹالن دونوں کے دستخط ہوئے۔ اس میں خاص باتیں یہ چار ہیں۔

۱۔ روس کی تمام جماعتوں کی فرمانروائی اور مساوات تسلیم کر گئی۔

۲۔ روس کی تمام قوموں کو خود مختاری حکومت کا پورا اختیار اور اپنی مرضی پر مرکزی حکومت سے الگ ہو جانے کا اور اپنی علحدہ حکومت قائم کرلینے کا اختیار دیا گیا۔

۳۔ تمام قومی اور تمام مذہبی جانبداریوں کا خاتمہ۔

۴۔ تمام اقلیتوں اور تمام قوموں کو جو روسی حدود کے اندر ہیں آزادانہ ترقی کرنے کے موقعے۔

خود مختاری کا یہ حق اور تمام قوموں کے حقوق کی مساوات ساویٹ متحدہ کے نئے دستور اساسی میں اس سے زیادہ نمایاں ہے۔ بلکہ تو ساویٹ متحدہ کے فیڈریشن کی بناوٹ کے ذریعہ سے ان مساوات اور حقوق کی حفاظت کی گئی ہے اور کچھ قاعدہ ۱۲۳ ساویٹ دستور اساسی کے ذریعہ سے جوڑ رہے ہیں۔

ساویٹ سوشلسٹ متحدہ روس کے تمام باشندوں کے۔ بلا لحاظ قومیت اور نسل کے۔ اقتصادی، معاشی۔ سیاسی اور سوشل زندگی کے ہر شعبے میں مساوی حقوق ہیں۔ یہ قانون بدل نہیں سکتا۔

ان حقوق کی براہ راست ہو یا بالواسطہ بندشیں یا اسکے برعکس کسی طرح کسی شہری جتھے کے ساتھ اسکی نسل یا قومیت کے لحاظ سے براہ راست یا بالواسطہ جانبداری یا اسی طرح سے کسی قوم یا نسل کیخلاف نفرت یا حقارت کا پروپگنڈا کرنا بھی قابل سزا جرم ہے۔

قوموں کو ترقی دینے کا یہ ایک رخ ہے۔

۲ ـــ لوگوں کے درمیان دوستانہ تعلقات۔ کیا ان باتوں کا یہ مطلب ہے کہ وہ اقتصادی اور سلطنتی شیرازہ بکھیر دیا جائے یا توڑ دیا جائے جو ہزارہا سال میں تاریخ نے بنایا ہے؟ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ سوشلزم کی تکمیل ننھی ننھی حکومتوں کی مرکزیت سے ہوگی؟ یہ بات نہیں ہے بلکہ خود مختاری اور حسب خواہش علحدہ ہو جانے کے حقوق اور تمام قوموں کے مساوی حقوق علحدہ کرنے والی چیزیں نہیں ہیں بلکہ توڑ کر جوڑنے کی بہترین ترکیبیں ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا تخیل انقلابی سوشلسٹوں کے دماغ میں موجود تھا۔ اور فرمانروائی حاصل کرنے کے بعد وہ اسکو عمل میں لانا چاہتے تھے۔ لینن نے ۱۹۱۶ء میں اسکے بارے میں کہا تھا۔

"علحدگی پیدا کرنا نہیں بلکہ اسکے برخلاف قوموں کی جمہوریت اور اتحاد میں تیزی اور آسانی پیدا کرنا ہے۔"

عمل نے اس نظریہ کو ثابت کر دیا۔ صرف اسی وجہ سے اب متحدہ روس کی حکومت جتنی قوموں پر ہے کبھی بھی زار کے زمانہ میں نہیں ہوئی کیونکہ اسوقت ان دونوں میں غلام اور آقا کے تعلقات ہوتے تھے اور اب وہ انکو اپنا آزادی دلانے والا طاقتور دوست۔ استاد۔ اور مددگار سمجھتے ہیں۔ زار کے زمانہ کی تمام قومی دشمنیاں غائب ہو گئی ہیں۔ آرمینی اور ترک جو پہلے خنجروں سے باتیں کرتے تھے اب پاس پاس رہتے ہیں اور ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ یہودیوں کا مسئلہ جو سارے یورپ میں اور فلسطین میں آفت ڈھائے ہوئے ہے اور کبھی روس میں بھی تھا وہاں سے غائب ہو چکا ہے۔

سامی نسل کے لوگوں کی دشمنی جو سفید قوموں میں اتنی زیادہ پائی جاتی ہے روس میں بقول اسٹالن کے مردم خواری کے زمانہ کی یادگار ہے اور جہاں کہیں نظر آتی ہے اسپر سخت سزا دی جاتی ہے۔

خواہ مخواہ یہ دیکھکر انسان کو قومیت کے نام پر ہونیوالی وہ شرر انگیزیاں جو نطائی جرمنی میں ہو رہی ہیں یاد آجاتی ہیں لیکن یہ مقابلہ ایک رخا ہے۔ اس موقع پر کہہ دینا چاہئے کہ جو جرمن ساویٹ متحدہ میں آباد ہیں انکو ہر طرح کے سیاسی اور سماجی حقوق جو یہاں مل سکتے ہیں حاصل ہیں، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی ترقیاں کر رہے ہیں جو جرمنی میں بھی نصیب نہیں۔ کلاسکی جرمن مصنفین کی وہ کتابیں جنکے چھپنے کی جرمنی میں ممانعت ہے اور بہت سے موجودہ مصنفین اور شاعر جو جلا وطن کر دیے گئے ہیں انکی کتابیں کبھی اتنی آزادی سے نہیں چھپ سکتی اور نہ بک سکتی ہیں جیسی ساویٹ متحدہ میں۔ اور وہاں جرمن باشندوں میں ایسی کتابیں بہت پڑھی جاتی ہیں خاصکر اسکولوں میں جن میں جرمن اسکول اور ساویٹ اسکول دونوں شامل ہیں۔

۳۔ ساویٹ کے باشندوں کا قومی کلچر اور قومی اقتصادیات کی ترقی — سیاسی حقوق کی مساوات قومی جتھوں اور قومی حقوق کی آزادی کی حفاظت یہ نہیں کر سکتی کہ ایک دم سے اچھے متمدن روسی باشندوں اور خانہ بدوش گوالوں یا شمالی غیر متمدن باشندوں کو معاشرتی حالت میں یکساں کر لے، اسی وجہ سے ساویٹ متحدہ نے ابتدا ہی سے اپنے ذمہ یہ کام لیا کہ ان قوموں کی جو اب تک دبی ہوئی رہی ہیں معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی کوشش کرے تاکہ وہ اچھی متمدن قوموں کی برابری کر سکیں اس کوشش کی کامیابی کے یہ چند عملی نمونے ہیں۔

اعلیٰ درجہ کی صنعت گاہیں ان سرحدی صوبوں میں جہاں ابھی تک کسی صنعتی ادارہ کا لوگوں نے نام بھی نہ سنا تھا قائم کی گئی ہیں مثال میں کزاق ساویٹ سوشلسٹ ریپبلک کو لیجا سکتی ہے ۱۹۱۳ء میں یہاں کی پیداوار ۵ کروڑ روبل تھی ۱۹۳۵ء میں ساٹھ کروڑ ۲۰ لاکھ تک پہونچ گئی۔ ہزاروں لاکھوں مشینی ہل، ہزاروں کھیت کاٹنے والی مشینیں اور تقریباً دس ہزار لاریاں اس قوم کے باہمی کھیتوں میں کام کر رہی ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جسنے حال ہی میں خانہ بدوشی چھوڑی ہے۔ اسی طرح کی اور کہیں کہیں اس سے کچھ تیز دوسری قومی جمہوریوں نے ترقی کی ہے۔ اور ابھی انھیں کی تعلیم یافتہ جماعتوں نے اسکولوں اور کالجوں کا ملک میں جال بچھا دیا ہے۔ مثال میں ایک اور جمہوریہ آذربائجان ساویٹ سوشلسٹ جمہوریہ لو۔ نیچے ہم اعداد و شمار دیتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ سوشلسٹ انقلاب کے بعد انکا کلچر کتنا آگے بڑھ گیا۔

ابتدائی اور ثانوی درجوں کے طالب علم عام آبادی کے تناسب سے۔

ملک	سال	تناسب
آذربائجان	۱۹۱۴—۱۵	۳ فیصدی
〃	۱۹۳۵—۳۶	۱۷ر۷ فیصدی
برطانوی ہندستان	۱۹۲۹—۳۰	۳ر۳ فیصدی
فرانس	۱۹۲۹—۳۰	۱۱ر۲ 〃
اسٹریلیا	۱۹۲۹—۳۰	۱۱ر۵ 〃
انگلستان	۱۹۲۹—۳۰	۱۵ر۱ 〃
جرمنی	۱۹۲۹—۳۰	۱۳ر۳ 〃
متحدہ امریکہ	۱۹۲۹—۳۰	۲۱ر۹ 〃

انقلاب سے پہلے آذربائجان معیار سے بہت نیچے تھا لیکن اب متمدن دنیا میں بڑھ چڑھ کر ہے۔

ایسی بھی قومیں تھیں جنکے پاس انقلاب سے پہلے کوئی ادبی زبان نہ تھی لیکن اب انکے پاس اچھا خاصا ادبی ذخیرہ ہے۔ انکا اپنا کلچر ہے اور انکے بچے یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں۔ اسکولوں میں بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دیجاتی ہے۔ اور یونیورسٹیوں میں بھی مادری زبان میں تعلیم دیجاتی ہے لیکن اسی حد تک یہ طریقہ چل سکا ہے جہانتک مادری زبان کے جاننے والے پروفیسر مل سکے۔

کتابیں اخبارات۔ رسالے سب مادری زبانوں میں چھپتے ہیں۔ پرانی پالیسی جسمیں زبردستی دوسری زبانیں روسی زبان کے مقابل میں ماری جاتی تھیں اور غیر قومیں انکے پڑھنے پر مجبور کیجاتی تھیں، اب ختم ہو چکی ہے۔ اس کی مثال ایک یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء میں اکرین میں دو ہزار آٹھ سو اٹھاون کتابیں۔ ایک سو تیئیس رسالے ۱۹۶۹ اخبارات اکرین زبان میں شائع ہوئے، اسی سال جرمنی میں صرف ۱۰۵ کتابیں ۹ رسالے اور ۷۰ اخبار جرمن زبان میں چھپے۔

قومی آرٹ کی ابتدا۔ سوشلسٹ انقلاب نے ساویٹ متحدہ کی تمام قوموں کی آرٹ کی اہلیتوں کو جگا دیا۔ ادب۔ آرٹ اور تھیٹر دور دراز دیہاتوں تک میں پہنچ گئے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ قومی آرٹ تیار ہو گیا ہو۔ بلکہ ان زبانوں میں بھی شاہکار پیدا ہو رہے ہیں جنمیں چند سال پہلے کوئی خیالات ادا بھی نہیں کر سکتا تھا۔

زندگی کے تمام شعبوں، اقتصادیات۔ کلچر۔ معاشرت اور کھیل۔ میں بہت تیز ترقی نظر آتی ہے۔ رہنے سہنے کے بُرے طریقے جو کبھی دبی ہوئی قوموں میں تھے بالکل بدل گئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے روسیوں کی قومی ترقی کی پالیسی کا۔

فسطائی ملکوں کے حکمراں اپنی قوموں کو دوسروں کے ملک فتح کرنے۔ انکی زمینوں پر قبضہ کرنے اور پست قوموں کو غلام بنانے پر اکساتے ہیں کیونکہ بغیر اسکے انکو دنیا میں ترقی کی گنجائش نہیں ملیگی۔ کچا مال کم ملیگا اور بازاریں کافی نہیں ملینگی۔ بعض جمہوریہ کے پڑھے لکھے لوگوں کا بھی یہ خیال ہے کہ پست قوموں اور غلام قوموں کو اختیارات دیدینے میں حاکم قوم کا نقصان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اکرین۔ ازبک اور ترکمان قوموں نے اختیارات پاکر عظیم الشان ترقی کر لی ہے لیکن حاکم روسی قوم پر اس کا بہت خراب اثر ہوا ہے۔

اسکے لئے ضرورت ہے کہ ہم R.S.F.S.R. کے خطہ پر جس میں روسی پچہتر فیصدی ہیں، ایک نظر ڈالیں۔ ہم اسوقت ۱۹۳۵ء ہی کے اعداد و شمار پر بحث کرینگے حالانکہ حال کے اعداد و شمار ۵ سے ۱۰ فیصدی تک زیادہ ہیں ۱۹۱۳ء میں (زار کے زمانے میں) اس خطے کی کل صنعتی پیداوار ۲۷ لاکھ روبل تھی اور ۱۹۳۵ء میں ۴ کرور ۹۳ لاکھ روبل تک ہو چکی تھی۔ روس کا سب سے بڑا کوئلے کی کانوں کا مرکز موجودہ ساویٹ یوکرین میں تھا جنگ عظیم سے پہلے اسکی پیداوار کا اوسط دو کرور ۲۸ لاکھ ٹن تھا لیکن ۱۹۳۵ء ۹ کرور ۱۵ لاکھ ٹن کوئلہ پیدا ہوا۔ یہی حال لوہے کی پیداوار کا بھی رہا۔ اسوقت اوسط صرف ۴۶ لاکھ ٹن تھا لیکن ۱۹۳۵ء میں کانوں سے ایک کرور ۶۵ لاکھ ٹن کچا لوہا نکالا گیا۔ اسکے ساتھ ساتھ R.S.F.S.R. میں بھی کوئلہ کی نکاسی ۷۰ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۴ کرور ۴ لاکھ ٹن ہو گئی۔ بازار کی مشکلیں نہ اکرین ہی کو پڑیں اور نہ R.S.F.S.R. کو۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ R.S.F.S.R کی خوشحالی کا سبب انکی لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں۔ لیکن کپڑے کی صنعت کا بھی تقریبًا یہی حال ہے۔ روئی زیادہ تر ان ایشائی نوآبادیوں میں جو آجکل۔ ازبک۔ ترکمانی۔ اور تاجک کی چھوٹی ساویٹ جمہوریتیں منقسم ہیں اور انکے علاوہ آذربائجان میں اور کسی قدر ماکرین میں بھی پیدا ہوتی ہے لیکن R.S.F.S.R میں انکی کاشت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ان چھوٹی جمہوریتوں نے کپڑے کی صنعت میں زبردست ترقی کی چنانچہ صرف ازبک میں کپڑے کی پیداوار ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان دو لاکھ روبل سے بڑھکر دو کروڑ ۱۳ لاکھ روبل ہوگئی۔ اور دوسری طرف R.S.F.S.R کی صنعت کو بھی اس وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زاری حکومت میں پولینڈ اور بالٹک یاستہا کو نکال کر سارے روس میں کپڑے کی پیداوار ۲۹ لاکھ روبل تھی لیکن ۱۹۳۵ء میں صرف R.S.F.S.R کے خطے کی پیداوار ۶۲ لاکھ روبل تھی۔ اسکے علاوہ پہلے زمانہ میں ۵۰ فیصدی روئی باہر سے آتی تھی لیکن ساویٹ متحدہ نے اتنی بڑھی ہوئی ضروریات کے باوجود بھی صرف ۷ فیصدی باہری روئی استعمال کی۔ اس ترقی کا راز یہ ہے کہ سوشلسٹی انقلاب نے نہ صرف قوموں کو آزاد کر دیا ہے بلکہ پیداوار کے ذرائع بھی بڑھا دئے ہیں اور زندگی کے معیار کو بلند کر دیا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ انقلاب نے تمام قوموں اور ساتھ ہی ساتھ روسیوں کو پہلے سے زیادہ دولت مند بنا دیا ہے اور گویا انکی خریداری کی استطاعت بڑھ گئی ہے۔ ایک طرف روسیوں نے دوسری قوموں اور جتھوں کو خودمختاری کے اختیارات دیدئے ہیں اور دوسری طرف اپنے آپ کو بھی ظلم اور استحصال سے آزاد کر لیا ہے۔

فسطائی اپنے ملک کے لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں کہ غیر ممالک فتح کر لینے سے ان میں بیکاری کم ہوجائے گی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روسی لوگ جنھوں نے آزادی کی لڑائی میں پست اقوام کی مدد کی آج بیکاری کے نام تک سے ناواقف ہیں اور یہی نہیں بلکہ انھوں نے کام کرنے کے حق۔ پورا معاوضہ پانے کے حق۔ تعلیم حاصل کرنے اور ہر قسم کی مادی اور تمدنی ترقی کرنے کے حق کیلیے جنگ کی اور آخر کامیاب ہوگئے سوشلسٹی انقلاب نے نہ صرف غلام قوموں کو آزاد کر دیا بلکہ اس نے حاکم قوموں کو بھی ترقی کے راستہ پر لگا دیا ہے۔

اس زبردست سوشلسٹی انقلاب کے بعد بیس سال کے عرصہ میں لینن اور سٹالن کی پالیسی نے عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں مختلف قوموں کے آپسکے برادرانہ تعلقات کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ سوشلزم۔ امن اور آزادی کے رشتے انھیں متحد کئے ہوئے ہیں۔

مشرق

(الطاف احمد)

ہرطرف جانسوز خستہ حالیاں، بیماریاں　　جھریاں چہروں پہ اور ہونٹوں پہ آہ و زاریاں

سینہ ویراں آنکھ خشک اور ہونٹ پپڑائے ہوئے　　دست و پا میں کپکپاہٹ، گال مرجھائے ہوئے

روح بھٹکی، عقل اوندھی موت کی سی حالتیں　　ہاتھ لنجے، پاؤں لنگڑے، اور گندی صورتیں

مفلسی فاقہ کشی اور ظلم سے بدتر گناہ　　بے بسی بے چارگی و زندگی بے حیاء

پستیٔ و نکبت، غلامی بے ایمانی روح سوز

قتل و غارت جیل پھانسی بہا زی روز روز

کھیت بنجر، چولھے ٹھنڈے بستیاں ویران ہیں　　راستے مسدود، نہریں بند، گھر سنسان ہیں

پل شکستہ ٹوٹی سڑکیں گھر کے گھر جنگل بنے　　ایسے انسانوں میں آزادی کا گھر کیسے بنے

غیر کو دھن دیدیا، تن دیدیا سر دیدیا

قید میں خود آگئے اور جو رہا سب دیدیا

گذشتہ روسی پنجسالہ پروگرام

ایک روسی کتاب سے

روس کا پنجسالہ پروگرام ایک فیکٹری سے نہیں پورا ہوگا۔ بلکہ ۴۴ سو فیکٹریوں سے۔ اور صرف فیکٹریاں ہی نہیں، بلکہ بجلی گھروں سے، بلوں، جہازوں ریلوں سکاؤل حکومت کے کشت زاروں، اور باہمی کشت زاروں سے، اسکولوں اور لائبریریوں سے۔ یا ایسا خاکہ ہے جس پر سارا پورا ملک ڈھالا جائے گا۔ اور اسکو ایک یا دو آدمیوں نے نہیں تیار کیا ہے۔ بلکہ ہزاروں ماہرین نے تیار کیا ہے۔ اور اس ڈھالنے میں سیکڑوں نہیں، بلکہ لاکھوں مزدوروں کی ضرورت ہوگی۔ ہم سب ہی پنجسالہ پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

یہ کہنا کہ ہم سیکڑوں نئے شہر اور لاکھوں نئے کارخانے تیار کرلیں گے آسان ہے۔ لیکن کس مواد سے ہم یہ تیار کریں گے۔ ہوا سے تو نہیں بن سکتے۔ کیا ہمارے پاس کافی اینٹیں سیمنٹ اور شیشہ انکی تیاری کیلئے ہے۔ کیا ہمارے پاس مشینوں کے لئے کافی لوہا ہے۔

تیار سامان ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن کچا سامان چلتا جانے موجود ہے۔

اگر ریل کی کھڑکی سے کوئی صرف بنجر زمینیں، جنگلات اور دلدل دیکھتا ہے، تو وہ کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ بنجر زمینوں میں کام کی مٹی اور بالو دریتھر ہیں۔

مٹی اور بالو سے اینٹیں تیار ہونگی۔ بالو اور چونے سے سیمنٹ لوہے سے گارڈر۔ اور فولاد۔

ہمکو کچا مال ڈھونڈھنا ہے۔ اسلئے ہمارا پہلا کام ہے دیکھنا کوئی یہ کام ہو وقت تک نہیں اٹھ سکتا جب تک اسکاؤٹ کا کام پورا نہ ہوجائے۔

ہر سال ہم دور دراز جگہوں پر اپنے اسکاؤٹوں کے جتھے بھیجتے ہیں قزاقستان کے ریگستانوں میں۔ التائی اور پامیر کے پہاڑوں میں۔

اسکاؤٹوں کا ایک جتھا سائبیریا کے دلدلی خطہ میں گھس گیا۔ اسکے پاس کوئی نقشہ نہیں تھا۔ صرف اندازہ پر کام چلا۔ سب لوگ سر سے پاؤں تک کالے جالوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ورنہ مچھر اور پسو انکو کاٹ کاٹ کر ختم کردیتے۔ جتھا آگے آگے چلتا تھا اور پیچھے پیچھے ان کلکھنے پتنگوں کا جھنڈ۔ ٹنڈرا، ایک گراموفون کی پلیٹ کی طرح میدان ہے۔ نہ وہاں پہاڑیاں نظر آتی ہیں اور نہ اکا دکا جھاڑیاں۔

اسی زمانے میں اسکاؤٹوں کا ایک دوسرا جھنڈ شمال کی طرف گیا۔ وہ پہاڑ کے کگار پر اس طرح چڑھتا ہے جیسے کوئی کسی بہت بڑی عمارت کی کارنس کئی سو فیٹ نیچے زمین ہے۔ اگر ذرا بھی کوئی ڈھیلے تو نیچے آرہے اور ہڈیاں تک سرمہ ہو جائیں۔ اسکاؤٹ کے دل میں ڈر کا پتہ تک نہیں ہے۔ وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اپنا بدن پتھر کی دیوار کی طرف جھکائے اور پاؤں سے راستہ ٹٹولتا۔

۱۹۱۷ء کے بعد دس برس کے اندر صرف سائنسی اکاڈمی نے ۱،۳ جتھے بھیجے اور کتنے جتھے ہونگے جو دوسری اکاڈمیوں نے بھیجے ہوں گے۔ کتنے آدمی مقرر کئے گئے تھے جنہوں نے جگہیں ڈھونڈھ نکالیں جہاں اب نئی ریلیں بن رہی ہیں، کوئلے کی کانیں کھودی جارہی ہیں، نہریں تیار ہو رہی ہیں اور کارخانے کھولے جارہے ہیں۔

پانچ سال گذرے سائبیریا کے کزنیٹ بیسن میں صرف دو کھرب پچاس ارب ٹن کوئلہ پایا جاتا تھا اور بس۔ لیکن اب اسکاؤٹوں نے ایک سو پچاس کھرب ٹن کوئلہ اور دریافت کرلیا ہے کتنی اچھی دریافت ہے۔

اسکاؤٹ کے جتھوں کے پیچھے پیچھے بہادروں کی ایک فوج چلتی ہے یعنی ہنر مند۔ یہ لوگ کس سے لڑنے جارہے ہیں۔ یہ اپنی ہی سرزمین فتح کرنا چاہتے ہیں لیکن کیا یہ زمین جیتی ہوئی نہیں ہے؟ جس زمین میں ہم رہتے ہیں کیا یہ ہماری نہیں ہے؟ نہیں یہ ہماری نہیں ہے جاننے والوں سے پوچھو تو وہ بتائیں گے کہ ابھی تک بہت سی زمین ہے جو قبضے سے باہر ہے۔ بہت سے جنگل ہیں جو قبضے سے باہر ہیں۔ اور بہت سے پتھریلے میدان۔ کیا ہم یاکتیا کو اپنی ملکیت کہہ سکتے ہیں۔ یاکتیا بہت بڑا خطہ ہے جو ہماری حکومت کا پانچواں حصہ ہے اور تمام یاکتیا میں اتنے آدمی ہیں جتنے لینن گراڈ یا ماسکو کی سڑکوں پر۔ یاکتیا میں بعید پھیلے ہوئے جنگل ہیں جنکو گرمیوں میں آگ میلوں تک جلا کر صاف کردیتی ہے۔

یاکتیا میں کوئلہ، لوہا، چاندی، سونا سب ہے۔ لیکن جو کوئلہ زمین کے نیچے محفوظ پڑا ہے وہ کسی کا کوئلہ نہیں ہے، اور جس جنگل کو ہم کاٹتے نہ ہوں اور جس جنگل کو ہم بچاتے نہ ہوں وہ ہمارا نہیں کہا جاسکتا۔ یہ سب ہمارا ہوجائیگا اگر ہم اسکو کام میں لے آویں جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کی دولت دریافت کرنا ہے اس پر قبضہ کرنا ہے۔ یہ بہت بڑا ملک ہے۔ چھ ہزار میل مغرب سے مشرق تک اور ڈھائی ہزار میل شمال سے جنوب تک۔ اس سرزمین کی دولت پر قبضہ کرنے کیلئے ہمکو لڑنا ہے اور پنج سالہ پروگرام اس لڑائی کی پہلی کڑی ہے۔ ہمکو زمین کے اندر گھس جانا ہے۔ چٹانیں توڑنا ہے۔ کانیں کھودنا ہے اور عمارتوں کی عمارتیں کھڑی کردینا ہیں۔ زمین کے اندر لفٹ اتار کے لیجانا ہے اور اسکے ذریعہ سیکڑوں من لوہا۔ کوئلہ۔ ایندھن اور عمارتی سامان اوپر لیجانا ہے۔

یہ کام ہمارے بہادر مزدور کرتے ہیں اور ملک کی دولت فتح کرکے لاتے ہیں اور ملک کے لوگوں میں بانٹتے ہیں۔

انقلابی پیغام

سرشک شاعر کے پیغامات الہامی ہیں

رنگین احساس رانوں کی ناکامی سب ہے

تیری ناکامی ہی محرک ہے تیری زیبائی

پاؤں کی بیکیاں تیری بربادی ہیں

نیاز بیگ آبادی

بیداریٔ مزدور

(خلیق صدیقی)

وہ تابوتِ افرادِ مغرور اٹھا حکومت کا دنیا سے دستور اٹھا
مئے حبِ ملت سے مخمور اٹھا وہ مجبور اٹھا وہ رنجور اٹھا
مشقت سے ہو ہو کے مجبور اٹھا
تشدد سے گھبرا کے مزدور اُٹھا!

نہ برداشت جب ہو سکی زیر باری بڑھی حد امکاں سے جب وقت خواری
پئے انسدادِ شرارت شعاری کئے عزم تخریب سرمایہ داری
کوئی پاس اُٹھا کوئی دُور اٹھا
تشدد سے گھبرا کے مزدور اُٹھا!

کرے گا یہ آزاد ہندوستاں کو مٹا دے گا دشمن کے نام و نشاں کو
نہ سمجھو عبث اس کی آہ و فغاں کو وہ آہوں سے تھرا دیا آسماں کو
وہ ہر سمت ہنگامۂ صور اُٹھا
تشدد سے گھبرا کے مزدور اٹھا!

دکھا دے گا یہ زیر کر کے زبر کو مٹائے گا دنیا سے ہر ظلم و شر کو
لئے ساتھ امکان فتح و ظفر کو ہتھیلی پہ رکھے ہوئے اپنے سر کو
کئے عزم تقلید منصور اُٹھا
تشدد سے گھبرا کے مزدور اٹھا!

فنا کر دیا سختیوں کے چلن کو بدل ہی دیا اس نے رسمِ کہن کو
ہزار آفریں جوشِ حبِ و کو اٹھا سر سے کیا باندھ کر وہ کفن کو
غلامی کا دنیا سے دستور اٹھا
تشدد سے گھبرا کے مزدور اٹھا!

ڈھائی سیر آٹا

حیات اللہ انصاری

— (۱) —

پروائی چل رہی تھی۔ مولی کو بائی نے پکڑ رکھا تھا۔ اور آٹھ دس روز سے کام پر جانے کے قابل نہیں۔ ہاں دو تین روز تک جو دو چار پیسے جمع تھے وہ خرچ ہوئے اور پھر ادھار پر کام چلتا رہا۔ وہ چار روز کے بعد بنیا بھی حیلے حوالے کرنے لگا۔ مجبوراً ایک دن مولی ٹانگ میں ذرا آرام پاکر صبح تڑکے ٹوکری لیکر مزدوروں کی بازار گیا۔ کئی کاریگروں کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ ان میں سے ایک نے جس کا کام لگا ہوا تھا اس کو ساتھ لے لیا۔ دن بھر اینٹ گارا ڈھوتا رہا۔ شام کو ساڑھے چار آنے پیسے ملے جسے لیکر گھر چلا۔ راستہ میں ایک آنہ بنئے کو قرضہ کا ادا کیا ایک آنہ مکان کے کرایہ کے لئے رکھ لیا۔ اور ایک پیسہ کل کے چبینے کے لئے بچا لیا۔ باقی بچے نو پیسے اس میں سے ایک پیسہ کے آلو۔ ایک کا باجرے کا آٹا۔ پانچ پیسے کے ڈیڑھ سیر چاول۔ اور ایک پیسے کی دال ایک پیسہ کی لکڑی لیکر ایک لمبی سی گلی میں گھس گیا۔ جو آگے چل کر اتنی تنگ ہوگئی تھی کہ وہاں ابھی سے اندھیرا تھا۔ اس گلی میں برابر برابر کئی کوٹھریاں بنی تھیں۔ دو ایک سے دھواں نکل رہا تھا جو ٹھنڈا ہو کر گلی میں بھر رہا تھا۔ مولی کی بیوی منی جس سے شادی تو نہیں ہوئی تھی مگر پندرہ برس سے تعلقات میاں بیوی ہی کے ایسے تھے۔ دو لڑکیاں اور دونوں سے چھوٹے لڑکے جاڑے کے مارے پاس پاس بیٹھے مولی کا انتظار کر رہے تھے۔ سبھوں نے خوش ہو کر اس کو گھیر لیا یہ تھکا ہوا بہت تھا۔ بین پر بچھے ہوئے ٹاٹ پر لیٹ گیا۔ اور پوٹلی رکھ کر بولا۔

"سب لیتا آیا ہوں"۔

بیوی چولھے کے پاس گئی، جو اسی کوٹھری میں ایک طرف بنا ہوا تھا۔ آگ سلگائی، اور دال چاول پکنے کو چڑھا دئے لڑکے اور لڑکیاں چولھے کو گھیر کر بیٹھ گئے اور دال پکنے کی دل خوش کن کھد بد کھد بد سننے لگے۔ ان لوگوں کے لئے اس سے بہتر اور کوئی راگنی نہیں ہو سکتی تھی۔

کمرے میں ... اور میلے کپڑوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ اب وہاں دھواں بھی بھرنے لگا۔ مگر سب کا دھیان چولھے کی طرف تھا۔ لڑکے بھوک سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ دال چاول جلد سے جلد پک جائیں۔ اس لئے وہ بہت سی لکڑی چولھے میں لگا دیتے۔ یہ دیکھ کر ان کی ماں ڈانٹ بتاتی۔

"کمبختوں کل کھانا کیسے پکے گا؟"

بڑی لڑکی جس کی پلکیں بال خورے نے غائب کر دی تھیں چولھے کے برابر بیٹھی برابر بدن کھجلاتی جاتی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد لکڑی کی ڈوئی سے دال، اور چاول نکال کر چٹکی سے ملتی۔ اس وقت لڑکے پوچھتے۔

"کتنی دیر ہے؟"

"بس تھوڑی ہی کسر اور ہے"۔

یہی جواب آدھ گھنٹہ تک چلتا رہا۔ مولی ایک پرانی دری اوڑھے جس میں سیکڑوں چھید تھے ٹاٹ پر چپ چاپ لیٹا تھا تھوڑی دیر کے بعد بولا۔

"جیسے نیند آرہی ہے"۔

اتنے میں کسی کے چیخنے اور رونے کی آواز آنے لگی۔ کوئی مزدور تھا جو تاڑی پیا کرتا تھا اور اکثر اپنی بیوی کو مارتا تھا جب غل غپاڑا زیادہ ہوتا تو آس پاس کے لوگ جا کر معاملہ رفع دفع کرا دیتے اسوقت یہ غل سنکر منی بولی۔

"ان لوگوں کے یہاں روز بروز یہی رہتا ہے۔ نہ معلوم کیسی کمینے ہیں"

مولی۔ ہونہہ —— چاول گلے نہیں اب تک؟

منی نے دیکھا چاول گل گئے تھے اتار لئے گئے۔ ہانڈی بند تھی مگر ابال میں ہانڈی کے کگروں پر کچھ چاول آگئے تھے چھوٹے لڑکے نے ان میں سے دو تین چاول پوچھ کر کھا لئے۔ دوسرا لڑکا فوراً بولا۔

ہونہہ۔ میں بھی"۔

اس نے اور زیادہ کھا لئے۔ اس پر دونوں میں لڑائی ہونے ہی والی تھی کہ منی نے دونوں کو ڈانٹا۔

"کمبختوں میں ذرا صبر نہیں۔ میں کہتی ہوں ——

تھوڑی دیر لڑکے منی کی بات پوری ہونے کے منتظر رہے جب وہ کچھ نہیں بولی۔ تو پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اب دال کا سب کو بہت بے صبری سے انتظار تھا۔ آخر ایک لڑکی بولی:۔

"اماں اب گھونٹ دو"۔

ماں نے دال کو دیکھا تو وہ تھوڑی بہت گل گئی تھی۔ اب زائد انتظار کون کرتا۔ اس نے دال گھونٹ کر نمک ڈالا اور اتار لی۔ پھر تین تامچینی کی پلیٹیں جن کی چینی تقریباً بالکل اڑ گئی تھی اور ایک مٹی کی رکابی سامنے رکھی پہلے ایک بڑی پلیٹ میں چاول نکالے اور اس پر دال ڈال کر مولی کے سامنے رکھ دئے مولی بہت بے صبری سے کھانے لگا۔ سب بچے اب ٹکٹکی باندھ کر منی کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہے تھے

اُس نے مٹی کی تھالی میں چاول دال نکال کر دونوں لڑکیوں کو دیئے اور پھر تام چینی کی دونوں پلیٹوں میں برابر برابر چاول نکالے۔ اس پر دال ڈالی۔

بِبو۔ "منی کی پلیٹ میں اتنا اور ہماری پلیٹ میں اتنا"

منی نے تھوڑی سی دال اُس کی پلیٹ میں اور ڈالدی۔

منو۔ "اماں ہم بھی"

ماں نے دو چار چاول اُس کی پلیٹ میں بھی ڈالدیئے اور پھر باقی چاولوں کو دال کی ہانڈی میں اُلٹ کر خود کھانے لگی۔ ابھی چولھے میں کچھ کوئلے باقی تھے جن کی ہلکی ہلکی روشنی میں ان لوگوں کے چہرے اور چلتے ہوئے منھ دکھائی دے رہے تھے۔ چھوٹے لڑکے کھاتے جاتے اور پلیٹ کی طرف دیکھ کر اندازہ کرتے جاتے کہ ابھی اتنا اور ہے، اتنا اور آخر منو اپنی پلیٹ پونچھ کر بولا۔

"بس۔ کھا چکے"

مولی بھی چاول ختم کر چکا اور بولا۔

"چاولوں میں خدا نے بڑی برکت دی ہے۔ ذرا سے کھالو اور پیٹ بھر گیا۔ اور روٹی کا یہ ہے کہ سیر بھر آٹے کی ہو تو کچھ نہیں۔ اور دو سیر ہو تو کچھ نہیں"

بِبو۔ "اماں! صبح کو کیا پکے گا؟"

منی۔ "میں کہتی ہوں ان لوگوں کی نیت کبھی نہیں بھرتی۔ ابھی کھا چکا ہے اب پوچھ رہا ہے کل کیا پکے گا"

منی نے بانس کے پلنگ کے نیچے سے جو کوٹھری کا چوتھائی حصہ گھیرے ہوئے تھا ایک پاندان نکالا جس کا پیندا گھس گیا تھا۔ اور سب کلھیاں ایک دفتی پر رکھی ہوئی تھیں۔ یہ پاندان منی کی ماں کا تھا اور اُس کو بہت عزیز تھا۔ ہمیشہ سوچا کرتی تھی کہ میں کسی گھر میں اوپر کا کام کاج کرنے کو نوکر ہو جاؤں تو سب سے پہلے اُسی کو ٹھیک کراؤنگی۔ منی نے ایک پان کے چار ٹکڑے کئے ایک خود کھایا۔ ایک مولا کو دیا اور دونوں لڑکیوں کو۔ پھر کوٹھری کے بیچ میں ایک ٹاٹ کا پردہ ڈال دیا گیا جس سے اس کے دو حصے ہو گئے ایک طرف پلنگ ہو گیا اور دوسری طرف ٹاٹ کا فرش۔ پلنگ پر منی اور مولی لیٹ گئے۔ اور ٹاٹ پر دونوں لڑکے اور دونوں لڑکیاں۔ سردی تیز ہو گئی تھی۔ مولی اور منی نے تو وہی دری اوڑھ لی۔ اور لڑکوں اور لڑکیوں نے بھی کسی نے موٹی چادر، اور کسی نے ٹاٹ کا ٹکڑا اُدھر اُدھر سے اوڑھ لیا اور پھر چڑیا کے بچوں کی طرح ایک دوسرے سے چپک کر لیٹ رہے۔ کوٹھری کے دروازے سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی، اس لئے مولی نے اُٹھکر اس کو بند کر دیا ہوا کی آمد و رفت بند ہو گئی، اور کوٹھری میں حبس کی وجہ سے گرمی ہو گئی تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد منی بولی۔

"آج منشی جی پھر آئے تھے۔ اور کہہ گئے ہیں کہ نواب صاحب نے حکم دیدیا ہے کہ جس پر کرایہ چڑھا ہوا اس سے کوٹھری فوراً خالی کرالو"

مولی۔ "نکالدیں گے۔ نکالدیں گے۔ جب سنو یہی ہے۔ آئیں۔ آکر نکلیں ہم جاڑوں میں بچوں کو لیکر کہاں جائیں۔ ہوا کریں وہ بڑے آدمی۔ ہم تو نہیں نکلیں گے۔ کہدو جب کرایہ جمع ہو جائے گا دیدیں گے۔ ضرور دیں گے مر جائیں تو بات دوسری ہے۔ بڑے آئے ہیں نکالنے والے"

اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ پھر مولی بولا۔

منشی جی کے یہاں کی نوکری کا پتہ چلا۔

منی۔ "وہ کہتے ہیں چھوٹی لڑکی سے میرا کام نہیں چلے گا۔ ایسی لڑکی ہو جو جھاڑو بہارو کرے، اور دو گھڑے پانی اٹھا کے رکھدے"

اس کے بعد منی ذرا رکی پھر آواز نیچی کر کے بولی۔

"میں کہتی ہوں کہ جوان لڑکی کو کیسے بھیجدوں۔ اس موئی کا بھی دیدہ ہوائی ہے۔ پانی بھرنے جاتی ہے تو ٹھٹھا کرتی ہوئی"

مولی۔ جائے گی تو حرامزادی اپنے سے جائے گی۔ ایک چلی گئی تو کیا کیا؟ لڑکا ہوتی تو چار آنہ روز کما لاتی"

مولی کی بڑی لڑکی بھاگ گئی تھی۔ اور سال بھر سے پتہ نہیں تھا۔

منی۔ کر کیا لیا؟ موئی تھی ہی ایسی۔ ایسی نہ ہوتی تو جاتی کیوں؟ لڑکے کب اچھے نکلتے ہیں؟ کس نے لا کر ماں باپ کو کھلایا ہے؟ اِدھر کمانے کے قابل ہوئے، اُدھر چلدیئے۔ بھورے کو دیکھو۔ ٹھیلہ چلاتا ہے۔ دس آنے روز پاتا ہے اور سب اڑا دیتا ہے"

منی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گئی اور پھر مستقل خاموشی چھا گئی جس کو کبھی کبھی ان لوگوں کی کھانسی کی آواز برطرف کر دیتی تھی۔ ابھی آٹھ ہی بجے تھے اور بازار میں چہل پہل تھی۔ مگر یہاں سوتا پڑ گیا۔

~~(۲)~~

صبح جب مولا کی آنکھ کھلی تو اُس نے منی کو جاگتا پایا۔ پانچ منٹ تک پلنگ پر پڑا رہا۔ پھر کراہتا ہوا اُٹھا، اور بولا۔

سردی کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ بدن جیسے تختہ ہو گیا۔ بیڑی کہاں ہے؟"

منی نے اُٹھ کر ایک کونے سے ایک بیڑی کا بنڈل اور دیاسلائی کی ڈبیہ نکال کر دی۔ مولی نے ایک بیڑی سلگائی اور پینے لگا اور بیڑی جب تک چٹکی سے پکڑنے کے قابل رہی اُس نے ہاتھ سے نہیں چھوڑی پھر پلنگ سے اُٹھا، اور لوٹا لیکر باہر چلا گیا۔ پندرہ منٹ کے بعد سردی سے کانپتا ہوا اندر آیا۔ اور لوٹا رکھ کر بولا۔

ایک بیڑی اور۔ اتنا دن چڑھ آیا، دھوپ کا پتہ نہیں"

مولی نے ایک بیڑی اور سلگائی پھر ٹوکری اُٹھا کر بیڑی پیتا ہوا باہر چلا گیا۔

مولی کے جانے کے دو گھنٹہ بعد منی لڑکوں اور لڑکیوں کو لیکر باہر نکلی اور کوٹھری میں کنڈی لگا کر چھاننے چلی۔ کچھ دور پر دوسرے مزدوروں کی

خبریں

(ہندستان کے باہر)

انگلستان۔ ۱ فروری۔ ایک برطانوی اسٹیمر کو بحر روم میں جبرالٹر کے قریب کسی نامعلوم آبدوز نے تارپیڈو سے اڑا دیا۔ وہ چند منٹ کے اندر اندر ڈوب گیا۔ بارسلونا نے یہ پروپگنڈا کاشت کیا ہے کہ وہ نامعلوم کشتی، اسپینی باغیوں کی تھی۔

۴۔ فروری۔ برطانوی جہاز اسریکا پر جو بارسلونا سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اسپینی باغیوں کے دو ہوائی جہازوں نے حملہ کیا۔ جہازوں نے گرد دو چکر کاٹے، اور وہ بم گرائے جہاز فوراً ڈوب گیا۔

۲۔ فروری۔ مسٹر ایڈن نے چند وزیروں کی ایک میٹنگ کی۔ اور بحر روم کی بد دماغی روکنے کیلئے وہاں پہرا چوکی قائم کرنے کی کچھ تجویزیں پاس کی ہیں۔ لیکن وہ تجویزیں ابھی پوشیدہ ہیں۔ دارالعوام میں نہیں پیش کی گئیں۔

فلسطین میں۔ شہر جنین میں برطانوی سپاہیوں اور عربوں میں جھڑپ ہوگئی۔ دو برطانوی سپاہی مارے گئے۔ اور دو زخمی ہوئے۔ شاملاً ہو کر پندرہ عرب مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ برطانوی ہوائی جہاز عربوں کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔

جاپان۔ جاپانی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں کہا کہ جاپانی حکومت کیونزم دشمنی طاقت کو مضبوط کرنے کیلئے اسلامی حکومتوں سے تعلقات قائم کر رہی ہے۔ اسی سلسلہ میں حکومت ایران نے اپنا وزیر جاپان بھیجا ہے اور جاپانی حکومت نے اپنا وزیر ایران۔

چین۔ چار جاپانی ہوائی جہاز نا نکا ڈکی طرف بڑھ رہے تھے کہ نو چینی ہوائی جہازوں نے ان کو گھیر لیا۔ ایک گھنٹہ تک جاپانی جہاز منڈلاتے رہے، اور پینترے بدلتے رہے۔ اسکے بعد بھاگ گئے۔

جنگی ماہرین کی رائے ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ جاپانی جہازوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چینی جنگی ہوائی محکمہ اب برطانوی ہوائی جھپٹے استعمال کر رہا ہے۔ جو بیرونی ملکوں میں سیکھے ہوئے ہوابازوں کے سپرد کئے گئے ہیں۔ ہوابازوں کا بیان ہے کہ یہ بلندی پر بھی دس ہزار فٹ بات کی بات میں چڑھ جاتے ہیں۔ امید کیجاتی ہے کہ ان جھپٹوں سے چینی ہوائی محکمہ جاپانی ہوائی حملوں کا بچاؤ کر لیگا۔

اسپین۔ ٹرول۔ پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے باغیوں کی اطلاع ہے کہ حکومت کا بہت نقصان ہوا۔

۱۔ فروری۔ بارسلونا۔ اتوار کے دن باغیوں کا ہوائی حملہ ہوا تھا۔ اسکے بعد گری پڑی عمارتوں کی کھدائی ہوئی۔ تو ۳۰ بچوں کی لاشیں ملیں جو گھبرا کر ایک عمارت میں پناہ لینے کیلئے گھس گئے تھے۔ بہت سے آدمی گھٹ کر مر گئے۔ اور بہتوں کی موت کیوجہ ڈاکٹر نہیں بتلا سکے۔

۵ فروری۔ بارسلونا۔ سول آبادی پر باغیوں کے چھ ہوائی جہازوں نے دو دفعہ حملے کئے۔ شہر کی گنجان آبادی اور چہل پہل والی سڑکوں پر بم گرائے۔ خبر ہے کہ ایک بم پچھو پر گرا ہے۔

اٹلی اور فرانکو۔ اسپینی حکومت کے نمائندے نے برطانوی وزیر خارجہ کو ایک اطلاع نامہ بھیجا ہے جسمیں بتایا گیا ہے کہ اٹلی نے فرانکو کو دو جنگی جہاز، ایکو یلا اور فالکنز دئے ہیں جن کا نام منٹرو اور ولاسکو ملیلا رکھا گیا ہے۔ اسی طرح دو غارتگر جہاز، اور دو آبدوز بھیجے ہیں۔

برگوس جنتا جو پچھلے ۱۵ مہینے سے باغی علاقے کی مجلس شوریٰ کا کام کر رہی تھی توڑ دی گئی۔ اور اس کی جگہ پر ایک باقاعدہ حکومت قائم کر دی گئی جس میں ۱۵ وزیر ہیں۔ جنرل فرانکو فوج کا اعلیٰ افسر ہے اور حکومت کا صدر بھی۔ اسکی حیثیت ایک وزیر اعظم کی ہوگی۔

اسپینی کورٹس (مجلس قانون ساز) کے ایک جلسہ میں حکومت پر کامل اعتماد کا ووٹ پاس کیا گیا، اور سینیر نگرین وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ حکومت کی مالی حالت کافی اچھی ہے اور وہ بڑی سے بڑی مدت تک لڑائی جاری رکھ سکتی ہے۔

مصری پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ تین فروری کو شاہی حکم سے مصری پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی وفد پارٹی کے لوگ نحاس پاشا سابق وزیر اعظم کی سرکردگی میں پارلیمنٹ کی عمارت میں پہنچ گئے اور ایک دھرنا، ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ نحاس پاشا نے رائیٹر کے نمائندے سے کہا کہ یہ تاریخ میں پہلی دفعہ ہے کہ اقلیت کی حکومت نے اکثریت کی رائے کے خلاف پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔ اگر انتخابات میں انصاف کا خیال رکھنا ہے تو ایک غیر جانبدار حکومت بنا دیجائے۔ انھوں نے بادشاہ کو بھی اسکی اطلاع کر دی ہے کیونکہ اگر انتخابات میں گڑبڑ ہوئی تو صورت حال اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔

امریکہ میں بیکاری۔ مسٹر مارٹن نے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں موٹر کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی سبھا کے صدر ہیں مسٹر روزولٹ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا ہے جسمیں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بیکار مزدوروں کی امداد کے واسطے جلد سے جلد ہیں کروڑ ڈالر کی منظوری دے۔ مسٹر مارٹن نے اپنی تقریر میں کہا کہ عموماً امریکہ کے موٹر کے کارخانوں میں ۵ لاکھ ۱۰ ہزار مزدور کام کرتے ہیں اور آخر جنوری میں ان میں سے ۳ لاکھ ۲۰ ہزار مزدور بیکار تھے اور باقی کو بھی پورے وقت کام نہ ملتا تھا۔

جمہوریہ کے صدر مسٹر روزولٹ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی نہ کوئی کارروائی کرینگے۔

ہندستان

سوبھاش بابو اور فیڈریشن۔ ۴ر فروری کو واردھا گنج میں اخباری نمائندوں کے ایک جلسہ میں مسٹر سوبھاش چندر بوس نے کہا "میری صدارت کا سارا زمانہ فیڈرل اسکیم اور اسکے تمام غیر جمہوری اور قومیت دشمن پہلوؤں کا عام تعاون اور عدم تشدد کے اصول پر مقابلہ کرنے اور ملک کو اس مقابلہ کے لئے مضبوط بنانے میں صرف ہوگا" انھوں نے کہا کہ وہ اس سال کوشش کرینگے کہ ہندستانیوں کی طاقت اتنی بڑھ جائے کہ برطانیہ کو اپنی اسکیم جاری کرنے کا خیال ترک کرنا پڑے۔ اس عرصہ میں ہندستانی بین الاقوامی حالات پر نگاہ رکھیں گے۔ تاکہ وہ ان حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ سوبھاش بابو نے برطانوی مدبرین کو آگاہ کیا کہ وہ اس غلط فہمی میں نہ پڑیں کہ وزارت کی طرح کانگرس فیڈریشن کو بھی قبول کریگی۔

جاپان کے دانت ہندستان پر۔ مینڈم چیانگ کائی شیک نے حال ہی میں امرت بازار پتریکا کے نمائندے سے دوران ملاقات میں کہا "جاپان عرصہ سے چین پر دانت لگائے ہوئے تھا اور جب اسنے محسوس کیا کہ اگر چینیوں کا اتحاد اور انکی اقتصادی ترقی اسی طرح بڑھتی رہی تو کچھ دنوں بعد وہ (جاپان) اپنے منصوبے پورے کر سکیگا اور اسی لئے اس نے جلد ہی حملہ کرکے چینیوں کی جان و مال تباہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس غارتگری اور بہیمانہ ظلم کی نظیر تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ہم اس لڑائی میں ہار بھی گئے تو اس میں چین کی ذلت نہ ہوگی بلکہ ذلت ہوگی ان بڑی بڑی طاقتوں کی جو بار بار اپنے کو انصاف اور انسانیت کے اصولوں کا محافظ بتاتی رہی ہیں۔

جاپان درحقیقت امداد باہمی کے پردے میں دوسروں کی آزادی چھین رہا ہے وہ ایک زبردست مشرقی سلطنت کا خواب دیکھ رہا ہے جس میں ہندستان اور دوسرے ممالک اسکے غلام بنکر رہیں اور اگر اس نے چین فتح کر لیا تو وہ جلد ہی برطانیہ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے گا۔

چینیوں کی آپس کی پھوٹ اور عام بدنظمی ہی سے جاپان کو ایسا کرنے کی ہمت ہوئی اور آج انپر جو کچھ بیت رہی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ترقی تنظیم اور اتحاد میں دوسرے ملکوں سے سو سال پیچھے ہیں اور باہر کے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔

جاپان ہندستان کے حالات بغور دیکھ رہا ہے اور اگر چین ہار گیا تو ہندستان پر بھی وہی بیتے گی جو آج چین پر بیت رہی ہے۔ جب دنیا کی کسی طاقت نے چین ہی کی مدد نہ کی تو بھلا ہندستان کیا امید کر سکتا ہے۔

کانگرس ورکنگ کمیٹی۔ ۲۸ر فروری۔ واردھا میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا۔ ایک تجویز میں ورکنگ کمیٹی نے سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال کے بارے میں اپنے رویہ کی وضاحت کی۔ اور صاف صاف کہدیا کہ وہ سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال کو غلط طریقہ خیال کرتی ہے اور کسی طرح بھی اسکی تائید نہیں کر سکتی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ کانگرس ان قیدیوں کی رہائی کیلئے ہر ممکن کوشش کرے۔ اسپر سیاسی قیدی چھوڑاؤ کمیٹی نے جسکے صدر مسٹر جے پرکاش نرائن (سکریٹری کانگرس سوشلسٹ پارٹی) ہیں پنڈت جواہرلال کو یہ تار دیا ہے "ورکنگ کمیٹی کی تجویز سیاسی قیدیوں سے غداری ہے اور اس سے حکومت کے ہاتھ زیادہ مضبوط ہو جائینگے"۔

فیڈریشن کے متعلق بھی ایک تجویز پاس کی گئی جسکا خلاصہ یہ ہے۔ "کانگرس نے نئے قانون کو رد کیا ہے اور صاف کہدیا ہے کہ ہندستانی وہی قانون مان سکتے ہیں جو انھیں کی چنی ہوئی اسمبلی بنائے اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بھی کانگرس نے صوبوں میں وزارت بنا لینے کی اجازت دی تھی تاکہ اس سے ہماری لڑائی اور مضبوطی سے آگے بڑھ سکے۔ لیکن فیڈریشن میں ان باتوں کا کوئی خیال نہیں۔ اس سے سامراجی حکومت کی جڑیں اور مضبوط ہو جائینگی۔ اور غلامی کی زنجیریں جکڑ جائیں گی۔

"کانگرس اس اصول کے خلاف نہیں ہے لیکن اصلی فیڈریشن وہ ہے جس میں ہر حصہ کو برابر کے حقوق اور مساوی اختیارات ملیں اور جس کا جواز صحیح جمہوری اصول پر ہو۔ اسلئے کانگرس ایک بار پھر اس فیڈرل اسکیم کے خلاف اظہار نفرت کرتی ہے اور تمام صوبجاتی اور مقامی کانگرس کمیٹیوں اور صوبجاتی حکومتوں اور وزیروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اسکو قائم ہونے سے روکیں۔ اگر اسکو زبردستی نافذ کرنے کی کوشش کیجائے تو اسکا سخت سے سخت مقابلہ کریں اور صوبجاتی حکومتیں اور وزیر اس سے تعاون نہ کریں۔ اگر کسی فوری فیصلہ کی ضرورت ہو تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی اسکو حل کرے گی اور وہی آئندہ کا پروگرام بنائے گی۔

ریاستوں کے متعلق بھی تمام حالات پر غور کیا گیا۔ خاص کر میسور کے حالات پر بہت وقت دیا گیا۔ لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ابھی ریاستوں میں براہ راست مداخلت نہ کی جائے تاہم بعض کا خیال ہے کہ کانگرس کو ریاستوں میں بھی پھیلایا جائے خواہ اسکے لئے ریاستی کانگرس کمیٹی کا علیحدہ مرکزی دفتر بنایا جائے اور خواہ موجودہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی ہی سے براہ راست تعلق رکھا جائے۔

۴ر فروری کو جنگ کے خطرے کی بابت ایک تجویز پاس کی گئی اور اس میں ہندستان کے رویہ کی وضاحت کی گئی۔ تجویز کا خلاصہ یہ ہے۔ "ہندستان کے لوگ دوسرے ممالک کے ساتھ پرامن اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی طاقت کی بنیاد بین الاقوامی اتحاد اور خوشگوار تعلقات پر رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ صرف اس طرح دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے لیکن فسطائی طاقتیں سامراج اور استحصال کی حامی ہیں اور پچھلے چند سالوں سے انھوں نے اپنے بین الاقوامی فرائض کو بالکل نظرانداز کر رکھا ہے۔ برطانیہ برابر ان طاقتوں کی حمایت کر رہی ہے اور اسلئے دنیا کی اس عام بےچینی کی زیادہ تر ذمہ داری اسی کے اوپر ہے۔ اب بھی وہ نازی جرمنی اور اسپین کے باغیوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی فکر میں ہے۔

"ہندستان اس سامراجی جنگ میں شامل نہیں ہو سکتا اور نہ اپنے آدمیوں اور دیگر وسائل کو برطانوی سامراج کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ اسلئے کانگرس جنگ کی تیاریوں جنگی مظاہروں، اور فضائی حملوں سے بچت کے انتظامات کے جو ہندستان میں کئے جا رہے ہیں بالکل خلاف ہے۔ اور اگر جنگ چھڑ جانے پر ہندستان کو زبردستی اس میں گھسیٹنے کی کوشش کی گئی تو کانگرس اسکا پوری طاقت سے مقابلہ کرے گی۔

یو۔ پی۔ اسمبلی۔ کئی روز تک یو۔ پی۔ اسمبلی میں آنریری مجسٹریٹوں کی تقرری کی شرائط پر بحث رہی اسکے بعد ۳ر فروری کو کنور مہاراج سنگھ نے حکومت کی اجازت سے یہ تجویز پیش کی کہ وزیر ہند سے سفارش کی جائے کہ وہ ہندستانی سول سروس۔ پولیس سروس اور

میڈیکل سروس کو پراونشل حکومتوں کے ماتحت کردیں۔

سارے ایوان نے اسکی تائید کی۔ سر مہراج سنگھ نے کہا کہ "یہ بہت ہی غلط اصول ہے۔ کہ ایک باختیار حکومت کی اپنے ماتحت افسروں کی تقرری کے مسئلہ میں کوئی آواز ہی نہ ہو سکے علاوہ جو فرق امپیریل اور پراونشل نوکریوں میں کیا جاتا ہے وہ بہت ہی غلط ہے کیونکہ دونوں کا ایک کام ایک سا ہے۔" یہ بھی بتایا گیا کہ اس تجویز کا مطلب کسی ایک نسل کے لوگوں کو ذلیل کرنا نہیں۔ ہم پورے تین لوگوں کو رکھنے کیلئے تیار ہیں لیکن اس شرط پر کہ انکا تقرر صوبہ کی حکومت کرے۔

پنڈت گووند وبلبھ پنت نے بتایا کہ سوائے پنجاب کے کسی دوسرے صوبے میں امپیریل سروس کے آدمی اتنے نہیں ہیں جتنے کہ ہمارے صوبہ میں۔ انھوں نے کہا "اگر آپ کے وزیر کو حکومت کرنے کیلئے کہا جائے اور آپ کو ان ذرائع پر جنکے معرفت آپ کو حکومت کرنا ہے کوئی قابو نہ ہو۔ تو ایسا کہنا عین بے وقوفی ہوگی۔"

یہ تجویز بہ اتفاق آرا پاس ہو گئی۔

۴ تاریخ کو وزیر اعظم نے ایک تجویز پیش کرنی چاہی کہ اسپیکر کو سیاست میں حصہ لینے کا اختیار رہے۔ لیکن چونکہ مخالف پارٹی کے کئی آدمی اور لیڈر غیر حاضر تھے اسلئے اسپیکر نے اسکو آئندہ کیلئے ملتوی کر دیا۔

۵ کے روز شکر کے کارخانوں کے بل پر دوبارہ بحث شروع ہوئی۔ حکومت نے کونسل کی ترمیمیں منظور کر لیں اور بل پاس ہو گیا۔ اسکے بعد اسمبلی کا اجلاس نیم مارچ تک کیلئے ملتوی ہو گیا۔

پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا ہفتہ وار خبرنامہ

۲۶ جنوری کو جیل کی کال کوٹھریوں میں بند اسیران سیاسی کی رہائی کیلئے لاہور میں اسمبلی چیمبر کے سامنے مظاہرہ کیا گیا۔ کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں نے اس میں حصہ لیا۔ حاکم ضلع کیطرف سے دفعہ ۱۴۴ نافذ کی جا چکی تھی۔ اسمبلی چیمبر کے گرد اگرد ایک میل تک جلوس کے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس سلسلہ میں کامریڈ منشی احمد دین جنرل سکریٹری پنجاب سوشلسٹ پارٹی اور رفیق [illegible] سکریٹری سیاسی قیدی چھڑاؤ کمیٹی کے نام امتناعی حکم آ چکے تھے۔ مقامی جتھوں کے علاوہ لدھیانہ۔ جالندھر۔ امرتسر۔ سیالکوٹ۔ شیخوپورہ کے ضلع نے خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ طلباء نے زندگی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ لاجپت رائے ہال میں جلسہ کر کے متفقہ طور پر طے کیا کہ وہ مظاہرہ میں حصہ لیں گے اور تقریباً ۱۵ ہزار آ کر شریک ہوئے۔ [illegible] کے قریب مظاہرین کو پولیس نے روک لیا۔ چنانچہ مظاہرہ کے انچارج کے حکم کے مطابق سبھی لوگ زمین پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی کہ مظاہرین روک لئے گئے۔ لوگ جنکی ہمدردیاں اہل جلوس کے ساتھ تھیں۔ بڑی تعداد میں آئے۔ مظاہرین کا ڈسپلن دیکھ کر بھی دنگ رہ گئے۔ قریب ۳ گھنٹے کے پولیس نے مظاہرین کو روکے رکھا اس اثناء میں غریب شہریوں پر جو ان بہادروں کو دیکھنے آئے تھے۔ پولیس کے ارباب اختیار نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے عوام کو ڈنڈوں اور لاٹھیوں کا شکار بنایا۔ اس عرصہ میں وزیر اعظم حکومت پنجاب کیطرف سے پیغام موصول ہوا کہ وہ مظاہرین کے وفد سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ پیشکش ٹھکرا دی گئی۔ کیونکہ ہم سمجھتے تھے۔ کہ لڑائی کی حالت میں صلح کی گفتگو کیسی۔ اگر صلح کی باتیں کرنا تھیں تو ۱۴۴ کیوں لگائی گئی۔

آخرکار پولیس فورس واپس بلا لی گئی اور مظاہرین نے اسمبلی چیمبر کا رخ کیا۔ اسمبلی چیمبر کے سامنے بیس منٹ تک پر امن مظاہرہ ہوتا رہا۔ اسکے بعد جلوس واپس آیا۔ اور باغ بیرون

موری دروازہ میں، ایک شاندار پبلک جلسہ منایا گیا۔ لاہور کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جلوس کو سول لائن اور مال روڈ پر جانے کا موقع نصیب ہوا اور دفعہ ۱۴۴ کے پرخچے اس طرح اڑائے ہوں۔ بہرنوع۔ اس فتح و کامرانی کے باوجود ہماری آئندہ جدوجہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چھ فروری کو پنجاب بھر میں "یوم اسیران سیاسی" منایا جا رہا ہے۔ پبلک جلسے بدستور جاری ہیں۔

کانپور میں حافظ محمد ابراہیم صاحب کے جلوس پر حملہ

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی صدر مجلس احرار اسلام ہند نے کانپور میں حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر یوپی گورنمنٹ کے جلوس پر مسلم لیگیوں کے حملہ کے متعلق حسب ذیل بیان پریس کو دیا ہے۔

۱۶ فروری کو آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر حکومت یو۔پی کا جلوس کانپور شہر میں [illegible] کیطرف سے نکالا جسمیں حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی لکھنوی، مولانا ابو القاسم صاحب، مولانا ازہر صابری، [illegible] احمد صدر مجلس احرار لکھنؤ شریک تھے۔ جلوس میں خصوصیت سے مومن برادری اور سبزی فروش برادری کے نوجوان نیز مجلس احرار کے رضا کار اور ہزاروں مسلمان [illegible] طریقہ پر ساتھ تھے۔ مجمع [illegible] ہزار سے زیادہ تھا جلوس نہایت اطمینان و سکون سے شہر کے [illegible] بازاروں سے شاندار شرکت سے گزرا۔ ڈیڑھ بجے حافظ صاحب موصوف نے فیلی بازار میں ایک مسجد میں ظہر کی نماز کی امامت کی اسکے بعد جلوس پھر روانہ ہوا۔ فیلی بازار کے آخر پر مسلم لیگ کے نوجوانوں نے سیاہ جھنڈیاں دکھلائیں اور فوراً ہی [illegible] پتھروں کی بارش شروع کر دی جس کا سلسلہ پانچ منٹ تک جاری رہا۔ جلوس اس حالت میں بھی گھومتا رہا۔ احرار کے کئی رضاکار اور والنٹیئر بری طرح زخمی ہوئے۔ جلوس مول گنج کے چوراہے پر پہنچا تو وہاں مسجد [illegible] کی تمام [illegible] اور [illegible] دوکانوں میں مسلم لیگ کے کئی سو آدمی سیاہ جھنڈیاں اور پتھر ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑے تھے اور ہر ممکن اشتعال [illegible] علاوہ ڈاکٹر عبد الصمد صاحب کے دواخانہ سے جہاں مسلم لیگ کا دفتر ہے پتھروں [illegible] اور اسکے بعد مسلم لیگ کے [illegible] دکانوں میں چھپے ہوئے لوگوں [illegible] اینٹوں اور پتھروں کی [illegible] تھے۔ [illegible] لوگوں کی کار [illegible] حملہ کیا جس سے ایک احراری رضا کار سخت زخمی ہوا اگر مجلس احرار اور جمعیۃ العلماء کے والنٹیئر مسلم لیگ کے [illegible] پر برداشت نہ کرتے تو کانپور میں ایک خوفناک ہندو مسلم فساد ہو جاتا جو [illegible] دل تھا۔ ایک سو کے قریب والنٹیئر اور اہل جلوس زخمی ہوئے ہیں جن میں بعض کی حالت نہایت نازک ہے۔ زخمی ہونے والوں میں [illegible] نیز [illegible] مسلم لیگ کا اصل مقصد ہرگز کوئی [illegible] نہ تھا بلکہ وہ [illegible] کی تحت حافظ صاحب کو قتل کرنا چاہتے تھے اور اسی غرض سے انھوں نے سخت اشتعال انگیز ہینڈ بل کثیر تعداد میں تقسیم کئے جس میں اس قسم کے اشعار تھے

آگیا لمحہ کہ تیرے شہر کا قصہ پاک ہو ساعت آ پہنچی کہ تیرے دم کی دنیا پاک ہو

اس قسم کا مسلم لیگ کیطرف سے ستمبر [illegible] کو فتح پور میں [illegible] سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری پر حملہ کیا گیا۔ بجنور میں احراری رضا کاروں پر بم پھینکا گیا۔ اور [illegible] پر حملہ کیا گیا۔ [illegible] خلاف [illegible] .... مسلم لیگ نے [illegible] خیال پایا تو ملک میں فرقہ وارانہ فساد ہونگے۔ میرے نزدیک ان فسادات کی ذمہ داری لیگ کے [illegible] مسٹر جناح پر ہے۔ اگر مسٹر جناح [illegible] تو مسٹر جناح [illegible] کی مذمت کرتے [illegible] کی شکل میں ہو رہے ہیں۔ اور یہ فسادات سلسلے میں کہنا ہے کہ مسٹر جناح کو [illegible] ہو گیا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم کا [illegible] فسادات [illegible] مسٹر جناح کی پارٹی کا [illegible] نہیں بلکہ احرار اور جمعیۃ العلماء کا ہونا کے امکان ہے۔ اگر ہم [illegible] کی حفاظت خود اختیار کی جائے [illegible] تو مسلم لیگ کا [illegible] ختم کر سکتے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کو [illegible] رہنا چاہئے کہ لیگ [illegible] حکومت کے [illegible] کے موقع پر ملک کے فسادات کی تیاریاں کر رہے ہیں [illegible] گورنمنٹ میں [illegible] ہندو مسلمانوں کو [illegible] لینا چاہئے [illegible] میں ہی قتل و غارت [illegible] اور [illegible] کی قربانی جہاں ہو [illegible] بند ہونگی اور [illegible] گورنمنٹ اسکو بند [illegible] ہندو مسلمانوں کو باہمی صلح اور امن سے رہنا چاہئے۔

قابل فروخت

اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱- ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۵ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اسپیشل جج صاحب بہادر سلطانپور درجہ دوم سلطانپور

پیشی یکم اپریل ۱۹۳۸ء

مقدمہ نمبری نمبر ۹ ۳ ۱۹۳۸ء

ہر رتن سنگھ

۱- نر تن سنگھ - ۲ تجلی سنگھ پسران اندر پال سنگھ ۳- رام ہر کھ سنگھ ولد نرائن سنگھ ۴- سری ہر کھ سنگھ ولد جھابر سنگھ- ۵- رام بجال سنگھ نابالغ ولد ہر رتن سنگھ- ۶- رام ادھار سنگھ نابالغ ولد سرجو سنگھ- ۷- رام لال سنگھ نابالغ ولد نگیشر سنگھ ۸- رام اودھ گر سنگھ نابالغ ولد رام ہر کھ سنگھ بولایت رام ہر کھ سنگھ ۹- مساۃ دہراجی کنور بیوہ رام راج سنگھ ساکنان اومری پرگنہ الاعیو ضلع سلطانپور- قرضدار سائلان

بنام

۱- بھگوتی سنگھ ولد چنیدی سنگھ- ۲- اگمو ہر دیال سنگھ ولد ماتادین سنگھ- ۳- بکرن اہیر ولد وسیل اہیر- ۴- مساۃ دولھن کنور بیوہ رام نرائن سنگھ ۵- منگل سنگھ ولد اجودھیا سنگھ ساکن اومری پرگنہ الاعیو ضلع سلطانپور- ۶- رام راج کورمی ولد رگھو کورمی ساکن سمر پور جلال پور پرگنہ الاعیو- ۷- لوٹو تیواری ولد لامعلوم ساکن شیوپور پرگنہ انگلی ضلع سلطانپور- ۸- نند لال سنگھ ولد مہادیو سنگھ ساکن بلور- ۹- پرمو کمار ولد گلزار ساکن اومری پرگنہ الاعیو ضلع سلطانپور- ۱۰- بدری ناتھ مصر ولد دیبی جہان ساکن سالپور پرگنہ اکبرپور ضلع فیض آباد- ۱۱- بنڈت رام سرت ولد رام ادھین مصر ساکن سالپور پرگنہ اکبرپور ضلع فیض آباد- ۱۲- کیدا پانڈے ساکن کھرگولی ضلع سارن وارحال ساکن اومری پرگنہ الاعیو ضلع سلطانپور- قرضخواہ فریق ثانی- سائلان-

چونکہ ہر نرائن سنگھ ولد اندر پال سنگھ ساکن اومری ضلع سلطانپور کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴- ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش ہوئی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جسکی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکورہ کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت میں تحریری درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۳۷ء جاری ہوا۔

مہر عدالت　　اسپشل جج سلطانپور

درجہ دوم

ضلع سلطانپور

اوقات حاضری عدالت - دس بجے دن سے ۴ بجے شام تک

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰- ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی

نمبر شمار	ضلع	[illegible]	[illegible] محال	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	سلطانپور	حقیت پختہ داری	در نسفع اومری پرگنہ الاعیو محال اندر پال سنگھ ضلع سلطانپور	قابل وراثت وقابل انتقال	نمبر کھاتہ کھیوٹ ۱ مالک لو (۲ لو ۲ ایکڑ ... حصہ)	مالکانہ ۵	[illegible]

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثناء حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہو سکتی ہے

نمبر سلسلہ	نوعیت جائداد	تعداد حقیت درخواست دہندہ	کیفیت
۱	گائے	۲	
۲	بھینس	۵	
۳	پڑوا	۲	
۴	گاڑی	یک	
۵	گاڑی کے بیل	دو راس	

معذرت:- گذشتہ پرچہ کے صفحہ ۸ میں ترتیب غلط ہو گئی ہے کالم دو کے شروع کی ۶ سطریں ہٹا دینا چاہئیں۔ کالم (۱) کی تیرہ سطروں کے بعد مضمون یوں رہیگا:-

"ہندو مہاسبھا کی تمنا ہے کہ دونوں ملکوں میں امن لیگ ... پیار اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں"

کھو دیا ہے ... ... آگے چلکر کہتے ہیں:- "

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اس دیس ... بھائی بندی کا جذبہ اہم جزو ہے-"

ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں ...

... ...

ہ ... کے تین ٹکڑے ہیں-

(۱) ہم بہت کمزور ہیں۔ اسلئے اسکو خوب پیٹنا چاہئے — کیوں کمزور ہوا؟ (آخری کالم ۲ کی ۶ سطروں کے بعد آ جاتا ہے)

(۲) چین اپنی دولت ... ... (اسکے بعد مسلسل)

دی آل انڈیا یونائیٹڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہیڈ آفس لکھنؤ

ہماری کمپنی کی پالیسی لینا گویا سونے پر قبضہ کرنا ہے

ہماری کمپنی
کی روزافزوں ترقی دنیائے بیمۂ زندگی میں تہلکہ مچا رہی ہے۔
کے ڈائرکٹرز یو۔پی کے بڑے بڑے زمیندار، تعلقدار و رئیس ہیں۔
کی ایجنسی لینا اپنے آپ کو مالا مال کرنا ہے۔
کی برانچیں، چیف ایجنسیاں و آرگنائزنگ آفس ہندستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ہیں۔

اطلاع! فوراً ہی مفصل معلومات کیلئے ہیڈ آفس لکھنؤ یا مندرجہ ذیل برانچ آفسوں کو لکھیے۔

کلکتہ۔ بمبئی۔ دہلی۔ آگرہ۔ مراد آباد۔ بریلی۔ علیگڈھ۔ ہردوئی۔ کانپور۔ الہ آباد۔ گوہاٹی۔ کمارکھلی (نادیا) حیدرآباد (دکن)

کتابیں منگانے میں آسانی

اگر آپ مکتبۂ جامعہ اور دوسرے کتب خانوں کی کتابیں سہل طریقہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اردو اکاڈمی کی رکنیت قبول فرمائیے۔ قواعد مکتبہ سے طلب کیجیے۔ اراکین اردو اکاڈمی کی خدمت میں رسالۂ جامعہ (صہ ر) مفت پیش کیا جائے گا۔

نوٹ:- اردو کا سیاسی ماہانہ جامعہ، سالانہ چندہ پانچ روپیہ۔

بچوں کا باتصویر رسالہ "پیام تعلیم" سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے (عہ۸ر)

نئی کتابوں کی اطلاع دینے والا اردو کا واحد پرچہ "کتاب نما" سالانہ چندہ آٹھ آنے (۸ر)

اور بہترین کتابوں کی فہرست طلب کیجیے۔

مکتبۂ جامعہ دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور

نرخنامہ اشتہارات

اخبار ہندستان

	باہر کا آخری صفحہ	اندر کے صفحے
پورا صفحہ	۲۵ روپے	۲۱ روپے
آدھا صفحہ	۱۳ روپے	۱۱ روپے
چوتھائی صفحہ	۷ روپے	۶ روپے

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ رعایت

منیجر
ہندستان نمبر ۶ سرنیل روڈ لکھنؤ

چند ضروری کتابیں

(۱) آل پارٹیز کانفرنس (۱۹۲۸ء) کمیٹی کی رپورٹ کا تتمہ
(۲) آل پارٹیز کانفرنس (۱۹۲۸ء) کمیٹی کی رپورٹ مع کارروائی اجلاس۔
(۳) قوم کی آواز (مہاتما گاندھی کی گول میز کانفرنس والی تقریریں اور ان کے سفر لندن کے حالات) مرتبہ راجگوپال آچاریہ۔ وجے سی کماریہ۔ مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین
(۴) کانگرس کی تاریخ (پٹابھی سیتا رامیہ) ... ۱ہر
(۵) میری کہانی (جواہرلال نہرو) حصہ اوّل ... ۱ہر
(۶) " " حصہ دوم ... عہ۱ر
(۷) ہندستان میں زراعت کا مسئلہ (زین العابدین احمد پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن)) ... ۴ر
(۸) مسلمانوں کے افلاس کا علاج اور مسئلۂ انتخاب (سید محمد احمد کاظمی بی۔ ایس سی۔) ... ۲ر
(۹) مسلمانوں کی بربادی موجودہ نظام حکومت میں۔ سید طفیل احمد (ملیگ) ... ۴ر
(۱۰) صنعت و تجارت کی بربادی موجودہ نظام حکومت میں (سید طفیل احمد ملیگ) ... ۲ر
(۱۱) کسان کے مطالبات (حصہ اوّل۔ از چودھری مختار سنگھ) ... ۱۲ر
(۱۲) دستور اساسی انڈین نیشنل کانگرس ... ۲ر
(۱۳) خطبۂ صدارت فیض پور کانگرس (جواہرلال نہرو) ... ار
(۱۴) مسلمان کا روشن مستقبل (مؤلفہ سید طفیل احمد ملیگ) ... ۱ہر
(۱۵) خطبۂ صدارت آل انڈیا کنونشن دہلی ... ار
(۱۶) کانگرس بلیٹن (اردو) سالانہ چندہ عہ۱ر انجمنوں سے عہ

ملنے کا پتہ

آل انڈیا کانگرس کمیٹی
سوراج بھون۔ الہ آباد

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودھری محمد رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۶ سرنیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۸ — لکھنؤ۔ ۳۰ رفروری ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ار سالانہ ۳ مے ر

سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ

ایک خبر ہے کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کی رائے میں کانگرسی وزارتوں کو سیاسی قیدیوں کی رہائی کیلئے جلد سے جلد پوری کوشش کرنا چاہئے۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اسکو خاص مسئلہ بنا کر اس طرف ساری توجہ دی جائے یا نہیں۔ کانگرس کے بائیں بازو کی، اور سبھاش چندر بوس کی رائے ہے کہ اسکو خاص مسئلہ بنایا جائے۔

سیاسی قیدیوں کا مسئلہ اب بہت زور پکڑ چکا ہے۔ پنجاب کی کانگرس سوشلسٹ پارٹی نے سیاسی قیدیوں کیلئے لڑائی چھیڑ دی ہے۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں نے ایک جلوس نکالا جسمیں نوجوان طلباء، مزدور، اور شہر کے لوگ بہت بڑی تعداد میں شریک تھے۔ لوگ اسمبلی کی طرف بڑھے جس راستہ سے یہ لوگ گذر رہے تھے اس پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی، اور پولیس نے روک لیا۔ جلوس دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔ انکے روک لئے جانے کی خبر شہر بھر میں دوڑ گئی۔ لوگ جوق در جوق آکر مظاہرے میں شریک ہو گئے آخر پبلک مظاہرے کا دباؤ پڑا، اور ۳ ½ گھنٹہ کے بعد اسمبلی تک جانے کی اجازت مل گئی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پبلک اس تحریک پر لڑنے کیلئے تیار ہے۔

ڈھاکہ جیل میں اسی بات پر ہریندر ناتھ منشی نے بھوک ہڑتال کی۔ بکود کی طرف سے انکو زبردستی غذا پہونچائی گئی لیکن اس غذا کا حاصل تنا رہا کہ موت جلدی آگئی۔ اس واقعہ نے بھی عوام کو چونکا دیا ہے۔ ملک بھر کی آنکھیں اب جیلوں پر جمی ہوئی ہیں جہاں کام کرنیوالے نوجوان یوں دم توڑ رہے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ کانگرسی وزارتوں نے اب تک غیر کانگرسی وزارتوں سے زیادہ قیدی رہا کئے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہر جگہ سیاسی قیدی موجود ہیں۔ کیونکہ کانگرس اپنے الکشن مینی فسٹو میں ان کی رہائی کا وعدہ کر چکی ہے۔ پبلک مطالبہ کر رہی ہے کہ وعدہ پورا کیا جائے اب تک جو قیدی تشدد کے قائل تھے، انکو رہا کرنے کے یہ معنی ہو سکتے تھے کہ کانگرس کسی نہ کسی طرح تشدد کی امداد کرتی، جو اسکے اصول کے خلاف ہے۔ لیکن اب کیا عذر ہو سکتا ہے جبکہ ایک ایک قیدی تشدد کی مخالفت کا اعلان کر رہا ہے۔ جب تک کانگرسی صوبوں سے یہ ظلم بالکل دور نہیں ہو جاتا، کانگرس دوسرے صوبوں میں اسکے خلاف کیسے لڑ سکتی ہے۔ اور گاندھی جی کیا جواب دینگے۔ بنگال کے وزیر اعظم کو جب وہ کہیں گے کہ تمہارے صوبوں میں ابھی تو سیاسی قیدی موجود ہیں۔

جب یہ مسئلہ اٹھا کانگرسی وزارتوں نے کہا کہ کچھ رکاوٹیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ رکاوٹیں کس طرف سے آ رہی ہیں۔ لیکن ایسے اہم مسئلہ میں ہم ان رکاوٹوں کی پروا نہیں کر سکتے۔ جب ملک آگے بڑھنے کو تیار ہے تو کانگرس کو اس کی رہبری کرنا ہے۔ کانگرس کا کام یہ نہیں ہے کہ ملک کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو دبائے۔

عدن پر بمباری

برطانیہ عرصہ سے اس فکر میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح عدن کے گرد و نواح کے علاقہ پر اپنا قبضہ جمالے چنانچہ ذرا ذرا سی بات پر بمباری شروع کر دیتی ہے۔ اسی سلسلہ میں عدن کے اطراف پر بھی بمباری کی گئی۔ جب کبھی کوئی مخالف طاقت اپنی مقبوضات بڑھانے کیلئے بمباری کرتی ہے تو برطانیہ بڑھ بڑھ کر اسکی مذمت کرنے لگتی ہے۔ لیکن جب وہ خود یہی کام کرتی ہے اور دوسرے اعتراض کرتے ہیں تو بغلیں جھانکنے لگتی ہے۔

جب انگلستان کے دارالعوام میں عدن کی بمباری کے متعلق سوالات کئے گئے تو انڈیا سکریٹری میجر گور نے کہا کہ بمباری سے پہلے اس علاقہ کے لوگوں کو آگاہ کردیا گیا تھا کہ وہ لوگ علاقہ خالی کردیں۔ عام طور سے بمباری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی علاقہ کے کچھ آدمیوں کو مار کر تمام آبادی کو ڈرا دھمکا کر اپنا مطیع کرلیا جائے۔ لیکن اگر پہلے ہی سے آگاہی دیدی جائے تو ساری غرض ہی فنا ہوجاتی ہے۔ برطانیہ نے بمباری اسلئے کی تھی کہ سرکش عربوں کو وفاداری کا سبق دیا جائے لیکن پہلے سے خبردار کردینے کے معنی یہ ہوئے کہ عربوں کے دلوں سے بمباری کا خوف اور برطانوی طیاروں کا ڈر بالکل نکال دیا جائے۔ گویا میجر گور کے نزدیک ساری دنیا احمق ہی ہے۔

برما میں انسانوں کی اور خیالات کی رہائی

برما کی وزارت نے طے کرلیا ہے کہ تمام سیاسی قیدی رہا کردئے جائیں۔ اخباروں کی ضمانتیں واپس کردی جائیں۔ اور جو علمی کتابیں قانوناً ممنوع قرار دیدی گئی تھیں انکی خرید و فروخت کی اجازت دیدی جائے۔ ان کتابوں میں زیادہ تر ایسی کتابیں ہیں جنمیں صرف ایک عیب ہے۔ وہ یہ کہ جو بات کہی ہے، ثابت کردی ہے۔ مثلاً پام دت کی "دنیا کی پالیٹکس"۔ اسی کتاب میں دنیا کی پالٹکس کا نہایت اچھا تجزیہ ہے۔ اور اس سے بہت مدلل نتائج نکالے ہیں۔ اسی طرح جان اسٹریچی کی کتاب ہے "سوشلزم کا نظریہ اور عمل"۔

ابھی تک حکومت کی یہ عام پالیسی رہی ہے کہ بہت سے خیالات لوگوں تک اس ڈر سے پہونچنے نہیں دیتی کہ کہیں وہ قائل نہ ہوجائیں۔ یہ کو قوم کی داغی نشونما کو بگاڑتا ہے۔ ہم تک ہر قسم کے خیالات پہونچنا چاہئیں۔ تاکہ ہم صحیح نتیجہ پر پہونچ سکیں۔

کانگریس میں تبدیلی کی ضرورت

اچاریہ کرپالانی جنرل سکریٹری کانگریس نے ایک رپورٹ شایع کی ہے جس میں بتایا ہے کہ کانگریس کی ممبری تیس لاکھ تک پہونچ گئی۔ ایک طرف تو یہ بڑی کامیابی ہے۔ اس وقت دنیا میں کوئی سیاسی جماعت اتنی بڑی نہیں ہے اور دوسری طرف یہ بات خطرے سے خالی نہیں۔ اس وقت اس میں سرکاری پنشن یافتہ، عہدہ دار، خطاب یافتہ، تعلقدار، بڑے زمیندار اور کارخانہ دار سب ہی طرح کے لوگ ہیں۔ ان میں ایسی جماعت بھی ہے جو موقع پرست اور خود غرض ہے فائدوں کی تلاش میں آکر کانگریس میں شریک ہوگئی ہے اس مرتبہ [illegible] کانگریس کمیٹی کے الکشن میں بہت سے جاہ طلب لوگ مختلف [illegible] سے سچے کام کرنے والوں کو ہرا کر خود گھس آئے۔ اسلئے کوئی تدبیر ایسی [illegible] ہے کہ صرف اچھے کام کرنے والوں کے ہاتھ میں کانگریس کی باگ رہے۔ ایسی تدبیر کیا ہوسکتی ہے؟

[illegible] چند مہینوں کے اندر سامراج دشمن تحریک نے بہت زور پکڑ لیا ہے۔ اور [illegible] دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس تحریک کا مستقبل کیا ہوگا، اور اب [illegible] اسوال پوچھنا چاہئے۔ [illegible] نے ہر طرف جڑ پکڑ لی ہے۔ خاصکر بہار میں تو خالص انقلابی طاقت بن گئی ہے۔ اسوقت وہاں کی کسان سبھا پانچ لاکھ کسانوں کی منظم جماعت ہے۔ ۵۰ ہزار کاشتکاروں کے منظم دل نے دیہاتوں دیہاتوں چکر لگایا ہے۔ مزدور تحریک بھی خوب زور پکڑ گئی ہے۔ کانپور میں جس بہادری سے مزدور سبھا نے سامراج کا مقابلہ کیا ہے ہندستان کی آزادی کی لڑائی میں یادگار رہیگا۔ مزدور سبھاؤں کے ایجی ٹیشن کی تحریک اٹھ چکی ہے، اور کامیابی کے آثار ہیں۔ اوسط طبقہ کی تحریکیں بھی ابھر آئی ہیں۔ جیسے اسٹوڈنٹس فیڈریشن، اور بیکاروں کی انجمن۔ یہ سب تحریکیں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں۔ مزدور، کسان، طالب علم، بیکار، ان سب کی روزمرہ کی زندگی کے دکھ درد ان تحریکوں میں آکر ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور جب تک یہ دکھ درد دور نہ ہوجائیں یہ تحریکیں نہیں مٹ سکتیں۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ ان تحریکوں کی منزل کچھ چھوٹے چھوٹے مالی فائدے ہیں۔ جیسے مزدوروں کی تنخواہوں میں چند پیسوں کا بڑھ جانا۔ لگان کا کم ہوجانا۔ اسکولوں کی فیس گھٹ جانا۔ بلکہ ان کی منزل ایسی زندگی ہے، جہاں اچھا کھانا، کپڑا، آرام دہ مکان، تعلیم، دوا علاج، اور تفریح حاصل ہوں، یہی آزادی ہے۔ اور یہی منزل ہے کانگرس کی۔

ان سب طاقتوں کو سامراج کے مقابل میں ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔ اگر مزدور اسٹرائک کریں تو کسان بھی انکی ہمدردی کریں۔ اور بیکاروں اور طالب علموں کا گروہ بھی انکا شریک ہو۔ یہ سب جماعتیں صرف کانگرس میں آکر متحد ہوسکتی ہیں۔ یہ کام کانگرس کا ہے کہ وہ اپنے اقتصادی پروگرام پر انکا ایک متحدہ محاذ تیار کرے۔

انکے متحدہ محاذ سے جو لڑائی ہوگی، اس کی بنیادیں یہ ہوں گی۔ لگان کم کرو، مزدوری بڑھاؤ، ملازمتیں دلاؤ، اور جو قدم اٹھیگا اسی طرف اٹھیگا۔ ادھر لڑائی چھڑی، اور ادھر سرمایہ پرست طبقہ کانگرس کو چھوڑ کر بھاگا۔ عوام انگریزی راج کو سمجھتے نہیں کیونکہ انگریز ان سے بہت دور ہے۔ مگر وہ اس لڑائی۔ اور اسکے ڈھنگ کو خوب سمجھ جائیں گے۔ ان میں دوست دشمن کی پہچان پیدا ہوجائے گی۔ اسوقت الکشن میں زیادہ تر سچے کام کرنے والے آئیں گے۔

کانگریس کے دور میں مسلمانوں پر مظالم

ڈاکٹر سید محمود نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ کس طرح ہندو مسلم فساد کا قصہ اٹھتا ہے، ایک دن صبح سویرے ان کو ایک تار ملا، جو ایک شخص عباس علی نے راج محل سے بھیجا تھا اس میں خبر تھی کہ مسلمانوں کے گھروں کو سنتھال لوٹے لے رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک مسلمان اور ایک سنتھال لڑکی کا چھوٹا سا جھگڑا تھا جسے فرقہ وارانہ جھگڑے کا رنگ دیدیا گیا۔ سب سے زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ راج محل میں عباس علی نام کا کوئی شخص نہیں تھا جب تحقیقات کی گئی تو یہ کھلا کہ عباس علی مالوہ کا ایک رہنے والا ہے کبھی پولیس کا سب انسپکٹر تھا مگر ملازمت سے علحدہ کردیا گیا اور اب مسلم لیگ کا کام کرتا ہے۔ یہ قصہ یاد رکھنے کے قابل ہے ہر فرد کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

کساد بازاری کا ہندستان میں قدم

جوٹ کی قیمت اتنی کم ہوگئی ہے جتنی پچھلے دو برسوں میں کبھی نہیں ہوئی اور برابر کم ہوتی جارہی ہے ڈراؤنے آثار ہیں۔ کچھ ہی مہینے گزرے جوٹ کی مانگ اتنی بڑھ گئی کہ خیال ہونے لگا جتنا سامان تیار ہورہا ہے کم پڑ جائیگا کارخانہ داروں نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ملوں میں کام بڑھادیا

اورخوب سامان تیار کرلیا ہے۔ اب اگر قیمت زیادہ گری اور کارخانہ داروں کو گھاٹے کا اندیشہ ہوا تو ان کو رکھا سامان بازار میں لانا پڑیگا۔ بازار اور زیادہ مندا ہو جائے گا۔ کارخانے بند ہونے لگیں گے۔ مزدور بیکار ہو کر مارے مارے گھومیں گے ملک کا روزگار کم ہو جائے گا

۱۹۱۹ء کی کساد بازاری میں حکومت نے کوشش کی تھی کہ جوٹ کی کھیتی اور تیاری پر ایسی بندش لگائے کہ وہ ضرورت سے زیادہ نہ پیدا ہو۔ اور کارخانوں پر ایسی بندش لگائے کہ وہ ضرورت سے زیادہ سامان تیار کریں

اس مرتبہ بھی ایک اسی قسم کی تجویز بنگال اسمبلی میں آرہی ہے! اسمیں یہ ہے کہ جوٹ بونے والوں کو لائسنس دیا جائے اور اسی قسم کی بندشیں کارخانوں پر لگائی جائیں۔

لیکن نہ اس مرتبہ ان ترکیبوں سے کچھ زیادہ فائدہ ہوا تھا اور نہ اسکی امید ہے کوئی نہیں بتا سکتا کہ سال بھر بعد جوٹ کی کتنی ضرورت ہوگی کہ اتنی کھیتی کی جائے اور اتنا ہی سامان ملوں میں تیار ہو۔

قیمتیں کیوں گر رہی ہیں؟ اسلئے کہ ہندستانی جوٹ کی سب سے بڑی بازار امریکہ تھا۔ وہاں بازار مندا ہو رہا ہے۔ سامان بھرا پڑا ہے۔ اس کی نکاسی نہیں ہو رہی ہے کارخانے کم چل رہے ہیں اور بیکاری بڑھ رہی ہے۔ جب لوگ بیکار ہیں تو سامان کیسے خریدیں۔ امریکہ کی یہ حالت اسوقت ہے جبکہ لاکھوں روپے کے اسلحہ بن بن کر چین اور دوسرے ملکوں کو جا رہے ہیں۔

لندن اور امریکہ سے کساد بازاری کو سنبھالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ مگر کامیابی نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ کساد بازاری کی وجہ ملکوں کے اختیار سے باہر ہے وہ وجہ یہ ہے۔ ذاتی کارخانے، اس چیز نے ہزاروں آدمیوں کو بیکار کر دیا، اور وہ اس قابل نہیں رہے کہ نیا سامان خریدیں۔ بازار صرف ۱۰۔ ۱۵ فیصدی لوگوں تک رہ گئی ہے اور ۱۰۔ ۱۵ فیصدی کی آمدنی صرف ذاتی کارخانوں پر ہے۔ اب یہ کارخانے خوب چلتے ہیں۔ خوب چلتے ہیں۔ خوب پیدا کرتے ہیں۔ اور آپس میں خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اتنا پیدا ہو جاتا ہے جو ۱۰۔ ۱۵ فیصدی نہیں خرید سکتے۔ سامان رک جاتا ہے۔ کارخانے بند ہونے لگتے ہیں کساد بازاری آجاتی ہے۔

کانگرسی وزیر کاٹھ کے گھوڑے پر نہیں چڑھتا

یوپی اور بہار کی وزارتوں نے استعفا دیدیا کیونکہ گورنر نے سیاسی قیدیوں کی رہائی سے انکار کر دیا۔ اور کانگرس نے اپنے مینی فسٹو میں انکی رہائی کا وعدہ کرچکی تھی اس لئے انکار کا جواب صرف استعفا ہو سکتا تھا۔ اب مفصل خبریں ملیں گی کہ گورنر نے کانگرسی وزارتوں کے کام میں کتنی رکاوٹیں ڈالیں۔ یوپی اور بہار کے بہت واقعات ہیں جنکا الزام کانگرس کے سر ہے مگر وہ کیا دھرا ہے گورنر کا۔ پتہ چلیگا کہ دستور اساسی کا منشا کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ چند ہندستانیوں کو وزیر وغیرہ کہکر آگے کردو۔ اور پیچھے جو کچھ کرنا ہے اسکی آڑ میں کرتے رہو۔ یہ شکار کی ٹٹی کانگرسی وزیروں سے نہیں تیار ہو سکی۔

اب کارروائی کیا ہو سکتی ہے؟ کوئی عوامی تحریک کوئی جارحانہ کارروائی! اس کے لئے کام آئیں گے ہمارے بہار، کسان اور کانپور کے شہ زور مزدور۔

اگر فیڈریشن منظور کرلیا جائے

لارڈ لنلتھگو نے چلتے وقت فیڈریشن کی تعریف کچھ اس طرح کی جیسے انکو تھوڑی بہت امید ضرور ہے کہ اسے کانگرس منظور کرلے گی۔ پنڈت جواہر لال اور دوسرے ذمہ دار کانگرسیوں نے اسکی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ پھر لارڈ لنلتھگو کو یہ امید ہوئی تو کیسے ہوئی؟

ایک دفعہ مسٹر سینہ مورتی نے کہا تھا کہ جیسے ڈی ولیرا نے آئرلینڈ میں من مانی تبدیلیاں کر لی ہیں فیڈریشن لیکر ہم ہندستان میں بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس طرح سامراج دشمن طاقت کو زور پہونچانے کیلئے ہمنے صوبجاتی حکومتیں لے رکھی ہیں، فیڈریشن بھی لے لینا چاہئے۔ یہ خیال کہاں تک درست ہے؟

فیڈریشن کو دستور اساسی ہند ۱۹۳۵ء نے بہت کم اختیارات دئے ہیں

فیڈریشن کی مجلسوں کی مالیات کے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جنپر فیڈریشن کو کسی طرح کا اختیار نہیں ہوگا جیسے۔ گورنر جنرل، وزیروں۔ سرکاری وکیلوں چیف کمشنروں وغیرہ کی تنخواہیں اور بھتہ۔

قرضے جو ہندستان پر ہیں۔ انکا سود اور اصل وغیرہ۔
فوجی محکمہ۔ خارجہ محکمہ۔ اور کلیسا کے اخراجات۔
دیسی ریاستوں سے تعلقات رکھنے کے اخراجات۔

ایسے اخراجات جن پر فیڈریشن کا کوئی اختیار نہیں ہے فیڈریشن کی ساری آمدنی کا اسی فیصدی ہیں۔

لیکن انکے نام زد کر دینے پر بھی بس نہیں کیا گیا ہے۔ حکومت ہند کو حق حاصل ہے کہ کسی خاص مصرف کو فیڈریشن کی آمدنی سے منظور کرلے۔

دوسری مد ان اخراجات کی ہے جن پر فیڈریشن کی مجلسوں کو اختیار ہوگا لیکن ابھی پورا اختیار نہیں ہے کیونکہ گورنر جنرل کو منظوری کا اختیار ہوگا اس لئے وہ سالانہ بجٹ میں ایسی رقمیں داخل کر سکتا ہے جو فیڈریشن کی مجلسوں نے نامنظور کر دی ہوں۔

فیڈریشن کی مجلسوں کو ایسے قانون بنانے کی اجازت نہیں ہے جن سے براہ راست یا بالواسطہ اس ملک میں برطانیہ کی تجارت اور منافع کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو۔

گورنر جنرل کی خاص ذمہ داریوں میں یہ بھی ہے کہ وہ ایسی کارروائی نہ ہونے دے جس سے برطانوی مال کی ہندستان میں درآمد پر کسی طرح کی رکاوٹ پیدا ہو

ایک قانون کی رو سے فیڈریشن کو ایسے قانون بنانے کی اجازت نہیں ہے جو ہندستانی انگریزوں کے داخلہ پر، یا انکی جائداد، سرکاری ملازمت، روزگار یا تجارت و کاروبار پر کسی طرح کا اثر ڈال سکے۔ یعنی انگریزوں کو ہندستان میں جو حقوق حاصل ہیں وہ بدستور رہیں گے۔

برطانوی کمپنیاں جو ہندستان میں تجارت کر رہی ہیں فیڈریشن کے اختیارات سے باہر رہیں گے۔ لیکن محصولات کے معاملے میں برطانوی اور ہندستانی کمپنیوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا۔ یہاں کی برطانوی کمپنیاں بھی اسی حد تک حکومت کے عطیہ، امداد اور اعانت کی مستحق ہوں گی جس طرح ہندستانی کمپنیاں۔

کوئی ایسا قانون نہیں بن سکتا جس سے ان جہازوں پر جو لندن میں رجسٹرڈ ہیں۔ یا انکے مالکوں، افسروں، ملازمین، تجارتی مال و اسباب پر کوئی اثر پڑے۔

فیڈریشن کو ریزرو بنک، ریلوے پر بہت کم اختیار ہوگا۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر برطانوی سرمایہ ہے۔

ہندستان میں جو برطانوی سرمایہ لگا ہے اسکی مجموعی رقم تیرہ ارب روپیہ کے قریب ہے بلکہ ۱۹۳۳ء میں برطانوی کمپنیوں کی تعداد جو ہندستان میں کاروبار کررہی تھیں ۹۰۰ تھی ان میں سب سے اہم کمپنیاں بنک، بیمہ کمپنیاں، ریل اور ٹرام کی کمپنیاں، تجارتی اور صنعتی کمپنیاں، سن کے کارخانے اور کانیں ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر سال ایک سو اکسٹھ کروڑ روپیہ ہر سال برطانوی سرمایہ کے سود یا برطانوی کمپنیوں کے نفع کی صورت میں انگلستان چلا جاتا ہے۔ ہندستان کی بحری تجارت برطانوی جہازوں کے قبضے میں ہے۔ ہندستانی جہازوں کا صرف ۲ فیصدی قبضہ ہے۔ اور ساحلی تجارت پر ۸ فیصدی۔

برطانوی حقوق اس ملک کے بڑے بڑے ذرائع آمدنی کو ہضم کئے ہوئے ہیں اور ایسے جمے ہوئے ہیں کہ ہندستانی کمپنیوں اور تاجروں کو بہت زک پہنچاتے ہیں۔ ہندستانی دولت اور ہندستانی تجارت کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ انکو طاقتور دشمنوں سے بچایا جائے۔ لیکن دستور ۱۹۳۵ء نے یہ ناممکن کردیا ہے۔

ان قوانین کو درآمد و برآمد کے محصول گورنر جنرل کے اختیارات میں داخل ہوگئے۔ اندرونی اور بیرونی تجارتی پالیسی پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن اس پر بھی بس نہیں کیا گیا بلکہ گورنر جنرل کو بہت وسیع اختیارات دیے گئے ہیں۔

گورنر جنرل کی منظوری حاصل کئے بغیر کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ وہ اگر چاہے تو کسی قانون کو رد کرسکتا ہے۔ کسی مسودۂ قانون کو ملک معظم کی منظوری کیلئے روک سکتا ہے۔ مالیات کے متعلق مجلس قانون ساز فیصلہ کو رد کرسکتا ہے جسوقت چاہے آرڈیننس جاری کرسکتا ہے قانون ساز مجلس کے بغیر قانون بنا سکتا ہے۔ مجالس قانون ساز کو طلب کرنا برخاست کرنا یا ملتوی کرنا اسکے اختیار میں ہے۔ جب چاہے فیڈرل اسمبلی اور فیڈرل کونسل کا مشترکہ اجلاس طلب کرسکتا ہے۔ کسی بحث کو مجالس قانون ساز میں روک سکتا ہے مجالس کی رائے کے خلاف کارروائی کرسکتا ہے۔ اور جب آئینی انتظامات بند ہوجائیں، تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔

اسپر گورنر جنرل کو بہت سے اختیارات مخصوص ذمہ داری کے نام سے دیے گئے ہیں۔ اسمیں خاص چیز یہ ہے "ہندستان یا اسکے کسی حصے کے امن و امان کیلئے کسی شدید خطرہ کو روکنا"

ابھی تک برطانیہ نے کانگرس پر اور ہندستان کی تمام آزادی پسند تحریکوں پر جو ظلم ڈھائے ہیں، سب امن و امان کے نام سے۔ یہ ایسا اختیار ہے کہ گورنر جنرل اسی نام پر جو چاہے، اور جب چاہے کرسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اقلیتوں، انڈین سول سروس اور والیان ریاست کے حقوق اور قرضہ و مالیات کی حفاظت اسکے ذمہ ہے۔ اس بہانے سے بھی گورنر جنرل بہت کچھ کرسکتا ہے۔

کانگرس فیڈریشن منظور کرے گی تو

دکھانے کیلئے جو اختیارات دیے گئے ہیں ان سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا

کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہے تو زمینداروں کو نقصان پہنچانا پڑے گا۔ اگر مزدوروں کو فائدہ پہونچانا ہے تو کارخانہ داروں کو نقصان پہونچانا پڑے گا۔ اگر بیکاروں کو روزگار دلانا ہے تو سرمایہ داروں پر لمبے ٹیکس لگانا پڑینگے جن سے وہ بچنا چاہتے ہیں۔ فیڈریشن اس طرح تیار کیا ہے کہ اس میں زمینداروں، کارخانہ داروں، سرمایہ داروں کی ایک فوج موجود ہے جو کانگرس کی مخالفت کرے گی۔

فیڈرل اسمبلی میں برطانوی ہند کے نمائندے ۲۵۰ ہوں گے۔ اور دیسی ریاستوں کے ایک سو پچیس۔ فیڈرل کونسل میں برطانوی ہند کے نمائندے ۱۵۶ ہونگے اور دیسی ریاستوں کے ۱۰۴ کونسل میں آنے کیلئے جائداد کی حقوق کی کچھ قیدیں ہیں۔ اس لئے اس میں صرف دولتمند، زمیندار، تاجر اور کارخانہ دار آئینگے۔

فیڈرل اسمبلی کے ممبر صوبجاتی اسمبلی سے لئے جائیں گے۔ اور اس کیلئے الکشن کا ایسا طریقہ رکھا گیا ہے کہ جہاں کانگرس کی اکثریت ہے وہاں سے بھی رجعت پسندوں کی ایک تعداد پہنچ جائے گی۔ اسکے علاوہ نشستوں کی تقسیم فرقہ وارانہ اصول پر رکھی گئی ہے۔ اس طرح فیڈرل اسمبلی رجعت پسندوں کا ایک قلعہ بن جائے گی۔ رجعت پسندوں کی جماعت عوام کی بھلائی کیلئے کبھی اپنے حقوق سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گی۔ اس طرح عوام کو جو تھوڑے بہت اختیارات دیے ہیں یہ عجیب و غریب رکاوٹ ڈال کر وہ بھی بیکار کردیے ہیں۔

ان اختیارات میں کسی قسم کی ترقی کی امید نہیں ہے

آئرلینڈ کو درجۂ نوآبادیات دیا گیا تھا۔ اس کی رو سے اسے آئینی معاملات میں بھی تبدیلیاں کرنیکا حق حاصل تھا۔ اور برطانیہ کی عدالت عالیہ پریوی کونسل نے بھی دو مشہور فیصلوں میں اس حق کو تسلیم کیا۔ لیکن ہمارے فیڈریشن کو آئینی معاملات میں کسی قسم کا اختیار نہیں۔ وائسرائے کو اتنے عظیم الشان اختیارات حاصل ہیں۔ اسپر بھی دستور میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے کہ فیڈریشن میں کوئی ایسا قانون نہیں بن سکتا جسکا برطانیہ کی ہندستانی سلطنت پر یا برطانوی قومیت کے مفاد پر یا فوج کے اخراجات پر کوئی اثر پڑے مجالس قانون ساز کو دستور میں کسی طرح کا تغیر کرنیکا اختیار نہیں۔ وہ صرف اس قسم کے معاملات مثلاً حق رائے دہندگی کے پھیلاؤ۔ یا الکشن کے طریقہ یا ایوانوں کے اراکین کی تعداد یا اس کی بناوٹ وغیرہ کے متعلق قرارداد کے ذریعہ برطانوی پارلیمنٹ سے سفارش کرسکتی ہے۔ اور وہ بھی اس دستور کے نفاذ کے دس سال بعد۔

اگر کانگرس فیڈریشن قبول کرے۔ اور فیڈرل اسمبلی میں اس کی اکثریت ہو تو اس کے سامنے پھر یہ سوال ہوگا کہ وزارت قبول کیجائے یا نہیں۔ اگر وزارت قائم کرتے ہیں تو چاہے وہ جیسے قانون بنائے۔ ہندستانی تجارت کی برطانوی تجارت کے مقابلہ میں کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ ہندستانی انگریزوں کے ان حقوق کو، جو ہندستان کے حقوق کی پامالی پر تیار ہوئے ہیں کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ یہاں کے مزدوروں اور کسانوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

اگر کانگرس وزارت قبول کرنے سے انکار کردے تو گورنر جنرل وزارت اقلیت کے سپرد کردے گا۔ اگر کانگرس اپنی اکثریت کو کام میں لاکر اسمبلی کی کارروائی میں روک پیدا کرنا چاہے تو گورنر جنرل اسمبلی اور کونسل کا مشترکہ اجلاس طلب کرسکتا ہے۔ جس میں رجعت پسندوں کی اکثریت ہونا لازمی ہے۔ اس طرح کانگرس قانون ساز اسمبلی میں روک بھی نہیں پیدا کرسکتی ہے۔

فیڈریشن قبول کرلینے کے بعد کانگرس سامراج کا ایک پرزہ بن جائے گی۔

ہمارا کام

عبدالعلیم

اس ہفتہ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہری پورہ میں ہو رہا ہے۔ ہر سیاسی جماعت میں کام کرنے والوں کا فرض ہے کہ سالانہ اجلاس کے موقع پر اپنے پچھلے کام کا جائزہ لیں اور آئندہ کیلئے ایک لائحہ عمل تیار کریں جس سے جلد سے جلد اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔ پچھلے سال جب فیض پور میں کانگرس کا اجلاس ہوا تھا اسوقت تمام ملک میں صوبہ وار چناؤ کی تیاری ہو رہی تھی، اسلئے ایک انتخابی اعلان تیار کیا گیا تھا جس کی بنیاد پر کانگرس نے اپنے امیدوار کھڑے کئے اور سوا سندھ اور پنجاب کے ہر صوبہ کی اسمبلی میں یا تو اس کی مکمل اکثریت ہوئی یا وہ انفرادی طور پر سب سے بڑی جماعت ثابت ہوئی، چناؤ کے بعد سب سے بڑا سوال ہمارے سامنے وزارتوں کے قبول کرنے کا تھا۔ دہلی کے کنونشن، میں ہم نے جو شرطیں لگائی تھیں وہ منظور نہیں ہوئیں اور پہلی اپریل کو جب نیا قانون رائج ہوا تو چھ صوبوں میں ایسی وزارتیں قائم ہوئیں جنکے پیچھے اسمبلیوں کی اکثریت نہیں تھی۔ چار مہینے تک ہم لوگ لفظی بحثوں میں لگے رہے اور آخر کار بغیر اپنی شرطوں کو پوری طرح منوائے ہوئے ہم نے وزارتیں قبول کرلیں۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ اگر ہم بغیر شرط لگائے ہوئے پہلی اپریل کو ہی وزارتوں پر قبضہ کر لیتے تو چار مہینے بیکار ضائع نہ ہوتے لیکن عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں جو قانونی بحثیں ہوئیں اور اس سلسلے میں جو بیانات کانگرس کے رہنماؤں اور حکومت برطانیہ کے نمائندوں کی طرف سے شائع ہوئے ان سے بہت سی باتیں صاف ہوگئیں اور آج کل گورنروں کی طرف سے جو مداخلت نہیں ہو رہی ہے وہ اسی بحث و مباحثے کا نتیجہ ہے۔ بہرحال وزارتوں پر قبضہ کرنے سے کم سے کم اتنا فائدہ تو ہوا کہ سات صوبوں میں جہاں کانگرسی وزارتیں قائم ہیں ہمیں تقریر و تحریر کی آزادی حاصل ہے اور اپنی تحریک کو مضبوط کرنے کا ہمیں پورا موقع مل رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہمنے وزارتوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ اسلئے نہیں کہ وزارتوں کے ذریعے سے ہم قوم کی غریبی کو دور کر سکتے ہیں یا برطانوی سامراج کے شکنجے سے ملک کو آزاد کر سکتے ہیں۔ بلکہ صرف اسلئے کہ وزارتیں اگر ہمارے مخالفوں کے ہاتھوں میں ہونگی تو وہ سامراج کو مضبوط اور ہماری تحریک کو کمزور کرنے کیلئے استعمال کیجائیں گی۔ لیکن حکومت کی جو ذمہ داری بغیر پورے اختیارات کے ہم نے اپنے سر پر لے لی ہی اسمیں ایک بڑا خطرہ ہے اور وہ آہستہ آہستہ ظاہر بھی ہو رہا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہم حکومت کے گورکھ دھندے میں پڑکر اپنے اصلی مقصد کو نہ بھول جائیں۔ کہیں ہم یہ نہ سمجھنے لگیں کہ کسانوں کے لگان میں تھوڑی سی کمی یا مزدوروں کی اجرت میں تھوڑا سا اضافہ تعلیم کے نظام میں ذرا سی تبدیلی یا گاؤں سدھار کا چھوٹا سا محکمہ ہماری تمام مصیبتوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ ہمارے وزیروں کو آمدنی اور خرچ میں توازن قائم کرنے اور نام نہاد امن و امان قائم رکھنے میں جتنی توجہ صرف کرنا پڑتی ہے اسکا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انقلابی تحریکوں کی طرف سے بے توجہی برتیں بلکہ اس کو اپنے کام میں رکاوٹ سمجھنے لگیں۔ آج کل یہ خطرہ ہمارے سامنے ہے اور اگر ہمنے اسکو روکنے کی ترکیب نکالی تو ہماری تحریک کو بڑا دھکا لگے گا۔

ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے وزیروں کی پوری طاقت ہوقت اس کوشش میں صرف ہو رہی ہے کہ کسان کسی طرح سے لگان ادا کر دیں۔ تاکہ زمینداروں سے آسانی سے مالگزاری وصول ہو جائے اور حکومت کے بجٹ کا توازن نہ بگڑنے پائے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ وزارتیں جو کانگرسیوں کے ہاتھوں میں ہیں وہ کسی انقلابی تبدیلی کے قائل نہیں ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کے لئے جو قانون انھوں نے ابتک بنائے یا بنائے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کم سے کم تبدیلی سے زیادہ سے زیادہ فائدے کی امید رکھتے ہیں۔ زمینداری وہ ختم کرنا نہیں چاہتے۔ کارخانہ داروں کو وہ بہت دبانا نہیں چاہتے لیکن یہ توقع رکھتے ہیں کہ کسان اور مزدور انکا ساتھ دیں گے۔ اگر کہیں کسان اور مزدور زور پکڑتے ہیں تو سامراجی حکومت کے کل پرزے انکو کچلنے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن ہمارے وزیر یا تو چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں یا مزدوروں اور کسانوں کو "اہنسا" کا پرچار کرتے ہیں۔ اگر ہماری تحریک واقعی انقلابی تحریک ہے تو ہمیں اس حالت کو جلد بدلنا چاہئے نہیں تو ہم بھی لبرل جماعت کی طرح اصلاح پسند ہوکر رہ جائینگے۔ اگر ہمارے وزیر چاہیں تو وہ اس اختیار کو جو انھیں حاصل ہے انقلابی تحریک کو ترقی دینے میں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ کسانوں اور مزدوروں کی جماعتوں کو اگر وہ تھوڑی سی بھی امداد پہنچائیں تو یہ جماعتیں خود انکے ہاتھوں کو مضبوط کریں گی اور سامراجی نمائندوں سے جو مقابلہ انکو تھوڑے دنوں میں لازمی طور پر کرنا پڑے گا۔ اس میں انکے پیچھے ایک طاقت ثابت ہوں گی۔

یہ سوال صرف وزیروں کے حل کرنے کا نہیں ہے بلکہ پوری کانگرس کو اسکی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ سارے ملک میں آجکل یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کانگرس کے کام کرنے والوں کو کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ بہار میں اس بحث نے ناگوار صورت اختیار کرلی ہے۔ یو۔ پی میں بھی حالت خطرناک ہے۔ جگہ جگہ کسان سنگھ اور مزدور سبھاؤں کے کاموں میں کانگرسی عہدہ دار رکاوٹیں ڈال رہے ہیں اور جو کانگرسی ان میں حصہ لیتے ہیں انکے خلاف ڈسپلن کے نام پر آواز اٹھائی جا رہی ہے اس مسئلے کا آخر حل کیا ہے؟ اس کیلئے ہمیں پہلے اپنی قومی تحریک کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ کانگرس کی تحریک ہندستان کو برطانوی سامراج کے پنجے سے آزاد کرنا چاہتی ہے، اسلئے اسکو تمام ایسی جماعتوں یا طاقتوں سے کام لینا چاہئے جو سامراج دشمن ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے ملک میں کون سی جماعتیں واقعی سامراج دشمن ہیں۔ بڑے بڑے زمینداروں ساہوکاروں اور کارخانہ داروں کا فائدہ زیادہ تر سامراج کے ساتھ رہنے میں ہے۔ اسلئے وہ سامراج کے دشمن ہو نہیں سکتے سطحی نظر سے دیکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ بات لازمی نہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ دو چار زمیندار یا سرمایہ دار کانگرس کا ساتھ دیتے ہیں لیکن وہ یہ

بچے کہ سرمایہ دار یا زمیندار طبقہ مجموعی حیثیت سے کبھی کسی ایسی تحریک کا ساتھ نہیں دے سکتا جسمیں معاشی انقلاب کا امکان پایا جاتا ہو۔ کانگریس کی تحریک میں یہ امکان ضرور ہے۔ اس میں جو سرمایہ دار یا زمیندار شامل ہیں ان میں سے چند تو ایسے ہیں جو اپنے طبقہ کے فائدہ کو ملک کے فائدے پر قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن زیادہ ایسے ہیں جو اس تحریک کو انقلابی تحریک بننے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلئے زیادہ خطرناک ہیں جو باہر سے مخالفت کرتے ہیں۔ کانگریس اگر واقعی سامراج کو مٹانا چاہتی ہے تو اسکو ان لوگوں سے بچنا چاہئے۔ بیچ کے طبقے کا اوپری حصہ بھی مجموعی حیثیت سے تحریک میں شریک نہیں ہو سکتا۔ وہ تو طاقت کا غلام ہوتا ہے جب تک سامراج کی طاقت زیادہ ہے وہ اسکا ساتھ دیگا۔ لیکن جب قومی حکومت قائم ہونے کا امکان زیادہ ہو جائیگا اسوقت چاہے گا کہ اس حکومت پر اپنا قبضہ جمالے۔ اس سے بھی ملک کے عام فائدے کی امید نہیں کیجا سکتی۔ اب باقی بچا بیچ کے طبقے کا نچلا حصہ اور نیچے کا پورا طبقہ۔ یہی وہ جماعت ہے جس سے ہر قومی تحریک کی مضبوط بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ کانگریس کا فرض ہے کہ اس جماعت کو بیدار کرے اور ان سے سامراج کو مٹانے کا کام لے اسلئے کہ یہی صحیح معنوں میں سامراج دشمن جماعت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جماعت کو منظم کرنے کی کیا صورت ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ قومی جذبہ کو ابھار کر لوگوں کو کانگریس کا ممبر بنایا جائے۔ اور اس طرح کانگریس کے سیاسی پروگرام پر زور دیا جائے۔ کانگریس یہ کام عرصے سے کر رہی تھی لیکن اس میں بہت کامیابی نہیں ہوئی اور ایک سال پہلے تک اس میں صرف بیچ کے طبقے کی اکثریت رہی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معاشی پروگرام پر زیادہ زور دیا جائے۔ پچھلے سال سے ایسا کیا جا رہا ہے اور اسی کا اثر ہے کہ کانگریس کے ممبروں کی تعداد تیس لاکھ سے اوپر پہنچ گئی ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے ضرورت اس کی ہے کہ معاشی اعتبار سے مختلف پیشے والوں اور جماعتوں کو الگ الگ منظم کیا جائے اور ان کی روزمرہ کی ضرورتوں کی بنیاد پر ان میں معاشی اور سیاسی احساس پیدا کیا جائے یہ بات کانگریس کی معمولی ممبری سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسکے لئے کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کا ایک جال سارے ملک میں پھیلانا پڑے گا۔ یہ کام کانگریس والوں ہی کو کرنا چاہئے اور ان جماعتوں کی مجموعی نمائندگی کانگریس میں ہونی چاہئے نہیں تو یک رنگی اور یک جہتی قائم نہیں رہ سکتی۔ جو لوگ اس کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ انقلابی تحریک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ زمانہ ہماری تحریک کیلئے سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ اگر اسوقت ہم لکیر کے فقیر رہے اور جو نئی راہ ہمارے سامنے کھل رہی ہے اس پر ہمت مضبوطی سے قدم آگے نہیں بڑھایا تو دنیا کی بے شمار انقلابی تحریکوں کی طرح ہماری تحریک بھی اصلاح پسندی کی دلدل میں پھنس کر رہ جائے گی۔

دوسرا سوال ہمارے سامنے فرقہ وارانہ جھگڑے کا ہے۔ آج کل اس سوال نے بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اس سوال کو عوام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ اصل میں بیچ کے طبقے کا سوال ہے۔ اسی وجہ سے یہ ایسے موقع پر اٹھتا ہے جب حکومت کی طرف سے اختیارات کی ایک چھوٹی سی قسط ملتی ہے پچھلی اصلاحات کی آمد کی خبر جب گرم ہوئی اسوقت بھی یہ جھگڑا کھڑا ہوا اور لکھنؤ کے سمجھوتے کے ذریعہ سے حل کیا گیا۔ وہ معاہدہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہوا تھا اور اسی پر ۱۹۱۹ء کے قانون میں فرقہ وارانہ حقوق تقسیم کئے گئے تھے۔ ۱۹۳۵ء کے قانون کی آمد سے پہلے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ ہو سکا اسلئے جب یہ قانون آیا اور اسکے ماتحت چناؤ کے بعد وزارتیں قائم ہوئیں تو لازمی طور سے اس جھگڑے میں پھر جان پڑ گئی۔ اگر کانگریس وزارتیں نہ قبول کرتی تو غالباً یہ سوال اتنا پیچیدہ نہ ہوتا مسلم لیگ والوں کو جتنی وزارتیں حاصل کرنے کی امید تھی وہ پوری نہ ہو سکی تو اب وہ اس جھگڑے کو اور بڑھا رہے ہیں۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو تاریخی اختلافات ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ۱۹۱۶ء کی طرح کوئی سمجھوتا کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان پھر ہو جائے تو یہ جھگڑا بالکل ختم ہو جائیگا۔ یہ لوگ سیاست کو بہت ہی سطحی نظر سے دیکھنے والے ہیں اور پچھلے بیس تیس برس میں ہندستان کی قومی تحریک میں جو بنیادی تبدیلی ہو گئی ہے اسکو بالکل بھول جاتے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں کانگریس بھی مسلم لیگ کی طرح چند کھاتے پیتے پڑھے لکھے بیچ کے طبقہ والوں کی جماعت تھی۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ برطانوی سامراج کے زمانے میں چند معمولی اختیارات ہندستانیوں کو مل جائیں۔ پچھلے انتخاب کے زمانے میں جو سمجھوتا ہندو مسلمان زمینداروں اور سرمایہ داروں میں ہوا اور جسکی بنیاد پر یو۔ پی۔ میں نیشنل ایگریکلچرسٹ پارٹی پنجاب میں "یونینسٹ پارٹی" اور دوسرے صوبوں میں بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی پارٹیاں بنیں وہ اسی قسم کا سمجھوتا تھا جیسا ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہوا تھا۔ جو لوگ اس قسم کے سمجھوتے کے حامی ہیں وہ جان بوجھ کر یا ممکن ہے بے سوچے سمجھے کانگریس کو بیس برس پیچھے پھینک دینا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے اسکے جواب میں یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ کا نصب العین بھی تو اب مکمل آزادی ہو گیا ہے اور اس نے بھی تو ایک معاشی پروگرام بنا لیا ہے۔ پھر اس میں اور کانگریس میں فرق ہی کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ظاہر میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن مسلم لیگ کی باگ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور جن باتوں پر وہ لوگ زور دے رہے ہیں انپر غور کیا جائے تو انکا پول بالکل کھل جاتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکمل آزادی اور معاشی پروگرام ایک بڑا ڈھونگ ہے جسکا مقصد سیدھے سادے اور سیاسی احساس سے بیگانہ مسلمانوں کو دھوکا دے کر اونچے اور بیچ کے طبقے کے مفاد کو آگے بڑھانا ہے ہندو اور مسلمان عوام کا مفاد ایک ہے اور اس کو صرف وہی ادارہ آگے بڑھا سکتا ہے جس میں دونوں ساتھ ساتھ کام کریں۔ کوئی فرقہ وارانہ ادارہ اس کام کو کر ہی نہیں سکتا اور اگر اس نے ایمانداری کے ساتھ یہ کام شروع کیا تو اس کی فرقہ وارانہ حیثیت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ کا نیا دستور اساسی اور نیا نصب العین اور پروگرام اسے ایک ترقی پسند اور صحیح معنی میں عوام کا ادارہ بنا دینگے وہ خواب و خیال کی دنیا میں رہتے ہیں اور اگر بفرض محال ایسا ہو گیا تو اسوقت کانگریس اس سے کسی قسم کا سمجھوتا کر سکتی ہے۔ لیکن جب تک ایسا نہ ہو سمجھوتے کی بات چیت کانگریس کو کمزور کرتی جائے گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر عام مسلمانوں کو کانگریس میں لانے کی کیا ترکیب ہے؟ سب سے اچھی اور مضبوط ترکیب یہی ہے کہ کانگریس اپنے معاشی پروگرام کو آگے بڑھائے

اور صبر و استقلال کے ساتھ اس پر قائم رہے اگر یہ صحیح ہے کہ ہندو اور مسلم عوام کا مفاد ایک ہے اور ہم واقعی اسی مفاد کو سامنے رکھکر کام کر رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں کامیابی نہو۔ اس میں شک نہیں کہ دیر ضرور لگے گی۔ سیکڑوں برس کی جہالت و تعصب کو مٹا دینا دو چار دن کا کام نہیں ہے پچھلے سال کی کوشش سے ہم نے باوجود مخالفت کے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو کانگرس کا ممبر بنا لیا ہے اور اگر یہ کوشش جاری رکھی جائے تو وہ زمانہ دور نہیں جب مسلم لیگ کی جڑ بھی اسی طرح کٹ جائے گی جیسے ہندو مہا سبھا کی کٹ چکی ہے اور جس طرح ہندو مہا سبھا اب جاپان سے ناتا جوڑ رہی ہے اسی طرح مسلم لیگ بھی ایران و توران میں جگہ تلاش کرتی پھرے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک دو ضمنی انتخاب میں ہارنے کی وجہ سے ہم پھر مسلم لیگ والوں سے سمجھوتے کی بات چیت نہ شروع کر دیں ورنہ سارا کیا کرایا کام مٹی میں مل جائے گا۔ معاشی پروگرام کو آگے بڑھانے کی صورت جیسا پہلے بھی کہا جا چکا ہے یہی ہے کہ کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کو مضبوط کیا جائے۔ کانپور کی مزدور سبھا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ جو ادارہ صحیح معاشی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اس میں مذہبی فرقے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ کانپور میں مسلمان مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور باوجود مسلم لیگ اور اتحاد ملت کی کوششوں کے وہ ہندو مزدوروں کے ساتھ مل کر مزدور سبھا میں کام کرتے ہیں۔ تمام کانگرس کمیٹیوں کو چاہئے کہ کانپور کانگرس کمیٹی کی طرح مزدوروں اور کسانوں کی سبھاؤں کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو سیاسی تحریک اور فرقہ وارانہ اتحاد دونوں کو ایک ساتھ قوت پہنچیگی۔ اور کانگرس کا ہاتھ بجد مضبوط ہو جائے گا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کانگرس کی سامراج دشمن تحریک کا آئندہ پروگرام کیا ہونا چاہئے؟ فیڈریشن کی بلا ہمارے سر پر جلد ہی نازل ہونے والی ہے۔ اگر وہ کامیابی کے ساتھ نافذ ہو گیا تو سامراج کا شکنجہ ہندستان پر اتنا سخت ہو جائے گا کہ اسکو آسانی سے ڈھیلا نہیں کیا جا سکیگا ہمیں اسکو روکنے کی پوری کوشش کرنا چاہئے۔ یہ کام بغیر عام تحریک کے نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کانگرسی وزارتیں چاہیں تو فیڈریشن کے راستہ میں روڑے ضرور اٹکا سکتی ہیں اگرچہ وہ اسے بالکل روک نہیں سکتیں۔ مگر ابھی تک تو کسی قسم کی کارروائی اس سلسلے میں یا کسی دوسرے سلسلے میں شروع نہیں کی گئی ہے۔ ابھی تو ہماری وزارتیں اس کی تعریف کرتی نظر آتی ہیں کہ گورنروں کی طرف سے مداخلت بالکل نہیں ہو رہی ہے اور آئی سی ایس کے انگریز افسر بھی بڑی ہمدردی کے ساتھ وزیروں سے ملکر کام کر رہے ہیں۔ کہیں کہیں اس پر بھی خوشی منائی جاتی ہے کہ فلاں گورنر یا سکریٹری نے فلاں وزیر کے پیش کئے ہوئے کھدر کے تھان کا سوٹ بنوایا اور اسے پہنکر دفتر میں آیا۔ یہ ترکیبیں فیڈریشن کے روکنے کی تو نہیں ہیں۔ یہ تو انقلابی جذبہ کو کمزور کرنے کی باتیں ہیں۔ گورنر آپ کے مداخلت آخر کس بات میں کرتے۔ ابھی ہم نے کیا ہی کیا ہے؟ اگر یہ خبر صحیح ہے کہ کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے وزیروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ سیاسی قیدیوں کے معاملے میں سختی سے اپنی رائے پر اڑے رہیں اور واقعی وزیروں نے ایسا کیا بھی تو اسوقت پتہ چلیگا کہ گورنر صاحبان مداخلت فرماتے ہیں یا نہیں فیڈریشن کے معاملے میں بھی اگر وزارتیں مرکزی حکومت کا ہاتھ بٹانے سے انکار کر دیں تو گورنروں کی عدم مداخلت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا۔

فیڈریشن کے روکنے کی دوسری ترکیب یہ ہے کہ ریاستوں میں پوری ذمہ دار نظام کیلئے زوروں پر تحریک شروع کیجائے۔ ورکنگ کمیٹی کی نئی ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس کو یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اسکے لئے ریاستی پرجا منڈل کے قسم کے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔ معلوم نہیں اس میں کیا مصلحت ہے؟ صرف کانگرس کی اخلاقی مدد سے ریاستوں کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ اگر کانگرس نے اپنا نام انڈین نیشنل کانگرس رکھا ہے تو اسکو سارے ہندستان میں اپنی کمیٹیاں قائم کرنی چاہئیں اور ان کے ذریعے سے پورے ملک کی نمائندگی کرنی چاہئے۔ اور اگر کانگرس یہ کام نہیں کر سکتی تو اسکو اپنا نام بدل کر برٹش انڈین نیشنل کانگرس کر دینا چاہئے تاکہ ریاستوں کی پرجا کو اس سے کسی قسم کی امید ہی باقی نہ رہے۔ اسکے کیا معنی ہیں کہ ہم انکو آسرے تو دیں لیکن ذمہ داری اپنے سر لینے سے انکار کر دیں۔ اور موجودہ حالات کا بہانہ ڈھونڈھ کر میدان سے پیچھے ہٹ جائیں کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حالات آئندہ اس سے بہتر ہو جائیں گے۔ کوئی وقت ایسا آئیگا جب برطانوی ہند کے مسئلوں سے فارغ ہو کر ہم ریاستوں کی طرف توجہ کریںگے۔ اگر ہم ریاستوں میں اپنی تحریک کو بڑھانے میں دیر کریںگے تو سامراج کے نمائندوں کا اثر وہاں برابر بڑھتا جائیگا۔ اور ان کی مدد سے ہماری تحریک کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

سامراج کے خلاف ہمیں سیکڑوں مورچوں پر ایک ساتھ لڑنا پڑیگا۔ اسکے لئے ہمیں کانگرس کی ایسی تنظیم کرنی چاہئے کہ وقت پر ہماری طاقت جواب نہ دیدے ہمیں صرف اسی کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ ہماری ممبری کی تعداد بڑھتی جائے بلکہ ہمیں کام کرنے والوں کی ایک منظم جماعت بنانی ہے ایسے کارکن جو ایک صحیح نصب العین کے ساتھ کام کا جذبہ اور جوش بھی رکھتے ہوں جو معمولی باتوں پر آپس میں لڑتے نہ ہوں، چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو منزل مقصود نہ سمجھتے ہوں اور بڑی سے بڑی ناکامی پر بھی ہمت نہ ہارتے ہوں۔

ایک موقع ہماری تحریک کا جلد ہی ملنے والا ہے۔ دنیا کی سیاست کا جو رنگ نظر آ رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عالمگیر لڑائی بہت جلد ہونے والی ہے۔ برطانوی سامراج کو اس جنگ میں لازمی طور پر حصہ لینا پڑیگا۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہوگا۔ برطانیہ بغیر ہندستان کی مدد کے کسی لڑائی میں شریک ہونے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ پچھلی بڑی لڑائی میں اسے یہاں سے نہ صرف بے شمار آدمی گردن کٹوانے کیلئے تیار ملے تھے بلکہ بہت سا روپیہ اور کچا مال بھی فوجی سامان کی تیاری کیلئے دستیاب ہوا تھا۔ اگلی لڑائی میں ہر قسم کی کوشش کیجائے گی کہ وہ آسانیاں ہندستان پھر پیدا کرے۔ کیا ہماری تحریک میں اتنی طاقت ہے کہ اگر ہم اسکے خلاف آواز اٹھائیں تو ہمیں کامیابی ہو۔ کیا ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک سے سامراج کی گرفت کو ڈھیلا کر سکتے ہیں؟ پچھلی لڑائی کی طرح اس دفعہ بھی ہمکو سبز باغ دکھائے جائینگے۔ ممکن ہے کہ فیڈریشن میں کچھ نام کیلئے تبدیلی کر دیجائے اور اس کو دیکھنے میں خوبصورت بنا دیا جائے۔ اس سے اگر کام نہ چلا تو ہر قسم کا جبر و تشدد کام میں لایا جائے گا۔ کیا ہماری تحریک میں اتنا زور ہے کہ ہم لالچ اور سختی دونوں پر غالب آسکیں۔ ہندستان میں بھوکوں اور ننگوں کی اتنی تعداد ہے کہ فوج کی وردی اور تنخواہ لاکھوں کو بہت بڑی نعمت معلوم ہوگی۔ اس کوشش کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک زبردست تحریک کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ہم کو فوراً تیاری شروع کر دینی چاہئے۔

دستور ہند میں مالی دفعات

اوّل

سب سے پہلے ہم ٹیکسوں کی ان مدوں کو لیتے ہیں جنھیں جدید دستور نے فیڈرل اور صوبوں کی حکومتوں کیلئے مقرر کیا ہے فیڈرل ٹیکسوں کی فہرست میں مندرجۂ ذیل عنوانات شامل ہیں

تمباکو اور دوسری ایسی اشیاء پر محصول جو ہندوستان میں بنائی یا پیدا کی جاتی ہیں، ایکسائز کے محاصل لیکن ان میں مندرجہ ذیل شامل نہیں ہیں۔

(۱) آدمیوں کے استعمال میں آنے والی الکوہل کی شراب۔

(ii) افیون بھنگ اور دوسری نشہ لانے والی دوائیں اور ادویات۔

(iii) ایسی دوائیں اور زینت کے سامان جنمیں الکوہل یا کوئی اور چیز جسکا نمبر (ii) میں ذکر کیا گیا ہو ملی ہوئی ہوں کارپوریشن ٹیکس۔ نمک پر ٹیکس۔ آمدنی پر ٹیکس لیکن اسمیں زراعتی آمدنی شامل نہیں۔

ہندوستان کی سرمایہ دارانہ حیثیت پر ٹیکس جسمیں افراد اور کمپنیوں کی زراعتی زمین شامل نہیں ہے۔

کمپنیوں کے سرمایہ پر ٹیکس۔

زراعتی زمین کے علاوہ باقی سب جائداد کے ترکے پر ٹیکس

ہنڈیوں، پرامیسری نوٹوں، چیکوں، اعتبار ناموں، بیمہ کی پالیسیوں، عرضی ناموں اور رسیدوں پر اسٹامپ کا ٹیکس جو مال مسافر ریل یا ہوائی جہاز سے جائیں ان پر ٹرمنل ٹیکس ریلوے کے کرایہ اور آدمیوں اور مال کے کرایہ پر ٹیکس۔

صوبوں کے ٹیکسوں کی فہرست میں مندرجہ ذیل عنوانات شامل ہیں

مالگزاری

صوبہ میں جو چیز بنائی یا پیدا کیجائے ان میں حسب ذیل اشیاء پر ایکسائز کا محصول

(i) آدمیوں کے استعمال کے لئے الکوہل کی شراب

(ii) افیون بھنگ اور دوسری نشہ والی چیزیں اور دوائیں

(iii) ایسی دوائیں یا زینت کے سامان جنمیں الکوہل یا کوئی اور چیز جسکا نمبر (ii) میں ذکر کیا گیا ہے ملی ہوئی ہوں

زراعتی آمدنیوں پر محصول

زمینوں، عمارتوں، مکانوں میں لگی ہوئی انگیٹھیوں اور کھڑکیوں پر ٹیکس

زراعتی زمین کے ترکہ پر ٹیکس

کان کنی کے حقوق پر محصول

کیپیٹیشن ٹیکس

علمی پیشوں، تجارتوں، پیشوں اور ملازمتوں پر محصول

جانوروں اور کشتیوں پر محصول

کسی مقامی علاقہ میں مال کے داخلہ پر محصول

تعیشات پر محصول جسمیں لہو و لعب، تفریحات، جوا اور سٹہ بازی بھی شامل ہے فیڈرل قانونی فہرست میں اسٹامپ کے جو محصول شامل ہیں انکے علاوہ دستاویزوں پر اسٹامپ کا محصول۔ ملک کے اندر پانی کے راستہ سے جو مال یا مسافر جائیں ان پر محصول۔

اس فہرست میں جتنے معاملات شامل ہیں ان سے متعلق فیس لیکن اسمیں عدالت کی کسی فیس شامل نہیں ہے

فیڈرل اور صوبوں کے ٹیکسوں کی ان فہرستوں کو دیکھنے کے بعد اب آئیے جدید دستور کی چند دفعات کا بھی سرسری مطالعہ کرلیں۔ یہاں اس دستور کی دفعات (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۴۰) (۱۴۱) اور (۱۴۲) سے بحث کی جائے گی۔

دفعات (۱۳۷) (۱۳۸) اور (۱۴۰) میں چند خاص محصولوں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ انھیں کون عائد اور وصول کریگا۔ اور وصول ہوجانے اور خرچ نکالنے کے بعد خالص آمدنی کی تقسیم کس طرح پر کی جائے گی۔

دفعہ (۱۳۷) میں مندرجہ ذیل محاصل کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

زراعتی زمین کے علاوہ دوسری زمینوں کے ترکے پر محاصل

ایسے اسٹامپ کے محاصل جن کا ذکر فیڈرل ٹیکسوں کی فہرست میں کیا گیا ہے

ریلوے یا ہوائی جہاز سے جو مسافر یا سامان جاتا ہے اس پر ٹرمنل ٹیکس

ریلوے کے مسافروں اور مال پر کرایہ

ان سب کو فیڈریشن عائد اور وصول کریگی اور ان سے جو خالص آمدنی حاصل ہوگی وہ صوبوں اور فیڈریشن میں شریک ریاستوں کے درمیان ان اصولوں کے مطابق تقسیم کردیجائیگی جنھیں فیڈریشن کی مجلس قانون ساز مقرر کریگی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان مدوں سے جو زائد محصول (سرچارج) لگایا جائیگا اس کی حقدار فیڈریشن ہوگی

دفعہ (۱۳۸) میں زراعت کی آمدنی کے علاوہ باقی سب آمدنیوں کے محصول کا تذکرہ کیا گیا ہے انھیں بھی فیڈریشن عائد اور وصول کریگی لیکن خاص آمدنی کا ایک مقررہ تناسب فیڈریشن کی آمدنی میں شامل نہیں کیا جائیگا بلکہ صوبوں اور فیڈریشن میں شریک ریاستوں کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم کردیا جائیگا

لیکن اس شرط کے ساتھ سرچارج کی پوری آمدنی فیڈریشن کو ملے گی

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس کے باوجود فیڈریشن کو اختیار ہوگا کہ ایک مقررہ مدت کیواسطے آمدنی کے اس تناسب کو بھی جو صوبوں اور فیڈریشن میں شریک ریاستوں کو دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اپنے لئے ہی رکھ لے۔

دفعہ (۱۴۰) میں نمک کے محصول اور ایکسائز اور برآمد کے فیڈرل محصول کا تذکرہ ہے انھیں بھی فیڈریشن ہی عائد اور وصول کریگی لیکن فیڈرل مجلس قانون ساز اگر چاہے تو اس مقصد کا ایک قانون بنا کر انکی خالص آمدنی کے ایک حصہ یا کل کو ان اصولوں کے مطابق جو قانون میں موجود ہوں گے صوبوں اور فیڈریشن میں شریک ریاستوں کے درمیان تقسیم کرسکتی ہے،

لیکن جو کچھ اوپر کہا گیا اسکے باوجود جوٹ کے محصول برآمد میں سے نصف حصہ یا ملک معظم باجلاس کونسل اگر چاہیں گے تو اس سے زیادہ حصہ فیڈریشن کی آمدنی کا جزو نہ بن سکیگا اور یہ حصہ ان صوبوں میں جہاں جوٹ پیدا کیا جاتا ہے جوٹ کی پیداوار کے تناسب کے مطابق تقسیم کردیا جائیگا،

دفعہ (۱۴۱) میں بتایا گیا ہے کہ کسی ایسے ٹیکس کے بارے میں جسمیں صوبوں کو دلچسپی ہے یا جس سے "زراعتی آمدنی" کے مفہوم میں تبدیلی ہوتی ہے کوئی قانون فیڈرل مجلس قانون ساز کے

(باقی صفحہ ۱۴)

باغی کا ترانہ

اختر جمال

لے کے ہاتھوں میں بغاوت کا علم آتا ہوں میں
عرصۂ ہستی پہ طوفاں بنکے چھا جاتا ہوں میں
آتشیں نغمے سناکر آگ برساتا ہوں میں
نوجوانوں کی رگوں میں خون دوڑاتا ہوں میں

لرزہ براندام مجھ سے اہرمن سا جنگجو
چاٹ جاتی ہے مری تلوار سلطاں کا لہو

میرا ایماں ہے بغاوت۔ میرا مسلک انقلاب
آگ کے شعلوں میں ہے لپٹا ہوا میرا شباب
پرفشاں میری نظر میں سیکڑوں تیرِ شہاب
بجلیوں کی رَو میں لرزاں میرے دل کا پیچ و تاب

میری تقریروں میں بل کھاتے ہیں خونی اژدہے
دشمنوں کا منھ جھُلس دیتے ہیں میرے قہقہے

آگے آگے ایک سرکش فوج کے گاتا ہوا
دشمنوں کو بسترِ راحت سے چونکاتا ہوا
سطوتِ شاہنشہی قدموں سے ٹھکراتا ہوا
روندتا محلوں کو ایوانوں میں دَرّاتا ہوا

ظالموں کو آج آیا ہوں مٹانے کے لئے
اک نئی دنیا۔ نیا عالم بنانے کے لئے

میرے دل کی آگ سے جلتی ہے شمعِ خاوری
مجھ سے روشن ہے خدائی۔ مجھ سے ہے پیغمبری
کانپتے ہیں میری ہیبت سے بتانِ آذری
میرے قدموں کے تلے ہے تخت و تاجِ قیصری

میرے نعروں سے دَہل جاتے ہیں غداروں کے دل
میری آہیں جبر کی چھاتی پہ رکھدیتی ہیں سِل

میرے ایماں کی حرارت کا جوانی نام ہے
جنگ کا خونیں زرہ بکتر مرا احرام ہے
خون کی چھینٹوں سے رنگیں میری صبح و شام ہے
ہر نفس طوفان ہے۔ ہر آواز اک پیغام ہے

دوریِ منزل سے میرا شوق کم ہوتا نہیں
کارواں سو جائے لیکن میں کبھی سوتا نہیں

پھوٹ نکلا ہے لہو عشرت کے پیمانوں سے پھر
خون کا سیلاب بہہ نکلا ہے میخانوں سے پھر
آندھیاں بپھری ہوئی آتی ہیں ویرانوں سے پھر
جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں ایوانوں سے پھر

پھر لرز اٹھے ہیں بزمِ عیش میں تارِ رباب
آرہی ہے کارخانوں سے صدائے انقلاب

ڈھائی سیر آٹا

مسلسل

(حیات اللہ انصاری)

مولی کے جانے کے دو گھنٹہ منی لڑکوں اور لڑکیوں کو لیکر باہر نکلی اور کوٹھری میں کنڈی لگا کر ٹہلنے چلی۔ کچھ دور پر دوسرے مزدوروں کی بیویں دھوپ میں بیٹھی بک بک کر رہی تھیں، یہ جا کر ان میں شریک ہو گئی لڑکے اور چھوٹی لڑکی آنکھ بچا کر ادھر ادھر ہو رہے۔

تین چار گھنٹے کے بعد منو آیا اور ماں سے کہنے لگا:-

"ماں رے! بھوک لگی ہے"

منی ویسے ہی باتوں میں مشغول رہی۔ گویا یہ سننے والی بات ہی نہ تھی تھوڑی دیر کے بعد بیوا آیا اور اس نے بھی اسی فقرے کو سنایا مگر اس نے ادھر بھی توجہ نہ کی۔ اسوقت وہ کسی شریف گھرانے کی عورتوں کی بدچلنی بہت جوش و خروش سے بیان کر رہی تھی۔ اس جوش میں یہ فخر پوشیدہ تھا "گو چھوٹی ذات سہی۔ مگر میں ایسی نہیں ہوں" تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا۔ یا دونوں کے دونوں اپنی صدا لگا دیتے اسی طرح ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب چھوٹی لڑکی بھی کہیں سے آئی اور ماں کے پاس بیٹھ گئی پھر جھجک سے بولی۔

"اماں چلو"

منی۔ "ابھی سویرا ہے۔ ذرا ٹھہرو"

دس منٹ اور گزرے اب تو بیوا ماں کا کندھا پکڑ کر کھڑا ہو گیا؛ اور رونی آواز سے رٹ لگا دی۔

"کھانا دو۔ کھانا دو"

منی تھوڑی دیر تک یہ رین رین سنتی رہی۔ پھر اس کو ڈانٹ دیا جس پر بیوا بھوں بھوں رونے لگا۔ آخر یہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی۔

میں کہتی ہوں۔ یہ سب غارت ہوں۔ یا میں غارت ہوں۔ زندگی دو بھر ہے موئی"

منی نے کوٹھری میں آکر آگ سلگائی اور باجرے کے آٹے کی پانچ ٹکیاں پکائیں۔ دو چھوٹی اور تین بڑی ان پر ذرا ذرا سا گڑ رکھ کر چھوٹی دونوں لڑکوں کو دیں اور بڑی خود لی، اور دونوں لڑکیوں کو دیں۔ ان لوگوں کا کھانا تین چار منٹ کے اندر ہی اندر ختم ہو گیا۔ اور پھر یہ سب لوگ گھومنے چلے گئے۔

شام کو مولی جب مزدوری کے پیسے لئے پلٹ رہا تھا تو اس کی نگاہ گلی کے کوڑے پر پڑی۔ دیکھا وہ ڈھائی سیر آٹا یوں ہی پڑا ہوا ہے۔ اس نے قریب جا کر آٹے کو چٹکی میں اٹھا لیا۔ گویا یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ آنکھیں دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں۔ جب یقین آ گیا تو متحیر کھڑا رہ گیا۔ دل کہتا تھا کہ اٹھا لے چلو۔ مگر ایک تو یہ ڈر تھا کہ شاید کوئی کچھ کہے۔ اور دوسری یہ جھجک کہ اس کے ساتھی مزدور بھی پیچھے آ رہے ہوں گے۔ اگر وہ مجھے آٹا اٹھاتے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ آخر آٹا اٹھانے کی ہمت نہیں پڑی اور یہ چل کھڑا ہوا

مگر ہر قدم پر رفتار سست ہوتی جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہی قدم پر پہونچ کر پھر چکا سا کھڑا ہو گیا جیسے چور اپنے پر پہونچ کر راستہ بھول گیا ہو یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی دوسرا مزدور اس آٹے کو ضرور اٹھا لیگا۔ مجھے نہیں ملیگا اور اس کو مل جائیگا۔ رفتہ رفتہ یہ خیال اتنا گہرا ہو گیا کہ مولی خیالی آٹا اٹھانے والے مزدور کو حاسد سے زیادہ رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اور یہ سوچ کر آٹے کی طرف واپس آیا۔ بلا سے کوئی ہنسے گا تو ہنس لے گا بیوی بچے تو آٹا پا کر خوش ہو جائینگے مولی کے قدم اتنے جوانمردی سے آٹے کی طرف بڑھ رہے تھے گویا وہ کسی ڈوبتے بچے کو دریا سے نکالنے جا رہا ہے آٹے کے پاس پہونچ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اپنا انگوچھا پھیلا دیا۔ اور آٹا اٹھانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا جاتا تھا۔

"کیا لوگ ہیں! اناج اس طرح پھینک دیا۔ پیروں تلے اگ آئے۔ نالی میں الگ جائے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ مرغی جرغی کھائیں"۔

جس بات کا ڈر تھا وہی ہوئی۔ پانچ چھ مزدوروں کی ایک ٹولی پاس سے گذری۔ اور یہ عجیب تماشا دیکھ کر تین چار مزدور کھڑے ہو گئے۔

ایک۔ "کیا مل گیا مولی"

مولی۔ "کچھ نہیں۔ خراب آٹا ہے۔ مگر ہے تو اناج۔ پیروں تلے آ رہا تھا میں نے کہا مرغی بکری کھا لیں تو سوارت ہو جائے"

دوسرا۔ "کیا گلی کی پڑی ہوئی چیز! کہیں نظر گذر نہ ہو"

پہلا۔ "اٹھانے مولی اٹھا لے۔ اسکو بکنے دے۔ کام آ جائے گا"

مولی۔ گردن جھکائے اپنے کام میں مشغول رہا۔ یہ لوگ چل کھڑے ہوئے۔ کچھ ہی دور پہونچ کر ایک مزدور نے تان لگائی۔

"سوئے بڑا تو ایک سے بہتر بنا دیا"

دوسرا اسکے تان ہی کی اثنا میں بولا۔

"غریب ہی سہی۔ مگر ہم گلی سے گرا پڑا نہیں اٹھاتے۔"

یہ مزدور بڑائی کی لے رہے تھے۔ مگر حقیقت میں ان میں سے ہر ایک کو مولی کی خوش نصیبی پر کہ اتنا آٹا یونہی پڑا مل گیا۔ رشک و حسد ہو رہا تھا۔ اس آٹے کا بھی عجیب تعفن ہوا۔

(۳)

دس بجنے کے قریب تھے۔ مگر کھانا ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا۔ شوکت میاں اسکول جانے کو تیار کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی پھوپھی نے جلدی جلدی دو چپاتیاں ڈلوا دیں اور چار کباب تلوا کے بہ جلدی سے ان کو میز پر چن شوکت میاں کو کھانے کیلئے آواز دی، شوکت میاں ایک ہاتھ میں کتابیں لئے دوسرے ہاتھ سے شیروانی کے بٹن لگاتے کھانے کے کمرے میں گھس گئے۔ اور بلا ہاتھ دھوئے کھانا شروع کر دیا۔ مگر پہلا ہی نوالہ منہ میں رکھا تھا کہ اپنا منہ بگاڑ لیا گویا کونین پی گئے ہوں۔ جلدی سے وہ نوالہ پانی کے سہارے پیٹ میں پہونچا دیا، اور پھر روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا چبایا۔ اور پھر منہ بگاڑ کر بولے۔

"پھوپھی جان! آٹا خراب ہے"
"آٹا خراب ہے!! کیا؟"
"شاید اکرا گیا"

پھوپھی نے بھی روٹی کا ذرا سا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ اور پھر بولیں:۔
"تمہاری باتیں! اکرا گیا۔ کچھ روٹیاں جلدی پکنے سے دھواں گئیں"
شوکت میاں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جلدی سے کتابیں اٹھا کر بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے۔

بیگم صاحبہ دھوپ میں بیٹھی کچھ سی رہی تھیں۔ اپنے بیٹے کو اتنی جلدی کھانے کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر بولیں:۔
"کیا بات ہے؟"
شوکت میاں کی پھوپھی۔ کچھ نہیں۔ ذرا روٹیاں دھواں گئیں"
بیگم صاحبہ ۔۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا، شوکت میاں کب تک فاقے سے اسکول جاتے رہیں گے۔ ذرا روٹیاں میں تو دیکھوں!"
شوکت میاں کی پھوپھی ایک پلیٹ میں روٹی رکھ کر سامنے لائیں بیگم صاحبہ نے ذرا سا ٹکڑا منہ میں رکھا اور بولیں۔
"یہ دھواں گئیں ہیں میں کہتی ہوں بہن تم کو کب عقل آئے گی۔ یہ اکرایا ہوا آٹا میرے بچے کے سامنے رکھ دیا۔ جہاں میں ذرا غافل ہوئی بس دلدر پنا ہونے لگتا ہے۔"

اس فقرہ کا نشانہ پھوپھی تھیں۔ یہ بیچاری بیوہ میاں کے باپ کی خالہ زاد بہن تھیں دس برس ہوئے بیوہ ہوگئی تھیں اور ان کا یا ان کی لڑکی کا بجز اس گھر کے اور کوئی سہارا نہیں تھا۔ بظاہر تو یہ ایک غریب بہن کی طرح رکھی جاتی تھیں۔ مگر حقیقت میں یہ "صدر ماما" یا نوکروں کے انچارج کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ اور ہر قسم کی بدنظمی کی براہ راست ذمہ دار تھیں بیگم صاحبہ کا الزام سن کر بولیں۔
"لے میں نے تو پہلے کی سوچی تھی جیبو لی مٹکی میں آٹا تھا۔ میں نے کہا یہ کیوں پڑا رہے۔ کام ہی آجائے۔"
"بہن ہوا کر دیکھ لیتیں آٹا ہے کیسا؟ وہ تو روٹی کی صورت سے معلوم ہوتا ہے۔ خیراتن" ان کی آواز بچیس گز کا فاصلہ طے کر کے اسی کڑک سے باورچی خانے پہونچی۔
خیراتن ۔۔ "جی بیگم صاحبہ ۔۔۔۔۔۔ پکار رہی ہوں"
"سب آٹا نالی میں پھینک دے۔ بڑے ٹگڑے سے آٹا نکال کر پکا"
شوکت میاں کی پھوپھی اس حکم کی تعمیل کرانے دوڑیں اور باورچی خانے میں آکر بڑبڑانے لگیں۔
"نالی میں پھینک دو نالی میں پھینک دو۔ سچ ہے کہ جب چیز ہوتی ہے تو اسکی قدر نہیں ہوتی۔ اناج بڑی چیز ہے بہن! بڑی چیز"
خیراتن ۔" ہاں گندھا گندھایا آٹا۔ سب محنت اکارت"
"تم پھینکو کچھ نہیں۔ لیتی جاؤ بکری کو کھلا دینا۔ ہاں، اور دیکھو مٹکی میں ابھی ڈھائی دو سیر آٹا اور ہوگا۔ [illegible] کہاں سے۔ وہ بھی تم لیتی جاؤ۔ میں پھینکوا کر کیا کروں گی۔"
خیراتن چاہتی تو کہتی کہ آٹا لیتا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ پھوپھی مری بچھیا برہمن کے نام کر کے احسان کرنا چاہتی ہیں۔ بولی۔
"ہاں، آٹا لیجا کر کسی کونے میں ڈال دوں گی۔ بیروں تلے نہ آئے۔ اب یہ کس کام کا"

پھوپھی نے اس ڈر سے زیادہ باتیں نہیں کہیں کہ کہیں خیراتن آٹا لیجانے سے بالکل ہی انکار نہ کر دے۔ اور اس طرح ذرا او پورا احسان کرنے کا جو موقع مل رہا ہے وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ فوراً کوٹھری کے اندر جا کر آٹا اپنے ایک میلے دوپٹے میں باندھ لائیں اور بولیں۔
"ذرا دوپٹے کا خیال رکھنا۔ پھٹنے نہ پائے۔ اور شام ہی کو اپنے ساتھ لیتی آنا"
خیراتن نے پوٹلی کی طرف ایک نظر ڈالی۔ اور پھر ایک کام میں مشغول ہوگئی۔
جب گھر جانے لگی تو پکی ہوئی روٹیاں۔ گوندھا ہوا آٹا اور آٹے کی پوٹلی سب سامان لیکر گھر آئی۔ خیراتن کی بڑی لڑکی نے۔ جو شوہر سے لڑائی ہونے کی وجہ سے مستقل ماں کے پاس رہتی تھی۔ اس سامان کا حال پوچھا۔ جب خیراتن نے قصہ بیان کیا تو اس نے روٹی چکھی اور پھر بولی۔
"کھانے کے قابل نہیں۔ کڑوا ہو گیا"
"بکری کھالے گی"
"اس کا دودھ نہ گھٹ جائے گا"
خیراتن نے اٹھ کر روٹیاں بکری کے سامنے ڈالدیں۔ اس نے ایک روٹی تو کھائی۔ مگر اسکے بعد منہ ہٹا لیا۔ پھر ان لوگوں نے لاکھ چمکارا مگر وہ ادھر متوجہ بھی نہیں ہوئی۔ اور ادھر متوجہ ہوتی کیسے! وہ تو بیگم کے یہاں کے بچے کھچے مرغن کھانوں پر پلی تھی۔ اس وقت بھی اسی سے پیٹ بھرا تھا۔
اب خیراتن سوچ میں پڑگئی کہ آٹے کا صرف کیا ہو۔ بیٹی نے تجویز پیش کی۔
"ڈلاسے کی نظر اتار کر چوراہے پر ڈالدو۔"
یہ تجویز معقول تھی۔ اگر آدھ سیر تک آٹا ہوتا تو اس پر ضرور عمل کیا جاتا۔ مگر اکدم سے ڈھائی سیر آٹا اس طرح پھینکنے پر خیراتن کے دل نے گواہی نہیں دی۔
رات کو جب خیراتن کام کاج سے واپس آئی۔ اور اطمینان سے کھانا کھا کر لیٹی تو یہ مسئلہ اٹھا کہ آٹے کا کیا ہو۔ دوست اور عزیزوں کی فہرست دہرائی۔ مگر کوئی کام آتا شخص نظر نہ آیا۔ صبح کو ایک فقیر نے صدا لگائی، خیراتن نے موقع غنیمت جانا اور فوراً پاؤ بھر آٹا نکال کر بھیک دینے لگی۔ فقیر نے ناک سکوڑی کہا۔ "آ! دیکھکر بولا:
مائی فقیر کو خراب چیز نہ دیا کر۔ اللہ بھلا کرے"
یہ کہکر چلتا ہوا خیراتن آٹا لئے بڑبڑاتی اندر آئی۔
"موئے۔ موئے فقیر۔ بھیک مانگنے چلے ہیں"
اب پھر وہی مسئلہ۔ آٹے کا کیا ہو؟ سہ پہر کو ایک عورت، دو بچوں کو ساتھ لئے انکے گھر میں آئی۔ اور اس نے اپنی کتھا یوں سنائی۔ میں کوئٹہ کی رہنے والی ہوں۔ زلزلے میں میرا سب کچھ تباہ ہوگیا۔ میرے باغات تھے۔ بڑے بڑے مکانات تھے۔ شوہر اور لڑکے تھے۔ مگر سب تباہ ہوگئے۔ اور میں دکھیا در بدر گھوم رہی ہوں۔
خیراتن کو اور اسکی بیٹی کو ان تینوں کے حال پر بڑا ترس آیا۔ [illegible] آٹا اٹھا کر بخشش ان لوگوں کو دیدیا۔ وہ عورت [illegible] آدمیوں [illegible] اتنا آٹا پا کر متعجب ہوئی۔ مگر عورت تھی۔ ان عورتوں کے خلوص میں اسکو شک ہوا۔ فوراً دور، گلی میں جا کر اس نے پوٹلی کھولی۔ جب حقیقت معلوم ہوئی تو خوب بڑبڑائی۔ کوسنے دئے، اور آٹا گلی میں ڈال کر چلتی ہوئی۔ اسکو خراب آٹے کی کیا پرواہ تھی۔ اسکی جیب میں آج کی تحصیل وصول کے روپیہ کھنک رہے تھے۔

(باقی)

خبریں

(ہندستان کے باہر)

جاپان، اور امریکہ برطانیہ و فرانس

۵ فروری کو یہ خبر ملی تھی کہ جاپان نے لندن معاہدہ کے خلاف بڑے جنگی جہاز بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس صورت میں برطانیہ فرانس اور امریکہ کو بھی بڑے جہاز بنانا پڑینگے۔

امریکہ نے جاپان کو اس مضمون کی ایک سخت تحریر بھیجی ہے کہ اگر جاپان اپنے معاہدۂ لندن پر قائم نہیں رہیگا تو متحدہ امریکہ اپنے بچاؤ کیلئے جتنے بڑے جہاز مناسب سمجھیگا بنائے گا۔ اور جاپان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جازی محکمہ کی مفصل خبریں مہیا کرے۔

ایسی ہی تحریریں برطانیہ اور فرانس نے بھی بھیجی ہیں۔

جاپان میں اس تحریک کی سخت مخالفت ہو رہی ہے۔ اور قیاس ہے کہ جاپان غیر ملکوں کو کسی طرح کی اطلاعات نہیں دیگا۔

۲ فروری۔ وزیر خارجہ نے ان تحریروں کے جواب میں کہا ہے کہ اسوقت جاپان ۔۔۔ جہاز تو نہیں بنوا رہا ہے۔ جاپانیوں کو یقین ہے کہ اسلحہ سازی کی دوڑ جاپان کے علاوہ ملکوں کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

مسٹر ایڈن نے دارالعوام میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ برطانیہ، فرانس، اور امریکہ نے بات چیت کرکے اپنے نمائندوں کو یہ مطلع کر دیا ہے کہ جب تک جاپانی حکومت انکو یہ مفصل نہ بتادے کہ وہ کتنے بڑے جہاز بنوا رہی ہے، وہ لوگ مطمئن نہ ہوں گے۔

جاپان کے وزیر جنگ جنرل سوگی یاما نے ایک بیان میں کہا ہے کہ موجودہ بین اقوامی حالات میں ضروری ہے کہ جاپان اپنی فوجی طاقت بڑھائے۔ خاصکر روس اور چین کی اسلحہ بندی کی وجہ سے۔

چین

— جنرل مانسوئی نے اعلان کیا ہے کہ ٹنٹ سن۔ نانکنگ ریلوے کے خطہ میں ایک نمایاں فتح حاصل کرلی ہے۔

ایک سرکاری اعلان میں ہے کہ چینی جو ابھی تک اس خطہ میں جاپانی فوجوں کو نانکنگ سے سوچاؤ کی طرف بڑھنے سے روک رہے تھے بشکست کھاکر بری طرح بھاگ رہے ہیں۔

جاپانیوں نے بھاگنے والوں پر بم برسائے۔

— چینیوں نے اس خبر کی تردید کی ہے۔

— چینی ہوائی جہازوں نے ۔۔۔ پر بڑی مونی جاپانی فوجوں پر بم برسائے۔ ہوا باز غیر ملکی تھے۔

بحیرۂ روم کی مار دھاڑ

مسٹر ایڈن نے بتایا ہے کہ اب سے برطانیہ اپنی بحری تجارت کی نگرانی زیادہ مستعدی سے کرے گی۔ نائنس کانفرنس نے بحر روم کا جو خطہ نگرانی کیلئے برطانیہ کے ذمہ کیا تھا اس کی طاقت بڑھادی جائے گی، اور آئندہ سے اس خطہ میں جو آبدوز نظر آئے گی، وہ مجرم سمجھی جائے گی۔

قیاس ہے کہ یہ مار دھاڑ اسپینی حکومت اور فرانکو کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اسی لئے دونوں کو برطانیہ کے اس ارادے کی اطلاع دیدی گئی ہے اور دونوں کو ہوشیار کر دیا گیا ہے۔

— برطانیہ کے خاص بیڑے کا ایک حصہ نگرانی کیلئے بحر روم میں پہونچ گیا ہے۔ اسوقت وہاں ۵۴ غارتگر جہاز ہیں۔ اور بعض بالکل جدید طرز کے جہاز ہیں۔

— اس ارادے کی اطلاع فرانس اور اٹلی اور دوسری طاقتوں کو جو نائنس کانفرنس میں شریک تھیں دیدی گئی ہے۔ امریکہ نے اسکی تائید کی ہے۔

— فرانس اور اٹلی اپنے ان خطوں میں جو نائنس کانفرنس نے حفاظت کیلئے انکے حوالے کئے تھے، اس قسم کی احتیاطیں کرنے کیلئے تیار ہیں۔

فرانس اور برطانیہ

برطانوی ملک معظم مع ملکہ کے ۲۸ جون سے یکم جولائی تک فرانس میں رہینگے۔ برطانیہ اور فرانس کی دوستی کو یوں مضبوط کیا جائے گا۔

عدن کی بمباری۔ اورمس بائی گور نے دارالعوام میں عدن کی بمباری کی صفائی یوں پیش کی۔

ان خبروں کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اسکے برخلاف اب قبیلوں میں میل ملاپ بڑھ رہا ہے۔

تین پچھلے برسوں میں جھگڑالو قبیلوں کے خلاف بمباری کی ضرورت پڑی تھی لیکن یہ کام اسوقت کیا گیا جب اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس سے جانوں کو بہت کم نقصان پہونچا۔ کیونکہ پہلے سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہاں کے رہنے والے ہٹ جائیں۔

اسپین

باغیوں کی ایک لاسلکی خبر ہے۔ ٹرول کے شمال میں ۲۰ گھنٹہ تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ اس میں ستر ہزار اسپینی حکومت کے سپاہی گرفتار ہوئے۔ اور تین میل کا رقبہ فتح ہوا۔

— بارسلونا پر ہوائی حملہ ہوا۔ زخمیوں میں بچوں کی تعداد بہت ہے۔

بارسلونا کے میر کا بیان ہے۔

۱۳ فروری ۳۶ء سے اب تک ۲۰۴۳ لوگ مارے گئے یا بری طرح زخمی ہوئے۔ اس میں زیادہ تر عورتیں اور بچے ہیں۔

کل ۲۳ بمباریاں ہوئیں ۵۲۸ بم گرائے گئے۔ ۸۰۴ مکان برباد ہوئے۔

ہری پورہ

دنیا کی ——— بڑی جماعت

کانگریس کے جنرل سکریٹری اچاریہ کرپلانی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں کانگریس کی دولائی کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کانگریس روز بروز طاقتور ہوتی جارہی ہے چنانچہ اس سال اسکے ممبروں کی تعداد تیس لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ دنیا کی کسی جماعت میں آج تک اتنے ممبر نہیں ہوئے۔ روس کی کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں کی تعداد بھی اتنی نہیں ہے۔

"جب کانگریس پر بندشیں عائد کردیجاتی ہیں اور اسکی تحریک کو روکا جاتا ہے تو لڑائی کی کشمکش کی وجہ سے ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ختم ہوگئی ہے لیکن لڑائی رکتے ہی کانگریس پھر طاقت پکڑلیتی ہے۔"

کسان تحریک کے متعلق انھوں نے بمبئی کی ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے۔ "یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا۔ ہمیں کوئی ایسا طریق کار نکالنا ہے جسمیں کانگریس اور کسانوں اور مزدوروں کی جماعتیں سب ملجل کر چلیں۔ ہمارے مقاصد یکساں ہیں اور اگر ہمکو ایک دوسرے کی مخالفت کرکے اپنا کل کام خراب کرنا اور ایک تیسری جماعت کو مضبوط بنانا منظور نہیں ہے تو ایسا طریق کار نکالنا بہت ضروری ہے۔"

صدر کا جلوس۔ کانگریس کے صدر مسٹر سوبھاش چندر بوس ۱۳ر فروری کو بردولی پہنچے جہاں سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مجلس استقبالیہ کے صدر و سکریٹری نے آپکا استقبال کیا اسکے بعد آپ ستیہ گرہ آشرم گئے اور وہاں سے موٹر پر ہری پورہ گئے۔ ہری پورہ سے ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ یہاں سے وٹھل نگر تک سڑک کے دونوں طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ صدر کی رتھ جسکو اکیاون بیل کھینچتے تھے خوب آراستہ تھی اور ہر جنبش پر گھونگروں کی سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس رتھ کے پیچھے ۲ بیل گاڑیاں اور تھیں جنمیں مجلس استقبالیہ کے راکین تھے۔ بینڈ برابر بج رہا تھا اور ہر طرف سے "سوبھاش بوس کی جے" کی منظم اور ملی ہوئی آوازیں آرہی تھیں۔ وٹھل نگر کے قریب راستہ کے دونوں طرف مستعد رضا کار کھڑے تھے اور انکے پیچھے ایک لاکھ سے زیادہ کسان تھے۔ مجمع بالکل پرامن رہا اور رضاکاروں کو کوئی دقت نہیں ہوئی۔ تمام راستہ میں خوبصورت پھاٹک لگے ہوئے تھے۔ صدر کا رتھ ساڑھے سات بجے کیمپ پہنچا جہاں ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے آپ کا استقبال کیا۔

رتھبان۔ صدر کی رتھ بانی جیتا بھائی بھیکھا بھائی نے کی۔ جیتا بھائی سول نافرمانی کے زمانہ کے بعد سے بڑودہ چلے گئے تھے اور انھوں نے عہد کرلیا تھا کہ وہ برطانوی مقبوضات میں قدم نہ رکھیں گے لیکن مہاتما گاندھی نے ملک کی بدلی ہوئی فضا کے خیال سے انسے واپس آنے کی درخواست کی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل نے خود بڑودہ جاکر ان کو واپس آنے پر مجبور کیا چنانچہ انھوں نے اب اپنا عہد توڑ دیا ہے۔

ورکنگ کمیٹی۔ ۱۴ر فروری کو پنڈت جواہر لال نہرو کی زیر صدارت ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جسمیں وارد ھا کمیٹی کے بعد کے حالات پر اور خاص کر بھوک ہڑتال اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر اس پر متفق ہیں کہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کیلئے کانگریسی وزارتیں تمام امکانی کوششیں کریں۔ اکثریت کی رائے ہے کہ ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے عدم تشدد کی فضا خراب ہو جائے۔ لیکن مسٹر سوبھاش چندر بوس کی قیادت میں بائیں بازو کے لوگ اسپر زور دے رہے ہیں کہ اسکو وزارتوں اور گورنروں کے درمیان ایک سارے ملک کا مسئلہ بنا دیا جائے۔

مہاتما گاندھی اور وزیروں سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی آخری رائے قائم کی جائیگی۔

جنرل سکریٹری۔ خبر ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے تمام اراکین متفقہ طور پر پنڈت جواہر لال سے درخواست کریں گے کہ وہ کانگریس کے جنرل سکریٹری کا عہدہ قبول کرلیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ مہاتما گاندھی کی بھی خواہش ہے کہ پنڈت جی کانگریس سکریٹریٹ کا کام دیکھیں اور اسی لئے انکو یہ نیا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

مزدور

ناگپور کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں کی نمائندہ کونسل کا ۱۱ر فروری کو ایک جلسہ ہوا جسمیں طے پایا کہ اگر مزدوروں کے مطالبات تسلیم نہ کرلئے گئے تو وہ مل مالکوں اور کانگریسی وزیروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے ۱۲ر فروری سے دھرنا ہڑتال شروع کردینگے۔ مطالبات یہ ہیں۔

۱۔ مزدوری میں جو تخفیف کی گئی ہے وہ پوری کیجائے۔

۲۔ بنائی کے محکمہ میں ایک ۔بی۔ کر گے کا طریقہ واپس لیا جائے۔

۳۔ تمام نئے مزدوروں اورات کو کام کرنے والوں کی کم سے کم تنخواہ ۱۵ روپیہ کردیجائے۔

۴۔ ٹریڈ یونین کو تسلیم کرلیا جائے۔

مدراس کی حکومت نے چو لیا ٹکسٹائل ملس کے منتظمین اور مزدوروں کے باہمی جھگڑے طے کرنے کیلئے ایک بورڈ مقرر کیا ہے۔ لیبر منسٹر مسٹر گری نے بھی مزدوروں اور مل مالکوں کے نمائندوں سے بات چیت کی لیکن ابھی تک کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکا ہے جھگڑے کی وجہ مزدوری میں تخفیف اور عام سختی بتائی جاتی ہے۔

مرکزی اسمبلی

۱۴ر فروری کو مرکزی اسمبلی میں سر ٹامس اسٹوورٹ نے ریلوے بجٹ پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ پچھلے سال سر محمد ظفر اللہ نے ۳۸-۱۹۳۷ء کے بابت یہ اندازہ لگایا تھا کہ کل آمدنی ۹۲ کرور اور کل خرچ ۶۲ ¼ کرور ہوگا۔ اس طرح انھوں نے ۲۹ ¾ کرور منافع کا اندازہ کیا تھا جسمیں سے سود کے لیے ۲۹ ½ کرور نکال کر ۱۵ لاکھ کی بچت ہوتی تھی لیکن اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کل آمدنی ۹۵ ½ کرور خرچ ۶۳ ¼ کرور اور منافع ۳۲ کرور ہوگا جسمیں سے سود کی رقم نکال کر ۲ ¼ کرور کی بچت ہوگی۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوے انھوں نے کہا جیسا کہ سر ظفر اللہ کا خیال تھا مسافروں کی تعداد پہلے سے بڑھ گئی چنانچہ شروع کے سات مہینوں میں نمبر ا کی تمام ریلوں پر مسافروں کی تعداد پچھلے سال سے تقریباً نو فی صدی بڑھ گئی۔ اور مسافرت میں دس فی صدی کا اضافہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ لانے اور لے جانے کے دیگر سامان میں نو فی صدی کی ترقی ہوئی اور فاصلہ میں بھی چودہ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ فی ٹن ۲۰۴ میل کا اوسط رہا۔ خرچ کے بڑھ جانے کی وجہ بیان کرتے ہوے انھوں نے کہا کہ کوئلہ کی قیمت بڑھ گئی ہے اور اس کے علاوہ زیادہ نقل و حرکت کیلئے زیادہ سامان کی بھی ضرورت ہے گاڑیوں کو زیادہ آرام دہ بنانے اور انجنوں کی مرمت کرانے میں بھی کچھ رقم لگیگی ۳۹-۱۹۳۸ء کی بابت پیشین گوئی کرتے ہوے سر اسٹوورٹ نے کہا کہ ابھی سے کوئی مستقل رائے قائم کرنا مشکل ہے کیونکہ دسمبر اور جنوری ہی کی آمدنی پچھلے سال کے مقابلے میں ۱ ¼ کرور کم ہوگئی ہے تاہم انھوں نے امید ظاہر کی کہ مسافروں کے ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ جتنی اب ہے اس سے کم نہ ہوگی

اس کے علاوہ دیگر اشیا مثلاً روئی جو غیر فائدہ بخش قیمت کی وجہ سے اس سال رکی رہیں آئندہ سال بڑھ جائیں گی۔ ان تمام حالات کے پیش نظر آئندہ سال یعنی ۳۹-۱۹۳۸ء میں باربرداری کے ذریعہ ۹۴ ½ کروڑ کی آمدنی کی توقع کی جاتی ہے اسکے علاوہ دوسرے ذرائع سے ½ کروڑ کی اور امید ہے خرچ میں اس سال کی بہ نسبت ½ کی زیادتی ہو جائیگی اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئلہ اور دوسری اشیاء کی قیمت بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اور سود کی رقم نکالکر ۲ ½ کرور کی بچت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

ریل اور موٹر کے جھگڑے کی بابت سر ٹامس اسٹورٹ نے کہا کہ وہ موٹروں کے فوائد محسوس کرتے ہیں لیکن حکومت خاموشی سے ساڑھے سات کرور سے زیادہ کی مالیت کی قومی جائداد کو بے جا مقابلہ سے تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

انھوں نے بتایا کہ کلکتہ میں ایک خاص افسر مقرر کیا گیا ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ ریلوے منتظمین اور کام کرنے والوں میں خوشگوار تعلقات قائم رکھے اور ان کے جھگڑوں کو طے کرے۔

دو کانگرسی وزارتوں نے استعفا دیدیا

یوپی میں ابھی بیس سیاسی قیدی ہیں۔ جن میں پندرہ اسی صوبہ کے ہیں اور پانچ دوسرے صوبوں کے۔ وزیر اعظم پنڈت پنتھ اور گورنر میں ان کی رہائی پر اختلاف ہو گیا کانگرسی وزارت کی فرمائش تھی کہ سیاسی قیدیوں کو عام معافی نامہ دیدیا جائے مگر گورنر کہتا تھا کہ ان کے مقدموں پر از سر نو غور کیا جائے۔

وزیر اعظم نے ہری پورہ ٹیلیفون کیا، اور صدر کانگرس سے بات چیت کرکے فیصلہ کرلیا۔ ۱۶ جنوری کو استعفا داخل کردیا۔

بہار میں بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہاں کی کانگرسی وزارت نے بھی استعفا دیدیا بہار کے وزیر اعظم سری کرشن سنہا کا بیان ہے کہ جب سے میں نے وزارت قبول کی ہے سیاسی قیدیوں کی رہائی پر برابر گورنر سے بات چیت ہوتی رہی۔ جب بات چیت سے کوئی نتیجہ نکلتے نہیں دیکھا تو انکی رہائی کا حکمنامہ بھیجا جس کو گورنر نے اپنے اختیار سے روک لیا۔ اس صورت میں استعفا کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا خبرنامہ

رابطۂ عوام۔ کیمبل پور کا ضلع یونیٹ پارٹی کا مرکز ہے۔ پچھلے مہینے سے وہاں رابطۂ عوام کے سلسلہ میں ہمارے لوگوں نے خوب کام کیا ہے۔ کانگرس کمیٹیاں اور کسان سبھائیں بنائی ہیں۔ فروری کے آخر میں گوجرانوالہ گوجرخاں میں ایک سیاسی کانفرنس پارٹی کی طرف سے کیجا رہی ہے۔ اور طبقہ وار تنظیم میں بھی بہت کامیابی ہورہی ہے۔

کسان تحریک۔ سوشلسٹ پارٹی کے کسان شعبہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں بیحد مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ ہمارے کارکن ضلع وار کمیٹیاں بنا رہے ہیں۔ جالندھر ہوشیارپور، لائلپور، امرتسر کے اضلاع میں کسان سبھائیں قریب بن چکی ہیں۔ جہاں کسان کانفرنس کی جارہی ہیں تاکہ طبقہ وار تنظیم ہوسکے اور لوگوں میں احساس پیدا ہو۔

مزدور تحریک۔ دھاریوال میں ایک کانفرنس فروری کے آخر میں بلائی جارہی ہے۔ پروپیگنڈے کیلئے گاؤں گاؤں میں دورے کئے جارہے ہیں۔ قوی امید ہے کہ کانفرنس بیحد کامیاب ہوگی۔ راولپنڈی میں "بھنگیوں کی یونین" اور میونسپلٹی کے درمیان نزاع پیدا ہو رہی ہے۔ بھنگیوں کا مطالبہ ہے کہ چند بھنگی جو نکالدئے گئے تھے۔ انھیں دوبارہ بحال کیا جائے۔ اگر یونین کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو بھنگیوں کی طرف سے جلد ہی ایک عام ہڑتال کردی جائے گی۔

آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کی کانفرنس۔ باوجود تمام مصروفیتوں کے پارٹی کی کانفرنس کیلئے بڑے پیمانہ پر تیاریاں کی جارہی ہیں۔ وفود شہر بشہر قریہ بقریہ کانفرنس کی فراہمی کے لئے دورہ کررہے ہیں۔ عوام میں کانفرنس کو مقبول بنانے کیلئے جلسے کئے جارہے ہیں پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور پنجاب کسان سبھا دونوں کی مجالس عاملہ کے جلسے لاہور میں بریڈلا ہال میں ۸ فروری کو ہورہے ہیں۔ جسمیں آئندہ کیلئے پروگرام مرتب کیا جائے گا۔

آئندہ کیلئے پروگرام۔ آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کانفرنس۔ سیاسی قیدی چھڑاؤ کانفرنس اور پنجاب کسان ڈلیگیٹ کانفرنس۔ یہ تینوں کانفرنسیں مارچ کے تیسرے ہفتہ میں لاہور میں ہونگی۔ ۱۸ مارچ کو ایک بہت بڑا جلوس جو طالبعلموں مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہوگا، ریلوے اسٹیشن سے پنڈال تک جاویگا۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسمیں ایک لاکھ کے قریب لوگ شرکت کریں گے۔ آل انڈیا کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے اجلاس کی تاریخیں ۱۹ اور ۲۰ مارچ مقرر ہوئی ہیں۔ سیاسی قیدی چھڑاؤ کانفرنس ۲۰، ۲۱ کو زیر صدارت مولانا عبدالرحیم پوپلزئی منعقد ہوگی۔ کسان کانفرنس کا اجلاس ۲۳ مارچ کو ہوگا۔ ۲۴ مارچ کو ایک مظاہرہ ہوگا۔ جس میں سوشلسٹ، طلبا، کسان، مزدور سبھی لوگ مل کر شریک ہوں گے۔

جنرل سکریٹری۔

(باقی صفحہ ۸)

کسی ایوان میں پیش نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس کے پیش کرنیکی گورنر جنرل اپنے اختیار تمیزی سے پیشگی منظوری نہ دے دیں

دفعہ (۱۴۲) میں ہدایت ہے کہ فیڈریشن کی آمدنی میں سے ایسی رقوم جنھیں ملک معظم با جلاس کونسل مقرر کریں ایسے صوبوں کو سالانہ امداد کے طور پر دی جائیں جن کے متعلق ملک معظم یہ فیصلہ کریں کہ انہیں مدد کی ضرورت ہے اور اس ذیل میں مختلف صوبوں کے لیے مختلف رقمیں مقرر کی جاسکتی ہیں

لیکن شرط یہ ہے کہ سوائے سرحدی صوبہ کے کسی دوسرے صوبہ کی امداد میں اس وقت تک اضافہ نہیں کیا جائے گا جب تک فیڈرل مجلس قانون ساز کے دونوں ایوان اس اضافہ کے واسطے گورنر جنرل کے سامنے ملک معظم کی خدمت میں پہنچانے کے لئے ایڈریس پیش نہ کریں گے۔

اطلاع عام بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۵ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب ابو گاب چندر سرپال اسپشل جج صاحب بہادر درجہ اول

مقام رائے بریلی

مقدمہ نمبری نمبر ۱۳ سنہ ۱۹۳۶ء — پیشی یکم اگست ۱۹۳۶ء

سید ضامن حسین ولد سید علی حسین ساکن احاطہ خانقاہ سلون پرگنہ سلون ضلع رائے بریلی — قرضدار سائل

بنام

بی بی آمنہ خاتون وغیرہ — قرضدار فریق ثانی

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی

نمبر سلسلہ وار	ضلع	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	رائے بریلی	حق اعلیٰ	[illegible]	[illegible]	ماہسگہ [illegible]	[illegible]	
۲	"	معافی	موضع [illegible] پرگنہ سلون ضلع رائے بریلی	"	[illegible]	[illegible]	مالگذاری [illegible]
۳	"	ماتحتی	ایضاً	نصف	[illegible]		
۴	[illegible]	حق اعلیٰ	[illegible]	۶ر	[illegible]	ال ابواب [illegible]	مالگذاری [illegible]
۵	"	ماتحتی	[illegible]	۲ر۳	[illegible] ۱۵	ال ابواب [illegible]	مالگذاری معاف
۶	رائے بریلی	باغ [illegible]	[illegible] پرگنہ سلون	مسلم	[illegible]		
۷	"	باغ بی بی [illegible]	ایضاً	۹ر	.	.	.
۸	"	باغ [illegible]	علاقہ پرگنہ سلون	۱ر۲	.	.	.
۹	"	باغ [illegible]	[illegible]	۱ر۳	.	.	.
۱۰	"	باغ [illegible]		۱ر۳	.	.	.
۱۱	"	باغ	ایضاً	۲ر۳			

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو استثنا حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے

نمبر سلسلہ وار	نوعیت جائداد	وسعت حیثیت درخواست دہندہ	کیفیت
۱	پارچہ استعمالی	۵ر	
۲	ظروف استعمالی	۵ر	
۳	چارپائی استعمالی		
	خورد و کلاں ۸ عدد	۸ر	
۴	اسٹیل بکس ۴ عدد	۴ر	
۵	صندوق چوبی ایک	۲ر	
۶	پرچرمی ۳	۲ر	
۷	رسہ ۳	۲ر	
۸	ہل چوبی معدلوہا ۳	۲ر	
۹	متفرقات سامان گھر	۲ر	

چونکہ سید ضامن حسین ولد سید علی حسین ساکن احاطہ خانقاہ سلون پرگنہ سلون ضلع رائے بریلی کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۸ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ متضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دی جاتی ہے کہ جس جائداد کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے وہ درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائل مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔ اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲۹ ماہ جنوری ۱۹۳۷ء جاری ہوا۔

دستخط حاکم — مہر عدالت

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری اڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام چودھری محمد رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۲ ... روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

کانگرس کے سالانہ جلاس کی کارروائی

جلد ۲ نمبر ۹ | لاہور ۲۷ فروری ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ا ر سالانہ ۳ ر

یو۔ پی اور بہار کی سیاسی گتھی بین اقوامی سیاست کی شاخ ہے

یو۔ پی اور بہار کے گورنروں نے سیاسی قیدیوں کو بلا شرط آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو صوبوں میں سیاسی گتھی پڑ گئی۔ اس حرکت کی عجیب عجیب صفائیاں پیش کی گئی ہیں۔ وہ لوگ بغاوت کے مجرم تھے۔ انکا چھوڑنا اصول کے خلاف ہے اگر انکو چھوڑ دیا گیا تو قانون کا ڈر پبلک کی نگاہوں سے نکل جائیگا۔ اب تک کانگرسی وزارتوں نے نہ معلوم کتنے بغاوت کے مجرم رہا کر دئے اسوقت اصول کا سوال نہیں تھا؟ ڈی ولیرا جنکی آجکل انگلستان میں پوچھ گچھ ہے اور گاندھی جی بغاوت کے جرم میں سزا پا چکے ہیں جب برطانوی نمائندے ان سے بات چیت کرتے ہیں تو اسوقت "قانونی ڈر" کا سوال نہیں اٹھتا۔ گورنر ایک ایک قیدی کی سزا پر نظر ثانی کر کے انکو رہا کرنے کو تیار ہے۔ قانون کا فیصلہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ یوں عدالت کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟

ایک عذر یہ ہے کہ ان خطرناک قیدیوں کے چھوٹ جانے سے ملک میں ہنگامہ کا ڈر ہے۔ یہ بھی عذر عجیب ہے۔ چند مہینوں کے بعد یہ قیدی خود بخود چھوٹ جائینگے۔ اسکے علاوہ ایسے ہی کئی قیدی چھوٹ چکے ہیں اور کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امن کی ذمہ دار وزارت ہے۔ اگر بد امنی ہوگی تو وہ قیدی پھر گرفتار کر لئے جائینگے۔

اخبارات وجہ بتاتے ہیں کہ اگر یہاں کے قیدی چھوڑ دئے گئے تو بنگال میں کانگرس کو ہنگامہ کرنیکا موقع مل جائیگا۔ یہ بات اسوقت سننے والی ہوتی جب قیدیوں کے رہا نہ کرنے پر ہنگامہ کا ڈر ہوتا۔ اب تو اور بڑے ہنگامہ کا کھٹکا ہے۔ رہا بنگال کا تو وہاں ایسے بھی کانگرس ہنگامہ اٹھائے گی۔ اودھ بھی

پانیر اور اسٹیٹس مین کو یہ حیرت ہے کہ کانگرسی وزیروں نے اس ذرا سے مسئلہ کی خاطر اپنا زرعی، تعلیمی، مزدوری پروگرام سب کا سب چھوڑ دیا۔ انھوں نے سخت غلطی کی۔ مگر گورنروں نے اس ذرا سے مسئلہ کیلئے یہ غلطی کیوں کی؟ ہم لکھ چکے ہیں کہ کانگرسی وزارت کی پوزیشن بہت نازک ہو گئی تھی۔ انہیں ایسا کرنا ضروری تھا۔ لیکن گورنر نے یہ کیوں کیا؟ یہ سوال خاص سوال ہے۔

اب برطانیہ وہ برطانیہ نہیں۔ جو چند مہینہ ادھر تھی۔ اسوقت برطانیہ بین اقوامی خطروں میں گھری ہوئی تھی۔ بحیرۂ روم کی ار دھاڑ، جاپان کا برطانوی تجارت کو دھمکیاں دینا۔ جاپانی حملہ کا ڈر فلسطین اور مصر میں اٹلی کی دخل اندازی سے بدامنی کا اندیشہ۔ یورپ میں ہر وقت لڑائی چھڑنے کا ڈر یعنی برطانیہ پر چو طرفہ سے حملہ ہو رہا تھا۔ اور عالمگیر جنگ کا کھٹکا لگا تھا۔ اس حالت میں اسے ہندستان کا تعاون جس قیمت پر بھی ملے، حاصل کرنا تھا۔ اس نے کانگرس سے سمجھوتا کیا۔ اور فیڈریشن کی کوششیں شروع کر دیں۔

یورپ میں ایک طرف فسطائی طاقتیں جرمنی، اٹلی۔ اور باغی اسپین تھا۔ دوسری طرف کمیونسٹی حکومت روس۔ اور متحدہ محاذی حکومت فرانس تھی۔ برطانیہ نے اپنا رویہ گول گول رکھا جب فسطائی طاقتوں نے بہت شور مچایا تو برطانیہ نے لارڈ ہیلی فیکس کو جرمنی سے بات چیت کرنے کو بھیجا۔ گویا کہ یہ طے ہو گیا کہ جرمنی یورپ کی مشرقی ریاستوں کو اگر دبائے تو برطانیہ دخل نہیں دے گی۔

جرمنی نے رومانیا کو تو ملا لیا اور حال ہی میں فوجی دباؤ ڈال کر اسٹریا کو مجبور کیا کہ جرمنی کے دوستوں کو حکومت کے بڑے بڑے اختیارات دیدے۔ اسٹریا کو

دبنا پڑا۔ گویا کہ جرمنی اور اٹلی نے یورپ کی سیاست جیت لی۔

اب برطانیہ کیلئے دو راستے تھے۔ ایک تو جرمنی اور اٹلی کی دوستی۔ یہ دوستی دب کر ہوگی۔ اور برطانیہ جرمنی اور اٹلی کی کلکن بن جائے گی۔ یورپ کی سیاسیات میں انکی مرضی کا پابند بننا پڑے گا جس سے آگے چلکر بڑے بڑے نقصان پہنچنے کا ڈر ہے۔ دوسرے فرانس اور روس کی دوستی۔ اس میں موجودہ خطروں سے نجات نہیں ہوتی تھی اور عالمگیر جنگ کا ڈھڑکا لگا تھا۔ ایڈن دوسری پالیسی کا حامی تھا۔ مگر چیمبرلین کو وہ زیادہ خطرناک نظر آتی تھی۔ اس لئے پہلی پالیسی پر عمل کیا گیا۔ ایڈن کو استعفا دینا پڑا۔

بحیرۂ روم کی مار دھاڑ سے مصر، فلسطین اور عربی مقبوضات میں اٹلی کی شرارتوں سے۔ جاپان کی دھمکیوں سے نجات مل گئی۔ اب برطانیہ ہندستان میں کانگریس سے کیوں دبے؟ قیدیوں کے رہا کر دینے سے عوام کو خیال ہونے لگتا ہے کہ واقعی کچھ نہ کچھ راج ہکو مل گیا۔ اور جہاں راج کا کوئی ٹکڑا عوام میں آگیا پھر چھیننا ناممکن ہو جاتا ہے۔ برطانیہ اب ایسی بات کیوں منظور کرے۔ اگر منظور کرینگے تو اس طرح کہ میرا ہی عطیہ ہے۔ گورنروں کے رویہ کی تبدیلی۔ اور ایڈن کا استعفا ایک درخت کی دو شاخیں ہیں۔

ستیہ گرہ

سوبھاش چندر بوس نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا ہے: "ستیہ گرہ مغلوبہ بچاؤ نہیں بلکہ حملہ آور بچاؤ ہے۔" سول نافرمانی کے زمانہ کا قصہ ہے۔ والنٹیروں کا ایک جتھا نمک بنانے لگا جب نمک تیاری پر آیا، پولیس نے کڑھائی چھیننا چاہی۔ والنٹیر پانڈہ اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔ پہلے تو پولیس والوں نے انکو گھسیٹا، دھکے دئے، اور پھر ڈنڈے برسانے لگے۔ بہادر والنٹیر اس سے ذرا نہیں گھبرائے، اور ویسے ہی بیٹھے زخم کھاتے رہے۔ کھاتے رہے۔ پھر زخمی ہو ہو کر ایک ایک گرنے لگا۔ جو گرا پولیس کے ہاتھ آگیا۔ انکا زور توڑ کر فتحیاب پولیس نے کڑھائی کی طرف قدم بڑھایا۔ اسوقت ایک نوجوان والنٹیر نے دہکتی کڑھائی دونوں ہاتھوں سے لپٹالی۔ چہرہ، ہاتھ اور سینے کا گوشت جلا اور کڑھائی اسوقت پولیس کے قبضہ میں آئی جب منچلا ہیرو بیہوش ہو کر گر گیا۔

تماشائیوں کے ٹھٹ پر ٹھٹ لگے تھے۔ پولیس والوں نے ہزار کوشش کی، لیکن انکو نہ ہٹا سکے۔ والنٹیروں کی ستیہ گرہ کا تماشائیوں پر کیا اثر پڑا ہوگا؟ پولیس پر کیا اثر پڑا ہوگا؟

تماشا اس رخ سے سامنے آتا ہے۔ کہ پولیس والے ڈنڈوں پر ڈنڈے برسا رہے ہیں۔ مگر کچھ دھن کے پکے والنٹیر ہیں جو اس بارش پر چوں نہیں کرتے۔ کیوں؟ ایک ذرا سے نمک کی خاطر۔

تماشائیوں میں دو طرح کے لوگ ہونگے۔ ایک تو وہ جو ہمیشہ حکومت کرتے رہے ہیں، اور دوسروں کو دباتے اور پیٹتے رہے ہیں۔ زندگی میں ایسا کم ہوا کہ انھوں نے اپنے کو، یا کسی اپنے قریبی دوست یا عزیز کو مظلوم پایا ہو۔ اس نظارے کو دیکھ کر انکے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ کیسے ذلیل ہیں یہ لوگ جو یوں مار کھا رہے ہیں۔ اور مار و ہیں اسی قابل۔ مگر مظلوم ہندستان میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہے۔ دوسرے لوگ جو دبائے گئے ہیں۔ خود پٹتے ہیں۔ اور اپنے ماں باپ کو پٹتے دیکھا ہے۔ مگر بے بس تھے۔ خون کے گھونٹ پی پی بیٹھ رہے۔ جب کسی کو پٹتے دیکھتے ہیں تو انکو اپنی مار یاد آجاتی ہے۔ اور یہ جذبہ اٹھتا ہے اگر ایسے ہی مانا ہے تو آؤ ہمکو بھی لو۔ ہندستان ایسے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔

ایک ذرا سے نمک کی خاطر یہ مار! یہ سوال جب دل میں اٹھتا ہے تو پھر بھلایا نہیں بھولتا۔ جی تڑپتا ہے اسے بوجھنے کیلئے۔ اور یہی سوال جیا جیا کھلتا جاتا ہے، آزادی، غلامی، کا فرق آدمی سمجھتا جاتا ہے۔ پہلی سے محبت اور دوسری سے نفرت اسکے دل میں اپنے لگتی ہے۔ اگر دل میں امنگ باقی ہے تو پھر وہ بھی میدان میں آجاتا ہے۔ پولیس والے بھی آدمی ہوتے ہیں اپنے بھائیوں پر ستم توڑتے ہیں اور اسکے عوض پندرہ روپیہ ماہوار لیتے ہیں جس سے انکے بیوی بچوں کا پیٹ ملتا ہے۔ ڈنڈے نہ برسائیں تو کھائیں کیسے؟ یہ وہ زندگی ہے جو آدمی کو مظلوموں سے دور پھینک دیتی ہے۔ یہ غیروں کو بھی ستاتے ہیں اور آپس کے لوگوں کو بھی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انکے رشتے ستائے لوگوں کے دوست ہوتے ہیں۔ وہ انکار، دکھ محسوس کر لیتے ہیں۔ اور پھر اپنے باپ کی جلادی سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

اکثر پولیس والے جب مار کر آتے ہیں تو اپنی حرکتوں پر پچھتاتے ہیں۔ اور اپنی مجبوریاں بیان کرتے ہیں یہ بات انکے بچوں میں انقلابی جراثیم پیدا کرتی ہے۔

ستیہ گرہ وہ ہتھیار ہے جو اپنوں میں ایکا پیدا کرتی ہے۔ اور دشمنوں کی فوج کو دن بدن کمزور کرتی جاتی ہے۔ ایسی چیز مغلوبہ بچاؤ ہے کہ حملہ آور بچاؤ؟ یہ ہتھیار کب تک اسی طرح کام دے جائے گا؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ ملک کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ہندستان اس ہتھیار سے برطانیہ پر فتح پا رہا ہے لیکن اگر یہی ہتھیار چین استعمال کرنے لگے تو جاپان کی بن آئے۔ وہ بہت اطمینان سے وہاں کی بازار اور کچے مال پر قبضہ کرے۔ اور پھر "امن و انصاف" سے حکومت کرنے لگے۔ وہاں کے عوام سمجھ بھی نہ سکیں گے کہ کیا ہو گیا

کسان سبھائیں اور دوسری سبھائیں

سوبھاش چندر بوس نے کہا ہے۔ کہ سبھائیں ایک تاریخی مانگ کو پورا کر رہی ہیں ہم ان کو نظر انداز کر کے یا بڑا بھلا کہکر نہیں ختم کر سکتے۔"

کسان سبھاؤں کے مخالفین یہ کہتے ہیں۔

۱۔ یہ جماعتیں صرف چند لوگوں نے نام و نمود کی خاطر کھڑی کر رکھی ہیں۔ یہی اعتراض کانگرس پر بھی ہو سکتا ہے، کہ اس کو چند لیڈروں نے بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔

۲۔ کسانوں کی مانگیں بجا ہیں، لیکن ان مانگوں کے لئے انکو کانگرس میں آکر رہنا چاہئے، نہ کہ علیحدہ جماعت بنا کر۔ کیا ان مانگوں کے لئے کانگرس میں آکر اسی آزادی سے لڑا جا سکتا ہے جیسے الگ جماعتیں بنا کر؟ کانگرس عوام کا بھلا چاہتی ہے مگر اصل میں وہ ہے مرکب اور دشمن جماعت۔ اس میں زمیندار بھی شریک ہے اور کاشتکار بھی۔ کاشتکار کی جتنی مانگیں ہیں سب کی سب زمیندار دشمن ہیں۔ اس کے لئے زمیندار سے لڑنا ہے۔ اور یہ لڑائی الگ جماعت بنا کر اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ یا مشترکہ جماعت میں آکر؟

۳ - ان اعتراضوں سے بھاگنے کے لئے کچھ کسان سبھاؤں کے مخالفین کہتے ہیں کہ کاشتکار اور زمیندار میں اختلاف ہی نہیں یہ تو مائی باپ یا بھائی بھائی ہیں - ملک کے انتظام میں دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں - پھر برطانیہ کیا غلط کہتی ہے - برطانوی راج اور ہندستانیوں کے نفعوں میں کوئی اختلاف ہی نہیں دنیا کی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کو دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں -

کانگریس کیوں بنی تھی ؟ اور اب تک کیوں زندہ ہے ؟ اس لئے کہ برطانوی سرمایہ داروں نے یہاں کے ذرائع آمدنی کو اس طرح پھانس لیا تھا کہ ہندستانی سرمایہ داروں کے لئے سب راہیں بند ہوگئیں تھیں - اوسط طبقہ بھی جس میں چھوٹے تاجر، کلرک، انجینیر وغیرہ ہوتے ہیں، اپنے سرمایہ داروں کے جکڑ جانے سے غریب ہو رہا تھا دونوں کی مشترکہ دشمن برطانوی تجارت تھی - اس لئے دونوں ساتھ ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوگئے - تاریخ برطانوی راج لائی اور برطانوی راج نے کانگرس کے اسباب پیدا کئے -

ایسے ہی سببوں نے کسان سبھاؤں اور مزدور سبھاؤں کو پیدا کیا کسان اور مزدور بیحد غریب ہیں - اور ان کا بڑا حصہ بیکار بھی ہے - اُن کے روزگار پر، ان کی آمدنیوں پر پہلا چھاپا زمیندار اور کارخانے دار مارتا ہے - انکی ترقیوں میں پہلی رکاوٹ زمیندار اور کارخانے دار ڈالتا ہے - اگر انگریزی راج نے کانگرس پیدا کی - تو سرمایہ داری اور زمینداری نے مزدور سبھائیں اور کسان سبھائیں - کسان انگریز کو کم جانتا ہے - مگر زمیندار کو خوب - سامراج کو کم جانتا ہے، مگر زمینداری کو خوب - اس کے نزدیک زمیندار سے لڑنا ضرورت زندگی ہے مگر سامراج سے کرنا عیش طبع کہا جاتا ہے کہ کسان اور مزدور اپنی کملی اور ستو میں خوش رہتا ہے یا رہ سکتا ہے -

اگر کسان و مزدور کملی اور ستو میں خوش رہ سکتا ہے تو اوسط طبقہ بھی اپنی دال روٹی میں سرمایہ دار اپنے پلاؤ زردے میں خوش رہ سکتا ہے پھر یہ سیاسی جھگڑے - سول نافرمانی - جیل خانوں کی سیریں کیوں ہیں ؟

اگر کسان اور مزدور کو کملی اور ستو، اوسط طبقہ کو دال روٹی، اور سرمایہ دار کو پلاؤ زردہ پابندی سے، بلا رکاوٹ ملتا جائے تو شاید سارا ملک مطمئن نظر آنے لگے - لیکن جب تک سماج کی موجودہ بناوٹ ہے یہ بات کسی ڈھب سے نہیں ہوسکتی -

اوسط طبقہ میں زیادہ سے زیادہ ۳۰ - ۴۰ فیصدی برسرکار رہتے ہیں باقی بیکار - جو دوسروں کے سر کھاتے ہیں - طرح طرح کی ذلتیں اُٹھاتے ہیں - ملازمت کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں - جو برسرکار ہیں اُن پر آفتیں آتی ہیں - اولاد کی کثرت - بیماریاں - روزگار میں گھاٹا - چوریاں - قرضہ - ناگہانی موتیں وغیرہ وغیرہ یہ چیزیں ان کو بات کی بات میں اوپر سے نیچے گرا دیتی ہیں - اور پھر یہ دوسرے کے سر پڑتے ہیں اور اس پر ناگہانی مصیبت لاتے ہیں - یہ الٹ پلٹ اس طبقہ کو مطمئن نہیں ہونے دیتا -

اس سے زیادہ بگڑا حال ہے کسانوں اور مزدوروں کا - ان میں جو چھ مہینہ کماتا ہے، وہ دو برس بیکار مارا مارا گھومتا ہے - پہلے دال روٹی مل جاتی تھی تو اب ستو بھی نہیں ملتا - وبائیں آتی ہیں - قحط آتے ہیں - چوریاں ہوتی ہیں - ڈاکے پڑتے ہیں پولیس اور زمیندار کی خفگیاں ٹوٹتی ہیں یہ سب زندگی میں ایک نئی تباہی لاتی ہیں -

یہ خیال غلط ہے کہ مزدور یا کسان زیادہ آرام اور مزیدار زندگی کی لالچ میں لڑتا ہے - وہ صرف اپنی مصیبتیں دور کرنے کے لئے لڑتا ہے اس کی بےچینی بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی شخص کے پیٹ میں درد ہو اور وہ بےچین ہو - مزدور کسان کی غریبی اس کے سامنے یہ درد کھڑے کر دیتی ہے -

بیوی زچہ بننے والی ہے - پیسہ کہاں سے آئے ؟ گھر گر رہا ہے - برسات میں کیا ہوگا - مہاجن قرضہ کا تقاضا کر رہا ہے اگر قرقی آگئی تو بڑی ناموسی ہوگی - لڑکی کا بیاہ نہ ہو سکے گا - کہاں سے یہ روپیہ ادا کیا جائیگا ؟ بیل مر گیا ہے - بلا بیل کے اب کی کھیتی کیسے ہوگی ؟ یہ سوالات قناعت دور کر سکتی ہے، اور نہ نصیحتیں -

متحدہ قومی محاذ

ہمارے صدر سوبھاش چندر بوس نے کسان سبھاؤں و مزدور سبھاؤں کو تاریخی پیداوار مان لیا ہے - اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ان سبھاؤں کو کانگرس سے متفق کر کے ایک متحدہ سامراج توڑ محاذ قائم کیا جائے - یہ خیال نیا نہیں ہے، سب سے پہلے کانگریس کے لکھنؤ کے اجلاس میں آچاریہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ظاہر کیا تھا - انھوں نے کہا کہ " عوامی متحدہ محاذ کی بنیاد سامراج دشمنی پر رکھی جائے - جس کو مزدوروں اور کسانوں سے خاص طاقت ہوگی " اس وقت یہ محاذ خود بخود بن رہا تھا - سول نافرمانی، لگان بندی اور نمک سازی کی تحریکوں نے عوام کو جھنجھوڑ دیا - ان کی نگاہوں نے پہلی بار برطانیہ کو عام طاقت کے سامنے بےبس ہوتے دیکھا - اُن کو احساس ہوگیا کہ یہ زمیندار اور سرمایہ دار ہے جو براہ راست اُن کے حقوق نگل جاتا ہے اور زمیندار کی حمایت برطانیہ کرتی ہے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے سب طاقتوں کو مل جلکر چلنا چاہئے -

آل انڈیا مزدور یونین کانگریس نے اپنے بمبئی کے اجلاس میں متحدہ محاذ کی تائید کی - کانگریس سے میل جول بڑھانے کا پروگرام تیار

کیا۔ اور یہ طے کر لیا کہ آنے والے الکشن میں کانگرس کی مدد کی جائے
کوکنگ۔ امبرناتھ اور دوسرے سوتی کارخانوں کی اسٹرائکوں میں۔
بھنگیوں اور اسی طرح کے دوسرے چھوٹے کام کرنے والوں کی اسٹرائکوں
میں۔ بی۔ این۔ ریلوے کی اسٹرائک میں کانگرس سے مدد لی گئی۔
کسانوں، مزدوروں اور کانگریسیوں نے ایک دوسرے کے
جلسوں میں شرکت کی۔ سول آزادی کی تحریکوں میں تینوں نے ساتھ
ساتھ کام کیا۔
اس کے بعد فیض پور کے اجلاس میں صدر کانگرس پنڈت جواہر لال نہرو
نے پکار کہا:۔
"اس محاذ میں مزدوروں اور کسانوں کی جماعتوں کی شرکت کی کوشش
کرنا چاہئے۔ ان جماعتوں کا کانگرس سے یہ میل جول بڑھتا جا رہا ہے
اس سال کا یہ سب سے بڑا واقعہ ہے اس تحریک کو برابر زور ہو جانا چاہئے"۔
الکشن سر پر تھا۔ عوام کو کانگرس کے پلیٹ فارم پر بلانا تھا۔ اس لئے
متحدہ محاذ کی تحریک ہر ایک کو بھاگئی۔ کانگرس نے اپنے الکشن کا مینی فسٹو نکالا
جس میں کسانوں اور مزدوروں کے فوری مطالبات کے پورا کرنے کا وعدہ کیا
عوام نے ان وعدوں کا جوش و خروش سے استقبال کیا اور سب جماعتوں نے
جوق در جوق کانگرسی امیدوار کو ووٹ دئے۔ کانگرس کو سات صوبوں میں
حکمران کر دیا۔
الکشن نے یہ بات صاف کر دی کہ "اقتصادی پروگرام ہی ایسی چیز ہے"
جو عوام کا بھروسا جیت سکتا ہے۔ اور اُن کو کانگرس میں لا سکتا ہے اور
یہی اقتصادی پروگرام ایسی چیز ہے، کہ جہاں اسکو ایک بار مزدور اور کسان
سمجھ گیا۔ پھر مشکل سے رجعت پسندوں اور فرقہ پرستوں کے قبضہ میں آتا ہے
اُس کو سمجھنے کے بعد اس میں خود حرکت کرنے کی، اور دوست دشمن میں
تمیز کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ کلکتہ
کے جوٹ کے کارخانوں کے مزدور، ڈھائی لاکھ مزدوروں نے اسٹرائک کی۔
احمد آباد۔ کانپور کے مزدوروں نے سامراج پرستوں کا زبردست مقابلہ
کیا۔ کسانوں کے بڑے بڑے دلوں نے دور دور سے مارچ کر کے صوبائی
اسمبلیوں کے سامنے مظاہرے کئے۔
بہار کے لاکھوں کسانوں کی تنظیم ہوگئی۔ کانپور مزدور سبھا کی ممبری
تین ہزار سے بارہ ہزار ہوگئی۔ بہار کے کسان سبھا کی ممبری کئی لاکھ
تک پہونچ گئی۔ وہاں کسانوں کے جلسوں میں ۷۰۔ ۶۰ ہزار کا مجمع ہو جانا
کوئی بڑی بات نہیں۔ یو۔ پی کے کسانوں نے بھی ایک بارگی زور پکڑ لیا
ہے۔ بیلی بھیت کے جلسہ میں کسانوں نے اپنی طاقت کا اچھا ثبوت دیا
اناؤ کے ضلع میں کسانوں نے زمیندار کا حقہ پانی بند کر دیا۔
عوام کے بڑھتے ہوئے زور کو کارخانے داروں اور زمینداروں
نے فوراً محسوس کر لیا۔ انھوں نے اپنے حقوق کی بہت بدحواسی سے
بچت کرنا چاہی۔ بہار کے زمینداروں نے ستیہ گرہ کی دھمکی دی۔
یو۔ پی میں زمیندار کانفرنس نے اپنے حقوق کو مذہب سے ڈھانکا۔
کسانوں کے دبانے کو والنٹیروں کی ایک فوج بنانے کی اسکیم بنائی۔

ان کے ساتھ ساتھ ایک نئی طاقت بھی اُگ رہی ہے۔ طلبائی فیڈریشن
یہ نوجوانوں کا جتھا دقیانوسی طرز تعلیم سے جو اُن کو موجودہ مسائل اور
اپنے درد دکھ کے سمجھنے میں ذرا مدد نہیں کرتا۔ اور بیکاری اور ملک
کے بے تکے قوانین سے لڑنے اُٹھا ہے اُس نے جا بجا کامیاب
اسٹرائکیں کیں۔ قومی اور سول تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔
ریاستوں میں بھی سامراج توڑ تحریکیں اُٹھ رہی ہیں میسور میں
خاص کر ترقی پسند طبقہ نے خاص زور پکڑ لیا ہے اور کسی طرح ریاست
سے دبائے نہیں دبتا۔
عورتوں کی تحریک بھی زور پکڑتی جا رہی ہے، زنانہ کانفرنس کی
جو ناگپور میں ہوئی اس میں یہ قرارداد پیش کی گئی تھی کہ عورتوں کو سیاسیات
میں حصہ لینا چاہئے۔ ابھی پاس نہیں ہو سکی۔ لیکن اندازہ ہے کہ اگلے
اجلاس میں ضرور پاس ہو جائیگی۔
ان تحریکوں کے محاذ الگ الگ ہیں کسان زمینداروں سے لڑتے
ہیں۔ مزدور کارخانے داروں سے مگر زمینداری ہو یا سرمایہ داری سب
بنیاد ہیں ہیں سامراج کی۔ اگر زمینیں کسانوں کے ہاتھ میں اور کارخانے
مزدوروں کے ہاتھ میں چلے جائیں تو برطانیہ کا ٹھکانا نہ رہیگا۔ اسلئے
سامراج اپنی بچت کے لئے زمینداروں اور سرمایہ داروں کی
حمایت کرتی ہے
اسوقت برطانیہ نے یو۔ پی اور بہار میں بتلا دیا کہ وہ آسانی
سے ہار ماننے والی نہیں ہے۔ اگر یہ جماعتیں الگ الگ کام کریں گی
تو ایک ایک کر کے سب کچل دی جائیں گی۔ کام چل سکتا ہے تو اسی طرح
کہ اگر مزدور اسٹرائک کریں تو اُن کی ہمدردی میں طلبا و کسان
اور کانگرسی جلوس نکالیں جلسے کریں۔ اسی طرح اگر کسانوں کی
کوئی تحریک اُٹھے تو اس میں سب جماعتیں آکر شریک ہوں۔
یہ سب جماعتیں آکر صرف کانگرس میں مل سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ
خالص سامراج توڑ جماعت ہے۔ کانگرس میں اُن کو لانے کے لئے
کانگرس کے اقتصادی پروگرام کو اور زیادہ وسیع کرنا ہوگا۔ اور
جو تحریک اُٹھائی جائے، اس میں اسکا خیال رکھنا ہوگا کہ سب
جماعتیں ساتھ ساتھ چل سکیں۔ ادھر اس میں کامیابی ہوئی اور
ادھر کانگرس کی طاقت دس گنی بڑھ گئی۔ اسوقت ملوں میں کام
کرنے والا مکانوں میں ڈلیا ڈھونے والا، کھیتوں میں ہل چلانے والا
سب کانگرس کی ایک پکار پر جمع ہو جائیں گے اور اُس کا پیغام ہندستان
کے گوشہ گوشہ میں پہونچا دیں گے۔
اب پروگرام بنانا اور ایسا طریقہ کار تیار کرنا یہ کام ہے کانگرس
کے بائیں بازو کا۔ یہی ایسی جماعت ہے جس پر ہر جماعت کو بھروسا ہے
جو موجودہ لڑائی کے اتار چڑھاؤ کو سمجھتی ہے۔ اور جانتی ہے کہ
بہاؤ کدھر جا رہا ہے؟ اور لڑائی کے سنبھالنے اور دشمن کو زک
پہونچانے کا بہتر سے بہتر ڈھب کیا ہے۔

کانگرس کے سالانہ اجلاس کی کاروائی

سبھاش چندر بوس کے خطبۂ صدارت کا خلاصہ

برطانیہ کی سب سے بڑی پالیسی ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو"۔ اس پالیسی سے انہیں بہت کام دیا۔ لیکن اب اس نے ایسی الجھنیں پیدا کر دی ہیں جو اس کی سلطنت کو تباہ کر دینگی۔ ہندستان میں ہندوؤں کو خوش کیا جائے یا مسلمانوں کو، فلسطین میں عربوں کو خوش کیا جائے یا یہودیوں کو۔ عراق میں عربوں کو خوش کیا جائے یا کردوں کو، مصر میں بادشاہ کا ساتھ دیا جائے یا وفد پارٹی کا۔ یہی رنگ بیرونی پالیسی میں ہے مثلاً اسپینی حکومت کی طرفداری ہو یا باغی فرانکو کی۔ یا پڑے پیمانے پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جرمنی کی طرفداری ہو یا فرانس کی۔

اس وقت برطانیہ کو ہر طرف سے مشکل کا سامنا ہے۔ اسکی سلطنت کے مغرب میں آئرلینڈ ہے، مشرق بعید میں ہندستان اور درمیان میں فلسطین ہے اور اس سے ملا ہوا مصر اور عراق اور سب جگہ ہنگامہ ہے۔ سلطنت کے باہر بحر روم میں اٹلی کا دباؤ بڑھ رہا ہے اور مشرق بعید میں جاپان کا۔ اس کے پس منظر میں سوویٹ روس ہے جس کا وجود ہی یورپ کے تمام سامراجی حکمرانوں کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ سلطنت برطانیہ آخر کب تک ان قوتوں کا دباؤ برداشت کر سکے گی۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں برطانیہ کی ترقی کا سبب اسکی بحری طاقت تھی لیکن اب بیسویں صدی میں ایک نئی قوت یعنی ہوائی قوت کی وجہ سے اسکا زوال ہوگا۔ یہی نئی طاقت ہے جسکے بل پر گستاخ اٹلی نے برطانوی بیڑے کو بحر روم میں پریشان کر رکھا ہے۔

غرضکہ ہوائی طاقت نے جنگی حالات میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا ہے۔ اور بین الاقوامی سیاست کا توازن بگاڑ دیا ہے۔ اور ایک زبردست سلطنت نئے خطروں سے دوچار ہے جسکا اس سے پہلے کبھی اسے تجربہ نہ ہوا تھا

ریاستی پالیسی۔ برطانوی ہند اور ہندستانی ریاستوں میں تفریق بالکل مصنوعی ہے۔ ہندستان ایک ہے اور برطانوی ہند اور ہندستانی ریاستوں کے باشندوں کی خواہشات بھی ایک سی ہیں۔ سب کی منزل ایک آزاد ہندستان ہے اور میرے خیال میں وہ ایک فیڈرل جمہوریت ہوگی جس میں صوبے اور ریاستیں سب شریک ہونگے۔ کانگرس متعدد بار ریاستی رعایا کی جنگ آزادی کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اعلان کر چکی ہے۔ آجکل ہمارے کام اتنے ہیں کہ ہم مشکل ہی سے اپنے ریاستی ساتھیوں کے شریک ہو سکتے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ جلد ہی ہم دونوں ساتھ ساتھ ہو جائینگے۔

اقلیتیں۔ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے قانون کانگرس بنا چکی ہے اب وقت آگیا ہے کہ یہ چیز بالکل طے ہو جائے میں صرف اتنا کہونگا کہ اگر اپنے مشترکہ مقاصد اقتصادی اور سیاسی پر زور دیا جائے تو ہم آسانی سے یہ خلیج پاٹ سکتے ہیں کانگرس عوام کی اقتصادی اور سیاسی آزادی چاہتی ہے اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئی تو اکثریت کو بھی ویسے ہی فائدہ پہنچیگا جیسے اقلیت کو اور اگر جیسا کہ میرا خیال ہے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کی تعمیر سوشلزم کے اصولوں پر ہوئی تو وہی لوگ فائدے میں رہینگے جو آجکل محروم ہیں۔ رہا مذہب اور کلچر کے بارے میں تو ہمیں مکمل رواداری برتنی ہے گی۔ اس طرح مسلمانوں کو تو ڈرنا ہی نہ چاہئے۔ اگر آزادی مل گئی تو وہ ہر طرح فائدے میں رہینگے۔

ستیہ گرہ۔ کانگرس اپنی لڑائی میں جو ہتھیار استعمال کرے گی وہ ستیہ گرہ ہے جس میں سول نافرمانی بھی شامل ہے۔ ستیہ گرہ کا مطلب مظلوبیت سمجھنا غلطی ہے یہ تو ارادہ بچاؤ ہے۔

کانگرس کی ذمہ داری۔ کانگرس کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ ہندستان کو آزاد کرا دے بلکہ کانگرس کا کام نئے سرے سے ملک کی تعمیر کرنا ہے۔ مجھے ذرا شک نہیں کہ ہمارے خاص مسئلے یعنی غریبی۔ جہالت۔ اور بیماری کو دور کرنا سائنٹیفک پیداوار اور اسکی تقسیم صرف سوشلزم کے اصولوں پر حل ہو سکتے ہیں۔

ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ قومی ایکا پیدا کریں اس لئے مشترکہ زبان اور مشترکہ رسم خط ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں یہ کام رومن رسم خط سے لیا جا سکتا ہے دوسرا بڑا کام یہ ہوگا کہ زرعی صنعتی اور اقتصادی تعمیر کے لئے ایک پروگرام بنا لیا جائے۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱ و ۲)

کانگرسی وزارتیں۔ کانگرس نے وزارتیں قبول کر لی ہیں۔ اب ہمارے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اسکے ذریعہ کانگرس کو مضبوط کریں اور اس سلسلہ میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ موجودہ حکومت کی مشینری کو بدل دیں۔ ہر ملک میں وزارتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں لیکن فرمان روائی سرکاری افسروں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ ہندستان میں ان افسروں کو برطانیہ نے مقرر کیا ہے۔ اس میں اونچی جگہوں پر انگریز ہیں اور انکا رویہ نہ قومی ہے نہ ہندستانی اور کوئی قومی پالیسی اسوقت تک نہیں کامیاب ہو سکتی جب تک افسران کی ذہنیت قومی نہ ہو۔

فیڈریشن کے متعلق وارد ھا کی ورکنگ کمیٹی نے ۴ فروری ۱۹۳۸ء کو جو قرارداد پاس کی ہے وہ کانگرس کی پالیسی کو بخوبی صاف کر دیتی ہے یعنی ایسے فیڈریشن کا آنا ہندستان کو سخت نقصان پہنچائے گا اور اسکی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کر دیگا۔ میں اس میں کچھ اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں بدترحصہ وہ ہے جس میں برطانوی تجارت اور اقتصادیات کی حفاظت کی گئی ہے عوام کو بیرونی پالیسی پر کسی طرح کا اختیار نہیں دیا گیا اور اخراجات کا بہت بڑا حصہ انکے اختیار سے باہر ہے۔

سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے بجٹ میں فوج کا خرچہ ۴۴ کروڑ ۶ لاکھ ہے جبکہ کل اخراجات ۷۷ کروڑ ۹۰ لاکھ میں یعنی فوج کا خرچ تقریباً کل اخراجات کا ۵۷ فیصدی ہے اسی طرح زر، بنک اور فیڈرل ریلوے اختیارات سے باہر رہینگی یعنی کل اخراجات ۸۰ فیصدی حصہ قبضے سے باہر ہے۔ فیڈرل اسمبلی کو اسکے تبادلے پر کسی طرح کا اختیار نہ ہوگا۔

بیرونی پالیسی قبضے سے باہر ہوگی اسوجہ سے فیڈرل اسمبلی کو تجارتی معاہدہ

کرنیکا حق نہیں ہوگا اور اگر کوئی معاہدہ ہو جائے تو حکومت ہند کیلئے ضروری نہیں ہے کہ اسمبلی کی رائے لے۔ فیڈرل اسمبلی کو یہ بھی اختیار نہ ہوگا کہ ایسی شکایتیں آپس میں جو ملک کیلئے مضر ہے کوئی توڑ کر سکیں اس سلسلے میں یہ ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میری رائے میں ہندستان کو جرمنی زگوسلاویکیا۔ اٹلی اور متحدہ امریکہ سے جنسے تجارت ہند ہو چکی ہے تجارتی تعلقات قائم کرلینا چاہئیں لیکن جدید دستور میں ہمکو اسکا حق نہیں ہے۔ اگر کسی ہندستانی صنعت کی قانون کے ذریعہ سے حفاظت کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے اور بیرونی تجارت کے مقابلہ میں انکا بچاؤ نہیں کرسکتے۔

ریاستوں کی مجموعی آبادی ہندستان کی کل آبادی کی ۲۴ فیصدی ہے۔ اور ریاستوں کو ۳۳ فیصدی نشستیں اسمبلی میں اور ۴۰ فیصدی کونسل میں دی گئی ہیں اور یہ بھی ریاستی حکمرانوں کو نہ کہ انکی رعایا کو۔ ان تمام صورتوں کو دیکھتے ہوئے کانگرس کو فیڈریشن کی اسکیم سے لڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہمیں ناجائز اور پرامن طریقوں کا استعمال کرینگے اور ہمارا آخری حربہ سول نافرمانی ہوگا۔ اگر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو برطانوی ہندستان تک ہی محدود نہیں رہیگی بلکہ ریاستی علاقوں میں بھی پہنچائی جائے گی۔

اس کام کیلئے ہمکو اپنی تنظیم مضبوط کرنا ہے۔ اس کی ضرورت یوں اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ادھر عوام میں بیداری بہت زیادہ پھیل گئی ہے۔ جلسوں میں پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اسکے لئے ہمیں ایک والنٹیر کا جتھا تیار کرنا ہے اور اپنے کارکنوں کو سیاسی تعلیم دینا ہے۔ ہمارے کارکنوں نے جو کام کیا ہے اسکی خوبیوں سے انکار نہیں۔ لیکن ابھی ترقی کی گنجائش ہے اس غرض سے ہمیں موسمی اسکول کھولنا ہونگے اور اسی قسم کے دوسرے کام کرنا پڑینگے کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں۔ ہمیں ایک اور مسئلہ پر غور کرنا ہے جس نے ہماری جماعت کے کافی لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں۔ اسکے متعلق دو رائیں ہیں ایک تو یہ کہ کانگرس کے علاوہ اور کوئی سبھا نہ بننا چاہئے۔ اور دوسری سبھاؤں کی موافقت میں۔ میری رائے میں یہ سبھائیں صرف نظرانداز کرنے سے یا انکو برا بھلا کہنے سے نہیں مٹائی جاسکتیں۔ یہ سبھائیں جب سے وجود میں آئی ہیں اپنی مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور مٹنے کے آثار انمیں نہیں پائے جاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تاریخی مانگ ہے جسکو یہ پورا کر رہی ہیں۔ اسکے علاوہ ایسی سبھائیں دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہیں اسلئے ہمیں پسند ہوں یا ناپسند ان سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ کانگرس اور ان سبھاؤں میں کیسے تعلقات رہیں۔ کانگرس عوام کی آزادی چاہتی ہے اسلئے ان سبھاؤں کو کانگرس سے اتحاد کرنا چاہئے اور اسکے لئے بہتر ہے کہ کانگرسی لوگ ان سبھاؤں میں حصہ لیں۔ اسکے بعد ان سبھاؤں کو کانگرس میں جگہ دینے کا سوال رہ جاتا ہے۔ میرے خیال میں وہ دن دور نہیں جب ہمیں ان جماعتوں کیلئے کانگرس میں جگہ نکالنا پڑے گی۔

کانگرس سوشلسٹ پارٹی پر آجکل بڑی بحث ہو رہی ہے۔ میں اسکا ممبر نہیں ہوں لیکن اسکے پروگرام اور پالیسی سے موافقت رکھتا ہوں۔ یہ مناسب ہے کہ بایاں بازو منظم ہو جائے اور کانگرس کے اندر رہ کر سوشلسٹ پروگرام کا پرچار کرے ہمارے لئے سوشلزم فوری منزل نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سوشلزم کا پروپگنڈا ہوتا رہے۔ تاکہ ملک اسکے لئے تیار ہو جائے۔

اختلافات۔ آجکل ہمارے سامنے بہت اہم باتیں ہیں۔ کانگرس کے اندر داہنے اور بائیں بازو میں اختلاف ہے اور باہر سے برطانیہ کی مخالفت اسکے لئے کانگرس کو بہت مضبوط بنانے کی ضرورت ہے، اس میں داہنے اور بائیں بازو ہیں لیکن یہ ایک متحدہ سامراج دشمن جماعت ہے؟ اس غرض سے میں بائیں بازو سے التجا کرونگا کہ وہ کانگرس کو زیادہ سے زیادہ جمہوری بنانے میں اور زیادہ سے زیادہ سامراج دشمن بنانے میں اپنی پوری قوت صرف کریں۔ آخر میں میں کہونگا کہ گاندھی جی کی ہستی ہم لوگوں کیلئے بہت اہم ہے۔

تجویزیں

(۱) تعزیت۔ یہ کانگرس شریمتی سروپ رانی نہرو۔ سر جگدیش چندر بوس شری سرت چندر چٹرجی۔ شری منی لال کوٹھاری۔ شریمتی پاربتی دیوی۔ شری جوگندر ناتھ بردوا۔ شری ہریندر ناتھ منشی۔ بمبئی سندر راؤ۔ شری آریہ دت جگمن اور شری اودی نرائن کی موت پر اظہار افسوس کرتی ہے۔

۲۔ رانی گیڈالو۔ یہ کانگرس ناگ قوم کی بہادر عورت گیڈالو کی فوراً رہائی کا مطالبہ کرتی ہے جس نے آسام کے دور دراز جنگلوں میں ۱۹۳۲ء میں آزادی کا علم اٹھایا تھا اور جو اب چھ سال سے زیادہ کے عرصہ سے قید بھگت رہی ہے۔

۳۔ برٹش گائنا۔ یہ کانگرس برٹش گائنا کے ہندستانیوں کو انکی جنوبی امریکہ کی اس نوآبادی میں آمد کی صد سالہ سالگرہ کے موقعہ پر پیغام تہنیت بھیجتی ہے۔ اور تہ دل سے انکی ترقی کی خواہش مند ہے۔

۴۔ سمندر پار ہندستانی۔ یہ کانگرس جنوبی اور مشرقی افریقہ۔ کینیا۔ یوگنڈا۔ ٹین گنیکا۔ زنجبار کی نوآبادیوں اور ماریشس اور فجی کے جزائر میں ہندستانیوں کی روز بروز گرتی ہوئی حالت اور حیثیت اور انکے حقوق میں آئے دن کی کمی کو پرخطر نظروں سے دیکھتی ہے۔

کانگرس برطانوی سامراج کی نئی اقتصادی پالیسی پر جسکا مقصد نوآبادیوں اور مقبوضات میں لوٹ بڑھانا ہے اظہار نفرت کرتی ہے۔ اس پالیسی کی مثالیں یہ ہیں۔ زنجبار میں لونگ پیدا کرنے والوں کی اجارہ دار انجمن۔ ٹنگینیکا میں دیسی پیداوار کا قانون۔ مشرقی افریقہ ٹرانسپورٹ پروجیکٹس۔ کینیا کی اونچی زمینوں کا صرف سفید چمڑے کے آدمیوں کیلئے مخصوص کردینا اور ماریشس اور فجی میں ہندستانیوں کے ساتھ ذلت کا برتاؤ۔

سمندر پار ہندستانی اپنی موجودہ حیثیت ہی کو برقرار رکھنے کیلئے جو جدوجہد کر رہے ہیں اس میں یہ کانگرس دل سے انکے ساتھ ہے۔

یہ کانگرس اپنے سمندر پار کے ہموطنوں کو اپنی پوری ہمدردی اور مدد کا یقین دلاتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ وہ انکی حالت بہتر بنانے کیلئے جو کچھ بھی اسکے امکان میں ہے کرنے کو تیار ہے۔

اسکے علاوہ یہ کانگرس جنوبی اور مشرقی افریقہ کے اصلی باشندوں کو بھی یقین دلانا چاہتی ہے کہ ہندستانیوں کا مطالبہ کسی طرح بھی انکی مخالفت میں نہیں ہے بلکہ اسکا مقصد افریقی اور ہندستانی قوموں کو برطانوی سامراج کے استحصال سے بچانا ہے۔

۵۔ زنجبار کے ہندستانی ۔ یہ کانگرس پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے کہ ہندستانیوں نے انکی اپیل پر لونگ کا استعمال روک دیا اور یہ کہ ہندستانی سوداگروں نے زنجبار میں لونگ کی تجارت کا مکمل اور تسلی بخش بائیکاٹ کیا ۔ زنجبار کے ہندستانیوں اور ہندستان کے لونگ کے سوداگروں نے جس طرح بائیکاٹ قائم رکھا اسپر یہ کانگرس انکو مبارکباد دیتی ہے۔

تاہم کانگرس افسوس کرتی ہے کہ زنجبار میں ملکی اور بیرونی تجارت میں ہندستانیوں کے حقوق کے سوال کا ابھی تک کوئی تسلی بخش حل نہیں ہوا ہے۔ کانگرس ہندستان کے لوگوں سے دوبارہ درخواست کرتی ہے کہ وہ لونگ کے استعمال کو بند رکھیں اور یہ کانگرس سوداگروں کو لونگ کی تجارت کا بائیکاٹ جاری رکھنے کی ضرورت پر خاص توجہ دلاتی ہے۔ اور امید کرتی ہے کہ کچھ ہی دنوں میں زنجبار کی حکومت زنجبار میں ہندستانی سوداگروں کے ساتھ انصاف کرنے اور قابل اعتراض احکامات کی اصلاح کرنے پر مجبور ہو جائیگی۔

۶۔ سیلون کے ہندستانی ۔ سیلون کے لوگوں اور وہاں رہنے والے ہندستانیوں میں آپس میں جو کشمکش پیدا ہوگئی ہے اور جن نا برابر کارروائیوں کا خطرہ ہے ان پر یہ کانگرس سخت فکرمند ہے ۔ یہ کانگرس سیلون کی حکومت اور وہاں کے بااثر لوگوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسی پالیسی نہ اختیار کریں جو با واسطہ یا بلا واسطہ سیلون کے ہندستانیوں کے خلاف پڑے ۔ خاص طور پر یہ کانگرس اس پر افسوس کرتی ہے کہ حال ہی میں ایسے قوانین بنائے گئے ہیں جن میں ہندستانیوں کو جنھوں نے وہاں کی ترقی میں مدد کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں مقامی انتظامات میں رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہے اور جس سے ہندستانیوں کو اپنے شہری حقوق پر اور زیادہ پابندیاں لگ جانے اور اپنی سیاسی حیثیت کو اور زیادہ ذلیل کر دئے جانیکا خطرہ ہے ۔ یہ کانگرس امید کرتی ہے کہ اس قسم کی کوئی کارروائی نہ کی جائے گی اور جس کسی قانون سے بھی ایسے خیالات پیدا ہو گئے ہیں اسمیں ایسی ترمیم کر دی جائے گی کہ ہندستان کو ایسا معلوم ہونے لگے کہ جدا جدا حکومتوں کے باوجود جہاں تک آبادی کا تعلق ہے ہندستان اور سیلون ایک ہیں۔

۷۔ چین ۔ چین میں ایک وحشی سامراج کے ظلم و جبر کو اور اس سے جو تباہی اور خطرات پیدا ہو گئے ہیں ان کو یہ کانگرس سخت پریشانی سے دیکھتی ہے کانگرس کی رائے میں اس سامراجی حملے سے دنیا کے آئندہ امن اور ایشیا کی آزادی پر بہت برا اثر پڑے گا ۔ یہ کانگرس چینیوں کی اس زبردست مصیبت میں انکے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور جس بہادری سے وہ اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں۔ یہ کانگرس اس کی تعریف کرتی ہے یہ کانگرس انکو مبارکباد دیتی ہے کہ خطرہ کے موقع پر انہوں نے اتحاد اور یکجہتی پیدا کر لی ہے۔ اور انکو یقین دلاتی ہے کہ سامراج سے لڑکر آزادی حاصل کرنے کے مشترکہ عزم میں ہندستانی انکے ساتھ ہیں۔

چینیوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرنے کیلئے کانگرس ہندستان کے لوگوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ جاپانی چیزیں خریدنا بند کر دیں۔

۸۔ فلسطین ۔ عربوں کی مخالفت کے باوجود برطانوی حکم برداری نے فلسطین کے حصے بخرے کر دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس اسکیم پر عمل درآمد کرنے کیلئے کمیشن مقرر کیا ہے کانگرس اس طرز عمل پر اظہار نفرت کرتی ہے۔ یہ پالیسی منوانے کیلئے عربوں پر جو ظلم برابر ڈھائے جا رہے ہیں۔ یہ کانگرس اسکے خلاف پرزور احتجاج کرتی ہے۔

یہ کانگرس عربوں کی جدوجہد آزادی کے ساتھ اظہار ہمدردی کا اعلان کرتی ہے، کانگرس کے خیال میں فلسطین کے عربوں اور یہودیوں کا مسئلہ سلجھانے کا مناسب طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی آپس میں کوئی راضی نامہ کر لیں ۔ کانگرس یہودیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ برطانوی حکم برداری کے سایہ میں پناہ نہ ڈھونڈیں اور برطانوی سامراج کی خاطر اپنا نقصان نہ کریں۔

۹۔ بیرونی پالیسی اور جنگ کا خطرہ ۔ عالمگیر اور تباہ کن جنگ کا خطرہ تمام دنیا پر چھا رہا ہے ۔ اسکے پیش نظر کانگرس چاہتی ہے کہ بیرونی تعلقات اور جنگ کے متعلق ہندستانیوں کی پالیسی کو از سر نو دہرا دے۔

ہندستان کے لوگ اپنے پڑوسیوں اور تمام دوسرے ممالک کے ساتھ پرامن اور دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسکے لئے وہ جھگڑے کے تمام اسباب کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اپنی قومی آزادی اور خودمختاری کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے وہ دوسروں کی آزادی کی بھی عزت کرتے ہیں اور اپنی طاقت کی بنیاد بین الاقوامی اتحاد اور خوشگوار تعلقات پر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اتحاد ایک ساری دنیا کے نظام پر مبنی ہونا چاہئے اور آزاد ہندستان خوشی سے اس میں شامل ہو کر تخفیف اسلحہ اور مجموعی حفاظت کی طرفداری کرے گا ۔ لیکن جب تک بین الاقوامی جھگڑوں کی جڑیں باقی ہیں۔ ایک قوم دوسرے پر غلبہ کئے ہے ۔ اور سامراج کا دور دورہ ہے ۔ اسوقت تک تمام دنیا کا اتحاد ناممکن ہے ۔ اسلئے دنیا میں کسی مستقل طریقہ پر امن قائم کرنے کیلئے سامراج اور قومی لوٹ کو ختم ہو جانا چاہئے۔

پچھلے چند سالوں میں بین الاقوامی تعلقات میں افسوسناک بدتری تیزی سے پھیل رہی ہے ۔ فسطائی استبدادیت بڑھ گئی ہے اور بے حیائی کے ساتھ بین الاقوامی فرائض کی خلاف ورزی کرنا فسطائی طاقتوں کا عام دستور العمل بن گیا ہے حیلوں اور بہانوں، غیر مستقل فیصلوں کے باوجود برطانیہ کی بیرونی پالیسی جرمنی ۔ اسپین اور مشرق بعید میں برابر فسطائی طاقتوں کی حمایت کرتی رہی ہے اور اسی لئے بین الاقوامی الجھنوں کی زیادہ تر ذمہ داری اسی کے سر ہونی چاہئے۔ اسی پالیسی کے ماتحت نازی جرمنی کے ساتھ سمجھوتے کی کوشش کیجا رہی ہے اور اسپین کے باغیوں سے بھی تعلقات بڑھائے جا رہے ہیں، یہ پالیسی دنیا کو ایک عالمگیر سامراجی جنگ کے قریب لئے جا رہی ہے۔

ہندستان اس سامراجی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا اور نہ اپنے آدمیوں اور دیگر وسائل کو برطانوی سامراج کے مفاد کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ ہندستان اپنے لوگوں کی مرضی کے بغیر کسی جنگ میں شرکت نہیں کر سکتا اسلئے کانگرس ہندستان میں جنگی تیاریوں۔ بڑے بڑے مظاہروں اور ہوائی حملہ سے حفاظت کے انتظامات کے بالکل خلاف ہے۔ اور اگر ہندستان کو اس جنگ میں پھنسانے کی کوشش کی گئی تو اس کا مقابلہ کیا جائیگا۔

۱۰۔ حد باہر علاقے اور کمشنروں کے ماتحت صوبے ۔ (۱) یہ کانگرس دوبارہ اپنی رائے ظاہر کرتی ہے کہ حکومت ہند کے قانون ۱۹۳۵ء کے مطابق کسی طرح کے حد باہر علاقوں اور چیف کمشنروں کے صوبوں کو بنایا جانا جس میں برطانوی بلوچستان اور کورگ بھی شامل ہیں ہندستان کے ۲ لاکھ ۹۷ ہزار مربع میل کے رقبہ میں جسکی

آزادی ایک کھلا ہوا تضاد ہے۔ یہ یکساں جمہوریتوں کے قیام میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

یہ کانگرس یہ خیال کرکے کہ اس حرکت کا مقصد ہندستانیوں کو مختلف حصوں میں بانٹ کر انکے ساتھ غیر منصفانہ و امتیازی سلوک کرنا انکی آزادی کو دبانا اور انکی ترقی کو روکنا ہے، اسپر اظہار نفرت کرتی ہے۔

نیز یہ کانگرس دوبارہ اپنے اس خیال کو ظاہر کرتی ہے کہ ان بالکل قریب قریب سرحدی علاقوں کو علیحدہ کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان علاقوں کے جنگلات اور معدنیات پر حکومت برطانیہ کا قبضہ زیادہ مضبوطی سے قائم رہے۔

یہ کانگرس اعلان کرتی ہے کہ بلا کسی تفریق کے ہندستان کے ہر حصہ میں یکساں جمہوری اور خود مختار ادارے ہونا چاہئیں۔

ب:۔ یہ کانگرس چیف کمشنر کے ماتحت اجمیر میواڑہ اور کورگ کے صوبوں کے باشندوں کے اس مطالبہ کی کہ انکے صوبے بالترتیب یو۔ پی اور صوبہ بمبئی میں کرناٹک سے ملادئے جائیں تائید کرتی ہے۔

ج:۔ یہ کانگرس صوبہ دہلی کے رجعت پسندانہ اور غیر ذمہ دارانہ انتظام پر جس میں شہری آزادی کو دبایا جاتا ہے۔ اونچے ٹیکس اور بہت زیادہ لگان وصول کیجاتی ہے اور اسی طرح کی دوسری پابندیاں لگائی جاتی ہیں اظہار نفرت کرتی ہے۔

۱۱۔ اس کانگرس نے سخت غم و غصہ کے ساتھ یہ خبر سنی ہے کہ تقریباً ۱۱ گاؤں کو اجمیر میواڑہ کے علاقے سے نکالا ایک عارضی انتظام کے ماتحت رکھا گیا ہے جسکے بعد وہ کچھ جودھپور اور کچھ اودے پور کی ریاستوں کو دیدئے جائیں گے۔

یہ کانگرس حکومت برطانیہ کے اس عمل کو جو صریحاً اس علاقے کے لوگوں کی رائے کے خلاف ہے حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

۱۲۔ فیڈریشن۔ کانگرس نے نئے آئین کو مسترد کردیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ ہندستان کے لوگوں کو وہی آئین منظور ہو سکتا ہے جس کی بنیاد آزادی پر ہو اور ایسا آئین صرف ہندستان کے لوگ بذات خود کسی غیر ملکی مداخلت کے بغیر نمائندہ اسمبلی کے ذریعہ مرتب کر سکتے ہیں۔ رد کردینے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بھی کانگرس نے صوبوں میں کانگرسی وزارتیں بنانے کی اجازت دیدی ہے تاکہ آزادی کی لڑائی کیلئے قوم اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ لیکن مجوزہ فیڈریشن کو عارضی طور پر یا کچھ مدت کیلئے بھی نہیں قبول کیا جاسکتا اور اس فیڈریشن کے جاری ہونے سے ہندستان کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ زنجیریں جو اس کو سامراجی گرفت میں جکڑے ہیں اور بھی مضبوط ہو جائینگی۔ اس فیڈریشن کی اسکیم میں ایسے امور کو ذمہ داری کے دائرہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے جو حکومت کے نہایت ہی اہم فرائض میں شامل ہوتے ہیں۔

کانگرس فیڈریشن کے اصول کے خلاف نہیں ہے لیکن اصلی فیڈریشن ذمہ داری کے سوال کے علاوہ ایسے حصوں پر مشتمل ہونا چاہئے جن میں سے ہر ایک کو یکساں آزادی، برابر کے شہری حقوق اور جمہوری الکشن کے ذریعہ نمائندگی کے مناسب حق حاصل ہوں۔ فیڈریشن میں شامل ہونے والی ریاستوں کو چاہئے کہ وہ بھی صوبوں کی سی جمہوری اور ذمہ دار اسمبلیاں بنائیں۔ اپنے باشندوں کو اسی قسم کی شہری آزادی دیں اور فیڈرل اسمبلی کے انتخاب میں صوبوں کے اصولوں پر عمل کریں۔ ورنہ موجودہ فیڈریشن ملک کو متحد کرنے کے بجائے اسمیں پھوٹ اور مخالفت بڑھانے کا موجب ہوگا اور ریاستوں کو طرح طرح کے اندرونی اور بیرونی جھگڑوں میں ڈال دے گا۔

اسلئے کانگرس ایک بار پھر مجوزہ فیڈرل اسکیم کی مذمت کرتی ہے اور صوبجاتی و مقامی کانگرس کمیٹیوں۔ عام لوگوں۔ نیز صوبجاتی حکومتوں اور وزارتوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ فیڈریشن کے نفاذ کو روکیں۔ اگر لوگوں کی مرضی کے خلاف اسکو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو ہر ممکن طریقے سے اسکا مقابلہ کیا جائے گا۔ اور صوبجاتی حکومتوں اور وزارتوں کو اسکے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردینا چاہئے۔ اگر کوئی صورت حال پیدا ہو جائے تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا کہ اس بارے میں کونسا لائحہ عمل اختیار کیا جائے

۱۳۔ قومی تعلیم۔ کانگرس ۱۹۲۰ء سے برابر قومی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتی رہی ہے اور عدم تعاون کے زمانہ میں اسکے ماتحت بہت سی قومی تعلیمی درسگاہیں بھی کھولی گئیں تھیں۔ کانگرس عوام کی تعلیم کے مناسب انتظام کو بہت اہمیت دیتی ہے اور یقین کرتی ہے کہ تمام قومی ترقی کا اصلی دارومدار عوام کی تعلیم کے طریقوں اور اسکے مقاصد پر ہوتا ہے۔ ہندستان کے موجودہ طریق تعلیم کی ناکامیابی تسلیم ہو چکی ہے۔ اسکے مقاصد قومیت دشمن اور سوسائٹی کے خلاف رہے ہیں اور اسکے طریقے دقیانوسی ہیں۔ یہ صرف تھوڑے آدمیوں تک محدود رہی ہے اور اس نے ہمارے ہموطنوں کی اکثریت کو جاہل رکھا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایک نئی بنیاد اور قومی پیمانہ پر قومی تعلیم کی عمارت بنائی جائے۔ چونکہ کانگرس کو خدمت کرنے اور سرکاری تعلیم پر اثر ڈالنے اور اسکو اپنے قابو میں کرنے کے مواقع مل رہے ہیں اسلئے اب یہ ضروری ہے کہ تعلیم کی رہبری کے لئے اصول بنا دئے جائیں اور انپر عمل درآمد کرنے کے قواعد مرتب کردئے جائیں۔

کانگرس کی رائے ہے کہ ابتدائی اور ثانوی درجوں میں مندرجہ ذیل اصولوں پر بنیادی تعلیم دی جائے۔

۱۔ سات سال تک قومی پیمانہ پر مفت اور جبری تعلیم دیجائے۔

۲۔ تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔

۳۔ اس زمانہ میں تعلیم کا مرکز کسی طرح کی دستکاری اور کوئی فائدہ بخش کام ہونا چاہئے اور تمام دوسرے کام اور فن جو سکھائے جائیں وہ جہانتک ممکن ہوسکے ایک خاص دستکاری کے مطابق ہوں جو بچے کا ماحول دیکھکر مقرر کی جائے۔ اسلئے کانگرس کی رائے ہے کہ تعلیم کے اس بنیادی حصہ پر غور کرنے کیلئے ایک آل انڈیا تعلیمی بورڈ بنایا جائے اور اسکے لئے کانگرس ڈاکٹر ذاکر حسین۔ اور شری ای۔ آر۔ آریانایکم سے درخواست کرتی اور ان کو اختیار دیتی ہے کہ وہ ایک ایسا بورڈ بنائیں جو بنیادی قومی تعلیم کا ایک مکمل پروگرام مرتب کرکے جن لوگوں کے ماتحت سرکاری یا پرائیوٹ تعلیم ہے انکے سامنے اسکی سفارش کرے۔ اس بورڈ کو آپ اپنا آئین بنانے کا، روپیہ جمع کرنے کا اور اپنی اغراض کی تکمیل کے سلسلہ میں تمام کام جنکو وہ ضروری خیال کرے کرنے کا اختیار ہوگا۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

کانگریس اور مسلم عوام

(منظر رضوی)

کانگریس کا مقصد

کانگریس کا مقصد ہمیشہ سے ہندوستان کے لئے پر امن طریقہ سے مکمل آزادی کا حاصل کرنا۔ مکمل آزادی کے معنی ہیں کہ تمام سیاسی اور اقتصادی اختیارات ہندستانیوں کے ہاتھوں میں ہوں۔ سیاسی اور اقتصادی اختیار، فوج پر قبضہ اور اسکا نظم و نسق سرحد کی حفاظت، دوسرے ملکوں سے سیاسی تعلقات، امن و جنگ کے معاملات میں اپنا فیصلہ، قانون اور دستور بنانیکا اختیار، پھر ملک کی پیداوار، تقسیم، لین دین، تبادلہ، ملکی اور غیر ملکی تجارت پر اپنا قبضہ، قومی قرضہ کا اپنے طریقہ پر انتظام، صنعت اور زراعت کی تنظیم اور ترقی پر اختیار اور ان سب سوالوں پر رائے عامہ کی مرضی کے مطابق قوانین بنانا۔ جبتک یہ سب حاصل نہ ہو قومی آزادی بالکل آزادی خواب و خیال ہی ہے۔

پڑھے لکھے بے روزگار، نئے بھرے اور تباہ حال مزدور، دکھی اور فاقہ مست کسان ہندستان کی بے پناہ اکثریت بھوک، دکھ اور غربت کی ماری جنتا ایک طبقے میں شامل ہے۔ انکے مقابل میں بڑے بڑے زمیندار اور تعلقہ دار ہیں، اور بڑے بڑے مل مالک اور کارخانہ دار! ایک طرف ان پونجی پتیوں اور تعلقداروں اور دوسری طرف ان مزدوروں اور کسانوں اور بے روزگاروں میں کونسی چیز، کونسی بات مشترک ہے؟ ایک طرف تمدن اور دولت کی جگمگ عیش اور عشرت، اور دوسری طرف بھوک، دربدری، جہالت اور گندگی غریبی اور غلامی۔ اور غلامی سے جو تباہی آتی ہے وہ اسی نیچے طبقہ کے لوگوں پر نازل ہوتی ہے۔ بڑے لوگوں پر نہیں۔ اور جب ہماری لڑائیوں سے اور قانون توڑنے اور جیلوں میں بھرتی ہونے سے حکومت کے کچھ اختیار ملتے ہیں تو ان سے فائدہ بھی انھیں بڑے لوگوں کو ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا سماجی اور اقتصادی نظام ہی ایسا ہے کہ جنہیں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس سماج میں نیچے کی سیڑھیاں ہمارے مزدور اور کسان ہیں جنکو اوپر کی سیڑھی یعنی بڑے لوگ، ہمارے پونجی پتی دوست اور زمیندار بزرگ ٹھکرتے رہتے ہیں۔ اور یہ بدیسی سامراج شاہی انہیں کی حفاظت کرتی ہے اور پیٹھ ٹھونکتی ہے۔

آجکل کے قانون اور جمہوریت آزادی اور ترقی کے معنی ہیں دولت حاصل کرنے کی آزادی، استحصال کی حفاظت کا قانون، دولت کے وسائل پر قبضہ کرنے اور مزدوروں اور کسانوں کی محنت سے ناجائز فائدے اٹھانے کی جمہوریت اور غلامی اور غربت کی ترقی۔ کیونکہ جبتک محنت کش عوام کے ہاتھوں میں دولت نہ ہو، دولت کے اختیار کے ساتھ ساتھ محنت و مزدوری دولت کی پیداوار اور اسکی تقسیم کا اختیار نہ ہو یہ ساری جمہوریت اور اسکا نظام صرف ڈھونگ ہے۔ اس نظام کے ماتحت سبکو ترقی کرنے کا برابر برابر موقع حاصل نہیں ہے۔ اسلئے جب ترقی ہوتی ہے تو ایک طرف ایک حلقہ میں۔ دوسرا حلقہ اس ترقی سے محروم رہتا ہے اس میں ترقی ہوتی ہے۔ مگر یہ ترقی بھوک اور مفلسی کی ہوتی ہے۔ سامراج شاہی کا یہ نظام جبتک قائم ہے اس میں ایک چھوٹی سی اقلیت کی جو دولت کے وسائل پر کھیت کان اور کارخانے وغیرہ پر قابض ہے اسکی ترقی ہوگی۔ دوسرا جو محنت و جانفشانی کرتا ہے اسکی بربادی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب Whither India (ہندستان کدھر؟) میں کہا ہے:-

"اسلئے ہندستان کا پہلا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اسکی جنتا کے استحصال کو ختم کیا جائے۔ سیاسی حیثیت سے آزادی حاصل کیجائے اور برطانیہ سے تعلقات کو جس سامراجی قبضہ قائم ہے، ختم کیا جائے۔ اقتصادی اور سماجی حیثیت میں اسکے معنی یہ ہیں کہ تمام طبقاتی رعائتوں اور مفاد کو جو خاص خاص لوگوں کو حاصل ہے ختم کیا جائے"

ہمارے ملک میں در اصل دو طبقے ہیں۔ ایک امیروں کا دوسرا غریبوں کا۔ امیر لوگ آزاد ہیں۔ وہ برطانوی سامراج شاہی کے دوست اور حلیف ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اسلئے دونوں ایک دوسرے کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اصل غلام غریب لوگ ہیں۔ جو لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں اور اس سے دولت پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ دولت انکے ہاتھوں میں سے چھن کر بڑے لوگوں اور برٹش سرکار کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ اسلئے اب اگر برٹش راج ختم بھی ہو گیا اور دولت پیدا کرنے اور اسکو آپس میں تقسیم کرنیکا طریقہ نہیں بدلا گیا تو ملک کی غلامی ختم نہیں ہوگی۔ وہ اسی طرح باقی رہیگی۔ ہاں اتنا ضرور ہوگا کہ مزدوروں اور کسانوں کی محنت سے جو دولت پیدا ہوگی وہ سب کی سب بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ جو حصہ برٹش راج کو اب تک ملتا رہا ہے وہ بھی ہمارے بڑے لوگوں ہی کو ملیگا۔ ایسی آزادی سے غریبوں کا کیا بھلا ہوگا؟ وہ تو غلام کے غلام اور بھوکے کے بھوکے رہ گئے۔ اس لئے کانگریس صاف صاف بتاتی ہے کہ وہ کیسی آزادی چاہتی ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۱۹۲۹ء میں اپنی بمبئی کی بیٹھک میں اس سوال کو حل کیا ہے کہ ہندستان کو کس طرح کی آزادی کی ضرورت ہے۔

"اس کمیٹی کی رائے میں ہندستانی جنتا (عوام) کی غریبی اور مفلسی صرف بدیسی استحصال ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکی ایک بڑی وجہ ہمارے سماج کی اقتصادی بناوٹ بھی ہے جسے ہمارا بدیسی سامراج طاقت پہنچاتا ہے۔ اس غربت اور افلاس کو دور کرنے اور ہندستانی عوام کی حالت سدھارنے کیلئے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ سماج کی موجودہ اقتصادی بناوٹ میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں اور انکی انتہائی نابرابری (عدم مساوات) دور کیجائے"

جواہر لال کی تحریر اور کانگریس کمیٹی کی تجویز سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہماری مکمل آزادی کی لڑائی صرف اختیارات کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ در اصل مزدور اور کسانوں اور بے روزگاروں کے بڑے بڑے اقتصادی سوالوں کو حل کرنے کیلئے ہے۔ انکی غربت اور تباہ حالی کو دور کرنے کیلئے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر یہ مکمل آزادی

ہندستان کے چونتیس کروڑ آدمیوں، عورتوں اور بچوں اور مردوں کے لئے ہے۔ یعنی ہے اسی لئے آزادی کو ان انسانوں کیلئے مفید اور کارآمد بنانے کیلئے کانگرس اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ آزادی کے تمام اختیارات کے ساتھ ساتھ وہ سماج سے اقتصادی بناوٹ میں انقلابی تبدیلیاں بھی کرے گی۔ ہمارے سماج کی اقتصادی بناوٹ میں کون کون سی ابتدائی خرابیاں ہیں جن کو ہماری طرف سے ہیں اضافہ ہوتا ہے؟

کسانوں کا سوال

ہندستان کی ۷۰ فیصدی آبادی زراعت پیشہ ہے۔ اور وہ کھیتوں پر محنت مزدوری کرکے زندگی بسر کرتی ہے سب سے زیادہ خراب حالت انہیں کی ہے۔ لگان کا بوجھ۔ پیداوار کی کمی۔ قرض اور سود کا کڑا طریقہ۔ بھوز میندار وں کے نذرانے اور بیگار اور کاشتکاری کے خراب قانون سب موٹی موٹی باتیں ہیں۔ کانگرس نے انہیں سوالوں کو حل کرنے کیلئے تمام صوبائی کانگرس کمیٹیوں کو لکھنؤ کے اجلاس میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی سفارش بیٹھ کر فیض پور کے اجلاس میں صوبہ کانگرس کمیٹیاں اپنی سفارشیں نہ بھیج سکیں کیونکہ انمیں سی بہت سی کمیٹیاں کسانوں کی حالت کی تحقیق میں لگی ہوئی تھیں۔ جب فیض پور کانگرس نے عارضی طور پر مندرجہ ذیل پروگرام مرتب کیا۔ صوبہ کمیٹیوں کی سفارشیں آجانے پر مرکزی کانگرس کمیٹی ایک مفصل پروگرام مرتب کرے گی۔ فیض پور کا پروگرام یہ ہے

(۱) موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے لگان اور مالگذاری کی از سر نو تشخیص تشخیص کیجائے۔ اور دونوں میں کافی کمی کیجائے۔

(۲) غیر نفع بخش کاشت کو خراج اور لگان سے معاف کر دیا جائے۔

(۳) زراعتی آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے (یہ ٹیکس زمینداروں پر لگایا جانا ہے)

(۴) نہر اور آبپاشی کی شرح کم کیجائے۔

(۵) نذرانے نیلامی اور بیگار بند ہو، اور لگان کے علاوہ تمام رقموں کو (جو زمیندار لوگ کسانوں سے وصول کرتے ہیں) غیر قانونی ٹھہرایا جائے۔

(۶) کسان کو درخت لگانے، مکان بنانے اور مستقل بندوبستی کا حق دیا جائے۔

(۷) کوآپریٹو کاشت کا طریقہ رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۸) دیہاتی قرضہ کے بوجھ کو ختم کیا جائے۔ ایک ایسا کمیشن بنایا جائے جو قرضوں کی تحقیقات کرے اور یہ بتائے کہ کتنے قرضے ایسے ہیں جنھیں کسان ادا نہیں کر سکتا ہے۔ اور ایسے قرضوں کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور ایسی صورت نکالی جائے کہ سود کے ارزاں شرح پر قرض مل سکے۔

(۹) پچھلے سال تک کے بقایا لگان کو منسوخ ہی کر دیا جائے۔

(۱۰) مشترکہ چراگاہوں کا انتظام کیا جائے۔ اور تالاب، کنویں، گڈھے اور جنگلات پر عام لوگوں کے حق کو تسلیم کیا جائے، اور ان حقوق کی پامالی نہیں ہونی چاہئے۔

(۱۱) بقایا لگان کیلئے بے دخلی نہ ہو۔ بلکہ اسے تمام قرضوں کی طرح وصول کیا جائے۔

(۱۲) کھیت کے مزدوروں کیلئے قانون کے ذریعہ ضرورت بھر مزدوری اور کام کرنے کی بنا بر حالت کا سامان ہونا چاہئے۔

(۱۳) کسان سبھائیں بنائی جانی چاہئیں۔

حالیس پروگرام کو مسودہ کرتے وقت کانگرس نے اعلان کیا تھا۔

اس مسئلہ کا (کسان کے مسئلے کا) آخری اور اصلی حل اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ برٹش سامراجی استحصال کا سسٹم ختم ہو جائے اور لگان اور مال گذاری کے تباہ کن دقیانوسی قانون میں ہمہ گیر تبدیلیاں ہوں۔ تاہم یہ کانگرس محسوس کرتی ہے کہ موجودہ حالت میں کسان پر بہت بڑا بوجھ ہے جس سے انکی حالت ناقابل برداشت اور خطرناک ہو رہی ہے اور انہیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔"

مزدوروں کا مسئلہ

اب سوال آتا ہے مزدوروں کا۔ اسپر کانگرس کہتی ہے

(۱) مزدوری پیشہ جماعتوں کا اقتصادی نظام اصول انصاف کے مطابق ہوگا جسکی سب سے بڑی بنیاد یہ ہوگی کہ ایسے اشخاص کی طرز رہائش اور عام حالت زندگی کا معیار سب سے بہتر اور اونچا ہو جائے۔

(۲) حکومت وقت کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کرتی رہیگی۔ اور مناسب قوانین اور دوسرے ذرائع سے ان لوگوں کیلئے معقول مزدوری، انکی صحت کا انتظام، کام کرنے کے مقررہ گھنٹے۔ بڑھاپے، بیماری اور بیکاری کی صورت میں ایسے لوگوں کی مناسب امداد۔

(۳) بیگاری اور ایسی مزدوری جو بیگاری کے قریب ہو بالکل بند کر دی جائے گی۔

(۴) مزدور عورتوں کے تحفظ کا خاص انتظام کیا جائے گا۔

(۵) تعلیم پانے کی عمر کے بچوں کو کانوں اور کارخانوں میں کام نہیں کرنے دیا جائے گا۔

(۶) مزدوروں کو پورا حق حاصل ہوگا کہ اپنے حقوق کی حفاظت کے واسطے یونین (انجمنیں) قائم کریں۔

(۷) تمام بنیادی صنعتیں (صنعتہائے کلیدی Key Industries) کانیں، ریلوے، آبی راستے، جہازرانی، اور دیگر ذرائع آمدورفت سٹیٹ (حکومت وقت) کی ملک ہوں گی، اور اسٹیٹ ہی کے قبضہ میں رہینگی۔

پڑھے لکھے لوگوں کی بے روزگاری

آج کل بے روزگاری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک میں صنعتی ادارے بہت کم ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کو نوکریاں صرف سرکاری دفتروں میں ہی مل سکتی ہے۔ وہ سوائے سرکاری نوکری کے اور کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ ملک میں صنعتی دولت پیدا ہوتی ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ فوج پر صرف ہوتا ہے، اور پھر بڑی بڑی تنخواہیں سول سروس کو دیکر ساری دولت ختم کر دی جاتی ہے۔ اور قومی ترقی کے شعبوں پر خرچ کرنے کیلئے جس سے بے روزگاری دور ہو سکے، رقم رکھی ہی نہیں جاتی، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ پڑھ لکھ کر گلی گلی مارے مارے پھرتے ہیں۔ اسلئے کانگرس اس قسم کے خرچ کو کم کرکے قومی ترقی کے شعبوں پر زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کرنا چاہتی ہے اسکے لئے اسکی تجویز یہ ہے۔

(۱) فوجی اخراجات میں بہت بڑی کمی کی جائے گی اور وہ خرچ موجودہ اخراجات سے نصف رکھا جائے گا۔

(۲) سول محکموں کے اخراجات اور ملازموں کی تنخواہوں میں بھی تخفیف ہوگی۔ حکومت کا کوئی ملازم سوائے ان لوگوں کے جن کی تقرری ماہر فن کے طور پر ہوگی معمولاً پانچسو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں پائیگا۔

نیچے دیئے ہوئے گوشوارہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آجکل بیکار اور بے مصرف کاموں پر کتنی بھاری رقم خرچ کیجاتی ہے۔ اور غریبوں کی تعلیم انکی صحت طبی امداد، زراعت اور صنعت وغیرہ کے ساتھ کیسی بدسلوکی کی جاتی ہے اور انکے روزگار اور اخلاقی اور مادی ترقی کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔

۱۹۳۵-۳۶ء میں مرکزی حکومت کا خرچ

فوج	۵۰,۱۸,۰۵,۳۲۵۳	روپیہ
عام حکومتی انتظام	۱۲,۰۵,۴۶,۰۷۶	"
تعلیم	۱۲,۲۶,۰۳,۸۲۰	"
صحت عامہ	۱,۶۸,۴۰,۱۸۵	"
دوا علاج	۳۸۵,۰۸,۳۴۸	"
زراعت	۲,۶۹,۰۸,۳۹۰	"
صنعت	۹۴,۹۰,۱۸۷	"

فوج کے اتنے بھاری خرچ کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہماری سرکار ہندستان کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ خرچ بھی صرف سرحد اور سرحد پار کے مسلمانوں کو دبانے اور غارت کرنے اور انکی آزادی کو چھیننے کیلئے کیا جاتا ہے اور یہیں بتایا جاتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو سرحد پار کے لوگ ہمارے ملک پر چڑھ آئینگے اور ہمیں اپنا غلام بنائیں گے۔ اور اس بہانے سے آئے دن سرحد پار کے علاقہ پر بمباری ہوتی رہتی ہے اور سرحدی مسلمانوں کو تباہ کیا جاتا ہے۔ اب کانگرس اگر اس خرچ کو آدھا کم کردے تو پچیس کروڑ روپے بچ جاتے ہیں۔ اسیطرح حکومتی انتظام کی مدات سے بھی چار پانچ کروڑ کی رقم بچ جاتی ہے۔ ان رقموں سے ملک کی زراعت اور صنعت کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ اس ترقی سے ملک کی دولت بڑھیگی۔ دولت کے بڑھنے سے لوگوں میں خوشحالی آئے گی۔

یہ سب سوال ہیں جنکے لئے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ سوال بغیر مکمل آزادی یا مکمل سیاسی اختیارات کے حل نہیں ہوسکتے۔ اسلئے کانگرس تمام چھوٹی چھوٹی باتوں کو چھوڑکر اس سیاسی اختیار کیلئے لڑ رہی ہے جب سیاسی اختیار حاصل ہو جائے گا تو یہ سب مسئلے خودبخود دھڑا دھڑ طے پانے لگیں گے

کانگرس اور مسلمانوں کا مذہب اور تمدن

مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت غریب اور فاقہ کش ہے۔ وہ اپنے ہندو بھائیوں سے بھی زیادہ تباہ حال ہیں۔ انکی بھی ایک بہت بڑی تعداد مزدوری اور کاشتکاری کے ذریعہ پیٹ پالتی ہے۔ نوکریوں کی محتاج ہے۔ اور تعلیمی حیثیت سے پچھڑی ہوئی ہے۔ اسلئے اسوقت انکی ترقی اور فلاح صرف مکمل آزادی پر ہی منحصر ہے۔ ان کی تباہی اور غربت کے دور ہونے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ ہندستان کی دولت پر جو برٹش سرکار اور ہندستانی پونجی پتی سانپ کی طرح بیٹھے ہیں جبتک انکو اکھاڑا نہ جائے اور قبضہ سے دولت چھین نہ لی جائے تب تک غریب مسلمانوں کی حالت کیسے پنپ سکتی ہیں۔ وہ اپنی غریبی اور دکھ کو کیسے دور کرسکتے ہیں۔

ہندستان کے سب مسلمان اس بات کو نہیں مانتے کیونکہ یہاں کے کچھ مسلمان تعلقدار اور زمیندار اور سرمایہ دار ہیں اور انکے فائدے تمام ہندو اور پارسی سرمایہ داروں کی طرح برٹش حکومت سے وابستہ ہیں۔ سیاسی مشینری پر انکا قبضہ بھی ہے۔ وہ اقتصادی حیثیت سے کامل طور پر آزاد ہے۔ سیاسی حیثیت سے نیم آزاد انکو اب کسی مزید آزادی کی ضرورت نہیں۔ وہ آزادی نہیں چاہتے۔ وہ لازمی طور پر یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسکی جدوجہد نہ کریں۔ ملک آزاد نہ ہو۔ اسلئے مسلمانوں کو آزادی کی لڑائی سے ہٹانے کیلئے وہ کہتے ہیں کہ کانگرس مسلمانوں کی دشمن ہے۔ وہ انکے مذہب اور زبان کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ چونکہ مذہب انسان کو بہت ہی عزیز ہے اسلئے ہمارے سرمایہ دار ساتھی اسکا نعرہ لگاتے ہیں کہ لوگ ڈر کر انقلابی جدوجہد میں شریک نہ ہوں۔ روس میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ روس کے بادشاہ نے کچھ آدمیوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ عوام میں اسی کا پروپیگنڈا کریں کہ اگر انقلاب ہوا تو مذہب ختم ہو جائے گا۔ اور دہریت قائم ہو جائے گی۔ اسی طرح آج ہندستان میں بھی لوگ بڑے زور شور سے پرچار کر رہے ہیں۔ جھوٹی بے بنیاد اور خیالی باتیں، جنکا روزمرہ کی حقیقتوں سے کوئی تعلق بھی نہیں، پھیلا رہے ہیں۔

اقلیتوں اور خاص کر مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی حقوق کا اور ان کی حفاظت کا کانگرس بار بار اعلان کرچکی ہے۔ اور ہر طرح سے یقین دلا چکی ہے کہ کانگرس سے مسلمانوں کو ان کے مذہب، تمدن، شریعت، زبان اور رسم خط کو کوئی بھی خطرہ نہیں ہے بلکہ برخلاف اسکے کانگرس اس کی حفاظت کریگی سنہ ۱۹۳۱ء کے بنیادی حقوق والی تجویز میں اس نے کہا ہے

(۱) ملک کی اقلیتوں کے تمدن اور ان کی زبان اور رسم خط محفوظ ہونگے

(۲) ہر باشندہ ہندستان کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور وہ اپنے مذہب کا اعلان آزادی سے کرسکے گا۔ اور اپنے مذہب کے فرائض و رسوم آزادی سے برت سکیگا۔ بشرطیکہ اس سے انتظام عامہ میں اور اخلاق میں کوئی نقص واقع نہ ہو۔

(۳) مذہب کے معاملہ میں حکومت غیر جانبدار رہیگی۔

یہ تینوں باتیں بنیادی حقوق میں داخل ہیں۔ اور جب ہندستان کا آزاد دستور اساسی بنے گا تو اسوقت یہ چیز اس میں بھی مسلم عوام اور دوسرے مذاہب والوں کے بنیادی حق کے طور پر داخل رہیگی۔ آج کل کی جمہوریت کسی کے مذہبی حقوق میں دخل نہیں دیتی یہ پچھلے زمانوں میں جب جاگیرداری کی حکومت تھی تو راجے مہاراجے اور سلطان اور بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے وہ من مانی کارروائی کرتے تھے۔ اب دنیا بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ تمدن بدل گیا، حکومت کی طرز اور شکل بدل گئی۔ لین دین اور آپسی تعلقات بدل گئے۔ اب حکومتی نظام میں رعایا کے پہلے بنیادی حقوق مان لئے جاتے ہیں۔ اور انکی حفاظت کی جاتی ہے۔ کانگرس نے اسکے علاوہ مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی حقوق کی آزادی اور اسکی حفاظت کا اعلان کرتے ہوئے متعدد تجویزیں منظور کی ہیں۔ اور متعدد بیانات دئے ہیں۔ سیاسی اور مذہبی حقوق کی حفاظت پر اسکا بمبئی کا ایک اعلان یہ ہے۔

۱۔ (الف) دستور اساسی میں بنیادی حقوق پر جو دفعہ ہوگی اس میں اقلیت کی تہذیب، زبان، رسم خط، تعلیم، مذہبی عقائد و اعمال اور مذہبی اوقاف کی حفاظت کی ضمانت کی جائے گی۔

(ب) دستور اساسی میں قانون شریعت (Personal Law) کی

حفاظت کیلئے ایک خاص دفعہ ہوگی۔

(۴) وفاقی حکومت (یعنی وہ آزاد حکومت جسے کانگرس قائم کرے گی) اقلیتوں کے سیاسی اور دوسرے حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار اور مجاز ہوگی۔

(۲) ووٹ کا حق تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو دیا جائیگا۔

(نوٹ: ووٹ کا حق یکساں ہوگا اور اسے اتنی وسعت دی جائیگی کہ مختلف فرقوں کے ووٹروں کی تعداد انکی آبادی کے تناسب سے ہو)

(۳) (الف) ہندستان کے آئندہ دستور میں نمائندگی مخلوط انتخاب کے ذریعہ ہوگی۔

(ب) ہندوؤں کیلئے سندھ میں مسلمانوں کے لئے آسام میں سکھوں کیلئے پنجاب اور صوبۂ سرحد میں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کیلئے ہر اس صوبہ میں جہاں انکی تعداد پچیس فیصدی (۲۵ %) سے کم ہو صوبائی اور وفاقی اسمبلیوں میں انکی آبادی کے تناسب سے نشستیں محفوظ کر دیجائیں گی اور اسکے علاوہ انکو اسکا بھی حق ہوگا کہ وہ دوسرے فرقہ کے امیدواروں کا مقابلہ کرکے مزید نشستیں حاصل کریں۔

۴۔ وفاقی حکومت اور صوبائی وزارت کی ترتیب کے وقت اقلیتوں کی شمولیت کے حق کو رواج کے طور پر تسلیم کیا جائے۔

۵۔ ملک کا آئندہ دستور اساسی وفاقی ہوگا اور فاضل اختیارات (Residuary Powers) صوبوں کو (جن کے ملنے سے ہی وفاق بنےگا) حاصل ہوں گے۔

ان نمبروں پر تبصرے کی ضرورت نہیں ہے وہ آپ اپنی تفسیر ہیں۔ کانگرس اپنے سالانہ اجلاس، آل انڈیا کمیٹی اور اپنی ورکنگ کمیٹی میں بار بار اپنی اس پالیسی کا اعلان کر چکی ہے۔ ابھی حال ہی میں ۲۶ اکتوبر سے ا نومبر ۱۹۳۷ء تک کی اپنی کلکتہ کی میٹنگ میں اسنے اقلیت کے حقوق پر نیچے لکھی ہوئی تجویز جس میں اس نے اپنی اسی پرانی پالیسی کو دہرایا ہے۔ پاس کیا ہے۔

"کانگرس نے ہندستان کی اقلیت کے بارہ میں اپنے نظریہ کا کئی بار اعلان کیا ہے اور صاف بتا دیا ہے کہ کانگرس انکی حفاظت کرنا اور انکے آگے بڑھنے کیلئے ملک کی سیاسی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع دینا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ کانگرس کا مقصد ہے ملک کو آزاد کرانا اور اسے ایک ایسا جامعہ میں باندھنا جہاں کوئی بھی فرقے اکثریت یا اقلیت کسی دوسرے کو اپنے فائدے کیلئے نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔ اور جہاں سارے ہندستان کے فائدے کیلئے ملک کے سب فرقے ملکر کام کرینگے۔ آزادی اور تعاون کے اس مقصد کے معنی یہ نہیں کہ ہندستان کی مختلف تہذیبوں میں سے کسی پر دباؤ ڈالا جائیگا بلکہ ان سب کو محفوظ رکھا جائیگا تاکہ سب لوگوں کو اور ہر فرقہ کو اپنے اپنے رجحان کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی اپنی ترقی کا موقع مل سکے۔"

ورکنگ کمیٹی بنیادی حقوق اور اپنی دوسری تجویزوں کو دہرانے کے بعد (جنھیں ہم اوپر کی سطروں میں دے چکے ہیں) کہتی ہے کہ "اقلیتوں کی بنیادی حقوق والی تجویزکی یہ دفعات اس بات کو بالکل صاف کر دیتی ہیں کہ ذاتی خیالات مذہب اور تہذیب کے بارے میں اقلیت کے ساتھ کسی طرح کی دست اندازی نہ ہوگی۔ وہ اپنے ذاتی یعنی شرعی اور مذہبی قوانین کو قائم رکھ سکیں گی اور اکثریت انہیں کوئی تبدیلی کرانے کیلئے زور نہیں دے سکتی اور نہ دے سکے گی۔

"کمیونل ایوارڈ کے بارہ میں کانگرس ایک تجویز منظور کرکے اپنی پالیسی کا بار بار اظہار کر چکی ہے اور آخر میں پچھلے سال چناؤ کے مسودہ میں اس نے پالیسی کو صاف صاف کہدیا ہے۔ کانگرس اس ایوارڈ کے خلاف ہے کیونکہ قومی اتحاد اور جمہوریت کے وہ خلاف ہے۔ اور ہندستان کی آزادی اور اتحاد کے راستہ میں وہ روڑا اٹکاتا ہے۔ پھر بھی کانگرس نے اعلان کر دیا ہے کہ اس ایوارڈ میں اگر کوئی تبدیلی ہو یا اسے رد کیا جائے تو اس سے تعلق رکھنے والے فرقوں کے آپس کے سمجھوتے سے ہی ایسا ہو سکے گا۔ کانگرس ایسے باہمی سمجھوتے کا ہمیشہ استقبال کرتی ہے اور اس سمت میں کامیابی کیلئے کسی بھی اچھے موقع سے فائدہ اٹھانے کو تیار ہے۔

"سب ایسے کاموں میں جن کا تعلق اقلیت سے ہے کانگرس اقلیت کو ساتھ لیکر ہی ان کاموں میں آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ انکی خوشنودی کو ساتھ لے کر وہ اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتی ہے۔ وہ مقصد ہے ملک کو آزاد کرنا اور ہندستان کے سب لوگوں کی حالت سدھارنا۔"

آزادی کیسے ملیگی یہ ایک ٹیڑھا سوال ہے اور اسپر پہلے ہم کچھ لکھ بھی چکے ہیں۔ پہلے سے کوئی نقشہ بنا کے سامنے نہیں رکھا جا سکتا۔ روز روز حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ان حالات کے ساتھ ساتھ ہمیں لڑائی کے طریقے بھی بدلنا پڑتے ہیں۔ کیونکہ بدلی ہوئی اور روزمرہ بدلتی ہوئی حالتوں میں نئے نئے مورچے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان مورچوں پر ہمیں لڑنا پڑتا ہے۔ پچھلی بار کانگرس نے نمک کا قانون توڑا تھا لیکن آج کی بدلی ہوئی حالت میں جبکہ کانگرسی وزارتوں سے ہم میں ایک بے پناہ طاقت آئی ہے اور ملک میں انقلابی کھلبلی پیدا ہو رہی ہے تو اس میں بڑے بڑے امکانات ہمارے لئے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ایسی کی لڑائی ممکن ہے ایسی ہو جس میں ہم حکومت پر قبضہ کرنیکے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔ اسوقت ہمارے بہت سے مورچے لڑائی کے ہیں جن سے گذر کر ہمیں دستور ساز اسمبلی کا چناؤ کرنا ہے یہی اسمبلی آزاد ہندستان کا آزاد دستور اساسی بنائے گی۔

کانگرس ہندستان میں ایک جیتی جاگتی جمہوری حکومت قائم کرنا چاہتی ہے اور وہ تمام سیاسی اور اقتصادی اختیار عوام کے ہاتھوں میں دینا چاہتی ہے۔ ایسی حکومت دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ہر بالغ عورت اور مرد کی رائے سے چنی گئی ہو۔ کانگرس اسی مقصد کے تحت کام کر رہی ہے اور جنتا کو اسی کے لئے منظم کر رہی ہے۔ یہ تنظیم جنتا کے طبقاتی حقوق اور مفاد کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔ اس میں مذہب و ملت کے امتیاز کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہندستان میں دو ہی مذہب ہیں۔ ایک امیری کا دوسرا غریبی کا۔ اور لڑائی انہیں دونوں میں ہے۔ امیری کی طاقت چاہتی ہے۔ ہندستان کی زمین، کان، کارخانے، ریلوے، جہازرانی اور باغبانی پر اپنے قبضہ کو قائم رکھنا۔ اسکے لئے اسکی ہم کبھی کبھی بدیسی سامراج سے ہوتی ہے اور وہ چاہتی ہے اس سامراج کو مار بھگانا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ شدید اور خطرناک ٹکر ہوتی ہے

انکی ہندستان بھر کے غریب مزدوروں اور کسانوں سے۔ یہ غریب لاچار دکھی لوگ اپنی محنت اور مزدوری سے محروم ہوتے ہیں، انکی مایوسی بڑھتی ہے۔ اس سے ایک منفی انکاری جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ قانون، تمدن، اخلاق، سماج، حکومت سب کو مشکوک اور خطرناک نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ وہ زیادہ اجرت مانگتے ہیں، رہنے کیلئے اچھے گھر اور بچوں کی تعلیم کیلئے مفت اسکول کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ چیزیں انہیں نہیں ملتیں، قانون کہتا ہے تم اسکے مستحق نہیں۔ وہ ہڑتال کرتا ہے اور لگان بندی کرتا ہے تو اسکے امارت پسند ہمسائے کہتے ہیں تم امن کو خراب مت کرو۔ مولوی اور پنڈت آتے ہیں اور کہتے ہیں تمہاری قسمت میں یہی لکھا ہے صبر کرو۔ خدا کا یہی حکم ہے۔ اچھے کے دیوتا فرماتے ہیں لشتہ دست کر دیا ہے۔ یہ سب چیزیں اسکی اپنی محنت کشاں انسانیت کی خواہش اور مرضی کے خلاف کام کرتی ہیں وہ سوچنے لگتا ہے، یہ قانون، یہ تہذیب اور تمدن، یہ اخلاق اور ادھر کے فلسفے سب ان استبداد گر پونجی پتیوں کے مطلب کی چیزیں ہیں، وہ ان لوگوں کو سب بات کی اجازت دیتا ہے۔ سود لینے اور نذرانے وصول کرنے کی تلقین کرتا ہے، بیگار لینے کی تعلیم کرتا ہے۔ یہ تمدن اور یہ قانون امیروں کو اجازت دیتا ہے کہ مزدوروں کے کم عمر بچوں سے کانوں کے کوئلے، کارخانوں میں محنت کرالے۔ یہ تمدن اور یہ قانون اجازت دیتا ہے کہ ہر روز یہ دس دس اور بارہ بارہ گھنٹے مزدوروں سے محنت لے۔ وہ ان سب کو

اپنی مادی لڑائی، زندگی کی کشمکش، حیات اور موت کی جد وجہد میں اپنا دشمن، بدترین قسم کا دشمن پاتا ہے۔ اس سے اس میں بغاوت، ورسرکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمدن اور یہ قانون اور یہ چمکتی دمکتی فضائیں جو اس نے اپنے خون اور پسینے سے بنائی تھیں اور جسکی ترقی اسی کی محنت پر قائم تھی ان سب کو اپنا دشمن اور غارتگر پاکر وہ توڑ پھوڑ کے ختم کر دینا چاہتا ہے۔ تمدن کی ان ہر ہر یادگاروں کو وہ جلاکر خاکستر کر دینا چاہتا ہے۔

آج ہندستان کے غریبوں میں جیسے یہ احساس تیز ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے ہمارے سرمایہ دار حضرات اور سرمایہ دارانہ تمدن کے پرستار سہمے جا رہے ہیں اور وہ برٹش سامراج شاہی طرف جھکتے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اتنا تو ہے کہ کچھ برٹش سرکار کے ہاتھ لگے اور کچھ ہندستانی سامراج کی جیب میں جائے۔ عوام کی جاگ سے تو انکا خطرہ بہت ہے۔ عوام تو انھیں اس دولت کے ذرائع سے نکال کر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایکطرف تو یہ لوگ برٹش سرکار شاہی سے اپنی دوستی بڑھا رہے ہیں اور دوسری طرف عوام کو بھی مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھیں مذہب و خدا کا واسطہ دلا رہے ہیں۔ انہیں بہیں بدلا کر مسلم اور ہندو مہا سبھا بنکر جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اسلام زندہ باد اور دوسرا کہتا ہے گؤ ماتا کی جے! حالانکہ ان دونوں کا در اصل ایک نعرہ ہے وہ یہ کہ سرمایہ داری زندہ باد! استحصال و لوٹ زندہ باد!

کانگرس ہندستان بھر کے غریبوں، مزدوروں کسانوں اور بےروزگاروں کی خوش نصیبی سے جلد درجاہ کی جیتی جاگتی نمائندہ جماعت ہے۔ اور وہ چاہتی ہے ہندستان کی لکھوکھا انسان کو غربت اور دکھ اور فاقہ کشی سے نجات دلانا۔ گو کہ وہ خوشحالی تک پہنچ نہیں سکا!!

مہاتما گاندھی

(شہاب ملیح آبادی)

اے حامل صداقت ارباب اتقا! — ہندوستان کے رہبر اعظم مہاتما!
گیتی نئی ہے اور نیا آسمان ہے — زیر و زبر نظام دیقین و گمان ہے
تنظیم و فکر و جنگ کے حربے لئے ہوئے — دنیا ہے انتقام کے جذبے لئے ہوئے
آنکھوں میں خون خون میں حدت شباب کی — عالم کے پیرہن میں ہے بو انقلاب کی
پختہ دلی کے رخ پہ ہے بیتا بیوں کی رو — جھنجھلا رہی ہے ہند کے در پہ حیات نو
فتح دل حبیب شکست رقیب ہے — اس کاروان جنگ کی منزل قریب ہے
بیداریوں میں خواب زر افشاں نہ دیکھئے — ان وحشتوں میں جلوۂ بستاں نہ دیکھئے
راہ عمل میں زر کا قدم ہے رکا ہوا — در پر گدا کے شاہ کا سر ہے جھکا ہوا
تاریکیوں میں دل کو چراغاں نہ سمجھئے — اب اہتمام صلح ہر اساں نہ کیجئے
آغاز کو سپرد صد انجام کیجئے — آرام کی یہ عمر ہے آرام کیجئے
یہ عہد جوش پرور و ہنگام آفریں — طوفان در بغل ہے و خنجر در آستیں
نعروں میں روح شعلۂ و خون جگر بھی ہے؟ — پھوڑے تپک رہے ہیں دلوں میں خبر بھی ہے؟

گردن نہ یوں جنون وطن کی مروڑیئے
ہندوستان جوش میں آیا ہے چھوڑیئے

ڈھائی سیر آٹا

مسلسل

(حیات اللہ انصاری)

(۴)

غلام کیو قت منی مولی کا انتظار کر رہی تھی۔ اور ببو اسکے کندھے سے لگا ریں ریں کر رہا تھا۔ " اماں بھوک لگی ہے "

منی دو پہر کو تھیں اور ببو کو برابر کی تھکیاں دیں تھیں۔ دیکھو وہ کہاں رو رہا ہے۔ منو ایک ال گلوے کا پھٹا کاغذ سر پر لپیٹے ایک لکڑی ہاتھ میں لئے سپاہی بنا ٹہل رہا تھا یہ سنکر بولا:۔

" اماں کل اور کہہ دینا۔ تب بھی ہم نہیں رو ئیں گے۔"

منی ۔" اب تیا ببو۔ وہ دیکھو کتنا اچھا لو کا ہے "

ببو غیرت میں آکر خاموش ہوگیا۔ مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد ویسی ہی ریں ریں کرنے لگا۔ اب منی کہنے لگی:۔

" رو نہیں دیکھو وہ آتے ہونگے اور تمہارے لئے چیز لاتے ہونگے "

اتنے میں مولا آٹے کا پوٹلا لئے ہوئے کوٹھری میں داخل ہوا منی نے پوٹلا کھولا۔ اور دیکھ کر حیرت سے بولی:۔ " گیہوں کا آٹا کہاں ملا؟ "

جب سے مولا بیمار تھا ان لوگوں نے گیہوں کی روٹی نہیں کھائی تھی۔ اسے دیکھ کر سب خوش ہوگئے۔

مولی :۔ " لگیا دیکھو کتنا ہے! "

منی دوڑ کر کہیں سے ترازو مانگ لائی اور آٹا تولنے کیلئے بیٹھی۔ ایک سیر تولا۔ اور اسکو ایک اور کپڑے میں رکھدیا۔ پھر دوسری بار ترازو بھرا۔ نتیجہ دیکھنے کو سب انتہائی ذوق و شوق سے منتظر تھے جیسے لڑکے اسکول میں امتحان کا نتیجہ سننے کے منتظر کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر منی بولی:۔

" سوا دو سیر سے کم نہ ہوگا۔ کتنا اچھا آٹا ہے۔ چل چھوکری۔ دیکھ اسکے گھن چن۔ پہلے چراغ جلا اندھیرا بہت ہے "

ایک لڑکی نے دوڑ کر ایک میلی سی لالٹین اٹھا کر جلائی۔ اور پھر دونوں بیٹھ کر گھن چننے لگیں۔ دونوں چھوٹے لڑکے غل مچانے لگے۔

" گیہوں کا آٹا۔ گیہوں کا آٹا "

منی تھوڑی دیر چپ رہی پھر چلا کر بولی "

" چپ رہو کمبختوں۔ کان پھاڑے ڈالتے ہو۔

اسکے بعد خاموشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر تک چھوٹی لڑکی کے کھانسنے کی آواز۔ یا بڑی لڑکی کے بدن کھجلانے کی کھر کھر سنے اور کوئی آواز نہ تھی۔ ۵ منٹ بعد منی نے حکم سنایا۔

" بس اب صاف ہوگیا۔ آدھا آٹا کل کیلئے رکھ دو "

مولا :۔ " اب رکھو گی کیا۔ آج ہی پکالو سب جی بھر کر کھائیں "

دونوں لڑکے " ہاں۔ ہاں۔ میری اماں "

منی آٹا گوندھنے لگی۔ آٹے میں اب بھی گھن موجود تھے۔ گوندھنے میں اسکو کچھ شک ہوا۔ اس نے آٹا نکال کر چکھا۔ پھر ذرا منہ بنا کر بولی۔

" نمک ڈالکر پکانے والا ہے۔ دو پیسے کا تیل لے آؤ تو آج پوریاں پکیں۔ دو پیسے کے آلو بھی لے آؤ اور ذرا جاکر بقالی کے یہاں سے کڑھائی مانگ لاؤ "

دونوں لڑکے سب تانا نا کڑھائی لینے دوڑے۔ پیچھے پیچھے چھوٹی لڑکی چلی۔ مولا بنئے کے یہاں سامان خریدنے گیا۔ منی نے آٹا گوندھ کر رکھا۔ اتنے میں لڑکی کڑھائی لیکر آ پہنچی اور پیچھے پیچھے دونوں لڑکے چیختے ہوئے آگئے۔

" ہم بیچا آئینگے۔ ہم بیچا آئینگے "

منی نے کوٹھری کے باہر نکل کر کڑھائی مانجی۔ مولا لکڑی وغیرہ لیکر آیا۔ لڑکیوں نے آگ بنائی۔ سب لڑکے چولھا گھیر کر بیٹھے۔ کڑھائی چڑھائی گئی۔ منی نے ایک مٹی کی رکابی میں ایک بڑی سی روٹی بڑھائی۔ کڑھائی میں ذرا سا تیل ڈالا جب وہ کڑکڑانے لگا تو اس نے روٹی ڈالدی۔ وہ چھ سے بولی تیل کی بو کوٹھری میں پھیل گئی۔ لڑکے کھانسنے لگے۔ پوریاں پکتے دیکھکر سب کے چہروں پر بحالی آگئی۔

منو۔ " ا ہا ہا کیسی اچھی خوشبو نکلی "

منی نے روٹی دوسری طرف الٹی۔

منو :۔ کیسی لال لال۔ اماں یہ ہم کھائینگے۔

ببو۔ نہیں ہم۔ ہم۔

منی نے پوری اتاری۔ پھر کڑھائی میں دو قطرے ٹپکائے۔ اور دوسری پوری ڈالدی۔ اسی طرح اسنے ایک گھنٹے میں دھیمی دھیمی آنچ میں سب پوریاں نکال لیں۔ کھانے میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ مگر خوشی میں کسی کو محسوس نہیں ہوا۔ پوریاں پکا کر منی چلائی:۔

" ارے آلو لاؤ۔ آلو لاؤ۔ کسی نے ابھی تک کاٹے ہی نہیں۔ میں کہتی ہوں یہ چھوکریاں کسی کام کی نہیں۔ سب کھڑی تماشا دیکھ رہی ہیں۔

جلدی جلدی آلو کے پتلے پتلے قتلے کاٹے گئے۔ اور پھر کڑھائی میں پکنے کیلئے چڑھا دیئے گئے۔ یہ انتظار بیشک کھل گیا۔ سب خاموش بیٹھے رہے۔ صرف کھانسی کی آواز اسکو توڑ دیتی تھی۔ آخر آلو تیار ہوگئے۔ تیار کیا ہوگئے ذرا ملائم پڑ گئے۔ منی نے مٹی کی رکابیاں نکالیں اور سب میں دو دو پوریاں اور ان پر تھوڑے تھوڑے آلو رکھکر سب کے سامنے بڑھا دیئے۔

اب جو ان لوگوں نے خیال کیا تو ببو سو رہا تھا۔

منی ۔ " ببو اٹھ۔ اٹھ۔ دیکھ پوریاں تیار ہوگئیں "

لڑکیاں ۔ لے ببو۔ ببو۔

ببو آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور رونے کی نیت سے پورا منہ کھولکر ایک چیخ لگائی

مگر ابھی پیٹ پوری نہیں بھری تھی کہ اسکی نگاہ پوریوں پر پڑ گئی - جسکو دیکھکر رونا بھول گیا - سب ہنس ہنس کر پوریاں کھانے لگے -

منو - "اماں کتنے مزے کی ہیں -

چھوٹی لڑکی - اماں سالن ہوتا!

بڑی لڑکی - "ہاں! اور پلاؤ متنجن نہ ہوتا گدھی "

پھر خاموشی ہوگئی - یہ لوگ خوب مزے لے لیکر کھا رہے تھے جن سے اچھا خاصا غور پیدا ہوگیا تھا - جب پوریاں ختم ہوگئیں تو منی نے آدھی آدھی سب کو اور دی - اور پھر خود بھی لی - مولی نے آٹا ملنے کا قصہ بیان کیا - اسپر منی بولی یہ بھی خدا کی دین ہے - میں بھو سے کہہ رہی تھی کہ آج ابا جیز لاتے ہوں گے -

بھو - "اماں ہم گرما گرم پوری والے بنیں گے - اور خوب پوریاں کھائینگے "

منو - "ہم سپاہی بنیں گے - سب کو پکڑ پکڑ کر جیلخانے بھیجا کریں گے "

بھو - "ہم تمکو پوریاں نہیں دینگے "

منو - "ہم تمکو خوب پیٹیں گے - اور پکڑ کر جیلخانے میں بند کر دینگے "

بھو - ہم — ہم تمکو -

بھو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے - اسنے منو کا منہ چڑھا دیا - اس پر منو نے ایک گھونسا رسید کیا - مولی نے دونوں کو ڈانٹا "کمبختوں! آج تو خوب ٹھونس ٹھونس کر کھایا ہے - آج تو چپ رہو "

دونوں خاموش ہوگئے - مولی بولا - خدا اب روز پیٹ بھر دے :

جب یہ لوگ سونے لیٹے تو بھو بولا -

"اماں - کہانی کہو "

لڑکیاں - "ہاں، ہاں - بادشاہ زادے والی "

منی کی بھی آج طبیعت خوش تھی وہ کہنے لگی -

" ایک تھا بادشاہ - ہمارا تمہارا خدا بادشاہ . . . . . .

. . . . " (ختم)

یوپی اور بہار کی وزارتوں کا استعفا

وزیر اعظم بہار کا بیان مسٹر سری کرشن سنہا وزیر اعظم بہار نے اپنی وزارت کے مستعفی ہونے پر یہ بیان دیا ہے :-

جب سے میں نے وزارت بنائی ہے اسوقت سے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ میری توجہ اور کوشش کا مرکز رہا ہے - میں نے کئی دفعہ گورنر سے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی لیکن یہ دیکھ کر کہ لامحدود گفت و شنید سے کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا میں نے ان قیدیوں کو رہا کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور احکامات جاری کر دیے -

گورنر نے گورنر جنرل کی ہدایات زیر دفعہ (۵) ۱۲۶ کے مطابق میرے احکامات سے اتفاق کرنے سے معذوری ظاہر کی اور ان حالات کے ماتحت میرے پاس استعفا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں چنانچہ میں اور میرے ساتھی اپنا استعفا داخل کر رہے ہیں -

یوپی کابینہ کا استعفا پنڈت گوبند ولبھ پنت وزیر اعظم یو - پی نے جو استعفا نامہ گورنر کو بھیجا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے -

"چونکہ اب یور اکسیلنسی نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو مطلع کر دیا ہے کہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بارہ میں جو مشورہ ہمنے اپنا فرض سمجھکر دیا ہے اسکو گورنر جنرل کی ہدایات زیر دفعہ (۵) ۱۲۶ کے بموجب آپ مسترد کرنے پر مجبور ہیں اسلئے ہمارے سامنے سوائے استعفا داخل کر دینے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے -

"سیاسی قیدیوں کی رہائی ہمیشہ سے کانگرس کی پالیسی کا ایک اہم جزو رہی - اور کانگرس کے انتخابی اعلان و نیز دہلی کنونشن میں اسکو صاف کر دیا گیا ہے - ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے کانگرس کو عہدے قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور یہ بھی یقین دلایا گیا تھا کہ کانگرس کو اپنا پروگرام چلانے کی پوری آزادی ہوگی - لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جب ہم کانگرس کی پالیسی پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو گورنر جنرل صاحب بھی کانگرسی وزارت کی کاشیں دفعہ ۱۲۶ کے تحت اپنے احکامات جاری کر دیتے ہیں -

"پندرہ سیاسی قیدی جنمیں سے بعض کو تو بالکل کم سنی ہی میں قید کی سزائیں دی گئی تھیں - اور کئی بھی سزا بھگت کر اب چھوٹنے کو ہیں انکے رہا کر دینے سے امن عامہ کو کیونکر نقصان پہنچ سکتا ہے - اسکے علاوہ ہمارے پاس یہ یقین کرنے کیلئے کافی دلائل ہیں کہ ان قیدیوں نے تشدد کے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے اور جیل کے افسروں نے بھی کافی تحقیق و تدقیق کے بعد یہی رائے قائم کی ہے - گورنر جنرل کے احکامات غیر صوبوں کے معاملات سے متعلق ہیں اور یہ ایک خاص بات ہے کہ جبکہ دفعہ ۹۳ کے دفعہ ۱۲۶ کے ماتحت یہ کارروائی کی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر کے خیال سے اس صوبہ کے امن کو کوئی خطرہ نہیں ہے -

"ہمنے ہر محکمہ کی اصلاح و ترقی کیلئے مکمل اور فائدہ بخش پروگرام بنائے تھے جسکے لئے امن اور سکون کی ضرورت تھی - لیکن صوبہ کے عام انتظامات میں گورنر جنرل کی دخل اندازی نے ایک زبردست قانونی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے جسکی وجہ سے امن و امان بڑھنے کے بجائے نہ صرف اس صوبہ میں بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی بے چینی پھیلنے کا ڈر ہے -

"ہم اس دخل اندازی کو دفعہ (۵) ۱۲۶ کا بالکل غلط استعمال خیال کرتے ہیں اور اس سے ہمیں اس صوبہ کی خود مختاری کا کھوکھلا پن بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے جسمیں ایک ایسے آدمی کے کہنے سے جو نہ تو صوبے کے حالات سے براہ راست تعلق رکھتا ہے اور نہ اسکے معاملات میں کوئی خاص حصہ لیتا ہے وزیروں کے مشوروں کو مسترد کر دیا جاتا ہے -

"ان حالات میں جو راستہ ہمنے اختیار کیا ہے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں - اور ہم آپ سے درخواست کرینگے کہ آپ ہمارا استعفا منظور کر لیں -

سرکاری نقطۂ نظر ۱۶ر فروری کو گورنر یو - پی کے سکریٹری نے اسی مسئلہ پر ایک سرکاری کمیونک شائع کیا جسمیں انھوں نے بتایا ہے کہ کانگرسی لیڈرں

نے آتے ہی سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا اور سب سے پہلے وہ سیاسی قیدی جن پر تشدد کا الزام نہ تھا رہا کر دئے گئے۔ اسکے بعد انھوں نے کاکوری کے قیدیوں کی رہائی پر زور دیا۔ چنانچہ دس قیدی اور چھوڑ دئے گئے ان میں ۴ کاکوری کیس کے تھے۔ ان قیدیوں کی رہائی پر بہت انقلابی قسم کے مظاہرے کئے گئے اور عوام پر اس کا بہت خراب اثر پڑا۔ اسپر حکومت یو۔پی نے اخبار نویسوں کے متعلق ایک تنبیہی اعلان شائع کیا اور صوبہ کی فضا پھر بدستور پر امن ہو گئی۔

جنوری میں وزارت نے پھر بقیہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا سوال اٹھایا اور گورنر کو یقین دلایا کہ ان قیدیوں کی رہائی سے امن عامہ میں کوئی خلل نہ پڑے گا۔ گورنر نے علیحدہ علیحدہ قیدیوں کے حالات پر غور کرنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن وزیر اسپر راضی نہ ہوئے اسلئے گورنر نے گورنر جنرل سے مشورہ کیا۔ گورنر جنرل نے دفعہ (۵) ۱۲۶ کے ماتحت اپنی ہدایات بھیجدیں اور انکے مطابق گورنر نے وزرا کی رائے ماننے سے انکار کر دیا جسپر وہ مستعفی ہو گئے۔

گورنر بہار حکومت بہار کے سرکاری اعلان میں دکھایا گیا ہے کہ بقیہ سیاسی قیدی سب کے سب کسی نہ کسی طرح تشدد آمیز جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں اور انکی پاداش میں سزا بھگت رہے ہیں ایسی حالت میں انکے چھوڑنے سے پہلے کافی غور و خوض کی ضرورت تھی۔ اسکے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص خواہ دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرے جسکے لئے وہ سزایاب ہوا ہے پھر بھی ان سزاؤں میں تخفیف یا ترمیم کرنے سے عوام کے دلوں میں قانون اور عدالتوں کے فیصلوں کے متعلق تحقیر پیدا ہونے کا ڈر ہے اور اگر لوگوں میں یہ خیال پھیل جائے اور وہ سمجھنے لگیں کہ کوئی سیاسی پارٹی برسر اقتدار آکر عدالتوں کے فیصلوں میں مداخلت کرے گی تو اسکا اثر بہت برا پڑے گا۔

۱۷ر جنوری سے ہزاری باغ جیل میں بھوک ہڑتال ہو جانے کی وجہ سے صورت حال بہت نازک ہو گئی تھی۔ ہڑتال کے ختم ہو جانے پر وزیروں نے پھر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ شروع کیا۔ اسپر گورنر نے گورنر جنرل سے رجوع کیا اور گورنر جنرل نے زیر دفعہ (۵) ۱۲۶ اپنی ہدایات بھیج دیں اور ان ہدایات کے بموجب گورنر نے وزرا کا مشورہ ماننے سے مجبوری ظاہر کی جس کی وجہ سے وزارت مستعفی ہو گئی

مہاتما گاندھی کا خیال موجودہ جمود کے متعلق مہاتما گاندھی نے اپنے بیان میں وزیروں کے کام میں گورنر جنرل کی مداخلت کو سخت افسوسناک اور غیر ضروری بتایا ہے۔

انکا خیال ہے کہ گو قیدیوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تشدد کا طریقہ انکے ملک کیلئے بہتر ہوگا اور اسی لئے انکو سزا بھی ہوئی تھی لیکن ان چند آدمیوں کی رہائی سے امن عامہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا ہاں اگر انکی رہائی کے بعد کوئی بےچینی پھیلتی تو گورنر جنرل کے احکامات حق بجانب ہوتے آخر میں مہاتما گاندھی نے گورنر جنرل کو صلاح دی ہے کہ وہ اپنے فیصلہ پر غور کر کے اسکو تبدیل کر دیں ورنہ اس جمود کے جو نتائج ہونگے انکے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں ہو سکتی

دوسرے بیان میں مہاتما گاندھی نے انگلستان کے دو اخباروں میں قانونی جمود کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں خوف تھا کہ گورنر اور وائسرائے صوبجاتی حکومت میں دخل دینگے اور وہ خوف ٹھیک نکلا۔ اس مداخلت کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ برطانوی حکام عوام پر کانگرس کا اثر بڑھتا ہوا دیکھکر پریشان ہو گئے۔

لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ وائسرائے نے اتنے چھوٹے معاملے پر ایسی بڑی الجھن کیسے پیدا ہونے دی۔

بہت سے قیدی جنپر دہشت انگیزی کا الزام تھا چھوٹ چکے ہیں لیکن مجھے سارے ملک میں کوئی ایسی جگہ نہیں نظر آتی جہاں کے امن و امان کو انھوں نے کوئی زبردست نقصان پہنچایا ہو"

ٹائمس کے نمائندے سے انھوں نے کہا۔ گو کہ گورنر جنرل کے رویئے نے اس جمود کو مشکل بنا دیا ہے لیکن یہ "شرارت" برطانیہ کی تھی اسلئے اسکو درست کرنے کی کوشش بھی اسی کی طرف سے ہونی چاہیئے۔

نائب وزیر ہند کا بیان۔ دارالعوام میں ہندستان کے آئینی جمود کے متعلق مسٹر ویجوڈ بین کے سوال کا جواب دیتے ہوئے انڈر سکریٹری نے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ یو۔پی اور بہار کی وزارتوں نے جو گذشتہ جولائی سے سمجھ بوجھ اور اعتدال کے ساتھ اپنے صوبوں کا انتظام چلا رہی تھیں استعفا دینا ضروری خیال کیا۔ انکے مستعفی ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی سیاسی قیدیوں کی رہائی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہتے تھے۔

اس معاملے میں گورنر جنرل سے مشورہ کے بعد گورنر کچھ قیدیوں کو چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔ اسکے بعد یو۔پی میں اور بہار میں ۲۶ قیدی اور رہ گئے جو تشدد کے الزام میں ماخوذ ہیں۔ گورنر ہر ہر قیدی کے حالات پر علیحدہ علیحدہ غور کرنے پر رضامند تھے لیکن وزرا اسپر راضی نہ ہوئے۔ گورنر جنرل نے ملک میں امن عامہ قائم رکھنے کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کی بنا پر جو نئے قانون نے اسپر عائد کی ہیں یہ فیصلہ کیا کہ وہ تمام سیاسی قیدیوں کو جنمیں دہشت انگیزی کے ملزم بھی شامل ہیں یکدم سے رہا کر دینے پر راضی نہیں ہو سکتا۔ گورنر جنرل اور لارڈ زٹلینڈ (وزیر ہند) دونوں کی یہی رائے ہے کہ ان دونوں صوبوں کے وزرا کی رائے پر عمل کرنے سے ہندستان کے امن عامہ کیلئے زبردست خطرہ تھا۔

اگرچہ کچھ صوبے ایسے تھے جنمیں فی الحال اس کا اثر نہ پڑتا لیکن آخر میں ہر جگہ پر امن حکومت کی بنیاد کمزور پڑ جاتی۔ ان حالات کے مطابق گورنر جنرل نے اپنے اختیارات کو استعمال کیا ضروری خیال کیا اور یو۔پی اور بہار کے گورنروں کو ہدایت کر دی کہ وہ اپنے وزرا کی تجاویز ماننے سے انکار کر دیں، اسپر وزارتوں نے استعفے داخل کر دئے۔

لارڈ لوتھین کی رائے۔ لارڈ لوتھین کا ایک بیان اخبار ٹائمز میں شائع ہوا ہے جسمیں ہندستان کے قانونی جمود پر رائے زنی کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے۔ "سارا ہندستان اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دہشت انگیزی کی وجہ سے بنگال کی حالت اور صوبوں سے مختلف ہے لیکن یہ باور کرنا مشکل ہے کہ کسی دوسرے صوبہ میں چند سیاسی قیدیوں کی رہائی سے کوئی "عظیم خطرہ" پیدا ہو سکتا ہے۔ کچھ خطرے کا امکان ہو سکتا ہے لیکن ایسے معاملات میں گورنر کو چاہیئے کہ وہ رسمی طور پر وزرا کو خطرے سے آگاہ کر دے۔ اور یہ واضح کر دے کہ اگر جان و مال کی حفاظت کرنے کے متعلق انکی رائے غلط ثابت ہوگی اور کسی زبردست خطرے کا امکان ہوا تو وہ اپنے اختیارات استعمال کرنے میں پس و پیش نہ کریگا۔

وایسرائے کا بیان

یو۔پی اور بہار کی وزارتوں کے استعفے کے متعلق ہز اکسیلینسی گورنر جنرل نے ایک بیان دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

ان دونوں صوبوں کے وزرا عرصہ سے سیاسی قیدیوں کی رہائی پر زور دے رہے تھے اور گورنر یہ چاہتے تھے کہ وہ علحدہ علحدہ قیدی کے حالات دیکھکر رہائی کے متعلق کوئی فیصلہ کریں اس بارے میں گفت و شنید جاری تھی کہ ۱۴ فروری کو صوبہ متحدہ اور بہار کے وزیروں نے گورنروں سے تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ بہار میں وزیروں نے ایک بجے یہ مطالبہ کیا تھا اور اسی روز ۴ بجے تک اس کا جواب مانگا تھا۔ اور اسی طرح صوبہ متحدہ میں گورنر کو غور کرنے کے لئے بہت ہی کم وقت دیا گیا تھا یہ تمام قیدی دہشت انگیزی کے جرم میں ماخوذ ہیں۔ اور اس لئے موجودہ قانون اور عدالت کی عزت قائم رکھنے کے لئے ہر قیدی کے حالات پر غور کرنا ضروری تھا۔ ان حالات میں قانون کی رو سے جو ذمہ داری گورنر جنرل پر عائد ہوتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے دونوں صوبوں کے گورنروں نے اپنے وزرا کے مشورہ کو میرے پاس بڑھا دیا اور مجھ سے ہدایات مانگیں۔

اوپر لکھے ہوئے حالات پر غور کرنے کے بعد اور یہ خیال کر کے کہ ان قیدیوں کی رہائی سے قریب کے صوبوں پر کیا رد عمل ہوگا اور یہ کہ دہشت پسند قیدیوں کو بلا کسی روک ٹوک کے چھوڑ دینا نہایت ہی خطرناک ہوگا۔ اور بنگال میں دہشت انگیزی کا دوبارہ زور ہو جائیگا میں نے گورنروں کو دفعہ ۱۲۶ (۵) کے ماتحت ہدایات دینا اپنا فرض سمجھا۔ چنانچہ گورنروں نے میری ہدایات کے مطابق اپنے وزرا کو اطلاع کر دی کہ وہ (گورنر) اس معاملہ میں انکے مشورہ کو نہیں مان سکتے۔ اور اسپر وزیروں نے استعفے داخل کر دئے۔

ان دونوں صوبوں کے وزیروں کے ساتھ میں نے اور گورنروں نے جہاں تک ممکن ہو سکا اشتراک عمل اور یکجہتی کے ساتھ کام کیا اور جہاں تک سیاسی قیدیوں کی رہائی کا سوال ہے اب بھی گورنر اسپر تیار ہیں کہ جانچ کرنے کے بعد وہ سیاسی قیدی چھوڑ دیں بشرطیکہ انکے چھوڑنے سے ان کے صوبوں نیز دوسرے صوبوں کے امن عامہ میں خلل کا خطرہ نہ ہو۔

وزرا امن و ضابطہ کے ذمہ دار ہیں مگر انکی ذمہ داری قانون کی رو سے گورنر کی ذمہ داری کے ساتھ وابستہ ہے اور گورنروں کا یہ فرض ہے کہ اپنے اپنے صوبوں میں امن قائم رکھیں اور ملک یا اسکے کسی حصہ کے امن و امان کی جو ذمہ داری گورنر جنرل پر عائد ہوتی ہے اسکا بھی خیال رکھیں۔

آخر میں یہ بخوبی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ فیصلہ اسلئے نہیں کیا ہے کہ اس سے کانگرسی وزرا کی پوزیشن کو کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ گورنر یا گورنر جنرل ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ وہ کانگرس یا کسی دوسری حکومت کی جائز باتوں میں مداخلت کریں۔ بحالات موجودہ جو کچھ کیا گیا ہے اسکا مقصد محض امن اماں [illegible] رکھنا ہے

مجھے خوشی ہے کہ کسی حلقہ میں بھی یہ رجحان نہیں پایا جاتا کہ ان دشواریوں کو اور زیادہ وسیع کیا جائے۔ اور میری سچی اور دلی خواہش ہے کہ معمولی حالات پھر پیدا ہو جائیں اور دونوں صوبوں میں وزرا گورنروں سے گفتگو کر کے اپنے رکے ہوئے کام کو دوبارہ جاری کر دیں۔

رانی گڈالو

رانی گڈالو سے متعلق ایک تجویز کانگرس کے اجلاس میں منظور ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت جواہرلال ایک مضمون لکھ چکے ہیں اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سلہٹ میں بھی ناگا قوم کے لوگ اس پاس کی پہاڑیوں سے مجھسے ملنے آئے اور انھوں نے مجھے ایک قصہ سنایا جو ہندستانیوں کو بھی سننا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے۔ یہ ایک نوجوان عورت کی کہانی ہے جو کوہی کے قبیلہ کی تھی، اور ناگا پہاڑیوں کی رہنے والی تھی اس کا تعلق پروہت طبقہ سے تھا۔ اور اپنی برادری کے عام رواج کے خلاف اس نے ایک مشن اسکول میں نویں دسویں درجہ تک تعلیم پائی تھی گڈالو اس کا نام تھا۔ اور اب سے چھ برس پہلے جب تمام ہندستان کی سرزمین پر سول نافرمانی کے شعلے بھڑک رہے تھے، اسوقت اس کی عمر تقریباً ۱۹ سال کی تھی۔ گاندھی اور کانگریس کی خبریں اس تک پہنچیں اور اس کے دل پر اثر کر گئیں۔ اسے اپنے ہم وطنوں کی آزادی کا خواب نظر آنے لگا۔ اور غلامی کی سخت زنجیریں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے توڑ دینے کی تمنا پیدا ہوئی۔ اس نے آزادی کا علم بلند کیا اور لوگوں کو اس کے نیچے بلایا۔ غالباً وقت سے پہلے ہی اس نے خیال کر لیا تھا کہ سلطنت برطانیہ ختم ہو رہی ہے۔ لیکن گڈالو اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے کے لئے یہ سلطنت اپنے پورے زور اور ظلم کے ساتھ قائم رہی بہت سے گاؤں جلا کر تباہ کر دئے گئے اور گڈالو کو گرفتار کر کے حبس دوام کی سزا دیگئی اور اب وہ آسام کی کسی جیل میں پڑی اندھیری کوٹھریوں کی تنہائی میں اپنے جوانی کے دن کاٹ رہی ہے۔

جس ہستی نے اپنی جوانی کے جوش میں ایک سلطنت کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا تھا وہ آج چھ سال سے بند ہے اسپر کیسے کیسے ظلم ہو رہے ہیں اور کس کس طرح اس کے ضمیر کو پیسا جا رہا ہے۔ وہ نہ تو اب پہاڑیوں اور جنگلوں میں پھر سکتی ہے اور نہ پہاڑوں کی سرد اور تازہ ہوا میں اپنے گانے الاپ سکتی ہے۔ کھلے جنگلوں کی رہنے والی۔ آج اندھیری تنگ کوٹھری میں پڑی ہے اور اس کے دل کی حسرتیں گھٹ رہی ہیں۔ شاید ہی کبھی اس کو چند گز زمین گھومنے کو مل جاتی ہو۔ ہندستان کو اپنے پہاڑوں پر رہنے والی اس بہادر بیٹی کی خبر تک نہیں۔ لیکن اس کے ہم وطن اب بھی پیار اور گھمنڈ سے اپنی گڈالو کو یاد کرتے ہیں۔ ایک دن آئیگا جب

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

(باقی صفحہ ۸)

۱۴۔ اقلیتوں کے حقوق۔ کانگرس ہندستان کے مسلمانوں اور تمام دوسری اقلیتوں میں سامراج دشمن جذبے کی ترقی کا اور ہندستان کی آزادی کی جنگ میں تمام فرقوں اور طبقوں کے بڑھتے ہوئے اتحاد کا خیر مقدم کرتی ہے۔ یہ آزادی کی لڑائی ایک اور صرف ایک شے ہے اسکی تقسیم نہیں کیجا سکتی اور اسکو صرف ایک متحدہ قومی پیمانہ پر کامیابی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے۔ خاصکر کانگرس اقلیتوں کے ان تمام افراد کا خیر مقدم کرتی ہے جو گذشتہ سال کانگرس میں شامل ہوئے ہیں اور جنھوں نے آزادی کی لڑائی میں اور ہندستانی عوام پر کی لوٹ ختم کر دینے میں عام طور سے مدد کی۔

یہ کانگرس اقلیتوں کے حقوق کے متعلق ورکنگ کمیٹی کلکتہ کی اکتوبر ۱۹۳۷ء کی قرارداد کی تائید کرتی ہے اور اسکو منظور کرتی ہے اور پھر سے اعلان کرتی ہے کہ وہ ہندستان کی اقلیتوں کے مذہبی۔ زبانی۔ تمدنی اور دوسرے حقوق کی حفاظت کرنا وہ اپنا پہلا فرض اور اپنی بنیادی پالیسی خیال کرتی ہے کہ ہر اس حکومت کی اسکیم میں جس میں کانگرس شریک ہو انکو ترقی کرنے اور قوم کی سیاسی، اقتصادی اور تمدنی زندگی میں پورا پورا حصہ لینے کا موقع مل سکے۔

۱۵۔ ہندستانی ریاستیں۔ ہندستانی ریاستوں میں عوام کی ذہنیت میں ترقی ہو رہی ہے اور آزادی کا مطالبہ زیادہ تیز ہو رہا ہے۔ اور اس سے نئے مسائل اٹھ رہے ہیں اور نئی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اسکے پیش نظر کانگرس ریاستوں کے بارے میں اپنی پالیسی پھر سے دہرانا چاہتی ہے۔

کانگرس ریاستوں میں بھی وہی سیاسی، معیشی اور اقتصادی آزادی چاہتی ہے جو وہ بقیہ ہندستان کے لئے چاہتی ہے اور ریاستوں کو ہندستان ہی کا ایک حصہ خیال کرتی ہے جسکو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پورن سوراج یا مکمل آزادی جو کانگرس کا نصب العین ہے سارے ہندستان کیلئے ہے اور اس میں ریاستیں بھی شامل ہیں کیونکہ جس طرح غلامی میں ہندستان کی یکجہتی اور اسکا اتحاد قائم رہا اسی طرح آزادی کے بعد بھی اسکو قائم رکھنا پڑے گا۔ کانگرس کے نزدیک جو فیڈریشن قابل قبول ہوگا وہ صرف وہی ہوگا جس میں ریاستیں آزاد حصوں کی حیثیت سے شامل ہوں اور انکو بھی ویسی ہی جمہوری آزادی حاصل ہو جیسی بقیہ ہندستان کو۔ اسلئے کانگرس ریاستوں میں پوری ذمہ دار حکومت اور شہری آزادی کے تحفظ کی موید ہے اور انہیں بہت سی ریاستوں کی موجودہ بری حالت۔ آزادی کی کمی اور شہری آزادی کی بندشوں پر اظہار افسوس کرتی ہے۔

اس غرض کے حصول کیلئے ریاستوں میں کام کرنا کانگرس کا حق ہے اور وہ اسکو اپنا فرض خیال کرتی ہے لیکن موجودہ حالات میں کانگرس اس قابل نہیں ہے کہ ریاستوں کے اندر کامیابی کے ساتھ کوئی کام کر سکے۔ اور ریاستوں حکمرانوں یا انکے پردے میں برطانوی حکام کی طرف بہت سی ایسی بندشیں اور پابندیاں لگائی جاتی ہیں جنسے اسکے کاموں میں کاوٹ پڑتی ہے کانگرس کا نام اور اس کی عزت دیکھکر ریاست کے لوگوں میں امید اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اگر یہ امیدیں جلد ہی پوری نہیں ہوتیں تو اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے یہ کانگرس کی فہرست کے شایان شان نہیں ہے کہ ایسی مقامی کمیٹیاں بنائی جائیں جو اپنا کام ٹھیک طرح نہ کر سکیں۔ یا یہ کہ قومی جھنڈے کی بیعزتی کہ برداشت کیا جائے۔ جب ایک دفعہ عوام کانگرس کی طرف سے بڑی بڑی امیدیں کرنے لگتے ہیں لیکن کانگرس انکی حفاظت کرنے یا انکو مدد دینے سے معذور ہوتی ہے تو انمیں کم ہمتی پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے انکی آزادی کی تحریک میں روک پیدا ہو جاتی ہے۔ ریاستوں اور بقیہ ہندستان کے حالات مختلف ہیں اور اس لئے اکثر کانگرس کی پالیسی ریاستوں کیلئے ناموزوں ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ریاستوں میں تحریک آزادی کی قدرتی بڑھ ختم ہو جائے یا اس میں کوئی روک پڑ جائے ایسی تحریکوں کے بہت جلد ترقی کرنے اور مضبوطی پکڑ لینے کا امکان ہے اگر وہ اپنی طاقت کی بنیاد ریاستی لوگوں پر رکھیں۔ ان میں خود اعتمادی پیدا کریں۔ وہاں کے حالات کے ساتھ ساتھ چلیں اور کسی باہری امداد یا کانگرس کے نام کے بل پر بھروسہ نہ کریں۔ کانگرس ایسی تحریکوں کا خیر مقدم کرتی ہے لیکن موجودہ حالات میں آزادی کی لڑائی چلانے کا بوجھ ریاستوں ہی کے لوگوں پر رہنا چاہئے۔ کانگرس ہمیشہ ایسی لڑائیوں میں جنکو جائز اور پر امن طریقے پر لڑا جائے ساتھ دیگی تمام تر لیکن وہ فی الحال وہ جماعتی امداد صرف اخلاقی تائید اور ہمدردی کی صورت میں ہوگی۔ تاہم کانگرس افراد کو ذاتی حیثیت سے اس سے زیادہ مدد کرنیکا اختیار ہوگا۔ اس طرح کانگرس کی جماعت کو پابند کئے بغیر اور باہری اثرات سے محفوظ ریاستوں میں تحریک بڑھائی جا سکتی ہے۔

اس لئے کانگرس ہدایت کرتی ہے کہ فی الحال کانگرس کمیٹیاں براہ راست کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے تحت اور اسکے مشورے سے اپنا کام کریں گی۔ اور کانگرس کے نام پر کوئی پارلیمنٹری یا براہ راست کارروائی نہ کریگی۔ ریاستوں کے اندرونی معاملات کانگرس کے نام پر نہ کئے جانا چاہئے اسکے لیے ریاستوں کے اندر دوسری جماعتیں بنانا چاہئیں اور جہاں ایسی جماعتیں موجود ہوں انکو وہاں قائم رہنا چاہئے۔

کانگرس ریاستی لوگوں کو اپنی یکجہتی کا اور انکی تحریک آزادی میں اپنی دلچسپی اور ہمدردی کا یقین دلانا چاہتی ہے۔ کانگرس امید کرتی ہے کہ انکی نجات کا دن زیادہ دور نہیں۔

۱۶۔ کسان سبھائیں۔ ہندستان کے حصوں میں کسان سبھاؤں اور دوسری جماعتوں کے بارے میں جو مشکلات پیدا ہو گئی ہیں انکو دیکھتے ہوئے کانگرس کی خواہش ہے کہ اپنی پوزیشن صاف کر دے اور ان جماعتوں کے متعلق اپنے رویہ کی وضاحت کر دے۔ کانگرس پہلے ہی کسانوں کا اپنی سبھائیں بنانے کا حق پورے طور پر تسلیم کر چکی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اصل میں کانگرس خود ہی کسانوں کی جماعت ہے اور اب جو عوام سے اسکا تعلق بڑھ گیا ہے تو کسانوں نے بڑی سے بڑی تعداد میں اس میں شامل ہو کر اس کی پالیسی پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ عام کسانوں کی طرفداری کرنا ان کے مطالبات کی حمایت کرنا اور ہندستان کی آزادی کے لئے جدوجہد جس کی بنیاد ہم سب لوگوں کو استحصال سے بچانے پر ہو۔ جدوجہد کرنا کانگرس کا فرض ہے اور وہ حقیقت میں کہ بھی ایسا ہی رہی ہے۔ اس آزادی کو حاصل کرنے۔ کسانوں کو طاقتور بنانے اور انکے مطالبات پورے کرانے کیلئے ضروری ہے کہ کانگرس کو مضبوط بنایا جائے اور کسانوں کو اس سے اور زیادہ بڑی

تعداد میں اس میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے اور اپنی جدوجہد جاری رکھنے کیلئے اسکے جھنڈے کے نیچے منظم کیا جائے۔ اس طرح ہر کانگرس کا یہ فرض ہے کہ کانگرس کی جماعت کو ہندستان کے ہر دیہات میں پھیلانے کی کوشش کرے اور کوئی کام ایسا نہ کرے جس سے اس جماعت کو کسی طرح کا نقصان پہنچے۔

کسانوں کا کسان سبھائیں بنانے کا حق پوری طرح مانتے ہوئے کانگرس کسی ایسے کام میں شریک نہیں ہوسکتی جو کانگرس کے بنیادی اصولوں کیخلاف ہو اور جو کانگریسی کسان سبھاؤں کے ممبر کی حیثیت سے کانگرس کی پالیسی اور اسکے اصولوں کے ناموافق فضا پیدا کرنے میں مدد کر رہے ہیں اسکے کسی عمل کی تائید نہیں کرے گی۔ اس لئے کانگرس تمام صوبجاتی کانگرس کمیٹیوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اوپر لکھی ہوئی باتوں کو سامنے رکھکر جہاں کہیں ضرورت پڑے اسکے مطابق کارروائی کرے۔

۱۷۔ کینیا۔ کانگرس کے نزدیک کینیا کی نوآبادی کے اس طریقے سے کہ باشندگان ہند کے رہنے والے پہاڑی علاقوں میں زمین نہ خرید سکیں جبکہ یورپ کی ہر قومیت کے آدمیوں کو اسکی پوری آزادی حاصل ہو کینیا کے رہنے والے ہندستانیوں پر ذلت آمیز پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور عام ہندستانیوں پر یہ کھلا ہوا حملہ ہے۔

مزید یہ کہ یہ کانگرس اس تجویز کی مذمت کرتی ہے کہ ایک سرکاری حکمنامہ کے ذریعہ پہاڑی علاقوں کی حدود متعین کردیجائیں کیونکہ اس سے اس ناانصافی کو سرکاری طور پر جاری رکھا جائے گا جو ابھی تک جاری ہے اور جسکو ۱۹۲۳ء کے قرطاس ابیض کے موقع پر حکومت ہند کے اعلان کے بموجب اب سے بہت پہلے ہی ختم ہوجانا چاہئے تھا۔ اس موضوع پر پھر سے بات چیت کرنے کا وعدہ جو حکومت ہند نے کیا تھا ابھی تک باقی ہے، اور اگر سرکاری حکمنامہ پاس ہوگیا تو پھر اسکے پورے ہونے کی کبھی نوبت نہ آسکے گی۔

۱۸۔ یو۔پی اور بہار میں وزارتوں کا استعفاء۔ فیض پور کانگرس کی ہدایت کے مطابق مارچ ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے عہدے قبول کرنے کے مسئلہ کو طے کردیا تھا اور کانگرسیوں کو وزارتیں بنانے کی اجازت دیدی تھی اس شرط پر کہ انکو حکومت برطانیہ یا اس کی جانب سے بعض باتوں کا اطمینان دلادیا جائے۔ چونکہ شروع میں اطمینان نہیں دلایا گیا تھا اسلئے صوبجاتی اسمبلیوں میں کانگرس پارٹی کے لیڈروں نے وزارتیں مرتب کرنے سے انکار کردیا اسکے بعد کچھ مہینوں تک اس اطمینان کے متعلق بحث ہوتی رہی اور وزیر ہند، وائسرائے اور گورنروں کے مختلف اعلان نکلے ان اعلانوں میں اور باتوں کے علاوہ یہ صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ ذمہ دار وزراء کے روزمرہ کے صوبجاتی انتظامات میں کوئی مداخلت نہیں کیجائے گی۔

صوبوں میں کانگرسی وزیروں کے تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم سے کم دو صوبوں یعنی۔ یو۔پی اور بہار میں صوبہ کے روزمرہ کے صوبجاتی معاملات کے انتظام میں مداخلت کی گئی ہے جسکی تفصیل نیچے آتی ہے۔ جب گورنروں نے کانگرسی ممبروں کو وزارتیں بنانے کیلئے دعوت دی تھی تو ان کو معلوم تھا کہ کانگرس کے انتخابی اعلان میں سیاسی قیدیوں کی رہائی کو کانگرس کی پالیسی کا ایک بہت ہی اہم جزو بتایا گیا تھا۔ اسکے مطابق کانگرسی وزیروں نے سیاسی قیدی چھوڑنا شروع کردیئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ گورنر رہائی کے احکامات کی منظوری دینے میں دیر لگاتے تھے جو بعض وقات بہت ہی پریشان کن ہوتی تھی جس طرح سے سیاسی قیدیوں کی رہائی میں دیر کی گئی ہے ان وزیروں کے صبر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کانگرس کے نزدیک قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ ایک ایسی بات ہے جو روزمرہ کے انتظام کے تحت میں آتی ہے اور جسکے لئے گورنروں کے ساتھ طول طویل بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ گورنروں کا کام وزیروں کی رہبری کرنا اور انکو مشورہ دینا ہے نہ کہ روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی میں انکے فیصلوں میں دخل دینا۔ ورکنگ کمیٹی نے صرف اسوقت وزیروں کو (جنکو خود بھی یقین تھا) ہدایت کی کہ وہ سیاسی قیدیوں کو چھوڑنے کے احکامات جاری کردیں اور اگر گورنر انکے احکامات کی تردید کریں تو وہ استعفا دیدیں جب ورکنگ کمیٹی کیلئے (کانگرس کے ڈیلیگیٹوں کو اور عوام کو جو انکی پشت پناہی کررہے ہیں سالانہ حساب سمجھانے کا وقت آگیا۔ کانگرس یو۔پی۔ اور بہار کے وزیروں کے طرز عمل کی تائید کرتی ہے اور اسکو منظور کرتی ہے اور انکو مبارکباد دیتی ہے۔

کانگرس کے نزدیک وزیروں کے کام میں گورنر جنرل کے مداخلت نہ صرف اوپر لکھے ہوئے اطمینان کی خلاف ورزی ہے بلکہ یہ قانون ہند کی دفعہ ۱۲۶ (۵) کا بالکل غلط استعمال ہے۔ امن وامان میں خطرے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اور اسکے علاوہ دونوں صوبوں کے وزیر اعظموں نے خود قیدیوں سے اور دوسرے ذریعوں سے بھی یہ اطمینان کرلیا تھا کہ انکی ذہنیت بدل گئی ہے اور انھوں نے عدم تشدد کی پالیسی مان لی ہے۔ درحقیقت یہ صرف گورنر جنرل کی مداخلت ہی ہے جسنے بلاشبہ ایک ایسی صورت حال پیدا کردی ہے جو کانگرس کی روک تھام کے باوجود بھی بہت آسانی سے نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کرسکتی ہے۔

جس قلیل عرصہ سے کانگرسی عہدہ پر قابض ہیں اس میں بھی کانگرس نے اقتصادی اور سماجی بدتری کو بہتر بنانے کے قوانین بنانے میں اپنے انتظامی قابلیت اور تعمیری لیاقت کا کافی ثبوت دیا ہے۔ کانگرس کی برابر یہ کوشش رہی ہے کہ وہ عوام کو فائدہ پہونچائے۔ مکمل آزادی کے نصب العین تک پہنچنے کی کوشش میں انکی طاقت بڑھانے اور ہندستانی عوام پر سے سامراجی استحصال کی بلا کو ختم کرنے کیلئے جو کچھ ممکن ہوسکے نئے آئین سے نچوڑ لے۔

کانگرس نہیں چاہتی کہ وہ ایسی نازک صورت پیدا کردے جس سے کانگرس کی عدم تشدد اور سچائی کی پالیسی کے مطابق کسی قسم کا غیر تشدد، عدم تعاون اور براہ راست کارروائی کرنے کی ضرورت پڑے۔ اس لئے کانگرس فی الحال بقیہ پانچ صوبوں کے وزیروں کو یہ ہدایت دینے میں پس و پیش کرتی ہے کہ وہ گورنر جنرل کی کارروائی کے خلاف بطور احتجاج استعفا داخل کردیں۔ اور ہز ایکسلنسی گورنر جنرل کی توجہ اس جانب مبذول کراتی ہے کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں تاکہ گورنر آئینی طریقہ پر عمل کریں اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے معاملہ میں اپنے وزراء کے مشورے قبول کرلیں۔

غیر ذمہ دار وزارتیں قائم کرنے کو کانگرس ننگی تلوار لیکر حکومت کرنیکا ایک بہانہ سمجھتی ہے۔ ان وزارتوں کے قیام سے سخت اختلافات اور اندرونی جھگڑے پیدا ہوجائینگے اور حکومت برطانیہ کے خلاف ناراضگی کی ایک مزید لہر

دور ہو جائے گی۔ جب کانگرس نے بڑے پس و پیش کے بعد وزارتیں قبول کرنا منظور کیا تھا اسوقت اسکو قانون ہند کی اصل حقیقت کے متعلق اپنے اندازہ میں کوئی شک نہ تھا۔ گورنر جنرل کے حال کے طرز عمل نے اسکے اندازہ کو ٹھیک ثابت کر دیا اور اس سے صرف یہی نہیں ظاہر ہوتا کہ یہ قانون ہندستانیوں کو آزادی کے قریب لیجانے میں کتنا بیکار ثابت ہوا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ کا ارادہ اسکو آزادی بڑھانے والا آلہ بنا کر اسپر عمل درآمد کرنے کا نہیں ہے بلکہ اسکے برخلاف وہ اسکو اور پابندیاں عائد کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ اسلئے موجودہ صورت حال کا جو کچھ بھی حشر ہو ہندستان کے لوگوں کو محسوس کر لینا چاہیئے کہ جب تک اس آئین کو ختم نہیں کر دیا جاتا اور اس کی جگہ نمائندہ اسمبلی کا (جسکو تمام بالغ مرد و عورتیں منتخب کریں گی) بنایا ہوا قانون نافذ نہیں کیا جاتا اسوقت تک ملک صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ تمام کانگریسی کا خواہ وہ عہدوں پر ہوں یا عہدوں کے باہر اور خواہ وہ اسمبلیوں میں ہوں یا انکے باہر تنہا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس نصب العین تک پہنچیں چاہے اسکے لئے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے بہت سے موجودہ فائدوں سے (وہ اس وقت کتنے ہی اچھے اور فائدہ مند کیوں نہ معلوم ہوں) ہاتھ دھونا پڑے۔

گورنر یو۔ پی کی جانب سے کہا گیا ہے کہ کاکوری کے قیدیوں کے استقبال کے مظاہروں اور ان میں سے کچھ کی تقریروں نے سیاسی قیدیوں کی آہستہ آہستہ رہائی میں رکاوٹ ڈال دی تھی۔ کانگرس ہمیشہ سے بے قاعدہ مظاہروں اور دوسری قابل اعتراض کارروائیوں کو روکنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔

ان مظاہروں اور تقریروں کا گورنر یو۔ پی نے تذکرہ کیا ہے انکی مہاتما گاندھی نے بھی بہت سختی سے مذمت کی ہے۔ پنڈت جواہرلال صدر کانگرس نے بھی فوراً ہی اس بے قاعدگی کی طرف توجہ کی اور وزیروں نے بھی انکو نظرانداز نہیں کیا ان تمام باتوں کی وجہسے رائے عامہ بہت ہی جلد تبدیل ہو گئی اور جو آدمی اس میں ماخوذ تھے انکو خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ اور جب کاکوری کے قیدیوں کی رہائی کے دو مہینے بعد ۶ قیدی چھوڑے گئے جنمیں ایک کاکوری کیس کا بہت ہی مشہور رکن بھی شامل تھا تو انکے اعزاز میں کوئی مظاہرے نہیں کئے گئے اور نہ انکا کوئی استقبال کیا گیا۔ اسوقت سے تقریباً ۴ مہینے اور گذر چکے ہیں اور اگر اگست کے چھوٹے ہوئے قیدیوں کی تقریروں اور مظاہروں کو بقیہ قیدیوں کی رہائی میں جو دیر ہوئی ہے اس کا سبب بتایا جائے تو یہ سب بالکل بے بنیاد ہو گا۔

قانون اور نظام قائم رکھنے کی ذمہ داری وزیروں پر ہوتی ہے اور انکو حق ہے کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں اپنی کارروائی کریں یہ انکا کام ہے کہ وہ موجودہ حالات کی روشنی میں تمام ضروری باتوں کی ناپ تول کریں جب وہ ایک دفعہ کوئی فیصلہ کر دیں تو اسکو مان کر اسپر عمل درآمد ہونا چاہیئے۔ اگر روزمرہ کے انتظام میں انکے اختیارات کے استعمال میں کوئی مداخلت کی گئی تو اس سے یقینی طور پر انکی طاقت کمزور ہو جائے گی کانگرس کے وزیروں نے کئی موقعوں پر اعلان کیا ہے کہ وہ تشدد کے حامی نہیں۔ مناسب کارروائی کریں گے۔ مگر ایسی حالت میں سیاسی قیدیوں کی رہائی سے خصوصاً جبکہ وہ تشدد کے راستہ کو چھوڑ چکے ہیں کسی خطرہ کا امکان خلاف تصور ہے۔

کانگرس نے پچھلے چند مہینوں میں بے قاعدگی اور عدم تشدد کے اصول کی جو کانگرس نے اپنے لئے بنایا ہے خلاف ورزی پر سخت اقدام کرلینے کا کافی ثبوت دے دیا ہے۔ تاہم کانگرس اپنے تمام آدمیوں کو اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ تحریر و تقریر میں بے قاعدگی سے تشدد کی ترقی ہوتی ہے اور ملک کے نصب العین کی جانب بڑھنے میں رکاوٹ پڑتی رہتی ہے۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی کے پروگرام پر عمل کرنے کی خاطر کانگرس نے عہدے چھوڑ دینے اور اس طرح اصلاحی قوانین بنانے کے موقع کھو دینے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ لیکن کانگرس صاف صاف بتا دینا چاہتی ہے کہ وہ رہائی کیلئے بھوک ہڑتال کر دینے کی پالیسی کی شدید مذمت کرتی ہے۔ بھوک ہڑتال سے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے متعلق کانگرس کی پالیسی میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلئے یہ کانگرس پنجاب کے ان قیدیوں سے جو اب بھی بھوک ہڑتال کئے ہوئے ہیں درخواست کرتی ہے کہ وہ بھوک ہڑتال ختم کر دیں اور انکو یقین دلاتی ہے کہ خواہ وہ صوبے ہوں جن میں کانگرسی وزارتیں قائم ہیں اور خواہ غیر کانگرسی صوبے ہوں بہرحال کانگرس کے لوگ تمام جائز اور پر امن طریقوں سے نظربندوں اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کیلئے ہر ممکن کوشش کرتے رہینگے۔

ملک میں جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اسکو دیکھتے ہوئے کانگرس ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیتی ہے کہ وہ جو کارروائی مناسب خیال کرے اور جب کبھی ضرورت پڑے تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی سے ہدایات مانگے۔

۱۹ - مدناپور میں بندشیں - کانگرس اس کی مذمت کرتی ہے کہ حکومت بنگال کی جانب سے ضلع مدناپور میں کانگریس کی تقریباً ۱۱ شاخوں پر بندشیں اب بھی جاری ہیں اور اس کی رائے میں حکومت کا یہ عذر کہ کانگرس کمیٹیاں ایک دہشت انگیز جماعت کی شاخیں ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔

۲۰ - دستور اساسی میں بعض ترمیمات کرنا طے پایا ہے اور نیچے لکھے ہوئے لوگوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی جو ان تبدیلیوں کی روشنی میں مناسب قوانین بنا کر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کرے گی:-

سوبھاش چندر بوس۔ جے رام داس دولت رام۔ سید عبداللہ بریلوی۔ کرن شنکر رائے۔ بھولا بھائی دیسائی۔ جواہرلال نہرو۔ اننتا سایانام آئنگر۔ ڈاکٹر پٹا بھی ستیارامیہ۔ پٹردھن اور جے۔ بی

آئندہ اجلاس - صدر نے اعلان کیا کہ سبجکٹس کمیٹی نے طے کیا ہے کہ کانگریس کا آئندہ اجلاس مہاکوشل میں ہو۔ اور کانگریس نے اسکو منظور کر لیا۔

اس کے بعد پنڈت گووند بلبھ پنت۔ ڈاکٹر سید محمود اور مسز نائیڈو نے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور دوسرے منتظمین کے کام کی تعریف کی اور انکا شکریہ ادا کیا۔ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اس کا جواب دیا اور منتظمین کی طرف سے ڈیلیگٹوں کا شکریہ ادا کیا۔

ہری پور کا پیغام - کانگریس کے اکیاونویں اجلاس کی کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے صدر سوبھاش چندر بوس نے کہا "ہری پور کا پیغام ہے تنظیم (ایکا) ہم نے دکھا دیا ہے کہ ہم نازک سے نازک موقع پر بھی

بنا فولادی نظام اور ایکا قائم رکھ سکتے ہیں جبکہ میں نے یہ عہدہ قبول کیا تھا اسوقت مجھے کانگریس کے اس اجلاس سے بہت سے ڈر تھے۔ کانگریس کے اندر اختلافات اور جھگڑوں کا خوف تھا۔ لیکن ہری پور نے سب صاف کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے لئے میں کس کس کا شکریہ ادا کروں۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں۔ ان میں سے ایک حکومت برطانیہ بھی ہے جو دو صوبوں میں ایک سیاسی گتھی پیدا کر کے ہمارے شکریہ کی مستحق بن گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم کو پھر احساس ہو گیا کہ ہم سب کانگریسی اور ہندستانی ہیں۔ اور یہ کہ ہم میں اختلافی مسئلے کم ہیں اور ایسی باتیں بہت زیادہ ہیں جن پر ہم سب متحد ہیں۔

ہندستان کے مستقبل اور متحدہ محاذ کی بابت صدر کانگریس نے کہا "آج جو ایک سیاسی گتھی ہے وہ کل ایک احتجاج اور پرسوں اس سے بڑھکر سول نافرمانی کی تحریک کی شکل اختیار کر سکتی ہے لیکن جو کچھ بھی ہو ہم کو ایک متحد محاذ پیش کرنے کا مصمم ارادہ کر لینا چاہئے کیونکہ ہماری روح ایک ہے ہمارا نصب العین ایک ہے اور ہمارا نظریہ بھی ایک ہی ہے۔ اور ہم اپنی ہمتوں۔ تمناؤں خواہشوں اور کوششوں میں بھی بالکل یکساں ہیں۔

آج ہم تاپتی کے کنارے اور آسمان کے نیچے یہ عہد کر لیں کہ ہم اپنے اختلافات کو مٹا کر سوراج کے راستہ پر کندھے سے کندھا جوڑ کر آگے بڑھیں گے

نئی ورکنگ کمیٹی۔ سوبھاش چندر بوس صدر کانگریس نے اپنی ورکنگ کمیٹی کے لئے ان ناموں کا اعلان کیا ہے۔

(۱) سوبھاش چندر بوس (صدر)۔ (۲) پنڈت جواہرلال نہرو۔ (۳) بابو راجندر پرشاد۔ (۴) سردار ولبھ بھائی پٹیل۔ (۵) خان عبدالغفار خاں۔ (۶) مولانا ابوالکلام آزاد۔ (۷) مسز سروجنی نائیڈو۔ (۸) سیٹھ جمنالال بجاج (خزانچی)۔ (۹) آچاریہ کرپلانی (سکریٹری)۔ (۱۰) جے رام داس دولت رام۔ (۱۱) ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ۔ (۱۲) بھولا بھائی دیسائی۔ (۱۳) ہری کرشن مہتاب (۱۴) سرت چندر بوس۔ پندرھویں جگہ کے لئے ابھی کوئی ممبر نہیں چنا گیا ہے۔

آچاریہ نریندر دیو اور اچیت پٹ وردھن سے ورکنگ کمیٹی میں رہنے کے لئے کہا گیا تھا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا صدر نے اعلان کیا کہ جن صوبوں کے نمائندے ورکنگ کمیٹی میں نہیں ہیں ان کے لیڈروں کو بھی وہ ورکنگ کمیٹی کے جلسوں میں بلا لیا کرینگے

(باقی صفحہ ۱۷)

سا را ہندستان اس کو یاد کریگا۔ اس سے محبت کریگا اور اس کو کال کوٹھری سے نکال لائیگا۔

لیکن ہمارے نام نہاد "صوبجاتی خودمختاری" اس کی رہائی میں کوئی مدد نہیں کرے گی۔ ہم کو اس سے اور زیادہ اختیارات کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ حد باہر علاقے صوبجاتی وزارتوں کے قبضہ سے باہر ہیں اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ "صوبجاتی خودمختاری" کی آمد سے یہ علاقے بہ نسبت پہلے کے ہم سے اور زیادہ دور ہو گئے۔ مرکزی اسمبلی اور آسام اسمبلی میں گڈالو کے متعلق سوالات تک کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیا اسی طرح ہم ۱۹۳۵ء کے قانون ہند سے سوراج کی طرف بڑھ رہے ہیں؟

اندھیرا ہو چلا تھا اور میرے دورے کا پروگرام قریب ختم کے تھا۔ ہم پے گنج شام کو دیر کر کے پہنچے اور جلسہ کے بعد ریل پر سوار ہونے کے لئے شایستہ گنج روانہ ہو گئے۔ افق میں چاند نکلا ہوا تھا لیکن اس کی روپہلی چمک غائب ہو چکی تھی اور وہ زرد اور رنجیدہ صورت معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے پچھلے بارہ دنوں کی مشغولیت۔ تیز رو مجمع اور جوش کا خیال کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خواب ہو جو اب ختم ہو گیا ہو۔ اور میں نے جیل کی کوٹھری میں بیٹھی ہوئی رانی گڈالو کا بھی تصور کیا۔ اس کے کیا خیالات ہوں گے۔ کتنی حسرتیں ہونگی کیسی تمنائیں؟۔

۱	فیض آباد	پٹی ... بیرون پٹہ شاہ محال شہرپارہ	شہرپارہ پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	خیمت اہلی	منجملہ ۷ رکے ۱ آنہ	۹ /
۲	″	پٹی بیرون پرگنہ محال شہرپارہ	... پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	″	منجملہ ۳ رحصہ کے ا رہ پائی	۹ ا رہ
۳	″	پٹہ بیرون پرشام محال سنگھیپال	پوراون پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	پختہ داری	منجملہ ۵ رکے ۲/۳ یعنی دو ثمث	۹ ا رہ
۴	″	پٹی بیرون پٹہ ...	پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	پختہ داری	منجملہ ۱۶ رکے ا ر ۴ پائی	۹ ا ر
۵	″	″	... پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	″	منجملہ ۱۲ رکے ا ر ۲ پائی اراضی ...	۹ ا ر
	″	پٹی دوار ... ایضاً پٹی ...	″	″		
۶		پٹی رمحال نند گوپال	... پرگنہ ... تحصیل ٹانڈہ	″	منجملہ ۴ رحصہ کے ا رہ پائی	۹ ا ر ۲

فہرست (ب)

زمیندار کی جائداد جو بہ استثنار حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے

نمبر	نوعیت جائداد	دست حیثیت درخواست دہندہ	کیفیت
	تفصیل جائداد جو فریق ثانی نے اپنی بیان تحریری میں ظاہر کیا ہے (نمبر ۱)		
	بیل گائے.. بھینس پلنگ چوکی کرسی		
	۳ راس ۲ راس ۱ راس ۴ عدد ۲ عدد ۲ عدد		

چونکہ اننت پرشاد ولد بابو بہاری لال ساکن موضع پوراون پرگنہ و تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش ہوئی ہے لہٰذا حسب دفعہ ۱۱ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دی جاتی ہے کہ اس جائداد کو جسکی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ اسامان مذکوری جائداد ظاہر کی ہے

اگر کوئی شخص جائداد مذکورہ کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ یکم فروری ۱۹۳۵ء جاری ہوا۔

دستخط انگریزی اسپیشل جج
درجہ دوم فیض آباد

مہر عدالت

آپ کا بچہ

اگر لکھنے پڑھنے سے جی چراتا ہے تو اُسے

پیام تعلیم
جامعہ

پڑھنے کو دیجئے۔ پیام تعلیم کے پرلطف اور مفید تعلیمی مشغلے، اچھی اچھی نظمیں اور عام معلومات کے دلچسپ مضمون دیکھ کر بچہ خود بخود پڑھنے لکھنے کی طرف مائل ہو جائیگا اور اس کا تعلیمی ذوق اسکے مطالعہ سے روز بروز نشوونما پانے لگیگا۔ جو بچے مضامین کو پڑھنے سے مدرسے میں جی چراتے ہیں۔ پیام تعلیم کے ذریعے انکا مطالب سے سیکھ لیتے ہیں اور اپنے ذہن پر کسی قسم کا بار نہیں محسوس کرتے۔

ابتدائی تعلیم کے ماہرین نے پیام تعلیم کو بچوں کا بہترین رسالہ تسلیم کیا اور ابتدائی مدارس میں بچوں کو اس کا مطالعہ کرنے کی سفارش کی ہے

چندہ سالانہ ۲؎ فی پرچہ ۴؎

مکتبہ جامعہ۔ دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور

ایک اور آسانی

بجائے اسکے کہ آپ سفر میں بہت سے نوٹ لیکر چلیں آپ

سنٹرل بنک کے روپئے والے

سفری چک ساتھ لیجا سکتے ہیں۔ انکی وجہ سے آپ بہت سی زحمتوں سے بچ جائینگے اور روپیہ کے کھو جانے کا ڈر بالکل نہ رہیگا۔

۲۵، ۵۰ اور ۱۰۰ روپئے کے چک مل سکتے ہیں، انکا روپیہ آپکو سنٹرل بنک آف انڈیا کی ہر شاخ سے مل سکتا ہے۔

سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ لکھنؤ

یو۔پی گورنمنٹ آرٹس اینڈ کرفٹس امپوریم

حضرت گنج لکھنؤ

میں ہر قیمت اور ہر مذاق کی چیزیں ملتی ہیں

کام کی چیزیں، آرائش کا سامان تحفوں کیلئے آرٹ کے نمونے۔ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا، اور گاؤں میں تیار کی ہوئی چیزیں۔

ہماری باتصویر فہرستیں طلب کیجئے اور جب لکھنؤ آیئے تو ہمارے یہاں بھی ضرور تشریف لایئے۔

ہندستان کی پہلی جلد

ہندستان کی پہلی جلد جس میں شروع اگست سے آخر دسمبر ۳۶ء تک کے سب پرچے مجلّد ہیں۔ صرف دو روپئے میں مل سکتی ہے۔ محصولڈاک خریدار کے ذمے ہوگا۔

منیجر "ہندستان"

نرخنامہ اشتہارات — اخبار ہندستان

	باہر کا آخری صفحہ	اندر کے صفحے
پورا صفحہ	۲۵ روپئے	۲۱ روپئے
آدھا صفحہ	۱۳ روپئے	۱۱ روپئے
چوتھائی صفحہ	۷ روپئے	۶ روپئے

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ رعایت

منیجر۔ ہندستان نمبر ۶ گوئن روڈ لکھنؤ

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودہری رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۶ گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۱۰ — ۶ مارچ ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ؍ سالانہ ۳ ؍

اگر کانگرس نے وزارت نہ قبول کی ہوتی تو؟

ابھی تک بعض نوجوان طبقے پچھتاتے ہیں کہ کانگرس نے وزارت کیوں قبول کی۔ اگر اس کی جگہ سول نافرمانی چھیڑ دی ہوتی، تو آزادی کی لڑائی کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہوتی۔

پچھلی غلطیوں کا یاد کرنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا تجزیہ کیا جائے۔ اسکی وجہوں اور نتیجے کو اچھی طرح سوچ سمجھ لیا جائے کہ پھر ایسی غلطی نہو۔ اور دوسرے پچھتانا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا اچھا تھا۔ پہلی صورت کا کیا کہنا یہی چیز ہے جو آدمی کو سمجھدار بناتی ہے۔ اور ملک کو ترقی کیطرف بڑھاتی ہے۔ دوسری صورت صرف اس شخص کیلئے ہے جس میں آگے چلنے کی اور کچھ کرنے کی ہمت نہو۔

تاریخی باتوں میں پچھتانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر پچھتانا ہے تو پھر بھی پچھتایا جا سکتا ہے کہ میر جعفر نے دغابازی کیوں کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی منظم کیوں نہ ہوئی جو آج ہندستان پردیسیوں کا راج نہوتا۔ جنگ عظیم میں ہندستان نے برطانیہ کا کیوں ساتھ دیا اور آزادی کی لڑائی کیوں نہ چھیڑ دی۔ پچھتانے کیلئے اس سے بھی اونچی باتیں ہیں۔ دنیا میں سرمایہ داری کیوں جمی؟ مزدوروں نے پچھلی لڑائیوں میں کیوں نہیں ملک جیت لیا؟

مانا کہ اگر کانگرس سول نافرمانی چھیڑ دیتی تو ملک منزلوں آگے نکل گیا ہوتا۔ لیکن غور یہ کرنا ہے کہ ایسا ہوا کیوں نہیں؟ اس لئے کہ کانگرس کے منتخب ممبران اس پر آمادہ نہیں تھے۔ اس لئے کہ کانگرسی ووٹ والوں نے ایسے لوگوں پر بھروسہ کیا جو سول نافرمانی نہیں چاہتے تھے۔ کانگرس کے بائیں بازو نے وزارت قبول کرنے کے خلاف بہت زور لگایا۔ انکی کوششیں ایک حد تک کامیاب ہوئیں انکے ہم آواز پہلے سے بہت بڑھ گئے اگرچہ اتنے نہیں بڑھے کہ اکثریت ہو جاتی یعنی ملک میں اسوقت تک اتنی سیاسی بیداری نہیں پھیلی تھی کہ وہ سول نافرمانی کی ضرورت سمجھ سکتا۔

تاریخ میں جو بات ہوگئی، اسکا مطلب یہ ہے کہ اسوقت کی تاریخی لہر ونکی تاریخ بنانے والی قوتوں کی اُنگ یہی تھی۔ جنگ عظیم، اسلحہ بندی، سرمایہ داری۔ انقلاب سب تاریخ کی الگیں تھیں اور ہیں۔ اگر ہم کسی اونچی منزل پہ پہنچنا چاہتے ہیں تو ہر مخالف طاقت سے لڑنا ہوگا۔ اور طرح طرح کی مخالف طاقتیں سامنے آئیں گی۔ پارٹی میں پھوٹ پڑتی ہے۔ لڑنے والے تھک تھک کر بیٹھ رہتے ہیں۔ بڑے بڑے ہمت والے ہمت ہار جاتے ہیں۔ لیکن جاندار تحریک کامیابی کا منہ چومنے بڑھتی، دوڑتی ہستی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

تاریخ کی پچھلی باتوں پر پچھتانے سے صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی حالات اور موجودہ ترقی پسند تحریک سے موجودہ ترقی پسند لوگوں سے اکتا جاتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ ہم کریں کیا۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ بتائیں جو کچھ ہوا وہ ہوا اب یہ کرنا ہے۔

مسلم لیگ سمجھوتا چاہتی ہے

بمبئی صوبہ مسلم لیگ کی کانفرنس نے اعلان کیا ہے:-

مسلمانوں کو کانگرسی وزارتوں پر جو فیض پور اور ہری پورہ میں مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی اور دوسرے حقوق کے بچاؤ کے لئے پاس کئے گئے ہیں کوئی بھروسا نہیں ہے۔ اگر کانگرس واقعی مسلمانوں سے میل کرنا چاہتی ہے تو اس کو مسلم عوامی ملاپ کی فضول اور مخاصمانہ تحریک کو بند کر دینا چاہئے اور مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت مسلم لیگ سے معقول اور منصفانہ سمجھوتہ کرنا چاہئے۔

کانفرنس نے بمبئی کے گورنر کے رویہ پر اظہار افسوس کیا ہے کہ اس نے مسلمان اقلیت کے حقوق کی حفاظت میں یوں کمی کی کہ اس وقت کابینہ میں جو مسلمان ممبر ہے وہ مسلمانوں کا صحیح نمائندہ نہیں ہے۔

مسلم لیگ کی تحریروں اور تقریروں میں دو لفظوں بہت تقین حقوق اور سمجھوتا۔ مگر جب سے کانگرس نے اعلان کیا کہ مسلم لیگ جس طرح کہے اقلیتوں کی حفاظت کی جا سکتی ہے اس وقت سے لیگ نے ایسی قرار دادیں پاس کی جس سے معلوم ہوا کہ صرف حقوق کی حفاظت کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ سمجھوتا کرنا چاہئے۔ حقوق ایسی چیز ہے جو صرف سمجھوتے کے اندر پائی جاتی ہے۔

سمجھوتے کا مطلب سمجھنے کے لئے فرض کر لیجئے کہ "س" مسلم لیگ کا لیڈر ہے۔ اب اوپر والی قرار دادیں پڑھ لیجئے

۱۔ تمام مسلمانوں کی صحیح نمائندہ صرف مسلم لیگ ہے۔ احراری کانگرسی مسلمان، سرحدی مسلمان وغیرہ سے کوئی مطلب نہیں۔ ان کو کوئی نہیں پوچھتا ہے۔ وہ کچھ نہیں ہیں۔

۲۔ کابینہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے صرف لیگی کو وزیر بنانا چاہئے۔ "س" اور "س" کے دوست وزیر اور نائب وزیر ہو گئے

۳۔ مسلم عوامی ملاپ کی تحریک توڑ دی جائے۔ اب کیا مجال ہے مسلم عوام کی کہ "س" اور "س" کے دوستوں سے جب تک سمجھوتا سلامت ہے حقوق چھین سکیں۔ حقوق کا مطلب ٹھہرا سمجھوتہ اور سمجھوتہ کا سیدھا سادھا مطلب ہے وزارت ظاہر ہے کہ ایسا سمجھوتا کرنا "س" سے ہوگا۔ اصول بنانے سے تھوڑے ہی فیض پور اور ہری پورہ کی قرار دادوں سے تسلی کیسے ہو سکتی ہے۔

مسلم لیگ روٹی کے لئے نہیں لڑتی۔ وہ حقوق کے لئے لڑتی ہے اور سمجھوتے کے لئے لڑتی ہے۔ اس لڑائی میں اس کے پاس سب سے بڑی توپ یہ ہے کہ کہہ دو کہ گورنر سے۔ اور کئی بار کہہ بھی دیا۔

آج کل لیگی اخبار چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ کانگرس غدار ہے وہ آزادی نہیں چاہتی۔ وہ سرمایہ پرست ہے۔ اس لئے اس کو مسلم لیگ سے سمجھوتا کر لینا چاہئے۔

ایک قدم آگے

یوپی اور بہار کے گورنروں اور وزارتوں میں سمجھوتا ہو گیا۔ دونوں جماعتوں نے ایک ایک مشترکہ بیان نکالا ہے۔ اس بیان میں گورنر نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ صدر وزیر قیدیوں کی رہائی پر غور کریگا۔ یعنی ایک حد تک وزیروں کو اپنے کام میں آزادی مل گئی۔

برطانیہ نے اپنی یہ غلطی تسلیم کر لی کہ اگر کانگرس کو وزارت دی گئی تو اسکو حق ملنا چاہئے کہ وہ اپنے الکشنی مینی فسٹو پر عمل درآمد کرے۔

فیض پور سے ہری پور تک

فیض پور کے اجلاس سے ہری پورہ کے اجلاس تک چودہ مہینے ہوتے۔ اس دوران میں کانگرس بہت تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ الکشن کا مینو فسٹو نکالا گیا جس میں کانگرس نے عوام کو اپنا شریک بنانے کیلئے۔ انکے درد دکھ میں کمی کرنے کے وعدے کئے۔ پھر الکشن شروع ہوا۔ کانگرسی کارکنوں نے ضلع ضلع۔ قصبہ قصبہ۔ گاؤں گاؤں دوڑ دوڑ کر کانگرس کے وعدے عوام تک پہونچائے۔ کانگرس کے مقابلہ میں روپیہ تھا۔ دباؤ تھا۔ اور حکومت کا اثر تھا۔ مگر ان وعدوں نے عوام کو اس طرح کھینچا کہ بڑے بڑے لوگوں نے بڑی طرح شکست کھائی۔

اب تک سمجھا جاتا تھا کہ عوام بھیڑ بکری ہوتے ہیں۔ جدھر ہنکا دے چلے جائیں گے لیکن اس الکشن نے بتا دیا کہ عوام سمجھتے ہیں کہ ہماری مصیبتیں۔ غریبی۔ بیکاری۔ اور جہالت ہے۔ انکے دور کرنے کے لئے جو جماعت کھڑی ہو وہی انکی ہمدرد ہے یعنی عوام کو سیاسی تعلیم دے دینا ممکن ہے۔

الکشن جیت کر کانگرس نکلی تو یہ سوال تھا کہ وزارت قبول کیجائے یا نہیں۔ یہ بحثیں ہوئیں۔ ہنگامہ ہوا۔ عوام نے کانگرس کو منتخب کیا تھا۔ اس لئے انکو بھی اس بحث سے خاصا لگاؤ تھا۔ ان بحثوں نے جتنی بھی ان تک پہونچیں، انکو یہ سمجھا دیا کہ برطانیہ انکی دشمن ہے۔ اس نے ایسا دستور بنایا ہے جو عوام کے فائدوں کے خلاف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام کو فائدہ پہونچانے کیلئے کس طرح دستور نامہ توڑا جائے۔ کانگرس نے وزارت قبول کر لی تاکہ عوام کو برطانیہ سے لڑنے کیلئے تیار کرے۔ ان کو کانگرس میں لائے اور دستور نامے کے تار پود بکھیر دے۔ کانگرس نے آتے ہی کسانوں کی اور مزدوروں کی موافقت میں قانون بنانا چاہا ہے۔ اس کی مخالفت میں زمینداروں اور کارخانہ داروں کی جماعتیں منظم ہو گئیں، اور انہوں نے حکومت کو مخالفت کی دھمکیاں دیں۔ مزدوروں اور کسانوں نے اپنی حکومت کی امداد میں جلوس نکالے مظاہرے کئے، اور اپنی ایسی جماعت بندیاں کر لیں جو انقلاب سے پہلے توڑے نہیں ٹوٹ سکتیں۔

کانگرس نے امکان بھر عوام کو فائدہ پہنچایا۔ جبر بندیوں والے قانون بند کر دیئے۔ سیاسی قیدی رہا کئے گئے۔ کسانوں کی بھلائی کا مسئلہ اٹھایا گیا۔ بیدخلی بند کرنے۔ لگان کم کرنے۔ قرضکی ادائی کی صورتیں نکالی گئیں اور نکالی جا رہی ہیں۔ مزدوروں کے لئے تنخواہوں کا تناسب ترقی کا تناسب۔ کام کے وقت کی تقرری کی جا رہی ہے۔

عوام کی جہالت دور کرنے کیلئے تعلیم کی نئی اسکیم بنائی گئی ہے۔ اور سال پورا ہونے سے پہلے ہی اسپر عمل درآمد ہونے کی امید ہے۔ گرام سدھار کی اسکیم پورے خلوص سے چلائی جا رہی ہے۔ حفظان صحت کی تحریکیں بھی۔ جیسے چراغ کی فیس کی معافی۔ مختلف صنعت و حرفت کی تعلیم وغیرہ کا بھی تجربہ کیا جا رہا ہے۔

عوام کو یقین آگیا ہے سب کچھ انکے اپنے کا نتیجہ ہے۔ اگر ان نفعوں پر قبضہ رکھنا ہے تو اپنی جماعت کو مضبوط رکھنا ہے۔ ورنہ کیا گارنٹی ہے کہ آج کانگرس کی وزارت نے استعفی دیدیا۔ منافع زمیندار اور کارخانہ دار چھین لیں گے۔ یہ کام صرف انکی جماعتی طاقت ہو سکتی ہے۔

ایڈن کا استعفا

برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن نے استعفیٰ دیدیا۔ اور انکی جگہ لارڈ ہیلی فاکس (لارڈ ارون) آگئے۔ استعفیٰ کی وجہ یہ ہوئی کہ چمبرلین نے لیگ اقوام کے ذریعہ امن رکھنے کی پالیسی کو ترک کردیا۔ اور فسطائی طاقتوں سے سمجھوتے کی بات چیت شروع کردی فسطائی طاقتوں نے برطانیہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ بحیرۂ روم کی مار دھاڑ نے برطانوی بیڑے کی اور بحیرۂ روم پر برطانیہ کے قبضہ دھاک بالکل گرا دی۔ اٹلی برطانیہ کے خلاف عرب میں ریڈیو کے ذریعہ پروپگنڈا کر رہا تھا۔ اس سے برطانوی قبضہ کو سخت دھچکا پہونچ رہا تھا۔ مصر میں بھی اٹلی برطانیہ کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہا تھا جاپان نے برطانیہ کی چینی تجارت میں رخنہ اندازیاں شروع کردی تھیں۔ اور برطانیہ دھمکی دی تھی کہ اگر برطانیہ تجارت کے علاوہ چین میں کسی قسم کا اثر جانا چاہتی ہے تو اسکو جاپان کبھی نہیں برداشت کر سکتا۔ تجارت بلا اثر کے کہاں جم سکتی ہے ان پورے حملوں نے برطانیہ کو بدحواس کر رکھا تھا۔

فسطائی طاقتیں برابر بڑھتی جاتی ہیں۔ جاپان نے چین میں ایک نئی سلطنت قائم کرلی۔ جرمنی نے رومانیا۔ یونان کی حکومتوں کو توڑ لیا۔ ان حکومتوں سے نیم غلامانہ صلح کرلی۔ اٹلی نے فرانکو کی اسپین پر اپنا خاصا عمل دخل کر رکھا ہے۔ ان سب پر آفت یہ آئی کہ جرمنی نے بات کی بات میں اسٹریا کی مالیات، تجارت اور اندرونی نظام پر عجیب و غریب طرح سے دباؤ ڈالکر قبضہ کرلیا۔

ایڈن کی لیگ اقوام کی پالیسی تھی جو کب کی ناکامیاب ہوچکی۔ ایسی کالب اسکی پردہ داری بھی نہیں ہوسکتی۔ مانچوریا، اٹلی حبش لئا چین اور اسپین لٹا ہو گر لیگ اقوام صرف اخلاقی ملک کی قرار داد پاس کرسکی۔ اور بس۔ ایک طرف اسپین لٹ رہا ہے اور دوسری طرف انجمن غیر جانبداری جلسوں پر جلسے کر رہی ہے۔

ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ کا لگا تھا کہ کہیں عالمگیر جنگ نہ چھڑ جائے۔ اور دوسری طرف برطانوی تجارت گرتی جا رہی تھی۔ فسطائی طاقتوں سے صلح کر لینے میں ان سب کی بچت نظر آئی۔ چمبرلین نے اس دوستی کا فیصلہ کرلیا۔

برطانیہ کی چودھرائی

مدتوں سے برطانیہ یورپ کی پالیسی کی چودھری تھی۔ جو چاہا لیگ اقوام میں طے کرا دیا۔ اور ظاہر ہے کہ وہی طے کراتی تھی جو اسکے موافق ہوتا تھا۔ اب برطانیہ فسطائی طاقتوں سے مل رہی ہے۔ یعنی جرمنی۔ اٹلی۔ جاپان۔ ان تینوں کی حالت یہ ہے کہ تینوں دیوالیہ ملک ہیں۔ بازار اور کچے مال کیلئے کمزور ملکوں کے لوٹنے پر تلے ہیں۔ ہر ایک کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں امن اسی وقت رہ سکتا ہے جب میرے قبضہ میں ساری دنیا آجائے۔ یہ ملک برطانیہ سے کہیں زیادہ منظم اور مرتب ہیں۔ اسوقت انکے اتحاد اور طریقہ کار نے دنیا کی پالیسی کی باگ انکے ہاتھوں میں دیدی ہے۔ برطانیہ کو ان سے سمجھوتہ کرنے کے بعد انکی مرضی کی بڑی حد تک تابع رہنا پڑیگا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی چودھرائی سے ہاتھ دھو لینا پڑیگا۔

مثال میں وہ شرائط ہیں جو اٹلی برطانیہ کے سامنے پیش کرنیوالا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ بحیرۂ روم میں اٹلی کی حرکت تسلیم کرلی جائے۔ نہر سویز اور جبرالٹر

اختیارات رہیں جزائر بالیارک پر اختیارات رہیں۔ اسکے علاوہ تین کرور پونڈ کا قرضہ ملے۔ آخری شرط تو ایسی ہے جسکو برطانوی سرمایہ دار بے تابانہ مان لیں گے لیکن شروع کی تین شرطیں ایسی ہیں جو برطانیہ کو کمزور کردیں گی۔ ان تینوں شرطوں کے مان لینے کا مطلب یہ ہے کہ بحیرہ روم میں اٹلی کے اختیارات اتنے زیادہ ہوجائیں گے کہ اٹلی جب چاہے برطانیہ کی آمدورفت میں رکاوٹ پیدا کرسکتی ہے۔ اور بحیرہ روم کی آزادانہ آمدورفت برطانیہ کیلئے مشرقی مقبوضات پر قبضہ رکھنے کیلئے بہت ضروری ہے۔
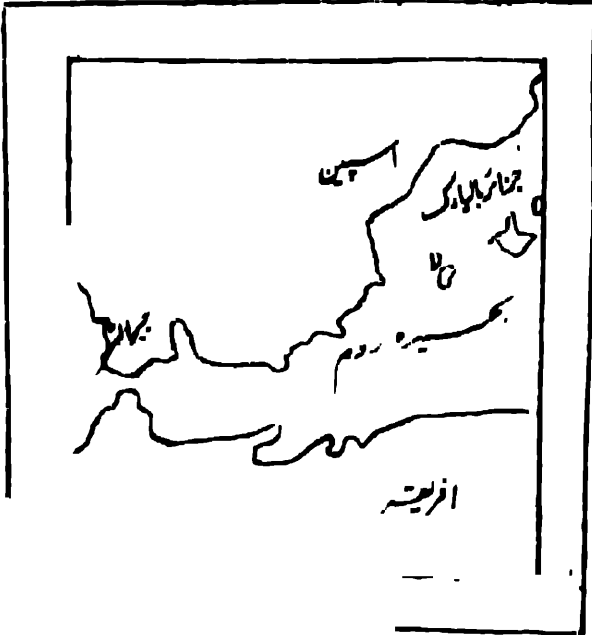
رومانیا کی فسطائی حکومت کا خاتمہ

رومانیا کی "قومی" حکومت کا بہت دردناک خاتمہ ہوا۔ گوگا کی وزارت نے ۱۰ فروری کو استعفا دیدیا۔ صرف ۴۴ دن کی حکومت رہی۔ یورپ کے سیاست دانوں کو اس استعفے پر زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ گوگا کی وزارت نے کچھ دستوری اصلاحیں کرنا چاہیں۔ سامی دشمنی اور جرمنی و اٹلی کی دوستی کا پرچار کیا۔ لیکن وزارت سے یہ نہ ہوسکا کہ خزانے کو خالی ہونے سے بچا سکتی۔ یا تجارت کو رومانیا کے موافق بنا لیتی یا یہودیوں کو بجلے باقاعدہ ناک مالی پالیسی بدحواس نہ کردیتی۔ دوسری طرف جرمنی کو یہ دیکھکر مایوسی ہوئی کہ رومانیا نے اپنی خارجہ پالیسی میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی۔ اٹلی امید ہی میں رہا کہ رومانیا اطالوی شہنشاہ کی خدمت میں ایڈریس پیش کریگا۔ ایسی عجب بات نہیں کہ گوگا کی وزارت کچھ نہ کرسکی جو آئندہ کے الکشن میں اسے کام دیتا۔ اس ملک کی مضبوط پارٹیوں نے گوگا کی وزارت سے سمجھوتا کرنے سے انکار کردیا۔ مجبور ہوکر شاہ کارول کو نئے تجربہ میں ناکامیابی تسلیم کرنا پڑی گوگا کی وزارت ختم ہوگئی۔ لیکن کوئی بھی امید کرنا کہ رومانیہ فسطائی طاقتوں کو چھوڑ دیگا ۔۔۔ معلوم ہوتا ہے۔ ابھی تک وہاں فسطائی اثر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ کی صرف تنظیم کی ہے۔

ہری پورہ کانگرس پر ایک نظر

شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر، ریلوے اسٹیشن سے گیارہ میل دور تاپتی کے کنارے چٹیل میدان میں تین میل لمبا ایک شہر وٹھل نگر کے نام سے آباد ہوا اور ایک ہفتے کی چہل پہل کے بعد ہمیشہ کے لئے پردے سے اٹھ گیا۔ بجلی کی روشنی، پانی کے نل، پکی سڑک۔ سبزہ اور پھول، بڑے بڑے پھاٹک تصویروں سے آراستہ۔ چند روز کیلئے بنائے گئے اور پھر بگاڑ دئے گئے۔

دو سال سے کانگرس کا سالانہ اجلاس گاؤں میں ہوتا ہے۔ کانفرنس سے دیہات میں وٹھل نگر کا ہزارواں حصہ بھی رونق اور چہل پہل ہوتی۔ اگر دیہات میں کانگرس کا اجلاس اس لئے ہوتا ہے کہ شہروں میں رہنے والے سیاسی کارکن دیہات والوں کے حالات، انکی مصیبتوں اور انکی زندگی سے واقف ہوں تو یہ بات تو ذرہ بھر بھی حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ دیہات والے شہروں کی زندگی اور چہل پہل کی ایک جھلک دیکھ لیں تو اس میں تھوڑی سی کامیابی ضرور ہوئی۔ کسانوں کی اچھی خاصی تعداد روز اس جگمگاتے ہوئے نگر میں آتی اور نئی تہذیب کے کرشموں کو حیرت سے دیکھ کر اپنے جھونپڑے، گندے اور ویرانہ جیسے گاؤں کو لوٹ جاتی لیکن یہ بات تو اس سے اچھی طرح حاصل ہو سکتی تھی اگر کانگرس کا اجلاس بجائے اس نقلی شہر کے کسی اصلی شہر میں یا اسکے قریب کیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تماشے پر ساڑھے سات لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ اس غریب ملک کو آزاد کرانے اور غریبی سے نجات دلانیوالی جماعت اپنے سالانہ اجلاس پر اتنی بڑی رقم خرچ کرے، تعجب کی بات ہے۔ پھر یہ بھی نہیں ہوا کہ اس رقم کا بڑا حصہ دیہات والوں کو ملتا۔ یہ شہر والوں کا لگایا ہوا روپیہ شہر والوں ہی کی جیبوں میں واپس چلا گیا۔ مجلس استقبالیہ کو آمدنی خوب ہوئی اور ممکن ہے حساب نکلنے پر معلوم ہو کہ منافع بھی ہوا۔ لیکن کیا کانگرس اپنا اجلاس اس لئے کرتی ہے کہ اسکو مالی نفع ہو؟ یہ تو سیاسی تحریک نہیں ہوئی۔ تجارتی کاروبار ہو گیا۔

جیسے جیسے ہماری تحریک بڑھتی جاتی ہے ہمارے سالانہ اجلاسوں کی کیفیت بھی بدلنی چاہئے۔ سالانہ اجلاس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں، ایک غور و فکر، بحث و مباحثے کا اور دوسرا پروپگنڈے کا۔ ہمارا عام اجلاس موجودہ حالت میں دونوں میں سے کسی کو پورا نہیں کرتا۔ غور و فکر تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی یا سبجکٹس کمیٹی میں ختم ہو جاتی ہے۔ دو ڈھائی ہزار کی تعداد میں جو ڈیلیگیٹ آتے ہیں ان کی حیثیت تماشائی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پھر آخر اس جنگ کی فرصت ہی کہاں ہے؟ کانگرس کی تاریخ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ جو تجویز سبجکٹس کمیٹی میں منظور ہو گئی ہو وہ عام اجلاس میں نامنظور ہوئی ہو۔ اسکے علاوہ عام اجلاس میں غور و فکر کا موقع بھی کہاں ملتا ہے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کے مجمع میں دو ڈھائی ہزار ڈیلیگیٹ ایک کونے میں سمٹے سمٹائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ خطبہ پڑھا جاتا ہے، تجویزیں سنائی جاتی ہیں۔ اگر کبھی کوئی ترمیم پیش بھی ہوتی تو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ منظور نہیں ہو سکتی۔ صدر اور مقرر کی آواز تو خیر لاؤڈ اسپیکر کی بدولت ہر ہر کونے میں پہنچ جاتی ہے لیکن ڈیلیگیٹوں میں سے اگر کوئی گلا پھاڑ کر بھی چلائے تو صدر تک آواز پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ سالانہ اجلاس میں کتنے ڈیلیگیٹ پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارا ملک اتنا بڑا ہے کہ اگر سب سے ایک کونے میں کانگرس کا اجلاس ہو تو دوسرے کونے سے آنے والے کو کافی وقت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ مشکل سے آدھے ڈیلیگیٹ پہنچ سکتے ہیں اور وہ بھی ایسے لوگ جنکے پاس کافی روپیہ ہوتا ہے یا جنکو کسی امیر کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ غور و فکر کا حصہ تو یوں ختم ہوا۔ اب رہا پروپگنڈے کا حصہ تو اس کا یہ حال ہے کہ عام اجلاس میں داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے اور کم سے کم ٹکٹ بھی ایک روپیہ کا ہوتا ہے۔ بھلا کسان، اور مزدور یا غریب بے روزگار کہاں سے اتنے دام ادا کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر بھی کانگرس کی آواز صرف کھاتے پیتے لوگوں تک ہی پہنچ کر رک جاتی ہے اور کسان اور مزدور جو اس قومی اجتماع کی خبر سنکر آتے ہیں انکے حصہ میں صرف بازاروں کی رونق ہی آتی ہے۔

موجودہ صورت کو جلد سے جلد بدلنے کی ضرورت ہے۔ غور و فکر اور پروپگنڈے کے حصوں کو بالکل الگ الگ کر دینا چاہئے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی جس کے تقریباً چار سو ممبر ہوتے ہیں اور فکر کے لئے موزوں جماعت ہے۔ اسکے جلسے سال میں کئی دفعہ مختلف صوبوں میں ہونے چاہئیں اور ہر ایسے موقع پر ایک عام جلسہ بڑے پیمانے پر ہونا چاہئے جس میں اس صوبے بھر کے لوگ جمع ہوں اور چند اچھے تقریر کرنے والوں کو اسکے لئے معین کیا جائے کہ وہ وقت کے سیاسی مسئلوں کو سادہ اور عام فہم انداز میں لوگوں کو سمجھائیں۔ کانگرس کے عام اجلاسوں میں جو خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا جاتا ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ملکی یا بین الاقوامی سیاست کے پیچیدہ مسئلوں کو دو لاکھ کا مجمع کیا خاک سمجھے گا۔ اسکے علاوہ چونکہ ہمارے ملک کی ایک زبان نہیں ہے اسلئے جب کسی ایسے صوبے میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوتا ہے جہاں ہندستانی نہیں بولی جاتی تو ہندستانی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہندی یا اردو کا خطبہ کسی کی خاک سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اگر خیر سے صدر صاحب نے انگریزی میں خطبہ پڑھنا شروع کیا تو مجمع کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سال میں ایک دفعہ ایسا اجلاس کرنے سے جس میں ملک کے ہر حصے کے لوگ شریک ہوں کم سے کم اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ مختلف صوبوں کے کام کرنے والوں کے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھتے ہیں لیکن اس موقع پر جتنی تکلیف باہر سے آنے والوں کو ہوتی ہے اور جتنا خرچ مجموعی طور پر ہوتا ہے اس کا خیال کیا جائے تو فائدہ سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ پروگرام اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مختلف صوبوں کے ڈیلیگیٹوں کے ٹھہرنے کا انتظام پاس پاس ہی ہوتا ہے پھر بھی انہیں ایک دوسرے سے ملنے اور گفتگو کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ ہر صوبے والے آپس ہی میں ملتے اور بحث و مباحثہ کرتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اتنے بڑے انتظام سے کیا فائدہ۔ کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کو چاہئے کہ اس مسئلے پر اچھی طرح غور کرے اور کوئی صورت ایسی پیدا کرے کہ وقت، محنت اور روپئے کا یہ نقصان آئندہ نہ برداشت کرنا پڑے۔

جنگ کا بہی کھاتا

(ہاجرہ بیگم)

ہم اس مضمون میں چند اعداد کی مدد سے یہ دکھائینگے کہ سرمایہ داری نظام اپنی موت پہنچتے پہنچتے انسانیت اور سماج کے حق میں کس طرح دشمن اور زہر ثابت ہوتا ہے۔ گو کہ بہت سے لوگ آج ایسے ہیں جو جنگ کی ناکامی اور بربادی کو خوب سمجھتے ہیں اور ایک حد تک یہ بھی اندازہ کرتے ہیں کہ اس جنگ میں جو اب دنیا میں ہونیوالی ہے دنیا کے لوگوں کو کس قدر مصیبت کا سامنا اور جان و مال کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تاہم انکو ابھی تک ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں۔

کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ آج جس قدر روپیہ، وقت اور عقل جنگ اور سامان جنگ کی تیاری پر صرف کیا جا رہا ہے اگر وہی سب انسانوں اور انسانی اداروں کی بہتری، بہبودی اور ترقی کیلئے صرف کیا جائے تو عوام، غربت، مفلسی، جہالت، اور بیماریوں کی منزل سے نکل کر کہاں سے کہاں پہنچ جائینگے؟

آیئے ذرا ہم ان اخراجات کا موازنہ اور مقابلہ کریں جو جنگ اور امن کے زمانوں میں اٹھائے جاتے ہیں۔

پروفیسر نکولس مرے بٹلر نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم میں جو صرفہ ہوا اگر وہی سب روپیہ لوگوں کی بہتری اور ترقی پر خرچ کیا جاتا تو کیا کچھ حاصل ہوتا۔ انکا کہنا ہے کہ گزشتہ جنگ میں چار لاکھ ملین ڈالر یعنی ایک ارب پچیس کرور روپیہ سے بھی کچھ زیادہ خرچ ہوا تھا۔ اب یوں تو پتہ نہیں چلتا کہ یہ روپیہ کیا ہوا۔ لیکن پھر پروفیسر مرحوم ہی ہمکو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ اس روپیہ سے برطانیہ، ریاستہائے متحدہ، کنیڈا، فرانس، بلجیم، روس، جرمن اور آسٹریلیا کے ہر خاندان کیلئے حسب ذیل چیزیں مہیا کی جاسکتی تھیں۔

۱- پانچ ایکڑ زمین۔

۲- چھ ہزار پانچسو روپیہ کی لاگت کا ایک مکان۔

۳- دو ہزار چھ سو روپیہ کی لاگت کا فرنیچر۔

اس کے علاوہ ہر اس شہر میں جسکی آبادی بیس ہزار سے زیادہ ہو حسب ذیل اداروں کا قیام۔

۱- ایک کروڑ تین لاکھ روپیہ کی لاگت کا ایک کتب خانہ۔

۲- دو کروڑ ساٹھ لاکھ کی لاگت کی ایک یونیورسٹی۔ اور اسکے علاوہ ایک ایسا وقف جس کی آمدنی سے ایک لاکھ پچیس ہزار اساتذہ اور اتنی ہی نرسیں مقرر کیجا سکتیں اور پھر پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ ان سب انتظامات کے بعد جو کچھ باقی بچتا وہ اتنا ہوتا کہ کل فرانس اور بلجیم آسانی سے اتنے میں خریدا جاسکتا تھا۔

لیگ آف نیشن کی شائع کی ہوئی کتابوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ عظیم کے بعد سے ۱۹۳۵ء تک دنیا بھر کا جنگی خرچ اس خرچ سے جو بقول پروفیسر مرے جنگ عظیم پر ہوا تھا دوگنے سے زیادہ ہو چکا ہے۔

انسپکٹر بھی لندن کا ایک اخبار جسکو ہزاروں تعلیم یافتہ آدمی پڑھتے ہیں نہایت متانت سے لکھتا ہے کہ "کروروں روپیہ جو ہماری فوجوں کو بڑھانے اور بہتر کرنے میں خرچ ہوتا چاہیئے تھا وہ سماجی اداروں پر گذشتہ پندرہ سال سے ضائع ہو رہا ہے"!!

انگریز جنگ کی تیاری پر ہر منٹ تین سو پاؤنڈ خرچ کر رہے ہیں۔ حالانکہ "امن وصلح" کی جو تحریک ہے اسکی کل آمدنی ساٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ سے زیادہ نہیں۔

اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ گزشتہ جنگ میں چار لاکھ ملین ڈالر خرچ کر کے دنیا نے کیا پایا۔

جو کچھ روحانی اور جسمانی تکلیفیں اور مصیبتیں لوگوں نے اٹھائیں انکا تذکرہ کیا۔ انکو چھوڑ کر حسب ذیل آمدنی ہوئی۔

۱- ایک کروڑ سپاہی یقینی طور پر مارے گئے

۲- تیس لاکھ سپاہی ایسے جنکا پتہ نہیں۔ غالباً مارے گئے۔

۳- ایک کروڑ اتنیس لاکھ اور آدمی، سپاہیوں کے علاوہ مارے گئے۔

۴- دو کروڑ آدمی زخمی ہوئے۔

۵- تیس لاکھ آدمی قید ہوئے۔

۶- نوے لاکھ بچے یتیم ہوئے۔

۷- پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں۔

۸- ایک کروڑ ملک چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس طرح سات کروڑ تیس لاکھ انسان ایسے تھے جو یا تو مارے گئے یا انکی تندرستی، گھر بار اور خوشی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ اندازہ بھی بالکل پورا نہیں کیونکہ مثال کے طور پر افریقہ کو لے لیجئے جہاں ایڈون اسمتھ صاحب نے اندازہ لگایا ہے کہ جنگ عظیم کی بدولت جتنے آدمی مرے اتنے گذشتہ پچاس سال میں خانہ جنگی میں بھی نہ مارے گئے تھے۔ اور انھیں سے بہت کم اوپر والے اعداد میں شامل کئے گئے ہیں۔ ہم اپنے ملک ہندستان میں دیکھتے ہیں کہ جنگ کے بعد جو انفلوائنزا کی وبا پھیلی اس میں ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی ختم ہو گئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کی بدولت یہاں کا تمام مال و دولت انگریز کھینچ کر اپنی لڑائی کو چلانے کیلئے لے گئے تھے۔ لوگوں کے پاس نہ تو کپڑا تھا اور نہ کھانے پینے کو کافی سامان ملتا تھا۔

آج ہم ہندستان میں سامراجی ضرورت اور حفاظت کیلئے ستاون کروڑ روپیہ انگریزوں کو ہر سال دیتے ہیں۔ اور اس خرچ کے علاوہ پولیس کو علیحدہ سوا کروڑ روپیہ ہر سال دیتے ہیں۔ اسکے برخلاف تعلیم، حفظان صحت وغیرہ کے لئے ہم کل اکیس کروڑ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ انگریزوں کے ماتحت ایک اور ملک گولڈ کوسٹ کالونی، ہے جسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کا انتظام سب ملکوں سے بہتر ہے۔ وہاں کی یہ حالت ہے کہ اگر وہاں کے لوگوں کو اسی رفتار سے تعلیم ملتی رہی جیسے کہ اب مل رہی ہے تو کم سے کم سات سو سال گزریں گے جب جا کر وہاں والے سب پڑھ لکھ سکیں گے۔ اسی طرح روڈیشیا (RHODESIA) میں دس لاکھ پاؤنڈ

ہر سال صرف تانبے کی کانوں ہی سے آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن کل بیس ہزار پاؤنڈ تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے۔

اگر سرمایہ داری نظام میں ایام جنگ مصیبت اور تباہی کا باعث ہوتے ہیں تو صلح و امن کا زمانہ کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں تقریباً چوبیس لاکھ آدمی فاقے سے مرے اور بارہ لاکھ آدمیوں نے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسی "قحط" کے زمانے میں ہی پانچ کروڑ ساٹھ لاکھ پاؤنڈ ڈبوں میں بند کیا ہوا گوشت دو لاکھ سترہ ہزار قہوے کے تھیلے ایک لاکھ چالیس ہزار چاول سے بھری ہوئی گاڑیاں اور پانچ لاکھ ستر ہزار دوسرے غلوں کی گاڑیاں بالکل جان بوجھ کر غارت کر دیا گیا اور پھینک دیا گیا۔ اسی طرح لاکھوں من روئی، شکر، دودھ، مکھن، وغیرہ بھی ضائع کر دیئے گئے۔ اگر صحیح حالات دیکھنا ہوں تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سرکاری کمیشن کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے۔

ہندستان کی کیا حالت ہے؟ اگر لڑائی چھڑے تو ہمارے قومی لیڈروں کا کیا مسلک اور رویہ ہوگا؟ کیا ہم پھر انگریزی سامراجی ضروریات کی حفاظت کی خاطر ہندستان کی دولت اور جانیں قربان کر دینگے۔ یا ہم آزادی کی خاطر لڑینگے تاکہ ہندستان میں آزادی کا وہ دور قائم ہو جسکی بدولت سامراجی سرمایہ داری کی تباہی سے ہندستان اور ہندستانیوں کو ہمیشہ کے لئے نجات ملے۔

روس کا پنجسالہ پروگرام

(سوطلوی انقلاب کے بعد جب روس پر مزدوروں کا راج ہوا تو ملک تباہ تھا۔ کھیتیاں اجاڑ تھیں۔ کارخانے بند تھے۔ مزدوروں کی حکومت نے ماہروں کی مدد سے پہلا پنجسالہ پروگرام تیار کیا اور اس کو عمل میں لائے۔ اس سے کھانے اور پہننے کا سامان تیار ہو گیا۔ دوسرے پروگرام میں بڑی مشینوں کی طرف، اور کانوں وغیرہ کی طرف توجہ کی گئی۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ تیسرا پروگرام کیا ہے؟ وہ ملک کی تعمیر کس طرح کرنا چاہتا ہے اور اس سے عوام کو کیا بھلا ہوگا۔ ممکن ہے اس پروگرام کی تجویزیں کچھ لوگوں کو ہوائی قلعے معلوم ہوں۔ لیکن یہ تجویزیں عمل میں آچکی ہیں اور اپنی مقررہ میعاد سے پہلے ہی یہ اسکیم پوری ہو گئی۔

ہم اسی قسم کے چھ مضمون چھاپیں گے۔ ہر مضمون اپنی جگہ ایک مکمل چیز ہوگی۔ اور سب ملاکر روسی زندگی کا ایک سچا نقشہ تیار کر دینگے۔

ہندوستان میں نہ قدرتی پیداوار کی کمی ہے، اور نہ کام کرنے والوں کی۔ اگر یہاں مزدوروں اور کسانوں کی حکومت ہو جائے تو یہاں کی تباہیاں، اسی طرح، بلکہ ذرا آسانی سے فنا ہو سکتی ہیں۔ اور جہاں ایک بار عوام کے ہاتھوں فنا ہو گئیں پھر واپس نہیں آسکتیں (ایڈیٹر)

روس کا پنجسالہ پروگرام ایک دو فیکٹری سے نہیں پورا ہوگا بلکہ ۴۴ سو فیکٹریوں سے اور صرف فیکٹریاں ہی نہیں بلکہ بجلی گھروں سے، پلوں، جہازوں، ریلوں، کانوں۔ حکومت کے کشت زاروں اور باہمی کشت زاروں سے، اسکولوں اور لائبریریوں سے۔ لیکن یہ سیکڑوں نئے شہر اور لاکھوں نئے کارخانے تیار کس مواد سے ہونگے۔ کیا ہمارے پاس کافی اینٹیں سیمنٹ اور شیشہ ان کی تیاری کے لئے ہے۔ کیا ہمارے پاس مشینوں کے لئے کافی لوہا ہے۔

تیار سامان ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن کچا سامان جتنا چاہئے موجود ہے۔ بنجر زمینوں میں۔ مٹی۔ بالو۔ اور پتھر پائے جاتے ہیں جنگلوں میں شہتیر اور کام کی لکڑی ہوتی ہے۔ اور دلدلوں میں بجلی۔

مٹی اور بالو سے اینٹیں تیار ہونگی۔ بالو اور چونے سے سیمنٹ۔ کچے لوہے سے گاٹر اور فولاد۔

ہم کو کچا مال ڈھونڈھنا ہے۔ اس لئے ہمارا پہلا کام "کھوج" ہے کوئی کام اس وقت تک نہیں اُٹھانا چاہئے جب تک اسکاؤٹ کا کام پورا نہ ہو جائے

ہر سال ہم دور دراز جنگلوں پر۔ پہاڑوں اور ریگستانوں میں اپنے جتھے بھیجتے ہیں۔

اسکاؤٹوں کا ایک جتھا سائبیریا کے دلدلی خطہ میں گھس گیا۔ اس کے پاس کوئی نقشہ نہیں تھا صرف اندازہ پر کام چل رہا تھا۔ سب لوگ سر سے پاؤں تک کالے جالوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ورنہ مچھر اور پسو ان کو کاٹ کاٹ کر ختم کر دیتے۔ ٹنڈرا ایک گراموفون کی پلیٹ کی طرح ہموار ہے۔ نہ وہاں کوئی پہاڑی نظر آتی ہے اور نہ کوئی جھاڑی۔

اسی زمانے میں ایک دوسرا جتھا شمال کی طرف گیا۔ پہاڑ کے نوکیلے کگار ایسے تھے جیسے کسی بہت بلند عمارت کی کارنس اور ان پر اس کو چڑھنا تھا۔ نیچے سیکڑوں فیٹ گہرا کھڈ تھا۔ اگر ذرا بھی کوئی ڈرے تو نیچے آ رہے۔ اور ہڈیاں تک سرمہ ہو جائیں۔ لیکن اسکاؤٹ کے دل میں ڈر کا چھینٹ نہیں۔ وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اپنا بدن پتھر کی دیوار کی طرف جھکائے اور پاؤں سے راستہ ٹٹولتا ہوا۔

۱۹۱۹ء کے بعد دس برس کے اندر صرف سائنسی اکاڈمی نے ۳۸۱ جتھے بھیجے اور کتنے جتھے ہوں گے جو دوسری اکاڈمیوں نے بھیجے ہوں گے کتنے آدمی مقرر کئے گئے تھے جنھوں نے یہ جگہیں ڈھونڈھ نکالیں جہاں اب نئی ریلیں بن رہی ہیں۔ کوئلے کی کانیں کھودی جا رہی ہیں نہریں تیار ہو رہی ہیں۔ اور کارخانے کھولے جا رہے ہیں۔

ان اسکاؤٹوں نے کبیر لینا کے دلدلوں کو پار کرکے ہبنسکی پہاڑ دریافت کیا۔ اس پہاڑ پر لاکھوں من سے نی لائٹ اور اپیٹائٹ پائی جاتی ہیں نفی لائٹ سے ہم کو ملیفیشہ ملیگا اور اپیٹائٹ سے فاسفیٹ جو زمین کو زرخیز بنانے میں کام آئیگی۔ قراقرم کے ریگستانوں میں ہمارے اسکاؤٹوں نے عجیب وغریب پہاڑیاں دریافت کیں۔ جو گندھک کی بھوکی یا بو کی اینٹیں ہیں۔ گندھک۔ کاغذ اور ربڑ بنانے میں کام آتی ہے اور اس کے ذریعہ ہم اپنا غلہ اور روئی کیڑے مکوڑوں سے بچا سکتے ہیں۔ اب تک ہم گندھک اٹلی سے منگاتے ہیں۔ لیکن اب یہ معلوم ہو گیا کہ ہماری ضرورت بھر کی گندھک ہمارے ملک میں موجود ہے۔ سائبیریا میں ایسی جھیلیں دریافت کی گئیں جنہیں سوڈا بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ سوڈے سے صابن بنتا ہے اور یہ دوسرے کاموں میں بھی آتا ہے سوڈا نمک سے بنایا جاتا تھا۔ اور اس کے لئے بڑے بڑے کارخانے رکھنا پڑتے تھے لیکن ان جھیلوں میں ہم کو تیار کیا کرایا سوڈا مل گیا۔ اسکاؤٹوں نے یاکتیا میں نمک کی پہاڑیاں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ اور کزاقستان میں خانڈریلا ڈھونڈھ لیا خانزار بلایک پیدا ہے جس کی چھال میں ہمارے سائنسدانوں نے بھی ربڑ دریافت کی۔ ان چیزوں کے علاوہ ہمارے اسکاؤٹوں نے نہ معلوم کتنی اور مفید چیزیں دریافت کیں

اسکاؤٹ صرف پہاڑوں۔ جنگلوں اور بنجر زمینوں ہی پر کام نہیں کرتے وہ کیمیا گھروں میں بھی کام کرتے ہیں۔ جہاں ہم تجربہ کرکے اپنے کارخانوں کے لئے مفید دریافتیں اور ایجادیں کرتے ہیں اس طرح ہم اپنے سماجخانوں کو بتا سکیں گے کہ کچا مال حاصل کرنے کے کون سے آسان طریقے ہیں۔ جنسے ہم بیکار چیزوں سے بنجر میدانوں سے اور اپنے بسیرے کی زمینوں سے کچا مال نکال سکیں انہی کیمیا گھروں کی بدولت آج ہم گوکل سے کاغذ اور دوائی۔ بھدے اون سے نفیس کپڑے۔ اور شکر کے کارخانوں کے فضلہ سے خشکر بنانے لگے ہیں۔

ہماری زمین کے نیچے کوئلہ۔ لوہا جستہ۔ تانبا اور دوسری معدنیات پائی جاتی ہیں۔ ابھی ہم نے اپنی بیشمار دولت کو دریافت کرنا شروع ہی کیا ہے پانچ سال پہلے ہم سائبیریا کے کوئنیٹ بیسن میں صرف ۴ کھرب ۵۰ ارب ٹن کوئلہ کا اندازہ کرتے تھے۔ لیکن اب اسکاؤٹوں نے ایک ارب ۵۰ کھرب ٹن کوئلہ اور دریافت کرلیا ہے۔ چند سال پہلے ہم کو خبر بھی نہ تھی کہ جنوبی وولگا کے علاقے میں لوہا پایا جاتا ہے اور اب ہم وہاں بڑی بڑی بھٹیاں تیار کررہے ہیں جنسے ہم کو سال میں ۶ لاکھ ۵۰ ہزار ٹن لوہا ملیگا۔ یہی معاملہ تیل کا بھی ہے۔ حال ہی میں پروفیسر پریو برزنسکی نے پرم سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر جہاں پہلے تیل کی تلاش کرنے کا کسی نے خیال بھی نہ کیا تھا۔ تیل کے چشمے دریافت کئے ہیں۔ اور اب سائنسداں بتلاتے ہیں کہ وسطی وولگا سے لیکر یورال تک تمام راستہ پر تیل کے چشمے ہونے چاہئیں۔

اسکاؤٹوں کے جتھوں کے پیچھے پیچھے بہادروں کی ایک فوج چلتی ہے۔ یعنی بہادر مزدور۔ یہ لوگ کس سے لڑنے جارہے ہیں؟ یہ اپنی ہی سرزمین فتح کرنے جارہے ہیں۔ لیکن کیا یہ زمین جیتی ہوئی نہیں ہے؟ جس زمین پر ہم رہتے ہیں۔ کیا وہ ہماری نہیں ہے۔ نہیں وہ ہماری نہیں ہے۔ جاننے والوں سے پوچھو تو وہ بتائیں گے کہ ابھی تک بہت سی زمین ہے جو قبضہ سے باہر ہے۔ بہت سے جنگل ہیں جو قبضے سے باہر ہیں اور بہت سے پتھریلے میدان۔

یاکتیا ایک بڑا خطہ ہے جو ہماری حکومت کا پانچواں حصہ ہے لیکن کیا ہم اس کو اپنی ملکیت کہہ سکتے ہیں۔ یاکتیا میں اتنے آدمی ہیں جتنے لینن گراڈ یا ماسکو کی چند سڑکوں پر۔ وہاں بیحد پھیلے ہوئے جنگل ہیں جنکو گرمیوں میں آگ میلوں تک جلا کر صاف کردیتی ہے۔ کوئلہ۔ لوہا۔ چاندی۔ سونا جستہ۔ سب موجود ہے لیکن جو کوئلہ زمین کے نیچے محفوظ پڑا ہے وہ کسی کا نہیں۔ جس جنگل کو ہم کاٹتے نہ ہوں اور جس جنگل کو ہم بچاتے نہ ہوں وہ ہمارا نہیں کہا جاسکتا۔

ہمارا ملک بہت بڑا ہے چھپن سو میل مغرب سے مشرق تک اور اٹھائیس سو میل شمال سے جنوب تک اس سرزمین کی دولت پر قبضہ کرنے کیلئے ہم کو لڑنا ہے گویا ہم کو اتنے بڑے محاذ پر مورچہ بندی کرنا ہے۔ اور کنجسارہ پہ وگرہم اس لڑائی کی پہلی کڑی ہے۔ ہم کو زمین کے اندر گھس جانا ہے چٹانیں توڑنا ہے۔ کانیں کھودنا ہے اور عمارتوں کی عمارتیں کھڑی کردینا ہیں۔ زمین کے اندر سے سیکڑوں من لوہا۔ کوئلہ۔ ایندھن اور عمارتی سامان نکالنا اور اسکو سارے ملک میں پھیلانا ہے۔

کیا ہم یہ بڑے بڑے کام اپنے ہاتھوں سے کرینگے؟ کیا ہم معمولی بیلچوں۔ پھاوڑوں اور کدالوں سے کام نکالیں گے؟ نہیں ہمکو ایسے بیلچوں اور پھاوڑوں کی ضرورت پڑے گی جو ایک ہی دفعہ میں گاڑیوں بھر مٹی کھود سکیں۔ ہمکو بہت بڑی بڑی بوجھ اٹھانے والی مشینیں چاہیئے ہوں گی۔ عمارتی کاموں میں بھی زبردست مشینوں کی ضرورت ہوگی

ہمکو سب سے زیادہ مشینوں کی ضرورت ہے۔ ہر کارخانے اور ہر مہم میں مشینوں کا کام ہے لیکن مشین بنانے کے لئے ہمارے پاس دھاتیں ہونی چاہئیں اور مشین چلانے کیلئے طاقت۔ یہ طاقت کیا ہے اور کہاں سے آتی ہے؟ یہ ہمارے ہی اردگرد بہت بڑی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ آبشار میں کوئلے میں۔ اور ایندھن کی لکڑی میں اگرچہ ہوا پانی اور کوئلہ زندہ چیزیں نہیں ہیں لیکن ان سے مشینیں چلائی جاسکتی ہیں ہاکو میں ہوا ہوائی انجن کو چلاتی ہے اور ہوائی انجن زمین کے نیچے سے تیل نکالتا ہے وولکھوو سٹرائے میں پانی سے انجن چلتے ہیں اور ان انجنوں سے مشینیں چلائی جاتی ہیں جنسے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ریل کے انجنوں میں کوئلہ پانی کو ابال کر بھاپ تیار کرتا ہے اور بھاپ سے انجن کا پسٹن چلتا ہے۔ غرضکہ ہمارا پہلا کام اپنی مشینوں کے لئے طاقت کا بندوبست کرنا ہے۔

ماسکو میں وزنیسکی اسٹریٹ پر ایک عجیب قسم کی عمارت نظر آتی ہے۔ اس عمارت کے داہنی طرف ایک بلند مربع مینار بنا ہوا ہے۔ اس میں کوئی کھڑکی یا دروازہ نہیں ہے۔ اسکے اوپر ایک اور شیشے کا مینار بنا ہوا ہے جسکا ڈھانچہ لوہے کا ہے۔ اور اس دوسرے مینار پر ایک مشین چلتی ہے جسکی شکل بالکل ہوائی جہاز کی ایسی ہوتی ہے۔ یہاں ہوا سے چلنے والے انجن بنائے جاتے ہیں اور مینار پر ہوائی مشینوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اگر ہم سارے ملک میں ایسی ہوائی مشینیں بنالیں تو ہمارے پاس اتنی طاقت ہوجائے جو ساری دنیا کی موجودہ طاقت سے بھی زیادہ ہو۔ جیسے جیسے ہماری ضرورتیں بڑھتی جائیں گی ویسے ہی ویسے ہم ہر اس جگہ پر جہاں تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ ہوائی مشینیں تعمیر کئے جائینگے۔

ہوائی مشینوں کا جانچ گھر

ہوا کو فتح کرنا مشکل کام ہے اور پانی سے کام لینا اور بھی مشکل ہے۔ ہمارے پیارے ملک میں بہت سے دریا ہیں۔ ان سے ہمیں ۲ کروڑ ۰۰ لاکھ گھوڑوں کی طاقت مل سکتی ہے لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آدمی کو پانی سے لڑنا ہے اسی طرح جیسے جانور سدھانے والا جنگلی جانوروں سے لڑتا ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی چوک جائے، اگر اس سے ذرا سی غلطی ہو جائے تو جانور حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دے۔

سوویت متحدہ میں ہر آدمی نے دریائے ڈنائیپر کا نام سنا ہوگا لیکن وہاں انسان دریا سے جو جنگ کر رہا ہے اس سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے۔ ہم کو ڈنائیپر میں ایک بند بنانا ہے۔ اس کے لئے ہمیں آدھ میل لمبی اور کئی منزل اونچی پتھر کی دیوار بنانا ہوگی۔ زمین میں ہی ایسی دیوار بنانا مشکل ہے، چہ جائیکہ ہم کو ایک بڑے دریا کے آر پار ایسی ہی دیوار بنانا ہے۔ اس کے علاوہ دریا ہمارا مقابلہ کرتا ہے اور ہمارے قابو میں آنے سے انکار کرتا ہے۔

اسی دریائے ڈنائیپر میں بند باندھا جا رہا تھا۔ اس کے لئے پہلے دریا کا ایک حصہ لکڑی کے تختوں سے عارضی طور پر باندھ دیا گیا اور پھر مشینوں کے ذریعہ اس میں سے پانی نکال کر دیوار بنائی جانے لگی۔ دریا کے تھپیڑے اس عارضی بند کو توڑنے کی برابر کوشش کر رہے تھے اور ۲۲ جون سنہ [illegible]ء کو پانی نے بند توڑ دیا۔ مزدور مشکل ہی سے اپنی جانیں اور مشینیں بچا سکے۔ غوطہ خوروں نے دریافت کیا کہ پانی نے لکڑی کے تختوں میں ۳۲ مربع فٹ کا ایک سوراخ کر دیا تھا۔ اس سوراخ کو بمشکل بھرا گیا اور پھر پمپوں کی مدد سے پانی نکالا گیا۔ اس میں ۲۰ دن لگ گئے۔

۱۲ جولائی کو ایک اس سے بھی بڑا حادثہ ہوا۔ داہنے بیسن میں کام ہو رہا تھا۔ لکڑی کے تختوں کے پیچھے فولادی لٹھوں کا ایک بند بنایا گیا۔ دو بڑے بڑے کرین کام کر رہے تھے۔ تقریباً ایک بجے تک صرف ایک ستون باقی رہ گیا تھا کہ دفعتاً ایک گارڈر ٹوٹ کر پانی میں گر گیا اور ۲ منٹ کے اندر اندر پورے ایک سو نوے گز کی دیوار بہہ گئی۔ ۲۷۰ ستون نکلے جانے ہیں۔ ۵۰۰ ٹن لوہا خرچ ہوا تھا۔ بات کی بات میں تباہ ہو گئے۔ انکی بار مرمت کرنے میں پہلے کا کئی گنا وقت اور روپیہ خرچ ہوا۔

دریائے ڈنائیپر کو فتح کر کے ہم کو کیا حاصل ہوگا؟ اس میں ہم دس مشینیں لگائیں گے اور ہر مشین سے ہم کو ۹۰ ہزار گھوڑوں کی طاقت ملے گی۔ ایک آدمی کی قوت گھوڑے کی طاقت کا [illegible] ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈنائیپر سے ہمیں [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ مزدور حاصل ہوں گے۔ ان مزدوروں کی اجرت بھی بہت کم ہوگی — ایک کلو واٹ گھنٹہ کے لئے ایک فارذنگ — اور ایک کلو واٹ گھنٹہ ایک جوان آدمی کے تین دن کے کام کے برابر ہوتا ہے۔ گویا تین دن کے کام کی اجرت ایک فارذنگ ہوگی۔

غرضیکہ پانی سے بجلی بنانے میں بہت منافع ہوتا ہے۔ ہمارے پاس پانی سے بجلی بنانے کے پانچ اسٹیشن ہیں جن سے ایک لاکھ دس ہزار گھوڑوں کی طاقت ملتی ہے۔ اور ایسے ہی [illegible] اور بنائے جا رہے ہیں۔ اس طرح ہر سال ۳۰ سے ۴۰ لاکھ ٹن کوئلہ کی بچت ہوگی۔

ہوائی مشین

ہوائے تند

(شہاب ملیح آبادی)

اے ہوائے موسم سرما نہ یوں اٹھلا کے چل
وہ اجل جو خون پیتی ہے مگر لڑتی نہیں
وہ اجل جو پھر بھی ہیبا کی کو کر دیتی ہے چور
اے کفن بر دوش اب تو یوں نہ اترا کر نکل
ظلم اور مظلوم پر امظلوموں کی بستی ہے یہ
بے خطا انسان ا جنکا دل کبھی کھلتا نہیں
جنکو اپنی ہی نظر کا روگ، اپنا ہی قلق
جنکی بیداری کو بیزاری ہے اپنی ذات سے
کھوئے کھوئے سوارا ٹے، بھولے بھٹکے سر خیال
تیرے جھونکوں میں چمک ہے خنجر چنگیز کی
حادثے انگڑائیاں لیتے ہیں اس انداز میں
موت کے دریا کی طغیانی ہے تیرے آب میں
ہڈیاں مردہ دلوں کی چوس کر جیتی ہے تو
تیرے جھونکوں میں ہے سردی اُف دلِ احباب کی
سرد پڑ جاتی ہے تجھ سے قوت علم و عمل
ہاتھ سے زردے کے دل کو غرق کر دیتی ہے تو
جسم پر کمبل اُدھر، اور اس طرف بھری ہوا
اس طرف چسٹر، پلوور، سوٹ، مفلر، گرمیاں

چونک پڑتا ہے تھپیڑوں سے ترے قلب اجل
جسکے ماتھے پہ کبھی تیور کی شکن پڑتی نہیں
چھین لیتی ہے دلوں کا زور، خودداری کا نور
تیغ کو کھینچے ہوئے سر پہ نہ آ، آدمی سے چل
بے خطا انسان ہیں، معصوموں کی بستی ہے یہ
ان کو اپنے دیس میں محنت کا پھل ملتا نہیں
آپ ہی مُہرہ ہے جنکا اپنی تدبیروں سے فق
خون اپنا جو بہا دیتے ہیں اپنے ہات سے
دوش پہ اپنے کمالوں کے لئے بارِ زوال
اب ہمنوا قوم کو حاجت ہے اک مہمیز کی
کتنی آہیں ہیں جنہیں اجانے تری آواز میں
دشت و دریا زندگی بہتی ہے اس سیلاب میں
ہائے ہائے کن غریبوں کا لہو پیتی ہے تو
جسکے معصوم تبسم میں چمک ہے خواب کی
پیر میں ہوتی ہے لغزش، ہاتھ ہو جاتے ہیں شل
یوں خیالات و عمل میں فرق کر دیتی ہے تو
اس طرف اللہ کے بندے اُدھر زر کا خدا
اس طرف دھوتی۔ شلوکہ۔ برف، میلا، بنڈیاں

تیری خونخواری کے چہرے پر ہیں بربادی کے بل
آستیں الٹے ہوئے اس سمت سے اس سمت چل

عیش کے محلوں پہ چل، عشرت کے ایوانوں پہ چل
کفر کی مستی پہ چل، ایماں کی سرشاری پہ چل
ٹیمز کے فتنوں پہ چل، گنگا کی گمراہی پہ چل

زر کی تعمیروں پہ چل، دولت کے کاشانوں پہ چل
ہو غرض پر مسلم کے چل، ہندو کی بیداری پہ چل
چل ہمالہ سے تڑپ کر قیصر کی شاہی پہ چل

خون کے دریا بہا تی تخت زر کو گھیر لے
اس طرف سے منہ کو اپنے بادِ خونی پھیر لے

(وجاہت سندیلوی)

"بابو اللہ کے نام پر" بڈھے فقیر نے اپنی دبائونی صورت کو اور زیادہ بھیانک بنا کر آواز نکالی۔

"جیسا اللہ سب کی سن ہی تو لیتا ہے۔" رام دین زمیندار نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور بشری د۔ والی سے جیب سے ایک پیسہ نکال کر فقیر کی طرف پھینک دیا۔

"بہت بھوکا ہوں بابو تھوڑا آٹا دلجا سنے سویرے سے کچھ نہیں کھایا اللہ جیتا رکھے" فقیر نے جھپٹ کر پیسہ اٹھایا اور پھر لجاجت کرنے لگا۔

"ان میں یہی تو عیب ہے کہ ہاتھ پکڑتے پکڑتے پہونچا پکڑ لیتے ہیں۔ اب پیسہ مل گیا آگے بڑھو کسی اور کو بیوقوف بناؤ جا کر" رام دین زمیندار نے نفرت سے فقیر کی طرف دیکھا۔ فقیر بے اختیار رونے لگا "بابو بہت بھوکا ہوں مرجاؤں گا۔"

"تم کو کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ نرائن!" زمیندار نے اپنے منہ چڑھے ملازم کو آواز دی۔ "دیکھو تھوڑا آٹا اسکو دیدو۔ لیکن اب اگر پھر یہ کبھی میرے گھر کے پاس بھی بھٹک گیا تو اس کی خیر نہیں"

"چور بدمعاش کہیں کے تم کو شرم نہیں آتی ہٹے کٹے بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ بے حیا۔ بے غیرت" نرائن اٹھا اور بڑبڑاتے ہوئے طاق سے کچھ باسی روٹیاں اٹھا کر فقیر کے پھیلے ہوئے دامن میں پھینکدیں۔ "مزدوری کیوں نہیں کرتا مرا جا رہا ہے؟" فقیر کا زرد سیاہ چہرہ رو دینا دیکھ کر چمک اٹھا اور اس نے انھیں پا کر جلدی سے اپنا راستہ لیا "سرجو! سرجو!" رام دین زمیندار زور سے چیخا۔ اسکے مکان سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر کچھ مزدور سامنے بدن سے ننگے صرف ایک ایک چھوٹا لنگوٹا باندھے جا رہے تھے۔ "سرجو" کی آواز پر ان میں سے ایک ٹھہر گیا۔ اس نے سر اٹھا کر زمیندار کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ اس کی طرف آنے لگا۔ دوسرے مزدوروں نے جلدی جلدی قدم اٹھانا شروع کر دئے، بعضوں نے تو اس خیال سے کہ کہیں زمیندار انہیں بھی نہ پکارے اور بعضوں نے اس خیال سے کہ معلوم سرجو پر کیا بیتے اور انکی موجودگی سے سرجو کا اور بھی دل تھوڑا ہو۔ پاس ہی تالاب کے کنارے سرجو کا چھوٹا لڑکا کھیل رہا تھا۔ اس نے جو دیکھا کہ زمیندار نے اسکے "بابو" کو بلوایا ہے تو وہ اپنے باپ پر آنیوالی مصیبت کا خیال کر کے سہم گیا اور وہ جلدی اپنے گھر کی طرف بھاگا کہ ماں کو خبر کر دے

سرجو ایک چالیس برس کا بڈھا تھا اسکے چہرے پر غربت کی شکنیں تھیں لیکن اسکی کاٹھی اب بھی مضبوط تھی۔ وہ اپنے ایک ایک قدم پر اپنے آپ کو ہمت دلاسا دیتا ہوا دھیرے دھیرے زمیندار کے مکان کے چبوترہ کی طرف بڑھا۔ اس کی نظر اپنے بھاگتے ہوئے چھوٹے لڑکے پر پڑی لیکن اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں پھیر لیں۔

زمیندار نے نہایت مغلظات گالیوں سے اسکا استقبال کرتے ہوئے کہا "کیوں بے لگان تو تو دے گا نہیں وہ تو تیرے باپ کا ہے حرامزادے!"

"دن بھر مارا مارا پھرا کیا حضور ایک پیسہ بھی نہ ملا کہیں مزدوری ہی نہیں ملتی" سرجو نے آنکھیں جھکا کر نہایت عاجزی سے جواب دیا۔

"تو ہم زہر دے دیں اسکے" زمیندار نے پھر گالیاں دینا شروع کر دیں "تیرے باپ کی ہے زمین کہ یونہی جوتا ہے" اتار کر نرائن سرجو کی طرف بڑھا۔

"اچھا مہلت جانے دو" زمیندار نے نرائن کو روکا "اگر کل اسی وقت تک سالانہ پائی سے لگان بیباق نہ ہوا تو سرجو کل تمہاری خیر نہیں۔ بلوانے کی ضرورت نہ پڑے سمجھے!"

سرجو منھ سر جھکائے شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

رام دین زمیندار اپنے گرد و پیش بیٹھے ہوئے حاشیہ نشینوں سے پھر بات چیت میں مصروف ہو گیا۔

"ایسی کلا یا کال کبھی نہیں پڑا۔ ایک پیسہ نہیں وصول ہوتا۔ نا دھند کہیں کے۔" رام دین زمیندار نے کہا۔

"کچھ وقت ہی ایسا پڑا ہے آگر۔ دعا بہت پریشان ہے" پنڈت جی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"شٹ پنجیوں کی تو بات ہی کیا، بڑے بڑے دین دتاؤں کے چھکے چھوٹ گئے جب کچھ پیدا ہی نہیں ہوا تو کوئی کہاں سے دے۔ بڑا خراب وقت آ لگا ہے" اپنے من میں بیاج کا حساب لگاتے لگاتے رام بھروسے مہاجن بھی چونک پڑا اور اس نے بلا کچھ سوچے سمجھے پنڈت جی کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

مولوی رحیم اور ماسٹر کرپا شنکر پوسٹ ماسٹر بھی کافی دیر سے خاموش بیٹھے تھے۔ انھوں نے بھی بات پر بات کہدی اور کچھ نہ کچھ پنڈت جی اور رام بھروسے مہاجن کے الفاظ کو الٹ پھیر کر دہرا دیا۔

"بات کچھ بھی نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہمارے زمیندار صاحب ہیں بڑے نیک۔ جوتے کے آدمی کہیں باتوں سے مانتے ہیں۔ یہ کاشتکار لیسا کہیں خوشامد سے لگان دیتے ہیں۔ جوتا لیکر کوئی انکے سروں پر کھڑا ہو جائے پھر دیکھوں کہ کیسی بجاتے ہیں رتی رتی بیباق نہیں ہو جاتا"

رام دین زمیندار کے ملازم نرائن نے تیز ہو کر اپنے مالک کے رویّے سے اظہار ناخوشی کیا۔ اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا "یہ جب سے موہن چند کا نپور رسولپور سے آیا ہے تب سے اس نے اور بھی کاشتکاروں کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ انکو سمجھاتا ہے کہ بیگار نہ کرو، گالی نہ سنو، جیسے زمین ان بد معاشوں کے باپ ہی کی ہے۔ دیکھنا کل احاطہ میں بلا کر اسے ٹھیک نہ کیا ہو تو میرا نام نہیں"

نرائن رام دین زمیندار کا بڑا منھ چڑھا ملازم تھا۔ برسوں سے گاؤں کی تحصیل وصول وہی کرتا اور اسکے جبر و تشدد سے گاؤں کا بچہ بچہ اس سے خوف کھاتا۔ رام دین زمیندار تک اسکے سامنے چوں نہ کر سکتا۔ وہی سارے گاؤں کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اسکا غصہ بڑا تیز تھا بلا گالی کے وہ گاؤں میں کسی کاشتکار سے بات ہی نہ کرتا اس کی عمر تو پچاس سے زیادہ تھی لیکن ہاتھ پیر ایسے کہ اچھے اچھے ہٹے کٹے جوانوں کا دو چار ہاتھ میں حلیہ بگاڑ دیتا۔ بات بات پر مارنے پیٹنے پر آمادہ ہو جاتا۔

سارے گاؤں میں ایک عجیب انتشار پھیلا ہوا تھا۔ نرائن نے موہن چند کو احاطہ میں بلا بھیجا تھا لیکن اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا اور اوپر سے کہلا بھیجا کہ نرائن بابو

گرمی غصہ کسی اور ہی پر دکھلایا کریں!" اس جملے کے سنتے ہی نرائن کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ مارے غصہ کے دیوانہ ہوگیا۔ اس نے فوراً دو چار کاشتکار جمع کئے اور موہن چند کے گھر پہ دھاوا بول دیا۔ موہن چند پہلے ہی سے اسکا منتظر تھا اس نے بھی اپنے دس بیس ساتھی جمع کر رکھے تھے۔ اپنے کو کمزور دیکھ کر نرائن کا غصہ اور بھی تیز ہوگیا اور یہ دیکھ کر تو اسکی آنکھوں میں خون ہی اتر آیا کہ اسکے ہی کاشتکار اس سے مقابلہ کرنے پر آمادہ تھے اور بڑے طمطراق سے موہن چند کی حمایت کر رہے تھے۔ ایک ایک کو سمجھ لونگا ایک ایک کو" کہتا ہوا جلبلاتا دانت پیستا نرائن گھر لوٹ آیا۔ آج گاؤں بھر میں اسکی بات گر گئی اور اسکے غرور کی وہ عالیشان عمارت جو برسوں میں اس نے بنائی تھی منٹوں میں خاک میں مل گئی۔ گھر پہونچتے ہی اس نے باقی داروں کو بلانا شروع کر دیا۔ اور ان کی مرمت کرنے لگا۔ ابھی ایک ہی آدھ باقی دار آئے تھے کہ انکی درگت دیکھ کر اور موہن چند کی مثال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے باقی داروں نے اسکے پاس آنے سے انکار کر دیا اور موہن چند اپنے ساتھیوں کے ساتھ زمیندار کے دروازہ پر آپہونچا۔ "بس صاحب حد ہوگئی، اب ہم لوگ آپ کی مار پیٹ نہیں سہ سکتے جب کچھ پیدا ہی نہیں ہوا تو ہم کہاں سے لگان دیں جو کچھ کرنا ہو کر لیجئے!" وہ چیخنے لگا۔ رام دین زمیندار بھی بہت مشتعل تھا اور غصہ سے اپنی پٹیاں نوچ رہا تھا۔ نرائن بار بار اپنے پیر پٹک پٹک کر یہ کہ رہا تھا "یہ سب کیا دھرا آپ ہی کا ہے نہ آپ کاشتکاروں کے ساتھ نرمی کرتے نہ آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔"

سارے گاؤں میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر شخص جوش میں بھرا ہوا تھا اور "اب کیا ہوگا؟" کے خیال سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ایک طرف تو کچھ لوگ زمیندار کے یہاں جمع تھے اور ایک طرف گاؤں کے لوگ جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے موہن چند کے مکان کے سامنے اکٹھے تھے اور موہن چند کی تقریر سن رہے تھے۔ انکی بھیگی بھیگی آنکھیں اپنی حق تلفی اور مظلومیت کے احساس پر جھک رہی تھیں اور بار بار غصے سے وہ اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے۔ موہن چند نے انہیں "انقلاب زندہ باد" سکھایا تھا وہ اسی نعرہ کو اپنے درد دکھ کا علاج سمجھتے وہ بار بار چیخ اٹھتے "انقلاب زندہ باد" "مہاتما گاندھی کی جے" نرائن اپنے چبوترے پر ٹہل ٹہل کر یہ نعرے سنتا اور پاگلوں کی طرح غصہ سے اپنا منہ اور سر نوچتا۔ رام دین زمیندار نے دو ہی بجے قریب کے قصبہ کے تھانے میں اپنی مصیبت کی اطلاع کرا دی تھی۔ چار بج چکے تھے اور اب وہ ہر لمحہ منتظر تھا کہ دارو غہ صاحب ابھی "گارڈ" لئے آتے ہی ہونگے ——— بجے وہ پولیس کی لاری بھی آپہونچی۔

"جائیے وہ لوگ آپہونچے ہیں۔ اب ہم کو بھی تیار رہنا چاہئے" موہن چند چیخ کر کہا۔ تین سو لوں نے ایکدم سے نظر اٹھا کر دیکھا سامنے سے بارہ کانسٹبل دارو غہ صاحب۔ رام دین زمیندار اور نرائن آرہے تھے۔ ساری فضا گونج گئی "انقلاب زندہ باد" عورتیں اور بچے مبہوت کھڑے تھے۔ خوف و ہراس سے انکے ننھے دل دہلے جاتے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ "اب کیا ہوگا؟" "تم لوگ جاؤ" موہن چند نے ان لوگوں سے کہا لیکن اسوقت وہ اپنے عزیزوں کو بھلا اکیلا کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ معلوم ہوتا جیسے انکے قدم زمین میں گڑ گئے تھے۔

دارو غہ صاحب نے دور ہی سے ڈپٹ کر کہا "موہن چند یہاں آؤ" یہ قبل اسکے کہ موہن چند کوئی جواب دیتا مجمع چیخ اٹھا "مہاتما گاندھی کی جے!" "انقلاب زندہ باد" مرد مٹھیاں بھینچے ہوئے تھے اور عورتیں اور بچے تھر تھر کانپ رہے تھے "اب کیا ہوگا؟" "انقلاب زندہ باد" کا پھر نعرہ سنائی دیا۔ غصہ سے دارو غہ صاحب کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں لیکن انہیں موقع کی نزاکت کا پورا پورا احساس تھا اور وہ کانسٹبلوں کو کچھ ہدایتیں کرنے لگے۔ رام دین زمیندار کا چہرہ جوش انتقام سے تمتایا ہوا تھا لیکن نرائن سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا وہ آجتک

فرداً فرداً ایک ایک کاشتکار سے ملا تھا اور وہ انہیں کمزور بزدل، اور بے ایمان تصور کرتا لیکن آج سب کاشتکار اسکے سامنے تھے اور وہ انہیں مضبوط بہادر اور حق پرست دیکھ رہا تھا۔ کل تک وہ انکے دردوں کو مکاری سمجھتا لیکن آج جب وہ ہم آواز ہو کر "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ بلند کرتے تو وہ انکے مطالبہ کو بالکل حق بجانب سمجھتا۔ کیا انکے پامال شدہ مردہ کیفیت اسکے سامنے نہ تھے؟ اس پر حقیقت کے دروازے کھل رہے تھے اور اسکی برسوں میں بنائی ہوئی خود اعتمادی کی بلند اور عالیشان عمارت متزلزل تھی۔ اس نے رام دین زمیندار کو دیکھا کل جو ایک ایک کاشتکار سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا آج کاشتکاروں کے متحدہ محاذ پر جوش انتقام سے تمتایا ہوا تھا۔ اس نے کاشتکاروں کو دیکھا وہ تنہا مفلسی کے بوجھ سے دبے ہوئے زندگی کے آخری کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف دارو غہ صاحب تھے اور پولیس کانسٹبل اور دوسری طرف کمزور بیکس کسان۔

نرائن نے آجتک محنت کی بیکسی اور سرمایہ داری کی خون آشامی اس قدر قریب سے نہ دیکھی تھی!! آجتک اس نے کیا کیا تھا؟ اور اب اسے کیا کرنا تھا؟ وہ لرز گیا۔

"گارڈ" دارو غہ صاحب کے ایک اشارے پر اپنے ڈنڈے لیکر کانسٹبل بڑی تیزی سے مجمع پر ٹوٹ پڑے۔

"مارو" رام دین زمیندار کے بھی منہ سے نکل گیا۔

کانسٹبلوں کے بے دردانہ ڈنڈوں اور ٹھوکروں سے مجمع میں نالہ و شیون برپا ہوگئی لیکن اب بھی فضا گونج رہی تھی "انقلاب زندہ باد" "مہاتما گاندھی کی جے"

"انقلاب زندہ باد" چیخ کر نرائن بھی مجمع میں کود پڑا!!

رام دین زمیندار چیخ مار کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور کانسٹبل نے جو ڈنڈا موہن چند کو مارنے کیلئے اٹھایا تھا وہ اپنی پوری قوت سے نرائن کے سر پر پڑا!!

ٹوڈی

زمانے بھر میں ہے اک دھوم انکی تیز گامی کی
خطابوں سے سند ملتی ہے ان کو نیک نامی کی
بلا کا ناز کمبختوں کو ہے بیجا تفوق پر
یہ لاشیں ہیں انہیں لگا ہے قبروں ذ غلامی کی

علی سردار جعفری

خبریں

(ہندوستان کے باہر)

ہٹلر کی طاقت میں ترقی

اب تک جرمنی فوج نازی پارٹی کی تھوڑی سی بہت مخالف تھی۔ خاصکر اس کی خارجہ پالیسی پر نکتہ چینی کرتی رہتی تھی۔ ادھر ہٹلر کو موقع لگ گیا اور اس نے اپنے مخالف فوجی افسروں کے ہاتھ سے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اب فوج کی تینوں شاخوں خشکی، بحری، ہوائی کا اعلیٰ افسر ہٹلر ہو گیا ہے۔

اسٹریا میں تبدیلیاں۔ ہٹلر نے فوجی دباؤ ڈالکر اسٹریا کے کابینہ کو مجبور کر دیا کہ (۱) اسٹریا کے کابینہ میں ہٹلر دوست جرمنوں کو اہم خدمات دے۔ (۲) لیگ قوام سے علٰحدگی اختیار کرے (۳) اشتراکیت دشمن معاہدے پر دستخط کرے۔ ہٹلر کی تجویز ہے کہ ایک جرمن اسٹریائی انجمن بنائی جائے۔ جو ان دونوں ملکوں میں تجارتی بندشوں کو کم کر دے۔ دونوں ملکوں کی مالیات کو ایک ڈھرّے پر لگائے اور دونوں ملکوں میں رسل و رسائل میں آسانی پیدا کرنے کیلئے سڑکیں اور ریلیں بنائے۔

انگلستان اور فرانس پر اس کا اثر۔ کاؤنٹ گرانڈی مسولینی کیطرف سے انگلستان سے بات چیت کرنے لندن آیا۔

۱۸۔ فروری۔ کاؤنٹ گرانڈی اور چیمبرلین اور ایڈن میں ۵ گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ اور شام کو پھر شروع ہو گئیں۔ زیر بحث اسٹریا کا مسئلہ تھا۔ اسٹریا کے معاہدہ کی رو سے اسٹریا کی آزادی مان لی گئی تھی۔ قیاس ہے کہ چیمبرلین کا اصرار ہے کہ اٹلی کو اس معاہدے پر جمے رہنا چاہئے۔

۱۸۔ فروری۔ فرانسیسی نمائندہ ایم چارلس کوربین نے مسٹر ایڈن سے ملاقات کی۔ قیاس ہے کہ مسٹر کوربن کا اسٹریا کے مسئلہ میں اس پر اصرار تھا کہ وہاں کے حالات جیسے تھے ویسے ہی رہنا چاہئیں۔

فرانس کے اخبارات کی یہ رائے ہے کہ یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اگر برطانیہ یا فرانس اس معاملہ میں کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کرینگے۔

ہٹلر کی تقریر۔ جرمنی کیا چاہتا ہے؟ جرمنی پارلیمنٹ کا شاندار اجلاس منعقد ہوا۔ ہٹلر نے اس میں ایک بڑی سی تقریر کی جس میں کہا جرمنی اشتراکیت کے پھیلاؤ کا کسی طرح کا بھی ہو سخت مخالف ہے۔ جاپان اگر ہار گیا تو اس سے یورپ اور متحدہ امریکہ کا کچھ بھلا نہ ہوگا۔ اس سے صرف متحدہ روس کو فائدہ پہنچیگا۔ چین میں اتنی اخلاقی قوت نہیں ہے کہ اشتراکیت کو روک سکے۔ اب تک جرمنی جاپان و چین کی لڑائی کا تماشائی رہا ہے۔ اب یقین ہو گیا ہے کہ جاپان کی فتح وہاں اشتراکیت کی فتح سے بہتر ہے گی جرمنی ماچوکو پر جاپانی حکومت تسلیم کرلیگا۔

اسپین میں جرمنی زمین نہیں چاہتا۔ لیکن اگر وہاں اشتراکیت کی فتح ہو گئی تو یورپ کو سخت نقصان پہنچیگا۔ اس لئے جرمنی اس معاملہ میں خاموش نہیں رہے گا۔ اٹلی کا بھی اتنا ہی مقصد ہے۔

فرانس سے سار چھین لینے کے بعد جرمنی کو کوئی شکایت نہیں ہے۔ برطانیہ سے بھی نوآبادیات کے علاوہ اب کوئی شکایت نہیں ہے۔ جرمنوں کو رہنے کی تنگی ہے اس لئے جرمنی کا نوآبادیات کا مطالبہ ہر سال بڑھتا جائے گا۔

لیگ اقوام میں جرمنی کبھی واپس نہیں جائے گا۔

اسٹریا کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا خود مختاری کا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ لیکن جرمنی کا جو حق ہے وہ بھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ غالباً موجودہ صورت یورپ کے امن کی بہت بڑی ضامن ہے۔

ہٹلر نے کہا کہ اگر میں نے ۱۹۳۳ء میں جرمنی کی چانسلری نہ قبول کرلی ہوتی تو یہاں ہر طرف پریشانی ہی پریشانی نظر آتی۔ اپنے کارنامے جتائے اور اسی سلسلہ میں کہا۔ جرمنی کی تجارت برابر بڑھ رہی ہے۔ اس سال اور زیادہ بڑھنے کی امید ہے۔

ایڈن کا استعفار۔ ۲۱۔ فروری۔ مسٹر ایڈن نے وزیر خارجہ کی جگہ سے استعفاء دیدیا۔ مسٹر ایڈن نے پارلیمنٹ میں اپنے استعفٰے کی تشریح میں جو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے فسطائی طاقتوں سے سمجھوتے کا ارادہ کیا ہے۔ یہی مقصد زیادہ بہتر طریقہ سے حاصل ہو سکتا تھا اگر برطانیہ استقلال سے جمی رہتی۔ لیکن موجودہ حالت میں یہ سمجھوتے برطانیہ کی پوزیشن گر جائے گی۔

وزیر اعظم چیمبرلین نے کہا ہے۔

اطالوی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ برطانیہ اور اٹلی کے درمیان سمجھوتے کی بات چیت ہو۔ اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہو کہ اسکے اندر حبش کی فتح اور اسپین کا مسئلہ بھی آجائے۔ میرا نقطۂ نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ حبش پر اٹلی کا قبضہ اسی حالت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اس سے یہ کسی بڑے اور فائدہ مند سمجھوتے کا ذریعہ بن جائے۔

مسٹر ایڈن کی جگہ لارڈ ہیلی فاکس (لارڈ اردن) کو دی گئی۔

جرمنی کے ایک اخبار نے اس پر لکھا ہے۔

"مسٹر ایڈن کو جرمنی سے ذاتی جلن تھی جب کسی معاملہ میں جھگڑا ہوتا تو وہ ہمیشہ جرمنی کے خلاف فیصلہ کرتا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ انکی جگہ ہیلی فاکس آرہے ہیں۔ اب جرمنی اور انگلستان کے تعلقات اچھے ہو جائینگے"

اٹلی کے اخباروں کا خیال ہے کہ ایڈن اٹلی کا پرانا دشمن تھا۔ اس کا کابینہ سے نکل جانا اچھا رہا۔

فرانس کے اخباروں کا خیال ہے کہ ایڈن فرانس کا دوست تھا اسکی علٰحدگی کا افسوس ہے لیکن امید ہے کہ ہیلی فاکس بھی فرانس کے دوست رہینگے۔

اٹلی کے مطالبات۔ ۲۴۔ فروری۔ فرانس کے ایک اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی کی انگلستان سے یہ مانگیں ہیں۔

(۱) بحر روم میں برطانوی قبضہ میں برابر کی شرکت۔

(۲) نہر سویز پر اختیارات

(۳) جزائر بالسرک پر اختیارات۔

(۴) تین کروڑ اسٹرلنگ قرضہ۔

ہندستان کے اندر

ہمارے صدر

۲۵ر فروری کی شام کو بمبئی کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے زیر اہتمام کاؤس جی جہانگیر ہال میں ایک پبلک جلسہ ہوا جسکی صدارت پنڈت جواہرلال نہرو نے کی۔ سوبھاش چندر بوس صدر کانگرس نے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آئرلینڈ کے لوگوں کو جنگ آزادی میں جو واقعات پیش آئے وہ ہندستانیوں کے لئے بہت فائدہ مند ہیں اور ہندستان آئرلینڈ کی تاریخ سے بہت سی باتیں سیکھ سکتا ہے۔ آئرلینڈ میں ۱۹۱۶ء کے انقلاب میں صرف ۰۰۰ ۱ انقلابی تھے اور انکے مقابلہ میں ۰۰۰ ۵ ہزار برطانوی سپاہ تھی جب انقلاب شروع ہوا اسوقت بھی رائے عامہ مکمل طور پر انکے ساتھ نہ تھی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر یہ لوگ قربانی پر اتر آئے تھے۔ انمیں سے بہت سے گرفتار کر لئے گئے کتنوں کو پھانسی ہوگئی اور جب یہ لوگ انگلستان لیجائے جانے کیلئے ڈبلن کی سڑکوں پر نکالے جارہے تھے اسوقت بھی آئرلینڈ کے باشندوں نے کسی قسم کے جوش کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن تھوڑے دنوں میں انکے جذبات بڑھے اور انقلابیوں کے ساتھ انکی ہمدردی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔

سن فین پارٹی اور اسکے لیڈروں کا تذکرہ کرتے ہوئے صدر کانگرس نے ڈی ویلرا کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ ڈی ویلرا ایک مرتبہ برطانوی جیل سے امریکہ بھاگ گیا تھا اور وہاں وہ آئرلینڈ کی آزادی کیلئے ان تھک پروپگنڈا کرتا رہا۔ اس طرح اس نے متحدہ امریکہ کی رائے عامہ کو اپنا طرفدار بنالیا اور حکومت برطانیہ پر کافی دباؤ پڑا۔

انھوں نے بتایا کہ ڈی ویلیرا نے کس طرح انگلستان اور آئرلینڈ کے معاہدے سے بھی بہت سے مفید کام نکال لئے تھے۔ مثلاً اس نے حکومت برطانیہ سے منوالیا کہ آئرلینڈ کا گورنر جنرل ڈی ویلرا کی سفارش کرے اور اس آئین کی رو سے اس نے حلف وفاداری کی رسم کو بھی ختم کر دیا۔

کسانوں کا مظاہرہ

۸ر مارچ کو لکھنؤ میں اناؤ ضلع کے کسانوں نے جنکی تعداد ۲۰ ہزار سے اوپر تھی کونسل چیمبر کے سامنے ایک بہت زبردست مظاہرہ کیا اور وزارت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے۔ اس مظاہرہ میں ایک لاکھ سے زیادہ کسانوں کے آنے کی امید کیجاتی تھی لیکن صوبجات متحدہ میں کانگرس کی وزارت دوبارہ قائم ہوجانے کی وجہ سے صوبہ جاتی کانگرس کمیٹی نے تمام کمیٹیوں کو اطلاع کر دی تھی کہ اب مظاہرہ نہ کیا جائے۔ پھر بھی جن جن دیہاتوں میں یہ خبر نہ پہنچی وہاں کے کسان بیس بیس پچیس پچیس کوس زمین طے کر کے لکھنؤ آگئے۔ صبح ۹ بجے تمام کسان چار باغ سے ایک جلوس بناکر، امین آباد، لال باغ، اور حضرت گنج ہوتے ہوئے کونسل چیمبر گئے یہ لوگ ترنگے جھنڈے کے علاوہ لال جھنڈا بھی لئے ہوئے تھے اور برابر انقلابی نعرے لگا رہے تھے۔ لیکن کسی نے بھی کوئی بے قاعدگی نہیں کی اور سارا مجمع پر امن رہا۔

کونسل چیمبر کے سامنے ایک جلسہ ہوا جس میں کسان لیڈروں نے تقریریں کیں اور وزیر اعظم کے سامنے کسانوں کے مطالبات پیش کئے۔ جواب میں وزیر اعظم نے کہا کہ کسانوں کا اتنا بڑا مجمع دیکھکر انکو خوشی ہوتی ہے۔ اپنی وزارت کے استعفے کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کسانوں کو یقین دلایا کہ دوبارہ وزارت بنانے کے بعد انکا پہلا کام کسانوں کی بہتری کی فکر کرنا ہوگا۔ وزیر اعظم نے کسانوں سے وعدہ کیا کہ انکی شکایات کا خیال کیا جائے گا اور زراعتی کمیٹی انکے تمام مسئلوں پر غور کرے گی۔

پنڈت جواہرلال نہرو نے کہا "جتنا زیادہ ہم کسانوں کے ساتھ رہیں اتنا ہی اچھا۔ ہم ہندستانی مسائل کو سمجھ سکتے ہیں"۔ انھوں نے کسانوں کو یقین دلایا کہ کانگرس نے کسانوں سے چناؤ کے وقت جو وعدے کئے تھے وہ انکو بھولی نہیں ہے اور نہ بھول سکتی ہے۔ اور بتایا کہ کانگرس کی وزارت صرف کسانوں کی مدد سے ہی چل سکتی ہے نہ کی پولیس اور قانون سے۔

آچاریہ نریندر دیو نے بتایا کہ سوراج حاصل کئے بغیر ہندستان کی غریبی کا کوئی حل نہیں ہوسکتا، انھوں نے کسانوں کو صلاح دی کہ وہ کسان سبھائیں بنائیں اور اپنی و نیز کانگرس کی طاقت کو بڑھائیں۔

شام کو امین الدولہ پارک میں جلسہ ہوا، جسمیں موہن لال سکسینہ۔ سمپورنانند۔ سنیال۔ موہن لال گوتم۔ سروانند باجپئی۔ جٹاشنکر۔ لکشمی سہائے اور ارجن ارور نے تقریریں کیں۔

کسانوں کے جلوس اور جلسے میں ریلوے یونین اور پریس یونین کے مزدوروں نے بھی شرکت کی۔

وزارت کا قضیہ

مہاتما گاندھی کا جواب۔ وائسرائے کے بیان کے جواب میں گاندھی جی نے ایک بیان دیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔

"وزارتیں قبول کرنے پر کانگرس نے کچھ وعدے مانگے تھے، اسپر وائسرائے نے جو بیان دیا تھا اس سے مجھے اور بہت سے کانگرسیوں کو امید ہوگئی تھی کہ یہ بیان بھی اطمینان بخش ہوگا لیکن اس میں ایسی بات کی گئی ہے جو اتنی بڑی ہستی کیلئے جسے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں زیب نہیں دیتی۔ قیدیوں کے معاملات کی جانچ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا لیکن جس بات پر اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو صوبے خودمختار سمجھے جاتے ہیں انمیں بھی گورنر ہی قیدیوں کی جانچ کریں۔ یہ حق صرف وزیروں کو حاصل ہے اور انہیں پر اسکی ذمہ داری ہے۔

گورنر کا فرض ہے اور اسکو حق ہے کہ پالیسی کے بڑے بڑے مسئلوں پر وزیروں کو مشورہ دے اور اگر انکے بعض اختیارات استعمال کرنے میں خطرے کا اندیشہ ہو تو ان کو اس سے آگاہ کردے اور اسکے بعد وزیروں کو خود اپنے فیصلہ پر عمل کرنے کی آزادی دیدے ورنہ ذمہ داری ایک بے معنی چیز بن کر رہ جائے گی اور جو وزیر رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ ہیں انکے حصہ میں صرف بدنامی اور بے عزتی رہ جائے گی۔ اسلئے مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس اہم مسئلہ کا فیصلہ وزیروں کے حق میں نہ کیا گیا تو جس زبردست ذمہ داری کو اپنے اوپر لینے کی کانگرس نے انکو اجازت دی ہے اسکو سنبھالنا انکے لئے مشکل ہوجائیگا۔

مجھے خوشی ہے کہ ہز ایکسلنسی نے پبلک کی توجہ اسطرف مبذول کرائی ہے جو میں نے بنگال میں اختیار کیا تھا۔ لیکن بنگال اور یو۔ پی و بہار کے درمیان بہت فرق ہے۔ وہاں میں ایسی حکومت سے معاملہ طے کر رہا تھا جو کسی طرح کانگرس کے انتخابی اعلان کی پابند نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسی حالت میں میرے پاس صرف ایک ہتھیار تھا اور وہ یہ کہ میں انسانی ہمدردی کے نام پر

بنگال کے وزیروں سے اپیل کروں لیکن یو۔پی اور بہار میں صورت حال بالکل مختلف ہے وہاں کے وزیروں پر کانگرس کے انتخابی اعلان کی رو سے جسکے نام پر انہوں نے انتخاب میں کامیابی حاصل کی ہے یہ پابندی عائد ہوتی ہے۔

"میرے خیال میں یہ قانونی گتھی سلجھ سکتی ہے اگر گورنروں کو اس بات کا اطمینان دلایا جاتا کہ آزادی دیدی جائے گی کہ سیاسی قیدیوں کے حالات کی جانچ کرنے میں انکا مقصد یہ نہیں تھا کہ وزیروں کے اختیارات غصب کئے جائیں اور مجھے امید ہے کہ وہ کنگ کیبنٹ بھی وزیروں کو اس بات کا اطمینان کرنے میں آزادی دیدیگی کہ آیا گورنروں نے مطلوبہ یقین دلایا ہے یا نہیں۔

اس طویل بیان سے میرا مقصد یہ ہے کہ موجودہ قانونی گتھی جو اب تک مسلجھ ہو گئی ہے آسانی سے سلجھ جائے۔"

سمجھوتہ

مارچ کو ہز اکسلنسی گورنر اور آنریبل وزیر اعظم یو۔پی نے نیچے لکھا ہوا مشترکہ بیان شائع کیا ہے۔

"وزارت کے استعفے سے جو صورت حال اور اسکے بعد جو صورتیں پیدا ہوئی ہیں انکے متعلق ہمارے درمیان پوری صفائی کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا۔ ہم متفقہ فیصلہ پر پہنچ گئے ہیں اور آنریبل وزرا اسکے مطابق اپنا کام سنبھال رہے ہیں۔

بعض قیدیوں کے معاملات پر جنہیں سیاسی قیدیوں میں شمار کیا گیا تھا انفرادی طور پر غور کر لیا اور عنقریب گورنر صاحب وزراء کے مشورے کے مطابق دفعہ ۴۰۱ تعزیرات ہند کی رو سے ان قیدیوں کی باقی میعاد قید معاف کر کے انکی رہائی کا حکم جاری کر دینگے۔ باقی قیدیوں کے معاملہ پر متعلقہ وزیر انفرادی طور پر غور کر رہے ہیں اور اسی طرح ان قیدیوں کے متعلق بھی عنقریب مناسب حکم جاری کر دئیے جائینگے۔

گورنر اور اسکے وزراء کے باہمی تعلقات پر بھی ہمارے درمیان کافی لمبی گفتگو ہوئی۔ ہم نے ہز اکسلنسی وائسرائے کے حال کے بیان اور اسکے متعلق مہاتما گاندھی کے خیالات پر گفتگو کی اور ہری پورہ میں وزراء کے استعفوں کی بابت جو قرارداد پاس ہوئی تھی اسکے بارہ میں اور ہز اکسلنسی وائسرائے کے پچھلے گرمیوں کے بیان کے متعلق بھی بات چیت ہوئی۔ ذمہ دار وزراء کے جائز اختیارات و فرائض میں کسی قسم کی مداخلت یا حق تلفی کا خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہم دونوں خوشگوار روایات قائم رکھنا چاہتے ہیں اور دونوں طرف باہمی رواداری ہوتے ہوئے امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہو جائینگے۔"

بہار وزیر اعظم اور گورنر بہار کی طرف سے یہ بیان شائع کیا گیا ہے۔

"ہم لوگوں نے سیاسی قیدیوں کے متعلق گفتگو کر کے آپس میں تصفیہ کر لیا ہے اور وزیر اعظم اور دیگر وزراء نے پھر کام شروع کر دیا ہے۔

"آنریبل وزیر اعظم نے چند سیاسی قیدیوں کے متعلق غور و خوض کر لیا ہے اور انکے مشورہ کے مطابق گورنر عنقریب ہی ان قیدیوں کی رہائی کا حکم جاری کرنے والے ہیں۔ باقی قیدیوں کے حالات کی آنریبل وزیر اعظم جانچ کر رہے ہیں اور بہت جلد انکی رہائی کے احکامات بھی جاری کر دئے جائینگے۔

ہم لوگوں نے گورنر جنرل اور مہاتما گاندھی دونوں کے بیانات اور ہری پورہ کانگرس کی قرارداد کی روشنی میں گورنر اور وزراء کے باہمی تعلقات پر بھی بات چیت کی۔ ہم لوگ آپس میں خوشگوار تعلقات قائم رکھنے اور صوبے کے مفاد کے کام

کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ اب اس بات کا خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ذمہ دار وزراء کی جائز کارروائیوں میں کوئی مداخلت یا حق تلفی کیجائے گی۔

صدر کانگرس کا اعلان

سبھاش چندر بوس صدر کانگرس نے ایک بیان میں یو۔پی کے سمجھوتے پر بہت خوشی ظاہر کی اور کہا "گورنر نے صرف موجودہ مشکلات کا حل ہی نہیں کیا بلکہ ہندستانیوں کی نظر میں اپنا وقار بھی بڑھا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صوبہ متحدہ میں اس صورت حال کے بہت دور رس اثرات ہونگے اور اس واسطے میں اس فیصلہ کا اور بھی زیادہ خیر مقدم کرتا ہوں۔"

سیاسی قیدیوں کی رہائی

لکھنؤ یو۔پی ۲۷ فروری کو ۶ سیاسی قیدی لکھنؤ جیل سے رہا کر دئے گئے جنکے نام یہ ہیں۔ آر سی گپتا۔ روشن لال۔ بلدار راجبنی۔ چندر من سنگھ۔ رام سہائے اور گرچرن سنگھ۔ رہائی کے بعد ان لوگوں نے ایک بیان دیا جس میں انہوں نے صوبہ کے وزراء اور عوام کا شکریہ ادا کیا اور کہا "ہم کانگرس کے جھنڈے کے نیچے امن اور عدم تشدد کی پالیسی اور کانگرس کے پروگرام کے مطابق کام کرینگے۔"

انہوں نے اس خبر کی تردید کی کہ رہائی سے پہلے انکو کسی قسم کے وعدے کرنا پڑے تھے سرکاری طور پر بھی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی بالکل غیر مشروط ہوئی۔

بہار۔ کانگرسی وزارت نے دوبارہ عہدے قبول کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر دئے۔ ان میں جوگیندر شکلا۔ سریانا تھ چوبے۔ اور انڈمن کے قیدی بھی شامل ہیں۔

بنگال میں نئی وزارت کا امکان

بمبئی ۳ مارچ۔ یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ بنگال میں عنقریب موجودہ حکومت کے بجائے کانگرس اور پرجا پارٹی کی مشترکہ حکومت قائم ہوجائیگی۔ خیال ہے کہ پرجا پارٹی کے بہت سے لوگ مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر کانگرس کے ساتھ وزارت بنانے پر تیار ہیں بشرطیکہ کانگرس منظور کرے۔

کلکتہ۔ بمبئی اور وردھا کی باتوں سے جو ابھی تک صیغۂ راز میں ہیں اس تبدیلی کا اور بھی امکان پایا جاتا ہے۔ یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ اسمیں مہاتما گاندھی کا بھی ہاتھ شامل ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ مہاتما گاندھی آئندہ ہفتہ میں سبھاش بوس صدر کانگرس کے ساتھ کلکتہ جائیں گے۔

یو۔پی کا بجٹ

آنریبل پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر اعظم یو۔پی نے ۳ مارچ کو اسمبلی میں سالانہ بجٹ پیش کیا۔

پچھلی مرتبہ ۳۸-۱۹۳۷ء کی بابت یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ کل آمدنی ۱۲ کروڑ ۵۴ لاکھ ۷ ہزار۔ اور خرچ ۱۲ کروڑ ۶۶ لاکھ ۷۵ ہزار ہوگا۔ اور اس طرح ۱۲ لاکھ ۶۸ ہزار کے خسارہ کے اندازہ تھا۔ تصحیح شدہ واقعی خسارہ صرف ۷ لاکھ ۲۳ ہزار ہے کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ آمدنی اور خرچ میں بالترتیب ۵ لاکھ اور بیس لاکھ کی کمی ہو جائیگی۔

بعض مقدمات ملتوی کر دینے کی وجہ سے عدالتی محکموں میں ۶ لاکھ کے نقصان کی امید ہے۔ اور مالگذاری میں بھی ۱۲۔ ستمبر اور دوسرے

قدرتی اسباب کی وجہ سے ۱۰ لاکھ کا گھاٹا رہیگا۔ بازی پر جو محصول لگایا تھا وہ بھی اندازے سے ایک لاکھ کم وصول ہوگا۔

۱۹۳۸ء کے بجٹ میں ۱۱ کروڑ ۱۱ لاکھ اور ۷۰ ہزار روپیہ کی آمدنی اور ۱۳ کروڑ ۱۷ لاکھ اور ۷۰ ہزار روپیہ کے خرچ کا اندازہ لگایا جاتا ہے اس طرح خیال ہے کہ اس مرتبہ بھی ۱۵ لاکھ ۸۰ ہزار کا خسارہ رہیگا۔

بجٹ میں نئے محصول لگانے یا تنخواہوں میں تخفیف کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے ۲۰ لاکھ روپیہ سے ۵۰۰ نئے زراعتی مرکز کھولے جائینگے اور ۱۰ لاکھ تعلیم پر خرچ ہونگے۔ ایٹہ اور مین پوری کے اضلاع میں شراب بالکل بند کر دی جائیگی۔ اور صوبہ میں شراب کی دوکانیں ۲۵ فیصدی کم کر دی جائینگی۔ اس سے ۱۵ لاکھ روپیہ کا نقصان ہوگا۔

کانگرس کی جیت

پشاور۔ یکم مارچ۔ مردان (سرحد) مسلم دیہی حلقہ کے دونوں چھوٹے الکشنوں میں کانگرس کے امیدوار کامیاب ہوگئے۔

کانگرس کے امیدوار مسٹر مدار خاں کو ۲ ہزار ۸ سو ۳۷ ووٹ ملے اور انکے مخالف مسٹر سیار الدین (مسلم لیگ) کو ۹۹۰۔ اسی طرح اللہ داد خاں (کانگرس) کو ۳ ہزار ۵۰ سو ۹۰ ووٹ ملے اور مسٹر غضنفر خاں (مسلم لیگ) کو ۸۹۱

پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا خبرنامہ

راولپنڈی کے بھنگیوں کی شاندار فتح کچھ عرصے سے ہماری پارٹی کے لوگ راولپنڈی کے بھنگیوں میں کام کر رہے تھے اور ابھی حال میں انھوں نے بھنگیوں کے بعض مطالبات راولپنڈی میونسپلٹی کے سامنے رکھے تھے۔ میونسپلٹی نے ان مطالبات پر غور کرنے کے بجائے کئی بھنگیوں کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے کافی ہیجان پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ستیہ پال صدر صوبہ کانگرس کمیٹی اور کامریڈ منشی احمد دین جنرل سکریٹری پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی راولپنڈی گئے ایک بہت بڑی میٹنگ ہوئی جس میں یہ پاس ہوا کہ اگر مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو عام ہڑتال کر دی جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور کمیٹی والوں کو باہر سے بھنگی منگوانا پڑے۔ ان بھنگیوں نے راولپنڈی پہنچکر بجائے میونسپلٹی کا کام کرنے کے اپنے دوسرے بھائیوں کا ساتھ دیا۔ بھنگیوں کی یونین کی طرف سے ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا۔ حکومت نے اس پُرامن مظاہرہ کو روکنا چاہا اور ۱۶ سوشلسٹ اور ۵۷ بھنگی ہڑتالی رضا کار گرفتار کر لئے گئے۔ اس پر بھنگیوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے ان تمام سختیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی بیویاں اور بچے بھی مظاہرہ میں آ شامل ہوئے ان غریبوں پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ انھیں بےعزت کیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مطالبات پر ڈٹے رہے۔ آخر کار میونسپلٹی کو ان کے مطالبات تسلیم کرنا پڑے۔ بھنگیوں کی تنخواہ میں ایک روپیہ فی کس اضافہ ہوا۔ جو بھنگی ملازمت سے علیحدہ کر دیئے گئے تھے دوبارہ رکھ لئے گئے

کسان تحریک

آل انڈیا کسان کمیٹی نے اپنی ہری پور کی میٹنگ میں فیصلہ کیا ہے کہ ممبر بنانے کی تاریخ ایک مہینہ اور بڑھا دی جائے چنانچہ ہمیں اس سے اور بھی فائدہ پہنچا ہے۔ کسان سبھاؤں کے ممبر روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ ضلع منٹگمری میں چالیس ہزار کسانوں نے اپنے مالکوں کے جبر و ستم کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے ہڑتال کر دی ہے اور وہ لوگ اب کام نہیں کرتے ہیں۔ پنجاب کانگرس سوشلسٹ پارٹی اور پنجاب کسان کمیٹی ہر ممکن طریقے سے اُن کی امداد کر رہی ہے۔

مزدور تحریک

شعبہ مزدور تحریک نے پنجاب میں بہت سی مزدور سبھائیں بنا ڈالی ہیں اور تھوڑے دنوں میں پنجاب ٹریڈ یونین بھی عملی طور پر وجود میں آجائیگی۔ (سکریٹری)

گولڈن ایگل انشورنس کمپنی لمیٹڈ لکھنؤ

پائدار محفوظ مضبوط معقول اور مقبول کمپنی ہے

اس میں
کم قسطوں پر کثیر فوائد ہیں

بیماری کی حالت میں مفت طبی امداد دی جاتی ہے بیکاری اعضا کی صورت میں اضافی تحفظ حاصل ہوجاتا ہے اور تجدید پالیسی کیلئے شرائط نہایت آسان ہیں

اسلئے آج ہی گولڈن ایگل میں بیمہ کرائیے

کمپنی کو ہر ضلع میں تنخواہ دار ایجنٹوں کی ضرورت ہے

پتہ لالا برانچ منیجر سری رام روڈ لکھنؤ

یو پی گورنمنٹ آرٹس اینڈ کرافٹس امپوریم

حضرت گنج لکھنؤ

میں ہر قیمت اور ہر مذاق کی چیزیں ملتی ہیں
کام کی چیزیں، آرائش کا سامان، تحفوں کیلئے آرٹ کے نمونے۔ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا اور گاؤں کی تیار کی ہوئی چیزیں۔

ہماری باتصویر فہرستیں طلب کیجئے اور جب لکھنؤ آئیے تو ہمارے یہاں بھی ضرور تشریف لائیے۔

منیجر

ہندستان کی پہلی جلد

ہندستان کی پہلی جلد جس میں شروع اگست سے آخر دسمبر تک کے سب پرچے مجلد ہیں۔ صرف دو روپیہ میں مل سکتی ہے محصولڈاک خریدار کے ذمے ہوگا۔

منیجر
ہندستان

مفت انگریزی سیکھو ایک ماہ میں

قابل دید کتاب انگلش ٹیچر جسکے پڑھنے سے انجان انسان لکھنا پڑھنا بولنا بلا مدد استاد سیکھ سکتا ہے۔ اردو ہندی ہر زبان میں موجود ہے آج ہی طلب کیجئے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ) محصولڈاک پانچ آنہ (۵) علاوہ۔ ملنے کا پتہ :- منیجر سانئی کرٹیلک کمپنی ۱۱ پشاور صوبہ سرحد

بیمہ کرائیے حصہ خریدئیے بیمہ کرائیے

دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ

الہ آباد

اگرچہ نئی لیکن کامیابی میں تقریباً ۱۵ پرانی کمپنیوں سے اچھی

۹½ ماہ میں بارہ لاکھ کا کاروبار۔ صوبہ اور ضلع آرگنائزر اور ایجنٹوں کی ضرورت ہے

پتہ
دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ
شیو چرن لال روڈ الہ آباد

ہندستان نیوز پیپرز لمیٹڈ لکھنؤ کے سید ... انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام ... سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ... روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۱۱ — ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ روپے

مرکزی حکومت کا بجٹ نامنظور!

جب پچھلے ہفتہ مرکزی حکومت کا بجٹ اسمبلی میں پیش ہوا تو عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ وہ غیر دلچسپ ہے جسکا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی چیز اس میں نہیں ہے جس پر بحث کا امکان ہو لیکن دوسرے ہی دن ایک ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے نہ صرف اس کی دلچسپی بڑھ گئی بلکہ اس بجٹ نے مرکزی اسمبلی کی فضا میں بجلی کی ایک لہر دوڑا دی۔ سر جیمس گرگ نے جب سے وزارت مال کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے اسکا بھی عہد کیا ہے کہ کوئی نہ کوئی حرکت ایسی کرتے رہینگے کہ کانگرس یا دوسری مخالف پارٹیوں کے خون کا دوران سست نہ پڑنے پائے۔ کبھی کوئی ٹیکس ایسا لگا دیا جسکا اثر عوام پر زیادہ پڑا اور سرمایہ داروں پر کم۔ کبھی وہ ایک "ماہر اقتصادیات" کو بڑی بڑی تنخواہ پر ولایت سے بلا لایا کہ وہ ہندستان کی غریبی میں اضافہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ اسکے اسباب کی جانچ بھی کریں۔

ان کی اس چھیڑ چھاڑ نے اس سال یہ صورت اختیار کی کہ فوجی بجٹ کا وہ حصہ جس پر عرصہ سے اسمبلی کو بحث اور رائے کا حق حاصل تھا اس دفعہ الگ کرکے اس حصہ میں شامل کر دیا گیا جس پر رائے کا حق نہیں ہے۔ ان کا غالبا یہ خیال تھا کہ اس سال بھی کانگرس پارٹی کی طرف سے دو چار دھواں دھار تقریریں ہوں گی لیکن گورنمنٹ اپنی پارٹی اور اپنے دوستوں کی مدد سے بجٹ منظور کرا لے گی۔ تھوڑی سی گرماگرمی رہیگی لیکن نقصان کچھ نہ ہوگا مگر بیچارے سر جیمس کو بڑی ناامیدی ہوئی جب حکومت کے ازلی ہواخواہوں نے بھی اس دفعہ بے وفائی کی اور ان کی اداؤں پر بجائے مسکرانے کے ناراض ہو گئے۔ غضب یہ ہوا کہ سر محمد یامین خاں جیسے جان نثار بھی تمام دیرینہ تعلقات کو بھول کر بجٹ جیسی مقدس چیز کو نامنظور کرنے میں سرکش باغیوں کے ساتھ مل گئے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ "انڈیپنڈنٹ پارٹی" جسکے نام کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر ممبر اپنے قول اور فعل میں ہر قاعدے کی پابندی سے آزاد ہے، اس دفعہ اپنی قدیم روایات کے خلاف ایک آواز ہو کر کانگرس کے ساتھ ہو گئی اور مسٹر جناح کی کانگرس سے شدید بیزاری بھی اس متحدہ محاذ کو نہ روک سکی۔

اب بھلا آپ ہی سوچئے کہ سر جیمس گرگ یا ان کے ساتھی یہ کیسے خیال کر سکتے تھے کہ اسمبلی جیسی قانونی اور پر امن جگہ میں اتنے ذہنی انقلابات یک بیک واقع ہو جائینگے۔ اگر وہ یہ جانتے کہ اس معاملے کو اسمبلی معمولی تفریح اور ریکھ سے زیادہ اہمیت دیکر اتنا سخت جھگڑا کھڑا کر دے گی تو بیچارے کیوں اتنی آفت مول لیتے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسمبلی نے بہت بڑی کثرت رائے کے ساتھ پورے بجٹ کو نامنظور کر دیا اور حضور وائسرائے بہادر کی سفارش بھی نہ مانی۔ وہ تو خیریت گذری کہ مرکزی حکومت نے کسی جمہوری قانون کی پابندی کا اعلان نہیں کر دیا تھا ورنہ ان سرپھروں کی بدولت سارا نقشہ ہی بگڑ جاتا اور سلطنت برطانیہ سامراج میں گڑبڑی پھیل جاتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضور وائسرائے بہادر کے ہاتھ میں ابھی اتنا زور باقی ہے کہ اسمبلی کے ۹۸ ممبروں کی رائے کو قلم کی ایک جنبش سے بیکار کر دیں اور حکومت کی گاڑی پھر اسی تیزی سے چلنے لگے۔ ایک بات اندیشہ کی البتہ ہو گئی ہے کہ جو پرانے دوست غلط فہمی کی وجہ سے اسوقت دشمنوں سے مل گئے ہیں وہ کہیں انکے مستقل دوست نہ بن جائیں۔

مرکزی اسمبلی

	تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تصحیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۶,۹۷ لاکھ	۸۳,۸۹ لاکھ	۸۵,۹۲ لاکھ
خرچ	۸۳,۴۰ "	۸۶,۶۳ "	۸۵,۸۳ "
	۱,۴۳ لاکھ خسارہ	۲,۷۴ لاکھ خسارہ	۹ لاکھ منافع

سر جیمس گرگ وزیر مال نے خرچ کی تجاویز کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ ۱۹۸ لاکھ روپیہ صوبوں کو صوبجاتی خود مختاری کے نفاذ کے وقت دیا گیا تھا جس میں سے صوبوں کو ۳۸-۱۹۳۷ء میں ۱۳۸ لاکھ اور ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۱۲۸ لاکھ دیا گیا۔ برما کی علحدگی کی وجہ سے ۲۵۱ لاکھ روپیہ کا خسارہ ہوا اور وزیرستان میں فوجی حرکات پر ۱۷۶ لاکھ خرچ ہوا۔ لیکن اس کے باوجود ۳۸-۱۹۳۷ء اور ۳۹-۱۹۳۸ء دونوں سالوں میں نیا ٹیکس لگائے بغیر بھی خرچ آمدنی کے اندر ہی رہا۔ اس منافع کی زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ ۳۸-۱۹۳۷ء میں تجارت برابر ترقی کرتی رہی اس سے آمدنی میں ۳۰۹ لاکھ کا فائدہ ہوا۔ جس کا زیادہ تر حصہ ریلوے اور محصول درآمد و برآمد سے ملا ہے۔

انکم ٹیکس کے پچھلے تخمینہ میں ۷۰ لاکھ کے اضافہ کی امید کی جاتی ہے اور اس طرح سے اب ۱۵ کروڑ کا تخمینہ لگایا جاتا ہے جس میں سے ۱۳۸ لاکھ صوبوں کو دیدئے جائیں گے۔

نمک کے محصول سے ۱۰ لاکھ اور ٹکسال سے ۷ لاکھ کی آمدنی بڑھنے کی اُمید ہے۔

ڈاک اور تار سے ۴ لاکھ کا تخمینہ تھا لیکن اب ۳۴ لاکھ کی اُمید کیجاتی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہوائی ڈاک بند کردی گئی تھی۔

خرچ سود اور دیگر مصرف ملاکر اخراجات میں ۳۲۲ لاکھ کا اضافہ ہوگا جس سے صرف وزیرستان پر کم سے کم ۲,۷۳ لاکھ لگیگا۔ ریلوے خانے سے ۵۰ لاکھ کے بجائے ۲۶ لاکھ کا نقصان ہوگا۔

۳۹-۱۹۳۸ء۔ آمدنی و درآمد و برآمد کی رقم کا کوئی صحیح تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا لیکن جوزری سے جو عام تجارت کی حالت گر گئی ہے اس کو سامنے رکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ سال کی آمدنی بھی موجودہ سال کے برابر ہوگی۔ متحدہ امریکہ اور دوسرے مشرقی ممالک میں کساد بازاری برابر بڑھ رہی ہے۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے گمان ہے کہ محصول درآمد و برآمد کی آمدنی میں تصحیح شدہ تخمینہ کے مقابلہ میں ۹۰ لاکھ کی کمی ہوگی۔

عنقریب انکم ٹیکس کے قانون کا ایک ترمیمی بل پیش کیا جائیگا جس سے اس مد میں ۱۲۸ لاکھ کی آمدنی کی توقع ہے لیکن دو سال تک یہ رقم تقریباً ساری کی ساری صوبجاتی حکومتوں کو دیدیجائیگی۔

ڈاک اور تار کے محکمہ میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں گی اس لئے اس محکمہ کا خرچ بھی قریب قریب اتنا ہی ہوجائیگا جتنی کہ اس کی آمدنی ہے۔

مد خرچ ۔ فوج اور ملکی تحفظ پر ۴۵,۱۸ لاکھ خرچ ہوگا۔ یہ رقم پچھلے بجٹ سے ۵۶ لاکھ زیادہ ہے لیکن اس میں سے ۱۸ لاکھ کی رقم تیل اور پٹرول کا محصول بڑھ جانے کی وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ اس طرح اصل اضافہ ۳۸ لاکھ ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ اول برطانوی رسالہ پلٹنوں اور چند ہندستانی فوجوں کو مشینوں سے مسلح کیا جائیگا۔ دوم ۔ ساحلی طاقت کو اور زیادہ مستحکم بنایا جائیگا۔ اس سلسلہ میں حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا ہے جس کی رو سے . . . . . . برطانیہ کو بحری محافظت کے لئے ۱۳ لاکھ سالانہ دینے کے بجائے ہندستان چھ جدید ترین جنگی جہازوں کا ایک بیڑا رکھیگا ۔ جو ہندستان کے بندرگاہوں کی حفاظت کرنے کے علاوہ ہندستان کے تحفظ کے لئے شاہی بحری بیڑے کے ساتھ تعاون کریگا۔ سوم یہ کہ جدید سامان جنگ تیار کرنے کے لئے ایک کارخانہ کھولا جائےگا سود میں ۲۲ لاکھ کی کمی ہوجائیگی۔

سود اور فوج کے خرچ کو نکال کر آئندہ سال خرچ میں تصحیح شدہ بجٹ کے مقابلہ میں ۱۴۶ لاکھ کا اضافہ ہوجائیگا۔

یوپی

	تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تصحیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۱۲,۵۴,۰۷,۰۰۰ روپیہ	۱۲,۳۹,۲۷,۰۰۰ روپیہ	۱۳,۰۱,۷۰,۰۰۰ روپیہ
خرچ	۱۲,۶۶,۷۵,۰۰۰ "	۱۲,۴۲,۵۰,۰۰۰ "	۱۳,۱۶,۷۸,۰۰۰ "
	۱۲,۶۸,۰۰۰ خسارہ	۳,۲۳,۰۰۰ خسارہ	۱۵,۰۸,۰۰۰ خسارہ

پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر اعظم نے ۳۹-۱۹۳۸ء کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کہا ایک معمولی سی رقم کا خسارہ بہت مفید کام سرانجام دیتا ہے کیونکہ اس سے جہاں روپیہ خرچ کرنے والوں کے سامنے یہ بات رہتی ہے کہ وہ خرچ میں کفایت سے کام لیں وہاں اس سے فضول خرچ ہونے والی رقموں کا انسداد بھی ہوجاتا ہے۔

اس بجٹ کی خاص خاص خوبیاں یہ ہیں کہ ایک کروڑ دس لاکھ روپیہ فائدہ بخش کاموں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے جس میں سے ۹۷ لاکھ گرام سدھار کے لئے ہیں اور دیہاتیوں کی مالی امداد کی جائے گی ۔ بیج اور جدید آلات کاشتکاری منگائے جائیں گے اور دیہاتوں میں کھیل کے ۴۸ میدان قائم کئے جائیں گے اور دستی صنعت کو فروغ دیا جائیگا۔

موسم گرما میں سرکاری دفاتر پہاڑ پر نہیں جائیں گے ۔ مین پوری اور ایٹہ کے ضلعوں میں شراب بالکل بند کردی جائے گی اور بقیہ صوبے میں ۲۵ فیصدی شراب کی دوکانیں بند کردی جائیں گی ۔ مناسب مرکزوں میں واردھا کی تعلیمی اسکیم نافذ کی جائیگی۔ اس سال بجٹ میں تعلیم کے لئے صرف ۲۱ لاکھ روپیہ منظور کیا جاسکا ہے لیکن اُمید ہے کہ شکر اکسائز فنڈ کے بقایا میں سے جو اسوقت حکومت ہند کے پاس ہے ۔ دس لاکھ روپیہ کی مزید رقم حاصل ہو جائیگی۔

پنڈت جی نے اپنی تقریر میں بتایا کہ حکومت تھوڑی تنخواہ پانے والے ملازموں کی تنخواہیں بڑھانا چاہتی ہے اور تنخواہوں کے عام درجوں پر نظر ثانی کرنے کے ساتھ اس پر بھی غور کیا جائیگا۔

حکومت نے ایک کروڑ روپیہ قرض لینے کا فیصلہ کیا ہے اس قرض کی شرائط اور میعاد کا تصفیہ بعد میں کیا جائیگا۔

ممالک متوسط

	تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تصحیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۴۷۴ لاکھ روپیہ	۴۶۷ لاکھ روپیہ	۴۰۱,۹۹ لاکھ
خرچ	۴۷۴ "	۴۷۵ "	۴۰۱,۱۸ "
		۸ لاکھ خسارہ	۰,۸۱ لاکھ منافع

۳۸-۱۹۳۷ء میں ربیع کی فصل خراب ہو جانے کی وجہ سے مالگزاری تخمینہ سے ۱۰ لاکھ روپیہ گر گئی اور عدالتی ٹکٹوں میں بھی ۷ لاکھ کم ہو گئے۔ منشیات اور جنگلات کی آمدنی کسی قدر بڑھ گئی ہے

۳۹-۱۹۳۸ء میں مالگزاری سے تقریباً ۲۳۴ لاکھ روپئے اور منشیات سے ۷ لاکھ روپیہ کی آمدنی کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ جنگلات کی آمدنی میں مویشی چرانے کی فیس کم کر دینے سے ایک لاکھ کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن رجسٹری کی فیس اس کمی کو پورا کر دیگی۔ آبپاشی سے پہلے کی نسبت ۲ لاکھ کم کی آمدنی ہوگی۔

خرچ۔ ۶۷۱ روپیہ اقتصادی ترقی اور گرام سدھار کی اسکیم کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ محکمۂ تعلیم میں ودیا مندر اسکیم کے لئے ۲ لاکھ کی تجویز ہوئی ہے۔

۷۰، ۱۱ لاکھ جبریہ تعلیم کے لئے منظور کیا گیا ہے مختلف اسپتالوں کے نئے رقمیں منظور کی گئی ہیں۔ اور صحت عامہ کے لئے ایک نئی اسکیم تیار کی گئی ہے پولیس کے اسپتالوں پر نصف لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ امداد باہمی کا محکمہ وسیع کیا جا رہا ہے۔ اور حکومت تین نئے بنک کھول رہی ہے۔ کھادی کو ترقی دینے کے لئے ۲۲ لاکھ روپیہ خرچ کیا جائیگا۔

۳۸-۱۹۳۷ء اور ۳۹-۱۹۳۸ء میں مستقل اخراجات میں ½۱۲ لاکھ کی تخفیف کی جا چکی ہے۔ امید ہے کہ ۱۶ لاکھ کی بچت ادا کی جائیگی کئی لئے ٹیکس لگانے کی تجویز ہے لیکن یہ ٹیکس ان ہی لوگوں پر لگائے جائیں گے جو اسکو برداشت کر سکتے ہیں ½۱۲ فیصدی لگان در مالگزاری معاف کر دی گئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کو فائدہ ہوگا جنکے پاس برار میں ایک سے ۱۰ ایکڑ تک اور بہار میں ۵ سے ۱۱۰ کر تک زمین ہے ایسے کاشتکاروں کی تعداد برار میں ۸۰ فیصدی اور بہار میں ۴۲ فیصدی ہے۔ انکے علاوہ برار کے سات تعلقوں میں اضافہ لگان میں سے ۵ فیصدی معاف کر دیا گیا ہے اور کیی دوسرے علاقوں کی حالت پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

بہار

	تصیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۵،۰۶،۵۸،۰۰۰ روپیہ	۵،۰۵،۲۵،۰۰۰ روپیہ
خرچ	۵،۰۴،۹۲،۰۰۰ "	۵،۰۲،۰۰،۰۰۰ "
	۱۴۶،۰۰۰ روپیہ منافع	۳،۲۵،۰۰۰ روپیہ منافع

تصیح شدہ تخمینہ میں اصلی تخمینہ کی بہ نسبت آمدنی میں تقریباً ۴ لاکھ اور خرچ میں ½۱ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے۔

۳۹-۱۹۳۸ء کے بجٹ کی خصوصیات یہ ہیں۔

آمدنی حکومت ہند کی انکم ٹیکس کی آمدنی میں سے ۱۲۸۰ روپیہ ملنے کی امید ہے۔ اور زرعی آمدنیوں کے ٹیکس سے تقریباً ۵۰ لاکھ وصول ہوگا اس ٹیکس کا بل ابھی بہار اسمبلی میں زیر بحث ہے۔ عدالتی ٹکٹوں سے ۴ لاکھ اور دوسرے محصولوں سے ۳۰ ہزار ملنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے منشیات سے اس سال پہلے سال سے ۱۷ لاکھ روپیہ کم آمدنی ہوگی کیونکہ ۶ لاکھ کا تو دوکانوں کے نیلام میں نقصان ہوگا۔ اور بقیہ ۱۱ لاکھ کا گھاٹا چند ضلعوں

میں شراب بند کر دینے سے ہوگا۔

خرچ۔ گرام سدھار۔ آبپاشی۔ معدنیات۔ بجلی اور دوسری مفید صنعتوں کے لئے ۸ کروڑ روپیہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ اسکیمیں ابھی زیر غور ہیں اور جلد ہی ان پر عملدرآمد ہونے والا ہے۔

صنعتی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اور حکومت کی طرف سے گھریلو صنعتوں کے کارخانے بھی کھولے جا رہے ہیں۔ ہریجن اور مومن برادری کے لوگوں کو اس قسم کی تعلیم خاص طور پر دیجائیگی۔ اور اس کے لئے تقریباً ۲۵ ہزار کی رقم تجویز کی گئی ہے۔

جیل کی حالت سدھارنے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ ایک تجویز ہے کہ جیلوں میں کاتنے اور بننے کا کام اور دوسری صنعتیں شروع کر دی جائیں۔ تاکہ جیل کے اخراجات کا زیادہ تر حصہ خود جیلوں ہی سے نکل آئے۔

ایک کمیٹی موجودہ تعلیمی حالت اور اس کو بہتر بنانے کی ترکیبوں پر غور کر رہی ہے دیرہ دون کے فوجی کالج میں آج تک بہار کا کوئی امیدوار نہیں لیا گیا ہے۔ نوجوانوں کو اس طرف راغب کرنے کے لئے ڈھائی ڈھائی ہزار روپیہ کے وظیفے دینا تجویز کیا گیا ہے۔

گرمیوں میں سرکاری دفتر رانچی نہیں بھیجے جائینگے۔ اس سے ۷۰ ہزار کی بچت ہوگی۔ اس کے علاوہ ہر طریقہ سے خرچ کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے

اڑیسہ

	تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تصیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۱،۸۹،۵۷،۰۰۰ روپیہ	۱،۹۰،۵۳،۰۰۰ روپیہ	۱،۹۲،۰۸،۰۰۰ روپیہ
خرچ	۱،۸۴،۳۷،۰۰۰ "	۱،۸۵،۷۲،۰۰۰ "	۱،۹۴،۵۶،۰۰۰ "
	۵،۲۰،۰۰۰ روپیہ منافع	۴،۸۱،۰۰۰ روپیہ منافع	۲،۴۸،۰۰۰ روپیہ نقصان

۳۹-۱۹۳۸ء میں خرچ کی خاص خاص مدیں یہ ہونگی:—

تعلیم پر—۵،۲۶،۰۰۰ گرام سدھار پر—۱،۴۵،۰۰۰ ہریجنوں اور پہاڑی قبیلوں کے وظیفے پر—۴۸،۲۴۵ اتری اڑیسہ میں مفت تعلیم کے لئے میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو—۵۵،۱۰۵ ناریل کی کاشت پر—۱،۸۵۰، گھریلو صنعت کے کارخانے پر—۲۴،۰۰۰ اور سیلاب کی تحقیقاتی کمیٹی پر—۱۰،۰۰۰۔

اتری اڑیسہ میں آبپاشی کے محصول پر ۱۲ آنہ فی ایکڑ کی چھوٹ دیدی گئی ہے۔ دیہاتوں میں تین سال تک ہر سال تین ہزار کنوئیں بنانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ سارے صوبے میں جنگلات کے محصول میں آدھی چھوٹ دیدی گئی ہے اور تجویز ہے کہ اتری اڑیسہ کے پرائمری اسکولوں میں فیس بالکل معاف کر دیجائے تاکہ ابتدائی تعلیم مفت ہو سکے۔

دوسرے صوبوں کے بجٹ اگلے پرچہ میں دیکھئے

کانگریس کا آئندہ پروگرام

سالانہ اجلاس کو ختم ہوئے تین ہفتے ہو چکے۔ اب ہمیں چاہئے کہ ذرا ٹھنڈے دل سے ان واقعات پر غور کریں جو وہاں پیش آئے۔ ہم نے جو تجویزیں ہری پورہ میں منظور کی تھیں ان کے بارے میں ہمیں کیا تدبیریں اختیار کرنی ہیں اور ان کی وجہ سے ہم پر کیا نئی ذمہ داریاں بڑھی ہیں۔

کانگریس کے ڈیلیگیٹ ابھی ہری پورہ پہونچے بھی نہ تھے کہ یو۔ پی اور بہار کی وزارتوں کے استعفے کی خبر ملی۔ کانگریس کے سارے اجلاس کی کارروائی پر اسکا اثر پڑا تین دن تک سبجکٹس کمیٹی میں مختلف مسئلوں پر بحثیں ہوتی رہیں۔ تجویزیں پیش ہوتی رہیں اور منظور بھی ہوتی رہیں لیکن ہر شخص کا دماغ اس قانونی گتھی کے سلجھانے یا اس الجھاؤ سے فائدہ اٹھانے کی تدبیروں پر غور کر رہا تھا بہت سی ایسی تجویزیں جن پر جماعتوں میں کافی اختلاف تھا صرف اس وجہ سے نہ پیش ہوئیں یا پیش ہونے کے بعد واپس لے لی گئیں یا ان پر سمجھوتا ہو گیا کہ وزارتوں کے استعفے کی وجہ سے ملکی سیاست کا رخ بدلتا ہوا دکھائی دیتا تھا اور خانگی جھگڑوں کو چھوڑ کر ہر جماعت سامراج کے خلاف متحدہ مورچہ بنانے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ یہی بات تو یہ ہے کہ گورنر جنرل نے کانگریس پر ایک طرح کا احسان کیا کہ سالانہ اجلاس سے چند دن پہلے ایک ایسی صورت پیدا کر دی جس پر کانگریس کے ہر رکن اور ہر جماعت کی ایک ہی رائے ہو سکتی تھی ورنہ اسکا بڑا خطرہ تھا کہ بعض بنیادی اور کئی جزوی باتوں پر کانگریس کے نرم اور گرم دلوں میں پھر کشمکش ہوتی اور نتیجہ نہ معلوم کیا ہوتا۔

کئی مہینے سے کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں کے سلسلے میں جو اختلاف رائے کانگریس کے اندر پیدا ہو رہا تھا اور جس نے بہار میں کافی ناگوار صورت اختیار کر لی تھی سالانہ اجلاس کے موقع پر ضرور رنگ لاتا۔ اسکا اندازہ یوں کیجئے کہ باوجودیکہ وزارتوں کے مسئلے پر پورا اتفاق ہو گیا اور سیاسی قیدیوں کے معاملے پر بھی کوئی بنیادی ترمیم نہیں پیش ہوئی لیکن سردار پٹیل کی جوابی تقریر ایسی تلخ اور ناموزوں تھی کہ سبجکٹس کمیٹی میں کافی شور و غل مچا۔ اگر خارجی دباؤ نہ ہوتا تو اس تلخی کا نتیجہ بہت ممکن ہے خراب ہوتا۔ کسان تحریک کے متعلق بھی جو تجویز بلا اختلاف منظور ہوئی اسکے سلسلے میں بھی ناگواری پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس واقعہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک بہت اچھی اور دوسری کافی خراب۔ اچھی بات تو یہ ہے کہ ہمارے کام کرنے والوں میں اتنا توازن موجود ہے کہ وقت پر اپنے گھریلو جھگڑوں کو بھول کر پیچھے ڈالکر ایک قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور خراب بات یہ ہے کہ ہمارے آپس کے جھگڑے اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ اس وقت تک رک ہی نہیں سکتے جبتک کہ کوئی ناگہانی مصیبت نہ آ پڑے۔ کانگریس میں کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اس صورت حال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا فرض ہے کہ وہ مختلف گروہوں اور جماعتوں کے خیالات اور ان کا اندازہ کر کے ایک ایسی راہ نکالے جس پر سب لوگ ساتھ چل سکیں۔ سامراج کے نمائندے اسکی کوشش کرینگے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے لڑائیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں اتنی سمجھ ہے یا نہیں کہ روزمرہ کے کاموں میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں اور خیالات میں جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے اسکا یہ اثر نہ ہونے دیں کہ سامراج کی مخالفت ہی کمزور پڑ جائے۔

سالانہ اجلاس میں سب سے اہم تجویز وزارتوں کے استعفے سے متعلق منظور ہوئی تھی۔ ابھی اکثر لوگ سمجھتے تھے کہ قانونی گتھی تو سلجھ گئی لیکن یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ اگر کانگریسی وزیر یا کچھ دوسرے کانگریسی یہ سمجھتے تھے کہ وزارتیں عرصے تک قائم رہ سکتی ہیں اور یہیں کوئی ایسا پروگرام جاننا چاہئے جس پر آہستہ آہستہ اسمبلیوں کے ذریعے عمل کیا جائے تو ان کا خیال غلط نکلا۔ سامراج تو ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ کانگریس کی وزارتوں کو کسی ایسے مسئلے پر توڑ دے۔ جو ملک میں ہیجانی صورت نہ اختیار کر سکے۔ اس دفعہ غالباً وائسرائے کا یہ خیال تھا کہ وزارتیں خاموش ہو جائینگی اور استعفا نہ دینگی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اب وہ لوگ زیادہ احتیاط سے کام لینگے اور زیادہ مناسب موقع کا انتظار کرینگے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسوقت کیلئے تیار رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم غافل بیٹھے پانچ سال کی تعمیری پروگرام بناتے رہیں اور سامراج کے نمائندے اس گھروندے کو توڑ کر یکایک میدان میں آ جائیں۔ اس وقت اگر ہم کسی بڑی اور عام تحریک کیلئے تیار نہ ہونگے تو سخت نقصان اٹھائینگے۔

فیڈریشن کے معاملے میں کانگریس نے شروع ہی سے اپنی رائے کا سختی سے اظہار کیا ہے۔ اس دفعہ بھی جو تجویز منظور ہوئی ہے اس میں یہ صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ کانگریس فیڈریشن کو کسی شکل اور کسی غرض سے بھی منظور نہیں کر سکتی اور اسکو روکنے کے لئے ہر ممکن اور مناسب طریقہ اختیار کریگی صوبجاتی حکومتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے فیڈریشن کے نفاذ میں مدد ملے اور کانگریس کمیٹیوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اس وقت کے لئے تیار رہیں جب باوجود ملک کی مخالفت کے یہ بلا ہمارے سروں پر نازل کی جائیگی۔ اب سوچنا یہ ہے کہ یہ تیاری کس قسم کی ہو سکتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قانونی کارروائیوں سے فیڈریشن نہیں رک سکتا اسکے لئے عام تحریک شروع کرنی پڑیگی اور وہ تحریک صرف برطانوی ہند میں محدود نہیں رہیگی بلکہ دیسی ریاستوں میں بھی پھیلانی پڑیگی اسوقت چاہے ہم کتنی ہی احتیاط برتیں اور کانگریس کے نام سے دیسی ریاستوں میں کوئی کام کرنے کو کتنا ہی روکیں لیکن جب فیڈریشن کے خلاف ہم تحریک اٹھائینگے اس وقت سب سے بڑا حربہ ہمارے پاس انہی ریاستوں کی رعایا ہو گی اور اگر ہم اس کو اپنے ساتھ نہ لینگے بلکہ صرف روحانی اور اخلاقی ہمدردی دکھلاتے رہینگے تو ہماری تحریک بالکل بیٹھ جائیگی اور فیڈریشن کو ہم ہرگز روک سکیں گے۔ سامراج کا قدم دیسی ریاستوں میں مضبوطی سے جما ہوا ہے اور اگر ہم نے اس کو وہاں کمزور نہ کیا تو وہ دیسی ریاستوں اور برطانوی صوبوں کے ان لوگوں کی مدد سے جنکا مفاد اس سے وابستہ ہے ایک عرصے تک ہم پر حکومت کرتا رہیگا۔

کانگریس نے ہمیشہ سے کسانوں اور مزدوروں کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی ضرورت اور مانگوں کے لئے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں اس اجلاس میں جو تجویزیں اس سلسلے میں منظور ہوئی ہیں ان میں یہ خطرہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سبھائیں کہیں کانگریس کے کام کو نقصان نہ پہنچائیں یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کانگریس کسانوں اور مزدوروں کی طرف سے بے پرواہی کرے اور صرف زبانی ہمدردی سے انہیں ٹالنا چاہئے لیکن اگر کانگریس کسانوں اور مزدوروں کی فلاح کے لئے کچھ عمل بھی کریگی تو یہ سبھائیں بجائے نقصان پہنچانے کے اسکے ہاتھ کو مضبوط کرینگی سامراج کے خلاف عام تحریک کی بنیاد کانگریس کو انہیں کے کاندھوں پر رکھنی پڑیگی۔ بغیر ملک کے کسانوں اور مزدوروں کو انکی اپنی سبھاؤں کے ذریعے منظم کئے ہوئے کانگریس اب آگے نہیں بڑھ سکتی۔

گویا اسوقت ہمارے سامنے دو کام ہیں ایک کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں کو آگے بڑھانا اور دوسرے دیسی ریاستوں کی رعایا کو منظم کرنا۔ یہی وقت کی ضرورت اور ہماری قومی تحریک کا مطالبہ ہے۔

سرمایہ داروں کا ظلم

(سلطانہ بیگم)

جو غلہ پیدا کریں وہی بھوکے مریں۔ جو ہزاروں گز کپڑا بنیں انھیں کو تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہ ملے۔ جو بلند اور اعلیٰ شان عمارتیں کھڑی کریں انکو ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بھی نصیب نہ ہو!! یہ ظالم نظام سرمایہ داری کی بدولت ہے جسکی پشت پناہی پر برطانوی سامراج ہے۔ یہ معلوم کرنے کیلئے کس طرح سے حق داروں کو حق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اور کس طرح ایک خود غرض انسان ہزاروں آدمیوں کو بھوکا مار ڈالتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سرمایہ داری اور سرمایہ دار کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ نظام سرمایہ داری کے وجود میں آنے کے اسباب پر نظر ڈالی جائے۔

ملک کی تمام دولت دو چیزوں سے ملکر وجود میں آتی۔ ایک تو مادہ جو فطرت کی طرف سے وجود میں آتا ہے اور دوسری انسانی محنت۔ انسان اپنی محنت سے مادہ کی شکلیں بدلکر اپنے سیکڑوں کام نکالتا ہے۔ اور کبھی چیزوں کی جگہ اور ان کا موسم بدلکر ان سے ہزاروں فائدے اٹھاتا ہے۔ مثال کے طور پر درخت لیجئے۔ یہ فطرت کی طرف سے وجود میں آیا۔ انسان نے اسکے پھل اس جگہ جاکر بیچے جہاں وہ نہیں ہوتے تھے یا ان کو اس موسم میں نکالا جب بازار میں ان پھلوں کا بکنا بند ہو گیا تھا۔ تو اس طرح اس کی جگہ اور موسم کی تبدیلی سے فائدہ اٹھایا۔ تیسری مگر سب سے بڑی بات اس مادے کی شکل تبدیل کرنا ہے مثلاً درخت کی لکڑی سے پلنگ کلہاڑی وغیرہ بنائے۔ انسان پھر ان سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور ان چیزوں سے مدد لیکر اور آئندہ چیزیں بناتا ہے ان چیزوں کو جو کہ مادے اور انسانی محنت سے ملکر بنتی ہیں۔ دولت یا سرمایہ کہا جاتا ہے۔ جیسے لوہے اور لکڑی سے انسانی محنت کے بعد کلہاڑی بنائی گئی۔ انسان اس کلہاڑی کی مدد سے درخت کاٹتا ہے۔

یہ تو ایک چھوٹی سی مثال تھی۔ بالکل اسی طرح بڑے بڑے کاموں میں ہوتا ہے۔ کہ انسانی محنت۔ سرمایہ اور مادے سے ملکر چیزیں بنتی ہیں۔ انسان نے ترقی کی اور ایسی چیزیں بنائیں جن کی مدد سے وہ اپنے کام کو آسانی کرسکے۔ رفتہ رفتہ سرمایہ نے آئندہ چیزیں بنانے میں ایک خاص اہمیت حاصل کرلی۔ اور کوئی کام بغیر سرمایہ کے انجام پانا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ آہستہ آہستہ سرمایہ کی مالک ایک مخصوص جماعت بن گئی۔ جسکو عرف عام میں سرمایہ دار کہتے ہیں۔ اب سرمایہ دار ایک کام کرنیوالے کو اپنا سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ آئندہ وہ جو کچھ پیدا کرے گا۔ اس میں سے ایک حصہ سرمایہ دار کو دے گا۔ سرمایہ دار کا سرمایہ بڑھتا گیا۔ اس نے رفتہ رفتہ ان مادی چیزوں کو بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ جن پر سب کا برابر حق تھا۔ جیسے زمین تقریباً سب قابل کاشت زمین زمینداروں کے پاس ہیں۔ وہ اسکے مالک ہیں۔ خالی محنت "یا قوت جسمانی کے مالک یعنی کسان اس بات پر مجبور ہیں کہ ان سے زمین لیکر وہیں محنت کریں پیکر غلہ پیدا کرکے تقریباً سارے کا سارا لگان اور مالگذاری کی صورت میں زمینداروں اور سامراج کے سپرد کردیں اور خود بھوکے مریں ——— سرمایہ دار اپنے لئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ پیدا کرنا چاہتا ہے اسکئے وہ محنت کرنے والوں یعنی مزدوروں کو اتنا دیتا ہے کہ جس سے وہ نسل انسانی کو برقرار رکھ سکیں۔ تاکہ انکو آئندہ بھی کام کرنے والے مل جائیں ...... یہ ہے نظام سرمایہ داری۔ اب ایک مزدور کے نقطۂ نظر سے اس سرمایہ داری کے نظام کو دیکھئے۔

عموماً چیزوں کا تبادلہ برابر کی چیزوں سے ہوتا ہے اور یہی انصاف بھی ہے کہ جتنا لو اتنا ہی دو بھی۔ مگر خود غرض سرمایہ دار جتنی محنت ایک مزدور سے لیتا ہے اتنے اسکو دام نہیں دیتا۔ اس سے مہینہ بھر کام کروا کے آٹھ دن کے دام دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک جلاہے کو دیکھئے۔ سرمایہ دار اسکو ۲ کی روئی دیتا ہے جلاہا اپنی محنت سے اس روئی کا کپڑا بنتا ہے۔ اور وہ کپڑا بازار میں ۸ کو بک جاتا ہے یعنی ۶ جلاہے کی محنت کی قیمت ہے۔ کیونکہ اسکی محنت کی بدولت اس کپڑے کی اتنی قیمت ہوئی۔ جلاہے کو قاعدے کی رو سے تو ۶ ہی ملنے چاہئیں تھے۔ مگر سرمایہ دار اسکو ۲ دیتا ہے اور ۴ اپنے پاس رکھتا ہے۔ جلاہے کی مہینہ بھر کی مزدوری قاعدے کی رو سے ۱۸ روپیہ ہے بحساب ۲ فی دن تھی۔ مگر سرمایہ دار اس سے مہینہ بھر کام کروا کر صرف ۴ روپیہ دیتا ہے یعنی تقریباً ۲ دن کی مزدوری میں مہینہ بھر کام کراتا ہے کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ سرمایہ دار اس سے کام لیکر اس کی پوری مزدوری نہیں دیتا؟ کیا اسکو لوٹنا نہیں کہینگے؟ کیا سرمایہ دار کو لٹیرا نہیں کہا جاسکتا؟ .... لیکن سرمایہ دار کہتا ہے کہ وہ اگر ۶ کے ۶ مزدور کو دیدے تو اسکے پاس کیا رہے گا؟ اب سارا سوال آکر یہ پڑجاتا ہے کہ سرمایہ دار کو کیا ملنا چاہئے؟ دیکھنا یہ ہے کہ سرمایہ دار کی کیا خدمت ہے؟ جسکے صلے میں وہ اپنا حصہ مانگتا ہے .... سرمایہ دار نے سرمایہ لیا۔ مگر سرمایہ مرکب محنت انسانی اور مادہ سے ——— ملک کا مادہ سب ہموطنوں کا حق ہے۔ اور محنت محنت کرنے والوں کی۔ ہماری مثال میں ۲ کی روئی سرمایہ دار کی تھی وہ اگر بازار میں روئی بیچنے جاتا تو بھی اسکو ۲ ہی ملتے۔ کیونکہ وہ خود اپنی محنت سے اسکے اندر کوئی خاص قیمت نہیں پیدا کرتا تو پھر اسکو کیا حق ہے کہ وہ ۲ سے زیادہ لینے کی خواہش کرے۔ سرمایہ دار کا اپنے سرمایہ کی قیمت سے زیادہ حاصل کرنا محنت کرنے والوں کے حق کو مارنا ہے۔ لیکن اب ایک اور سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر سرمایہ دار کو سرمایہ کی قیمت سے زیادہ نہ ملے گا۔ تو وہ زندہ کیسے رہے گا؟ ——— تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے [illegible] کی ضرورت ہی کیا ہے ——؟ ملک اور اس کی دولت پر سبکا یکساں حق ہے اور محنت۔ محنت کرنیوالوں کی تو پھر سرمایہ دار کہاں کے خدائی فوجدار بنکر ساری چیزوں پر قابض ہوگئے؟

اس ناانصافی کا الزام صرف ہندستانی سرمایہ داروں پر ہی نہیں جاتا بلکہ برطانوی سامراج پر بھی جو اس نظام کا بانی ہے۔

برطانیہ کو اپنا اقتدار ہندستان میں قائم رکھنے کیلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ایک ایسی جماعت قائم کرے جسکی آڑ میں وہ اپنا شکار آسانی سے کھیل سکے —— چنانچہ

سرمایہ داروں کی جماعت وجود میں آئی۔ ایک طرف یہ جماعت برطانوی سامراج کی بنیادوں کو ہلنے نہیں دیتی اور دوسری طرف جنتا کو بھوکا مار رہی ہے۔ اس جماعت میں زمیندار۔ کانوں کے مالک۔ کارخانوں کے مالک۔ مہاجن وغیرہ شامل ہیں۔ وقت پڑنے پر یہ سامراج کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور سامراج انکا۔ یہ دونوں چکی کے پاٹوں کی طرح ہندستان کی جنتا کو پیسے ڈال رہے ہیں۔ تاکہ خال میچیں۔ دکھے ہوئے دلوں اور ٹھٹھرے پیٹوں میں آزادی کا خیال بھی نہ آنے پائے۔ اور جانوروں کی طرح سامراج اور سرمایہ داروں کی خواہشات کا شکار ہوتے رہیں۔
اس طرح ہندستان کے ترقی کے جذبہ کی سامراج اور چند قوم فروشوں کے سامنے ہمیشہ قربانی ہوتی رہی۔ . . . . لیکن ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ ان ظلم نے ہندستان کی خوابیدہ قوم کو جھنجھوڑنا شروع کیا۔ اب ہم اپنا حق مانگتے ہیں۔ اپنا پیدائشی حق!! اپنی آزادی!! اپنی محنت کا صلہ!!!
ہم ہندستانی ہیں۔ ہندستان کے قدرتی عطیات سے فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے۔ ہم اسکے دشمن ہیں جو ہمکو ہمارے حقوق سے محروم کرے۔ چاہے وہ سامراج ہو یا مہاجن۔ مذہبی پیشوا ہوں یا سیاسی رہنما۔
اب سرمایہ داروں کی چمک دمک ہماری آنکھوں کو خیرہ نہیں کر سکتی۔
اب ہندستان کی بھوکی آبادی کو تھپک تھپک کر نہیں سلایا جاسکتا۔!!

روس کا پنجسالہ پروگرام

(قسط نمبر ۳)

کوئلہ کی پیداوار ہمارے یہاں کوئلہ کی کانیں زیادہ تر ڈان کے بیسن میں ہیں۔ پنجسالہ پروگرام سے پہلے ان میں ہر سال ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن کوئلہ سالانہ پیدا ہوتا تھا۔ لیکن پنجسالہ پروگرام پورا کرنے کے لئے ہمکو ۷ کروڑ پچاس لاکھ ٹن کوئلہ کی ضرورت ہے۔ کیا ہمنے پروگرام بنانے میں کوئی غلطی کی ہے یا کوئی اور بات ہے۔؟ کیا ہمکو پورا پنجسالہ پروگرام پھر سے بنانا ہوگا؟ ۔ اگر واقعی ہمسے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہم کارخانے بنا ڈالیں گے اور اسکے بعد ہمکو پتہ چلیگا کہ انکو چلانے کے لئے ہمارے پاس کوئلہ نہیں ہے۔ ساری دنیا ہم پر ہنسیگی

نہیں ہم ایسا نہ ہونے دینگے۔ جس طرح بھی ہو سکے کام پورا کیا جائے گا۔ لیکن کیا کیسے جائیگا؟ کیا یہ در اصل یہ پورا ہو بھی سکتا ہے؟۔

انجینیر بتاتے ہیں کہ اس کام کا پورا کرنا ہمارے امکان میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری بہت سی کانوں میں ابھی (تھوڑے ہی) کام کیا جاتا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ ایک امریکن ہمارے آدمی کا پانچ گنا کوئلہ نکالتا ہے۔ کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ امریکن مزدور زیادہ محنت سے کام کرتا ہے؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اسکی وجہ بہت صاف ہے مشینیں امریکن مزدور کی مدد کرتی ہے ہماری بہت سی کانوں میں اب بھی پرانے طریقے رائج ہیں بخلاف ہمارے یہاں مزدور صرف اپنی ہی قوت سے کدال سے کوئلہ توڑتا ہے لیکن امریکہ کا مزدور کدال کا نام تک بھول گیا ہے وہ صرف مشین چلاتا ہے اور مشین کوئلہ توڑتی رہتی ہے۔ ہمارا مزدور کوئلہ میں سوراخ کرنے کے لئے ہتھوڑا استعمال کرتا ہے لیکن امریکہ میں یہ کام مشین کرتی ہے۔ ہمارا مزدور بار برداری کے جانور کی طرح کوئلہ کی گاڑیوں کو کھینچکر بڑی بڑی لاریوں اور ریل گاڑیوں تک لیجاتا ہے لیکن امریکہ میں خاص طرح کی گاڑیاں ہوتی ہیں جو کوئلہ کارخانوں سے گودام تک لیجاتی ہیں اور گودام میں بھی مشینیں ہوتی ہیں جو ذراسی دیر میں ان گاڑیوں کو خالی کرکے بڑی گاڑیوں میں بھر دیتی ہیں۔

ہماری کانوں میں آج تک اصطبل بنے ہوئے ہیں ان میں لاغر گھوڑے رہتے ہیں جنکو دن رات اندھیرے میں کام کرنا پڑتا ہے اور دن کی روشنی تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتی لیکن امریکہ میں عرصہ ہوا جب ہی بجلی کے انجنوں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی ہے۔ ہماری کانوں میں برابر اندھیرا رہتا ہے۔ کبھی کبھی مزدوروں کے پاس ایک دھندلا سا لیمپ نظر آتا ہے لیکن امریکہ کی کانیں ایسی روشن ہیں جیسے کمرے اور مزدور اپنی ٹوپیوں میں بجلی کے لیمپ لگائے رہتے ہیں۔

ہم بھی اپنی کانوں میں ایسا ہی انتظام کیوں نہ کریں؟ اب بھی ہماری بہت سی کانیں امریکن کانوں سے کسی اعتبار سے خراب نہیں ہیں اور پنجسالہ پروگرام کے ختم پر صرف ڈان کے بیسن ہی میں ۵۳ ہزار سوراخ کرنے والی مشینیں۔ ۲۵ سو بار برداری کی مشینیں۔ ۸۰ بجلی کے انجن اور ۱۰۰ دسنوالی مشینیں ہوجائیں گی۔ ہم صرف پرانی کانوں ہی میں تبدیلی نہیں کرینگے بلکہ دسیوں نئی کانیں بنائیں گے۔ اور ۱۹۳۳ء تک اس بیسن کے بجائے ایک نیا بیسن نظر آنے لگیگا۔

اس نئے بیسن سے ہمکو ۷ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن کوئلہ ملیگا لیکن ہمکو ضرورت کم سے کم ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ ٹن کی ہے باقی کوئلہ ہمیں کہاں سے ملیگا؟ ہمارے اسکاؤٹ اسکی بابت کیا کہتے ہیں؟۔

وہ بتلاتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئلہ کا ایک دوسرا خزانہ ہے جسکے سامنے ڈان کے بیسن کی کوئی حقیقت نہیں سائبیریا کے دور دراز علاقے میں الٹائی پہاڑوں کے ڈھال پر کزنٹسک کا خطہ بتایا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں سمندر نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور کنارے کی گھنی گھنی جھاڑیوں میں عجیب غریب جانور رہتے تھے انکی گردن بہت لمبی ہوتی تھی اور سر انکا بہت چھوٹا ہوتا تھا ان میں ایک جانور چار منزلہ مکان کے برابر اونچا ہوتا تھا۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یہ جانور مرتے گئے پانی سوکھ گیا اور سمندر کے بجائے ایک بڑا دلدل بن گیا۔ لیکن تھوڑے دنوں میں پانی اور مٹی نے دلدل کو بھی غائب کر دیا۔ گھاس۔ اور جھاڑیاں وغیرہ مٹی کے نیچے سڑ گل کر کوئلے میں تبدیل ہوگئیں۔ اب ہم انھیں مردوں کو کھود کر ان سے کام لیں گے!

کزنٹسک بیسن اس خطے کا نام ہے ڈان کے بیسن میں کوئلہ کی تہیں پتلی ہیں۔ اور عام طور پر بیس انچ کی تہ اچھی خیال کیجاتی ہے لیکن یہاں ۱۸۰ انچ موٹی تہ نکلنا بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ اور بعض بعض جگہ تو ستر ستر گز کی تہ ملتی ہے۔ اسکے اور فائدے یہ ہیں کہ کوئلہ کی تہ زمین کے نیچے بہت ہی کم گہرائی پر پائی جاتی ہے اور کوئلہ بھی اچھی قسم کا ہے۔

ہم کوئلہ کی پیداوار بڑھا کر ڈان بیسن میں دونی اور اس خطہ میں تگنی کرلیں گے لیکن ابھی کزنٹسک میں کام شروع ہی ہوا ہے، اسوقت اسکی حالت ایک بچے کی ہے۔ ابھی تک وہاں تھوڑی ہی سی کانیں اور چند ریل کی سڑکیں بن سکی ہیں۔ بجلی کا بڑا کارخانہ وہاں ایک بھی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہم بڑی بڑی مشینیں بھی نہیں چلا سکتے۔ اسکا مطلب یہ ہے گوکہ یہ بہت بدقسمتی کی بات ہے — کہ ہم اس نئے بیسن سے جتنا حاصل کرسکتے ہیں اتنا کل حاصل نہ کرسکیں گے۔ تاہم ہم بہت کچھ فائدہ اٹھالیں گے۔ ہماری سب سے بڑی کانیں اسی علاقے میں ہونگی۔ نمبر ۱ کی کان سے ہمکو ۲۰ لاکھ ٹن کوئلہ سالانہ ملیگا؛ اور نمبر ۲ سے ۶۰ لاکھ ٹن۔

کوئلہ تو ہم کافی مقدار میں پیدا کرلیں گے لیکن اب ایک نیا سوال پیدا ہوتا ہے جسکی طرف

ہمنے ابتک کوئی توجہ نہیں کی۔ ہماری مشینیں اور کارخانے زیادہ ترکہاں واقع ہیں؟ — لینن گراد اور ماسکو میں۔ یورال ہیں اور یوکرین میں۔

اور کوئلہ کہاں پایا جاتا ہے؟ — جنوب میں ڈان کے دور دراز میدانوں میں اور دور ہی سائبیریا کے اندر کزباس میں

یورال میں تو ہم کزباس سے کوئلہ لائیں گے اور یوکرین میں ڈانباس سے لیکن ماسکو اور لینن گراڈ کے لئے ہم کیا کریں گے۔ کیا ہم اتنے لمبے فاصلوں پر کوئلہ لیجائینگے؟ ذرا خیال تو کرو اس میں کتنا خرچ بیٹھے گا!

کیسی حماقت ہے! کوئلہ تو ایک مقام پر ہو اور کارخانے جنمیں وہ استعمال ہو دوسرے مقام پر ہو۔ مگر اس میں ہماری کوئی غلطی نہیں ہے۔ ایسے زیادہ تر کارخانہ داروں نے بغیر کسی ترتیب کے یہ کارخانے بنائے ہیں۔ انکا مقصد صرف یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ اکثر انہوں نے ایسے مقامات پہ کارخانے بنائے ہیں جہاں کوئلہ پاکھال ملنے کے بجائے آدمی سستے ملیں۔ انقلاب سے پہلے کسانوں کے پاس چھوٹی چھوٹی زمینیں تھیں۔ کھانیکو کم تھا اس لئے وہ صرف چند پیسوں پر مزدوری کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مل مالک کارخانے بنانے کیلئے ایسی ہی جگہیں چنتے تھے جہاں بجائے خام اشیاء کے انسانی ہڈی اور گوشت کم داموں میں بکتا تھا۔

کوئلہ کی انہیں اتنی ضرورت زیادہ بھی نہیں ہے کیونکہ انکا فائدہ اس میں تھا کہ وہ مشینیں کم لگائیں۔ جو مشینیں دوسری جگہوں پر کم منافع بخش خیال کیجاتی تھیں وہی اکثر ان کارخانہ داروں کو کام ہوتا تھا۔ یہ کیوں؟ یہ اسلئے کہ دو پیسوں کی مشینیں زیادہ سستے میں کام کرتی تھی۔ پھر بھی وہ ایک حد تک مشین استعمال کرتے تھے۔ ان مشینوں کے لئے وہ کوئلہ کہاں سے لاتے تھے؟ سمندر پار سے۔ خود انکے ملک میں کوئلہ موجود تھا لیکن وہ اسے چھوڑ کر انگلستان سے لاتے تھے یا اس سے بھی بری حرکت یہ کرتے تھے کہ جنگلوں کو جلا ڈالتے تھے۔

جنگلوں کو کبھی نہ جلانا چاہئے۔ لکڑی ایندھن نہیں ہے یہ ایک بہت ہی بیش قیمت چیز ہے درخت کاٹنے کے بجائے ہمکو چاہئے کہ ہم اور درخت لگائیں کیونکہ لکڑی سے ہم میز کرسی۔ دروازے کھڑکی۔ کاغذ اور دوسری فائدہ مند چیزیں تیار کرسکتے ہیں۔ یہ سمندری جہاز ہوائی جہاز اور ریل بنانے میں بھی کام آتی ہے۔ پندرہ برس بعد کوئی اتنی قیمتی چیز کو جلانے کا خیال تک نہ کریگا۔ اور لوگ ایندھن کی لکڑی کا نام تک بھول جائینگے لیکن پھر جلایا کیا جائیگا؟

کچھ نہیں۔

مگر آگ کے بغیر کام کیسے چلیگا؟

آگ کے بجائے سارے شہر کیلئے ایک بہت بڑا آب گرما بنایا جائیگا جسمیں لکڑی کی جگہ کوئلہ اور پیٹ جلائی جائے گی۔ اس آب گرمے سے نل کے ذریعہ ہر گھر میں گرم پانی پہنچایا جائے گا۔ لینن گراڈ میں ایسے اسٹیشن اب بھی موجود ہیں۔

غرضکہ جہاں تک ممکن ہوسکے لکڑی کے بجائے کوئی دوسرا ایندھن استعمال کیا جائے۔ لیکن پھر لینن گراڈ اور ماسکو کے کارخانے کیسے چلیں گے؟ ڈان بیسن سے کوئلہ لانا پڑے گا لیکن کیا ہمارے پاس قریب میں کوئی اور ایندھن نہیں جس سے ہم کام نکال سکیں؟ اسکی بابت اسکاوٹ کیا کہتے ہیں؟

ہمارے اسکاوٹ بتاتے ہیں کہ ماسکو کے قریب ہی کوئلہ اتنی ضروری بات کو کیسے نظر انداز کردیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کوئلہ اچھے قسم کا نہیں ہے۔ ڈان کے کوئلہ کے مقابلہ میں اس میں آدھی گرمی ہے۔ اور کزباس کے کوئلے سے تو اس کا مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اب ہمارے انجینیروں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جسکی مدد سے اس کوئلہ سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

پیٹ کے فائدے

لیکن لینن گراد میں کیا ہوگا؟ ہمارے اسکاوٹ بتلاتے ہیں کہ اسکے نزدیک ایک دلدل ہے اور اس دلدل میں پیٹ پائی جاتی ہے۔ مگر اس پیٹ سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ یہ ایندھن کا کام دیگی۔ ہمکو صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ ہم اس پیٹ کو کیسے نکال سکتے ہیں۔

۱۹۱۸ء میں ڈان اور ماسکو کے درمیان راستہ بند ہوجانے کی وجہ سے کوئلہ بھیجنا ناممکن ہوگیا تھا۔ ماسکو کے بجلی کے کارخانوں نے جو کچھ کوئلہ بچاکر رکھا تھا سب جلا ڈالا۔ صرف ایک کارخانہ ایسا تھا جو شروع سے آخر تک برابر چلتا رہا۔ اس کارخانے میں پیٹ جلائی جاتی تھی۔ اسکو دیکھکر لوگوں نے ماسکو نزدیک اسی طرح کا دوسرا کارخانہ بنانے کا ارادہ کیا اور شاتورا کے دلدلوں میں پیٹ نکالنے کا کام شروع کیا گیا۔ مزدوروں کو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انکے رہنے اور کھانے پینے کا مناسب بندوبست نہ تھا گرمی اور مچھر ہر وقت ستاتے رہتے تھے لیکن وہ مستعدی سے کام کرتے رہے۔ شاتورا سے ماسکو تک انہوں نے تار پھیلا دیئے اور آخرکار ان تاروں کے ذریعہ شہر میں بجلی پہنچا دی۔ ہر طرف بجلی کی روشنی ہونے لگی۔ کارخانے اور مشینیں بجلی کی مدد سے چلنے لگے۔ اس طرح پیٹ نے ماسکو کو بربادی سے بچا لیا۔

پیٹ کے دلدل لینن گراڈ اور ماسکو کے چاروں طرف سیکڑوں میل تک پھیلے ہوئے ہیں ہمیں انکو جمع کرنا ہے لیکن مشینوں کے بغیر یہ ناممکن ہے اکثر جگہ ہم اب بھی پھاوڑوں کو پیٹ کھودتے ہیں اسکو گڈھوں میں ڈالکر اوپر سے پانی ڈالتے ہیں اور پھر اسکو پیروں سے روندکر استعمال کے قابل بناتے ہیں۔ یہ طریقے ہمکو زیادہ دور تک نہیں لیجا سکتے۔ ہمیں کام کے لئے ایک مشین کی ضرورت ہے بعض مقامات پر ایسے دلدل ہیں جن میں کھودنے کی مشین کام نہیں دیتی۔ انجنیر بتاتے ہیں کہ ایسی حالت میں ہم بجائے کھودنے کے پانی کے تیز دھارے سے اوپر کی مٹی اور پتھر کو بہاکر پیٹ حاصل کرسکتے ہیں

پیٹ پانی کو جذب کرلیتی ہے اسلئے اسکا سکھانا بہت مشکل کام ہے۔ اب تک ہوا اور دھوپ سے یہ کام لیا جاتا تھا لیکن اس میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے اسلئے ہم اسکو سکھانے کی مصنوعی ترکیبیں دریافت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ماسکو میں بجلی کے ایک کارخانے میں ایسا طریقہ ایجاد کرلیا گیا ہے جسکی مدد سے ہم پیٹ کا سفوف اور خشک اینٹیں تیار کرسکتے ہیں جو بالکل کوئلے کیطرح جلتی ہیں۔

تیل کے تالاب

انقلاب سے پہلے باکو میں تیل کچے تالابوں میں بھرا رہتا تھا۔ اور اکثر جگہ زمین کے اوپر بہا کرتا تھا۔ ان زمینوں کے مالک اتنی قیمتی چیز کے جمع کرنے کا خیال بھی نہ کرتے تھے اور ہماری طرح اسکو لوہے کی بڑی بڑی ٹنکیوں میں بھرنے کے بجائے کھلی خندقوں میں ڈالے رکھتے تھے۔ بہت سا تیل اڑجاتا لیکن مالک لوگ اس کا ذرا خیال نہ کرتے انکا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تیل نکالکر جتنی جلدی ہوسکے بیچ لیں۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ جب ٹینک لیے ایک شخص ایک مہینے میں کروڑپتی بن سکتا ہے تو قیمتی ٹینکوں اور مہنگی مشینوں پر

روپیہ کیوں خرچ کیا جائے۔ انکی سمجھ میں یہ خیال کبھی نہ آیا تھا کہ جب زمین کے اندر کا تیل ختم ہو جائیگا تو کیا ہوگا!۔

ہم انکی ایسی بیوقوفی نہیں کر سکتے جیسے سرمایہ داروں نے کی۔ اسواسطے نہیں چھوڑ سکتے کہ زمین بیکار برباد کریں۔ ہمکو ہر چیز کا باقاعدہ انتظام کرنا ہے ہم سمجھ بوجھ کے ذریعے کتابیں تیل نکالیں گے اور ہمکو بند کنواں تالابوں میں حفاظت سے رکھیں گے۔ ہم پٹرول ضائع نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہوائی جہاز اور موٹروں کے لئے اسکی ضرورت پڑے گی۔

ہمنے بہت سی مشینیں اور پمپ باہر سے منگائے ہیں اور آئندہ پانچ سال میں اور زیادہ منگائینگے۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں تیل کی پیداوار صرف ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن تھی لیکن ان پانچ سالوں میں ہم اسکو بڑھا کر ۲ کروڑ ٹن کر دینگے۔ ہم پچھلے لوگوں کی طرح تیل کو جلانے کے لئے نہیں استعمال کرینگے۔ ہم جانتے ہیں کہ تیل ایندھن نہیں ہے بلکہ ایک کچا مال ہے۔ اس سے ہمیں ہوائی جہازوں اور موٹروں کے لئے پٹرول اور دوسری مشینوں کیلئے موٹا تیل ملیگا۔

تیل کے پٹرول اور پیرافین نکالنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے اسمیں سے بھی ہم پمپ اور مشینوں کے لئے تیل نکال سکتے ہیں۔ اسکے لئے ہم پنجسالہ پروگرام کے بموجب ۲۶ مشینیں بنائینگے۔ اور تیل میں سے تمام کام کی چیزیں نکالنے کے بعد جو کچھ فضلہ بچیگا وہ جلانے میں استعمال کیا جائیگا۔

چھوٹے اور بڑے کارخانے

مشینوں کے لئے ہمکو طاقت کی ضرورت ہوگی اور یہ طاقت حاصل کرنے کیلئے ہم گہری کانیں کھود دینگے دریاؤں میں بند باندھیں گے۔ دلدلوں سے پیٹ اور زمین کے اندر سے تیل نکالیں گے۔ لیکن ہمارا کام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔

پانی، کوئلہ، پیٹ اور تیل سے ہم بجلی پیدا کرینگے۔ اور اسکے لئے ہمیں بجلی بنانے والے کارخانے کھولنا ہونگے۔ مگر یہ کارخانے کہاں کھولے جائینگے؟۔

ہر فیکٹری میں ایک کارخانہ بنایا جا سکتا ہے اور ایسا بھی کارخانہ بنایا جا سکتا ہے جو اکیلا سو دو سو فیکٹریوں کے لئے کافی ہو۔ ان دونوں میں کونسا طریقہ فائدہ بخش ہوگا؟ تمہارا کیا خیال ہے؟۔

ہمارے خیال میں تو ایک بڑا کارخانہ سو چھوٹے کارخانوں سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے کارخانوں کے لئے ہمکو سو عمارتیں چاہئے ہونگی اور بڑے کارخانے کیلئے صرف ایک۔ اسی طرح چھوٹے کارخانوں تک کوئلہ لانے کیلئے سو ریل کی پٹریوں کی ضرورت ہوگی لیکن بڑے کارخانے کیلئے ایک پٹری کافی ہوگی۔ چھوٹے کارخانوں کیلئے علیحدہ علیحدہ سو ٹربائن مشینوں کی ضرورت ہوگی لیکن بڑے کارخانے میں صرف ایک ٹربائن مشین کافی ہوگی۔ البتہ بڑی مشین طاقت میں چھوٹی مشینوں کی سوگنی ہوگی لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ جسامت اور وزن میں بھی چھوٹی مشینوں کی سوگنی ہوگی۔ بڑی سے بڑی ٹربائن مشین بھی جس میں ہزاروں گھوڑے کی طاقت ہوتی ہے ایک معمولی سے کمرے میں آجاتی ہے۔ بڑے کارخانے میں چھوٹے کارخانوں کے مقابلہ میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوگی کیونکہ مزدور کیلئے چھوٹی مشین اور بڑی مشین دونوں برابر ہیں بلکہ اس مشین کی دیکھ بھال کرنا ایک حد تک اور زیادہ آسان ہے کیونکہ اس میں درست کرنے۔ ایندھن ڈالنے اور راکھ نکالنے کے آسان سے آسان بندوبست ہوتے ہیں۔ یہ باتیں چھوٹے کارخانوں میں ممکن نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہاں خرچ بہت بیٹھتا ہے۔

ان سب سے بڑھکر ایک فائدہ یہ ہے کہ چھوٹے کارخانے صرف فیکٹریوں ہی میں بنائے جا سکتے ہیں لیکن بجلی کے کارخانے ہم ہر اس جگہ بنا سکتے ہیں جہاں پر ہمکو زیادہ سے زیادہ فائدہ کی امید ہو یعنی جہاں ہمکو ایندھن حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ آسانی ہو۔ مثلاً پیٹ سے چلنے والے کارخانے پیٹ کے دلدلوں کے نزدیک اور کوئلے سے چلنے والے کوئلہ کی کانوں کے نزدیک بنائے جا سکتے ہیں ہم پیٹ یا کوئلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کی زحمت کیوں اٹھائیں جبکہ ہم دلدلوں اور کانوں کے نزدیک کارخانے بناکر پیٹ اور کوئلہ کو جلا کر اس سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں اور پھر اس بجلی کو چاروں طرف کی فیکٹریوں میں پہنچا سکتے ہیں۔

فیکٹریوں کی یونین

ایک پرکار سے ہم سو میل کا قطر لیکر ایک دائرہ بنائیں۔ اگر اسکے درمیان میں بجلی پیدا کرنیکا ایک بڑا کارخانہ بنایا جائے تو وہ دائرہ کے اندر کی ہر فیکٹری کو بجلی پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح کارخانوں کی ایک یونین بن جاتی ہے۔

پنجسالہ پروگرام میں ہم ۴۲ بجلی کے کارخانے بنائینگے اور ہر ایک کارخانہ ایک یونین کی کل فیکٹریوں کو طاقت پہنچائیگا۔ سب سے بڑی یونین دریائے ڈنائیپر پر ہے۔ درمیان میں بجلی بنانے کا کارخانہ ہے۔ اور چاروں طرف مختلف چیزوں کے کارخانے ہیں جنکو یہ چلاتا ہے۔ یہ کارخانے بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں مثلاً دھات کو پگھلا کر صاف کرنے کے کارخانے میں گیس تیار ہوتی ہیں چونکہ اس کارخانہ کو انکی ضرورت نہیں ہوتی اسلئے دوسری فیکٹریوں میں سیمنٹ۔ الومنیم اور برتن بنانے کے کارخانوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔

اسی طرح کی یونین ہم بجلی کے ہر کارخانہ کے چاروں طرف تعمیر کریں گے۔

تھوڑے عرصہ میں ہم ان یونینوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دینگے۔ سب سے پہلے ہم ڈنائیپر کے علاقے کو ڈان بیسن سے بجلی کے تار پھیلا کر جوڑ دینگے۔ جب ڈنائیپر کو بجلی کی ضرورت ہوگی تو ڈان بیسن اسکی مدد کریگا اور جب اسکے پاس بجلی کی کمی ہوگی تو وہ ڈنائیپر سے لیگا اور ایسے واقعات ہر سال ہونگے۔ برسات میں جب دریاؤں میں پانی چڑھنے لگتا ہے اور ڈر ہوتا ہے کہ کانیں ڈوب جائیں گی تو پانی نکالنے کیلئے رات دن بجلی کے پمپ چلانا پڑتے ہیں اگر ذرا دیر کیلئے بھی پمپ بند ہو جائیں تو آفت آجاتی ہے اسلئے ڈان بیسن کو بہت زیادہ بجلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اسی زمانے میں ڈنائیپر میں پانی افراط سے ہوتا ہے اور ٹربائین مشینیں برابر چلتی رہتی ہیں جتنے ضرورت سے زیادہ بجلی پیدا ہوتی ہے اسلئے وہ ڈان بیسن کے پمپوں کیلئے بجلی بھیج سکتا ہے

لیکن جب جاڑا آتا ہے اور ٹربائن مشینیں چلانے کے واسطے ڈنائیپر کے پاس کافی پانی نہیں ہوتا اور اسکو بجلی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ڈان بیسن سے مدد لے کر اپنا کام چلاتا ہے۔ کیونکہ ڈان کے بجلی کے کارخانے کوئلے سے چلتے ہیں۔

بجلی کے کرشمے

یہ تو صرف شروعات ہے وہ وقت بھی آنے والا ہے جب دیہی اضلاع میں بھی بجلی پہنچ جائیگی اور جاڑوں کے اندھیرے دنوں کو بجلی کے نور سے روشن کیا جا سکے گا اور اس طرح کسان کو لکھنے پڑھنے اور کام کرنے کا زیادہ سے زیادہ وقت مل سکیگا۔ کارخانوں میں بجلی سے مشینیں چلیں گی اور دیہاتوں میں کھیت جوتنے۔ دانہ لونے اور فصل کاٹنے کا کام بھی بجلی کی مشینوں سے لیا جائے گا۔ بجلی سے ریلیں چلیں گی جنپر سامان لادا جائے گا اور بجلی ہی سے موٹریں چلینگی جنپر مزدور کارخانے جائیں گے۔

غرضکہ پندرہ بیس برس میں بجلی ایسی ہی عام ہو جائے گی جیسے ہوا یا پانی۔

انتقام! اے انتقام!!

(وقار انبالوی)

ورد ہے روحِ مظلومی کے لب پر تیرا نام
دردمندی ہے تیری آرزو میں صبح و شام
دیکھ چھلکا چاہتا ہے صبرِ مزدوری کا جام
اٹھ کہ مجبوروں کا تیرے در پہ ہے اک اژدہام
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

حاکم و محکوم کی ہستی رہے گی تا کجا!
جنسِ خونِ مفلسی سستی رہیگی تا کجا!
قسمتِ مزدور میں پستی رہے گی تا کجا!
زیر دستوں پر زبردستی رہے گی تا کجا!
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

بیکسی کی آنکھ ہے آئینہ دارِ انقلاب
مفلسی کے آنسوؤں میں ہیں شرارِ انقلاب
بےبسی کا درد ہے سرمایہ دارِ انقلاب
بندگی پر کھول دے راہ دیارِ انقلاب
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

خواجگی کب تک رہے گی بندگی کی تاک میں؟
درد کب آئے گا زر کی فطرتِ چالاک میں؟
محنتیں مزدور کی کب تک ملیں گی خاک میں؟
کوئی الٹا پھیر بھی ہے گردشِ افلاک میں؟
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

روئے استعمار پہ کب تک شقاوت کی جھلک
مکر کی آنکھوں میں کب تک یہ شرارت کی جھلک
کب نگاہِ مفلسی دیکھے گی راحت کی جھلک
رنگ خدمت میں کب آئے گی بغاوت کی جھلک
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

باج دیگا ہم کو کب تک کم نگاہی کا فریب
تاج دیگا تا بہ کئے یوں کجکلاہی کا فریب
تخت دیگا تا بہ کے انسان کو شاہی کا فریب
بخت دیگا ہم کو کب تک بےپناہی کا فریب
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

دیر سے دوشِ مذاہب پر ہے دھوکے کی غلیل
دیر سے دستِ ملائک میں ہے انساں کی نکیل
ایک جانب تا بہ کے آخر یہ زر کی ریل پیل
دیکھ بندوں کو خداؤں نے بنا رکھا ہے کھیل
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

کھائیں بھی مزدور کا - مزدور پر غرائیں بھی
دن کو محنت بھی کرائیں - رات کو رلوائیں بھی
بھوک سے مزدور کے بچے بھی بلکیں مائیں بھی
تف ہے سرمایہ پرستوں پر - کہیں مٹ جائیں بھی
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

ہاتھ اٹھیگا کب ترا اس لعنتی تہذیب پر
چلے گی "تعمیر" کب تک صورتِ تخریب پر
تیرا آنا منحصر ہے کونسی تقریب پر
مستعد ہو اب مدارج کی نئی ترتیب پر
انتقام اے انتقام! اے انتقام! اے انتقام

(ننگ لنگ)

"اں، اچھو، ذرا یہاں سے باورچی خانہ میں چلی جاؤ" اسکے لڑکے آہ سو نے لکڑی کی سیڑھی پر چڑھ کر چھوٹے سے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اسکے پیچھے وہی نوجوان آرہا تھا جو اس سے پہلے بھی کئی بار آچکا تھا۔ اور اسکی بغل میں ایک چھوٹا سا پیلے رنگ کا لبادہ پہلے کی طرح دبا ہوا تھا۔

وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری کے پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔ جس کی پشت پر کوئی دو مربع فیٹ کا ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ جب اس تختہ کو کھڑکی سے ہٹا دیا جاتا تو کمرے میں روشنی کی ایک موٹی سی دھار آنے لگتی جس کی مدد سے وہ اپنے پوتے کے پاجاموں کے گھونٹے درست کرتی رہتی۔

وہ لوگ اندر آگئے اور آہ۔ سو نے بغیر اپنی ماں کی طرف دیکھے ہوئے اپنا کوٹ اتار دیا۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے ساتھی سے بھی بیٹھنے کو کہا۔

بوڑھی عورت سمجھتی تھی کہ یہ وہی پرانا قصہ ہے۔ جب سے یہ واقعہ ہوا تھا وہ سمجھنے لگی تھی کہ اس کا بیٹا ایک ایسی دنیا میں داخل ہوگیا ہے۔ جسے وہ نہیں سمجھ سکتی ——— ایک ایسی دنیا جس میں وہ خود بھی داخل نہ ہو سکتی تھی ——— یہ دنیا اس کے اور آہ سو کے بیچ میں دیوار کی طرح حائل ہو رہی تھی اور اس اجنبیت سے وہ بہت دکھی ہو رہی تھی۔

بوڑھی عورت اس وقت اس نے اپنے جھنجھلا... کی بٹیا پر ... ہمی اور مہمان کو ترچھی نظروں سے دیکھتی ہوئی جھکے جھکے وہاں سے باہر چلی گئی۔

لیکن وہ باورچی خانہ میں پھر بھی نہیں گئی۔ بلکہ سیڑھی کے ذریعہ ایک چھوٹے سے دروازے میں سے ہو کر برابر کے کمرے میں چلی گئی جو صرف اس قدر بڑا تھا کہ ایک ہی آدمی پاؤں پھیلا کر لیٹ سکتا تھا۔ وہ پینے کلنے پر بھی اس کمرے میں اندھیرا گھپ رہتا۔ دوسرے کمرے میں جہاں اس کا لڑکا بیٹھا تھا اور اس کمرے کے درمیان لکڑی کی صرف ایک پتلی سی دیوار تھی۔ چنانچہ اس کے لڑکے کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اُسے سنائی دیتا۔

تھوڑی ہی دیر میں کارخانے سے آہ سو کے کچھ اور مزدور ساتھی بھی آگئے۔ بوڑھی عورت کی نظروں کے سامنے ہی سب کے سب اچھر اچھر کرتی ہوئی سیڑھی پر سے غار نما کمرے میں داخل ہوگئے جس میں صرف ایک ہی کھڑکی تھی!

جب انھوں نے سنجیدہ طور پر گفتگو شروع کی تو بوڑھی عورت بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی سانس تک روک لی تاکہ وہ ایک ایک لفظ بخوبی سن سکے۔

شام کا وقت تھا اور اُس بند گلی میں بہت کافی لوگ تھے۔ کچھ لوگ اپنے بدن پر تیل کی مالش کر رہے تھے بعض ایک دوسرے کے جسموں کو مل رہے تھے اور بہت سے ادھ ننگے لوگ چھوٹی چھوٹی تپائیوں پر بیٹھے اپنے ٹوٹے پنکھوں سے جھلتے ہوئے مچھروں کو مار رہے تھے یہاں فپ شپ کا بازار گرم تھا۔ یہ ایک دوسرے سے مذاق کرتے اور قہقہے لگاتے جاتے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے سے ان میں سے کچھ اپنے دیہاتی گیت گانا شروع کر دیتے جو صرف مزدوروں کو ہی یاد ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ تو یہ شور اس قدر تیز ہو جاتا کہ بوڑھی عورت اچھی طرح اپنے بیٹے کی باتوں کو بھی نہ سن سکتی۔ لیکن وہ برابر دیوار سے اپنا کان لگائے بڑے غور سے ہر بات کو سنتی رہی۔

اندھیرا ہوگیا اور ہر گھر میں کھانا پکنے لگا۔ جھونپڑوں میں سے دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ساری گلی میں دھواں بھر گیا اور بڑی دیر میں آہستہ آہستہ کرکے نکلا۔ لیکن اس کمرے میں جہاں وہ بوڑھی عورت بیٹھی تھی دھواں جم کر ہی رہ گیا۔ اور گھٹن سی ہونے لگی جس کی وجہ سے بوڑھی عورت کو بری طرح سے کھانسی آنا شروع ہوگئی۔

"کھا، کھا، کھا، کھا، کھا، کھا، آہ، کھ!"

"کیا تمھاری ماں کی طبیعت خراب ہے۔ دیکھو تو کتنی زور کی کھانسی ہے" جب بوڑھی عورت نے دم گھٹنے پر کھانسنا شروع کیا تو کسی نے دوسرے کمرے میں کہا۔

اب آہ سو کو معلوم ہوا کہ اس کی ماں وہاں موجود ہے اور اس نے پکار کر کہا "ارے ماں وہاں سے نکل آؤ۔ وہاں تو بہت زیادہ گرمی ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم وہاں کیوں گھس جاتی ہو؟"

اُسنے جلدی سے اپنے منھ میں کپڑا ٹھونس لیا اور چپ سادھ لی۔ اس لئے کہ وہ سمجھتی تھی کہ وہ لوگ یہ نہیں چاہتے کہ وہ انکی باتیں سنے۔ اسکی آنکھوں اور ناک میں سے پانی نکل رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ وہیں جمی رہی اور انکی تمام باتیں سنتی رہی۔ وہ اُن لوگوں کی باتیں سننے کیلئے کچھ اسی طرح پیچھے پڑی تھی کہ جب اس کی بہو اور پوتے نے نیچے سے اُسے کھانا کھانے کے لئے آواز دی تو بھی کوئی جواب نہ دیا۔ مچھروں کی فوج کی فوج اس پر حملہ کر رہی تھی وہ ان کو ہاتھوں سے مار کر ہٹا دیتی لیکن وہ ہٹتے ہٹتے اس کے سوکھے ہوئے دبلے پتلے اور کمزور ہاتھوں میں اس زور سے کاٹتے کہ موٹے موٹے ددوڑے پڑ جاتے۔

بڑی دیر میں جا کر ان لوگوں کی گفتگو ختم ہوئی اور مہمان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چلدئے۔ آہ سو۔ وہاں سے اُٹھا اور باورچی خانہ میں کچھ ٹھنڈا کھانا تلاش کرنے لگا۔ اور تب بوڑھی اس تنگ و تاریک غار سے نکل کر گھر کے دوسرے آدمیوں میں شامل ہوئی۔

"ارے یہ کیا ہے کیا تمھاری طبیعت خراب ہے؟" اس کی بہو نے اُس سے پوچھا جو پشت کے دروازے پر چھوٹے بچے کو اپنی چھاتی سے لگائے آہ سو کے قریب اس کی بغل میں بیٹھی تھی۔

"مجھے تو ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں، میں تو اچھی خاصی ہوں"

اس کے چہرہ کی جھریوں سے مسرت اور اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا اور یہ اطمینان اور خوشی اس کے دل کی اندرونی گہرائیوں سے الفاظ کے ساتھ

عمل رہی تھی لیکن اس کا احساس اُسکے لڑکے اور بہو کو نہ ہوسکا۔

-:(۲):-

صبح کو بہو اور بیٹا کارخانے میں کام کرنے چلے گئے چھوٹا بچہ گلی میں اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

بوڑھی عورت ایک بہت ہی خستہ حال پھٹا ہوا لبادہ درست کر رہی تھی، یہ لبادہ یی فو کا تھا جو اوپر چھت پر رہتا تھا تیہ کی بیوی بھی کارخانے میں کام کرتی تھی۔ دوپہر اور شام کو جو تھوڑی دیر کی فرصت ملتی تو وہ گھر کا روٹی پانی کرتی اور برتن وغیرہ دھوتی بیچاری کو پھٹے پرانے کپڑے درست کرنے کا وقت ہی کہاں ملتا!

بوڑھی عورت کام کرتے کرتے چونک اُٹھتی تھی اور کچھ بے چین سی ہو جاتی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی سے باتیں کرے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ بھلا کس سے باتیں کرتی۔ کس سے التجا کر سکتی؟ اس کا اپنا بیٹا ہی اُسے کوئی خاص اہمیت نہ دیتا۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی تو اچھی طرح نہیں سمجھتی تھی کہ آخر وہ چاہتی کیا ہے۔ وہ بڑی دیر تک یونہی اکیلی بیٹھی محسوس کرتی رہی کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ لیکن باوجود اس کے اُسے ایک خاص قسم کا غم ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی وہ برابر اس چیز کے متعلق سوچتی رہی۔ یکایک اُس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے وانگ کی بیوی کو آواز دی جو پڑوس میں ہی رہتی تھی۔

وانگ-یو پو-لکڑی کے ٹب پر جھکی ہوئی کپڑے نچوڑ رہی تھی۔ ماں قریب ہی کھڑی تھی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد تکلف بغیر کچھ سوچے سمجھے کہنے لگی "کیا تمھیں مُقام دائمی افراط' یاد ہے۔؟ ایں یاد ہے وہ جب ہم ایک دفعہ کھانا کھانے گئے تھے؟

"ہائے' توبہ کرو میں بھلا کیسے بھول سکتی ہوں۔ کیسی اچھی جگہ تھی۔ ہر ایک پکاتا تھا اور ہر ایک کھاتا تھا جسکے پاس جو کچھ تھا، اس میں سب کا حصہ تھا۔ ہاں! میں نے اسوقت سوچا کہ اگر سب لوگ اسی طرح رہنے لگیں تو زندگی ایک نعمت ہو جائے۔"

وانگ کی بیوی کام کرتے کرتے رک گئی۔ اور ماتوں سے اپنے بھیگے ہاتھ پونچھ ڈالے۔ اتنے میں تی-کی بیوی جو بہت بوڑھی تھی اور برابر والے گھر میں رہتی تھی آپہونچی اور پرجوش لہجے میں بولی۔

"اوئی بہن سچ پوچھو، تو پہلے پہلے تو ہمیں اس بات کا یقین بھی نہیں آیا تھا۔ ہر شخص یہی کہہ رہا تھا کہ آہ-سان جھوٹ بکتا ہے۔ اور تو اور ہمیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر بھی یقین نہ آتا تھا اس لئے جب تک اُنھوں نے خود ہمیں بلایا نہیں کھانے کی ہمت نہ ہوئی افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ سب اتنی جلد ختم ہوگیا۔ پولس والے اور جاسوس وہاں بھی پہونچ گئے اور اُنھوں نے جھاڑو سے لیکر چولہے اور کیتلی تک توڑ پھوڑ ڈالی۔

"کیا روٹی کھانا بھی جرم ہے؟ تم ہی بتاؤ؟ ان کو موت آئے ——" جانتی ہو، ان سب چیزوں کے لئے روپیہ کس نے دیا تھا؟" آہ-کو کی ماں نے زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ اور لو جانونگی کیوں نہیں۔ اسی رئیس نے دیا تھا۔ بھلا سا تھا، اُس کا نام ہاں-کیو۔ بیچارہ کو اس کے بعد ہی پولس نے شہر سے نکال دیا۔"

کیا اس کا نام کیو تھا۔ ایں؟ اس کے پاس وہ روپیہ کہاں سے آیا؟ کیا تم خیال کرتی ہو کہ ایک رئیس آدمی ایسے کام کریگا؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ نہیں تو وہ ہمیں کام ضرور دیتا۔ لو سنو، میں بتاتی ہوں۔ یہ روپیہ دراصل آیا تھا ——" اسنے آواز کو دھیما کر دیا اور ایک ایک لفظ نہایت احتیاط سے ادا کیا۔

"اے۔ ہے کیا سچ مچ؟ وانگ اور تی کی بیوی نے تعجب خیز لہجے میں ایک ساتھ کہا؟ "یہ ایک آدمی کا روپیہ نہیں تھا" آہ-فو-کی ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'ایک آدمی کا نہیں بلکہ بہت سوں کا۔ سیکڑوں، ہزاروں کا، لوگوں نے ایک بہت بڑی رقم جمع کی اور لڑائی کے موقع پر شنگھائی بھیجی۔ اس رقم میں سے' تم سمجھیں تھوڑا روپیہ ہمارے پاس آیا۔ کیونکہ ہم نے جاپانیوں کے کارخانے میں ہڑتال کر رکھی تھی۔ اور جاپانی فوجی دستے شنگھائی پر حملہ کر رہے تھے ہمارے پاس چونکہ کچھ کھانے کو نہیں تھا اس لئے وہ سب ملکر ہمیں کھانے کو دے رہے تھے۔"

اچھا یہ بات تھی! بہن ہونا بھی ایسا ہی چاہئے۔ غریب ہی غریب کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ کیو ایسا بیوقوف تھوڑی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی دولت ہم لوگوں پر خرچ کرے۔ اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمھیں یہ سب کچھ معلوم کیسے ہوا؟"

آہ-فو-کی ماں اسوقت تو اپنے بیٹے کے اُس برتاؤ کو بھی بھول گئی کہ اس نے اسے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔ اور اپنی معمولی معمولی باتیں بھی اُسے نہیں بتاتا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ کم از کم اسوقت تو بہت سی چیزوں پر اس کی رائے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ یہ تمام باتیں نہایت شان سے بتا رہی تھی۔

"پہلے میں بھی ان باتوں کو نہ جانتی تھی۔ اور میری حالت بھی اُس آدمی کی طرح تھی جو ایک بڑے ڈھول میں سوتا رہا ہو۔ لیکن پھر مجھے ان چیزوں کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوئیں اور پھر میں نے سنا کہ اُنھیں ایک جگہ فتح بھی ہوئی ہے اور اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہمارے آدمی ان لوگوں کو مبارکباد کے طور پر کچھ تحفے بھیجنے کی سوچ رہے ہیں ——"

"سچ مچ! یہ تو بہت ہی اچھا ہے، اُنھوں نے ہماری مدد کی تھی اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی مدد کریں۔" بوڑھی عورت تی بیچ میں بول اٹھی جیسے کہ وہ اپنی ساری زندگی میں اسی طرح کے صحیح نتائج اخذ کرتی رہی ہو

"لیکن کون جانے وہ شنگھائی میں کب داخل ہونگے؟" وانگ کی بیوی یہ صحیح طور پر معلوم کرنا چاہتی تھی۔

"تم یقین کرو، وہ ضرور آئیں گے۔ ایک نہ ایک دن ضرور آئیں گے لیکن کتنی جلد؟ اس کا دارومدار ہم پر ہے۔ اگر ہم اُن سے کہیں کہ ہم اُنھیں بہت جلد دیکھنا چاہتے ہیں، اگر ہم اُنھیں کچھ بھیجیں، اگر ہم اُنھیں ایک تار بھیجیں تو وہ اور بھی جلد آجائیں گے۔ اور اگر اُنھیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم لوگوں پر یہاں مصیبت ٹوٹ رہی ہے تو یقیناً وہ یہاں چلے آئیں گے۔"

بوڑھی عورت وانگ کی بیوی کو سمجھا رہی تھی گویا کہ وہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی اور اُن کی باریکیوں سے خوب واقف تھی۔ حالانکہ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اُس نے کسی کی زبانی سنا نہیں تھا۔ بلکہ وہ اُس کے اپنے تصورات تھے جنھیں وہ صحیح سمجھتی تھی۔ اسی لئے اُسے یقین تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے ٹھیک ہے۔

تی-کی بیوی نے کہا "میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے پاس کچھ نہ کچھ بھیجنا ضرور چاہئے۔ کچھ پرواہ نہیں، وہ کیسا ہی ہو، اگر ہماری نیت اچھی ہے تو وہ ہم پر ہنسینگے نہیں۔ کیوں، میں ٹھیک کہتی ہوں نا؟"

اسپر بوڑھی عورت بہت زیادہ خوش ہوئی اور وانگ کی بیوی نے بھی اظہار رضامندی کیا۔ لیکن کیا چیز خریدیں؟ یہ ایک سوال تھا؟

وہ تھوڑے سے ہی پیسے جمع کرسکتی تھیں۔ اِن پیسوں میں وہ کیا کیا خریدیں گی۔ یہ خیال اُنھیں بہت زیادہ پریشان کر رہا تھا۔ آخرکار۔ تی۔ کی بیوی نے رائے دی کہ اس کام میں اُنھیں کچھ اور عورتوں کو بھی شامل کرنا چاہئے تاکہ یہ کام آسانی سے انجام پاسکے۔ یہ بات طے پا جانے پر وہ بچوں کی طرح خوش خوش ایک دوسرے سے جدا ہوئیں ان کے جھری دار چہروں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اور ان کے پوپلے منہ میں سے اکے دکے دانت دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اور عورتوں کو اس چیز میں شامل کرنے کے لئے روانہ ہوگئیں۔

-:(۳):-

اب ان تمام عورتوں کو ایک نیا کام مل گیا تھا۔

ان میں سے تین بوڑھی عورتیں کپڑا خریدنے گئیں اور دو تاگا خریدنے کے لئے بھیجی گئیں۔ لیکن تاگا تین پیسے فی گچھی کے حساب سے نہ مل سکتا تھا اس لئے ان تاگا خریدنے والیوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنی بہوؤں سے کچھ پیسے مانگیں، اگر اس پر بھی کافی نہ ہوں تو وہ اور عورتوں سے بھی چندہ لیں۔ وہ اپنے پیسے اسی طرح احتیاط سے لپیٹے ہوئے واپس آئیں۔ کپڑا خریدنے والیاں یہ طے نہ کرسکیں کہ کس قسم کا کپڑا خریدیں اور ایک دوکان سے دوسری دوکان پر ماری ماری پھرتی رہیں۔ خدا خدا کرکے اُنھیں ایک دوکان پر ایسا کپڑا ملا جو ان کی رائے میں اس کام کے لئے کسی حد تک موزوں تھا۔ اور اُنھوں نے کچھ سوچ کے بجھکتے ہوئے پیسے گننا شروع کئے۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور اُنھیں اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ اگر کہیں کپڑا اس کام کے لئے ٹھیک نہ نکلا تو انھیں کتنی خفت ہوگی!

"اس سے ہمارا کام چل جائیگا۔ اَب زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں نو آنے فٹ کے حساب سے ملیگا۔"

دوکاندار یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس مقصد کے لئے کپڑا لے جا رہی ہیں۔ لیکن بوڑھی عورتوں نے کچھ نہ بتایا۔ اور دل ہی دل میں مسکراتی رہیں۔

"اچھی بات ہے۔ یہی ٹھیک رہیگا۔ دو فٹ کافی ہوگا؟"

"ہاں، دو فٹ کافی ہوگا۔ اور ہم دوکاندار سے کہیں گے کہ وہ تھوڑا سا اپنی طرف سے دیدے۔"

"لوٹ ہے بِن لوٹ! ایک فٹ لال کپڑے کی قیمت نو آنے، اندھیر نہیں تو اور کیا ہے!"

وہ اپنا خریدا ہوا کپڑا اس احتیاط سے چھپا کر لئے جا رہی تھیں گویا کسی شہنشاہ کے ہیروں کا ڈبہ ہو،

ایک درجن یا اس سے کچھ زیادہ عورتوں نے بیٹھکر یہ طے کرنا شروع کیا کہ کام کس طرح شروع کیا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ کپڑے کے صرف ایک کونے پر "ہنسیا اور ہتھوڑا" بنایا جائے۔ انھوں نے دوسری عورتوں کو بھی "ہنسیا اور ہتھوڑا" بناتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور چونکہ وہ تحفہ تھا اس لئے ان کا خیال تھا کہ یہ بالکل ٹھیک ہوگا۔ اُنھوں نے تھوڑے سے پیسے اور جمع کئے اور ان میں سے چند تھوڑا سا کالا کپڑا خریدنے گئیں۔

خدا خدا کرکے کام ختم ہوا۔ ہنسیا اور ہتھوڑا، جس جگہ بننا چاہئے تھا اس سے ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ اور سوئی کا کام بھی بہت ٹھیک نہیں تھا۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کا دل بہت خوش تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ تحفہ کو دیں دیر تک اس کو دیکھتی رہیں، اس کے بعد دیر تک بیٹھی ہوئی اپنی اُمیدوں کے بارے میں باتیں کرتی رہیں: "ذرا سوچو تو۔ شنگھائی میں تو بالکل ہی ایک دن میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اس پر تنخواہ بھی بہت زیادہ ملتی ہے۔ اتوار کو چھٹی۔ اور بالکل مفت تھیٹر دیکھنے کے لئے باکس میں بیٹھنے کو ملتا ہے ——"

آہ۔ تو کی ماں تحفہ پیش کرنے کے لئے چن گئی اور اُس نے اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ اس تحفہ کو احتیاط سے پہونچا دے گی۔ لیکن اس پر بھی ان میں سے کچھ ایسی ضرور تھیں جن کے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی "کیا واقعی وہ ہم جیسی بوڑھی عورتوں کا تحفہ قبول کرلیں گے؟"

-:(۴):-

آہ۔ تو۔ اُسی آدمی کے ساتھ پھر گھر میں آیا جیسے ہی اُس نے سیڑھی پر اُنکے قدموں کی چاپ سنی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور وہ ہاتھ جس میں وہ سوئی لئے ہوئے تھی تیزی سے کانپنے لگا۔ اس کی اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ وہ وہیں اسی طرح چپ چاپ بیٹھی رہی۔

"ماں، ذرا باورچی خانہ میں چلی جاؤ"

وہ چاہتی تھی کہ اُس کا محبت سے جواب دے، لیکن اس کے منھ سے نہ معلوم کیوں ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اُس نے اپنے چیتھڑے باندھ کو اور اس کا ہاتھ اس قیمتی پلندے پر پڑا۔ اُس نے اس آدمی کو دیکھنے کے لئے اپنا سر اٹھایا۔ اور اسے اس کی نظروں سے ہمدردی ٹپکتی ہوئی معلوم ہوئی جس سے اس کی ہمت بڑھی۔ سیڑھی کی طرف جاتے ہوئے جب وہ اُن کے پاس پہونچی تو ذرا جھجکی۔

"کیوں، ماں کیا بات ہے؟" آہ تو نے اپنی ماں کی عجیب و غریب حرکات کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ لوٹی اور آہ۔ تو۔ کے ساتھی کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ تحفہ کو اپنی چھاتی کے نیچے سے نکال کر اس کو بڑی ہمت سے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ان کے لئے ہے، اُنھیں ہماری طرف سے یہ تحفہ پیش کردینا۔"

"اُنھیں، اُنھیں کنھیں؟"

"تم تو جانتے ہی ہو! ارے وہی! جن کی بابت تم اکثر باتیں کرتے رہتے ہو، ہم بوڑھی عورتیں بھی جانتی ہیں.........."

"اوہ!"

"ہم میں سے چودہ عورتوں نے ملکر یہ طے کیا ہے کہ ہم بھی تھوڑی بہت مدد کریں اور یہ ہے"

اس نے اُس پلندے کو کھولا اور خوشی سے اس کے چہرے پر

باقی صفحہ ۱۵ پر

اسپین بارسلونا ۸ مارچ۔ یورپ کے سمندری محاذ پر حکومت کے ایک تباہ کن جہاز نے ایک باغی جنگی جہاز میں تارپیڈو سے آگ لگا دی اور بمبار ہوائی جہازوں نے بم مار کر اسے ڈبو دیا۔ ابھی تک اس جہاز کے نام کا ٹھیک ٹھیک نہیں چلا ہے۔ کچھ لوگ اسے بلیلیا رس کہتے ہیں اور کچھ کانا ریاس بتاتے ہیں۔ یہ دونوں جہاز بالکل یکساں ہیں۔

جبرالٹر کی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ برطانوی جہازوں نے باغی جہاز کے سو سے اوپر آدمیوں کی جانیں بچائیں۔ برطانوی جہازوں پر کوئی بم نہیں گرا لیکن پانی میں ایک بم پھٹنے سے بوریاس نامی جہاز کا ایک آدمی مر گیا اور تین زخمی ہوئے۔

چین و جاپان۔ اندرونی منگولیا کی سرحد پر ایک نیا محاذ بن گیا ہے۔

پاؤٹو کی طرف جاپانی فوج گھس آیا اور دو مغربی صوبوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی تھی یہ خبر سنکر چینیوں کی ایک فوج ووئیوآن سے پاؤٹو پہنچ گئی اور اسپی کے ریگستان میں اس نے جاپانیوں کو روک لیا گو کہ اب دکھنی شانسی کے تمام خاص خاص شہر جاپانی قبضہ میں ہیں لیکن چینی فوجی حلقہ میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے چینی مغرب کی طرف دب رہے ہیں تاکہ جاپانی فوج پر پیچھے سے حملہ کریں۔

۵ مارچ کو جاپانی ہوائی جہازوں نے چنگ چو کے جنکشن پر حملہ کیا چینیوں نے انکا مقابلہ کیا۔ پانچ ہوائی جہاز ٹوٹ گئے اور ایک توپ سے اڑا دیا گیا اور ہوا باز گرفتار کر لیا۔

سوویٹ روس میں سازش۔ روس میں ایک زبردست سازش کا انکشاف ہوا ہے جمیں ۲۱ مشہور ساویٹ لیڈر اور بڑے بڑے ڈاکٹر ماخوذ ہیں۔

۲ مارچ کو زار کے زمانہ کے ناچ گھر میں ان لوگوں کا مقدمہ شروع ہوا۔ عمارت کے چاروں طرف بہت بڑا مجمع اکٹھا تھا اور "فسطائی غدار مردہ باد" کے نعرے لگا رہا تھا۔

ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں ایک دشمن فسطائی حکومت کے کہنے پر سوشلسٹ حکومت کو مٹانے اور یوکرین۔ جارجیا۔ اور آرمینیا کے صوبوں کو ساویٹ متحدہ سے علیحدہ کرنے کی سازش کی تھی اور کئی نے (جنمیں ٹراٹسکی بھی شامل ہے) برطانوی خبر رساں سروس اور جرمنی کی خفیہ پولیس سے ساز باز کر رکھی تھی۔ ایم رازنگولز پر جاپانی جاسوس ہونے کا بھی الزام ہے۔

۳ مارچ کو عدالت میں برطانوی سفیر کے سامنے ایم۔ آئیوانوف نے جو پہلے صنعتی لکڑی کی صنعت کے کمشنر تھے شہادت میں کہا کہ بخارین نے ۳۳ء میں انکو ہدایت کی تھی کہ وہ برطانوی خبر رساں سروس سے تعلقات بڑھائیں۔ بخارین نے کہا تھا کہ "ہم نے انگلستان سے معاہدہ کر لیا ہے کہ ساویٹ راج کو الٹ دیں۔"

ایم آئیوانوف نے کہا "ہم نے انگریزوں کی تائید حاصل کرنے کے لئے انکے ہاتھ لاکھوں کی لکڑی بہت کم قیمت پر فروخت کر دی۔"

۴ مارچ۔ ایم رائیکوف نے جو ساویٹ جمہوریہ کے سابق وزیر اعظم ہیں اقرار کیا کہ انھوں نے بخارا شہر کو ساویٹ اور برطانوی حکومت کے درمیان علیحدہ رکھنے کی سازش کی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ایم راکوزلے برطانوی محافظت میں ازبکستان کو آزاد ریاست بنانے کی ذمہ داری لی تھی۔

ایم روزنگولز نے جو پہلے لندن میں سفیر تھے بیان کیا کہ انھوں نے گذشتہ سال کریملن پر قبضہ کرنے اور ساویٹ افسروں کو قتل کر دینے کی سازش کی تھی۔

ایم شرن گودچ نے بیان کیا کہ ۱۹۳۳ء سے انکا تعلق پولینڈ کی خبر رساں سروس سے ہے جسکا کام یہ ہے کہ سفید روس جمہوریت کو ساویٹ سے علیحدہ کر کے وہاں پولینڈ کے ماتحت متوسط طبقہ کی حکومت قائم کرے۔ انھوں نے ۱۹۳۶ء کی ایک زبردست سازش کا تذکرہ کیا جو مارشل ووروشیلاف کو قتل کرنے کے لئے کی گئی تھی یہ سازش سفید روسی فسطائیوں نے پولینڈ کی خبر رساں سروس کی ہدایات پر مرتب کی تھی۔

۵ مارچ۔ راکووسکی سابق سفیر لندن نے بھی اقرار کیا کہ انکا تعلق برطانوی خبر رساں سروس سے ہے انھوں نے جاپانی جاسوس ہونے کا بھی اقرار کیا اور بتایا کہ جاپان کو روس کے خلاف ابھارنے کے لئے وہ روس کی تاریک سے تاریک تصویر میں کھینچتے رہے ہیں۔

انگلستان اور اٹلی کی بات چیت۔ لندن۔ ۳ مارچ۔ لارڈ پرتھ جو اٹلی میں برطانیہ کے سفیر ہیں۔ آجکل لندن آئے ہوئے ہیں اور اٹلی سے صلح کی بات چیت کرنے کی بابت کابینہ سے مشورہ کر رہے ہیں لارڈ پرتھ سنیچر کو لندن روانہ ہو جائیں گے اور آئندہ ہفتہ روم میں باقاعدہ گفتگو شروع ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں اسپین کے والنٹیروں کے مسئلہ کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے مگر اس میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جرمنی اور اٹلی یہ چاہتے ہیں کہ والنٹیروں کو واپس بلانے والے کمیشن کے روانہ ہوتے ہی تمام بحری اور بری راستوں پر پہلے کی طرح پابندیاں لگا دی جائیں فرانس اور روس کی خواہش ہے کہ اس طرح کی کوئی کارروائی اسوقت تک نہ کی جائے جبتک کہ والنٹیروں کی واپسی شروع نہ ہو جائے۔

یکم مارچ کو دارالعوام میں وزیر اعظم نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مسٹر ایڈن سابق وزیر خارجہ کے کسی بیان سے ملک معظم کی حکومت پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی کہ وہ اٹلی سے صلح کی کوئی گفت و شنید اس وقت تک نہ شروع کرے جبتک کہ اٹلی میں برطانیہ دشمن پروپیگنڈا ترک نہ کر دیا جائے۔

اٹلی اور برطانیہ کی ہم رنگی۔ سالسبری میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر بٹلر نائب وزیر خارجہ نے برطانیہ اور اٹلی کے مشترکہ مفاد پر بہت زور دیا اور کہا کہ بحر روم اور بحر احمر میں ہم دونوں کے رسل و رسائل بالکل ایک دوسرے سے متعلق ہیں اور عقل کا تقاضا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہم اپنی سلطنت کے مفاد کی خاطر کوئی عہد نامہ کر لیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری کوششیں سلطنت کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوں گی۔

ہندوستان کے اندر

ہمارے صدر

سبھاش چندر بوس صدر کانگریس ۸ر مارچ کو وارد مدراس ہو گئے۔ شام کو آپ نے سیٹھ جمنا لال بجاج کی زیر صدارت ایک جلسہ میں تقریر کی۔ کانگریسی وزارتوں اور فیڈریشن کی بابت ہری پورہ کانگریس کی قراردادوں کی وضاحت کرتے ہوئے صدر کانگریس نے کہا کہ وائسرائے اور گورنروں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان کو پبلک کے دباؤ کے سامنے جھکنا پڑا۔ انھوں نے بتایا کہ ہماری عدم تشدد کی لڑائی میں گاندھی اروِن پیکٹ کے بعد پبلک کی یہ پہلی فتح ہے۔

"ہماری وزارتیں حکومت برطانیہ کے ساتھ جس نے ہماری مرضی کے خلاف ہم پر ۱۹۳۵ء کا قانون لادا ہے آئینی لڑائی لڑ رہی ہیں ہم کو فیڈریشن کی مخالفت کرنی چاہئے اور جب تک سوراج حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوراج اُسی وقت ممکن ہے جب ہم متحد اور منظم ہو جائیں اور لڑائی جاری رکھنے کا ارادہ مصمم کر لیں۔"

آخر میں سبھاش چندر بوس نے کہا کہ سب لوگوں کو کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا چاہئے اور آپس کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو اصل طاقت حاصل کرنے کے لئے کندھے سے کندھا جوڑ کر لڑنا چاہئے۔

۱۰ر مارچ کو صدر کانگریس ناگپور گئے یہاں اخباروں کے نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ بنگال یا آسام میں کانگریس مشترکہ وزارت اسی وقت بنا سکتی ہے جب دوسری پارٹیاں بھی کانگریس کے پروگرام کو منظور کر لیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ذاتی حیثیت سے مشترکہ وزارت کے لئے زیادہ فکرمند نہیں ہیں کیونکہ ایسی وزارت اتنی مضبوط نہیں ہو سکتی جتنی ایک خالص کانگریسی وزارت۔ فیڈریشن کی مخالفت کرتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے کہا کہ اس کو روکنے کے لئے کانگریس کو ستیہ گرہ سے کام لینا پڑے گا۔

صدر کانگریس ۸ر مارچ کو واردھا میں مہاتما گاندھی سے باتیں کر کے ۹ کو کلکتہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

مرکزی اسمبلی کا مالیاتی اجلاس۔ ۲ر مارچ کو بھولا بھائی دیسائی لیڈر کانگریس پارٹی نے مرکزی اسمبلی میں اعلان کیا کہ چونکہ حکومت نے اس دستور کی خلاف ورزی کی ہے جو ۱۹۲۴ء سے چلا آرہا تھا۔ اور جس کی رو سے اسمبلی کو امور خارجہ کے اخراجات اور فوجی میزانیہ پر ووٹ کے ذریعہ اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق ہے اس لئے بطور احتجاج کانگریس اور تمام مخالف پارٹیوں نے یہ طے کیا ہے کہ وہ مطالبہ کو بغیر کوئی تقریر کئے مسترد کر دینگے انھوں نے بتایا کہ وہ ووٹ کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں کیونکہ اسمبلی میں بار بار حکومت کے خلاف ووٹ پڑنے سے غیر ذمہ دار حکام کے دماغوں کا زنگ صاف ہوتا رہتا ہے۔

سرکاؤس جی جہانگیر، سر یامین خاں، مسٹر اینے اور سر سرور ڈی سے نے بھی بھولا بھائی کی تائید میں تقریریں کیں۔

سر جیمس گرگ ممبر مالیات نے جواب میں کہا کہ مخالف پارٹی کا احتجاج کس چیز کے خلاف ہے وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مخالف پارٹی کی شکایات یا تو بالکل بے بنیاد ہیں یا اور ایسی ہیں جو ۲۰ سال سے چلی آرہی ہیں اور فی الفور نہیں رفع کی جا سکتیں۔

اسکے بعد صدر نے اعلان کیا کہ اب بجٹ پر بحث شروع ہو گی۔ لیکن کوئی ممبر تقریر کرنے نہیں کھڑا ہوا اس پر صدر نے اگلے روز کے واسطے اجلاس ملتوی کر دیا۔

۴ر مارچ کی نشست میں صرف ۳۰ آدمی موجود تھے کیونکہ مخالف پارٹی نے بجٹ کا بائیکاٹ کیا تھا اس لئے ایجنڈا تبدیل کر دیا گیا اور سر سرکار نے جائداد پر ہندو عورتوں کے حقوق کا بل پیش کیا اور اس کے بعد ریلوے بجٹ پر بحث ہوئی۔ ۹ر مارچ کو مزدوروں کے معاوضے کے قانون میں ترمیم کرنے کا بل پیش ہوا اور پاس ہو گیا۔

۵ر مارچ کو مطالبات کی مدیں پیش کی گئیں۔ مخالف پارٹی نے کسی تقریر کے بغیر ۵ مدیں مسترد کر دیں۔

ممبروں میں بہت زیادہ جوش تھا اور مخالف بنچوں سے "گرگ استعفا دو اور سیدھے چلے جاؤ" "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی چھوڑ دو" "رام نام ست ہے" اور اسی قسم کے دوسرے آوازے کسے جا رہے تھے۔

۸ر مارچ کو بقیہ ۳۰ مدیں پیش ہوئیں اور سب کی سب مسترد کر دی گئیں۔

کونسل آف اسٹیٹ۔ ۸ر مارچ کو کانگریس اور ترقی پسند پارٹی کے ممبر اسمبلی کی ہمدردی میں ایوان چھوڑ کر چلے گئے۔ مخالف پارٹی کے لیڈر نے کہا کہ انھیں کبھی بھی اس پر ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔ لیکن مرکزی حکومت کا جزو ہونے کی حیثیت سے کونسل آف اسٹیٹ اسمبلی کی ہمدردی میں ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔

مدراسی حکومت کی ستیہ گرہ۔ ۱۵ر مارچ کو مدراس اسمبلی میں اس حملہ کا جواب دیتے ہوئے کہ کانگریسی وزارت بالکل گورنر کے ہاتھ میں ہے۔ راجگوپال اچاریہ وزیر اعظم نے کہا "میں گورنر کے ساتھ ستیہ گرہ کے اصول پر برتاؤ کر رہا ہوں اور عدم تشدد کے ہتھیار کو برطانوی نظم و نسق میں بھی استعمال کر رہا ہوں"۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا تھا کہ شراب بندی کر کے حکومت نے اپنی آمدنی میں کمی کر دی تھی اور اس طرح گویا اس نے اس مرغی کو مار ڈالا جو سونے کا انڈا دیتی تھی۔ اس کے جواب میں وزیر اعظم نے کہا "میرے لئے ملک کے غریب مزدور اور کسان مرغی ہیں جنکی محنت سونے کا انڈا ہے اور اس مرغی کو مارنے کے بجائے میں تو اس کی حفاظت اور بہبودی کے لئے کوشش کر رہا ہوں"۔

پنجاب میں آزادی کی رفتار۔ ۱۴ر مارچ کو پنجاب اسمبلی میں وزیر اعظم کی غیر موجودگی میں سردار اجل سنگھ پارلیمنٹری سکریٹری نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ صوبجاتی خود مختاری سے اب تک حکومت پنجاب نے ۳۴ اشخاص کو قابل اعتراض تقریریں کرنے کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ ان میں ۱۲ کو سزا ہو گئی اور ایک کو چھوڑ دیا گیا۔

کانگریس کی جیت۔ آسام اسمبلی کے چھوٹے الیکشن میں مسٹر بشنو رام میدھی صدر آسام صوبائی کانگریس کمیٹی کو ۲۳۴۵ ووٹ ملے اور ان کے مخالف کو صرف ۱۱۷۔ مسٹر بسنت چودھری کی ضمانت تک ضبط ہو گئی۔

(باقی صفحہ ۱۲)

مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آہ۔ تو۔ جوش میں آکر چیخا۔

"تو کیا تم بوڑھی عورتوں نے اسے بنایا ہے؟"

وہ خوشی اور فخر کے ملے جلے جذبات سے کانپنے لگی۔ جواب دینے کے لئے اس نے جب اپنا سر ہلایا تو وہ اپنی کامیابی پر مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔

"ہمیں امید ہے کہ وہ جلد ہی آئیں گے ———"

"لیکن ماں! تمھیں اس بات کا پتہ کیسے چلا؟"

"میں نے تم لوگوں کو باتیں کرتے سنا تھا اور میں سمجھ گئی"۔ اس نے کھل کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اب بالکل مطمئن تھی۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا" انھوں نے مسرت سے قہقہہ لگایا۔ لیکن جونہی بوڑھی عورت نے انھیں اس طرح ہنستے ہوئے دیکھا۔ اس کی بےچینی پھر واپس آگئی۔ آخرکار اس نے بڑی ہمت کرکے ایک سوال پوچھا۔

"اچھا، ایک بات تو بتاؤ۔ کیا تمھاری انجمن میں بوڑھی عورتیں بھی داخل کی جاتی ہیں؟"

"تم جیسی چالباز عورتیں نہیں" آہ۔ تو نے ہنستے ہوئے کہا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا "ہماری انجمن میں بوڑھی عورتیں ہی کیا ساری دنیا داخل ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں"

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اچھا مجھے اتنا اور بتا دو کہ وہ چاہتے کیا ہیں، ہم بوڑھی عورتیں وہی کریں گی۔ ہم میں سے کم از کم بیس بائیس ایسی ضرور ہیں کہ جب ضرورت ہوگی آجائیں گی"

"اوہو، ہو، ہو، بہت خوب، بہت خوب!"

اتنے میں ایک ایک کرکے اور عورتیں بھی اس کمرے میں جمع ہوگئیں وہ بھی اس قصے کو سننا چاہتی تھیں۔ بوڑھی عورت کے چہرے کی تمام جھریاں کھال خوشی کے مارے تمتما اٹھی اور وہ اپنے جھنڈے سمیت سیڑھی کی طرف چل دی۔

"بھئی یہ خوب رہا۔ بہت خوب" اس نے دونوں نوجوانوں کو ہنس کر کہتے ہوئے سنا "یہ بوڑھی عورتیں تو واقعی اپنے آپ کو منظم کر رہی ہیں"

اس نے ان دونوں کی طرف چمکتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور ایک آخری نظر جھنڈے پر ڈالی۔ لال زمین پر کالے رنگ کا ہنسیا اور ہتھوڑا خوب کھل رہا تھا۔

اس کے بعد اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ سیڑھی پر سے کیسے اتری۔

(ترجمہ شاہد لطیف)

یو۔ پی گورنمنٹ آرٹس اینڈ کرفٹس امپوریم

حضرت گنج لکھنؤ

میں ہر قیمت اور ہر مذاق کی چیزیں ملتی ہیں۔ کام کی چیزیں، آرائش کا سامان، تحفوں کے لئے آرٹ کے نمونے، ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا۔ اور گاؤں کی تیار کی ہوئی چیزیں۔

ہماری باتصویر فہرستیں طلب کیجئے اور جب لکھنؤ آئیے تو ہمارے یہاں ضرور تشریف لائیے۔

منیجر

چند ضروری کتابیں

(۱) آل پارٹیز کانفرنس (۱۹۲۸ء) کمیٹی کی رپورٹ کا تتمہ۔

(۲) آل پارٹیز کانفرنس (۱۹۲۸ء) کمیٹی کی رپورٹ مع کارروائی اجلاس

(۳) قوم کی آواز (مہاتما گاندھی کی گول میز کانفرنس والی تقریریں اور ان کے سفر لندن کے حالات) مرتبہ راجگوپال اچاریہ و جے۔ سی کمارپا۔ مترجمہ سید عابد حسین۔

(۴) کانگرس کی تاریخ (پٹابھی سیتارامیہ)

(۵) میری کہانی (جواہر لال نہرو) حصہ اول

(۶) " " " حصہ دوم

(۷) ہندستان میں زراعت کا مسئلہ (زین العابدین احمد۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لندن) ۴؍

(۸) مسلمانوں کے افلاس کا علاج۔ اور ہمارا انتخاب (سید محمد احمد کاظمی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) ۲؍

(۹) مسلمانوں کی بربادی موجودہ نظام حکومت میں (سید طفیل احمد علیگ) ۳؍

(۱۰) صنعت و حرفت کی بربادی موجودہ نظام حکومت میں (سید طفیل احمد علیگ) ۲؍

(۱۱) کسان کے مطالبات (حصہ اول) از چودھری مختار سنگھ۔

(۱۲) دستور اساسی انڈین نیشنل کانگرس ۲؍

(۱۳) خطبہ صدارت فیض پور کانگرس (جواہر لال نہرو)

(۱۴) مسلمان کا روشن مستقبل (مؤلفہ سید طفیل احمد علیگ)

(۱۵) خطبہ صدارت آل انڈیا کنونشن دہلی

(۱۶) کانگرس بلیٹن (اردو) سالانہ چندہ دو روپیہ (۲؍) انجمنوں سے ۲؍

ملنے کا پتہ

آل انڈیا کانگرس کمیٹی

سوراج بھون۔ الہ آباد

بنگال اینڈ نارتھ ویسٹرن ریلوے

نوٹس

۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء سے بستی پور بھبتیا ہی۔ بانسی سکشن کے اوقات کی تبدیلی کے بارے میں جو نوٹس حال ہی میں دیا گیا تھا وہ منسوخ کیا جاتا ہے۔ اس شاخ پر گاڑیوں کی آمد و رفت کے موجودہ اوقات تا اطلاع ثانی قائم رہیں گے۔

ٹرافک منیجر
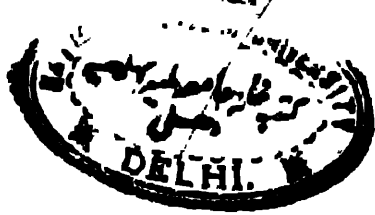
ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام چودھری محمد عاصم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۶ سنیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۱۲ | جمعہ ۲۰ مارچ [illegible] شنبہ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ا رسالانہ ۳ روپے

برطانیہ تباہی کے کگارے پر

اب تک برطانیہ اپنے نفعوں کی حفاظت لیگ اقوام کے ذریعہ کر رہی تھی۔ لیکن اب لیگ اقوام کے دشمنوں یعنی جرمنی اور اٹلی سے صلح کر رہی ہے۔ یہ کیوں؟

فسطائی حکومتیں چھوٹی ہیں اور وہاں کے سب سرمایہ دار ایک سی حالت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے منظم ہیں۔ اور سب کو دھڑکا لگا ہوا ہے کہ ہم ذرا بھی کمزور پڑ گئے تو پریشان حال مزدور فوراً منظم ہو کر صنعتیں ہمارے ہاتھوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔ اسی لئے سرمایہ داروں نے اپنے ملک کو دبانے کے لئے نیز بازار ملک اور کچا مال تلاش کرنے کیلئے منظم حکومت قائم کر رکھی ہے جسکا زور فوج پر ہے۔

برطانیہ کی نوآبادیوں کے سرمایہ دار آپس میں مقابلہ پر ہیں۔ وہ اسطرح نہیں مل سکتے جیسے فسطائی ملکوں کے سرمایہ دار۔ برطانیہ سخت سے سخت قانون بیچ کر بھی وزیر اعظم نے اپنی نوآبادیوں کی دہائی دی۔ مگر جواب میں سرد مہری ملی۔

برطانیہ کا خاص غلام ملک، ہندستان منظم بغاوت کر رہا ہے۔ اور دھڑکا ہے کہ ادھر کسی لڑائی میں برطانیہ گھری اور ادھر یہاں کی آزادی کی تحریک آندھی اور طوفان کی طرح بڑھی۔

برطانیہ کی فوجی طاقت بہت زیادہ ہے، لیکن ان کمزوریوں کی وجہ سے بے بس ہے۔ اس وجہ سے اور بھی مجبور ہے کہ اسکے ہاتھ پیر دور دور پھیلے ہوئے ہیں اور ایک ہی وقت میں سب کو محفوظ رکھنا غیر ممکن نظر آتا ہے۔

فسطائی طاقتوں کی برطانیہ سے مختلف غرضیں ہیں، اٹلی حبشہ کے قبضہ کو تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اور اس کی صنعت بندی کے لئے روپیہ چاہتا ہے، مسولینی وہاں کے آس پاس کے اسلامی ملکوں کی ہمدردی "اسلام پناہ" بنکر جیت لینا چاہتا ہے، اور ان ملکوں پر مستقل قبضہ رکھنے کے لئے، اور اپنی حفاظت کے لئے بحیرہ روم میں مستقل اختیارات چاہتا ہے۔ اس غرض سے اسنے برطانیہ کو عجب طرح سے دھمکایا۔ بحیرہ روم میں ایسی مار دھاڑ مچائی کہ برطانوی بیڑے سے کئے کچھ نہ ہو سکا اور اسکی ساکھ پر سخت چوٹ پہنچی۔ برطانوی عربی غلام ملکوں میں ریڈیو کے ذریعہ خوب باغیانہ خیالات پھیلائے۔ دوسرے برطانوی اسلامی ممالک میں بھی عجیب عجیب برطانیہ دشمن مسئلے اٹھا کھڑے کئے، برطانیہ کو مقابلے میں ناکامیابی ہوئی۔

جرمنی نے برابر "نوآبادیات، نوآبادیات" کا شور مچا کر آسٹریا پر قبضہ کر لینے کی دھمکی دی۔ برطانیہ کو محسوس ہوا کہ یہ قبضہ ہو کر رہے گا۔ اگر اسوقت میری پالیسی جرمنی دشمن ہوئی اور کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جا سکی تو ساکھ بہت زیادہ گر جائے گی۔

جاپان نے چین کے ساحلوں پر قبضہ کر لیا۔ اور رفتہ رفتہ برطانوی تجارت بیکار ہو کر رہ گئی۔ برطانیہ نے جرمنی، اٹلی، اور جاپان سے صلح کر لی ہے۔ اور اندازہ ہے کہ ان کے سب مطالبات مان لئے ہیں۔

کیا اس سے برطانیہ سنبھل گئی؟ نہیں۔ جرمنی نے آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔ صرف یہی قبضہ کافی ہے اسکو تمام مشرقی یورپ پر اقتدار دینے کے لئے۔ اس کا اثر بغداد اور ایران کی بازاروں تک پہنچے گا۔ جرمنی کی تجارت اور اختیارات، برطانوی تجارت اور اختیارات کو مصیبت میں ڈال دینگے۔

بحیرہ روم حبشہ اور اسلامی ممالک پر مسولینی کا اختیار ماننا۔ برطانوی اختیارات کو کم کر دیگا۔ اب جاپان بلا وجہ چین کی تجارت کیوں دینے لگا۔

اب دنیا کی سیاست فسطائی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جتنا جتنا ان کا زور بڑھتا جائے گا۔ برطانیہ کا زور گھٹتا جائے گا۔

صوبجاتی حکومتوں کے بجٹ

بنگال

تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء

آمدنی	۱۳،۱۳ لاکھ
خرچ	۱۳،۲۵ لاکھ
	۱۲ لاکھ خسارہ

سرا ین۔ این سرکار وزیر مال نے بنگال اسمبلی میں نئے سال کا بجٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ پچھلے بجٹ میں یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ۳۸-۱۹۳۷ء کی ابتدائی بقایا ۹۰ لاکھ اور اختتامی بقایا ۱۲۸ لاکھ ہو جائیگی لیکن تصحیح تخمینہ میں ابتدائی بقایا ۱۰۲ لاکھ اور اختتامی بقایا ۱۹۱ لاکھ ہے۔ اس ۵۳ لاکھ کے منافع کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ سال آمدنی میں ۸۰ لاکھ کا اضافہ اور خرچ میں ۱۴ لاکھ کی بچت ہوئی۔

۳۹-۱۹۳۸ء میں ۱۳،۱۳ لاکھ کی آمدنی اور ۱۳۲۵ لاکھ کے خرچ کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔ پچھلے سال کے مقابلہ میں اس سال آمدنی کم ہونے کی وجہ دنیا کی کساد بازاری ہے۔ یہی سبب ہے کہ زیادہ یقین کے ساتھ جوٹ کی تجارت اور انکم ٹیکس کی آمدنی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

نئے بجٹ میں دیہاتوں میں پانی کا انتظام کرنے۔ دق اور ملیریا کا انسداد کرنے۔ دریاؤں سے آمد و رفت کو آسان بنانے۔ دیہی علاقوں میں بجلی پہنچانے اور آبپاشی کا اچھا بندوبست کرنے پر کافی رقم خرچ کی جائیگی۔ کونسل کی نئی عمارت پر ۱۵ لاکھ اور لیجسلیٹیو محکمہ پر اس سال بجائے ½۱ لاکھ کے ۱۳ لاکھ خرچ ہوگا۔ پردہ دار لڑکیوں کے کالج کے لئے ۱۵ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

آمدنی بڑھانے کے لئے نئے ٹیکس سوچے جا رہے ہیں اور ایک خاص افسر رکھا جائیگا جو خرچ گھٹانے کی ترکیبوں پر غور کر کے حکومت سے سفارش کریگا۔

آسام

	تصحیح شدہ تخمینہ ۳۸-۱۹۳۷ء	تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء
آمدنی	۲۷۸ لاکھ	۲۶۴ لاکھ
خرچ	۲۸۷ ”	۲۶۸ ”
	۹ لاکھ خسارہ	۴ لاکھ خسارہ

اس سال مرکزی حکومت سے نیمیر اوارڈ کے مطابق ۲ لاکھ ۵۶ ہزار ملنے کی امید ہے اور اسلئے خیال ہے کہ اصلی خسارہ تخمینہ سے کسی قدر کم ہو جائیگا۔ امریکا نگ پر مزید محصول کی آمدنی سے اس سال اور سال آئندہ میں ۱۰ ہزار ملینگا۔ مالگذاری سے ۱ کرور ۲ لاکھ اور ۵۰ ہزار کی آمدنی ہوگی۔

لگان کی معافی اور برہمپتر کی وادی میں اضافہ لگان ملتوی کر دینے سے ۱۱ لاکھ کے نقصان کی امید ہے۔

محکمۂ آبکاری اور افیون سے ۳۵ لاکھ ۵۷ ہزار کی آمدنی اور ۴ لاکھ ۸ہزار کے خرچ کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔

۳۸-۱۹۳۷ء کے تصحیح شدہ تخمینہ میں تعلیم کے لئے ۳۴ لاکھ ۵۸ ہزار روپیہ رکھا گیا تھا۔ اس میں اس سال ۵۹ ہزار کا اضافہ کیا گیا ہے اسی طرح محکمۂ طب (میڈیکل) میں ۳۷ ہزار کا اضافہ ہوا ہے۔

۳۸-۱۹۳۷ء میں گورنر کے دورے میں کمی ہو جانے اور کچھ دنوں تک ڈپٹی کیمپ کی جگہ خالی رہنے کی وجہ سے ۱۷ ہزار کی بچت ہو گئی تھی۔ تصحیح شدہ تخمینہ میں لیجسلیٹو اسمبلی و کونسل کے خرچ میں ۱ لاکھ ۳۸ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سال میں اسمبلی کے اجلاس اندازہ سے زیادہ ہوئے اور سفر خرچ وغیرہ میں امید سے زیادہ رقم خرچ ہوئی۔

مدراس

تخمینہ ۳۹-۱۹۳۸ء

آمدنی	۱۵،۹۸،۲۱،۰۰۰ روپیہ
خرچ	۱۵،۹۸،۰۹،۰۰۰ ”
	۱۲،۰۰۰ روپیہ منافع

۳۹-۱۹۳۸ء کی آمدنی کا تخمینہ پچھلے سال کے تصحیح شدہ تخمینہ سے ۵ لاکھ کم ہے۔ اس کے اسباب یہ ہیں:— (۱) مرکزی حکومت کی انکم ٹیکس کی آمدنی میں سے اس سال پہلے سے کم رقم ملیگی۔ (۲) سرکاری جنگلوں میں چرائی کا محصول یکم اپریل سے ۵۰ فیصدی کم کر دیا جائیگا۔ (۳) سیلم کے پاس کے دو ضلعوں میں یکم اکتوبر سے منشیات کا استعمال بند کر دیا جائیگا۔ آمدنی کے ان دو ذریعوں میں تخفیف کر دینے سے اس سال ۱۱ لاکھ اور اس کے بعد ۱۹ لاکھ نقصان ہوگا۔

مالگذاری میں تخفیف کرنے سے ۳ لاکھ کے نقصان کی امید ہے گرمیوں میں پہاڑ پر جانے کے دستور کو ترک کر دینے سے۔ قیدیوں کو قبل از میعاد رہا کر دینے اور سرکاری محکموں میں ملازم افسروں کے بجائے اعزازی افسر مقرر کر دینے سے تقریباً ۱ کرور ۵۰ لاکھ کی بچت ہوگی۔

ہندستانی کی تعلیم۔ کھادی کی ترقی۔ اسپتالوں کی امداد کینسر و دیگر مہلک امراض کے علاج اور اسی طرح کے پبلک مفاد کے دوسرے کاموں پر ½۱۶ لاکھ خرچ کئے جائیں گے۔ حالانکہ اس سال کی آمدنی ۳۷-۱۹۳۶ء

جرمنی کے پیٹ میں آسٹریا

جرمنی فسطائیت ز و ر (جرمنی کی ایک صنعت گاہ) کے سرمایہ داروں کی بے لاگ نمائندہ ہے۔ انہی مٹھی بھر انسانوں کے کارن اس نے لاکھوں مزدوروں، کسانوں اور اوسط طبقے کے غریب جوانوں کو لاریوں میں بھر بھر کر سرمایہ داروں کے سپرد کر دیا کہ وہ ان سے جتنا چاہیں کام لیں اور جسطرح چاہیں انکا پیٹ بھریں۔ اس طرح کچھ دنوں کے لئے دکھاوے کا امن ہو گیا۔ لیکن ملک کے مسئلے اتنے وزنی ہیں کہ وہ ان ٹوٹکوں سے حل نہیں ہو سکتے۔ سب سے بڑا مسئلہ رور کی تجارت کا ہے۔ وہاں بہت بڑے کارخانے ہیں جن میں لاکھوں ٹن لوہے اور کوئلے کی کھپت ہے جن سے اسلحہ اور دیو قامت مشینیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان کارخانوں کے مالکوں کا مطالبہ ہے (۱) ان مشینوں اور اسلحہ کے لئے بازار مہیا کرو۔ کیونکہ جرمنی کی سات کروڑ آبادی جس میں بڑا حصہ غریب اور اوسط طبقہ کا ہے، اور مزدوروں اور کسانوں کا ہے۔ ان مشینوں کے لئے کافی بازار نہیں تیار کر سکتی۔ اسکے لئے یورپ و ایشیا کی بڑی بڑی بازاروں کی ضرورت ہے (۲) جرمنی میں جو لوہا پیدا ہوتا ہے وہ ان کارخانوں کیلئے ناکافی ہے۔ کہیں سے کچے لوہے کا بندوبست کیا جائے۔

ان تینوں مطالبوں کو پورا کرنے کی کنجی آسٹریا ہے۔ آسٹریا مشرقی یورپ و مشرق قریب کے ملکوں کی تجارتی گذرگاہ ہے۔ اگر اس پر قبضہ ہو گیا تو ہنگری، بلغاریہ، یوگوسلاویا، ترکی اور ایران کی بازاروں تک پہنچ ہو جائے گی۔ رکاوٹیں رہیں گی مگر ایسی کہ سیاسی چالبازیوں اور فوجی دھمکیوں کے سامنے پگھل جائیں۔ ان ملکوں میں جرمنی مصنوعات کی مانگ ہے۔ بلقان جو اب تک زرعی ملک رہا تھا اب صنعتی چولا اختیار کر رہا ہے۔ اسلئے وہاں ایک عرصہ تک جرمنی کی بنائی ہوئی مشینوں اور ریلوں کی ضرورت رہیگی۔ یہ خطہ اگر ہاتھ آگیا تو وہی کام دیگا جو برطانیہ کو ہندستان دے رہا ہے۔

آسٹریا میں اسٹیریا کے مقام پر بہت عمدہ لوہے کی کان ہے۔ اور اس سے اتنی نکاسی ہو سکتی ہے جتنی کہ رور کو ضرورت ہے۔ یہ لوہا اب بھی کوئلے کے تبادلہ میں جرمنی جا رہا تھا۔ اور یہاں کی کانوں پر نازیوں کا اچھا خاصا قبضہ تھا، لیکن آسٹریا کمزور ملک تھا۔ اسکی بچت زبردست ملکوں کی امداد پر تھی۔ اگر لڑائی چھڑ جاتی تو اسکو کسی نہ کسی زبردست ملک کا ساتھی بننا پڑتا۔ اگر وہ زبردست ملک جرمنی کا دشمن ہوتا تو لوہے کی درآمد موقوف ہو جاتی۔ اور پھر جرمنی کی ساری طاقت کھوکھلی ہو جاتی۔ اس لئے کسی نہ کسی طرح اس پر قبضہ کرنا تھا۔

آسٹریا پر قبضہ ہو جانا سب سے زیادہ اٹلی کے حق میں مضر تھا۔ اور اب تک اسی نے جرمنی کو اپنا ارادہ پورا کرنے سے روکے رکھا۔

اٹلی بھی فسطائی ہے لیکن فسطائی فسطائی میں دوستی ہو جانا ضروری نہیں۔ اطالوی سرمایہ داروں کا روپیہ آسٹریا میں لگا ہے۔ اسکو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ آسٹریا کے دو صوبے بھی جنکے باشندے جرمن قوم کے ہیں اٹلی کے قبضہ میں ہیں۔ اگر آسٹریا پر ہٹلر نے "جرمن قوم" کے نام پر قبضہ جما لیا تو ان صوبوں میں ہنگامہ ہونے کا ڈر ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسولینی کے پاس وہ چیزیں نہیں ہیں جو فسطائی طاقت کی روح ہیں یعنی لوہا، کوئلہ، اور پیٹرول۔ ان چیزوں کے لئے وہ دوسرے ملکوں کا محتاج ہے۔ حبشہ کی لڑائی میں پیٹرول بند کرنے کی دھمکی دی گئی تھی، مگر وہ صرف دھمکی ہی دھمکی تھی۔ اگر واقعی اس پر عمل درآمد ہوتا تو مسولینی کو دیگر لیگ اقوام کی بات ماننا پڑتی۔ ان چیزوں کے لئے اسکو آسٹریا کی محتاجی تھی۔

اس مخالفت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب جولائی ۱۹۳۴ء کو نازیوں نے آسٹریا کے چانسلر ڈاکٹر ڈولفس کو مار ڈالا اور یہ خطرہ ہوا کہ ہٹلر اب آسٹریا پر چڑھائی کر دیگا تو اٹلی نے سرحد پر دس لاکھ اطالوی فوجیوں کا پہرا بٹھا دیا۔ ہٹلر نے موقع مناسب نہیں سمجھا اور خاموش ہو گیا۔

لیکن حالات جلد ہی بدل گئے۔ اٹلی نے حبش پر حملہ کیا۔ سارے یورپ نے اس کی مخالفت کی، مگر جرمنی ہمدردی کا اعلان کرتا رہا۔ اسوقت مسولینی کو بھی محسوس ہو گیا کہ اگر اٹلی کو دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنا ہے تو یورپ کی سیاست کے فرزین ہٹلر سے سانٹھ گانٹھ کرنا ہوگا۔ اگر جرمنی بھی مخالفت کرتا اور واقعی پیٹرول بندی کرانے کی کوشش کرتا تو حالات اٹلی کے حق میں بہت بگڑ جاتے۔

اٹلی نے اسپین پر قبضہ کرنا چاہا۔ فرانکو کو بغاوت پر آمادہ کیا، اسکی ہر طرح مدد کی۔ برطانیہ، فرانس اور روس نے اٹلی کی اس دخل اندازی کو ناپسند کیا۔ لیکن اسوقت بھی جرمنی نے اٹلی کی ہمدردی کی، اس طرح ان دونوں کو یقین ہو گیا کہ سینہ زوری سے لوٹ مار کرنے کے لئے ہم دونوں ڈاکوؤں کا میل ضروری ہے۔

اسپین برابر فتح ہوتا جا رہا ہے، اگر اسپین پر فرانکو کا یعنی اٹلی کا قبضہ ہو گیا تو پھر اسکی دو ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ لوہا اور کوئلہ مل جائے گا۔ یوں آسٹریا کی اتنی سی ضرورت نہیں باقی رہی۔

دونوں نے اپنے اتحاد سے پہلا فائدہ یہ اٹھایا کہ برطانیہ کا زور توڑ دیا۔ ایک طرف جرمنی نے "نوآبادیات، نوآبادیات" کی رٹ لگائی، جس کا مطلب صرف یہ تھا کہ جرمنی آسٹریا پر ضرور قبضہ کرے گا۔ یہ بلا براہ راست برطانیہ پر چوٹ لگاتی تھی، کیونکہ نوآبادیات کی مانگ کا جواب لیگ اقوام کو دینا تھا۔ اور لیگ اقوام برطانیہ کے ہاتھوں میں تھی۔

دوسری طرف اٹلی کو بحیرۂ روم میں نئے اختیارات منوانا تھے، اسنے مار دھاڑ مچائی۔ جرمنی نے حسب دستور اس میں اٹلی کی چوری چھپے مدد کی۔ برطانیہ کو ان دونوں کی ملی بھگت کے سامنے جھکنا پڑا۔

آسٹریا کی آزادی کے حامی فرانس اور برطانیہ بھی تھے، کیونکہ آسٹریا پر جرمنی کا قبضہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جرمنی کی فوجی طاقت میں جو کچھ کمی ہے وہ پوری ہو جائے، اور اسکو آگے بڑھنے، اور کمزور ملکوں کو دبانے کا موقع مل جائے۔ برطانیہ نے فسطائی طاقتوں کو روکے رکھنے کے لئے جو کچھ بس میں تھا کیا۔ آخر اسکو ہار ماننا پڑی۔ اس نے چیکوسلواکیا جرمنی کے حوالہ کر دی اور لیگ اقوام کو زندہ درگور چھوڑ، اپنے بچے کھچے مقبوضوں کی خیر منانے لگی۔ ابھی تو جرمنی کو اور لوٹ کھسوٹ کرنا ہے۔ سارا مشرقی یورپ، مشرق قریب بغداد و ایران اپنے اثر میں لانا ہے۔

فرانس جرمنی پر دباؤ ڈالتا۔ لیکن اسکے دو ساتھیوں، روس اور برطانیہ میں سے ایک نے ہار مان لی، اور ایک خاموش ہے۔ روس کیوں خاموش ہے؟ اسلئے کہ وہ چاہتا ہے کہ جب تک لڑائی ٹل سکے بہتر ہے۔ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا، دنیا کے مزدوروں کی جماعت منظم ہوتی جائیگی۔ اور روس کی فوجی طاقت اور زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔

روس کا پنجسالہ پروگرام

قسط نمبر ۳

مستقبل کے عجائب خانے

دنیا میں دو طرح کے عجائب خانے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن میں پچھلے زمانے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں اور دوسرے وہ جن میں موجودہ دور کی عجیب و غریب چیزوں کی نمائش کی جاتی ہے لیکن روس میں مستقبل کے عجائب خانے بھی ہیں

لینن گراڈ، منسکا۔ اور شہر نیشو دے کے پل پر بھورے پتھر کی بڑی بڑی عمارتوں میں یہ عجائب خانے ہیں۔ عمارت میں داخل ہونے پر ایک بڑا ہال کا کمرہ ملتا ہے جس میں سو سے اوپر نقشہ بنانے والے اپنی اپنی میزوں پر بیٹھے ریاضی کے آلات اور مصوری کا سامان لئے نقشہ بنانے میں مصروف ہیں۔ لیکن ابھی عجائب خانہ نہیں آیا ہے۔ آگے بڑھو بائیں طرف اصلی عجائب خانہ کا دروازہ ہے یہاں بہت ہوشیاری سے چلنے کی ضرورت ہے کیونکہ داخل ہوتے ہی زمین پر یورال کی پہاڑیاں۔ مسز ہنی ٹیگل کی فیکٹری۔ اور ریل کی پٹری کے ماڈل رکھے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ایک خطے کو بہت چھوٹا کرکے دکھایا گیا ہے اس میں مٹی۔ کاغذ اور دفتی کی ریلیں۔ پہاڑیاں پل اور کارخانے بنے ہوئے ہیں۔

مسز ہنی ٹیگل کے کارخانے کے بعد کرا فستان آتا ہے۔ دیوار کے پاس والی میز پر زلاٹر سکی کی سیسہ اور جستہ کی کانیں ہیں۔ یہ شیشہ سے بنائی گئی ہیں۔ اگر نیچے کی بتی جلا دو تو تم کو زمین کے نیچے کے تمام حالات۔ کانوں کی بتیں۔ گیلری۔ پمپ۔ کچا لوہا کھودنے اور نکالنے کی مشینیں۔ مزدوروں کے انتظامات۔ سب نظر آئیں گے۔

کرا فستان سے یورال جاتے ہوئے راستہ میں ایک دیہاتی مزدور کے گھر کا نمونہ ملیگا۔ اس میں ایک طرف دیوار نہیں ہے تاکہ مکان کے اندر کے تمام حالات صاف صاف دکھائی دیں۔ کمرے صاف اور روشن ہیں۔ پلنگوں پر بچھونے بچھے ہیں۔ اور ان سب کے باوجود یہ ماڈل لمبائی میں ایک پنسل سے زیادہ نہیں ہے آگے چل کر دیوار پر ایک دھات کے کارخانے کا نقشہ ہے اس میں بھٹیاں جیسی۔ اور پل نہایت صفائی سے دکھائے گئے ہیں۔ تمام دیواروں پر اسی طرح کے نقشے لگے ہیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ وہ تصویریں ہیں جو میز پر شیشے کے کیس میں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں اور نقشے ان کارخانوں کے ہیں جو آج کل زیر تعمیر ہیں۔ سیاہ سیاہ موٹی موٹی جلدوں میں ان کارخانوں کے تخمینے۔ حسابات اور خاکے رکھے ہیں۔ لیکن یہاں صرف خاص خاص نقشے اور تصویریں ہیں کیونکہ صرف ایک میگنیٹو گورسکی فیکٹری کا نقشہ اور تخمینہ ۲۰ ہزار تختہ کاغذ پر آیا ہے۔

ان عجائب خانوں میں ہر صنعت کے بڑے بڑے ماہرین اور انجنیر کام کرتے رہتے ہیں پچھلے سال ۷۰۰ کارخانوں کے نقشے بنائے گئے تھے اور اس سال ۵۱۸ کارخانوں کے نقشے بنائے جائیں گے۔ یہ کارخانے کوئی معمولی قسم کے نہیں ہونگے۔ ان میں سے ہر ایک کے مزدوروں کے لئے پورے پورے شہر تعمیر کرنا ہونگے۔ ہر شہر میں ہزاروں گھر اور سیکڑوں نئی سڑکیں بنانا ہوں گی۔ ۹ بڑے بڑے کارخانوں میں لوہا بنایا جائیگا۔ کہنے کو تو وہ صرف نو ہیں لیکن انکی پیدا وار تمام کارخانوں کی مجموعی پیداوار سے بھی زیادہ ہوگی۔ انسے کسی قدر چھوٹے ۷ کارخانے اور ہونگے جن میں۔ ہل کی مشینیں موٹر کار۔ لاری۔ فصل کاٹنے کی مشینیں۔ بجلی بنانے اور بجلی سے چلنے والی مشینیں بنیں گی۔ ان کے علاوہ کتنے ہی کارخانے اور ہونگے ان سب کارخانوں کی بنا اسی مستقبل کے عجائب خانے میں ڈالی گئی تھی۔

کارخانوں کے مقابلہ میں عجائب خانے کی عمارت بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن ایک انسان کے خیالات کے لئے بہت زیادہ جگہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تمام ایجادیں پہلے انسان کے چھوٹے سے دماغ ہی میں پیدا ہوئی ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھی گئیں ہیں۔ علم طبعی (فزکس) اور علم کیمیا (کیمسٹری) کے تمام اصول اور قانون ایک کتاب میں لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان اصولوں کو سمجھکر انسان عظیم الشان عمارتیں بناتا ہے۔ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے اور زمین کے نیچے سے بڑے بڑے شہر کھود کر نکال لیتا ہے۔

دیو قامت کارخانے

ہم ہر وقت بڑے کارخانوں۔ بڑی عمارتوں بڑے کھیتوں غرضکہ تمام بڑی بڑی چیزوں کے منصوبے باندھا کرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ کیا دنیا کو بڑائی کا خبط ہو گیا ہے؟ کیا چھوٹے کارخانوں سے زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا؟ کہ ہم کوئی چیز بغیر ثبوت کے نہیں مان سکتے۔ اس لئے ہم کو یہ معاملہ بھی صاف کر ڈالنا چاہئے۔ ہم کو بڑے کاروبار کی ضرورت کیوں ہے؟ —

مثال کے طور پر ایک چھوٹے اور ایک بڑے کارخانے کو لے لو۔ فرض کرو کہ بڑا کارخانہ چھوٹے کا سوگنا ہے چھوٹے کارخانے میں فی گھنٹہ ½ ۱ ہنڈریڈ ویٹ کوئلہ جلتا ہے۔ بڑے کارخانے میں کتنا کوئلہ جلیگا؟ — تم ½ ۱ ہنڈریڈ ویٹ کو ۱۰۰ سے ضرب دیکر جواب میں فی گھنٹہ ۱۵۰ ہنڈریڈ ویٹ یا ½ ۷ ٹن کوئلہ بتاؤ گے لیکن کیا یہ صحیح ہے؟ —

نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے! بڑے کارخانہ میں صرف ایک ٹن کوئلہ فی گھنٹہ خرچ ہوتا ہے۔ مگر کیسے؟

یہاں ضرب دینے کا طریقہ نہیں چل سکتا۔ اگرچہ بڑے کارخانے میں ۲ ہزار گھوڑوں کی طاقت کا اسٹیم انجن کام کرتا ہے اور چھوٹے میں صرف ۲۰ کا اور اسلئے بڑے کارخانے کا انجن طاقت میں چھوٹے کارخانے کے انجن سے سوگنا بڑا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جسامت اور لمبائی میں بھی چھوٹے انجن کا سوگنا ہے یا یہ کہ اس میں کوئلہ بھی سوگنا زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ نہیں اس میں صرف ۲ گنا زیادہ کوئلہ خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے بڑا انجن زیادہ فائدہ بخش ہے چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے کارخانوں میں بھاری بھاری بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا ہوتے ہیں لیکن بڑے کارخانے میں کئی کئی ٹن کا بوجھ ہوتا ہے اور چھوٹے میں صرف چند پونڈ کا بوجھ کے لئے ہاتھ ہی کافی ہیں۔ مگر ٹنوں کے لئے بالکل کی ضرورت

پڑتی ہے۔ ایک چھوٹی سی دکان میں بالا کپی لگانا حماقت ہوگی۔ لیکن بڑے کارخانوں میں یہ معاملہ نہیں ہے وہاں بغیر بالا کپی کے آدمی بے بس ہے۔ ہاتھ سے بوجھ اٹھانے اور لیجانے میں بہت محنت اور وقت ضایع ہوتا ہے۔ اور بعض وقت سخت محنت اور انتہائی کوشش کے باجود انسان بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے بڑے کارخانے زیادہ مفید ہیں کیونکہ ان میں بالا کپی اور محنت اور وقت کی بچت کرنے والی دوسری چیزوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے چھوٹے کارخانہ میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے میں صرف پانچ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ لیکن بڑا کارخانہ پورا شہر کا شہر ہوتا ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی گاڑی کو بھی ایک سرے سے دوسرے تک نہیں لیجایا جا سکتا۔ اس لئے بڑے کارخانوں میں بھاپ کے انجن اور بجلی کی مشینیں اور گاڑیاں کافی منافع کے ساتھ استعمال کی جا سکتی ہیں۔

اس طرح یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ جس رخ سے بھی دیکھا جائے بڑے کارخانوں سے چھوٹے کارخانوں کی نسبت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک رخ اور ہے جو عام طور پر لوگوں کو نہیں دکھائی دیتا۔ بڑے کارخانے میں ہر کام باقاعدہ ہوتا ہے اور ہر مزدور کے لئے ایک مخصوص کام ہوتا ہے مثلاً ایک مزدور اوزار تیز کرتا ہے دوسرا اسے استعمال کرتا ہے۔ ایک سلاخ ٹھونکتا ہے اور دوسرا اس میں ڈھبری کستا ہے مشینوں کی وجہ سے ہر کام تیزی سے ہوتا ہے آدمی خاموش کھڑا دیکھا کرتا ہے۔ اور چیزیں خود بخود چلتی پھرتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ کل کام منظم ہوتا ہے اور ایک ہزار آدمی اتنا کام کر ڈالتے ہیں جتنا دو ہزار غیر منظم اور بکھرے ہوئے آدمی نہیں کر سکتے۔

نئے یا پرانے؟

امریکن انجینیر کلیمنٹ جو اپنے علم اور تجربے سے سا دیٹ متحدہ کے لوہے اور فولاد کے کارخانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے بلایا گیا تھا کہتا ہے کہ "ہمارے ملک میں جو پرانے کارخانے ہیں۔ لیکن دراصل ابھی ہماری دہات کی صنعت کی شروعات تک نہیں ہوئی ہے وہ بتاتا ہے کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم کو ابتدا سے تعمیر کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ لیکن اس سے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا انجینیر کلیمنٹ ہمارا مذاق اڑاتا ہے؟

نہیں! وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ پرانے کارخانوں کو ٹھیک ٹھاک کرنے سے نئے کارخانے بنانا زیادہ بہتر ہے۔ خود امریکہ میں ابھی بہت سے پرانے کارخانے ہیں جنہیں دقیانوسی مشینیں لگی ہوئی ہیں ہمارے پرانے کارخانے نئے کارخانوں کے برابر کام نہیں کر سکتے۔ تاہم ان کو بالکل چھوڑ دینا بھی غیر دانشمندی ہوگی کیونکہ ان میں کئی کئی ہزار پونڈ خرچ ہوئے ہیں۔

ہم اپنی صنعت کو نئے سرے سے تعمیر کر رہے ہیں اس لئے ہم بالکل نئی ایجادوں کے مطابق اپنے کارخانے بنا سکتے اور ان میں نئی سے نئی مضبوط سے مضبوط اور اچھی سے اچھی مشینیں لگا سکتے ہیں۔ اور ایک خاص خاکہ ایک خاص ترتیب کے مطابق اپنی صنعت کو ترقی دے سکتے ہیں۔

انقلاب سے پہلے بھی لوگوں کو علم تھا کہ مقناطیسی پہاڑ کے نیچے اچھے قسم کے کچے لوہے کی ایک بڑی مقدار موجود ہے۔ یہ لوہا بیلو رشزک کے کارخانے میں صاف کیا جاتا تھا۔ دو ہی تین ہفتوں میں کانوں سے جتنا کوئلہ نکالا جاتا تھا اس کو یہ کارخانہ ایک سال میں مشکل ہی سے صاف کر پاتا تھا۔

آج کل اس پہاڑ کے نیچے دھات بنانے کا ایک بہت زبردست کارخانہ بنایا جا رہا ہے۔ پرانے کارخانے میں ۷۰۰ مزدور تھے اور اس نئے کارخانے میں ۶۰۰۰ ہونگے۔ اوس میں ۱۲۰۰ گھوڑوں کی طاقت استعمال ہوتی تھی اور اسمیں ۸۰ ہزار کی۔ گویا اسمیں ۲۴۰۰ آدمیوں کا کام مشینیں کرتی تھیں اور اس میں ۱۶ لاکھ۔ یہ فرق ہے انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد کے کارخانوں میں!!

لیکن یہ مشینی سپاہیوں کی فوج آخر کریگی کیا۔؟

مقناطیسی پہاڑ سارے کا سارا کچے لوہے سے بھرا پڑا ہے اس کچے لوہے کو فولاد کی چھڑوں گاڈروں چادروں اور کھمبوں میں بدلنا ہے کہ ماک کے ڈھال بر زینے ایسے بنا دئے گئے ہیں جن پر پٹریاں بچھی ہیں اور بجلی کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ یہاں بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں اور زمین کے نیچے سے نکالا ہوا کچا لوہا ان گاڑیوں پر لادتی ہیں۔ ابھی اس پہاڑی کے پیٹ میں برما نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ کام جلد ہی شروع ہوگا۔

زبردست فولادی مشین پہاڑی کو نوچ لیں گی۔ ٹکڑا ٹکڑا اور چٹان چٹان کر کے کچا لوہا جمع کیا جائے گا۔ اور پہاڑ دن بدن نیچا ہوتا جائیگا اور منوں اور ٹنوں کے حساب سے کارخانوں میں پہنچ جائیگا اور وہاں کی دیو قامت بھٹیوں میں کچا لوہا پگھل کے کارآمد لوہا اور فولاد میں ڈھل جائیگا۔ جو ہماری عمارتوں کے بنانے میں کام آئیگا۔

عجیب و غریب مشین

لینین گراڈ کے ایک اخبار میں ابھی حال ہی میں یہ خبر چھپی تھی:۔ "یوگوسٹال کے کارخانوں میں ایک بھٹی لگائی جانے والی ہے جس کی اتنی پیداوار آج تک کبھی سا دیٹ متحدہ میں سننے میں نہیں آئی"

یہ مشین دراصل بھٹی نہیں ہے اگرچہ وہ بھٹی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم ابھی تک اسکی حقیقت سے ناواقف ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں صرف چند مشینیں اور تھوڑے ہی سے کارخانے ہیں۔ لیکن اب ۵ سال کے بعد نہ صرف اخبار کے نمائندے بلکہ اسکول کے بچے تک جان جائینگے کہ یہ کیا ہے

یہ ایک مشین ہے جو فولاد کے ٹکڑوں کو دبا کر اس سے لمبی اور پتلی چھڑیں، ریل کی پٹریاں اور گاڈر بناتی ہے کھلے ہوئے چولھے میں کچے لوہے سے فولاد کی موٹی موٹی سلاخیں بنتی ہیں اور پھر یہ سلاخیں بڑھائی جاتی ہیں اور یہی کام زبردست مشین کرتی ہے۔ ایک چھوٹی سی بجلی کی مشین لوہے کی ایک دہکتی ہوئی سرخ سلاخ کو پکڑ کر اس مشین کے بیلن تک پہنچا دیتی ہے بیلن گھومتے ہیں اور یہ سرخ سلاخ سلنڈروں میں دب کر پتلی اور لمبی ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو پلٹ کر دوبارہ مشین میں رکھدیا جاتا ہے اسی طرح بار بار اور جلدی جلدی سلاخ پلٹی اور دبائی جاتی ہے اور دو منٹ میں وہ پتلی ہو کر مثل ایک آتشیں کیڑے کے ہو جاتی ہے۔ صرف ۶۰ انچ کی سلاخ بڑھاتے بڑھاتے تقریباً ۶۰۰ فیٹ لمبی کر دی جاتی ہے۔

مشین کے اوپر مستری کھڑا رہتا ہے اور دہکتی ہوئی سلاخوں سے ایسے کھیلتا ہے جیسے کوئی مداری ربڑ کے گیند سے اور اس کے ہاتھ نہیں جلتے! دو منٹ میں ایک سلاخ ۱۵ دفعہ مشین کے اندر جاتی اور باہر آتی ہے۔ اور اس کا وزن کئی ٹن کے برابر ہوتا ہے۔

وزیر اعظم یوپی کی جوابی تقریر

۸ مارچ - یو پی اسمبلی

جناب اسپیکر - مخالف ممبروں نے بہت اعتراضوں کی بوچھار کردی جسکو میں ہے پہنچیں بتایا کہ بجٹ کن مدوں میں سے کون اچھی آمد ہے - یا بجٹ کن غلط اصولوں پر بنایا گیا ہے - میری خواہش ہے کہ ممبر صاحبان ہماری پوری مدد کریں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ہم پوری طرح غلطیوں کو پکڑ کر انکی اصلاح کریں -

پچھلے سال جب ہمنے بجٹ تیار کیا تو ۱۴ لاکھ کا خسارہ تھا - میں نے ۷ لاکھ زائد مدوں میں داخل کی گویا ۱۷ لاکھ کے قریب ہمنے بچالیا - پھر اِدھر پانچ مہینوں میں ہمنے ۲۴ لاکھ کی اور بچت کی -

۸-۷ مہینوں کے اندر ہمنے ۱۶ لاکھ کے قریب پولیس اور عدالت کے محکموں سے بچالیا - یہ روپیہ دوسرے مفید محکموں کو جن سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے دیا گیا -

جب ہمکو پچھلے ایک کرور کے قرضہ کا - یا جو ہم ایک کرور کا قرضہ جولائی میں لینے والے ہیں اسکا الزام دیا گیا تو مجھے بہت حیرت ہوئی - یہ قرضہ ہمکو اپنے پیشروؤں سے ملا ہے انہوں نے نہر رسانی اور سڑکوں کے سلسلہ میں قرضہ لیا تھا - اسکے علاوہ اور ایک کرور قرضہ کا الزام تھا - یہ بھی پرانے اخراجات کے سلسلہ میں ہوا میں ممبروں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ۷-۸ مہینے کے کاموں کو پچھلے ۱۰ سال کے کاموں سے مقابلہ کرکے دیکھیں ۱۹۲۱ء میں جب ریفارمز اسکیم شروع ہوئی ہے - تو مرکزی حکومت نے ایک کرور ۷۵ لاکھ روپیہ اس صوبہ کا دینا منظور کیا اور دو کرور ۴۰ لاکھ کی رقم معاف کردی جو یہ صوبہ مرکزی حکومت کو دیا کرتا تھا - اسی طرح یو - پی کی آمدنی ۴ کرور بڑھ گئی - اسپر سنہ میں کچھ قرضے لئے گئے - اسپر بھی برابر خسارہ پر خسارہ ہوتا رہا - یہانتک کہ سنہ ۱۹۲۶ء میں خسارہ چار کرور پہنچ گیا - اسکے علاوہ پولیس کی عمارتوں اور اس کونسل ہاؤس کی عمارتوں کیلئے قرضہ لیا گیا جو دو تین کروڑ سے اوپر نکل گیا - ان سولہ برسوں میں مجموعی قرضہ ۱ کرور سے ۴۳ کرور تک پہنچ گیا - آخری بجٹ جو بنایا گیا اس میں امید تھی خسارہ ۱۴ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگا - ۱۶ برسوں میں قرضہ بڑھ گیا - خسارہ ہوتا ہوا تھا اور عوام کے مفید کاموں پر صرف ۳۷ لاکھ کی رقم صرف کی جاتی تھی

ہمنے کیا کیا؟ ان مہینوں میں ایک پیسہ بھی قرض نہیں لیا گیا - ۲۵ لاکھ عوام کے مفید کاموں میں دیا گیا یعنی جتنی رقم دیجاتی تھی قریب قریب اسکا دگنا -

مقدمات روکنے پر ہمکو بُرا کہا جاتا ہے - لیکن ہمکو اسکا ذرا افسوس نہیں ہے - تقریباً ۱۷ لاکھ کا نقصان ہوا لیکن اس نقصان سے کن لوگوں کو فائدہ ہوا - ان لوگوں کو جو صوبہ میں سب سے زیادہ غریب ہیں - اور انکو صرف ۱۷ لاکھ نہیں بلکہ ان لاکھ کیونکہ خرچہ عدالت ملاکر ایک روپیہ دو روپیہ بن جاتے ہیں اگر ان مہینوں میں اتنا روپیہ غریبوں کو مل گیا تو مجھے اس کا ذرا افسوس نہیں حکومت کا مقصد یہی ہے کہ غریبوں کو فائدہ پہنچایا جائے -

ملازمتوں میں تبدیلی کا تذکرہ - ایک شخص اسسٹنٹ کام سے ملازم رکھا گیا جو اسکو بدقسمتی یا مان - کیونکہ ایک آدمی دو نہیں ہوسکتا - دس ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے جنمیں ۴ مسلمان - ایک عیسائی - اور ایک نیچ ذات - اس طرح ہندوؤں کا اس میں کوئی بے جا حصہ نہیں - اب جو باقی ہیں وہ چیف انسپکٹر - اور گرام ارگنائزر جنکی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار ہے - اور اعتراض ہے کہ اس میں مسلمانوں کا حصہ صرف ۲۰ فیصدی ہے - ۲۵ - یا ۳۰ فیصدی کیوں نہیں ہے - میں نے اس دستوریاز جماعت میں اور دوسری دستور ساز جماعتوں میں کام کیا ہے - اور کبھی ۲۰ - ۲۰ روپے کی ملازمتوں پر اس قسم کے سوالات نہیں سنے - ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ پبلک سروس کمیشن سے مشورہ کیوں نہیں کیا گیا - اس کی وجہ یہ ہے کہ ۳۰-۴۰ یا ۵۰ روپیہ کی ملازمتوں میں یہ کمیشن کوئی مشورہ نہیں دیتا ہے -

میں کہہ چکا ہوں کہ ایسے کام کے لئے ایک حقیقی مشنری اسپرٹ کی ضرورت تھی اس لئے اسی خصوصیت کا پہلا خیال کیا گیا - یہ صرف میرا خیال نہیں ہے - بلکہ جس آدمی نے بھی اس کام پر توجہ کی - یہی خیال ظاہر کیا - اسلئے میرا دعوی ہے کہ اس قسم کے کام کی اہمیت کے لئے جیل ہو آنے کا سارٹیفکٹ بہت بڑی چیز ہے ہم کہنہ مت کرنے کیلئے کانگریسیوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بہتری بدل کر ۲۰ روپیہ ماہوار منظور کرلیں - میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے علاوہ اور ہمارا کوئی منشا نہیں ہے -

ہمارے بہتیرے دوستوں نے کہا کہ اقلیتوں کے بارہ میں ہم نے غیر منصفانہ سخت اور ظالمانہ برتاؤ کیا - انہوں نے ان چند ملازمتوں کی طرف اشارہ کیا اگر وہ نہیں جانتے ہیں تو میں بتاتا ہوں کہ موجودہ قواعد میں ایسی چھوٹی ملازمتوں کے بارے میں اقلیتوں کا کوئی تناسب نہیں مقرر ہے - کسی حکومت نے ابھی تک تناسب مقرر نہیں کیا - مگر عمل میں ایک تناسب کا لحاظ رکھا ہے اگر ایسی ملازمتوں میں تناسب مقرر کر دیجئے گا تو بڑی بڑی دقتوں کا سامنا ہو جائیگا - میں اچھے کام کا خیال رکھتا ہوں - کسی دوسری بات کی پروا نہیں کرتا - لیکن جو کچھ ہوا ہے اسکی چند مثالیں دیتا ہوں - تین ڈپٹی کلکٹر کلکٹر بنائے گئے ان میں دو مسلمان ہیں اور ایک ہندو - ۱۲ - آدمیوں کو ہم نے ڈپٹی کلکٹری کے لئے منتخب کیا جس میں سے ۵ مسلمان ہیں اور ۷ ہندو - یہ یاد رہے کہ صوبہ میں مسلمانوں کی آبادی صرف ۱۴ فیصدی ہے - جتنی کہ سکھوں کی تعداد پنجاب میں ہے - ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے انتخاب میں ایک سال ایک عیسائی لیا گیا اور دوسرے سال ایک مسلمان اور تیسرے سال ایک ہندو - سکریٹریٹ کے ڈپارٹمنٹ میں ہم نے خاص طور پر ایک مسلمان کو سکریٹری مقرر کیا ہے اور دو ڈپٹی سکریٹری پہلے سے موجود تھے - اسکی وجہ یہ کہ ہمارے انسپکٹر کی بھی فرقہ وارانہ نظر نہیں رکھتے ہیں اور سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ

ڈویژن پر ۳ ہندو میں ۲ مسلمان اور ایک یورپین۔ سول سکریٹریٹ میں عارضی سکریٹری
میں ایک مسلمان ہے اور ۲ ہندو۔ پبلک انفارمیشن میں دو ہندو اور ایک مسلمان۔
شکر انسپکٹروں میں ۵ مسلمان اور ۵ ہندو۔ ۴ تحصیلداروں کو عارضی ڈپٹی کلکٹر بنایا گیا
اس میں ۳ مسلمان۔ ۱ عیسائی ۲ ہندو۔ سندھ و بست کے افسر جو مقرر کئے گئے
ایک ہندو ہے ایک یورپین اور ۲ مسلمان۔ گڑ کی صنعت کی ترقی پر صنعت و حرفت
کے محکمے سے نکالکر ایک ہندو لایا گیا ہے۔ اس لئے اس پر سوال نہیں اٹھایا جاسکتا۔
آپ مثال میں کوئی صوبہ پیش کریں جہاں اقلیتوں کے ساتھ اس سے بہتر برتاؤ کیا گیا ہو۔
پھر میں مان لونگا۔ میرا دعویٰ ہے کہ ہم نے اقلیتوں کے ساتھ صرف انصاف ہی نہیں
بلکہ ہمدردانہ برتاؤ کیا ہے۔ اور ایسا ہی کرنے کا ارادہ ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں
کہ وزارتیں آنی جانی چیزیں ہیں۔ کب تک آپ ہم لوگوں کی طرف سے بدگمان رہینگے۔
واقعات آپ کی بدگمانی کو دور کرکے رہینگے۔ مجھے حق پر یقین ہے۔ اور انسان کی
شرافت پر بھروسہ ہے۔

آپ لوگ اخبارات دیکھتے رہے ہوں گے۔ اور یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے متعلق
کیسی غلط بیانی ہورہی ہے، ہمکو کیسا بدنام کیا جا رہا ہے۔ لیکن کیا آپ میں سے
کسی نے اسکی تردید کی کوشش کی۔ ہم نے جو کیا وہ یہ کہ سب اخباروں کو
پوری آزادی دیدی۔

تبصرہ

(عبد المسلیم)

مسلمانوں کا روشن مستقبل

مؤلفہ سید طفیل احمد صاحب۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۸ء۔ قیمت ؏

سید طفیل احمد صاحب کو بہت عرصے سے قومی خدمت کی دھن ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے
مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد سے موجودہ زمانہ تک کی تمام اسلامی۔
سیاسی، مذہبی اور تعلیمی تحریکوں کی تفصیلی تاریخ لکھی ہے اور آخر میں اس نتیجے
پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کا مستقبل بہت روشن ہے اور انکو ہندستان میں کوئی خطرہ نہیں ہے
۱۸۵۷ء سے لیکر اب تک سیکڑوں کتابیں ایسی لکھی جاچکی ہیں جنمیں مسلمانوں کے
انحطاط کا رونا رویا گیا ہے اور انکی قوت عمل کو ابھارنے کے بجائے پرانی عظمت
کا ماتم کرکے اور آئندہ کے متعلق کمل یاس مشربی سے کام لیکر انکو اور زیادہ بے عمل
بنانے کی نادانستہ کوشش کی گئی ہے۔ جو جماعت جدید زمانہ کو بدعتوں اور بداخلاقی
کا گہوارہ سمجھے اور ہمیشہ پرانے زمانے اور ملک سے باہر کی چیزوں پر فخر کرتی رہے
اس کا مستقبل کبھی روشن نہیں ہوسکتا۔ سید طفیل احمد صاحب نے مسلمانوں کی یہ بڑی
خدمت کی ہے کہ ان کو حال اور مستقبل کیطرف توجہ دلائی ہے اور ماضی کی انھی خیالوں
کو لیکر جنسے قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے آجکل کی ترقی پسند تحریکوں میں شامل
ہونے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

اس کتاب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے لیکر آج تک کی سامراجی سیاست
پر بہت تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ برطانوی سامراج نے مختلف زمانوں میں
طرح طرح کی ترکیبوں سے کس طرح مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے کبھی ظلم
وستم سے دباکر کبھی لطف و کرم سے بے وقوف بناکر کبھی تعصب اور خود غرضی کے
جذبات کو ابھارکر اور کبھی دوسری جماعتوں سے لڑاکر۔ غرض ہر طرح سے اس بات کی
کوشش کی گئی کہ مسلمان اس ملک کو اپنا وطن نہ سمجھنے پائیں اور اس ملک کی
دوسری جماعتوں سے اتحاد عمل کو ہمیشہ برا سمجھیں۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان انگریزی
حکومت کو اپنا واحد محافظ سمجھتے رہے اور قومی تحریکوں سے الگ رہکر اپنی ڈیڑھ اینٹ
کی مسجد بنائے بیٹھے رہے۔ علی گڑھ تحریک کی تاریخ سے یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے۔

سید صاحب علیگڑھ کے بہت پرانے طالبعلموں میں سے ہیں اور اس کی ابتدائی دور سے لیکر
آج تک کے حالات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انھوں نے بہت تفصیل سے دکھایا ہے کہ
علی گڑھ کے انگریز پرنسپل بیک، ماریسن، آرچبولڈ نے کس طرح اس کالج کو انگریزوں کی حمایت
اور قومی تحریکوں کی مخالفت کا مرکز بنانے کی جان توڑ کوشش کی اور وہ واقعی اسمیں
کامیاب بھی ہوئے۔ اگرچہ مصنف نے سرسید کو اس الزام سے بری کرنے کی بہت کوشش
کی ہے لیکن ان عبارت کو غور سے پڑھا جائے جو خود اس کتاب میں موجود ہیں تو اسمیں
ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ علی گڑھ کالج کے معمار نے پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی تھی جسپر
عمارت آج تک ٹیڑھی ہی بنتی جارہی ہے۔ یہ انگریزی سیاست کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں
کو صاحب کی رسیاں اور آکسفورڈ اور کیمبرج کی اندھی تقلید کی ایسی چاٹ لگی کہ دنیا سیکڑوں
کروٹیں بدل چکی لیکن یہ ابھی اس نشے میں سرشار ہیں۔

اس کتاب کو اگر جدید اصول تنقید سے دیکھا جائے تو اس میں چند خامیاں بھی نظر آئیں گی،
ضرورت سے زیادہ طوالت، ابواب کی غیر منطقی ترتیب، مضامین کی تکرار اور اسی قسم کی دوسری
کمزوریاں ملیں گی۔ مسلمانوں کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اس میں بھی ایک حقیقت
پسند مورخ کو جذبات کی کارفرمائی نظر آئیگی لیکن ایسی تنقید سے پہلے اس بات پر غور کرنا چاہئے
کہ اس کتاب کا مقصد کیا ہے اور اس کا مجموعی اثر کیا پڑتا ہے۔ آجکل جب زمانہ بہت تیزی کے ساتھ
آگے بڑھ رہا ہے اور ہر چیز کا معیار جلد جلد بدلتا جارہا ہے ایک ایسے شخص کا جس نے قدیم طرز کا تمدن
اور تہذیب کے آغوش میں پرورش پائی اور جس کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک جمعیت پسند ماحول
میں گزرا ہے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنا جس کی بنیاد خالص قوم پرستی اور سامراج دشمنی
پر ہو ایک ایسا کارنامہ ہے کہ چند جزوی فنی اور تاریخی خامیاں نظر انداز کی جاسکتی ہیں۔ ہماری
قومی تحریک میں بہت سے ایسے مسلمان شریک ہیں جو انگریزی حکومت کی حمایت کو مذہب کے خلاف
سمجھتے ہیں اسلئے اسکی مخالف تحریک کی شرکت کو فرض سمجھتے ہیں۔ جدید قوم پرست اس نقطۂ نظر
کو پسند نہیں کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی قدر انکے سامراج دشمن جذبے کی اہمیت ہماری نگاہوں
میں کم نہیں ہوسکتی۔ سید طفیل احمد صاحب بھی ان لوگوں میں ہیں جو سیاست سے مذہب
کو الگ نہیں کرنا چاہتے لیکن اس سیاسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو آزادی کی لڑائی
کو اپنی زندگی کا مقصد بنا چکا ہے۔ اس کتاب سے انکا یہ جذبہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔
اور اسی سے اس کتاب کی قدر اور قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

وطن کی آزادی

(مخدوم محی الدین)

قسم ہے خون سے سینچے ہوئے رنگیں گلستاں کی
قسم ہے خونِ دہقاں کی قسم خونِ شہیداں کی

یہ ممکن ہے کہ دنیا کے سمندر خشک ہو جائیں
یہ ممکن ہے کہ دریا بہتے بہتے تھک کے سو جائیں

جلانا چھوڑ دیں دوزخ کے انگارے یہ ممکن ہے
روانی ترک کر دیں برق کے دھارے یہ ممکن ہے

زمینِ پاک اب ناپاکیوں کو ڈھو نہیں سکتی
وطن کی شمعِ آزادی کبھی گل ہو نہیں سکتی

وہ ہندی نوجواں یعنی عَلَم بردارِ آزادی
وطن کا پاسباں وہ تیغ جوہر دارِ آزادی

وہ پاکیزہ شرارہ بجلیوں نے جسکو دھویا ہے
وہ انگارہ کہ جسمیں زیست نے خود کو سمویا ہے

وہ شمعِ زندگانی آندھیوں نے جسکو پالا ہے
اِک ایسی ناؤ طوفانوں نے خود جسکو سنبھالا ہے

وہ ٹھوکر جس سے گیتی لرزہ براندام رہتی ہے
وہ دھارا جسکے سینے پر عمل کی ناؤ بہتی ہے

چھپی خاموش آہیں شورِ محشر بن کے نکلی ہیں
دبی چنگاریاں خورشیدِ خاور بن کے نکلی ہیں

بدل دی نوجوانِ ہند نے تقدیر زنداں کی
مجاہد کی نظر سے کٹ گئی زنجیر زنداں کی

بھکاری

(شاہد لطیف)

عرف عام میں بھکاری کے نام سے مشہور تھا جب تک بڑے گاؤں کی بیگم زندہ رہیں اسے کسی خاص تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ بلاناغہ رات دونوں وقت کھانا مل جاتا تھا۔ رہنے کے لئے ایک کوٹھری بھی تھی۔ لیکن ان ضعیفہ کے مرتے ہی اسکی دنیا بدل گئی۔ جائداد کے نئے وارثوں نے اسے نکال باہر کیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اسے اپنی کوٹھری چھوڑتے وقت کتنا صدمہ ہوا ہوگا؟ جہاں اس نے اپنی زندگی کے پندرہ برس گزارے تھے۔ لیکن وارثوں کو اسکا احساس کب ہو سکتا تھا۔ دولت کی دیوی کے نئے پجاری بھلا کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ مطلبی کا نام لیوا ابھی انکے سایۂ عاطفت میں رہے

اسکے بعد سے اس کی زندگی کا واحد مقصد ہر ایک کے سامنے دست سوال دراز کرنا تھا روزانہ وہ سینکڑوں بار اپنے جسم کو سڑکوں اور گلیوں میں گھسیٹتا پھرتا تھا جسم کے بوجھ کی وجہ سے اسکے کاندھے کانوں کی سیدھ میں آجاتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا سر دو پہاڑوں کے درمیان ایک بلند چوٹی ہے۔ یقیناً اسکی یہ ہیئت بچوں کی دلچسپی کی ایک خاص چیز تھی۔ وہ اسکو آتے ہوئے دیکھ کر ادھر ادھر چھپ جاتے۔ پھر چپکے چپکے ان میں سے کوئی جاتا اور اسکی لکڑی چھین لاتا، وہ کھڑے رہنے کی ناکام کوشش کرتا لیکن گر جاتا۔ انکو مارنے کے لئے وہ دوسری لکڑی اٹھاتا اور بچے بھاگ جاتے۔ اسکے بعد وہ رینگتے رینگتے لکڑی کے پاس جاتا اور اسکی مدد سے پھر دوبارہ کھڑا ہوتا۔ گرمیوں کی راتیں تو وہ سڑک کے کنارے پڑے رہ کر گزار دیتا لیکن جاڑوں کی سرد راتیں اسکے لئے قیامت ہوتیں، وہ اکثر رات گئے کھلیانوں میں چھپ جاتا اور اس وقت تک باہر نہ نکلتا جب تک اسے وہاں سے کوئی باہر نہ نکال دے یا شدید بھوک اسے بے چین نہ کر دے۔

گاؤں میں اسے اب بہت کم بھیک ملتی۔ تمام لوگ اسے ایک مدت سے لکڑی کے سہارے اپنے جسم کو گھسیٹتے ہوئے دیکھتے دیکھتے تنگ آگئے تھے لیکن اس پر بھی اس نے وہ گاؤں نہ چھوڑا۔ کیونکہ سوائے اس گاؤں کے وہ کسی دوسری جگہ سے واقف ہی نہ تھا۔ انہیں چند قطعات زمین پر وہ اپنی پر از مصیبت زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔ اسے اس وسیع دنیا کی خبر ہی نہ تھی۔ اس کی دنیا صرف ان پیڑوں کی حد تک محدود تھی جو سامنے فاصلے پر اسکو نظر آتے تھے۔ اور اسکا یہ تجربہ بھی نہ تھا جب کبھی دیہاتی اس سے بگڑ کر کہتے کہ وہ دوسرے گاؤں میں کیوں نہیں چلا جاتا ہمیشہ ہمیں منڈلایا کرتا ہے تو وہ اسکا کوئی جواب نہ دیتا اور خاموشی سے دوسری طرف چلا جاتا۔ اس کا دل دوسرے گاؤں کے تصور ہی سے بیٹھنے لگتا۔ جہاں وہ نئی نئی صورتیں دیکھے گا۔ ہر شخص اسکے لئے اجنبی ہوگا اور خدا معلوم وہ لوگ اسکے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔

وہ جنگلی جانوروں کی طرح گاؤں کے آدمیوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو اپنا بنانے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ لوگوں نے اسے بھیک مانگتے تو دیکھا تھا لیکن اسکے علاوہ کسی اور قسم کی بات چیت کرتے نہ دیکھا تھا۔ اسے نہ تو کسی سے محبت تھی ورنہ وہ کبھی دیہاتیوں کے دلوں میں اپنے لئے کوئی جذبۂ ہمدردی پیدا کر سکتا تھا۔ بلکہ کسی حد تک لوگ اس سے متنفر ہی تھے۔

دو دن سے اسے کچھ کھانے کو نہ ملا تھا۔ اس نے در در کی خاک چھانی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ عورتیں اسے اپنے دروازوں کی طرف آتا دیکھتیں تو چلاتیں "دور ہو، نامراد! ابھی اس روز ہی تو روٹی لے گیا ہے۔" وہ یہ سب کچھ سنتا رہا اور سرد آہیں بھر کر خاموش رہا۔ اسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ دوسرے دروازے پر گیا وہاں بھی قریب قریب اسی طرح اسکا خیر مقدم کیا گیا۔

عورتیں اپنی پڑوسنوں سے کہتیں کہ ہم اس مصیبت کے زمانے میں تو ہر روز اس نکمے کو روٹی نہیں کھلا سکتے۔

لیکن اس آوارہ کو تو روز ہی روٹی کی ضرورت تھی!

وہ مایوسی کے عالم میں چلا جا رہا تھا کہ اسکی نظر بیگم کے دروازے پر پڑی سامنے چبوترے پر مکان کے نئے مالک کھانا کھا رہے تھے۔ اسکے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ وہاں جا کر سوال کرے لیکن اس کی خودداری نے اسے روکا۔ اس نے سوچا کہ جب وہ لوگ اسکی صورت دیکھنے کے روادار نہیں اور اسکو دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیتے ہیں تو ان سے کسی سلوک کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اس نے در در بھیک مانگی تھی۔ ہر شخص کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا لیکن بیگم کے مکان کی طرف پھر کبھی رخ نہ کیا تھا۔ آج تک کسی نے اسکو بیگم کے وارثوں سے کسی قسم کا سوال کرتے نہ دیکھا تھا

وہ آگے بڑھا اور اسے وہ کوٹھری نظر پڑی جہاں اس نے اپنی زندگی کے پندرہ سال قدرے سکون سے گزارے تھے۔ اسے بیگم کی پچھلی مہربانیاں اور شفقتیں یاد آگئیں۔ آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اسکی آنکھوں سے گرے اور اسکے متعفن ملبوس میں جذب ہو گئے۔

کوٹھری خالی پڑی تھی، اس میں کوئی متنفس نہ رہتا تھا۔ دوسروں کی محنت کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرنے والوں سے کوئی پوچھتا کہ سارے گاؤں کے ان داتا بننے کا یہی ثبوت ہے کہ ایک مفلس، اپاہج کو سر چھپانے کی جگہ سے بھی محروم کر دیا گیا ہے؟

لیکن یہ سوال کرنے کی بھلا کس میں ہمت تھی۔ وہاں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو نئے زمیندار صاحب کی جا و بیجا حرکتوں پر آمنّا و صدّقنا کہہ کر انکی خوشنودی حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔

بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اسکے دونوں مونڈھے تمام دن مارے مارے پھرنے کی وجہ سے پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے۔ اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ چل سکے لیکن بھوک کی آگ سے مجبور تھا۔

وہ آگے بڑھا، دو کتے ایک ہڈی کے واسطے آپس میں لڑ رہے تھے۔ اس نے سوچنا شروع کیا۔ یہ کتے اس سے کہیں بہتر ہیں، کم از کم وہ اپنے پیٹ کے لئے لڑ تو سکتے ہیں۔ لیکن وہ تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔

نواب کے مکان سے کچھ فاصلے پر ایک گڑھا تھا جس میں کوڑا وغیرہ ڈالا جاتا تھا، وہ بمشکل وہاں تک پہنچا ہوگا کہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ دیر تک وہاں پڑا رہا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے اسکے قویٰ ویسے ہی بیکار ہو رہے تھے، اسپر دسمبر کی سردی اور ستم توڑ رہی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اسکے نیم برہنہ جسم پر نشتر کا کام کر رہے تھے۔ اسکے دماغ میں صرف ایک خیال تھا کسی طرح کچھ کھانے کو ملجائے۔ لیکن یہ کس طرح ممکن تھا؟ پھر بھی ایک امید موہوم پر وہ وہاں پڑا رہا۔

دو مرغیاں گھورے پر دانہ چگ رہی تھیں، اپنی پیہم کوششوں سے وہ بمشکل کوئی دانا یا کیڑا پا لیتی تھیں۔ بغیر سوچے سمجھے وہ انکی طرف تکنے لگا یکایک اسکے دماغ میں ایک خیال آیا۔ اگر ان میں سے ایک مرغی ہاتھ آجائے اور اسکو بھون کر کھایا جائے تو خوب پیٹ بھر سکتا ہے۔

اس نے اپنے قریب ہی سے ایک پتھر اُٹھایا۔ اسکا نشانہ بہت صحیح نکلا، پتھر مرغی کے لگا اور وہ گر کر پھڑپھڑانے لگی۔ دوسری مرغی نے کڑکڑانا شروع کیا۔ وہ جلدی سے زخمی مرغی کے قریب گیا اور اسکو اُٹھانے والا ہی تھا کہ اسکے سر پر ایک لاٹھی پڑی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اسکا سر بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ خون بہ بہ کر اسکے منہ پر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو منہ پر پھیرا اور ایک بار خون سے بھرے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر خاموش ہو رہا۔

مرغیوں کا مالک نیا زمیندار تھا۔ انکی کڑکڑاہٹ کی آواز نے اسکی توجہ اُدھر منعطف کر دی تھی۔ وہ بھلا یہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ ایک مفلوک الحال اسکے سامنے ہی اس کا اس طرح نقصان کرے۔ یقیناً اسکی مرغی کی جان ایک ناکارہ انسان کی جان سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔

چند ہی لکڑیوں میں اسکا جسم پھوٹ نکلا، نواب کے نوکر اسکو گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک کوٹھری میں بند کر دیا اور ایک آدمی تھانے میں خبر کرنے چلا گیا۔

ادھر وہ غریب لنگڑا ادھ مرا ہو گیا تھا، بیہوشی کے عالم میں مقفل کوٹھری میں پڑا تھا۔ بہت دیر کے بعد جا کر کہیں اسکو ہوش آیا۔ اسکا جوڑ جوڑ درد کی وجہ سے ٹوٹا جا رہا تھا لیکن بھوک کی آگ ان سب پر غالب تھی۔

شام ہوئی۔ رات بیت گئی اور صبح بھی آگئی اور وہ اسی طرح بھوکا پڑا رہا۔ کہیں دوپہر کو جا کر پولیس کے آدمی آئے۔ کوٹھری کا دروازہ نہایت احتیاط سے کھولا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجرم بھاگ جائے۔ کیونکہ زمیندار صاحب نے انپر یہی ظاہر کیا تھا کہ لنگڑے نے انپر جارحانہ حملہ کیا تھا جسکی بڑی مشکل سے انھوں نے مدافعت کی۔

سپاہی نے تنتخے ہوئے کہا۔ " اُٹھ کھڑا ہو" لیکن وہ ہل تک نہ سکا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح اپنے ڈنڈوں کے سہارے کھڑا ہو جائے لیکن بے سود۔ پولیس والوں نے خیال کیا کہ وہ بن رہا ہے اور انہیں دھوکا دینا چاہتا ہے۔ دو سپاہیوں نے نہایت بے دردی سے اسکے بازوں کو پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ خطرے اور کمزوری کی وجہ سے وہ لرز رہا تھا۔

سپاہی نے اسے چلنے کا حکم دیا۔ وہ اپنی تمام قوت کو مجتمع کر کے چلنے لگا۔ کھیتوں پر کسان کام کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا " چلو اچھا ہوا مصیبت دور ہوئی" عورتوں نے اسے دیکھا اور گھورنے دکھانے لگیں۔ آدمی اسے سخت سُست کہ رہے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ زمیندار نے ٹھیک ہی کیا آج اس نے زمیندار کی مرغی پر ہاتھ صاف کیا تھا کل انکے بیل پر ہاتھ صاف کر بیٹھتا تو وہ روزی کمانے سے بھی جاتے۔

گذشتہ رات بارش برس چکی تھی۔ زمین ابتک نم تھی۔ اسکے دونوں ڈنڈے ملائم زمین میں دھنسے جاتے تھے اور مزید تکلیف کا باعث ہو رہے تھے۔ وہ دونوں سپاہیوں کے بیچ میں گم سم چلا جا رہا تھا۔ اسکا دماغ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کو ان لوگوں نے کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟

راستہ چلتے آدمی اسے دیکھ کر رک جاتے اور کہتے کہ " کوئی چور یا خونی ہے" وہ یہ باتیں سنتا اور انکی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہ جاتا۔

رات کیوقت جا کر کہیں یہ لوگ تھانے پہنچے آج تک وہ کبھی اتنی دور متواتر نہ چلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسکا حشر کیا ہوگا۔ غیر معمولی ڈراونے اجنبی چہرے۔ اور مکانات اسکو اور زیادہ خوفزدہ کئے ہوئے تھے۔

حوالات میں بند کر دیا گیا۔ کسی کو بھول کر بھی خیال نہ ہوا کہ وہ کچھ کھائے گا بھی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ کیونکہ نہ تو اسے کچھ کہنا تھا اور نہ وہ کچھ سمجھتا تھا۔ ایک مدت ہوگئی تھی جب اسنے کسی سے بات چیت نہ کی تھی وہ اپنی زبان کے استعمال بھی ایک حد تک بھول چکا تھا۔ اس کے علاوہ اسکے خیالات کچھ اسقدر منتشر تھے نہ وہ الفاظ کا جامہ بھی آسانی سے نہ پہن سکتے تھے۔

صبح کو حوالات کا دروازہ کھولا گیا۔ تاکہ داروغہ اسکے بیانات قلمبند کرے لیکن پولیس کے آدمیوں کو اسے فرش پر بیجان پڑے دیکھکر سخت حیرت ہوئی۔

میری دنیا

پرنسپل [illegible]

میں ہوں اک بندۂ آزاد اس دنیا میں بستا ہوں
جہاں بندہ نہیں کوئی جہاں آقا نہیں کوئی
ادب ہے یہ جہاں جھکتی نہیں ہے جبیں جہاں جبیں کوئی
جہاں بجلی نہیں ہے خرمن دہقاں جلانے کو
جہاں طاقت نہیں ہے کمزور کی ہستی مٹانے کو
زباں بند جب جہاں کسی کی لفظ بے معنی غلامی ہے
وہ دنیا ہے کہ جس میں زیب آزادی و داری ہے

خبریں
(ہندستان کے باہر)

آسٹریا پر ہٹلر کا قبضہ

۸ مارچ ۱۹۳۸ء - ڈاکٹر شُشنِگ نے اعلان کیا کہ اتوار کو سارے آسٹریا کے لوگوں سے رائے لی جائے گی کہ وہ آسٹریا کو آزاد دیکھنا پسند کرتے ہیں یا جرمنی کے قبضہ میں جینا۔ انھوں نے کہا کہ میری جیت یا ہار آسٹرین لوگوں کی رائے پر ہے۔

——— جرمنی کے افیشل حلقہ میں یہ بات اچھی نظر سے نہیں دیکھی گئی۔

آسٹریا میں نازیوں نے بہت شورش برپا کی۔ جا بجا ان سے اور ملکی محاذ والوں سے جھڑپ ہو گئی۔

——— ۹ مارچ ۱۹۳۸ء - آسٹرین نازیوں کو اور ملکی محاذ والوں کو یقین ہے کہ ڈاکٹر شُشنِگ کی طرف زیادہ ووٹ آئیں گے۔

——— نازیوں کے صوبہ انجمنوں نے سی اور سیس انکورٹ (نازی وزیر جو حال ہی میں کابینہ میں لیا گیا) کو تار دئے ہیں کہ عام ووٹ خلاف قانون ہے۔

——— ڈاکٹر سیس انکورٹ اور ڈاکٹر شُشنِگ دن بھر بات چیت کرتے رہے۔

——— ڈاکٹر سیس انکورٹ کی پوزیشن یوں بہت مضبوط ہو گئی کہ ہٹلر کی طرف سے ہرکیلر سکریٹری آف اسٹیٹ آ گئے۔ نازیوں کو اطلاع دی گئی ہے کہ اتوار کو ووٹ نہ داخل کریں۔

——— لندن میں عام ووٹ کی خبر اچھی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ ہر حلقے کے اخباروں نے اس کی تائید کی۔ اور کہا کہ ہٹلر کو جو آسٹریا کی آزادی کا حامی ہے اس حرکت کو پسند کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر شُشنِگ کی جرأت و ہمت کی تعریف کی گئی کہ انھوں نے آسٹریا کی قسمت کا فیصلہ آسٹریا کے رہنے والوں پر چھوڑ دیا۔

عام ووٹ ملتوی - ڈاکٹر شُشنِگ کا استعفا

جرمنی نے آسٹریا کو ایک الٹیمیٹم بھیجا جس کا مقصد یہ تھا کہ فی الحال عام ووٹ کو ملتوی کر دیا جائے۔ اور کابینہ میں دو نازیوں کا اور اضافہ کیا جائے۔

——— ۱۱ مارچ - فوجوں کی بھری ہوئی لاریاں آسٹریا کی سرحد کی طرف بھیجی گئیں۔ اس کے بعد میدانی توپوں کے ساتھ اور سپاہ بھیجی گئی۔ آسٹریا کی حکومت نے آسٹریا کی مزدور سبھاؤں سے بات چیت شروع کی تھی۔ قیاس ہے کہ ہٹلر کے الٹیمیٹم میں اسکی ممانعت کر دی گئی۔ جب مفصل جواب کے لئے مزدوروں کے نمائندے گئے تو حکومت کی طرف سے جواب ملا کہ "میرے دوستو تم نہیں جانتے کہ ہمارا اس وقت کس سے مقابلہ ہے۔ اس وقت تین فوجیں سرحد پر پڑی ہوئی ہیں جن کے درمیان میں مسلح نازی بلا روک ٹوک وائنا میں جمع ہونے لگے ان کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔

——— پندرہ ہزار نازیوں نے احتجاجی جلوس نکالا۔ پولیس نے ان پر سنگینوں سے حملہ کیا۔ لیکن پولیس کمزور تھی۔ جلوس کو نہ توڑ سکی۔

——— جرمن اخباروں نے لکھا کہ ڈاکٹر شُشنِگ کمیونسٹوں سے سازش کر رہا ہے۔ اس لئے اب اس پر اعتبار نہیں۔ ہمکو استعفےٰ داخل کر دینا چاہئے۔

——— ۱۱ مارچ۔ ڈاکٹر شُشنِگ نے ریڈیو پر کہا کہ ہر ہٹلر نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں استعفےٰ نہیں داخل کرونگا تو آسٹریا پر حملہ کر دیا جائیگا۔ اسی لئے میں مجبوراً استعفےٰ داخل کرتا ہوں۔ اور انھوں نے کہا کہ دنیا میں جو خبریں مشہور ہو رہی ہیں کہ آسٹریا میں مزدوروں کے جھگڑے ہیں یہاں خون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ حکومت اس پر قابو نہیں حاصل کر سکی۔ سب الف سے لیکر یے تک غلط ہیں...... صدر نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں آسٹریا والوں پر ظاہر کر دوں کہ ہم لوگوں کو فوجی دباؤ سے دبنا پڑ رہا ہے..... تو میں آسٹریا والوں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں اور اُس کو خدا پر سونپتا ہوں۔

——— تمام بیرونی شہروں کو اطلاع دیدی گئی کہ جرمن الٹیمیٹم نے صرف تین گھنٹہ کا وقت دیا ہے۔

لندن کی اطلاع ہے کہ ایک دوسرا جرمن الٹیمیٹم آیا تھا جس میں حکم تھا کہ ڈاکٹر شُشنِگ کو استعفےٰ دیکر انتظام ڈاکٹر سیس انکورٹ کے سپرد کر دینا چاہئے اور ایک نئی کابینہ بنائی جائے جس میں دو تہائی ممبر نازی ہوں۔ اسی کے بعد کی خبر ہے کہ صدر مکلاس نے
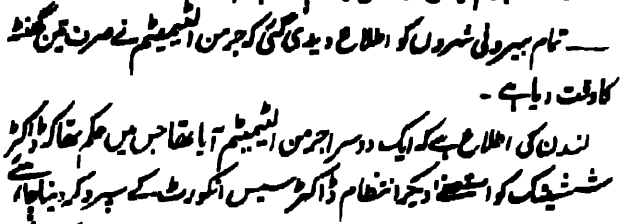
سیس انکورٹ کو کابینہ بنانے کو کہا ہے۔ اور انھوں نے تیار کر دی۔

——— جرمنی فوجیں سرحد پار کر کے آسٹریا میں داخل ہو گئیں۔ اور جرمن ہوائی جہازوں نے وائنا پر چکر کاٹے۔ جرمنی میں خبر ہے کہ سیس انکورٹ نے ہر ہٹلر سے فوجیں بھیجنے کو کہا۔ میونخ کے اسکول بند کر دئے گئے۔ کیونکہ انکو فوجی بارکیں بنا دیا گیا ہے۔

آسٹریا پر قبضہ ہو گیا

نازیوں کا بیان ہے کہ بلا کشت و خون کے آسٹریا پر قبضہ ہو گیا۔

نازیوں کا جھنڈا سواستیکا آسٹریا کی راجدھانی پر لہرا رہا ہے اور اب وہ عملی حیثیت سے ایک جرمنی صوبہ ہو گیا۔ ڈاکٹر شُشنِگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

سکی اجازت جو قومی اور نازی دشمن انجمن تھی خلاف قانون قرار دیدی گئی۔ آسٹر ویا حکومت نے حملہ کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ وہ جرمن خون نہیں بہانا چاہتی تھی۔

یہ سب واقعات ۱۱ مارچ کو چند گھنٹوں کے اندر ہوگئے۔ رؤیٹر کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ دو باتیں صاف ظاہر ہیں۔ (۱) نازی حکومت اب مستقل ہوگئی۔ (۲) ۵۰ فیصدی آبادی ہٹلر کی فتح سے خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔

آسٹریا میں ہٹلر کا داخلہ ۱۴ مارچ ہر ہٹلر دارالسلطنت آسٹریا کی راجدھانی میں داخل ہوگیا۔ اور اس پروگرام کا اعلان کیا گیا۔

(۱) آسٹریا کے ریڈیو اسٹیشن اور جرمنی ریڈیو اسٹیشن سے مشترکہ پروگرام نکلے گا۔
(۲) سوشلسٹ مزدور محاذ توڑ دیا جائیگا۔ اور صرف جرمن مزدور محاذ باقی رہیگا۔
(۳) آسٹریا کی ساری انجمنیں توڑ کر نازی انجمنوں میں ملا دی جائیں گی۔
(۴) صرف جرمن سواستیکا پہن سکیں گے۔
(۵) صرف آرین ڈاکٹروں کو ابتدائی طبی امداد کی اجازت ہے۔
(۶) ہٹلری نوجوانوں کی انجمن بنائی گئی ہے۔ تمام آسٹر وی نوجوان انجمنیں اس میں شامل کردی جائیں گی۔
(۷) آسٹر وی طلبائی انجمن جرمنی طلبائی انجمن کی ایک شاخ بنا دی جائیگی۔
(۸) تمام آسٹر وی فوج کو ہٹلر کے نام پر وفاداری کا عہد کرنا ہوگا۔
(۹) آسٹریا کا خارجہ دفتر جرمن خارجہ دفتر سے ملا دیا گیا۔

— صدر مکلاس نے استعفےٰ دیدیا۔ اور ان کی جگہ ہر ہٹلر نے لے لی۔
— آسٹریا میں جرمن فوج اسوقت ۵۰ ہزار ہے
— آسٹر وی حکومت اب سرکاری طور پر لیگ اقوام سے علیحدگی اختیار کرے گی۔

آسٹریا کا مال جو جرمنی میں درآمد ہوتا تھا اس کا ۲۰ فیصدی حصہ روک دیا گیا تھا۔ اب پھر جاری کردیا گیا۔

ہر ہٹلر کی تقریر "میں نے آسٹریا کو جرمنی سے ملانے کا بیڑا اٹھایا تھا اس مشن میں میرا ایمان تھا میں اسی لئے زندہ تھا اور اسی لئے لڑتا رہا۔ اور اب میں نے اس کو پورا کرلیا ہے"

اٹلی کا رویہ

فرانس نے اپنے نمائندہ سے دریافت کرایا کہ اٹلی اور فرانس کا متحدہ محاذ آسٹریا کے معاملہ پر بات چیت کرسکتا ہے۔ اٹلی نے اس سوال کے جواب میں صاف "نہیں" کہدیا۔ خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اٹلی کو جرمنی کا ارادہ پہلے سے معلوم تھا۔ ہر ہٹلر نے ایک خط سے مسولینی کو اطلاع دی تھی۔ ہر ہٹلر نے اس جواب کے شکریہ میں تار دیا کہ "میں اسکو کبھی نہیں بھولونگا"

برطانیہ کا رویہ - آسٹریا کی فتح پر برطانیہ میں بڑی ہلچل مچی۔ فوراً کابینہ کا ایک اجلاس طلب کیا گیا جو سو منٹ تک رہا۔ پھر وزیر اعظم نے ایک سخت تحریر جرمنی کی اس حرکت کی مخالفت میں برلن کو بھیجی۔ جرمنی نے تحریر رد کردی۔

وہاں خیال کیا جاتا ہے کہ جرمنی کی اس حرکت سے برطانیہ اور جرمنی کے تعلقات کشیدہ ہوجائیں گے۔

فرانس کا رویہ - ۱۰ مارچ - ایم چاؤٹمپس وزیر اعظم فرانس نے اپنی کابینہ کی طرف سے استعفا داخل کردیا۔

ایم بلم وزارت مرتب کرنے کی فکر میں ہیں۔

۱۱ مارچ - فرانسیسی اور برطانوی حکومتیں برابر آپس میں بات چیت کر رہی ہیں۔ آسٹریا کے واقعے سے وزارت کا جھگڑا بالکل صاف ہوگیا۔ ایم بلم نے اپنے سوشلسٹ ساتھیوں سے کہا۔

"ایک قومی جماعت ۱۹۱۴ء میں لڑائی جیتنے کو متحد ہوگئی تھی۔ ہر وقت اسکے بچانے کو بیداری کی ضرورت ہے" ایم بلم ملک کی تمام بڑی جماعتوں کے نمائندوں کو وزارت بنانے کیلئے جمع کر رہا ہے۔ اس میں کمیونسٹ بھی ہیں اور جمہوری بھی۔

فرانس نے ایک شکایتی تحریر جرمنی کو بھیجی۔ جو فوراً رد کردی گئی۔

۱۳ مارچ - ایم بلم نے ایک متحدہ وزارت مرتب کرلی۔

۱۵ مارچ - کل ایم بلم نے زیکوسلاویکیہ کے وزیر کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ اگر جرمنی نے کسی طرح زیکوسلاویکیا پر دباؤ ڈالا۔ تو فرانس بلا برطانیہ کا مشورہ لئے اسکی فوراً طرفداری کریگا۔

فرانسیسی قونصل متعینہ برطانیہ کو حکم ملا ہے کہ یہ خبر برطانوی کابینہ کو پہنچا دی جائے۔

اس اطمینان دلانے کا مطلب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اگر جرمنی نے زیکوسلاویکیہ کو دھمکی دی تو فرانس اپنی فوجوں کو کام میں لائیگا۔

فوری ضرورت کے لئے وزیر اعظم نے اسلحہ بندی کے لئے ایک رقم دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

جاپانیوں کی فتح - جو جاپانی فوجیں شانسی سے بھیجی گئی تھیں انکا بیان ہے کہ گذشتہ مہینے میں ایک لاکھ چینی کھیت رہے، اور دو سو میل کا رقبہ فتح ہوا۔

برطانیہ اور جاپان میں سمجھوتا رپورٹر کا خیال ہے کہ جاپان اور برطانیہ میں سمجھوتا ہوگیا۔ جاپان اس بات پر تیار ہوگیا ہے کہ چینی محصول کا ایک حصہ غیر ملکی قرضوں کی ادائی کے لئے مخصوص کردیا جائے گا۔ اور محصول کا شنگھائی کا جو موجودہ طریقہ ہے وہ بدستور رہیگا۔

اسپین - ۱۰ مارچ - اراگان پر فرانکو کا حملہ کامیاب رہا۔ حکومت کی فوجوں کو جا بجا شکست ہوئی۔ باغیوں کا بیان ہے کہ انہوں نے ۳۶ گھنٹے کے اندر چار گاؤں فتح کرلئے۔ باغیوں نے بلچائٹ کا شہر فتح کرلیا۔ اور بہت سے قیدی گرفتار کئے جس میں زیادہ تر امریکن والنٹیر ہیں۔

۱۳ مارچ - باغی برابر بحیرۂ روم کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ جو فوج لاریڈ کو جا رہی ہے اس نے کیسپی فتح کرلیا، اب وہاں سے بحیرۂ روم صرف ۴۰ میل رہ گیا ہے۔ اراگان کے محاذ پر برابر فتح ہو رہی ہے۔ ۵۰۰ میل چار دن میں فتح کئے جا چکے اور باغی فوج کان لان کے ساحل سے صرف ۶۰ میل دور رہے۔

ہندوستان کے اندر

فیڈریشن پر بحث

لندن کے اخبار ٹائمس نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں کانگرس کی اور حکومت ہند کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ دونوں نے سمجھوتا کرکے یو۔ پی اور بہار کی سیاسی گتھی کو ختم کر دیا۔ اسکے بعد حکومت ہند سے کہا ہے کہ فی الحال یہ بات مناسب نہیں کہ فیڈریشن کو لاکر ایک نئی سیاسی گتھی پیدا کیجائے۔ بہتر یہ ہے کہ حکومت ہند اسوقت تک خاموش رہے جب تک ریاستوں میں کچھ جمہوری اصلاحیں ہو جائیں یعنی وہاں سے بجائے نامزد نمائندوں کے آنے کے منتخب نمائندے آ سکیں۔

والیان ریاست کا جواب۔ سر جیمس گرگ نے کہا کہ تمام والیان ریاست نے فیڈریشن پر اپنی رائے وائسرائے کے سامنے ظاہر کر دی ہے۔ لیکن وہ ابھی تک پردہ راز میں ہے۔

ٹائمس کے مضمون پر بابو راجندر پرشاد کی رائے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ انگریزوں کے اتنے بڑے نامور اخبار ٹائمس نے فیڈریشن کی مخالفت میں کانگرس کی بعض دلیلیں تسلیم کر لی ہیں مجھے امید ہے کہ نامزدگی رہنے کہ ریاستوں کی رعایا کو ابتدائی سول آزادی مل جانا چاہئے۔ والیان ریاست کے نزدیک قابل قبول ہوگی۔

صرف ایک بات ایسی ہے جس پر مجھے کچھ کہنا ہے۔ ٹائمس کہتا ہے کہ موجودہ بین اقوامی حالات میں کوئی برطانوی وزیر اعظم اس بات پر نہیں آمادہ ہوگا کہ پرانی بحثوں کو پھر سے زندہ کرے۔ میری رائے میں اگر اسی طرح ہندوستان فیڈریشن کی مخالفت کرتا رہا۔ تو موجودہ بین اقوامی حالات ایسے ہیں کہ کوئی برطانوی وزیر اعظم فیڈریشن کو مسلط کرنے کی نہیں سوچ سکتا۔ اور جہاں فیڈریشن کا قصہ پاک ہوا۔ ہندوستان کا سارا مسئلہ پھر سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور ہم زیادہ طاقت سے مکمل آزادی کا مطالبہ کر سکیں گے

سیاسی قیدیوں کی رہائی

یو۔پی۔ ۱۵۔ سیاسی قیدی یو۔پی میں اور رہا کر دئے گئے۔ اب تک ۱۵ قیدیوں میں سے ۱۲ رہا کئے جا چکے ہیں۔

بہار۔ پٹنہ ۱۵ مارچ۔ حکومت نے مزید سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر دئے ہیں۔ ان میں جوگندر کا سنگھ بھی شامل ہے۔ جسے ایک پولیس افسر پر حملہ کرنے کے جرم میں سزا ہوئی تھی۔ پچھلی سیاسی گتھی کے بعد سے اب تک ۲۲ سیاسی قیدی رہا کئے جا چکے ہیں۔

کانگرس کی جیت

کراچی۔ ۱۴ مارچ۔ اپر سندھ فرنٹیر حلقے کے الکشن کا نتیجہ معلوم ہو گیا۔ کانگرسی امیدوار مسٹر محمد امین کھوسو کو ۴۷۰۳ ووٹ ملے اور ان کے مخالف خان بہادر شیر محمد بجرانی کو ۳۳۹۲ خان بہادر صاحب وزارتی پارٹی کے امیدوار تھے۔

کانپور کا جھگڑا۔ کانپور کے مزدوروں کے نمائندے وزیر اعظم کے پاس گئے اور انھوں نے کہا کہ مزدور سبھا کے کارکنوں کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ مزدوروں کو حکومت کا موافق بنائے رکھیں جبکہ حکومت انکے لئے کچھ نہیں کر رہی ہے۔ اور جبکہ مل مالکوں کو موقع مل رہا ہے کہ سبکا جی چاہے سمجھوتے کی شرطوں کو توڑیں حکومت اس معاملے میں کچھ دخل نہیں دے رہی ہے۔ اور جانچ کمیٹی کی رپورٹ چھپنے میں برابر دیر ہوتی جا رہی ہے۔

نمائندوں نے کہا کہ اگر یہی صورت رہی تو مزدور پھر اسٹرائک کرنے لگے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ پچھلی حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی رجعت پسند اور مزدوروں کی دشمن ہے۔

وزیر اعظم برہما پر رشوت خوری کا الزام۔ برما اسمبلی میں ایک التوا کی تحریک اس بات پر پیش کی گئی کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو وزیر اعظم پر رشوت خوری کے الزام کی تحقیقات کرے۔

اس سے اسمبلی میں سخت کھلبلی مچ گئی۔ اور دونوں طرف کے ممبر ایک دوسرے پر پلنے لگے اسپیکر نے تحریک کو ختم کر دیا۔

اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب سید اختر احسن صاحب بہادر اسپیشل جج درجہ دوم مقام رائے بریلی

مقدمہ نمبری ۳ سنہ ۱۹۳۷ء۔ پیشی ۸ جولائی ۳۸ء

۱۔ بابو ہرنرائن لال ولد منشی مہابیر پرشاد
۲۔ بابو ناگیشری پرشاد نابالغ ولد بابو ہرنرائن لال بولایت بابو ہرنرائن لال

اقوام کائستھ ساکنان اکوڑہ بیاسلم پور بیرون بحرالکاہل اکوڑھیا پرگنہ و تحصیل سلون ضلع رائے بریلی۔ قرضدار سائل

بنام

ٹھاکر سدرشن سنگھ وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ بابو ہرنرائن لال ولد مہابیر پرشاد۔ ساکن اکوڑہ بیاسلم پور بیرون ضلع رائے بریلی۔ کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی گئی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے، درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۹ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء جاری ہوا۔

اسپیشل جج درجہ دوم ضلع رائے بریلی

مہر عدالت

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام چودھری محمد رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیرآباد لکھنؤ سے چھپوا کر منسٹر نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۱۳ | لکھنؤ - ۲۷ مارچ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱؍ سالانہ ۳؍

چنگا ڈال، مسلم لیگ لگ گئی

جابجا ہندو مسلم فساد ہو گئے۔ ان کی وجہ تلاش کرنے میں عام لوگوں کو دشواری ہوتی۔ لوگوں میں اختلاف رائے ہو جاتا۔ مگر اس موقع پر یو۔ پی مسلم لیگ کی آرگنائزنگ کمیٹی نے ایک ایسی قرارداد پاس کر دی جس سے یہ مشکل آسان ہو گئی۔

حکومت نے فساد کو ٹھنڈا کرنے کیلئے باہر سے پولیس اور مجسٹریٹوں کو بھجوایا وزیر خود موقع پر گئے۔ الہ آباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے فساد کو مٹانے کی ایک اسکیم تیار کی۔ ٹھیک اسی موقع پر یو۔ پی مسلم لیگ کی آرگنائزنگ کمیٹی نے ایک قرارداد پاس کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کو مسلم اقلیتوں کی حفاظت کی ذرا پروا نہیں۔ اگر اس نے موجودہ رویہ نہیں بدلا تو اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا اس کمیٹی نے مسلم لیگ سے التجا کی ہے کہ مسلمانوں کو آئندہ ظلم سے بچانے کے لیے کوئی تدبیر نکالے۔ وہ تدبیر کیا ہو سکتی ہے؟ صرف ایک۔ وہ یہ کہ ہندوؤں کو اتنا مارو، اتنا مارو کہ پھر وہ دب کر فساد کرنا چھوڑ دیں۔

مسلم لیگ کی طرف سے جتنی تقریریں ہوتی ہیں ان سب میں ہندو مسلم فساد کی جڑ جم ہوتے ہیں۔ مسلمان عوام میں مسلم لیگ کے لیڈر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے۔ ہندو کافر ہیں۔ ان سے صلح کرنا حرام ہے۔ کانگریس مسلمانوں کے حقوق مار رہی ہے ان حقوق کے بچانے کے لئے کانگریس سے لڑو۔

اگر عوام ٹھہر کر پوچھتے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حقوق ایسی چیز ہیں جو اگر مل گئے تو سب مسلمانوں کا بھلا ہو جائے گا۔ یہ خیال غلط ہے یا صحیح اس سے یہاں مطلب نہیں۔ سوال صرف اتنا ہے کہ ان کے حاصل کرنے کا ذریعہ مسلم لیگ کیا بتاتی ہے۔ کچھ نہیں۔ وہ مسلمانوں کے دل میں کانگریس یعنی (انکے بقول) ہندوؤں کی طرف سے نفرت بھر دیتے ہیں۔ مگر اس نفرت سے کچھ کام نہیں لیتے۔

جہاں ایک فرقہ نے دوسرے سے نفرت کا اظہار کیا۔ خواہ مخواہ دوسرے کے دل میں بھی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دونوں فرقوں کی یہ نفرت آہستہ آہستہ بارود بھرتی رہتی ہے۔ ایک ذرا سا واقعہ ایک ہندو مسلم فساد اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے جسمیں دونوں فرقوں کی جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر وہ لوگ مارے جاتے ہیں جنکا فساد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ نفرت پیدا کرنے والے جوشیلی تقریریں کرنے والے لیڈر گھروں پر بیٹھکر خبریں سنتے ہیں! پھر لیڈر ہی جانے کا موقع پاکر صلح کی کوششیں کرتے ہیں۔

جس وقت مسلم لیگ کے کسی لیڈر نے ہندوؤں کے خلاف نفرت پھیلائی۔ اور یہ بتایا کہ تم انکو ہرانے، یا مٹانے کے لئے کیا کرو۔ اسی وقت اس نے فساد کا بیج بو دیا۔ اسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ کارروائی مسلم لیگ کی آرگنائزنگ کمیٹی نے کی ہے۔ اس نے بتا دیا کہ مسلمانوں پر کانگریس ظلم کر رہی ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ اس ظلم سے کیسے لڑو۔ چھوٹے الکشنوں میں ان جذبات کی نکاسی کی ایک راہ مل گئی تھی۔ اب وہ راہ نہیں رہی۔ پھر فساد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

اگر مسلم لیگ کہیں یہ بتا دے کہ 'حقوق' کیا ہیں ان سے کن کن جماعتوں کو بھلا پہنچ سکتا ہے۔ اور انکے لئے لڑنے کا ایک جانبدار پروگرام بنا دے، تو اسی دن مسلم لیگ ختم ہو جائے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں اسی وقت ممکن ہیں جب زمیندار و کاشتکار کا بنیادی جھگڑا مان لیا جائے۔ اور جہاں یہ مانا، فرقہ پرستی ٹوٹی —

ہندو مسلم فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ ان کا حل کیا ہے؟

ایک کہا سنا جواب ہم کہے گا۔ اسلئے کہ مسلمان بڑے فسادی ہوتے ہیں حل صرف یہی ہے کہ ہندو سنگھٹن بنائیں اور مسلمانوں کو اتنا دبائیں کہ انکو لڑنے کی ہمت نہ پڑے۔

ایک لگی ہو، سب ہی کہہ گئے کہ ہندو بڑے فسادی ہوتے ہیں۔ حل صرف یہی ہے کہ مسلمان اکٹھا کر لیں، اور ہندوؤں کو اتنا دبائیں کہ انکو لڑنے کی ہمت نہ پڑے۔

اگر دونوں ایک ہی وقت میں کام شروع کر دیں تو کیا فسادات ختم ہو جائیں گے؟

جواب میں کوئی سمجھدار شخص ہاں نہیں کہہ سکتا۔ یہ ماننے فساد کے ہیں، نہ کہ صلح کے۔

غیر جانبدار لوگوں میں سے کچھ کہیں گے کہ سب فرقہ وار لیڈروں کا کیا دھرا ہے۔

اگر کسی مقام کے ہندو مسلم فساد کی تحقیقات کرو تو آخر میں نکلتا یہی ہے کہ سب فرقہ پرست لیڈروں کا کیا دھرا ہے اس لئے فساد کے مٹانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فرقہ پرستی، اور فرقہ پرست لیڈروں کے پول کھولے جائیں۔ عوام کو سمجھایا جائے کہ جس راستے میں وہ قوم کو لئے جا رہے ہیں اسکا نتیجہ صرف ہندو مسلم فساد، دونوں فرقوں کی جان و مال کا نقصان، جیل، قید اور فرقہ پرست لیڈروں کی عزت افزائی، اور کچھ نہیں۔

عوام فرقہ پرست لیڈروں کے بہکانے میں کیوں آجاتے ہیں؟

اسکی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ دھوتی باندھنے والوں اور پائجامہ پہننے والوں میں کوئی بنیادی دشمنی ہے، ریاست کے دیہات ایسے ملتے ہیں جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی عام زندگی بالکل ایک سی ہے رہنے سہنے میں کوئی ظاہری فرق نہیں اور وہ برسوں اسی طرح رہتے چلے آئے ہیں یکبارگی مسلمانوں کو یا ہندوؤں کو احساس ہونے لگتا ہے کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے اور فساد کی بنیادیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

بہت سے ایسے شہر بھی جہاں ہندو و مسلمان برسوں سے مل جل کر رہتے آئے ہیں اور دونوں میں نبھتی چلی آئی ہے۔ پھر یکبارگی ان میں نفرت پھیلنے لگتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کنارہ کش کرنے لگتے ہیں۔ فرقہ داری پر جماعت بندی ہونے لگتی ہے۔ اور کھینچ تان جاری رہتی ہے۔ پھر کسی تہوار یا جلوس کے موقع پر فساد ہو جاتا ہے

ایک پائجامہ پہننے والا اسی وقت دھوتی سے جلتا ہے جب اس کے دل میں دھوتی سے نفرت بیٹھ چکی ہو۔ اور یہ نفرت اسی وقت بیٹھتی ہے جب دھوتی باندھنے والوں کی طرف سے اسکو، یا اسکے اپنوں کو نقصان پہونچا ہو۔

تین چار سال کا واقعہ ہے کہ ایک جگہ فساد ہو گیا تھا۔ تمام اخباروں نے صرف اتنا کہکر کہ مسلمانوں کا قصور ہے، یا ہندوؤں کا قصور ہے۔ خاموشی اختیار کر لی۔ حالانکہ فساد کی بنیادیں ایسی تھیں کہ ذرا سی تحقیق پر کھل سکتی تھیں۔

اس جگہ کانچ کی چیزیں، خاصکر چوڑیاں بہت تیار ہوتی ہیں پہلے یہ تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ دستکاروں میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تمیز نہ تھی۔ رفتہ رفتہ ہندو پونجی داروں نے وہاں کارخانے کھولے۔ اب انکو ضرورت پڑی دستکاروں اور گاہکوں کے توڑنے کی۔ وہ خود بڑے پوتر، اور چھوت چھات والے تھے۔ خوب کتھائیں کہلوائیں۔ مہاسبھائی کام کئے، اور دھرم کے نام پر بہت سے ہندو دستکار اور گاہک توڑ لئے۔ مسلمانوں کو گھاٹا ہوا انھوں نے اپنی تجارت سنبھالنے کے لئے اسلامی علم اٹھایا۔ یہ کشمکش دو سال تک جاری رہی۔ نتیجہ میں فساد ہو گیا۔

اسی طرح اگر کسی متعصب سے ملو، اور اسکے تعصب کی وجہ کو کریدو۔ تو نکلا آتا ہے کہ فلاں ملازمت پر ہندو سے لیا گیا، انکا دوست مسلمان نہیں لیا گیا۔ یا فلاں ہندو مہاجن نے انکا مکان نیلام کرا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے ان جھگڑوں کا ایک حل یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو بنارس یا الہ آباد میں جا کر تحقیق کرے۔ لڑائی اٹھانے والے زیادہ تر اوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ لڑائی کی وجہ مذہب نہیں بلکہ بیکاری اور بیروزگاری ہے

مسلم لیگ کے دو نمونے

ہمکو مسلم لیگ تحصیل سندیلہ کے ایک چھپے ہوئے اشتہار کے دو نسخے ملے ہیں اشتہار کی سرخی ہے مسلمانو! مسلم لیگ کے ممبر بنو۔ کیوں ممبر بنو؟ قدرتی سوال ہے۔ اسکے جواب میں اشتہار کہتا ہے۔

"مذہب کا حکم" پیغمبر صاحب نے فرمایا اور قرآن میں حکم آیا ہے سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مسلمانوں میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں۔"

امیر و غریب کا جھگڑا بڑا ڈراؤنا ہے۔ اگر یہ کہیں مسلم لیگ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا تو پھر امیروں کے لئے ایک سایہ دار جگہ ہے وہ بھی نہ رہے گی۔ پہلے اسی کو صاف کر دیا۔ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لیکن اب بھی یہ ڈر تھا کہیں کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ اگر تم ہمارے بھائی ہو۔ تو آؤ ہماری تکلیفوں میں ہماری مدد کرو۔ لگان لینا بند کر دو۔ اسی لئے آگے چلکر کہتے ہیں سب مسلمانوں کو ملکر رہنا چاہئے۔ پھوٹ اور دشمنی دور کرنا چاہئے۔" ظاہر ہے جو غریب مسلمان کہتا ہے لگان نہ لو، وہ کاشتکار اور زمیندار میں پھوٹ ڈالتا ہے۔

اسکے بعد کی سرخی ہے کہ "مسلم لیگ میں شریک ہو"۔ اس میں آٹھ سطروں کی عبارت ہے اور صرف اتنا مطلب ہے کہ "اسکے ذریعے تم جو تکلیف اور جو مصیبت بیان کرو گے .. اسے سب غور سے سنیں گے۔" کاشتکاروں اور مزدوروں کے لئے وہ مصیبت کون سی ہو گی؟ مسلم لیگ ایسی فضول باتوں میں نہیں پڑتی۔

آخری سرخی ہے "مسلم لیگ کیا کرنا چاہتی ہے"۔

مزدوروں اور کسانوں کی مہاجنوں کے ظلم اور زمینداروں کی زیادتیوں سے بچاؤ کرنی ہے . . . . لگان انصاف سے لیا جائے . . . گاڑھے کے کپڑے پہنو۔ تجارت کرو . . . . .

کہیں یہ نہیں بتایا کہ تمہاری مصیبتیں کیا ہیں؟ اور اسکے لئے جد و جہد کیسے کرنا ہے

اصل میں کلی یہاں آکر کھلتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"ان کو دنیا میں آزاد رہنے کا حکم ہے۔ مسلمان سوائے خدا کے کسی کی غلامی نہیں کر سکتا۔ مسلم لیگ اسی قرآنی حکم کے مطابق دیس کو غیروں کی حکومت سے نکالنا

ثنا والے لفظوں کو کچھ اشتہاروں میں روشنائی پھیر کر مٹایا گیا ہے۔ اور کچھ میں پتھر پر چھیل دیا گیا ہے۔ بھولے سے لکھ گئے ہوں گے۔ اب جو حضور برطانیہ کی خفگی کا خیال آیا۔ گھبرا گئے۔ جتنے اشتہار چھپ گئے تھے ان پر روشنائی پوتی۔ اور پھر پتھر پر چھیل دیا۔ آزادی کے لئے قرآنی حکم! برطانیہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ! اس میں جد و جہد، لگان بندی، سول نافرمانی سب ہی کچھ تو آ جاتا ہے۔ سو [illegible] خیریت ہو گئی۔

مسلم یونیورسٹی میں وائس چانسلر کا الیکشن

دو امیدوار کھڑے ہوئے ہیں۔ سر ضیاء الدین۔ اور نواب اسمٰعیل۔ دونوں میں کون بہتر ہے؟ ووٹ کسکو دینا چاہئے؟

علی سردار جعفری نے ایک پمفلٹ "علیگڑھ" شائع کیا ہے، جس میں ڈاکٹر ضیاء الدین کے کارنامے بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ انھوں نے یونیورسٹی میں

گئے ہی حکومت سے تعاون کا سبق پڑھایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں اپنی وفاداری کا ثبوت ہر ممکن طریقے سے دینا چاہئے تاکہ علیگڑھ کے لڑکوں کو دفتروں میں زیادہ سے زیادہ آسامیاں مل سکیں۔ ساب تعلیم و تربیت نہیں بلکہ حکام کو خوش رکھنا مسلم یونیورسٹی کا اصل مقصد تھا۔ اب سر جیمس گرگ، سر ہنری کرک، سر اے این سرکار نے یونیورسٹی میں آنا شروع کیا۔ ہر شخص کی آمد سے دو تین دن پہلے طلبا کو وفاداری اور جاں نثاری کا سبق پڑھایا جاتا تھا۔ سلام کرنے اور تالیاں بجانے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگانے کا حکم ملتا تھا۔ طلبا کو مجبور کیا جاتا تھا کہ حکام کی آمد پر کمروں میں نہ رہیں بلکہ استقبال کریں ڈائرکٹر سرشتۂ تعلیم یو۔ پی ہمیشہ معمولی طریقے سے آیا کرتے تھے۔ انکی آمد کی اشاف کے ممبروں کو بھی مشکل سے خبر ہوتی تھی لیکن اب انکا استقبال شاہانہ کیا گیا۔ "ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی میں کیا آئے گویا میئر آگئے"۔ یہ ہیجان زبردستی طلبا کی یونین کے سر تھوپے جاتے اسی سلسلے میں ایک جھگڑا اٹھا اور آخرکار یونین کی کابینہ کو استعفا دینا پڑا۔ نئے الکشن میں اشاف نے چاہا کہ انکے طرفدار منتخب ہوں مگر طلبا نے انکو بری طرح ہرایا۔

سرکاری افسروں کی اتنی خوشامد اور قومی لیڈروں کی اتنی قدردانی کہ کملا نہرو کے انتقال پر تعزیتی جلسہ کرنے کی یونین کو اجازت نہیں ملی۔ ایک طالب علم ضمیر صدیقی نے پنڈت جواہر لال نہرو کی موافقت میں ایک مضمون لکھ دیا تو اس سے کہا گیا کہ "تم کو آئندہ اسکا نتیجہ بھگتنا پڑے گا" چنانچہ اس سال اسکا داخلہ نہیں ہو سکا۔

ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبا کھلی بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک ایسی اسٹرائک ہوگئی کہ جسکی نظیر ہندستانی یونیورسٹیوں میں نہیں ملتی۔ مجبوراً وائس چانسلر کو یونیورسٹی بند کر دینا پڑی۔ یونیورسٹی کے کچھ ہمدردوں نے آفتاب ہال قائم کیا تھا۔ دو ہی سال میں اسکے فائدے ظاہر ہوئے اور وہاں سے "کچھ" کرنے والے" طالب علم نکلنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ ہر جائز تحریک اسی ہال میں اگر زور پکڑتی ہے تو اسکے پیچھے پڑ گئے۔ حبیب اللہ کو جو اسکے منتظم تھے الگ کیا۔ وہاں کے لڑکوں کو منتشر کیا۔

اسمبلی کے الکشن کے موقع پر وائس چانسلر نے طلبا اور اشاف کو ن۔ ا۔ ب کا ساتھ دینے پر مجبور کیا۔ اشاف پر سختیاں اتنی بڑھیں کہ ایک لکچرار محمد شافل نے اس پر بھوک ہڑتال کر دی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین کے دور میں پڑھنا — سوچنا — بحث کرنا جرم ہے۔ یونیورسٹی صرف ایک خیال کی تربیت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ برطانیہ پرستی کو اپنا عقیدہ و ایمان سمجھو۔ اسی کے انعام میں حکومت نے آپ کو "سر" کا خطاب عطا کیا۔

نواب اسمٰعیل سوشلسٹوں کے سخت مخالف تھے۔ مگر انہیں کے زمانے میں ڈاکٹر اشرف اشاف میں آئے۔ انہوں نے طلبا کے پڑھنے، سوچنے بحث کرنے، اور یونیورسٹی میں تقریر کرنے پر کوئی گرفت نہیں کی۔ اسکے علاوہ وہ ایک سیاسی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں طلبا کو سیاسی آزادی دینا پڑے گی۔ ہاں وہ اپنے خیالات کا پرچار کرینگے۔ ہمکو اس سے کوئی ڈر نہیں۔ یونیورسٹی کا خاص مسئلہ ہے بیکاری۔ اور بیکاری دور کرنے کا پروگرام مسلم لیگ بنا ہی نہیں سکتی۔ بلکہ اس مسئلے کے اسباب بھی نہیں سمجھا سکتی۔ نواب اسمٰعیل سر ضیاء الدین سے بہتر ہیں۔

اسپین میں فسطائیت کے قدم

فرانس گھبرایا ہوا ہے کہ اسپین میں فسطائیت جگہ پکڑتی جاتی ہے۔ اسپینی فسطائیت کا صاف مطلب ہے مسولینی کی طاقت۔ اور یہ طاقت اگر اتنی بڑھ گئی تو فرانس کے لئے بہت خطرناک ہوگی۔

اسپین کا سارا رقبہ ۱۹۴۷۰۰ مربع میل ہے جس میں سے ۱۱۴۰۰۰ مربع میل فرانکو فتح کر چکا ہے۔ پچھلے ہفتہ میں ۲۵ ہزار میل کا اور رقبہ ملا۔ افریقی نوآبادی کا جو حصہ ۸۰ ہزار ساڑھے سو مربع میل ہے سب فرانکو کے پاس ہے۔

اگر فرانس اس دکھاوے کی غیر جانبداری میں نہ پھنسا رہا ہوتا اور جسطرح اٹلی فرانکو کی مدد کر رہا ہے اسپین کی مدد کرتا رہتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن اب بھی وقت ہے۔ اتنے دباؤ پر بھی اسپینی حکومت کی جان توڑ کوششوں میں کمی نہیں آئی ہے۔

بھوپال میں زبان بندی

مدینہ کا بھوپال میں داخلہ بند

'مدینہ' ۵ مارچ اور ۹ مارچ کے پرچوں میں ایک مضمون "ریاست بھوپال" از ا۔ ب۔ نعمانی چھپا ہے جس میں موجودہ والی ریاست۔ اور ریاست کے انتظام کی بہت سی شکایتیں تھیں۔ مثلاً یہ کہ موجودہ نواب بھوپال کو علمی یا اصلاحی مشغلوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ انکا دلچسپ مشغلہ شکار، پولو یا اسی قسم کی دوسری تفریحات ہیں۔ چونکہ ان تفریحوں کے لئے بھوپال ناکافی ہے۔ اسلئے کلکتہ، بمبئی اور اکثر یورپ جاتے ہیں، اور ظاہری شان و شوکت کو برقرار رکھنے میں بہت کچھ صرف کر دیتے ہیں جسے ریاست کی ساٹھ لاکھ کی آمدنی میں سے منہا کرنے کے بعد مفاد عامہ کے لئے بہت کم رقم بچتی ہے۔ علاوہ اس کے ریاست کی آمدنی ایسی کم ہوگئی ہے کہ ریاست کو حکومت ہند سے ۴۰ لاکھ قرض لینا پڑا۔ مفاد عامہ کے نام پر کچھ وقف ہیں، انکا انتظام بھی بہت خراب ہے۔ لوگوں کو ڈر ہے کہ وقف کا روپیہ بھی ذاتی عیش و عشرت میں صرف ہو رہا ہے۔

ان بدانتظامیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ رعایا میں عام بےچینی پیدا ہو رہی ہے۔ اور مختلف قسم کے ہنگامے جابجا اٹھ رہے ہیں۔ کئی جگہ یہ ہوا کہ پہلے ڈاکوؤں نے روپیہ کا مطالبہ کیا اور بعد کو ڈاکہ ڈالا۔

بھوپال میں کسی قسم کا جلسہ سیاسی یا مذہبی منعقد کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص جلسہ کا ارادہ کرے تو اس کو مجسٹریٹ سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ ایک صاحب نے ۲۲ ۲۳ دوستوں کو چائے پر مدعو کیا۔ انکا ارادہ تھا کہ وہاں 'بھوپال کی ذمہ دار حکومت کے قیام'

کچھ سیف کیا ہے۔ مجسٹریٹ کورٹس۔ آئی۔ ڈی سے غبارگی گئی، اس نے داعی صاحب کو بلاکر جلسہ کی ممانعت کر دی۔

تحریک آزادی کا یہ حال ہے کہ تین سال کے اندر چھ اخباروں سے جاری ضمانتیں طلب کی جا چکی ہیں، اگر باہر سے کوئی کتاب یا رسالہ آتا ہے تو محکمہ ساز چھاپہ اسکا سامنا کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ریاست میں کوئی آزاد اخبار موجود نہیں۔

گزشتہ سال کے اندر حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں ۱۱ آدمی سزا یاب ہو چکے ہیں۔ دس بارہ آدمی نظر بند ہو چکے ہیں۔

پہلے تو بھوپال کے لوگ اپنی غریبی کی وجہ سے سمجھتے رہے کہ ریاست میں غیر بھوپالیوں کو ملازمتیں ملتی ہیں۔ لیکن اب رفتہ رفتہ سمجھ میں آتا جا رہا ہے کہ اصل خرابی ریاست کی بد نظمی ہے۔ اس لئے حال ہی میں "بھوپال اسٹیٹ پیپلز ایسوسی ایشن" قائم ہوئی ہے۔ اس کا نصب العین صاف اور صریح یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک براہ راست عوام کو تسلیم کیا جائے۔ یہ چیز والیان ریاست کے لئے بے حد مضر ہے۔ چنانچہ شہر میں یہ کہکر ڈرایا جا رہا ہے کہ بھوپال میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، ہندو قابض ہو جائیں گے۔ رنج و مصیبت کے ہولناک تجربات حاصل کرنے کے بعد بھوپال کو یقین ہو گیا ہے کہ اس وقت جو افراد حکومت کی باگ ڈور کے مالک بنے ہوئے ہیں وہ اگرچہ بظاہر نام کے اعتبار سے مسلمان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں انکا مذہب عیش و عشرت ہے۔ اور بس۔"

مضمون میں زیادہ تر ایسی باتیں ہیں جو ہم باہر والوں کو بھی ٹھیک معلوم ہوتی ہیں۔ اگر کچھ باتیں غلط تھیں تو ریاست کے ایجنٹ انکی تردید کر سکتے تھے۔ مضمون کا مقصد بغاوت نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ رعایا کو تحریر و تقریر کی آزادی ملنا چاہیئے۔ اور پبلک کاموں کی طرف ریاست کو توجہ کرنا چاہیئے۔ ایسے سیدھے سے مضمون پر بھی "ریاست بھوپال" اتنا بگڑی کہ مدینہ کا داخلہ اپنے یہاں بند کر دیا۔ یوں مضمون کی سچائی ثابت ہو گئی۔ کہ اتنی سی بات کہنے کی بھی اجازت نہیں ع۔ "گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے"

اس مضمون نے بڑا کام کیا کہ بتا دیا کہ والیان ریاست کیا ہیں اور وہاں کی رعایا کیا ہے۔ اور یہ کہ ان لوگوں سے ملی بھگت کر کے فیڈریشن بنانا۔ رعایا۔ کے ساتھ کتنا سخت ظلم ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر ریاست سے اس قسم کے مضمون آئیں اور ریاستی انتظام کی تباہ کاریاں دکھائیں۔ مدینہ نے اسکو چھاپ کر ملک کی بڑی خدمت کی۔ داخلہ کا بند ہو جانا اس خدمت کی سند ہے۔ ریاستی مظلوم بھائیوں کی ہمدردی میں یکوا ایسی بہت سی سندیں حاصل کرنا چاہیئں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ بھوپال کی آزادی کی تحریک کی کیا حیثیت ہے؟ کون طاقت اسکو چلا رہی ہے، کس سمت پر یہ جا رہی ہے؟

چند سال ادھر بھوپال میں بھوپالی اور غیر بھوپالی کی تحریک اٹھی تھی۔ بکثرت ملازمتیں ٹھیکے، اور مختلف قسم کی رعایتیں غیر بھوپالیوں کو دی گئیں اس سے وہ لوگ جو ان ملازمتوں ٹھیکوں اور رعایتوں کے امیدوار تھے، یا جنکو امید تھی کہ پڑھنے کے بعد ہم یا ہمارا لڑکا یا بھائی انکی امیدواری کرے گا اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ یہ لوگ (۱) تعلیم یافتہ بیکار نوجوان (۲) بڑے جاگیردار (۳) چھوٹے چھوٹے جاگیردار تھے۔ یعنی ریاست کا بالائی اوسط طبقہ۔ اس تحریک نے سنہ ... میں کھلی شورش کی صورت اختیار کر لی۔ متعدد لوگ گرفتار ہوئے نظر بند ہوئے۔ تحریر و تقریر پر زبردست پابندیاں عائد کی گئیں۔ لیکن بالائی اوسط طبقہ میں تحریر و تقریر سے آگے قدم دھرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بڑے بڑے ارادے کر کے قدم اٹھاتے ہیں مگر، آرام کی لت، اور خاندان کا بار پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتا ہے۔ اس لئے اس تحریک میں بھی زیادہ جان نہیں آسکتی مگر بالائی اوسط طبقہ ایسی طاقت ہے کہ جس کی مدد پر ریاست کی فرمانروائی موقوف ہے۔ اس طبقہ کے اختیار میں اتنا ہے کہ اگر چاہے تو شہری عوام کو بھڑکا دے۔ اسلئے انکی خفگی کا اثر یہ پڑا کہ ریاست کی ملازمتوں میں بھوپالی اور غیر بھوپالی کا لحاظ کیا جانے لگا۔ کچھ بیکار نوجوان کی ملازمتوں میں کھپت ہو گئی۔ اور کچھ ٹھیکے اور رعایتیں بھوپالی جاگیرداروں کو مل گئیں۔ مگر اس نیچے اور اوسط طبقے کا کچھ بھلا نہ ہوا۔ کیونکہ ان نعمتوں تک ان کی پہنچ ہی نہ تھی۔ دوسری طرف چند ملازمتوں اور رعایتوں سے بالائی اوسط طبقے کی آدھی امنگیں بھی پوری نہ ہوئیں۔ اس بیداری نے اب بھوپالی عوام سبھا (بھوپال اسٹیٹ پیپلز ایسوسی ایشن) کی شکل اختیار کی ہے۔ جسکا نصب العین یہ ہے۔

"فرمانروائے بھوپال کو کسی قسم کی گزند پہنچائے بغیر بھوپال میں مکمل ذمہ دار حکومت کا قیام یعنی حکومت کے عاملانہ اور مقننہ (لیجسلیچر اور اگزیکٹیو) دونوں شعبوں کی ہیئت ترکیبی کامل کل الوجوہ اہل بھوپال کے بلا واسطہ منتخبہ نمائندوں سے تشکیل کیا جانا۔"

آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصب العین خاصا اونچا ہے۔ اس میں عوام کو حق دیا جا رہا ہے لیکن ابھی انکی مدد کو اس تحریک میں پوری طرح تحصیل نہیں کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں بعض مانگیں مفصل ہیں۔ مثلاً تحریر و تقریر کی آزادی۔ اعلیٰ تعلیم کا انتظام۔ یہ سب مانگیں بہت ضروری ہیں۔ ... کمی سے قوم کا دماغ نیچا ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنی اچھائی برائی سمجھنے کی اہلیت نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی یہ مانگیں جنسے براہ راست فائدہ صرف اوسط طبقہ اٹھا سکتا ہے۔ ایسی مانگوں کا ہونا ضروری ہے جن سے عوام کو فائدہ پہنچے۔ اسی مضمون کا ایک فقرہ ہے۔

"مفلسوں اور فاقہ کشوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ بے روزگاری دن بدن بڑھ رہی ہے۔"

مفلسی اور بے روزگاری دور کرنا " بھوپالی عوام سبھا" کے نصب العین میں ہونا چاہیئے اور چونکہ یہ وہ بلا ہے جس میں اوسط طبقے سے زیادہ مزدور اور کسان گرفتار ہیں اسلئے یہ بات صاف ہو جانا چاہیئے کہ ووٹ کا حق ہر عاقل و بالغ کو دیا جائے گا۔ اسکے بعد عوام کو صرف ایکبار جھنجھوڑ دینے کی ضرورت ہے۔ پھر تحریک ریاست کی چھوٹی سی آبادی میں سرایت کر جائے گی۔

اس وقت کسی والی میں اتنی طاقت نہ ہوگی کہ تحریک کو فنا کر دے۔ عوام جیاں تک بڑے پھر انکو کوئی سلا نہیں سکتا۔ اور وہ چونک کر رہینگے۔ کیونکہ کچھ چھوٹی چھوٹی اصلاحیں مل بھی گئیں تو اس سے گنتی کے لوگوں کا بھلا ہوگا۔ اوسط طبقے کے باقی لوگ اب بھی مصیبتوں میں ہیں، تب بھی رہیں گے۔ انکی مصیبتیں اسی وقت دور ہو سکتی ہیں جب عوام کی مصیبتیں دور ہوں۔ مفلسی اور بے روزگاری کے مٹنے، جنہوں نے آزادی کی تحریک اٹھائی ہے۔ جب تک اکثریت کے لئے مٹ نہیں جائیں گے تحریک چلتی رہے گی، لوگوں کو چونکاتی رہے گی، اور ابھارنے میں لگی رہے گی۔ انکا حل اسی صورت میں ممکن ہے جب ایسا نظام حکومت بنے جس پر سب کا قبضہ ہو جو سب کی خدمت کے لئے ہو۔ اور سب کے روزگار کا ذمہ دار ہو۔ یہ منزل بہت دور نظر آتی ہے۔ لوگ اسلئے ڈرتے ہیں کہ جن مصیبتوں میں اس وقت گھرے ہیں وہ دور ہو جائیں۔ جب انکو یہ منزل دکھاؤ تو گھبرا جاتے ہیں کہ ڈرینگے ہم اور پھل کھائینگی آنے والی نسلیں۔ لیکن چاہے وہ جتنا گھبرائیں۔ منزل ایک ہے۔ اسکے سوا کوئی نہیں۔

روس کا پنجسالہ پروگرام

(قسط نمبر ۴)

مشینوں کی مشین

مشینیں بنانے کے لئے ہمکو دھات مہیا کرنی ہوگی اور انکو چلانے کے لئے ہم پانی، بھاپ اور بجلی کی طاقت بھی پیدا کرینگے لیکن ہم مشینیں کس کس طرح کی تیار کرینگے؟

ہر کام کے لئے مشینیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔ سوت کاتنے اور کپڑا بننے والی، جوتا سینے اور کاغذ بنانے والی، حساب کرنے والی غرضکہ ہزاروں طرح کی مشینیں ہوتی ہیں اور ایسی بھی مشینیں ہوتی ہیں جو مشینیں بناتی ہیں۔ یہی سب سے زیادہ ضروری ہیں کیونکہ اگر ہم اس قسم کی مشینیں تیار کر لیں تو انسے ہم تمام دوسری مشینیں بھی بنا سکیں گے اگر ہمارے پاس لوہے کا سامان بنانے، ڈھالنے، کھراد مشینیں بنانے کے کارخانے اور پرزوں کو سان چڑھانے اور پالش کرنے کی مشینیں ہوں تو ہم خود ہی اپنے ہر کارخانے کے لئے مشین تیار کر سکیں گے۔

ابھی تک ہمارے پاس ایسی مشینیں بہت کم ہیں۔ ہمارے پاس موٹریں اور ہل مشینیں لیکن ایسی مشینیں نہیں ہیں جنسے ہم موٹر اور ہل بنا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی ہم کو موٹریں اور ہل مشینیں باہر سے منگانی پڑتی ہیں اور یورپ اور امریکہ کے سرمایہ داروں کو بڑی بڑی رقمیں دینا ہوتی ہیں۔ اب ہم اسکو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے ملک میں ہر کام پروگرام کے مطابق ہوتا ہے اور ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ کسی شخص کے ہمارے ہاتھ مشینیں بیچنے یا نہ بیچنے پر ہمارے سارے پروگرام کی کامیابی یا ناکامیابی کا دارومدار ہو۔ غیر ملکی سرمایہ دار ہمارے پروگرام سے خوش نہیں ہیں وہ ہر طرح سے ہم کو گھٹانے کی کوشش کرینگے کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم سوشلزم کی تعمیر کر رہے ہیں اور سوشلزم کی تعمیر منافع کمانے کے خلاف ہے۔ لیکن پھر ہمارے ہاتھ مشینیں کیوں فروخت کرتے ہیں؟ صرف اسلئے کہ انکا اپنا سامان نکالنے کے لئے خریداروں کی ضرورت ہے۔

ہم کو یورپ اور امریکہ کے سرمایہ داروں کے قابو سے آزاد ہونا ہے اور اسلئے ہم کو سب سے پہلے ایسی مشینیں بنانا چاہیئے جنسے ہم دوسری مشینیں بنا سکیں۔

پرانے زمانے میں آدمی ہر چیز ہاتھ سے بناتا تھا لیکن اب وہ چیزیں خود دوسری چیزیں بناتی ہیں۔ آدمی کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اوزار کو مشین کے فولادی پنجہ میں رکھدے اور مشین کو چلا دے۔

آہنی انسان

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ مشین ایک آہنی انسان کی طرح کام کرتی ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اگر مشین صرف انسان کی طرح کام کرتی ہے تو اس میں روپیہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں اسکو آدمی سے زیادہ اچھا کام کرنا چاہیئے انسان سے سو گنا زیادہ طاقتور صحیح اور تیز ہونا چاہئے۔ اور وہ ہوتی بھی ایسی ہی ہے۔

آدمی کے صرف دو ہاتھ ہوتے ہیں لیکن مشین کے ہم جتنے ہاتھ چاہیں بنا سکتے ہیں۔

آدمی ایک وقت میں دو اوزاروں سے بھی کام نہیں کر سکتا لیکن مشین دو کے بجائے سینکڑوں اوزاروں کیساتھ چلاتی ہے اور کئی کئی کام ایک ساتھ کرتی ہے۔

مثال کے طور پر کھراد مشین کو لو۔ آدمی صرف لوہے کی چھڑ مشین میں رکھدیتا ہے اور مشین کے مختلف اوزار فوراً اسی دیر میں نہایت ہی صاف اور مضبوط بولٹ بنا کر تیار کر دیتے ہیں۔ کھراد مشین میں ۹ اوزار ہوتے ہیں اور کوئی اوزار بھی بیکار نہیں رہتا۔ کون انسان اتنے بہت سے کام ایک ساتھ کر سکتا ہے۔

تیزی میں بھی مشین اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اکثر اوزار اتنی تیزی سے لوہا کاٹتے ہیں کہ وہ سرخ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اوزار خاص قسم کے فولاد سے بنائے جاتے ہیں۔

کیا تم نے کبھی لوہاروں کو کام کرتے دیکھا ہے؟ دو دو آدمی ایک ساتھ کام کرتے ہیں ایک لوہے پر چھوٹے ہتھوڑے سے ہلکی سی چوٹ لگاتا ہے اور پھر دوسرا پوری قوت سے اسی جگہ پر بڑا گھن مارتا ہے۔ لیکن کیا ایک انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ہر بار اتنا بڑا گھن پوری قوت سے ایک ہی جگہ پر مارتا ہے؟ جتنی زیادہ قوت سے چوٹ ماری جاتی ہے اتنا ہی زیادہ امکان اسکے چوک جانے کا ہوتا ہے لیکن آہنی لوہار کا [illegible] گھن کبھی غلطی نہیں کرتا۔ ہر چوٹ ناپ تول کر ماری جاتی ہے اور کوئی چوک ہو ہی نہیں سکتی۔ مشین پر کے مزدور کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مشین کے پاس سامان پہنچاتا ہے اور تیار اشیاء کو ہٹاتا ہے۔

مشینوں کی فوج

ہم کو سب سے پہلے کھراد مشینوں، فولادی بھٹیوں، کولھوں اور آرہ مشینوں کی ضرورت ہے لیکن انکو چلانے کے لئے ہمارے پاس انجن، بھاپ اور پانی سے چلنے والے چکر اور بجلی سے چلنے والے انجن ہونا چاہیئے ہمارے پاس ابھی ایسے انجن بہت کم ہیں۔ اور یہ کھراد مشینوں سے بھی زیادہ ضروری ہیں۔ پنجسالہ پروگرام کے ختم تک ہمارے پاس اب سے چوگنی زیادہ کھراد مشینیں ہونا چاہیئیں اور بھاپ سے چلنے والے چکر اب سے گیارہ گنا زیادہ ہونے چاہیئیں پانی کے چکر بھی [illegible] گنے بڑھ جانے چاہیئے ہونگے۔ ان سب کا بندوبست کرنا بہت بڑا کام ہے لیکن ہم کو اسے پورا کرنا ہوگا۔ ورنہ ہمارا پورا پنجسالہ پروگرام برباد ہو جائیگا۔

ذرا خیال تو کرو کہ ہم نے کتنے پانی اور بھاپ سے بجلی بنانے والے کارخانے تیار کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انمیں سے ہر ایک میں چکر درکار ہونگے۔ اور بوائلر؟ یہ بھی ہمارے پاس کافی نہیں ہیں اور جو ہیں ان میں سے بھی بہت سے پرانے ہو چکے ہیں۔ ہر دس بوائلروں میں تین ایسے ہیں جنکی عمر پچیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ مشین کی عمر آدمی کی عمر سے کم ہوتی ہے اور پچیس سال کی عمر میں بوائلر بڈھا ہو جاتا ہے۔

بڈھوں سے کام نہیں ہو سکتا۔ انکو استعفاء دیدینا چاہئیے۔ ہم ان پرانے بوائلروں کو بھٹیوں میں پگھلا ڈالیں گے۔ اور وہاں سے وہ نئے اور مضبوط بوائلر بن کر نکلیں گے۔

ہم کو مشینوں کی ایک پوری فوج درکار ہوگی انمیں سے کچھ ہمارے لئے کچا سامان۔ لوہا۔ کوئلہ تانبا اور پتھر وغیرہ فراہم کرینگی کچھ اس سامان کو کارخانوں تک پہنچانے کا کام کرینگی۔ کچھ سامان سے تیار اشیاء بنائیں گی اور کچھ ہمارے کھانے پینے کی چیزیں تیار کریں گی۔

اسلئے ہمارے مشین بنانے والے کارخانوں کو ہر سال ہزاروں مشینیں بنانا ہیں۔ ہمیں بہت سی تو ایسی مشینیں بنانا ہیں جو ہم نے پہلے کبھی نہیں بنائیں۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ ہمکو سینکڑوں بالکل نئے کاروبار شروع کرنا پڑیں گے اور بہت سی صنعتیں بالکل ابتداء سے قائم کرنا ہونگی۔

اس طرح ہمارے سامنے دو بڑے کام ہیں۔ نئی صنعتیں شروع کرنا اور مشینوں کی پیداوار بڑھا کر کئی گنا کر دینا۔ لینن گراڈ کے کل کارخانوں کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ ان کارخانوں کی

حرکت کرنے اور نئے کارخانے کھولنے کیلئے ہم ٥ سال میں تقریباً ٠ اگر وڑ ہونڈ اور خرچ کرینگے۔ اصطلاح حقیقت تک ہمارے یہاں بجائے ایک کے دو لین گراؤ۔ تین ہزار اور دو پورے ہو جائینگے۔

خود بخود چلنے والی کل

ہر ایک مشین کے واسطے ہم ایک کام مخصوص کر دینگے اور یہ طے کر لینگے کہ اسکو ہر گھنٹے، ہر روز اور ہر سال کتنی اشیاء تیار کرنا ہیں۔

اسی طرح ہر کارخانے کیلئے بھی ایک پروگرام ہوگا۔ اور یہی چھوٹے چھوٹے پروگرام ملکر بڑا پنجسالہ پروگرام بناتے ہیں۔ اسکو پورا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے تمام چھوٹے چھوٹے پروگرام پورے کئے جائیں اور ہر کارخانہ خود بخود چلنے والی کل کی طرح کام کرے۔

لیکن یہ ہو کیسے سکتا ہے؟ ہم کونسی ترکیب ایسی کریں کہ ہر کارخانہ اس کل کی طرح مستعدی کیساتھ مشینیں بناتا رہے؟ مشینیں کوئی کھلونا تو ہیں نہیں کہ ادھر زمین ایک سکہ ڈالا اور نئی نہالی مشین تیار — ایک بڑا کارخانہ ایک نئے شہر کے برابر ہوتا ہے کہیں نہ کہیں کوئی چیز خراب ضرور ہو جاتی ہے۔ یہاں پانی رک گیا۔ وہاں روشنی بجھ گئی کہیں مزدور نے بے توجہی کر دی۔ اور کہیں کوئی اوزار ٹوٹ گیا۔

یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن پھر بھی کارخانہ سے کھلونے اگلنے والی مشین کی طرح کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اسٹالن گراڈ کے ٹریکٹر بنانے والے کارخانہ ہی کو لے لو۔ ہر چھ منٹ میں ایک نیا ٹریکٹر تیار ہو جائیگا۔ ہر روز سات گاڑی کچا مال آئے گا اور ہر روز ہ گاڑیوں میں ٹریکٹر لاد کر کارخانہ کے باہر بھیجے جائینگے۔

مگر یہ سب کیسے ہو جائیگا؟ اتنا مشکل کام ہم کسطرح پورا کرینگے؟ ٹریکٹر کے پانچ ہزار علیحدہ علیحدہ حصے ہوتے ہیں وہ کوئی انگوٹھی یا چھلے کی قسم کی چیز نہیں ہے۔ ہر حصہ علیحدہ علیحدہ بنے گا۔ کھرادا جائے گا۔ سڈول کیا جائیگا۔ پھر اس میں سوراخ کئے جائیں گے اور اسکے بعد پالش ہوگی۔ اور آخر میں تمام حصے جوڑے جائیں گے۔ اب اگر کوئی حصہ ٹھیک ٹھیک فٹ نہ ہو فرض کرو کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ کہیں پر سوراخ ٹھیک جگہ پر نہیں بنا ہے یا کوئی بولٹ سوراخ میں نہیں جاتا۔ یا کوئی اور بات ہو گئی ہے۔ اگر دو تین جگہ ایسی ہی غلطی ہو جائے تو کارخانہ کا نظام بگڑ جائیگا۔ اور پنجسالہ پروگرام سارے کا سارا خطرے میں پڑ جائے گا۔

لیکن ہم انتظام ایسا کریں گے کہ کہیں پر غلطی ہو ہی نہ سکے۔ ایک بڑے سے ہال کا خیال کرو۔ ہر طرف مشینیں لگی ہیں۔ مشینوں کے بیچ میں سیکڑوں سڑکیں ہیں۔ ان سڑکوں پر آدمی نہیں چلتے بلکہ ٹریکٹر کے مختلف حصے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ یہاں موٹر یا ٹرک نہیں ہیں، ہلکی چیزیں بیلٹوں کی گاڑیوں اور پھسلواں راستوں پر خود بخود چلتی رہتی ہیں اور بھاری چیزیں ریل گاڑیوں اور پلیٹ فارموں پر جاتی ہیں۔ یہ سب گویا شہر کے وسط کی سڑک کی جانب جاتی ہیں اور راستہ میں ہر مشین کے پاس ٹھہرتی جاتی ہیں۔ ایک جگہ ان پر رندا کیا جاتا ہے، دوسری جگہ سان چڑھائی جاتی ہیں اور تیسری جگہ ان پر پالش ہوتی ہے۔ غرضکہ جب کوئی حصہ وسط کی سڑک پر پہنچتا ہے تو وہ بالکل مکمل اور ٹریکٹر میں لگائے جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

وسط کی سڑک ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ یہاں ٹریکٹر کی شکل صرف ایک ڈھانچہ کی ہوتی ہے۔ اسکے بعد اس میں پہیوں کی ڈبلی۔ انجن اور دوسرے حصے یکے بعد دیگرے فٹ کئے جاتے ہیں اور پھر وہ پالش گھر جاتا ہے جہاں اسپرے ایک فوارے کے ذریعہ پالش کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ پالش زیادہ ہموار ہوتی ہے اور سوکھتی بھی جلدی ہے۔

اس طرح کسی غلطی کا امکان نہیں رہتا۔ ہر مشین کے واسطے وقت مقرر ہوتا ہے۔ چیزوں کے آنے اور جانے کے اوقات کا نقشہ پہلے سے تیار رہتا ہے۔ اور اگر کہیں دیر ہو جائے تو گوداموں کے درمیان کے راستہ میں بھی کام کیا جا سکتا ہے۔

ڈیلروں میں لگائے جانے سے پہلے ہر انجن کی جانچ کر لی جاتی ہے۔ اور ہر کام بالکل صحیح اور ٹھیک وقت پر ہوتا ہے۔ ایک ٹریکٹر ٦ منٹ میں تیار ہوتا ہے۔ نہ ایک منٹ ادھر نہ ایک منٹ ادھر

ہماری کیمیکل فوج

کیمسٹری کی مدد سے ہم بڑی بڑی چٹانیں توڑ سکتے ہیں۔ لوہا کاٹ سکتے ہیں اور بنجر زمینوں کو زرخیز بنا سکتے ہیں۔ کیمسٹری ہمارے دکھ اور بیماری کو دور کرتی ہے اور ہمارے لئے ہر طرح کا سامان رہائش فراہم کرتی ہے کیمسٹری کے بغیر ہم چیزیں کاغذ، صابن، ربر، موم بتی، دوائیں، اور رنگ نہیں بنا سکتے۔ اسکے بغیر کپڑوں کو نہ دھو سکتے ہیں نہ رنگ سکتے ہیں۔ نہ گندے پانی کو صاف کر سکتے ہیں۔ اور نہ پانی کو پینے کے قابل کر سکتے ہیں۔ اور نہ کیڑوں سے اپنے کھیتوں کو بچا سکتے ہیں۔ کیمسٹری کی بدولت ہم درختوں کی شاخوں اور لکڑی کے بچے ہوئے ٹکڑوں سے ریشم صنوبر کے ٹھونٹھ سے تارپین اور رال۔ کوئلہ کے برادے سے پٹرول۔ تارکول کو رنگ اور دوائیں۔ ہوا اور بھوسے سے کاغذ اور دفتی۔ چونا اور کوئلے کی گیس سے کھیتوں کو زرخیز کرنے والی امونیا بنا سکتے ہیں۔ کیمسٹری نے ہمیں بغیر بکری کے ربر۔ بغیر پھولوں کے عطریات اور مصنوعی چمڑا۔ اون۔ پتھر اور ہڈی بنانا سکھایا ہے

دہی سے بٹن۔ لکڑی سے ریشم۔ کوئلہ سے تیل — کچھ دن پہلے تک یہ خوش گپیاں سمجھی جاتی تھیں لیکن اب یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے

جو لوگ اس سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں ان کے لئے کیمسٹری ایک بہت ہی طاقتور مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ لڑائی کے میدان میں وہ دشمنوں کی خندقوں کو زہریلی گیسوں سے بھر سکتی ہے اور ان زہریلی گیسوں کی کاٹ کرنے والی گیسیں بھی بنا سکتی ہے۔

جس ملک میں جتنا زیادہ کیمسٹری کا چرچا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ مالدار اور مضبوط ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں کتنے کیمکل کارخانے ہیں؟ بہت ہی کم!

پتھر کے کوئلہ سے امونیا بنانے کے بجائے ہم انکو بھٹیوں ہی میں جلا ڈالتے ہیں گندھک کی گیس ہمارے یہاں تانبے کی بھٹیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس سے تیزاب بنانے کے بجائے ہم اسکو ہوا میں کرچاروں طرف زہر پھیلانے دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں ارہوٹن فاسفورس موجود ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ ہونا بھی ہمارے ملک میں پایا جاتا ہے لیکن ہمارے کسان یہ تک نہیں جانتے کہ چونا اور فاسفورس ہوتا کیا ہے اور اسکو کھیتوں میں کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں مصنوعی ریشم مصنوعی اون اور مصنوعی چمڑا بنانے کے کارخانوں کی کمی ہے۔ کتابوں اور اخباروں کے لئے ہمارے پاس کاغذ بھی کافی نہیں ہے۔ اور یہ تمام چیزیں بنانے کیلئے کوئی خاص کچا مال نہیں چاہئے صرف لکڑی کی ضرورت ہے۔ اور لکڑی ہمارے پاس کافی سے زیادہ موجود ہے۔

غرضیکہ اپنے تعمیری کام میں ہم کیمسٹری کے شعبہ میں سب سے زیادہ کمزور ہیں۔ ہمکو کیمکل کارخانوں کی ضرورت ہے۔

جن جن کارخانوں میں دھات پگھلانے کیلئے پتھر کا کوئلہ جلایا جاتا ہے وہاں ہمکو کیمکل شعبہ بھی ضرور قائم کر دینا چاہئے جس میں زمین کو زرخیز بنانے والے اجزاء تیار ہو سکیں۔ جہاں جہاں جنگل ہیں وہاں ہمیں کاغذ اور مصنوعی ریشم۔ اون اور چمڑا بنانے کے کارخانے کھول دینا چاہئے۔ اور تانبا تیار کرنے والے کارخانوں میں ہمکو گندھک کا تیزاب بنانے کے شعبے کھولنے

کارخانے بھی تیار بنا چاہئے۔

کیمسٹری کی مدد سے ہم چاہتے ہیں کہ ہم دھات اور جنگل میں ایک طرح کا مستقل رشتہ قائم کر لیا۔ کیمیکل کارخانوں کو جنگلوں سے شہتیر، سوار، لٹھے۔ اور لکڑی کے کارخانوں میں بنے ہوئے لکڑی کے ٹکڑے ملیں گے۔ اور دھات کے کارخانوں کی بھٹیوں سے گیس ملیگی

بجلی گھروں میں ہم بھاپ سے چرخا چلا کر بجلی بنائیں گے اور پھر یہ بھاپ جو کسی قدر ٹھنڈی ہو جانے کے باوجود بھی گرم رہتی ہے کیمیکل کارخانوں میں پہنچا دیں گے جہاں اس سے کاغذ، ربر، اور صابن بنایا جائے گا۔

ہمارا سارا ملک ایک عظیم الشان کارخانہ ہو جائے گا۔ اور اس کارخانے میں کیمیکل شعبہ سب سے آگے رہیگا۔

لیکن یہ تمام کارخانے بنانا ایسا آسان کام نہیں ہے۔ صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم کیمیکل آلات کی پیداوار ۱۲ گنی زیادہ کردیں۔ یا یہ کہ اپنے ہزاروں آدمیوں کو کیمسٹری کا ماہر بنادیں۔ ہمارے سامنے سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اس قسم کے کارخانے بالکل نئے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں بھی اس قسم کے کارخانے ابھی حال ہی میں وجود میں آئے ہیں اور باہری لوگ بہت سی باتیں ہم سے چھپاتے ہیں۔ ہمکو یہ راز فاش کرنے ہیں۔ ہمیں ان دریافتوں کو پھر سے دریافت کرنا ہے۔ ایجاد کی ہوئی چیزوں کو نئے سرے سے ایجاد کرنا ہے۔

ان چیزوں کا بنانا کوئی آسان کام نہیں۔ امونیا بنانے والے کارخانوں میں گیسوں کو صفر سے ۲۰۰ درجے نیچے تک ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے پھر انکو صفر سے ۵۰۰ یا ۶۰۰ درجے اوپر تک گرم کرنا ہوتا ہے اور انپر ہوا کے سیکڑوں دباؤ ڈالنا پڑتے ہیں۔ اتنا دباؤ پڑنے سے گیس بند ٹنکیوں کی آہنی دیواروں سے اس طرح نکلنے لگتی ہے جیسے کسی کپڑے کے اندر سے۔ اور ہر ٹنکی پھٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور گرم گیس لوہے کو بالکل کمزور کردیتی ہے۔

گیس سے لڑنا بہت ہی زیادہ مشکل اور پرخطر کام ہے۔ ایسی ٹنکیوں کے لئے خاص قسم کے فولاد کی ضرورت ہے۔ اور ہر طرح کی احتیاط کرنا ہوتی ہے تاکہ بھٹی یا ٹنکی پھٹنے سے جانوں کا نقصان نہ ہو۔

ہمارے انجینیروں اور مزدوروں کو ابھی تک اتنی زیادہ سردی گرمی اور دیگر خطروں کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے۔ جتنے یہ نئے کارخانے صرف [illegible] سے شروع کئے ہیں لیکن پھر بھی ہمکو تھوڑا بہت تجربہ ہو گیا ہے۔

اخیار سے لڑنا آسان نہیں ہے۔ یہ لڑائی انسان کی لڑائی سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ لیکن کیمسٹری جیسی طاقتور ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہماری مدد کرے گی۔

آنریری مجسٹریٹوں کی تقرری کے قاعدے

یو۔ پی۔ اسمبلی کے پچھلے اجلاس میں آنریری مجسٹریٹوں کی تقرری کے قاعدے پر بحث ہوئی تھی۔ حکومت نے تمام قاعدے اور قانون مرتب کرلئے ہیں اور اب انھیں کے مطابق آئندہ تقرریاں ہوں گی۔

ہر ضلع کے واسطے حکومت وقتاً فوقتاً آنریری مجسٹریٹوں کی ایک تعداد مقرر کرتی رہے گی۔ اور ہر ضلع میں ایک کمیٹی ہوگی جو امیدواروں کو چنے گی اور حکومت سے ان کی سفارش کرے گی۔ کمیٹی کے ارکان یہ ہوں گے۔ (۱) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (۲) ڈسٹرکٹ اور سیشن جج یا اسکی غیر موجودگی میں سول اور سیشن جج (۳) انجمن وکلا کا ایک نمائندہ جو عدالت فوجداری میں وکالت نہ کرتا ہو۔ اور (۴) حکومت کے نامزد کئے ہوئے ۲ ممبر جو عدالت فوجداری میں کام نہ کرتے ہوں۔ ان میں سے ۲ مجالس قانون ساز کے ممبر ہوسکتے ہیں۔ ممبری کی میعاد ۳ سال رہے گی لیکن اگر کوئی ممبر جو مجلس قانون ساز کا بھی ممبر ہے۔ وہاں ممبری سے مستعفی ہو جائے تو اسکو کمیٹی کی ممبری سے بھی علحدہ ہونا پڑے گا۔ اس کمیٹی کی کل کارروائی صیغہ راز میں رہے گی۔

حکومت سے کسی امیدوار کی سفارش کرنے سے پہلے کمیٹی یہ اطمینان کریگی کہ (۱) امیدوار کی عمر ۲۵ سال سے کم نہیں ہے۔ (۲) وہ انٹرنس یا اسکے برابر کا کوئی امتحان پاس ہے مقدمہ سمجھ سکتا ہے اور انگریزی اردو یا ہندی میں مقدمہ کی کارروائی اور اپنا فیصلہ لکھ سکتا ہے۔ (۳) امیدوار عام طور پر ایماندار خیال کیا جاتا ہے اور عوام میں اس کی عزت کی جاتی ہے۔ اور وہ بہت زیادہ مقروض نہیں ہے (۴) خاص خاص حالتوں کو چھوڑ کر امیدوار کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ گرام سدھار، دیہی تعمیر یا کسی دوسرے پبلک مفاد کے کام میں کئی سال تک آنریری کام کر چکا ہو۔

مجلس قانون ساز کا کوئی ممبر اپنے ہی حلقہ انتخاب میں آنریری مجسٹریٹ نہیں ہوسکتا اور میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کا چیرمین بھی میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی حدود کے اندر مجسٹریٹ نہیں ہوسکتا۔ کوئی شخص جو کسی الکشن میں بے عنوانی کرنے کی بنا پر دوبارہ الکشن میں حصہ لینے سے معذول کر دیا گیا ہو یا کوئی وکیل جسکو کسی وجہ سے وکالت کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہو اپنی معذولی کے زمانہ میں آنریری مجسٹریٹ نہیں ہوسکتا۔ جو شخص کسی اخلاقی جرم میں ماخوذ ہو چکا ہو اس کی بھی تقرری نہیں کیجا سکتی۔

آنریری مجسٹریٹی کے لئے صرف زمیندار ہی نہیں بلکہ کاشتکار بھی لئے جائینگے۔ اقلیتوں کے لوگ اور اچھوت بھی چنے جائینگے بشرطیکہ انہیں مناسب علمی قابلیت ہو اور انکا چال چلن بھی مناسب ہو۔ جو وکیل وکالت کر رہے ہوں عام طور پر وہ آنریری مجسٹریٹ نہیں بنائے جائینگے۔ تاہم چند خاص صورتوں میں کوئی وکیل جو قریب قریب اپنا پیشہ چھوڑ چکا ہو آنریری مجسٹریٹ بنایا جاسکتا ہے۔

عورتیں بھی آنریری مجسٹریٹ بنائی جاسکتی ہیں اگر انہیں مناسب قابلیت ہو خاص طور پر عورتوں اور بچوں کے مقدمے کریں گی۔

عام طور پر وہ لوگ آنریری مجسٹریٹ نہیں بنائے جائینگے جنکے خاندان کا کوئی شخص پہلے سے آنریری مجسٹریٹی کر رہا ہو۔

سوائے ان لوگوں کے جنکو قانون اور فوجداری کی کارروائی کا تجربہ ہے! جو پہلے آنریری مجسٹریٹی کر چکے ہوں باقی تمام لوگوں کو سینیر مجسٹریٹ کے پاس قانون اور عدالتی کام سیکھنا پڑے گا۔

جن لوگوں کو پہلے کا تجربہ ہے وہ ایک سال کے لئے مقرر کئے جائینگے اور باقی

ہ مہینے کے لئے اسکے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سیشن جج کی سفارش پر تین سال کی توسیع کیجا سکے گی۔ لیکن ۶۰ سال کی عمر کے بعد کوئی شخص بھی آنریری مجسٹریٹ نہیں ہوگا۔ سوائے کسی بہت ہی خاص وجہ کے کوئی شخص ۱۰ سال سے زیادہ تک آنریری مجسٹریٹ نہیں رہیگا اور یہ قاعدہ ان لوگوں پر بھی عائد ہوتا ہے جو پہلے ہی دس سال تک آنریری مجسٹریٹ رہ چکے ہیں۔

کوئی آنریری مجسٹریٹ کسی ایسے حلقہ میں کام نہیں کرسکتا جہاں اس کی یا اسکے کسی قریبی رشتہ دار کی زمینداری ہو۔ ایک آنریری مجسٹریٹ ایک ہی جگہ پر ۵ سال سے زیادہ کام نہیں کرے گا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ آنریری مجسٹریٹوں کی بنچیں بنائیگا اور وقتاً فوقتاً ان میں تبدیلی کرتا رہیگا۔ آنریری مجسٹریٹوں کی عدالتیں عام طور پر تحصیل یا ضلع کے مرکزی مقاموں پر ہوں گی اور حکومت کی منظوری سے خاص خاص قصبوں اور میونسپل یا نوٹیفائڈ علاقوں میں بھی ہوسکتی ہے جہاں ریلوے اسٹیشن یا اچھے راستے ہوں۔ عدالت کا وقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مقرر کریگا۔ ور آنریری مجسٹریٹ کو کسی حالت میں بھی وقت میں تبدیلی کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس قاعدے کی خلاف ورزی پر مجسٹریٹی منسوخ کیجا سکتی ہے آنریری مجسٹریٹوں کی عدالتوں کا عملہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مقرر کرے گا اور عملہ کا کوئی آدمی دو سال سے زیادہ ایک ہی عدالت میں نہیں رکھا جائے گا۔

کوئی آنریری مجسٹریٹ اپنے ہی علاقے سے ڈسٹرکٹ بورڈ یا میونسپل بورڈ یا صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں نہیں کھڑا ہوسکیگا۔ اور اگر کوئی کھڑا ہونا چاہے گا تو اسکو پہلے مجسٹریٹی سے استعفا دینا ہوگا۔ اگر اس کا بیٹا۔ بھائی یا اور کوئی قریبی عزیز ان میں سے کسی الیکشن کے لئے امیدوار ہونا چاہے تب بھی اسکو استعفا دینا ہوگا اور کوئی آنریری مجسٹریٹ اپنے حلقہ میں کسی الیکشن میں کوئی حصہ نہیں لے سکیگا۔

حکام ضلع وقتاً فوقتاً آنریری مجسٹریٹوں کے کام کا معائنہ کرتے رہینگے۔

پہلے تقرری پر آنریری مجسٹریٹوں کو درجہ سوم کے اختیارات ملینگے۔ درجہ دوم کے اختیارات ان وکیلوں اور پچھلے آنریری مجسٹریٹوں کو ملینگے جنھیں پہلے بھی اسی درجہ کے اختیارات تھے۔ پنشن یافتہ سرکاری افسروں کو انکی قابلیت کے مطابق درجہ اول یا دوم کے اختیارات ملینگے۔

فرمانِ ا[illegible]

(شہاب ملیح آبادی)

اے میرے تدبر کی وفا دار کنیزو
اٹھو تو ذرا وقت کی زنجیر ہلا دو

بیدار رہو! بیدار رہے پھر روح خدائی
اک دم سے خیالات کو وہموں میں سلا دو

قندیلِ تفکر نہ ہو اس بزم میں روشن
روشن کبھی کبھی ہو تو اسے جلد بجھا دو

جس دل میں امنگیں ہوں، امنگوں میں ارادے
اس دل کو "روایات" کی زنجیر پنہا دو

عالم کو کرو فتح بہ اندازِ دگر تم
تلوار کو اب چھین کے آیات رٹا دو

یہ دور سکھاتا ہے تدبر کے سلیقے
اس دور میں تقلید کا اعزاز بڑھا دو

ساحل پہ نہ آ جائے کہیں کشتیٔ آدم
کشتی نہ اگر غرق ہو، دھارے کو بڑھا دو

کاکل میں تو مذہب، کی گرفتار رہے عالم
تہذیب کی زلفوں میں ذرا اور بھی بل دو

سینے میں کہیں قوم کے انگار نہ بھڑکیں
شمشیر کو اب بیچ کے آئینہ منگا دو

تہذیب کے سکھلا کے ہر اک فرد کو غمزے
بہتر ہے کہ ہر مرد کو معشوق بنا دو

خلاف شریعت کا سناتے ہوئے فرمان — قدموں پہ تمدن کے ہر اک سر کو جھکا دو
ہر منبر و محراب کو پھولوں سے سجا کر — بے جبہ و دستار کے ملا کو بٹھا دو
خطبوں میں ہر اک قوم کو دو صلح کے پیغام — مل جائے جو موقع تو وہیں آگ لگا دو
جھنجھلا نہ کہیں جائے اسے دیکھ کے مارو — بھوکا ہے یہ دہقان مشیت سے ڈرا دو
محبوب کبھی بن کے اسے ناز سے چھیڑو — چنگیز و ہلاکو کی کبھی آنکھ دکھا دو
قبضے میں مرے روح حیات ابدی ہے — قرآن کی آواز الیکشن میں سنا دو

کچھ ایسے بھی باغی ہیں جو بیکار نہیں ہوتے
آجائیں کہیں ہاتھ تو توپوں سے اڑا دو

کونگ آئی چی

(لوسن)

لوچنگ کے شراب خانے چین کے دوسرے حصوں کے شراب خانوں سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں ایک بڑی سی میز کے نیچے شراب کی بوتلیں گرم کرنے کیلئے ہر وقت پانی تیار رہتا ہے۔ دوپہر اور شام کو جب مزدوروں کو چھٹی ملتی ہے تو وہ سیدھے ان شراب خانوں کا رخ کرتے ہیں۔ اور وہیں میز کے پاس کھڑے ہو کر گرم گرم شراب کا ایک پیالہ اڑا لیتے ہیں تاکہ تھکن کا احساس کم ہو سکے۔ پہلے کی بہ نسبت اب شراب بہت مہنگی ہے۔ بیس سال قبل جو پیالہ چار آنے کا تھا۔ وہ اب دس آنے میں آتا ہے۔ مزدور ایک آنہ زائد دیکر نمکدار چٹپٹی ابلی ہوئی لوبیہ کی پھلی لیتے ہیں۔ تاکہ شراب نوشی کے بعد منھ کا مزہ بدل لیں۔ دس آنے میں لذیذ گوشت اور کباب کی ایک طشتری ملتی ہے۔ ان مے نوشوں میں زیادہ تر مزدور ہوتے ہیں جنکے کوٹ چھوٹے ہوتے ہیں اور تنگ بھی۔ یہاں لمبی قبائیں تھوڑی ہی سی نظر آتی ہیں۔ یہ آسودہ حال لوگ مزدوروں کی طرح کھڑے ہو کر نہیں پیتے بلکہ دوکان کے سامنے سے گذر کر اسکے متصل ایک اندرونی کمرے میں بیٹھتے اور بڑی تمکنت سے شراب و کباب اڑاتے۔

لوچنگ کے ایک ایسے ہی شراب خانہ میں جس کا نام "نشاط گاہ" تھا، میں بارہ سال کی عمر میں ملازم ہو گیا۔ یہ شراب خانہ شہر کے ایک گنجان آباد حصے میں واقع تھا میری حیثیت گداگر دیکھتے ہوئے شراب خانہ کے مالک نے یہ مناسب سمجھا کر مجھے اونچے طبقے کے لوگوں کی نگاہیں پڑیں اور مجھے دیکھ کر نازک طبیعتیں پراگندہ ہوں۔ اسلئے مجھے عموماً بڑی میز کے پیچھے ہی کام کرنا پڑتا۔ نچلے طبقے کے لوگوں کے ساتھ با آسانی سودا ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ لوگ حد درجہ باتونی ہوتے اور انتہائی شور مچاتے۔ دوکاندار کی ہر حرکت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے۔ میز کے نیچے جب دوکاندار شراب کے بڑے پیپے میں سے ایک کٹورے سے شراب نکالتا تو یہ لوگ جھک جھک کر دیکھتے اور جب شراب کی بوتلیں گرم پانی سے نکالی جاتیں، اور یاد رہے میں شراب لوٹی جاتی تو بہت سی گردنیں اچک اچک کر دیکھتیں کہ اس بادیہ میں پانی تو نہیں ہے۔ اتنی آنکھوں میں خاک جھونکنا میرے لئے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ہی شراب خانے کے مالک کو یقین ہو گیا کہ میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں لیکن خوش قسمتی سے جس شخص کی سفارش پر مجھے وہاں ملازمت ملی تھی بہت با اثر آدمی تھا۔ اسلئے مجھے ملازمت سے برطرف تو نہیں کیا گیا۔ بلکہ شراب گرم کرنے کا کام میرے سپرد کر دیا گیا۔

اب میں تمام دن میز کے پیچھے کھڑا رہ کر پانی گرم کرتا رہا۔ میں اپنے کام میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا لیکن چونکہ مسلسل ایک ہی کام کرنا پڑتا اسلئے اسکی یکسانیت طبیعت کو بے کیف ضرور کر دیتی تھی مالک دوکان ایک درشت مزاج شخص تھا اور خریدار مردہ دل تھے۔ جنکی آوازیں خشک اور ناگوار تھیں۔ ایسے ماحول میں ہشاش بشاش رہنا ناممکن تھا۔ جب کبھی کنگ آئی چی شراب پینے آتا تو میں دل کھول کر ہنستا بولتا۔ اور شاید اسی وجہ سے میں اسے ابتک یاد کرتا ہوں۔

باوجود اسکے کہ کنگ آئی چی کا تعلق اونچے طبقے سے تھا۔ وہ بڑی میز کے پاس کھڑے ہو کر ہی شراب پیتا۔ وہ قد کا لانبا اور قوی جثہ کا آدمی تھا۔ اسکے چہرے پر کچھ عجیب قسم کی نیلاہٹ زردی رہتی تھی اور جھریوں کے علاوہ کبھی کبھی خراشیں بھی دکھائی دیتیں۔ الجھے ہوئے بالوں کی ایک مختصر سی داڑھی اسکی ٹھوڑی پر لٹکتی رہتی۔ کنگ آئی چی ایک لمبی قبا پہنتا تھا۔ لیکن وہ کم و بیش دس سال پرانی تھی۔ اور اس میں جگہ جگہ گھونتے اور میل کے دھبے تھے۔ درمیان گفتگو میں اسکے منھ سے متعدد ایسی آوازیں اور الفاظ نکلتے جو اکثر ادب عالیہ میں مزید رنگینی پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے، لیکن جو کسی طرح عام فہم نہ ہوتے۔ مثلاً — "ہی"، "ہو"، "چہ" اور ایسی وغیرہ جب شراب خانہ میں وہ آتا تو بہت سی معنی خیز نظریں اسپر اٹھتیں اور کھکھلاہٹ کی دبی ہوئی آوازیں

آتیں۔ کوئی اس سے پوچھتا "او ہو کونگ۔ آئی۔ جی۔ تمھارے سیاہ جسم پر یہ زخم کیسے ہیں؟"

ایسے سوالات پر وہ اس انداز سے بڑی میز کی طرف آتا۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں "گرم گرم شراب کے دو پیالے اور ایک پلیٹ مسالہ دار لوبیے کی لاؤ" یہ کہتے ہوئے وہ تانبے کے سکوں کی سیدھی ایک قطار سجا دیتا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے چوری پھر شروع کر دی ہے!" ایک ایسے ہی موقع پر شرابیوں میں سے ایک نے قابل اعتراض بلند آواز سے یہ جملہ اس سے کہا۔

اس پر اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "تم کسی کی دیانت اور شرافت پر اس طرح بے بنیاد حملہ کس طرح کر سکتے ہو؟"

"بڑی شرافت والا! کل ہو کے مکان سے کتابیں چرانے پر پٹتے ہوئے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے" کونگ۔ آئی۔ جی کا منہ بگڑ گیا اور نیلی نیلی رگیں اسکی پیشانی پر ابھر آئیں۔ کہنے لگا "کتابیں چرانا کسی طرح بھی جرم نہیں۔ کتابوں کی چوری ——— یہ تو ایک عالم کا پیشہ ہے ——— ارے کیا یہی تم لوگوں کے نزدیک چوری ہے؟" اور اس نے ایک لا متناہی تقریر شروع کر دی جس میں غیر مربوط حوالے اور اقوال شامل تھے "کامل انسان افلاس میں قائم رہتا ہے" اور اسکے بعد جی ہو، چے اور سا ہی جیسے غیر فہم الفاظ پر خانہ کا [illegible] لوگوں نے قہقہے بلند کئے اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ بشاش نظر آنے لگا۔

کونگ۔ آئی۔ جی۔ کے چلے جانے پر اکثر دیر تک اسکے متعلق لوگ آپس میں باتیں کرتے رہتے۔ لوگ کہتے کہ کسی زمانے میں اس نے ادب القدیم کا مطالعہ کیا تھا لیکن افلاس کی وجہ سے کسی دار العلوم میں داخل نہ ہو سکا۔ بیچارے کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا مفلسی سے اسکی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی۔ حتی کہ بھیک مانگنے تک نوبت پہنچ گئی۔ لیکن چونکہ وہ ایک بہترین خوش نویس تھا اسلئے شروع میں چاولوں سے پیٹ بھرنے کے لئے اسے کام مل ہی جاتا تھا۔ لیکن شراب اس کے منہ لگ چکی تھی اور وہ انتہائی سست ہو گیا تھا کچھ دنوں تک تو وہ کتابت کرتا رہتا اور پھر یکایک کتابیں، مسودے، برش اور دوات لیکر روپوش ہو جاتا۔ متعدد بار ایسی نیچی حرکتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکو اب کوئی کام نہیں دیتا تھا اس بیکاری میں کونگ۔ آئی۔ جی معمولی چوریاں کرنے لگا۔

لیکن ہمارے شراب خانے میں اسکا سلوک دوسروں کے لئے قابل تقلید تھا۔ اپنا حساب چکانے میں اس نے کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ اگرچہ اکثر ایسے اتفاقات ہوتے تھے جب اسکی جیب خالی ہوتی تو اسکا نام مقروضوں کی فہرست میں آ جاتا جو ایک سفید تختے پر لگی رہتی تھی اور مہینہ کے آخر تک اسکا نام فہرست سے نکال دیا جاتا کیونکہ وہ ہمیشہ قرضہ ادا کر دیا کرتا تھا۔

واقعہ مذکورہ کے بعد اس نے آدھا پیالہ شراب پی اور اس کے چہرہ پر اطمینان اور سکون کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا "کیا تم تعلیم یافتہ ہو؟" سوال کرنے والے کو اس نے بے التفاتی سے دیکھا لیکن اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر تم ہو تو کیا وجہ ہے، کہ تمھیں سیو شائی کی سند تک نہیں ملی؟" اس بات سے کونگ۔ آئی۔ جی کو تکلیف ہوئی اور اس کے چہرہ کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ کچھ بے جوڑ اور بے معنی الفاظ اسکے منہ سے نکلے جنکو کوئی نہ سمجھ سکا۔ جس پر تمام مجمع زور زور سے قہقہے لگانے لگا اور فضا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ایسے موقعوں پر مالک شراب خانہ مجھے عام خوشی میں شریک ہونے سے نہ روکتا

اسکی خواہش یہی ہوتی کہ اس کے گاہک کسی طرح سے بھی خوش رہیں اور بعض اوقات تو وہ خود بھی کونگ آئی۔ جی سے کہتا کہ وہ اپنے دلفریب چٹکلوں سے لوگوں کو ہنسائے لیکن کونگ آئی۔ جی۔ کے لئے تو ان لوگوں کو منہ لگانا ایک ناقابل برداشت حماقت تھی۔ اور وہ اس استدعا کو رد کر کے سڑک پر کھیلتے ہوئے بچوں کی طرف متوجہ ہوتا۔

ایک دن کونگ آئی جی۔ مجھ سے پوچھنے لگا کہ کیا میں نے کوئی کتاب پڑھی ہے۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں" اس نے کہا "خیر میں تمھارا امتحان لیتا ہوں 'اچھا' یہ بتاؤ، مسالہ دار لوبیے 'سا' کیسے لکھو گے؟"

میں نے خیال کیا "کیا یہ آوارہ گرد اگر میرا امتحان لینے کے قابل ہو سکتا ہے؟" اور اسکی طرف سے اپنا منہ پھیر کے اسکو بالکل نظر انداز کر دیا۔ تھوڑی دیر چپ رہ کر وہ پھر پر خلوص لہجے میں کہنے لگا "بس معلوم ہو گیا۔ تم نہیں لکھ سکتے۔ سنو، میں تم کو بتاتا ہوں کہ دیکھو مسالے دار لوبیے کے قسم کے الفاظ تمھیں یاد رکھنا چاہئیں کیونکہ جب کبھی تم مالک دوکان ہو جاؤ گے تو تم کو حساب کتاب لکھتے وقت اس قسم کے الفاظ لکھنے کی ضرورت پڑیگی۔"

میں نے سوچا کہ مجھے ابھی دوکاندار بننے میں ایک مدت لگے گی۔ اور اس کے علاوہ میں نے بھی اپنے مالک شراب خانہ کو حساب کی کتاب میں مسالہ دار لوبیے لکھتے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے ہنسی آمیز جھنجھلاہٹ سے ٹالنے کے لئے جواب دیا "تم سے کون کہتا ہے کہ مجھے پڑھاؤ۔ کیا انھیں ایسے نہیں لکھتے جیسے لفظ 'سالم' میں 'سا'؟"

کونگ۔ آئی۔ جی بہت خوش ہوا۔ اور جوش میں میز پر اپنی انگلیوں سے ایک تال بجانے لگا "ٹھیک۔ ٹھیک لیکن 'سا' تین مختلف طریقوں سے لکھا جا سکتا ہے کیا تم پہچانتے ہو؟" مجھے غصہ آ گیا اور منہ بگاڑتا ہوا میں اس کے پاس سے چلا گیا۔ اس نے اپنے بڑھے ہوئے ناخن کو شراب میں ڈبویا تاکہ لفظ 'سا' کو صحیح طور سے میز پر لکھ کر دکھائے لیکن یہ دیکھ کر کہ میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسکی نظروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے دل کو میرے اس برتاؤ سے سخت چوٹ لگی ہے۔

جب کبھی وہ مسرور ہوتا اور ہمارے شراب خانے میں آ کر قہقہے لگاتا تو اڑوس پڑوس کے بچے اسکے گرد آ کر جمع ہو جاتے۔ وہ ان میں سے ہر ایک کو مسالہ دار لوبیے کی ایک ایک پھلی دیتا۔ بچے اپنی اپنی پھلی کھا کر اسی طرح ڈٹے رہتے اور انکی آنکھیں پیالی سے لگی ہی رہتیں۔ ان کی اس حرکت سے جوش میں آ کر وہ رکابی پر جھک کر اپنی لانبی انگلیاں لوبیے کی پھلیوں پر پھیلا دیتا اور اپنے مخصوص انداز میں کہتا "زیادہ نہیں۔ ایسی۔ !" اور اسکے بعد بچے ہنستے چیختے بھاگ جاتے۔

وسط خزاں کے میلے کے قریب ایک دن مالک شراب خانہ حساب بند کر رہا تھا دیوار پر سے سفید تختہ اتارتے ہوئے کہا "کونگ آئی جی بہت مدت سے نہیں آیا ہے۔ وہ انیس تنکے کا مقروض ہے!"

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ واقعی وہ بہت مدت سے دکھائی نہیں دیا۔

"وہ آ ہی کیسے، بہت بری طرح پٹا ہے۔ اس دفعہ تو دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھا!" شرابیوں میں سے ایک نے یہ خبر سنائی۔

"آہ!"

"اس چوری کے سلسلہ میں بالکل پاگل ہے۔ اس مرتبہ تو اس نے مجسٹریٹ تنگ کے مکان پر چھاپا مارنا چاہا تھا۔ کیا ایسی جگہ کامیابی ہوسکتی ہے؟"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہوتا! اس سے تحریری بیان لیا گیا جو سراسر اقرارِ جرم تھا۔ اس کے بعد ایک مار پیٹ جو آدھی رات تک جاری رہی۔ اور اس سزا کے دوران ہی میں اسکی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔"

"پھر؟"

"پھر اسکی ٹانگیں اب ٹوٹی ہوئی ہیں۔"

"اسکے بعد اسکا کیا حال ہوا؟"

"کون جانے، شاید مرگیا ہوگا۔"

مالک شراب خانہ اسپر اور کچھ نہ کہہ سکا اور خاموشی سے حساب جوڑنے لگا۔

وسط خزاں کا میلہ ختم ہو چکا تھا۔ اور روز بروز سرد ہوا کے جھکڑ تیز ہو رہے تھے جاڑا نزدیک آرہا تھا۔ اگرچہ مجھے تمام دن دیکھتی انگیٹھی کے پاس کھڑا رہنا پڑتا پھر بھی مجھے ٹھنڈک محسوس ہوتی اسلئے میں روئی کا لبادہ پہنے رہتا تھا۔ ایک دوپہر کا ذکر ہے جبکہ شراب خانہ میں ایک خریدار بھی نہ تھا۔ میں آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا تھا۔

"ایک پیالہ شراب گرم کرو۔"

چونک کر میں نے آنکھیں کھولیں۔ گو آواز بہت کمزور تھی لیکن کان اس سے مانوس ضرور تھے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑانے پر بھی کوئی نظر نہ آیا! میں کھڑا ہو گیا۔ جب میز کے اوپر جھک کر دیکھا تو دروازہ کی طرف رخ کئے کونگ آئی بیٹھا تھا۔ اسکا چہرہ دھندلا، نحیف اور ساہ تر نظر آرہا تھا۔ وہ ایک پھٹا کوٹ پہنے تھا۔ اور لنگڑے پاؤں پر دھنسا ہوا بیٹھا تھا۔ ایک چھوٹی سی ٹوکری میں رکھ کر رسی سے اسکے کندھوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ مجھے دیکھ کر ہلکی آواز میں وہ پھر کہنے لگا۔ "ایک پیالہ شراب گرم کرو!"

مالک شراب خانہ نے بھی اب میز کے اوپر جھک کر دیکھا۔ اور اب سرد مہری سے کہا "کونگ۔ آئی چی تم پر انیس آنے ابھی تک نکلتے ہیں۔"

اس نے اپنی گردن اس طرح اٹھائی جیسے اس میں جان ہی نہیں ہے اور بڑبڑایا "اوہ! خیر وہ آئندہ ادا کر دیئے جائیں گے۔ یہ لو، اسوقت تو نقد ہیں۔ شراب ذرا اچھی ہو۔"

حسب معمول مالک شراب خانہ مسکرا دیا اور بولا "کونگ آئی چی۔ تم نے پھر چوری کی تھی؟"

وہ اس بحث میں نہ پڑنا چاہتا تھا اس لئے اس نے ٹالتے ہوئے کہا: "مذاق رہنے دو۔" "مذاق؟" اگر وہ چوری نہیں تھی تو اور کیا تھا؟ پھر تمھاری ٹانگیں کیوں توڑ دی گئیں؟"

"توڑ دی گئیں؟" اس نے نحیف آواز سے کہا "ٹوٹ گئیں گرنے سے۔ گرنے سے ——"

اسکی نگاہیں یہ التجا کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں کہ اس بحث کو ختم ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ ابتک کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ اور وہ سب مالک کے ساتھ ہنسنے لگے۔ میں شراب گرم کر کے کونگ۔ آئی۔ چی کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے رکھدی اس نے اپنی جیب سے چار آنے ٹٹول کر نکالے اور مجھے دیدیئے۔ اسی دوران میں میں نے دیکھا کہ اس کے لیے لیے ہاتھ کیچڑ میں لت پت تھے۔ اب مجھے خیال آیا کہ وہ یہاں تک گھسٹتا ہوا آیا ہوگا۔ وہ صرف اتنی دیر ٹھہرا کہ اپنی شراب اطمینان سے ختم کرلے ابھی دوکان میں لوگ گپیں ہی مار رہے تھے جس سے ایک بھنبھناہٹ سی پیدا ہو رہی تھی۔ اور تماش بین قہقہے لگا رہے تھے کہ اس نے اپنے پاؤں سمیٹے اور ہاتھوں کے بل گھسٹتا باہر نکل گیا۔

اسکو بہت عرصہ گذر گیا۔ اور وہ پھر کبھی دکھائی نہیں دیا۔ سال کے آخر میں مالک دوکان نے سلیٹ تختہ اتارا اور کہنے لگا: "کونگ۔ آئی۔ چی۔ ابھی تک انیس آنے کا مقروض ہے" دوسرے سال جب بڑی کشتی کا میلہ ہو رہا تھا اس نے یہ جملہ پھر دہرایا۔ لیکن جب خزاں کا موسم آیا تو اس نے اسکا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسکے بعد سے میں نے کونگ آئی چی کو نہیں دیکھا ہے۔ شاید وہ سچ مچ مر چکا ہے۔

ترجمہ —— مشاہد لطیف

بے زرنگاری

قدرت نے دکھلائے سب یہاں کے جلوے
نہ جانے سمجھائے لامکاں کے جلوے
جو سینہ میں روشن ہو نہ تن پہ پیرہن
سب جلوے ارے کہاں کے جلوے

از ... زیبی صاحب

خبریں

ہندستان کے باہر

یورپ کی ہلچل

روس کا رویہ آسٹریا کے معاملہ پر۔ ۱۰ مارچ۔ روس نے تمام بڑی طاقتوں کو جرمنی کی حرکتوں پر غور کرنے کے لئے بلایا ہے۔ جرمنی، اٹلی اور جاپان کو بلاوا نہیں بھیجا گیا۔ کیونکہ لیڈروں کو لوٹ بند کرنے کی گفتگو میں شامل کرنا غلطی ہے۔

روسی سفیر میم لنوی اف نے کہا کہ روس تمام طاقتوں کے ساتھ ملکر لٹیروں کو روکنے پر تیار ہے۔ لیکن اگر مجموعی محاذ نہ بن سکا تو روس یہ بھی جانتا ہے کہ اکیلے کیسے کام کیا جاسکتا ہے۔

اس پر پوچھا گیا کہ اکیلا روس کیسے جرمنی کو روکے گا۔ جبکہ روس اور جرمنی کے درمیان چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں۔ روسی سفیر نے جواب دیا کہ "کرنے والے کیلئے سب آسان ہو جاتا ہے۔"

روسی سفیر نے زوگوسلاویکیہ کے لئے کہا کہ اگر اس پر حملہ کیا گیا تو روس اسکی مدد کریگا بشرطیکہ فرانس ساتھ دے۔ اس پر پوچھا گیا کہ مدد کیسے پہنچائی جا سکے گی۔ جبکہ روس اور زوگوسلاویکیہ کے درمیان دوسری حکومتیں حائل ہیں۔ تو سفیر نے جواب میں کہا کہ "راستہ بنا لیا جائے گا۔"

آسٹریا۔ ۱۹ مارچ۔ ہر ڈیپارٹمنٹ میں سخت تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ آسٹروی افسر نکالے جا رہے ہیں۔ خاص کر پولیس کے ڈپارٹمنٹ میں تو اب کوئی آسٹروی ملازم نہیں۔ صاحب ہٹلر کے آدمی رکھے گئے ہیں۔

بہت سے آسٹروی افسروں نے خودکشی کر لی ہے۔ انکے نام اور تعداد نازی سنسر نے نہیں آنے دئے۔ چند نام جو معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

نوآسے اشتاث اشنر سابق وزیر داخلہ۔ ڈاکٹر کرٹ زون فلڈ "نائے زنئے پریسے" کا ایڈیٹر اور ڈاکٹر ایگدن فرڈیل مشہور مورخ۔

یہودیوں کی تعداد آسٹریا میں دو لاکھ ہے۔ انکی بڑی حالت ہے۔ انکی ۹۰ فیصدی دوکانوں پر نازیوں نے قبضہ کر لیا، باقی کاروبار بند ہے۔ یہودیوں کو مشکل سے دو وقت کی روٹی میسر آرہی ہے۔ ہزاروں بھاگ رہے ہیں۔ اور بہت سے خودکشی کر رہے ہیں۔

زوگوسلاویکیہ۔ ۱۹ مارچ۔ یہاں ۱۰ لاکھ جرمن آباد ہیں۔ حکومت سوچ رہی ہے کہ انکو زیادہ سے زیادہ حقوق دیئے جائیں۔ اس لئے جو تجویز سوچی جا رہی ہے۔ اس میں ۲۰ فیصدی ملازمتوں کا حق ہے اور لوکل بورڈوں میں تعداد کی مناسبت سے نمائندگی۔ اس طرح بعض مقامات پر انکا پورا قبضہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر شُشنگ اور صدر مکلاس۔ ڈاکٹر شُشنگ کو بلویڈر کے قلعہ میں نظربند کر دیا گیا۔ اور وہی برتاؤ صدر مکلاس اور دوسرے بااثر آسٹروی لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

پولینڈ اور لیتھونیا

۱۶ مارچ۔ ان دونوں ملکوں میں جھگڑا ہو گیا۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک پول سپاہی کو لیتھونیا کے سپاہیوں نے مار ڈالا۔ پولوں نے بدلے میں لیتھونیا کی پولیس کے ایک آدمی کو غائب کر دیا۔

۱۸ مارچ۔ پولینڈ نے اپنی ایک لاکھ فوج سرحد پر جمع کر دی۔ اور لیتھونیا کو الٹی میٹم دیا کہ اسکے مطالبات ۴۸ گھنٹے کے اندر مان لئے جائیں۔ مطالبات نہیں معلوم۔ مگر خاص مطالبہ یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کے سیاسی تعلقات جو ۱۹۲۰ء سے جبکہ پولینڈ نے ولنا چھین لیا تھا بند ہیں از سر نو قائم کر دئے جائیں۔

لیتھونیا کی فوجی جماعت پولینڈ کے مطالبات ماننے کے خلاف ہے۔ ایک عرضی لیتھونیا کے صدر کے سامنے اس کی مخالفت میں پیش کی گئی۔

۱۹ مارچ۔ لیتھونیا کے کابینہ نے دب کر پولینڈ کے مطالبات منظور کر لئے۔ ۲۰ برس سے ان دونوں ملکوں میں آمد و رفت بند تھی۔ اب ۳۱ مارچ سے جاری ہو جائے گی۔

اسپین۔ بارسلونا پر مسلسل بمباری ہو رہی ہے۔

آراگان کے محاذ پر باغیوں کو کامیابی ہوئی۔ اسوقت ۳۰ شہر اور دیہات جیتے اور دس ہزار قیدی گرفتار کئے۔ خبر ہے کہ فرانس کو جنرل فرانکو کے جیت جانے کا خطرہ ہو رہا ہے۔ اس صورت میں اٹلی بہت مضبوط ہو جائے گا۔ فرانس ہر طرف سے [illegible] دشمنوں سے گھر جائے گا۔ ممکن ہے کہ فرانس غیر جانبداری کو چھوڑ کر اسپینی حکومت کی مدد کرے۔

ہالینڈ نے آسٹریا کا حشر دیکھکر اپنے یہاں کی فوجی تعلیم کی میعاد بڑھا دی ہے۔ اور فوجی طاقت بڑھانے کی فکر میں ہے۔

اٹلی۔ دو لاکھ ساٹھ ہزار ٹن کے نئے جنگی جہاز اسی سال تیار کئے جانے کی تجویز ہے۔

فرانس۔ فوجی طاقت بہت تیزی سے بڑھانے کی اسکیم ہے۔ ایم بلم وزیر اعظم نے کہا کہ موجودہ حالت میں اپنے بچاؤ کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے۔

جرمنی کا جہاز فرانکو کی مدد کو۔ شمال سمندر میں ایک جرمنی جہاز ڈوب گیا۔ ڈوبنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ اسلحہ اور بارود فرانکو کے لئے لئے جا رہا تھا کسی وجہ سے بارود میں آگ لگ گئی۔

چین۔ جاپانی فوجوں کی کوشش ہے کہ دریائے زرد کو پار کریں چینیوں نے گوریلا لڑائی شروع کر دی ہے۔ جاپانی اخباروں کا بیان ہے کہ چینی فوجیں انکو اس طرح روک رہی ہیں۔ اور انکے رسل و رسائل سخت خطرے میں پڑ گئے ہیں۔

ٹنٹ سن۔ سکاؤ ریلوے کے محاذ پر جاپانی کامیاب ہو رہے ہیں۔

اٹلی اور انگلستان میں تجارتی معاہدہ۔ گفت و شنید کے بعد ان دونوں ملکوں میں ایک تجارتی معاہدہ ہو گیا ہے جس کی رو سے اب اٹلی میں انگریزی مال ۲۰ فیصدی زیادہ جایا کرے گا۔

چین میں جاپانی تجارت کی امداد۔ شنگھائی، نانکنگ اور دوسرے مقامات پر جاپانی تجارت کو فروغ دینے کیلئے حکومت جاپان نے ۳ کروڑ ین قرض دینے کی اسکیم بنائی تھی اب وہ جاپانی صنعتی بنک کے معرفت [illegible] دی جا رہی ہے۔ اس سے جاپانی کپڑے کے کارخانوں کو جو لڑائی میں بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے امداد کی جائے گی۔ حکومت اس قرض کا نصف خود ادا کرے گی اور باقی پر ۳ فیصدی کے حساب سے سود لگایا جائے گا۔ یہ قرضہ ۱۰ سال کے بعد واجب الادا ہو گا۔

(ہندستان کے اندر)

یو۔پی۔اسمبلی

۱۸ مارچ کو یو۔ پی۔ اسمبلی کا ملتوی شدہ اجلاس پھر شروع ہوا۔ وزیر عدل و انصاف نے آبکاری کی مد میں ۴۰۴۳۰۳۱۰ روپیہ منظور کئے جانے کی تجویز پیش کی۔ تمام دن اسی پر بحث ہوتی رہی مخالف پارٹی نے حکومت کی پالیسی پر بہت سے اعتراضات کئے۔ خاص خاص اعتراضات یہ تھے کہ حکومت اپنی پالیسی صاف نہیں کرتی۔ حکومت نے نشیات کا استعمال بند کرنے کے لئے بہت ہی معمولی اقدام کئے ہیں۔ وہ بہت سستی چل رہی ہے۔ بجائے قانونی زور کے اسکو اخلاقی قوت اور پروپگنڈے سے کام لینا چاہئے۔ وزیر انصاف نے جواب میں بتایا کہ اضلاع چننے وقت دو باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے ایک تو یہ کہ وہ صوبے کے کنارے پر یا کسی ریاست کے قریب نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ ان میں آبکاری سے متعلق جرائم کا زیادہ خطرہ نہ ہو۔ باقی اعتراضات کے جواب میں وزیر عدل و انصاف نے کہا کہ مخالف پارٹی کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ انکو حکومت کی پالیسی کا علم نہیں حالانکہ کئی اخباروں میں وہ تفصیل کے ساتھ چھپ چکی ہے دوسرے صوبوں میں تو صرف کہیں کہیں شراب کا استعمال کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یو۔ پی کے سارے صوبے میں تو فیصلہ دوکانیں توڑ دی گئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت منشیات کا استعمال ایک دم بند کر دینا چاہتی ہے اور اگر مخالف پارٹی بھی انکی امداد کرے تو ممکن ہے کہ ۷ سال میں انکا مستقبل پیدا ہوجائے۔

لگان کالگز ۱۹ تاریخ کو اشامپ اور رجسٹریشن کی مدیں پیش ہوئیں اور معمولی بحث و مباحثہ کے بعد پاس ہوگئیں۔ اسکے بعد وزیر مال نے ۳۹۰۲۳۰۳۱ روپیہ کا مطالبہ پیش کیا۔ راجہ جگنات بخش سنگھ نے حکومت کی مالگذاری وصول کرنے کی پالیسی پر اعتراض کرتے ہوئے شکایت کی کہ حکومت کسانوں کی بہت مدد کر رہی ہے لیکن اسی تناسب سے زمینداروں کی کوئی امداد نہیں کرتی۔ ڈپٹی اسپیکر نے انکو ٹوک کر کہا کہ اس مد کے ماتحت عام پالیسی پر بحث نہیں کیجا سکتی۔ اسپر راجہ صاحب ایوان سے باہر چلے گئے۔ سید حسن علی خاں صاحب نے بندوبست کی پوری مد رد کئے جانے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اپنی زرعی پالیسی بدلنے والی ہے۔ اس لئے ابھی نئے بندوبست کی کوئی ضرورت نہیں۔ وزیر مال نے جواب میں کہا کہ اس بندوبست سے لگان پر کوئی اثر نہیں پڑیگا مگر مالگذاری کی رقم آجکل ۴۰ سال پہلے کے منافع کے حساب سے مقرر ہے اس لئے نئے بندوبست کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر زمیندار چالیس سال پہلے کا لگان لینا تسلیم کرلیں تو حکومت ۴۰ سال پہلے کی مالگذاری بھی رکھیگی۔ نواب باغپت نے کہا کہ زمیندار کو زمین پر وہی حق ہے جو ایک کارخانہ والے کو اپنے کارخانے پر ہے۔ زمینداروں نے زمین پر روپیہ خرچ کیا ہے اور زمین انکی ملکیت ہے۔ وزیر مال نے کہا کہ نواب صاحب زمینداروں کے حق اور حصے پر تو باتیں کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھولے ہوئے ہیں کہ زمیندار لگان کی وصولیابی کے خرچ کے طور پر صرف کچھ کمیشن پانے کے مستحق ہیں۔

نواب سر محمد یوسف نے کہا کہ کچھ عرصہ پہلے حکومت نے زمینداروں کے حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا تھا لیکن اسکے بعد سے وہ خاموش ہوگئی ہے۔ وزیر مال کہتے ہیں کہ زمیندار لگان کلکٹر ہیں اور ان کو صرف کمیشن ملنا چاہئے۔ زمینداروں نے جائدادوں میں اپنی گاڑھی کمائی لگائی ہے۔ اور بنیر معاوضہ کے انسے زمین نہیں چھینی جانی چاہئے۔ اسکے علاوہ زمینداروں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ نواب چھتاری نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ زمینداروں کے بارے میں اپنی پالیسی صاف صاف ظاہر کرے۔ انہوں نے وزیر مال کے بیان کو بالکل غیر ذمہ دارانہ بتایا اور امید ظاہر کی کہ حکومت کی یہ پالیسی نہیں ہے۔ جواب میں وزیر مال نے کہا کہ انہوں نے صرف ایک تاریخی بات بتائی ہے پرانے زمانہ میں جو لوگ دیہات کے کاغذات مرتب کرتے تھے وہ اب پٹواری کہلاتے ہیں اور جو لگان وصول کرتے تھے وہ اب زمیندار ہیں۔ نواب چھتاری نے زمانے میں بھی حکومت کے ایک ممبر نے کہا تھا کہ زمیندار صرف ٹھیکیدار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس اجلاس کے ختم ہونے سے پہلے ہی زرعی اصلاحات کے بل پیش ہونگے اور اسوقت حکومت کی پالیسی واضح ہوجائے گی۔

الہ آباد کے فساد پر وزیر اعظم کا بیان۔ ۱۹ مارچ کو بجٹ پر بحث شروع ہونے سے پہلے کنور سر جہاراج سنگھ کی درخواست پر وزیر اعظم نے الہ آباد کے فساد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ بنارس میں صورت حال پر قابو پالیا گیا ہے لیکن الہ آباد کی حالت اب بھی نازک ہے۔ الہ آباد میں فساد پرسوں شروع ہوا تھا اور ابھی تک جاری ہے۔ حکام فساد دبانے اور صورت حال پر قابو پانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے اس فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کر دینے کی اتنی ہی فکر ہے جتنی کہ کسی دوسرے کو ہوسکتی ہے اور میں ایوان کے تمام ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ کو پارٹی بندی سے بلند و بالا خیال کر کے ہماری مدد کریں کیونکہ یہ انسان کی مشترک زندگی کا معاملہ ہے۔ اگر ہم سب ان جھگڑوں کو ختم کرنے کا تہیہ کرلیں تو چاہے ہم انکو ہمیشہ کے لئے ختم نہ کرسکیں لیکن ہم ضرور انکو بہت [illegible] بنا سکتے ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات پر مزید بیان دیتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ الہ آباد میں حالات اب بھی نازک ہیں۔ ابھی تک ۱۰ آدمی مر چکے ہیں اور ۵۰ مجروح ہوئے ہیں لیکن آہستہ آہستہ قابو پایا جارہا ہے۔ قریب کے اضلاع سے مجسٹریٹ اور مزید پولیس بلالی گئی ہے۔ آنریبل ڈاکٹر کاٹجو اور آنریبل وجے لکشمی پنڈت اور آنریبل اسپیکر نے سنیچر اور اتوار کو مختلف مقامات دیکھے اور کوشش کیجارہی ہے کہ دوکانیں دوبارہ کھل جائیں۔ کچھ کھل بھی گئی ہیں۔ بنارس میں کل دن اور رات امن سے گذرا۔ ٹاؤن ہال میں ۵ ہزار آدمیوں کا ایک جلسہ ہوا جسمیں تجویز کیا گیا کہ جن جن محلوں میں قاتلانہ حملے ہوئے ہیں انکے رہنے والوں پر تعزیری ٹیکس لگائے جائیں۔ قاتلوں کی گرفتاری کے لئے انعامات کے وعدے کئے گئے ہیں۔ باندے سے پرسوں فساد ہوجانے کی اطلاع ملی تھی ۱۲ آدمی اینٹوں سے زخمی ہوئے مگر پھر امن قائم ہوگیا۔ وزیر اعظم نے اسکے علاوہ اور کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔

مسلم لیگ کی تجویز۔ ۱۹ مارچ کو یو۔ پی مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کا ایک جلسہ راجہ محمود آباد کی زیر صدارت محمود آباد ہاؤس میں منعقد ہوا اور ایک قرارداد کے ذریعے فرقہ وارانہ فسادات پر افسوس کیا گیا اور الہ آباد میں گولی چلنے اور محرم میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کئے جانے پر تشویش ظاہر کی گئی آگے چلکر بتایا گیا کہ ان فسادوں کی وجہ سے مسلمانوں کو یقین ہوگیا ہے کہ یو۔ پی میں حکومت کو مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا کوئی خیال نہیں ہے آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ اگر موجودہ پالیسی نہ بدلی گئی تو اسکے نتائج بہت برے ہونگے۔

سندھ میں نئی وزارت! ۱۸ مارچ کو سندھ اسمبلی میں حکومت کے خلاف بجٹ میں ایک تخفیفی تجویز پاس ہوگئی تھی جسکا مطلب یہ تھا کہ ایوان کو موجودہ حکومت پر اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ ۲۰ مارچ کو سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت نے استعفا دیدیا۔ خان بہادر اللہ بخش لیڈر مخالف پارٹی نے دوسری وزارت بنالی ہے جس میں وزیر اعظم کے علاوہ دو وزیر اور ہیں۔ پیر الٰہی بخش اور مسٹر نیچل داس۔ نئے وزیروں نے کانگرسی وزراء کے برابر یعنی ۵۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

کلکتہ کی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ کانگرس پارلیمنٹری سب کمیٹی نے سندھ اسمبلی کی کانگرس پارٹی کو ہدایت کی ہے کہ وہ وزارت کی ترتیب میں کوئی حصہ نہ لے۔

سر سکندر اور مسجد شہید گنج ۱۱ مارچ کو سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے پنجاب اسمبلی میں شہید گنج کے متعلق بیان دیتے ہوئے بتایا کہ ان کی وزارت نے گورنر کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ملک برکت علی کے بل کو جس کا منشا ہے کہ حکومت مسجد شہید گنج مسلمانوں کو واپس دلا دے پیش کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ اگر یہ بل پیش ہو جائیگا تو دوسرے صوبوں میں بھی جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہے اس قسم کے بل پیش ہوں گے کہ جن جگہوں پر پہلے ہندو عبادت خانے تھے وہ اب ہندوؤں کو واپس دلائی جائیں۔ سر سکندر نے کہا کہ اگر دو بھی اگر ایوان کو ان کی رائے سے اتفاق نہیں ہے تو وہ استعفیٰ دینے کو تیار ہیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے استعفیٰ دینے سے مسجد شہید گنج مسلمانوں کو واپس مل سکے تو ہم استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہیں۔"

مسلم لیگ کا رویہ - ۱۹ مارچ کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ دو گھنٹے کی بحث و مباحثہ کے بعد مسجد شہید گنج کے بارے میں مسٹر جناح کی قرارداد پاس ہو گئی۔ تجویز میں سر سکندر کو انکی جرأت پر مبارکباد دی گئی اور ان کے بیان کی لفظ بہ لفظ تائید کی گئی۔ اور طے پایا کہ یہ معاملہ سر سکندر ہی پر چھوڑ دیا جائے۔ قرارداد میں سکھوں سے بھی توقع کی گئی کہ وہ اس معاملہ میں عدالتی فیصلوں سے بڑھکر ملک کے عام مفاد اور ہندو مسلمانوں کے دیرینہ تعلقات کی قدر کریں گے اور اس مسئلہ کو باہمی طور پر طے کرنے کی کوشش کریں گے۔

احرار - دہلی۔ ۲۱ مارچ - صاحبزادہ فیض الحسن خاں نے صوبجاتی احرار کانفرنس میں اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ ابتدا ہی میں فیصلہ کی امید تھی مگر چند خود غرض اشخاص نے اس کی مخالفت کی۔ اور کوئی باہمی سمجھوتہ نہ ہونے دیا۔ مسلم لیگ نے اپنے لکھنؤ کے اجلاس میں ہندستان کے ۸ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے اس مسجد کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اور سر سکندر نے اس کی تائید کی تھی لیکن آج وہ ناخوشگوار طریقے اختیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ آج جو کچھ سر سکندر کہہ رہے ہیں وہ ہم نے دو سال پہلے کہا تھا لیکن اس وقت ہمیں غدار کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا اور طرح طرح کے الزامات تراشے گئے تھے۔

فرقہ وارانہ فسادات - الہ آباد میں ۱۷ مارچ کو مسلمانوں کے ایک جتھہ نے حلہ بہادر گنج میں ہولی کے جلوس پر حملہ کر دیا جس میں ۲ آدمی مر گئے اور بیس زخمی ہوئے اسکے بعد شہر کے مختلف مقامات پر اکا دکا حملے ہوتے رہے۔ افسران نے جلد ہی صورت حال پر قابو پا لیا اور پولیس اور فوج کے پہرے لگا دئے۔ لیکن ۱۸ مارچ کو ۳ بجے دن میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے ہندوؤں کے گھروں پر اچانک دھاوا کر دیا اور کچھ شراب کی دوکانیں لوٹ لیں۔ پولیس اور مجسٹریٹ موقع پر پہنچ گئے اور بلوائیوں کو بھگانے کے لئے ہوائی فیر کرنا پڑے جس میں تین آدمی زخمی ہوئے۔ اسکے بعد ہی مختلف محلوں میں ایک سا تھ بلوہ ہونے لگا جب پولیس ایک جگہ جاتی تھی تو دوسری جگہ گڑ بڑ مچ جاتی اور جب وہ وہاں جاتی تو تیسری جگہ بلوہ شروع ہو جاتا۔ کانگرس کارکن دن رات پولیس کی مدد کر رہے ہیں تقریباً ۷۰ گھنٹہ امن و چین سے گذرنے کے بعد ۲۰ مارچ کو پھر فساد نے زور پکڑا۔ کئی جگہ لوٹ مار کے متعدد واقعات ہوئے لیکن اب پولیس نے تقریباً حالات پر قابو پا لیا ہے۔

سنیچر کی شب کو آنریبل دجے لکشمی پنڈت اور آنریبل ڈاکٹر کاٹجو الہ آباد گئے اور مختلف مقامات کا بذات خود معائنہ کیا۔

بنارس ۔ ۱۷ مارچ کو بنارس میں کچھ غنڈوں نے دو مسلمانوں پر رنگ ڈال دیا۔ ان دونوں نے رنگ ڈالنے والوں پر چاقو سے حملہ کرکے ایک کو زخمی کر دیا اور دوسرے کو جان سے مار ڈالا۔ اسی واقعہ نے بڑھکر فساد کی صورت اختیار کرلی۔ فساد زیادہ تر تھانہ جیت گنج ہی تک محدود رہا۔ چند دوکانیں لوٹ لی گئیں اور لاٹھیوں سے بہت سے آدمی زخمی ہوئے

دو کو بہت سخت چوٹیں آئیں۔ ۱۸ تا ۲۰ مارچ کو صبح کے وقت تک پولیس اور فوج کی مدد سے فضا پر امن کر دی گئی۔ لیکن اکا دکا حملے اب بھی جاری ہیں۔ الہ آباد سے ایک فوجی پلٹن بلائی گئی ہے اور ۸ بجے رات سے صبح ۶ بجے تک گھر سے نکلنے کی ممانعت ہے۔ آنریبل سمپورنانند وزیر تعلیم کی زیر صدارت ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ ہوا جس میں امن قائم کرنے کی ترکیبوں پر غور کیا گیا۔ اب صورت کافی اطمینان بخش ہے۔ چنانچہ بنارس یونیورسٹی کے امتحانات وقت پر ہوں گے۔

سیتا پور - سیتا پور کے ہندوؤں نے اس سال ہولی نہیں منائی اور ستوتا یخ کو کالے جھنڈوں کا ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ شام کو جلسہ ہوا جس میں طے کیا گیا کہ بائیکاٹ جاری رکھا جائے۔ مسلمانوں نے امام باڑے میں ایک جلسہ کرکے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ کمشنر نے انکو عالم نگر روڈ پر تعزیہ نکالنے کی اجازت نہیں دی اور ایک احتجاجی جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔

کونسل آف اسٹیٹ ۔ ۲۲ مارچ کو مسٹر سکین سکریٹری مال نے کونسل آف اسٹیٹ میں فائنانس بل (جسکو اسمبلی میں مسترد ہو جانے پر گورنر جنرل نے اپنے اختیارات سے دوبارہ منظور کر دیا ہے) پیش کیا۔ ترقی پسند پارٹی کے لیڈر لالہ رام سرن داس اور کانگرس پارٹی کے لیڈر مسٹر راما داس پنتولو نے بحث میں حصہ لینے سے انکار کیا ان دونوں پارٹیوں کے ممبر جنکی تعداد ۲۰ کے قریب تھی ایوان چھوڑکر باہر چلے گئے بعد میں واپس آکر انھوں نے بل پر رائے دہندگی کے لئے چیلنج کیا۔ صدر نے انکی اجازت نہیں دی جسکی وجہ سے ایوان میں ہنگامہ ہو گیا۔ صدر نے پندرہ منٹ کے لئے اجلاس ملتوی کر دیا۔ دوسری نشست میں صدر نے کہا کہ انہوں نے ووٹ شماری کی اجازت ایک غلط فہمی کی بنا پر نہیں دی تھی۔ اسلئے انھوں نے اپنے فیصلہ کو تبدیل کر دیا اور ووٹ شماری کی اجازت دیدی۔ اسلئے پہلے فائنانس بل پر غور کرنے کی تحریک پاس ہو گئی اور پھر بل بھی پاس ہو گیا۔

ہمارے صدر - شمالی کلکتہ میں صدر کانگرس سوبھاش چندر بوس کا استقبال کرنے کیلئے مسٹر سرت چندر بوس ـــــ صدر شمالی کلکتہ کانگرس کمیٹی کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں صدر کانگرس کو نقرئی طشت میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا۔ ہمارے صدر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسے محض خیالی نہ سمجھنا چاہئے کہ ہندستان ہماری ہی زندگی میں آزاد ہو جائے گا دن بدن برطانیہ زوال پذیر ہے ہر طرح اسکی قوت گھٹتی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں کیا سے کیا ہو جائے گا۔ سوبھاش چندر بوس نے ہر ہندستانی سے اپیل کی کہ وہ بین الاقوامی کشمکش کو دیکھتا رہے۔ آخر میں آپ نے بنگال کے کانگرسیوں سے اپیل کی کہ وہ آپس میں متحد ہو جائیں اور دوسروں کو بھی کانگرس میں شرکت کیلئے دعوت دیں۔

عدم ادائی لگان کی تحریک

احمد آباد - ۱۸ مارچ ریاست نسا ۔ کے بارہ گانوؤں کے کسانوں کی ایک کانفرنس ریاست کی سرحد پر موضع اندہ پورہ میں منعقد ہوئی۔ صدر نے کسانوں کو بتایا کہ انکو کسی کا بیری اور دکا بغیر تنہا جنگ کرنا چاہئے۔ متعدد قرار دادیں پاس کی گئیں جنمیں سے ایک میں درخواست کی گئی کہ ۳۰ اپریل کو سارے ہندستان میں دفعہ ریاستیہ گروہ کا دن منایا جائے۔ ایک بڈھی عورت نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عورتوں نے بھی عدم ادائی لگان کی تحریک چلانے

یو۔پی گورنمنٹ آرٹس اینڈ کرفٹس امپوریم

حضرت گنج لکھنؤ

میں ہر قیمت اور ہر مذاق کی چیزیں ملتی ہیں
کام کی چیزیں، آرائش کا سامان، تحفوں کیلئے آرٹ
کے نمونے۔ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا، اور گاؤں میں
تیار کی ہوئی چیزیں۔
ہماری باتصویر فہرستیں طلب کیجئے، اور جب لکھنؤ
آیئے تو ہمارے یہاں بھی ضرور تشریف لایئے

"منیجر"

ایک اور آسانی

بجائے اسکے کہ آپ سفر میں بہت سے نوٹ لیکر چلیں آپ
سنٹرل بنک کے روپئے والے سفری چیک
ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ [illegible] کی وجہ سے آپ بہت سی زحمتوں
سے بچ جائینگے اور [illegible] بیوں کے کھو جانے کا ڈر
بالکل نہیں رہے گا۔
۲۵، ۵۰، اور ۱۰۰ روپئے کے چک مل سکتے
ہیں، انکا روپیہ آپ کو سنٹرل بنک آف انڈیا کی ہر شاخ سے مل سکتا ہے
سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ لکھنؤ

ہندستان کی پہلی جلد

ہندستان کی پہلی جلد جس میں شروع اگست سے آخر دسمبر ۱۹۳۰ء
تک کے سب پرچے مجلد ہیں۔ صرف دو روپیہ میں مل سکتی ہے
محصول ڈاک خریدار کے ذمہ ہوگا۔

منیجر
"ہندستان"

سلطانیہ بک ایجنسی نے

ایک ماہ کے لئے اپنی حسب ذیل کتابوں میں تخفیف
کردی ہے
یہ رعایت ۲۰ اپریل تک رہے گی، لہٰذا جلد آرڈر دیجئے۔

وقائع عالمگیر ۱ مجلد۔ تذکرہ مورخین [illegible] نغمۂ عندلیب ۸ عمر واقعات کربلا ۸ عمر
تاریخی اسکیچ ۱ر، تارہ سلمان ۲ر، غریب ۲ر، علاج ہومیوپیتھک ۱ بائیکاٹ ۱ر

بچوں کا ماہوار رسالہ "محبت" (سالانہ چندہ) ۱ عہ
سلطانیہ بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

ہندوستان کیلئے

ہر جگہ نے بڑے شہر اور قصبے میں دیانتدار ایجنٹوں کی ضرورت ہے
حاجت مند حضرات حسب ذیل سے بذریعے معاملات زبانی یا
بذریعہ خط و کتابت طے کریں۔ منیجر "ہندستان" نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ

نرخنامہ اشتہارات ——— اخبار ہندستان

باہر کا آخری صفحہ		اندر کے صفحے	
پورا صفحہ	۲۵ روپئے	۲۱	روپئے
آدھا صفحہ	۱۳ روپئے	۱۱	روپئے
چوتھائی صفحہ	۷ روپئے	۶	روپئے

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ رعایت

منیجر ——— ہندستان ——— نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر پبلیشر نے باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپواکر نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۱۴ | ۳ اپریل ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ار سالانہ ۳ے

ریاست منسا کے کسانوں کی بہادری

احمد آباد کے پاس بارہ گاؤں کی ایک چھوٹی سی ریاست منسا ہے جسکی آبادی ۱۶ ہزار ہے۔ یہاں کی ریاست نے بری طرح اپنی رعایا کو لوٹا ہے۔ ریاست کی کل آمدنی ۱۸۹۸ء میں ۲۲ ہزار تھی سو اب ۱۹۳۵ء میں ایک لاکھ ۴۸ ہزار تک پہونچ گئی ہے۔ لگان سے ۱۸ ہزار روپیہ ملتا تھا۔ اب اس سے ۷۰ ہزار روپیہ ملتا ہے۔ اس کے پاس ہی ریاست بڑودہ میں زمین کا لگان ۳ روپیہ فی بیگھہ ہے۔ لیکن اس ریاست میں ۷ روپیہ ۱۲ آنہ فی بیگھہ ہے۔ عام طور پر ہر جگہ تیس سال کے بعد بندوبست ہوتا ہے، لیکن اس ریاست میں ہر دسویں برس ہوتا ہے۔ ۴۰ سال کے اندر لگان اتنا بڑھ گیا کہ جو کاشتکار ۲۰ روپیہ دیتا تھا اب ۲۰۰ سے لیکر ۴۰۰ تک دیتا ہے۔

اتنی تباہ کار لوٹ سے گھبرا کر کسان متحد ہو گئے اور چند مہینوں سے انھوں نے لگان کی کمی کا مطالبہ کیا۔ پچھلی فصل پر کسانوں نے ریاست کو چیلنج دیا کہ وہ پچھلے دستور کے مطابق لگان میں پیداوار کا ½ حصہ ادا کرینگے اور ریاست لگان کو پچاس فیصدی کم کردے۔ لیکن اگر ریاست کی آمدنی اتنی کم کردی جاتی تو پھر والی ریاست کی عیاشی اور وفاداران ریاست کے خرچے کیسے چلتے۔

پھر کسانوں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو درخواست دی جس پر ۵۰۰ کسانوں کے دستخط تھے۔ ریاست کی تمام رعایا ریاست کی لوٹ سے پریشان تھی اُس نے کسانوں کا ساتھ دیا۔ ریاست پر اتنا دباؤ پڑا کہ اس نے ۱۲½ فیصدی لگان کم کردیا پھر کچھ ناجربل کے اصرار پر ۲۰ فیصدی کم کیا۔ لیکن یہ اتنا کم تھا کہ کسانوں نے نامنظور کردیا۔ ریاست نے جھنجھلا کر اپنے پیچھے لٹھ والے اور کسانوں کو کچلنا چاہا۔ مگر ان خونخوار دیون کے مقابلے کے لئے وہ لوگ تیار تھے۔

۶ جنوری ۱۹۳۸ء کو تین ہزار کسان مقام راگھوسان میں جمع ہوئے۔ اور یہ طے کیا کہ جب تک انکے مطالبات نہیں پورے ہونگے۔ وہ لگان نہیں ادا کرینگے۔ ریاست کی تمام رعایا نے کسانوں کا ساتھ دیا اور اس تاریخ کو ساری ریاست میں ہڑتال منائی گئی۔ ریاست نے پٹھانوں کو بھرتی کرلیا۔ کسانوں کو مارا پیٹا۔ انکا سامان چھینا۔ پھر ظلم وستم پر بھی ایک لاکھ روپیہ میں سے صرف ۳۰۰۰ وصول ہوا۔

پھر ریاست نے فرمان جاری کیا کہ سب کھڑے ہوئے کھیت ریاست کی ملکیت ہیں۔ ان کو کاٹنے والے کو سزا دی جائے گی۔ کسانوں نے گروہ بنا کر آگے سے زیادہ کھیت کاٹ لئے۔ ریاست کی پولیس اس عام دھاوے کے سامنے بیکار ہوگئی۔

کسانوں نے اچھی طرح مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ انکی کمیٹی عوام کی کمیٹی بن گئی اور ۴۵۰ آدمیوں نے والنٹیر کی خدمت قبول کی۔ دو ہزار آدمیوں نے جیل جانے کے لئے اپنے نام لکھوا دیے۔

کسانوں کی عورتوں نے تحریک میں پورا حصہ لیا ہے۔ انھوں نے مردوں کی ہمت افزائی کی۔ ستیہ گرہ کرنے والوں میں اپنے نام دیے۔ انکے مقابلے نے کئی بار ریاست کی تدبیروں کو توڑ دیا۔

یہ مقابلہ ابھی جاری ہے۔ ۳ اپریل کو "منسا ڈے" منایا جائے گا۔ منسا کے کسان سارے ہندوستان سے ہمدردی مانگتے ہیں۔ یہ لڑائی ایسی ہی ہے کہ سارے ہندوستان کی ہمدردی انکے ساتھ ہے۔ اور رہیگی۔

اس تحریک کی بنیاد میں اتحاد تھا۔ رفتار دیکھنے اور سمجھنے والی ہے یہ چیز وہی ہے جس کے لئے ہم کہتے ہیں کہ ایک دن ہر جگہ نظر آئے گی۔ آئی باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) سب کسانوں میں زمیندار کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد ہو گیا۔

(۲) ریاست جس طرح کسانوں کو لوٹ رہی تھی۔ اسی طرح اوسط طبقہ کو بھی لوٹ رہی تھی۔ اسی لئے کسانوں کی لڑائی میں اوسط طبقہ بھی شریک ہو گیا۔ یوں ایک متحدہ محاذ بن گیا۔

(۳) اس کے سامنے ریاست کی قوتیں بیکار ہو گئیں۔

منا میں انقلاب کے جو اسباب تھے، وہی سارے ہندوستان میں جمع ہو رہے ہیں۔ آج جو منا میں ہو رہا ہے کل وہی سارے ہندوستان میں ہوگا۔

سندھ کی حکومت پر عوام کا اثر

سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت ٹوٹ گئی اور اسکی جگہ خان بہادر اللہ بخش متحدہ پارٹی کے لیڈر نے ہندو آزاد پارٹی سے مل کر وزارت بنا لی۔ ان دونوں پارٹیوں کا اتحاد ناکافی تھا لیکن کانگریس پارٹی نے اسوقت تک انکی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے جبتک وہ صوبے کے عوام کی بھلائی کے لئے ترقی پالیسی کے موٹے موٹے اصولوں پر عمل کرتی رہے۔ نئی وزارت نے کانگریسی اصولوں پر پہلا عمل یہ کیا کہ اپنے وزیروں کی تنخواہیں ۵۰۰ روپیہ کر دیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ الکشن کے بعد ہی سے صوبجاتی حکومتوں پر عوام کا اثر پڑ رہا ہے کانگریس کے وزارت قبول کرنے سے پہلے جو وقتی وزارتیں قائم ہوئیں انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ہم عوام کا بھلا چاہتے ہیں مثال میں۔ یو۔ پی کی نواب چھتاری کی وزارت کو لے لیجئے ان لوگوں نے گرام سدھار، لگان کی کمی، تعلیمی اصلاح، اور دیہی قرضوں کے ختم کرنے کے مسئلوں پر توجہ دی ورنہ کہاں یہ لوگ اور کہاں یہ مسئلے۔ ان لوگوں کے خیالات اور پالیسیاں ہمارے لئے نئی نہیں ہیں۔ برسوں سے دیکھتے آئے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک ہندوستان کی ترقی کے معنے یہی رہے ہیں کہ ہندوستان کے سرمایہ داروں مہاجنوں اور بالائی اوسط طبقے کا بھلا ہو اور بس۔ عوام کا لفظ تک انکی زبان پر نہیں آیا۔ لیکن اس زمانے کی تمام وقتی وزارتوں نے ایسے ہی ترقی پسند پروگرام بنائے۔ یہ کیوں؟ ایک دم یہ لوگ اتنا کیوں بدل گئے۔ پرانی لوگوں کی پہلے والی تحریروں اور تقریروں میں اور موجودہ تحریروں اور تقریروں میں وہی فرق ہے جو سیاہ اور سفید رنگ میں۔

یہ عوام کی طاقت کا اثر ہے۔ اور انکی نمائندہ جماعت یعنی کانگریس کا اثر ہے۔ الکشن نے بتا دیا کہ عوام اپنا نیک و بد سمجھ لیتے ہیں۔ انکو عرصے تک دھوکے میں نہیں رکھا جاسکتا اور اسی کی فتح ہوگی جو عوام کا ساتھ دے۔ کانگریس کی وزارتیں جن صوبوں میں قائم ہوئیں اور انکی پالیسی سے ظاہر ہو گیا کہ وہ عوام کی کتنی ہمدرد ہیں۔ بمبئی کی وزارت نے اختیارات خصوصی کا قانون (اسپیشل پاورس ایکٹ) منسوخ کر دیا۔ یو۔ پی اور سی۔ پی کی وزارتوں نے جیل میں انقلابی اصلاحیں کیں۔ بمبئی کی وزارت نے دوکانوں کے ملازموں کی بھلائی کے قانون بنائے انکے لئے ۱۰ گھنٹہ کا کام روزانہ اور مجموعی طریقے پر ۵۴ گھنٹہ فی ہفتے کا کام مقرر کیا۔ مدراس وزارت نے قرضداری کا امدادی قانون پیش کیا۔

اڑیسہ کی وزارت بھی ایسے ہی قانون پاس کرنے والی ہے۔ مدراس کی وزارت نے باٹلی والا کو رہا کر دیا اور دوسرے قیدی بھی رہا ہونے والے ہیں۔

الکشنوں نے بنگال سندھ اور آسام کے عوام کو بھی چونکا دیا اور انہوں نے اپنے حقوق کے لئے لڑائی چھیڑ دی۔ جو لوگ انکی نمائندگی کرتے ہیں ان لوگوں کو نظر آنے لگا کہ ہماری نمائندگی یونہی بچ سکتی ہے کہ ہم کانگریسی پالیسی پر عمل کریں۔ سندھ کی نئی وزارت انھی بنیادوں پر مبنی ہے۔

بنگال کی وزارت کا آخری وقت

فضل الحق نے بہت کوشش کی کہ اپنی وزارت کو عوام کی خاصکر مسلمان عوام کی نمائندہ ثابت کریں اسلئے انہوں نے اسلامی جھنڈا بلند کیا اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں آکر کہہ گئے کہ بنگال میں کافر ہندوؤں سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ پھر جلد ہی انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی صدا لگائی اور پرجا پارٹی کو کسانوں اور مزدوروں کا ہمدرد دکھلانے کی کوشش کی۔ یہ ڈھونگ رچا کر انہوں نے کانگریس سے لڑائی چھیڑ دی اور بنگال کی کسانی تحریک کو کچلنے کی پوری کوشش کی۔

بنگال کے عوام نے فضل الحق کا پوری طرح مقابلہ کیا پہلے وہاں کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی پھر انڈمن کے قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھا۔ اسکے بعد سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کی رہائی کا مطالبہ ہوا جو ابھی تک پوری قوت سے جاری ہے طلبا اور مزدوروں نے بکثرت جلسے کئے اور احتجاجی جلوس نکالے۔

شروع شروع میں بنگال کی کانگریس نے اس مسئلے کو عوامی مسئلہ نہیں بنانا چاہا اور گاندھی جی پر چھوڑ دیا۔ لیکن اس تحریک نے خود بخود اس قدر طاقت پکڑ لی کہ مجبوراً پہلے کانگریس کو بنگال کی صوبہ کانگریس کمیٹی نے سارے بنگال میں سیاسی قیدی ڈے منایا۔

کسانی تحریک بھی بنگال میں ایسا ہی زور پکڑ رہی ہے کسانوں کو پرجا پارٹی کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ہندو کسان ہوں یا مسلمان دونوں بن بن کر کسان سبھا میں شامل ہوتے جا رہے ہیں اور انکا جماؤ پرجا پارٹی میں گھن لگاتا جاتا ہے۔ یہی کسانوں کی تحریک تھی جسکی ہمدردی میں پرجا پارٹی کے ۱۳ ممبروں نے اعلان کر دیا کہ ہم فضل الحق کی وزارت سے مطمئن نہیں ہیں۔

آنریبل مسٹر فضل حق کی وزارت ایسے جالوں میں جکڑی ہوئی ہے کہ اپنے الکشن مینی فسٹو کا ایک وعدہ بھی پورا نہیں کرسکتی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وزارت میں جتنے لوگ ہیں وہ صرف اپنا نفع چاہتے ہیں اگر کبھی انسانی ہمدردی کا جوش آجاتا ہے تو نچلے طبقے یعنی زمینداروں اور کارخانے داروں کا بھلا چاہنے لگتے ہیں اگر اس کے آگے ذرا بھی قدم بڑھائیں تو اپنے نفعوں کی بہت سخت بھینٹ دینا پڑے۔ اگر اس کے لئے تیار ہوتے تو دو ہزار اور تین ہزار تنخواہیں کیوں لیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جاپان میں جاپان کی فتوحات کی وجہ سے یہ ڈر لگا ہے کہ شاید کبھی جاپان کی نیت بگڑے۔ اور ہندوستان کی نظروں سے تکنے لگے۔ اس صورت سے اسکے حملوں کا رخ بنگال کیطرف ہوگا اس لئے برطانیہ کی کوشش یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو یہاں رجعت پسندانہ حکومت قائم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنگال میں یورپین طبقے کو اتنے حقوق دیئے گئے اور اسی وجہ سے یہ طبقہ آج پرجا پارٹی کی مدد کر رہا ہے۔

اس لئے بنگال میں عوام کی مدد کی صرف یہی صورت ہے کہ فضل الحق کی وزارت کو توڑا جائے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی اور کسانوں کے مطالبات کی لڑائیوں کو پوری طاقت سے لڑا جائے اس طرح یہ وزارت بھی ٹوٹ جائے گی اور بنگالی عوام کو کانگریس کی ہمدردی پر اتنا بھروسا ہو جائیگا کہ وہ پھر کبھی رجعت پسندوں کے ہاتھ میں نہیں پڑینگے۔

ایک تجویز یہ بھی ہے کہ اسی وزارت کو پھر سے بنایا جائے اور اس میں کچھ کانگریسی وزیر رکھے جائیں۔ یہ صورت اب سے تو کچھ بہتر رہے گی مگر اس طرح کانگریس عوام سے دور ہو جائے گی۔ دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ موجودہ بنگالی کانگریس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو زیادہ دور تک نہیں جاسکتے اور ڈر ہے کہ جب عوام کے حقوق اور بنگالی زمینداروں اور کارخانہ داروں کے حقوق میں جھگڑا اٹھیگا تو وہ چھوٹی

چھوٹی باتوں کو لیکر عوام کے خلاف سمجھوتہ کر لیا کریں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب تک بنگال کے سیاسی نظربند رہا نہ ہو جائیں، اور وہاں کے اور وہاں کے کسانوں کے جنگی حالت بہت ابتر ہے اچھی طرح مدد نہ کی جائے۔ بنگال کے تمام جبریہ قانون نہ توڑ دیے جائیں وہاں کے بیکار نوجوانوں اور مزدوروں کی امداد نہ کی جائے بنگالی عوام کی بے چینی نہیں ٹھنڈی ہو سکتی جا ہے جس کی وزارت ہو۔ اگر کانگرس نے یہ کام نہ کئے تو کانگرس ہی کو اپنے عوام کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور یہ باتیں ایسی ہیں جو اسوقت تک نہیں پوری ہو سکتیں جب تک یہ جاپانی کا اثر بنگالی وزارت پر قائم رہے گا۔

ان اگر سمجھوتے کی وہ صورت ہوئی جو سندھ میں ہے تو سسٹم بیشم کام چل جائے گا۔

فساد کے لئے ورغلانا

مسٹر مظفر حسین صدر شہر کانگریس کمیٹی الہ آباد نے ۲۳ مارچ کو مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے:- مسٹر محمد اسحاق خاں نے یو۔ پی اسمبلی میں تحریک التوا پر ایک بیان دیا ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ کانگریس سکریٹری کے گھر کے سامنے ایک مسلمان کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا، شہر کانگریس کمیٹی کی جانب سے اس کے متعلق تحقیقات کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ کانگریس کمیٹی کے تینوں سکریٹریوں میں سے کسی کے گھر کے سامنے کوئی مسلمان یا ہندو قتل نہیں ہوا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیر دروڈ ہزاران۔ وائن۔ ایم سی۔ ایس کے قریب ایک سکریٹری کے گھر سے ایک فرلانگ سے زیادہ فاصلہ پر کسی آدمی کو چاقو بھونک کر زخمی کیا گیا جو بعد میں اسپتال جان بحق ہوا۔ یہ واردات ایک ایسے محلہ میں ہوئی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں آباد ہیں، مجھے یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے کہ اسمبلی کے ایک ممبر اتنا غیر ذمہ دارانہ بیان دیتے ہیں، یہ بیان بے بنیاد اور شر آمیز ہے، ایسی ہی بے سوچی سمجھی تقریروں سے ہندو مسلمانوں کے درمیان تلخی بڑھتی ہے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور امن عامہ میں خلل پڑتا ہے۔"

واقعہ صاف ہے۔ تبصرہ کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

ہٹلر کی ریشہ دوانیاں

ہٹلر آسٹریا کو پوری طرح ہضم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ پولینڈ اور لیتھونیا کا قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا، حقیقت میں اس قضیہ کے پیچھے بھی ہٹلر کی شخصیت کام کر رہی ہے۔

چیکوسلوویکیا کی شمالی سرحد جرمنی اور پولینڈ سے ملی ہے اور جنوبی سرحد آسٹریا کے جنوب میں تو جرمنی نے اپنی قوت مستحکم کر ہی لی، اب ڈر تھا کہ چیکوسلوویکیا پر حملہ کیا گیا تو کھلم کھلا روس کا مقابلہ کرنا ہوگا، اسی واسطے پولینڈ کی معرفت لیتھونیا میں قدم جمانے کی فکر کی جا رہی ہے تاکہ روس اور چیکوسلوویکیا کے درمیان زیادہ سے زیادہ روڑے اٹکا دئے جائیں، لیتھونیا سے زبردستی دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا سوائے اس کے کوئی مقصد نہیں ہو سکتا کہ اس کو جرمنی کے جنگی منصوبوں کا مرکز بنایا جائے۔

واشنگٹن (متحدہ امریکہ) میں پولش سفیر نے اس معاملہ کو بالکل ہی صاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ اب پولینڈ اس قابل ہو گیا ہے کہ بحر بالٹک سے لیکر بحر اسود تک ایک غیر جانبدار خطہ بنانے کی کوشش کرے، اس غیر جانبدار خطے میں فن لینڈ، استھونیا، لیٹویا، لیتھونیا، پولینڈ اور رومانیہ شامل ہوں گے۔ اصلیت میں یہ غیر جانبدار خطہ ایک جانبدار پہاڑ ہوگا، سوویٹ متحدہ اور چیکوسلوویکیا کے بیچ میں۔

فرقہ وارانہ فسادات

چلیئے ایک ضلع میں چلیں۔ اور دیکھیں فرقہ وارانہ فسادات کیسے اُٹھتے ہیں،

یہاں کی بازار میں پان والے کی ایک نئی دوکان کھلی ہے، اس پر لکھا ہوا ہے "اسلامی پان"۔ آس پاس ہندو تمبولیوں کی دوکانیں ہیں بڑے بڑے آئینوں، تصویروں، اور پیتل کے چمکدار برتنوں سے آراستہ ہیں۔ مدتوں سے کام کرتے کرتے انکو پیشے میں اچھی مہارت ہو گئی ہے، تو ڈانٹ پیتے ہیں کہ کون شخص انکا مستقل خریدار بن سکتا ہو اسکی تھوڑی بہت خاطر کرتے رہتے ہیں جیب میں الائچی زیادہ ڈالدی عمدہ قسم کی تمباکو ڈالدی۔ قرض پان دیتے چلے گئے اور تقاضہ نہیں کیا۔ نئی دوکان پر جو مسلمان بیٹھا ہے یہ پیشہ ہی اسکل کرتا ہے۔ مزاج میں اکڑ بہت ہے ایک دن ایک مستقل گاہک سے پیسوں کا اس طرح تقاضا کیا کہ لڑائی ہو گئی۔ اور اس نے اس کے یہاں سے سودا خریدنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے اسلام کا واسطہ دیکر پھر اسکو اسلامی دوکان سے پان خریدنے پر مجبور کیا۔

اسلامی پان۔ والا دوکان کھولنے سے پہلے نماز روزے کا بھی پابند نہیں تھا لیکن اب دوکان قائم کرنے کے بعد اس نے مسجد میں بھی جانا شروع کر دیا۔ ایک میلاد شریف بھی کیا، جس میں مولوی صاحب نے اسلامی ہمدردی پر خوب کہا۔ لوگوں کو سمجھایا کہ جب ایک مسلمان بھائی کی دوکان موجود ہے تو ہندو کی دوکان سے سامان کیوں خریدیں؟ اس پان والے کے دوست اور عزیز بھی ہندوؤں کے سخت دشمن ہیں ان سے باتیں کرو تو وہ بمبئی، کلکتہ، رنگون بنارس کے قصے سناتے ہیں کہ ان ہندوؤں نے مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کئے اور بتاتے ہیں کہ مسلمان بڑی بہادر قوم ہے۔ اگر آج چاہے تو "اسلامی حکومت" قائم کر لے۔

ایک وکیل صاحب بہت پابندی سے اسلامی دوکان سے پان منگواتے ہیں۔ کیوں؟ اسی لئے کہ حال ہی میں وہ بڑے پکے مسلمان بن گئے ہیں۔ اس کا ایک خاص واقعہ ہے۔ علالت میں ایک ہندو ڈسٹرکٹ بورڈ سے الیکشن میں سامنے ایک ہندو وکیلوں نے ہمت افزائی کی کہ ان

ہری پورہ ایک قدم آ

ہری پورہ کی چہل پہل ختم ہو گئی۔ ہزاروں نمائندے جو آئے تھے اپنے اپنے قصبوں اور دیہاتوں کو واپس چلے گئے لاکھوں دہقان آئے تھے اپنے اپنے کاموں میں پھنس گئے لوگ اب نئی جد و جہد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہری پورہ نے ہم کو نئے کاموں اور نئی جد و جہد کے لئے کتنا تیار کیا؟ یہ کہیں گے کہ مسئلے تمام اٹھائے گئے، مگر حل کچھ نہیں کیا گیا۔ کچھ کہیں گے کہ وہ مسئلے اٹھائے گئے اور کچھ حل کیا گیا۔ کچھ کہیں گے کہ ان سب کے تمام مسئلوں کا حل ہری پورہ کا اجلاس ہے — اب وقت ہے کہ ہری پورہ کو آنکا جائے۔

ہری پورہ کا سرسری اور سطحی جائزہ یہ ہے کہ وہاں قومی اتحاد کی اچھی نمائش ہو گئی۔ ٹھیک ہے یہی ہوا لیکن سبھاش بوس کا بمبئی میں جو استقبال ہوا اس میں بھی تو یہ بات تھی۔ ہر کانگریس کے اجلاس میں یہی ہوتا ہے

ہری پورہ میں قومی اتحاد کی ایک خاص رنگ کی نمائش ہوئی۔ یہ ایک مثال تھی برطانوی استعماریت کے مقابلہ میں، دائیں بازو اور بائیں بازو کے انتہا پسندوں کے میل کی لیکن نہ تو یہ برطانوی دباؤ کی اتفاقی چیز تھی، اور نہ قومی اتحاد۔ قومی اتحاد کے ہونے پر برطانوی دباؤ بڑھا اور برطانوی دباؤ کے مقابل میں قومی اتحاد۔

فیض پور کانگریس نے ایک عام قومی پالیسی تیار کی اور اس زمانے کے لئے ایک پروگرام بنایا جس کا اثر یہ ہوا کہ کانگریس سوشلسٹ پارٹی، کسان سبھا، مزدور سبھا اور تمام سامراج دشمن جماعتیں ملکر عوامی تحریک اور پارلیمنٹری کاموں کی مدد سے اسی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے لگیں۔

کانگریس نے وزارت قبول کر لی۔ اس نے عام تحریکوں کو عوام کی فوری ضروری مانگوں کو لیکر آگے بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دیا۔ سول آزادی، سیاسی قیدیوں کی رہائی، استبدادی قانون کی بندی۔ کاشتکاری لونٹ اسمبلی۔ کسان کی امداد۔ لگان میں کمی۔ قرضہ کی معافی۔ مزدوری میں اضافہ، مشقت لینے میں اصلاحات۔ مزدور سبھاؤں کا تسلیم کرانا۔ یہ تمام تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کسان سبھائیں جو کانگریس کے وزارت قبول کرنے سے پہلے کام کر رہی تھیں۔ ایک دم بڑی تیزی سے چل نکلیں۔ خاصکر بہار میں۔ مزدوروں نے بھی بمبئی، شولاپور، کانپور، احمد آباد، ناگپور، کلکتہ بلکہ قریب قریب ہر جگہ سیاسی کاموں میں کانگریس کی مدد کرنے اور اپنی فوری اقتصادی مانگوں کو پورا کرانے کے لئے اپنی جد و جہد کی۔ نوجوانوں، خاصکر طلباء نے سول آزادی خاصکر تحریر و تقریر کی آزادی کے لئے اور اپنے ہوسٹلوں، اسکولوں اور کالجوں پر قومی جھنڈا لگانے اور عام تعلیم کے لئے نمایاں جد و جہد شروع کر دی

لیکن عوام کی قوت اور انکی جنگ میں اس زبردست اور خلاف امید ترقی کے باوجود بھی عوام اور قومی لیڈروں کے طبقے کے درمیان ایک طرح کا خلا باقی رہا۔ اور کانگریسی وزارتیں بار بار نوکر شاہی اور خود غرض سرمایہ داری کے سامنے جھک رہی تھیں۔ انکی طرفداری کرتے ہوئے عوامی تحریک کی مخالفت پر اتر آئی تھیں اور غلط فہمی پیدا کر کے علیحدہ علیحدہ طبقہ وار جماعتوں کو سامراج دشمن قوم کا ایک نیا جزو خیال کرنے کے بجائے۔ کانگریس کا مد مقابل اور اسکا مخالف سمجھنے لگی تھیں۔

کانگریس والوں کا ایک گروہ تو یہاں تک کہتا تھا کہ ان آزاد جماعتوں کو نکال کر کانگریس کو پاک کر دیا جائے کیونکہ اسکے نزدیک جب سامراج دشمن تحریک متحدہ جنگ کی چوٹی پر پہنچنے والی تھی، عین اسی وقت ان جماعتوں نے نہایت خطرناک قسم کے اہم تنازعے اور جھگڑے اٹھا کھڑے کئے۔

تاہم عوام کے دباؤ نے اپنا اثر ڈالا اور کوئی تفرقہ نہیں ہونے پایا۔ متعدد بار اس بھاری دباؤ نے کانگریسی منسٹروں اور مجلس عاملہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا الیکشن پروگرام لیکر بڑھے اور نوکر شاہی کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ صرف یہ کہ مجلس عاملہ کے ذی اقتدار لیڈروں کو جماعتوں میں تفرقہ ڈالنے سے روک دیا گیا بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ ہوا کہ اسکو فیض پور کانگریس کے راستے پر نہایت مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رکھنا پڑے۔

کلکتہ میں یہ پس منظر ہے مجلس عاملہ کے اجلاس کا جو ہری پورہ سے قبل ہوا تھا اور دراصل یہیں سے ہری پورہ کا کام شروع ہوتا ہے۔ کانگریسی وزارتوں کے کاموں میں برطانوی نوکرشاہی کی مخالفت بڑھ رہی تھی اور کھلی ہوئی مخالفت کی جا رہی تھی۔ عوام کی طرف سے قانون اور فیڈریشن کی مخالفت کی جا رہی تھی اور الیکشن وعدوں کو پورا کرنے خاصکر سیاسی قیدیوں کو چھوڑ دینے کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ ان تمام باتوں نے کانگریس کے رہنماؤں کو زور آزمائی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور قومی تحریک اٹھ کھڑے ہونے کا امکان محسوس کرتے ہوئے اسکو صاف نہیں کیا گیا تھا۔ مہاتما جی کے ساتھ ایک سامراج دشمن محاذ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یو پی اور بہار کے منسٹروں کو ہدایات بھیجی گئیں کہ وہ سیاسی قیدیوں کو رہا کرنا شروع کر دیں ورنہ استعفیٰ دیدیں۔ یہ ہے وہ دھمکی کی قراردادوں کا پس منظر خاص خاص محاذوں پر خصوصاً فیڈریشن، ریاستوں اور کانگریسی وزارتوں کے مسئلوں پر ایک لچکدار اور متحد پالیسی اختیار کرنا طے پایا۔

مجلس عاملہ کے اس سخت رویہ کے جواب میں سامراج نے بھی اپنا وار کیا۔ ایک مہینہ پہلے ہی لندن کے اخبار ٹائمس میں کسانوں اور مزدوروں کی بڑھتی ہوئی تحریک پر تشویش ظاہر کی جا چکی تھی۔ اس تشویش کے ساتھ بین الاقوامی صورت حال کی نزاکت فیڈریشن کے امکانات پر لارڈ لوتھین کی رپورٹ اور ہندوستان کے متعلق انکے ذاتی تاثرات پنجاب و بنگال میں قومی تحریک کے بڑھاؤ کو دبائے رکھنے کی خواہش — ان تمام باتوں کی وجہ سے نوکر شاہی نے کانگریسی وزارتوں کی صرف قومی طاقتوں کو روکنے کے لئے تیزی سے قدم بڑھایا۔ لارڈ لنلتھگو نے مداخلت کر کے کانگریس کو دھکا دینا چاہا لیکن کانگریس دو صوبوں کی وزارتیں مستعفی ہو گئیں۔

ہری پورہ میں ان استعفوں نے بجلی کا کام کیا۔ اگرچہ دفعتاً جابر سنگر ڈیڈ لاک کے چکر سے لگے لیکن ایک ہی دو دن میں وہ پھر اکٹھا ہو گئے اور کانگریس کا اجلاس گویا نئے دور کی تیاریوں کے لئے تیاری کرنے کا ایک میدان سا بن گیا۔ ان تیاریوں میں بائیں بازو کی کمزوری مکمل کر کے انکی کمزوری کی بنیاد یہ تھی کہ وہ اب بھی مجموعی قومی تحریک سے کسی قدر الگ تھلگ ہیں اور صرف اکثر عوام پر کانگریس کے اثرات کا پورا اندازہ نہیں۔ حالانکہ اوپر کے رہنماؤں پر دباؤ ڈالا گیا تھا اور رکنے کی وجہ سے وہ آگے بھی بڑھ گئے تھے لیکن یہ دباؤ کانگریس کے باہر سے ڈالا گیا تھا پچھلے سال میں اور خاص کر پچھلے چھ مہینوں میں جو بڑی بڑی تحریکیں اٹھی تھیں اگر آج بھی وہ ایک دوسرے

سے جوڑ سکنے کی وجہ سے کانگریس کے اندر جو بنیادی تبدیلیاں ہو رہی تھیں انکی رفتار سست پڑ گئی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس قومی طاقتوں کے بڑھاؤ کے ساتھ ساتھ نہیں بڑھ سکی جن صوبوں میں لاکھوں نئے ممبر بھرتی ہوئے تھے ان میں گاندھی بھت غالب رہی اور انھیں باز رکھا گیا ان نئے ممبروں کو اپنی طرف نہیں لا سکے یہی وجہ ہوئی کہ ہری پورہ کے زیادہ تر ڈیلیگیٹ بائیں بازو کے نہیں تھے بعض بعض جگہ تو بائیں بازو کا نام لینے والوں کے اٹھنے سے تمام طبقوں اور سامراج کے مقابلہ میں متحدہ محاذ قائم کرنے میں ایک کر دیا۔ لیکن جن کی نگاہ اوپر کے لیڈروں ہی کے ہاتھ میں رہی بجائے عوام کی جدوجہد کے وزارتی پارلیمنٹری کارروائی اس تحریک اصل وجہ ظاہر کی گئی اور اس کے حل کی شرائط سیاسی قیدیوں کی مجموعی رہائی کے بجائے یہ رکھی گئیں کہ دستور اور برطانوی نوکرشاہی کے رویہ کو خلاف قاعدہ تسلیم کر لیا جائے سامراج کے مرتبہ الکار پر لڑائی شروع کر دینے کی دھمکی دی گئی لیکن اس کے لئے بھی تمام اختیار است مجلس عاملہ اور مہاتما گاندھی ہی کو دیدیئے گئے ہیں اور راست کارروائی کے لئے عام ہڑتال یا عدم ادائگی لگان کا پروگرام یکسر ٹال دیا گیا کہ ریاستوں پر جو قرارداد رکھی گئی تھی۔ اسکے مفہوم میں ہی براہ راست کارروائی آجاتی ہے۔ فیڈریشن۔ جنگ چین، فلسطین، دیسی ریاستوں پر قریب قریب وہی قرار دادیں پاس کی گئیں جو واردھا میں پاس کی گئی تھیں۔ ریاستوں کے بارے میں البتہ بہت جوش و خروش کا اظہار کیا اس خیال کی کہ ریاستی کانگریس کمیٹیوں کو بالکل ختم کر دیا جائے سخت مخالفت ہوئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے ریاستی کانگریس کمیٹیوں کو غداروں سے تعبیر کیا انکی بھی بہت مذمت کی گئی۔ ایک دفعہ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجلس عاملہ کی تجویز مسترد ہو جائیگی اور آخر میں مجلس عاملہ کو بہ تقاضا سیتا رامیہ کی ترمیم کو تسلیم کرنا پڑا اور ریاستی لوگوں کا کانگریس کمیٹیاں بنانے کا حق تسلیم کرنا پڑا (حالانکہ کسی پارلیمنٹری یا براہ راست کارروائی کی اجازت نہیں دی گئی) لیکن ریاستوں میں عدم مداخلت کی پالیسی میں صرف ترمیم ہی ہوئی اس کو بالکل ختم نہیں کیا گیا جیسا کہ موجودہ فضا کا تقاضہ ہے۔

ایک طرح سے فیڈریشن کی قرارداد میں کانگریس کے پچھلے رویہ میں ایک قدم آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس میں تسلیم کر لیا گیا کہ پورا ہندوستان ایک ہی ملک ہے اور آزادی صرف ایک حصہ کے لئے نہیں مانگی جاتی سارے ملک میں برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں دونوں میں برابر کی آزادی ملنا چاہیے۔ یہ ظاہر کر دیا گیا کہ کانگریس نیشنلزم کے ہر جزو کے واسطے برابر حقوق اور یکساں آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ لیکن اس قرارداد میں ایک کمزوری رہ گئی ہے۔ اس میں فیڈرل اسکیم کی سب سے زیادہ قابل اعتراض باتوں پر خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے اور نوکرشاہی کے اختیارات خصوصی پر زور، تحفظ۔ ریلوے، مال اور بنک کو عوام کے نمائندوں کے اختیار سے باہر رکھنے کی شرائط پر خاص زور نہیں دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ اگر اس قرارداد کو ریاستوں پر کی قرارداد کے ساتھ پڑھا جائے تو اسکی قیمت اور بھی گھٹ جاتی ہے کیونکہ ایک طرف تو فیڈریشن کے ہر جزو کے برابر اور یکساں حقوق اور آزادی پر زور دیا گیا ہے اور دوسری طرف ریاستی باشندوں کو سیاسی آزادی اور شہری حقوق کے لئے جنگ کرنے کا پورا پورا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ تاہم فیڈریشن کے نفاذ کو روکنے کے لئے عوامی جدوجہد کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ صوبجاتی و مقامی کانگریس کمیٹیوں، عام لوگوں اور وزارتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ہر طرح سے اسکا مقابلہ کریں اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو حق دیا گیا ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر اپنا پروگرام مقرر کرے۔ سوشلسٹوں نے کئی ترمیمیں پیش کیں اور تجویز کیا کہ ابھی سے صاف لفظوں میں آئندہ کا

[illegible] کو عمل میں فوراً لایا جائے اسکے جواب میں دائیں بازو کے لوگوں نے کہا "ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے سامنے بڑی مشکل ہے پھر انکو ابھی سے الفاظ میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ کانگریس والے کام کے آدمی ہیں خالی باتوں کے نہیں"

کسان سبھا پر جو قرارداد پاس ہوئی حالانکہ اس نے بہار کی صوبجاتی کانگریس کمیٹی کی تجویز کی لیکن یہاں بھی آگے کی طرف ایک نیا قدم بڑھایا گیا کسانوں کا علیحدہ جماعت بندی کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اور کانگریس کے آدمیوں کو اس کام میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی یہ بھی طے ہو گیا کہ ان آدمیوں کے خلاف کوئی کارروائی صرف اس وقت کی جاسکیگی جب وہ کانگریس کی کسی پالیسی سے مخالفت کرینگے چونکہ کسان سبھاؤں کا پہلا مقصد یہی ہے کہ کانگریس کی امداد کی جائے اور اسکو طاقتور بنایا جائے اسلئے اس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہی نہیں پڑیگی۔ پچھلے ایک معاہدہ ہو گیا تھا جس کی رو سے کسان سبھاؤں کے نمائندے اور سوشلسٹ اس قرارداد پر نہیں بولے نتیجہ گویا ایک مظاہرہ تھا قومی اتحاد کا۔

ریاستوں کی قرارداد پر سوشلسٹوں اور ریاستی نمائندوں نے مولانا ابو الکلام آزاد اور جے رام داس دولت رام کے جواب میں زبردست تقریریں کیں کھلے اجلاس میں سایہ [illegible] کی حمایت میں بیداری کی تقریریں بہت موثر اور زور دار رہیں لیکن چونکہ [illegible] کی ترمیم منظور کی جا چکی تھی اسلئے اب کھلے اجلاس میں معاملہ کو طول دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل سب سے زیادہ اہم تجویز کانگریسی وزارتوں کے استعفے کے بارے میں تھی سوشلسٹوں کے واسطے یہ بہترین موقع تھا۔ وہ کانگریسی وزارت کے رویہ کی تعریف کرتے ہوئے عوامی جدوجہد کے رستہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتے تھے لیکن انھوں نے موقع کھو دیا۔ کامریڈ مسانی جیسے مشہور سوشلسٹ نے بھی دائیں بازو کے لوگوں کی طرح صرف قانونی پہلو پر بحث کی انھوں نے دائیں اور بائیں کا سوال اٹھایا اور دونوں کا موازنہ کرنے لگے۔ اس رویہ نے سردار پٹیل کو جھنجھلا دیا اور انھوں نے ایک ہی لمحہ میں اتحاد اور اچھی فضا کو ختم کر دیا۔ سردار نے سوشلسٹوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ دائیں اور بائیں کا سوال اٹھا کر کانگریس میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور دھمکی دی کہ وہ دو سال تک سوشلسٹوں کو برداشت کرتے رہے لیکن اب نہیں برداشت کر سکتے۔

اسمیں در اصل سوشلسٹوں ہی کی غلطی تھی ان کو اسطرح دائیں اور بائیں نظریوں پر بحث ہی نہ کرنی چاہئے تھی یہ تقسیم خود انکی اور انکی عوامی جدوجہد کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور انکو چاہئے تھا کہ اصلی لب منظر کو سامنے رکھنے اور صوبجاتی اور مقامی کانگریس کمیٹیوں کے آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے تجویز پیش کرتے۔

کانگریس کے دستور العمل میں کچھ ترمیمیں تجویز کی گئی ہیں۔ اور اسکے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے اس میں ایک تجویز یہ ہے کہ صوبجاتی کانگریس کمیٹیوں میں بھی بالواسطہ ووٹ دینے کا دستور جاری کر دیا جائے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کمیٹی پر کافی دباؤ ڈالیں تاکہ غیر جمہوری طریقے اختیار کرنے کے بجائے کانگریس روز بروز زیادہ سے زیادہ جمہوری ہوتی جائے۔

لیکن مجموعی حیثیت سے ہماری قومی جدوجہد کی تاریخ میں ہری پورہ نے ایک نیا باب کھولا ہے اب پارلیمنٹری اور غیر پارلیمنٹری کاموں میں باہمی ربط پیدا کرنے کے لئے رستہ صاف ہے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم پارلیمنٹری پروگرام کو جلد سے جلد پورا کر لیں اور پارلیمنٹری و غیر پارلیمنٹری کاموں میں ربط پیدا کرنے کے لئے جدوجہد جاری رکھیں کانگریس کی جدوجہد اور کسانوں مزدوروں اور ریاستی لوگوں کی جداگانہ جماعتوں کی جدوجہد میں یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور فیڈریشن اور جنگ کا مقابلہ کرنے اور آزادی کا نمائندہ اسمبلی رو کی اور بھی قائم کرنے کے لئے [illegible] محاذ قائم کریں یہ ہے مطلب اس قومی یکجہتی کا جسکا ہری پورہ میں اظہار کیا گیا تھا اور یہی لائحہ عمل ہے آئندہ سال کے لئے۔

روس کا پنچسالہ پروگرام

قسط نمبر ۵

روئی کوئلہ ہے کوئلہ ہماری مشینوں کے لئے طاقت پیدا کرتا ہے۔ طاقت بھاپ، ہوا، پانی، پیٹ وغیرہ سے ملتی اس طرح ہمارے پاس بہت رنگ کے کوئلے ہیں ۔۔۔ کالا کوئلہ جو کانوں سے نکلتا ہے، بادامی کوئلہ یعنی دلدل کی پیٹ، سفید کوئلہ یعنی جھرنے کا پانی انجنوں کو۔ نیلا یعنی چکروں کو حرکت دینے والی ہوا، نیلا کوئلہ یعنی سمندر کا جوار بھاٹا۔ پیلا کوئلہ یعنی سورج کی کرنیں ۔۔۔ لیکن ایک قسم کا کوئلہ اور ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ طاقت کا ذریعہ ایک اور بھی ہے یعنی روئی۔

روئی کا ٹکڑا خالی روئی کا ایک ٹکڑا ہی نہیں ہے۔ طاقت کا ایک خزانہ ہے۔ اس طاقت کی بدولت بھی کافی مدت تک جسمانی اور دماغی کام ہو سکتا ہے۔ اس نئے کوئلے کی اہمیت کسی طرح زمین کے نیچے چلنے والے کوئلے سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں مشینوں اور انسانوں کے واسطے یکساں طاقت کی ضرورت ہے ہمکو کروڑوں ٹن روئی اور صرف روئی ہی نہیں بلکہ گوشت گھی دودھ ترکاری بھی بڑی مقدار میں چاہیئے

ہمارے پاس یہ قیمتی کوئلہ بہت ہی کم ہے۔ سائنسداں بتاتے ہیں کہ ہم اپنے موجودہ کھیتوں کی پیداوار اب سے دوگنی کر سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں جتنے آدمی کوئلہ، لوہا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں پیدا کرنے اس سے بہت زیادہ آدمی کھیتی کا کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں ضرورت بھر روئی نہیں ملتی اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوہا اور کوئلہ بڑی بڑی بھاری مشینوں کے ذریعہ کانوں سے نکالتے ہیں اور اسکو بڑے بڑے کارخانوں میں تیار کرتے ہیں۔ اسکے برخلاف ہمارے پاس روئی کی کانیں اور غلہ کے کارخانے بہت کم ہیں۔ ہم ایسی کانیں اور کارخانے بنا سکے ہیں لیکن ابھی انکی تعداد بہت کم ہے۔ ہمارے ملک میں اب بھی آدھے سے زیادہ روئی۔ دودھ اور گوشت گھروں اور چھوٹی چھوٹی دوکانوں پر تیار ہوتا ہے۔

فیکٹریوں میں ہزاروں قسموں کی مشینیں کام کرتی ہیں لیکن کھیتوں میں ہمارے کسان اب بھی وہی اوزار استعمال کرتے ہیں جو انکے آباؤ اجداد ایک ہزار سال پہلے استعمال کرتے تھے۔ کارخانوں میں مزدور ایک خاص سکیم اور منصوبے کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسان اپنے باپ دادا کی طرح ہر کام اپنی عادت کے مطابق کرتے ہیں۔ مزدور جانتا ہے کہ کسی چیز کی مخصوص مقدار بنانے کیلئے اسکو کتنا کچا مال، کتنی مشینیں اور مشینوں کے لئے کتنی طاقت چاہیئے ہوگی لیکن کسان یہ نہیں جانتا کہ اسکی محنت کا کیا پھل ملیگا۔ فصل کیسی ہوگی۔ اگلی فصل تک کے پاس کھانے کو بچے گا یا نہیں؟

کسان کو ہر وقت ڈر لگا۔ رہتا ہے کہ کہیں قحط نہ پڑ جائے۔ کہیں بے وقت پانی نہ برس جائے۔ کہیں کھیت میں کوئی کیڑا نہ لگ جائے۔ اسکو مزدور کا سا اطمینان نہیں میسر ہوتا۔

یہ باتیں کب تک چلیں گی ہمیں روئی پیدا کرنے والوں کی محنت کو منظم کرنا چاہیئے کیا ہم اسکو برداشت کر سکتے ہیں کہ ہمارا لوہے کا سامان بجائے بڑے بڑے کارخانوں کے غیر منظم دیہاتی لوہاروں یا کسی دوکانوں میں تیار کیا جائے۔ اور ہم کو آخر وقت تک یہ نہ معلوم ہو سکے کہ آیا ہم اپنی ضرورت بھر کا سامان تیار بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

لیکن ہم کسانوں کی ان چھوٹی چھوٹی دوکانوں کو بڑے بڑے کارخانوں میں کیونکر تبدیل کرینگے۔ ہم کام کو کس طرح منظم کرینگے کہ سیلاب، قحط، یا دوسرے نقصانات کا خطرہ نہ رہے؟ — کیا یہ ممکن ہے؟

کیمیکل اور دھاتوں کے کارخانوں میں کام آسان ہوتا ہے۔ مشینیں اور کچا مال موجود ہے صرف تھوڑی سی محنت سے تفصیلی طور پر تیار اشیاء بن جاتی ہیں۔ طرح طرح کی آسانیاں ہوتی ہیں۔ جگہ پر پانی۔ وقت پر بجلی۔ ضرورت پر بھاپ۔ غرضیکہ تمام ضروری چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن کھیتوں میں معاملہ دوسرا ہے۔ پانی نل سے نہیں لیا جاتا بلکہ بادوں سے لگی رہتی ہے۔ روشنی بجلی سے نہیں ملتی بلکہ اسکے لئے سورج کی محتاجی ہوتی ہے۔ کیا ہم سورج کو نکلنے یا چھپ جانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ کیا ہم مینہ پر اپنا قابو حاصل کر سکتے ہیں کہ جب چاہیں پانی برسالیں اور جب چاہیں روک دیں؟

نہیں یہ کام ہماری طاقت سے باہر ہیں لیکن پھر بھی ہم قدرت کے سامنے بے بس نہیں ہیں۔ بلکہ اسکے مقابلہ میں سر بھی اٹھا سکتے ہیں۔ ہم سورج کو چھپا نہیں سکتے۔ ہم قحط کو روک نہیں سکتے" لیکن ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان علاقوں میں ایسی چیزیں بوئیں جن پر دھوپ اور سوکھے کا اثر ہی نہ ہو۔ پانی کو ہم برسنے پر مجبور نہیں کر سکتے لیکن ہم نہریں بنا سکتے ہیں جنکے ذریعہ کھیتوں میں پانی پہنچایا جا سکے۔ آندھی کو ہم روک نہیں سکتے لیکن کھیتوں کے چاروں طرف گھنے درخت لگا کر ان کو تیز جھونکوں سے بچا سکتے ہیں۔ پانی کی باڑھ کو ہم روک نہیں سکتے لیکن فصل کو اتنی جلد کاٹ کر جمع کر سکتے ہیں کہ پانی اسکو خراب ہی نہ کر سکے بنجر زمینوں پر ہم خود نہیں پیدا کر سکتے لیکن کیمیاوی اجزا کی مدد سے زمین کو زرخیز بنا سکتے ہیں قدرت کو ہم اپنا ہمدرد کر سکتے ہیں اور کام کو ایسے ترتیب دے سکتے ہیں کہ اتفاق کی گنجائش ہی نہ رہے اور ہر چیز کیمیکل کارخانوں کی طرح ناپی جوکھی اور تخمینہ کے مطابق ہو۔

اس میں شک نہیں کہ کھیتی میں ایسا انتظام کرنا مشکل کام ہے۔ غلہ کا کارخانہ یعنی کھیت ایک کھلا میدان ہوتا ہے، اس میں نہ چھت ہوتی ہے نہ دیواریں۔ بڑے سے بڑے کیمیکل کارخانہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں دو تین گھنٹے لگتے ہیں لیکن غلہ کا کارخانہ تین تین چار چار ہزار ایکڑ زمین پر پھیلا ہوتا ہے اور اسکو طے کرنے میں کئی کئی دن صرف ہو جاتے ہیں۔ اتنے بڑے فاصلہ پر آدمی، مشینیں، بیج، غلہ، ایندھن، کیمیاوی اجزاء کو لیجانا اور پھر وہاں سے واپس لانا! یہ کتنا مشکل کام ہے؟!—

ایک پروفیسر نے حساب لگایا تھا کہ ایک مزدور کو روزانہ گھر اور کھیت کے چار چکر لگانے پڑتے ہیں اور بارش کے موسم میں اگر دن میں ایک بار بھی بارش ہو گئی تو اسکو گھر بھاگنا پڑتا ہے۔ اور پھر وہاں سے واپس آنا ہوتا ہے۔ اس طرح کل ۶ چکر ہو جاتے ہیں۔ اگر اس کا گھر کھیتوں کے پاس ہے تو خیر ورنہ اگر دونوں کے درمیان میں چار میل کا فاصلہ ہے تو پھر صرف آنے جانے ہی میں، گھنٹے صرف ہو جائینگے۔ اگر درمیانی فاصلہ ۶ میل کا پڑا تو پھر تمام دن راستہ میں ہی کٹ جائیگا۔ اور اگر کہیں ۶ میل سے بھی زیادہ ہوا تو کھیت تک پہونچنے

کلیکی زبت: آئیگی۔ اس حساب سے پروفیسر نے یہ تجویز کیا کہ غلہ کے بڑے بڑے کارخانے (یعنی بڑے بڑے فارم) بنانا چاہیئے۔

لیکن کیا ہم مزدور اور سامان ریل گاڑی یا موٹر سے نہیں بھیج سکتے؟ — نہیں۔ اس طرح پانچ ہزار آدمی اور ضروری سامان لانے اور لے جانے میں خرچ بہت پڑیگا۔ پھر کیا پروفیسر کا کہنا ٹھیک ہے؟

نہیں۔ ہمارے یہاں ابھی غلہ کے کئی بڑے کارخانے ہیں اور ان میں کام باقاعدہ چل رہا ہے: مزدور کہیں کھانے گھر نہیں جاتے، انکا باورچی خانہ انکے ساتھ ہی پہیہ دار گاڑی پر چلا جاتا ہے اور وہ آسانی سے کھیتوں پر ہی اپنا کھانا کھا سکتے ہیں۔ رات میں بھی انکو گھر واپس آنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خیموں میں سو سکتے ہیں۔ اس طرح مزدوروں اور کسانوں کا قیمتی وقت چلنے پھرنے میں ضائع نہیں ہوتا۔

پہیہ دار مشینیں معمولی طور پر کارخانوں میں مشینیں زمین یا کسی مضبوط بنیاد پر مضبوطی سے جکڑ دی جاتی ہیں اور وہیں قائم رہتی ہیں لیکن غلہ کے کارخانے میں مشین کسی ایک جگہ پر قائم نہیں رہ سکتی اسکو چلنا پھرنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوتا ہے۔ اسلئے پہیہ دار مشینیں بنائی گئی ہیں۔ کسی غلہ کے کارخانے میں جاؤ تو مزدوروں کے گھر، دوکانیں، ڈاک خانے، چھاپہ خانے غرض جو چیز دیکھو پہیہ دار نظر آئے گی۔

گرمی بھر یہ مشینیں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلتی رہتی ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہنچانے اور ہدایت دینے کے واسطے کارخانے میں ٹیلیفون کا جال بچھا رہتا ہے۔

سو کی مشینیں جس طرح ہر بڑے کارخانے میں بڑی بڑی مشینوں کی ضرورت ہوتی ہے اسیطرح ہمارے غلہ کے کارخانوں میں بھی بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں ہوا جب کسان تنہا تمام دن محنت کرنے پر بھی ایک چھوٹا سا کھیت صاف نہیں کرسکتا تھا۔ اب ایک مشین سیکڑوں آدمیوں کے برابر کام کرتی ہے۔ فصل کاٹنے والی مشین ایک ساتھ تین تین کام کرتی ہے یعنی فصل کاٹتی ہے۔ غلہ جھاڑتی ہے اور پھر اسکو پھٹکتی ہے۔ مشین پر کام کرنے والا ایک آدمی گویا سو آدمیوں کے برابر کام کرتا ہے اور پھر بھی اس پر زیادہ محنت نہیں پڑتی۔ اس کا کام صرف نگرانی کرنا ہے باقی مشین خود ہی سب کام کرتی رہتی ہے۔

گھوڑا یا ... موجودہ زمانے کے بڑے بڑے کارخانوں میں بجلی سے کام کرتے ہیں لیکن کسان گھوڑے سے [illegible] کام لیتا ہے۔ گھوڑا بڑا خرچیلا جانور ہے۔ یہ کھیت کی پیداوار کا نصف حصہ خود ہی ہضم کر جاتا ہے۔ یوکرین میں کسان کو ایک گھوڑے پر ۵۰ پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنے پورے خاندان پر بھی اس سے زیادہ شاید نہیں خرچ کرتا۔ اتنا خرچ ہونے کے باوجود بھی گھوڑا طاقت میں بہت کمزور ہوتا ہے۔ ایک ٹریکٹر ۲۰ گھوڑوں کے برابر کام کرتا ہے اور اسکے علاوہ گھوڑا زمین کو اتنا گہرا کھود بھی نہیں سکتا جتنا گہرا اسکو ٹریکٹر کھودتا ہے۔ لیکن گھوڑے جیسا جانور بھی کسان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ معمولاً گھوڑا جتنا کام کرسکتا ہے اس سے بہت کم کام کرتا ہے۔ وہ سال بھر میں تقریباً سو دن محنت کرتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا ایک دن بھی نہیں رک سکتا۔ اسکے علاوہ [illegible] دیر نہیں لگتی جتنی [illegible] کام سے کم دنوں میں بھی گھوڑا پوری محنت نہیں کر سکتا کیونکہ ایک کسان کے کھیت میں اتنا کام ہی نہیں ہوتا۔ اگر کسان کے پاس کافی زمین اور گھوڑے ہوں تو اسکا گھوڑا کئی گنا زیادہ کام کرسکتا ہے۔ وہ بہت سے ایسے کام جو ابھی خود کرتا ہے [illegible] گھوڑے سے لے سکتا ہے لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ہر کسان کے پاس مشینیں نہیں ہیں۔ اس مشکل کا حل صرف یہ ہے کہ کسان متحد ہو جائیں۔ اپنی تنظیم کرلیں، اور امداد باہمی کے اصول پر کاشت کریں۔ جس میں مشینیں اور گھوڑے سب کی مشترکہ ملکیت ہوں۔ اسطرح گھوڑے بھی کم استعمال ہو سکیں گے اور ہر گھوڑا کام بھی پہلے سے زیادہ کریگا۔ مشینیں اور کیمیاوی اجزا آسانی سے خریدے جا سکیں گے اور اسکے ذریعہ غلہ کی پیداوار بجائے گھٹنے کے بہ نسبت سابق بہت بڑھ جائیگی۔

دیہاتوں میں مشینوں کو ترقی دینے کیلئے اور انفرادی کاشت کو امداد باہمی کی کاشت میں تبدیل کرنے کیلئے ہمارا [illegible] مشینوں کے اسٹیشن بنے ہیں۔ اس قسم کا پہلا اسٹیشن ۱۹۲۸ء میں شیوچنکو نامی سرکاری فارم میں بنا تھا۔ وہاں اسنے تقریباً [illegible] دیہاتوں سے معاہدے کئے تھے۔ معاہدے کے شرائط یہ تھے کہ کسان اپنے سب کھیت ایک ہی کھیت میں ملا دینگے اور کھیتوں کی حد بندیاں توڑ دینگے ... اسٹیشن انکے لئے ٹریکٹر مشینوں اور ماہرین کا انتظام کریگا۔ اس معاہدے سے پہلے فی ہیکٹیر [illegible] روبل کی لاگت آتی تھی لیکن معاہدے کے بعد صرف [illegible] روبل رہ گئی اور آمدنی ۲۵ روبل سے بڑھ کر ۴۸ روبل فی ہیکٹیر ہو گئی۔

غلہ کے کارخانوں میں جو بھوسا بھی پیدا ہوتا ہے وہ کل پیداوار کا آدھا حصہ ہوتا ہے۔ کیا ہم اسکو بے کار سمجھ کر پھینک دیں گے؟ نہیں ہم اسکو گوشت اور دودھ میں بدل سکتے ہیں لیکن اسکے لئے ہمکو ایک نیا محکمہ کھولنا ہوگا جسمیں جانوروں کی دیکھ بھال کیجائے گی اور دودھ دہی وغیرہ تیار ہوگا۔ غلہ کے محکمہ میں جو بھوسا بچیگا وہ یہاں بھیج دیا جائیگا اور اس محکمہ کا فضلہ یعنی کھاد کھیتوں کو زرخیز بنانے میں کام آئیگی لیکن چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں یہ بات نہیں ہوتی۔ وہاں اکثر غلے اور بھوسے کی کمی کی وجہ سے جانور [illegible] نہیں کھاد کی کمی کی وجہ سے اناج کم پیدا ہوتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ اچھی قسم کا نہیں ہوتا۔ اگر گھوڑے کو ٹھیک دانہ نہیں ملیگا تو وہ ٹھیک کام نہیں کریگا اور جب وہ ٹھیک کام نہیں کریگا تو اناج کم پیدا ہوگا اور جب اناج کم پیدا ہوگا تو آدمی اور جانور کم کھائیں گے اور گھوڑے بھوکے مریں گے۔

زبردست مہم ریگستان میں نخلستان بنانا، جنگلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ دلدلوں اور پہاڑی ڈھالوں کو کھیتوں میں بدلنا۔ یہ بڑے بڑے کام ہیں جو پنچسالہ پروگرام نے ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ لیکن ان سے بھی مشکل ایک کام اور ہے کروڑوں آدمیوں کی زندگی بدلنا۔ غریبی، جہالت، تاریکی اور غلامی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔

مشینوں سے ہمیں صرف یہی فائدہ نہیں ہے کہ کام اچھا ہوگا اور اشیا تیزی سے تیار ہوں گی۔ ہم جانتے ہیں کہ مشین دوست بھی ہو سکتی ہے اور دشمن بھی۔ وہی فصل کاٹنے والی مشین جو ہمارے کسان کی غریبی دور کرتی ہے امریکہ میں لاکھوں کو دربدر کی خاک چھنواتی ہے۔ ہر نئی مشین گویا کسانوں اور مزدوروں کے واسطے ایک نئی مصیبت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک نئی مشین ایجاد ہوئی۔ اب ہر کسان کو اسی طرح کی مشین خریدنا ہوگی، ورنہ وہ بازار میں دوسروں کا مقابلہ نہیں کر سکیگا۔ لیکن اسکے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ وہ مشین خریدے اسلئے وہ قرض لیتا ہے قرض بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی زمین بک جاتی ہے اور وہی کسان جو پہلے زمین کا مالک تھا اب مزدور کہلاتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک اس سے بھی اچھی مشین ایجاد ہوتی ہے۔ فوراً اکثر زیادہ مزدور علٰحدہ کر دیئے جاتے ہیں اور روزگار کی تلاش میں دربدر پھرتے ہیں۔

لیکن ہم اپنے یہاں یہ حالت نہیں ہونے دیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر نئی مشین سے ہمارے عوام کی آمدنی بڑھ جائے اور انکو محنت کم کرنی پڑے [illegible] مشینیں بجائے افراد کے سوسائٹی کی ملکیت ہوں۔ یعنی ایک سوشلسٹ حکومت قائم کیجائے۔

سوشلسٹ حکومت میں طبقہ وار کشمکش کا نام تک نہ ہوگا۔ انقلاب نے کارخانہ داروں اور تعلقہ داروں کو ختم کر دیا۔ اب ہم نے زمینداروں [illegible] دیہات کے [illegible] دشمنوں کو ختم کر دیا [illegible]

کسانوں کا انقلابی گیت

از سید مطلبی فریدآبادی

جاگو، جاگو۔ جاگو جاگو

بھور بھئی کیوں سوتے جاگو

کیوں بھائی! لاچاری کب تک؟ بھاری بپتا ری! کب تک؟

پرجا دھن ہے، پرجا دولت پھر ہو کے تڑ، ناری کب تک

جاگو جاگو۔ جاگو جاگو

بھور بھئی کیوں سوتے جاگو

آیا ہے اُتّم جیون کا جھونکا کھول دھرے گی جو سب دھوکا

پلٹی اور لیکھ کا چرچا تج ا نو ہے راج کا دھوکا

جاگو، جاگو جاگو جاگو

بھور بھئی کیوں سوتے جاگو

خون تمہارا یوہرا پیوے راجا نگو کھا کر جیوے

خون تمھارا تیل بنا کر لوگ جلاویں گھر گھر دیوے

جاگو جاگو۔ جاگو جاگو

بھور بھئی کیوں سوتے جاگو

سکھیا انس، دکھیا انس یوہرا انس، کنگلہ انس

اونچے، نیچے ہیں سب ہو کے راجا بھی ہے، تم سا، انس

جاگو جاگو جاگو جاگو

بھور بھئی کیوں سوتے جاگو

پرجی بن کر مِن گٹھ کر لو کسان رُتی ہے سنگٹھ کر لو

بھائی بن کو پریم نگر سے لو بھئی، کاہر کو چھٹ کر لو

جاگو جاگو جاگو

بھور بھئی، کیوں سوتے جاگو

نوٹ۔ یہ گیت کسان رت ایک نئے طرح منظوم ڈرامے سے نقل کیا گیا ہے

[۱] مزدور [۲] عورت [۳] ہو۔ [۴] دولت کی دیوی [۵] قسمت [۶] سرمایہ دار [۷] سخت [۸] دور [۹] اتحاد [۱۰] ایکا [۱۱] الٰہی [۱۲] ظالم

عجیب بات ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنے بڑے بڑے ڈکٹیٹر پائے جاتے ہیں انمیں سے اکثر اس ملک میں پیدا نہیں ہوئے جہاں آج وہ حکومت کر رہے ہیں۔ مصطفی کمال سالونیکا (یونان) میں پیدا ہوا ہے اور حکومت کرتا ہے ترکی میں۔ پلسڈسکی پیدا ہوا لیتھوانیا میں اور ڈکٹیٹر بنا پولینڈ کا۔ شوشنیگ کا مولد ٹائرول ہے لیکن چانسلر ہوا آسٹریا کا۔ اسٹالین۔ رہنے والا جارجیا کا ہے لیکن حکومت کرتا ہے [illegible] روس پر۔ ہٹلر پیدا ہوا آسٹریا کے ایک گاؤں [illegible] میں لیکن ڈکٹیٹر بنا جرمنی کا۔ اب اسکی مراد بر آئی اور وہ آسٹریا کا بھی ڈکٹیٹر ہو گیا۔

ہٹلر کے باپ نے تین شادیاں کیں۔ تیسری بیوی سے شادی کے چار برس بعد ۲۰ اپریل ۱۸۸۹ء کو وہ بچہ پیدا ہوا جس کی قسمت میں آگے چل کر نازی پارٹی کا پیشوا، جرمن فوج کا سپہ سالار، جرمنی کی تیسری پارلیمان کا بانی، صدر، چانسلر اور جرمن قوم کا دیوتا ہونا لکھا جا چکا تھا۔

ہٹلر ابھی چھ برس کا تھا کہ اسکی ماں کو سرطان ہو گیا اور وہ دس سال تک اسی مرض میں مبتلا رہ کر ۱۹۰۸ء میں دنیا سے چل بسی۔ ہٹلر کو اپنی ماں سے بڑی محبت تھی اور شاید یہی ایک خوش نصیب عورت ایسی تھی جس سے ہٹلر کو انس تھا ورنہ ہٹلر کو اس صنف سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔ ہٹلر کے باپ نے تین شادیاں کیں، ہٹلر نے کبھی کسی عورت سے محبت نہیں کی۔

ہٹلر ایک بیوقوف الجھی ہوئی تضاد پسند فطرت کا حامل ہے لیکن انھیں میں اسکی طاقت اور ہیبت کا راز چھپا ہوا ہے۔ کروڑوں جرمن اُسے پرستش کے قابل سمجھتے ہیں اور اس کے نام سے ان کے دلوں میں محبت، عقیدت اور خوف کا ایک طوفان لہریں لینے لگتا ہے۔ لیکن بہت سارے جرمن ایسے بھی ہیں جو اسے کم عقل اور ڈینگیں مارنے والا آدمی سمجھتے ہیں۔ اس میں خیال کی بلند پروازی بھی نہیں پائی جاتی اس کا زمانۂ تعلیم بھی بہت مختصر رہا ہے۔ وہ اب بھی پڑھتا لکھتا بہت کم ہے، غالباً اس نے صلحنامۂ ورسائی کا بھی پوری طور سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اور پڑھے لکھے آدمی اسے پسند نہیں۔ دوسرے ملکوں کے نمائندوں اور اخبار والوں سے وہ ملتا ضرور ہے لیکن خود انھیں سوال کرنے کا بہت کم موقع دیتا ہے خود ہی بولتا چلا جاتا ہے، اس طرح کہ گویا وہ کسی جلسۂ عام میں تقریر کر رہا ہو۔

ایک زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑا وفادار شخص ہے۔ مشہور تھا کہ وہ تین چیزوں کو کبھی نہیں بھول سکتا، یہودی، آسٹریا اور اپنے دوست۔ لیکن کپتان روہم کو قتل کرا دینے کے بعد جو ہٹلر کا سب سے عزیز دوست تھا اب کوئی شخص اسے وفاشناس کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے تمام دوستوں کو جنھوں نے اسے آج اس قابل کیا ہے قتل کرا چکا ہو، بعضوں پر وہ اب بھی مہربان ہے لیکن یہ وہی دوست ہیں جو کبھی اس سے اختلاف نہیں کرتے۔ ہٹلر جھوٹے وعدے کرنے میں بڑا کمال رکھتا ہے اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ فان پیپن کی حکومت کی مخالفت نہیں کرے گا۔ مگر اس نے مخالفت کی۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ پچھلی کابینہ کے افراد میں تبدیلی نہ کرے گا لیکن اس نے یہی کیا۔ اس نے معاہدوں کے احترام کا وعدہ کیا تھا لیکن صلحنامۂ ورسائی اور صلحنامۂ لوکارنو کی دھجیاں بکھیر دیں۔ جولائی ۱۹۳۶ء میں آسٹریا کی آزادی اور خود مختاری کے احترام کا وعدہ کیا تھا اور فروری ۱۹۳۸ء میں بذات خود اس وعدہ کی تجدید کا اعلان کیا تھا لیکن ۱۲ مارچ ۱۹۳۸ء میں سب سے پہلے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس نے اسپین میں عدم مداخلت کا وعدہ کیا تھا لیکن علانیہ طور پر مداخلت کی۔

ہٹلر ورزش نہیں کرتا۔ اس کو صرف موسیقی سے رغبت ہے اور اکثر تھیٹر جایا کرتا ہے۔ اور اپنے ایک دوست سے کبھی کبھار گانا سنتا رہتا ہے۔ اسے نہ کتابوں کی پروا ہے اور نہ کپڑوں کا شوق۔ ایک معمولی کی قمیص اور نیلے رنگ کے سوٹ کے علاوہ جس پر وہ [illegible] ڈال لیتا ہے۔ شاذ و نادر ہی وہ کوئی دوسرا کپڑا استعمال کرتا ہے۔ نہ کھانے کا شوق ہے نہ پینے کا۔ وہ سگریٹ پیتا ہے نہ شراب، وہ صرف ترکاری کھاتا ہے۔ کبھی کبھی کافی پی لیتا ہے۔ البتہ اس کا کھانا بہترین باورچی پکاتے ہیں اور میونک میں اس کا مکان آرائش و زیبائش کا نمونہ ہے۔ ہٹلر کو برلن پسند نہیں۔ جب موقع ملتا ہے تو وہ میونک یا باویریا کے ایک گاؤں میں چلا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ آدمی اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے لیکن ہٹلر کا کوئی دوست ہی نہیں۔ پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر صرف دو شخص اس سے مل سکتے ہیں۔ فان ربن تراپ وزیر خارجہ اور ڈاکٹر شاخت۔ ہٹلر ذرا ذرا سی بات سے بھی جلد مضطرب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات جذبات سے مجبور ہو کر رونے لگتا ہے لیکن اسکو اپنی یکسوئی پسند نہیں۔ اسی وجہ سے اپنے اکثر ماتحتوں کو اپنے سے دور ہی رکھتا ہے۔ یہ ماتحت اس کی پوجا کرتے ہیں لیکن اس سے واقف نہیں ہوتے۔ اس سے برابر ملتے ہیں لیکن بے تکلف نہیں ہو سکتے۔

ہٹلر کو عورتوں سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔ عورتیں اس کے نزدیک ان ماؤں کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا کام لڑائی کے لئے سپاہی پیدا کرنا ہے۔ اپنے ترک میں وہ لکھتا ہے "ہماری قوم کے افراد کی زندگی معاشرہ کی دم گھٹا دینے والی خوشبو سے پاک رہنی چاہئے"۔ وہ عورتوں سے نفرت نہیں کرتا لیکن ان سے الگ ضرور رہنا چاہتا ہے۔

ہٹلر اپنے لئے روپیہ نہیں چاہتا۔ اس کے ملازمین، اس کی جائے قیام، اس کے موٹر اور کپڑوں وغیرہ کا انتظام حکومت ہی کرتی ہے۔ ۱۹۳۲ء میں جب وہ میونک سے جا رہا تھا تو اس نے ایک پہاڑی [illegible] خریدی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ اسکا کسی بنک میں کوئی حساب نہیں ہے۔ بہرحال اگر ہٹلر کے پاس کوئی ذاتی رقم نہیں ہے تو اس نے اپنی سوانح عمری کی ساری آمدنی اپنی پارٹی کو دیدی ہوگی۔ اس کتاب کا پڑھنا ہر جرمن پر واجب ہے۔ ۱۹۲۵ء سے اس وقت تک اسکی دو لاکھ کے قریب جلدیں بک چکی ہیں۔ اس کتاب کی قیمت بارہ شلنگ ہے۔ اگر پندرہ فی صدی کمیشن بھی ملتا ہوگا تو اب تک ہٹلر نے اس کتاب سے ابتک [illegible] روپیہ کما لئے ہونگے۔

ہٹلر رومن کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا تھا لیکن بہت جلد اس نے مذہب پرستی چھوڑ دی اور اب کسی قسم کی عبادت نہیں کرتا۔ اس نے جرمنی میں یہودی، رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سب کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے لیکن غالباً اسکی وجہ سیاست ہے مذہبی تعصب نہیں۔ ہٹلر کے نزدیک نازی انقلاب کا مقصد جرمنی کو متحد کرنا اور ایک قوم بنانا تھا۔ لیکن پاپائیت اور صیہونیت دونوں بین الاقوامی تحریکیں تھیں۔ اسی لئے اس نے ان کی مخالفت کی۔ وہ جرمنی کو غیر جرمن عناصر سے پاک کرنا چاہتا تھا۔ ایک موقع پر ہٹلر نے کہا تھا کہ ہم بجز جرمنی کے کسی اور خدا کو نہیں چاہتے۔ خدا سے بیزار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسیح یہودی تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نازی انقلاب کی بنیاد جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست تھی۔ چنانچہ نازی تحریک میں مذہب کی مخالفت کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ جو خدا فرانسیسیوں اور دوسری اقوام کو جنگ میں جتا دے وہ ہرگز جرمنی کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ہٹلر کو یہودیوں سے ابتدا ہی سے نفرت تھی اس نے اس نفرت کو سیاسی اور اقتصادی رنگ دیا۔ نازی یہودیوں کی مخالفت میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ وہ جرمنوں سے نوکریاں چھینتے تھے اور جرمنی کے بیشتر علوم و فنون لطیفہ پر ان کا قبضہ تھا۔ جہاں دیکھو یہودی ڈاکٹروں، یہودی پروفیسروں اور یہودی وکیلوں کا غلبہ تھا۔ یہودی وبا کی طرح

بجھائے ہوئے تھے۔ ہٹلر کو یہودیوں سے جو چڑھ ہے اسکا اندازہ اسکے احکامات سے زیادہ اُس کی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایک ڈرامہ دیکھنے کی خواہش کی تو اس کے معتمد نے پیرس آ کر جہاں اس ڈرامہ کا مصنف رہتا تھا، معلوم کیا کہ آیا وہ یا باپ اور اس کا اجداد آرین نسل کے ہیں یا نہیں۔ چانسلر ہونے سے پہلے بھی وہ کسی یہودی سے ٹیلیفون پر بات کرنا گوارا نہ کرتا تھا اب بھی وہ کسی یہودی سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ اس نے برطانیہ کے مشہور سیاست داں اور ہندوستان کے سابق وائسرائے لارڈ ریڈنگ سے بھی ملاقات نہ کی کیونکہ وہ یہودی تھے۔

ہٹلر کے محافظ کا نام ہنرک ہیمنڈ برگ ہے۔ سابق صدر جرمنی کی طرح ہٹلر بھی ریل گاڑی میں نہیں سوار ہوتا۔ اس کو ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ہٹلر کی نگرانی اور حفاظت کی دلچسپ مثال حال ہی کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ ایک انگریز سیاست داں ایک دن ہٹلر کے ساتھ اسکی قیامگاہ میں کھانا کھا رہا تھا سوء اتفاق سے اس انگریز سیاست داں کے ہاتھ سے کوئی برتن زمین پر گر پڑا۔ برتن کا گرنا تھا کہ دروازہ کے پردوں کے پیچھے سے مسلح سپاہی نکل پڑے۔ ہٹلر کا محافظ ہٹلر کے سیاسی خیالات کا محافظ بھی ہے وہ دوسروں کو ہٹلر سے ملاقات کا بہت کم موقع دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہٹلر بعض اہم سیاسی مسائل سے بھی واقف ہی نہیں ہوتا۔ کچھ عرصہ ہوا ہٹلر نے ایک بیلٹ داں سے ملاقات کی اس نے بعض ایسی باتیں بتائیں جو ہٹلر نے کبھی سنی تک نہ تھی۔ ہٹلر کو بڑا اچنبھا ہوا لیکن دوسرے دن ہمر اس سیاست داں کے پاس گیا اور اسکو تنبیہ کی کہ آئندہ وہ ہٹلر سے اس قسم کی باتیں نہ کیا کرے۔

ہٹلر کا نصب العین اٹل ہے۔ حکمت عملی بدل سکتی ہے لیکن نصب العین نہیں بدل سکتا۔ ہٹلر میں ضبط کی قوت بھی ہے اور محنت کرنے کی بھی۔ دن بھر تقریر کرنے کے بعد بھی جب وہ دوسروں سے باتیں کرتا ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ تھکا ہوا ہے۔ وہ خود محنت بہت کم کرتا ہے البتہ اس نے اپنے گرد چند وفادار اور ہوشیار مشیر جمع کر رکھے ہیں جن کی رپورٹیں پڑھتا ہے۔ ہٹلر میں سیاسی حاسہ بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ وہ وقت سے فائدہ اٹھانا خوب جانتا ہے چنانچہ اس نے اپنے تمام اہم سیاسی فیصلوں کا اعلان سنیچر کی شام کو کیا تاکہ دوسرے دن اتوار ہونے کی وجہ سے جبکہ لوگ تفریح میں مصروف ہوں یہ اعلانات زیادہ پریشانی کا باعث نہ ہوں۔ وہ فیصلے یہ تھے جرمنی کی مجلس اقوام سے علیحدگی، جبریہ فوجی بھرتی اور رائن لینڈ پر فوجی قبضہ۔

ہٹلر کے مرنے کے بعد شاید گورنگ اسکا جانشین ہو۔ گو یہ اس بھی بڑا لاکھ آدمی ہو لیکن لوگوں میں مقبول نہیں۔

(نوٹ:۔ اوپر کا مضمون سامرچاشچان گنتھر کی کتاب "اندسون یورپ" کا ترجمہ کر کے شائع کیا ہے)

تبصرہ

عبدالعلیم

یادگار پریم چند۔ پریم چند کی ادبی زندگی کی ابتدا "زمانہ" کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور آخر عمر تک وہ زمانہ کے مخصوص لکھنے والوں میں تھے اسلئے "زمانہ" کا فرض ہوتا تھا ہی ساتھ حق بھی تھا کہ وہ پریم چند کی یادگار میں ایک خاص نمبر شائع کرتا۔ اسکے علاوہ زمانہ کے اڈیٹر پریم چند کے مخصوص احباب میں سے ہیں اور انکی زندگی کے ہر دور سے اچھی طرح واقف ہیں اسلئے وہی خوبی سے یہ کام انجام دے سکتے تھے۔ چنانچہ زمانہ کا خاص نمبر "یادگار پریم چند" کے نام سے نکلا اور اسمیں شک نہیں کہ اچھا نکلا۔ دو سو اٹھائی صفحے کی ضخامت ہے اور پریم چند کی نجی اور ادبی زندگی کے ہر پہلو پر مضامین ہیں۔ انکی کئی تصویریں ہیں اور انکی شان میں چند نظمیں بھی جن سے اس نمبر کی دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دیا نرائن نگم صاحب پریم چند کے قدر دانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنی دوستی کا حق ہی نہیں ادا کیا بلکہ ہندوستانی ادب کے ایک بڑے رکن کی یاد کو تازہ رکھنے کا سامان بہم پہنچایا۔

اس سلسلہ میں چند نظمیں ہیں وہ اگرچہ شاعری کے اعتبار سے بہت بلند پایہ نہیں ہیں لیکن جذبات کے لحاظ سے قابل قدر ضرور ہیں اسلئے کہ وہ ایک مشہور ادیب کی تعریف اور اسکی بے وقت موت کے سوگ میں ہیں۔ تصویروں میں صرف ایک بچی اور ایا کا پنسل اسکیچ تو بہت اچھا ہے باقی معمولی فوٹو ہیں جنمیں کوئی خاص خوبی نہیں۔ اور یا کے اسکیچ میں نہ صرف پریم چند کی پوری شباہت موجود ہے بلکہ انکی طبیعت کی بے چینی اور الجھاؤ بھی جھلکتا ہے۔ مضامین کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے تو پریم چند کی زندگی کے حالات ہیں جو ان کے دوستوں اور شناساؤں کے لکھے ہوئے ہیں اور اس کے بعد انکی افسانہ نگاری پر تنقید ہے۔ تنقید کا فن ہماری زبان میں ابھی بہت کچا ہے وہ یا تو مرثیہ تصیدہ بن جاتی ہے یا ہجو گالی گلوج۔ اس مجموعہ میں زیادہ مضامین جیلی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسری کا تو خیر کوئی موقع ہی نہیں تھا مضمون لکھنے والوں کا شاید یہ خیال ہوگا کہ پریم چند کی یادگار میں جو رسالہ شائع ہو اس میں انکی مسلسل تعریف ہی لکھی جائے ورنہ وہ اچھی یادگار نہ ہوگی اور نہ تعریف جتنی لسانی کے ساتھ کی جائے وہ اتنی ہی اچھی تنقید سمجھی جائیگی۔ صرف ایک مضمون میں جو طالب الہ آبادی صاحب کا ہے کہیں کہیں صحیح تنقید کی جھلک نظر آتی ہے۔ باقی سب قصیدے ہیں اور بعض تو مثلاً مولانا عبدالماجد دریابادی کا مضمون سخت مبالغہ آمیز ہے۔ انکی زندگی کے حالات بھی زیادہ تر سطحی طور پر لکھے گئے ہیں کسی شخص کی زندگی کی صحیح تصویر کھینچنا بہت ہی مشکل کام ہے اسکے لئے ایک طرف گہرے تعلق اور واقفیت کی ضرورت ہے اور دوسری طرف بے تعلقی اور بے تعصبی کی یہ دونوں باتیں بڑی مشکل سے ایک جگہ جمع ہوتی ہیں۔ ان مضامین میں پریم چند کی زندگی کے چند واقعات بیان کر دئے گئے ہیں لیکن کوئی مضمون بھی ایسا نہیں ہے جس سے پڑھنے والے کے سامنے ایک جیتے جاگتے انسان کی تصویر آ جائے اور اس کی طبیعت کا ہر پہلو نمایاں ہو جائے۔

تبصرہ نگار کو پریم چند کی نجی زندگی سے تو اتنی واقفیت نہیں کہ وہ اسپر کچھ کہہ سکے لیکن انکے فن سے متعلق ضرور کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ہندوستانی ادب کے قدیم اسکول پر مہر جیسا پریم چند ایک بیچ کی کڑی ہیں۔ انکی تصانیف میں کہیں کہیں تو قدیم رومانیت جھلکتی ہے اور کہیں ایسی شدید حقیقت نگاری ہوتی ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ انکا اصلی میدان مختصر افسانہ نگاری ہے۔ ناول انکے شاذ و نادر ہی کامیاب ہیں۔ انکے ناول زیادہ تر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی نے کئی مختصر افسانوں کو ایک کمزور دھاگے میں نتھی کر دیا ہو۔ انکے بہت سے مختصر افسانے ہندوستانی ادب کی جان ہیں اور خاصکر ایک جسکا عنوان "کفن" ہے دنیا کے بہترین افسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ پریم چند کی عظمت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ انکی حیثیت اس رستے کی سی ہے جو زنج کے لئے راستہ صاف کرتا ہے۔ پریم چند نے پرانے خس و خاشاک کو ادب کے راستے سے الگ کر دیا۔ دوسروں کو دکھلا کر سڑک ہموار کر دی، منزل کی طرف اشارہ کر دیا اور تھوڑی دور تک خود بھی گئے اب اگر انکے بعد آنے والے ان کے کام سے فائدہ اٹھائیں اور منزل کی طرف تیزی سے قدم بڑھائیں تو ہندوستانی ادب بہت آگے بڑھ سکتا ہے۔

پریم چند ان لوگوں میں تھے جو آخری عمر تک نئے خیالات سے گھبراتے نہ تھے بلکہ انکو معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ آگے بڑھنے کی فکر میں رہتے تھے "ترقی پسند ادیبوں کی انجمن" کا پہلا اجلاس جب لکھنؤ میں ہوا تو پریم چند نے اسکی صدارت قبول کی۔ وہ فالتو ادب کے جدید نظریے سے پوری طرح پر متفق نہ تھے۔ (بقیہ مضمون صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ ہو)

(ہندستان)

یو-پی اسمبلی

۱۳ مارچ کو یوپی اسمبلی میں آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت وزیر لوکل سلف گورنمنٹ نے طب (میڈیکل) کی مد میں ۰۰، ۸۰، ۵، ۷۰، ۱۳ روپیہ منظور کئے جانے کی تحریک کی مخالف پارٹی نے تخفیفی تحریکوں کے ذریعہ اسپتالوں کی بدانتظامیوں اور ڈاکٹروں اور سول سرجنوں کی لاپرواہی کی طرف حکومت کو توجہ دلانا چاہی

جواب میں آنریبل وزیر نے تسلیم کیا کہ اکثر شکایتیں بجا ہیں لیکن لمبی لمبی تقریروں سے کوئی فائدہ نہیں جب تک ممبران خود ان خرابیوں کو دور کرنے میں حکومت کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ مسز پنڈت نے ایوان کو یقین دلایا کہ اگر انکے پاس کوئی شکایت بھیجی گئی اور ان کو تعاون کا یقین دلایا جائے تو وہ پوری کارروائی کریں گی چاہے وہ آئی۔ ایم۔ ایس کا ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس معاملہ کو انتہا تک پہونچا کر رہینگی۔ پھر چاہے ان کو استعفا ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ ۱۱ مارچ کو مسٹر ظہیر الدین فاروقی نے فرقہ وارانہ فسادات پر ایک تحریک التوا پیش کی تحریک التوا پر تقریر کرتے ہوئے مخالف پارٹی کے ممبروں نے کہا کہ کانگرس کو حکومت کا نشہ آگیا ہے وہ اقلیتوں کی جان و مال کی حفاظت نہیں کرتی، کانگرس راج حقیقت میں ہندو راج ہے۔ فسادات کی اصل وجہ یہ بیان کی گئی کہ کچھ عرصہ ہوا حکومت نے حکام ضلع کو ہدایت کی تھی کہ اہم معاملات میں کانگرس کمیٹیوں سے مدد لیا کریں۔ حکام ضلع پر اسکا اثر بہت برا پڑا اور وہ بالکل غیر جانبدارانہ رویہ نہیں اختیار کرسکے۔

وزیر اعظم نے تحریک التوا پر افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ حکام ضلع نے انتہائی نازک صورت حال پر قابو پانے کے لئے ہر امکانی کوشش کی ہے لیکن ان کی تعریف کرنے کے بجائے بعض ممبروں نے انکے ایمان و انصاف تک پر حملہ کر دیا۔ اس کی وجہ سیاسی تنگ نظری ہے پوچھا جا رہا ہے کہ فسادات کی وجہ کیا ہے؟ آج کی بحث میں وہ وجہ صاف ظاہر ہے۔ مخالف پارٹی کا یہ رویہ تھا کہ کسی طرح گرد پڑ جائے کر حکومت کو بدنام کرے؟ آگے چلکر انھوں نے کہا کہ بدقسمتی سے ایک تو اس سال محرم اور ہولی دونوں تہوار ایک ساتھ پڑ گئے اور اسمیں مسلم لیگ کے پرتعصب پروپگنڈے نے اور بھی چار چاند لگا دئے۔ حکومت پر تعصب کا الزام بالکل بے بنیاد ہے بلکہ مسلمانوں کی نسبت ہندو زیادہ مارے گئے ہیں۔ الہ آباد کی فائرنگ کی بابت وزیر اعظم نے کہا کہ چند آدمیوں کے زخمی ہوجانے کا خطرہ برداشت کرلینا اس سے بہتر ہے کہ ہزاروں جان سے مارے جائیں۔

۲۲ مارچ کو تعلیم کے مطالبات پیش ہوئے۔ لفٹنٹ سلطان عالم خاں نے علیگڈھ کے نسواں انٹرمیڈیٹ کالج کو ڈگری کالج بنائے جانے کا مطالبہ کیا۔ وزیر تعلیم نے کہا کہ حالانکہ وہ فرقہ وارانہ اداروں کو پسند نہیں کرتے لیکن اگر نسواں کالج مسلم یونیورسٹی کے ماتحت آجائے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ مسٹر غلام حسین نے تخفیفی تحریک پیش کرتے ہوئے مدرسین کے سیاست میں حصہ لینے اور مجالس قانون ساز کے ممبر بننے پر سخت اعتراض کیا جواب میں آنریبل مسٹر سمپورنا نند نے کہا کہ حکومت عام طور پر یونیورسٹی کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے سکتی تاوقتیکہ کوئی ایسی ہی سخت ضرورت نہ پڑے تاہم انھوں نے یقین دلایا کہ حکومت یونیورسٹی کی خرابیوں سے واقف ہے اور عنقریب ان برائیوں کی مکمل تحقیقات کرنے والی ہے۔

۲۴ تاریخ کو مسٹر غلام حسین نے صوبہ میں غیر ضروری یونیورسٹیوں پر بحث کرنے کیلئے تخفیفی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں دو آل انڈیا یونیورسٹیاں ہوتے ہوئے الہ آباد۔ لکھنؤ اور آگرہ کی یونیورسٹیاں غیر ضروری ہیں۔ انکو آسانی سے صنعتی اداروں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ وزیر تعلیم نے جواب میں کہا کہ صوبے کی آبادی کو دیکھتے ہوئے ۸۰۷، ۴۳، ۲۶، ۲ روپیہ کی رقم بہت زیادہ نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کے لئے حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی ہے۔

۲۵ مارچ کو آبپاشی کی مد پر بحث ہوئی۔ راجہ جگنناتھ بخش سنگھ کی تخفیفی تحریک پر حکومت اور مخالف پارٹی کے ممبر ایک دوسرے پر بہت دیر تک اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ نواب چھتاری نے اپنی وزارت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے آبپاشی کا محصول کم کرنے کیلئے ہر امکانی کوشش کی تھی۔ آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب نے جواب دیتے ہوئے مخالف پارٹی کو چیلنج کیا کہ وہ انکے اخراجات میں کمی کرنے کی کوئی ترکیب بتائے، انھوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی ترکیب ایسی ہو جس سے اخراجات کم ہوجائیں اور کام میں خلل نہ پڑے تو وہ اسکو منظور کرلیں گے۔ انہوں نے پچھلی وزارت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ آبپاشی کے محصول میں کمی کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی تک تو مقرر نہ کرسکی تھی۔ اور ایوان کو یقین دلایا کہ کانگریسی حکومت نے جو کمیٹی مقرر کی ہے اس کی رپورٹ عنقریب اسمبلی میں پیش کیجائے گی۔ ۲۷ مارچ کو بھی اسی مد پر بحث جاری رہی۔ مخالف پارٹی کو جواب دیتے ہوئے حافظ محمد ابراہیم نے اس خبر کی تردید کی کہ حکومت نے کم تنخواہ پانے والے آدمیوں کو علیحدہ کر دیا ہے اور کہا کہ اسکے برخلاف حکومت ایک چیف انجینیر اور دو سپرنٹنڈنگ انجینیروں کی جگہیں کم کرچکی ہے اور اب بھی تخفیف کی بابت مخالف پارٹی کی ہر تجویز پر عمل کرنے کو تیار ہے۔ حکومت محکمہ آبپاشی میں ۴۴ لاکھ روپیہ منافع چھوڑ دینے کے لئے تیار ہے لیکن اس رقم کو کسی دوسرے ذریعہ سے پورا کیا جائے گا۔ آبپاشی کے محصول میں کمی کرنے پر مخالف پارٹی اور حکومت دونوں ہم آہنگ ہیں لیکن یہ کمی دفعتاً قلم کی ایک جنبش سے نہیں کیجاسکتی۔

۲۸ تاریخ کو آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی نے جیل کا مطالبہ پیش کیا۔ کنور سر مہاراج سنگھ کی تخفیفی تحریکوں کے جواب میں حکومت نے وعدہ کیا کہ جیل کے اسٹاف میں کافی کمی کی جائے گی بورسٹل انسٹیٹیوٹ کے بارے میں مسٹر گوپی ناتھ سریواستو پارلیمنٹری سکریٹری نے بتایا کہ اس قسم کی جیلوں کو بورڈنگ ہاؤس کی طرح بنایا جائے گا۔ اس قسم کی جیل لکھنؤ میں آبادی سے کچھ فاصلے پر بنائی جائے گی۔ عام انتظام کی مد میں تخفیفی تحریکوں کے ذریعہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے واسطے مزید نوکریوں کا مطالبہ کیا گیا جواب میں پنڈت گوبند ولبھ پنت نے اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ کانگرسی حکومت نے پچھلی حکومت کے مقابلہ میں مسلمانوں کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے اور اکثر محکموں میں مسلمان تناسب سے کہیں زیادہ ہیں۔ ۲۹ مارچ کو مخالف پارٹی کی تخفیفی تحریکوں کے ذریعہ اخراجات میں کمی کرنے کی تدبیروں پر بحث ہوتی رہی۔ مسٹر غلام حسین نے لکھنؤ امپروومنٹ ٹرسٹ کی بدانتظامی پر بحث کرنے کیلئے ایک تخفیفی تحریک پیش کی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ حکومت تحقیقات کر رہی ہے۔ اسپر تحریک واپس لے لی گئی۔ زمیندار ممبروں نے وزیر مال کی ۱۹ مارچ کی تقریر پر جسمیں انھوں نے زمینداروں کو لنگان کلکٹر کہا تھا سخت اعتراض کیا۔ وزیر مال نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنا وہی جملہ پھر دہرانے کو تیار ہیں۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمیندار صرف ٹھیکیدار ہیں۔

بالی والا یو۔ پی کے سوشلسٹ کارکن مسٹر بالی والا جنکو مدراس میں باغیانہ، ور تشدد آمیز تقریر کرنے کے جرم میں ۱۹۱۶ء کی سزا ہوئی تھی، پچھلے ہفتہ میں رہا کر دئے گئے۔ مدراس میں ایک عام جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ زنسٹ صرف اسواسطے کانگرس میں شامل ہیں تاکہ فیڈریشن یا کسی اور مسئلہ پر برطانوی سامراج کا فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔ برطانوی سامراج کانگریس میں پھوٹ ڈلوانا چاہتی ہے کہ سوشلسٹ و کمیونسٹ تشدد کے قائل ہیں۔ آخر میں بالی والا نے کانگریسیوں سے اپیل کی کہ وہ برطانوی سامراج کے دھوکے میں نہ آئیں۔

بہار میں ہندستانی حکومت بہار نے زبان کے مسئلے پر جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے ایک قرارداد کے ذریعہ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہندستانی ہی وہ زبان ہے جو عام طور پر شمالی ہندستان میں بولی جاتی ہے اور اردو کی اسی پر بنیاد ہے۔ یہ بھی منظور کیا گیا ہے کہ اگر ہندستانی میں بعض الفاظ نہ مل سکیں تو وہ دوسری زبان سے شامل کرلے جائیں مگر انکا استعمال ہندستانی قواعد کے مطابق ہی ہونا چاہئے ہندی اردو اور انگریزی کے اصطلاحی الفاظ ایک کمیٹی مقرر کرے گی۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر کو یہ کام دیا گیا ہے کہ وہ ان الفاظ کی ایک لغت تیار کریں۔ ہندستانی زبان کی ایک قواعد کی کتاب بھی تصنیف کیجائے گی۔

حکومت بہار کی تعلیمی مہم آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیمات و ترقی نے حکومت بہار کی تعلیمی مہم پر یہ بیان دیا ہے۔

میں بہت مشکور ہوں کہ جو اپیل میں نے طلبار کے نام شائع کی تھی اسکے جواب میں ہر طرف سے محبت آمیز، ور جرأت آمیز جوابات موصول ہو رہے ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ جہالت کی تاریکی دور کرنے کیلئے ارباب تعلیم کی حمایت اور مدد ناگزیر ہے، اسلئے میں اسکولوں اور کالجوں کے تمام مدرسین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ طلبار کے ساتھ بیٹھیں اور ایک ایسا نقشہ تیار کرلیں جس سے تمام صوبے کی تعلیمی فضا میں ایک زبردست تحریک پیدا کی جاسکے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح کا کام طلبار کے تعلیمی سلسلہ کی ایک آخری کڑی ہوگی اور وہ اپنے کو اس قابل بنا سکیں گے جو کالج کی چار دیواری کے باہر انکا انتظار کر رہی ہے، مدرسین کو چاہیے کہ وہ طلبار کو صرف کتابی تعلیم نہ دیں بلکہ انکو عمل میدان کی بھی ایک جھلک دکھائیں۔ اور انکے ذہنوں کی اس طرح تعمیر کریں کہ وہ ایک اچھے شہری بن سکیں اور قوم اور وطن کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔

رشوت ستانی کا انسداد حکومت یو۔ پی کو ضلع بجنور کے سب انسپکٹر بابو رام چندر سہائے اور اسی ضلع کے ایک کانسٹبل مسمی امر سنگھ کے خلاف کئی شکایتیں موصول ہوئی تھیں تحقیقات کرنے پر یہ دونوں آدمی جھوٹے چالان، استحصال بالجبر اور رشوت ستانی کے مجرم ٹھہرے اور دونوں کو برخاست کر دیا گیا۔

بھیک نہیں مانگتے آنریبل مسٹر گری وزیر مدراس نے ڈیویژنل کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ، اگر انگلستان کو حکومت تمہاری میں کوئی اعتقاد ہے تو اسکو ظاہر کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ ہندستان کو سوراج دیدے اور کہدے کہ تم جیسے چاہو حکومت کرو۔ آگے چلکر مسٹر گری نے کہا میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہندستان کبھی بھی انگلینڈ سے سوراج کی بھیک نہ مانگے گا اگر انگلستان کو اپنی بہبودی کا خیال ہے تو وہ خود اس بات کی کوشش کرے گا کہ اس کے اور ہندستان کے تعلقات دوستانہ رہیں۔ یہ نہیں کہ ایک آقا ہو اور ایک غلام۔

یوپی کی سرکاری ملازمتوں میں مسلم تناسب!

ڈپٹی کلکٹر	۴۴ فیصدی	ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ	۳۸ فیصدی
آنریری ڈاکٹر	۵۰ فیصدی	ہیڈ کانسٹبل	۱۷ فیصدی
کانسٹبل	۵۲ فیصدی	تحصیلدار	۴۶ فیصدی
ماتحت آنریری عملہ	۶۴ فیصدی	گورنمنٹ پریس	۵۸ فیصدی
رجسٹریشن انسپکٹران	۵۲ فیصدی	امین بٹوارہ	۵۰ فیصدی
سب انسپکٹران پولیس	۶۴ فیصدی	سب رجسٹرار	

یوپی کی مسلم لیگ کی ارگنائزنگ کمیٹی کی قرارداد پر مرزا محمد جعفر حسین سکریٹری شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کا بیان

یو۔ پی مسلم لیگ ارگنائزنگ کمیٹی نے ۱۹ مارچ کو جو قرارداد منظور کی ہے اور جو ۲۰ مارچ کے پائنیر میں شائع ہوئی ہے وہ صرف تکلیف دہ ہی نہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہے۔ لکھنؤ میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس نے جب یہ فیصلہ کیا کہ ہندستان کے مسلمانوں کی تنظیم کی جائے اور ان کی قوتوں میں استحکام پیدا کیا جائے اسوقت سے برابر ان کے بڑے بڑے رہنما فرقہ وارانہ موعظے اپنے پلیٹ فارم کے اس پروگرام کی پیروی کرتے ہوئے ہندوؤں کے خلاف فرقہ وارانہ جذبات پیدا کر رہے ہیں اس علیحدہ رہنے کی پالیسی کا جبکی مسلم لیگ پلیٹ فارم سے تلقین کی جارہی ہے فطری نتیجہ یہ تھا کہ بلدے ہوں مسلم لیگ کی روش کا یہی ثمرہ نکلنا چاہئے تھا کہ ملک میں دو مخالف کیمپ پیدا ہو جائیں اور معمولی معاملات فرقہ وارانہ فساد پیدا کردے۔ اور اب جبکہ انکا مطلوبہ مقصد حاصل ہو گیا تو وہی جماعت کانگرس گورنمنٹ کو اس کا الزام دے رہی ہے کہ صوبہ میں مسلمان اقلیت کے حقوق کی نگرانی کی موجودہ حکومت کو قطعی پرواہ نہیں ہے۔ یہ ابھی ایک مہینہ ہی کی بات ہے کہ سوائے عید الضحیٰ ستائی تھی اور سوائے سیتاپور کے کہیں کسی کانگرسی صوبہ میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اگر اس موقعہ پر کچھ ہو جائے تو اس الزام کے عائد کرنے کا کوئی نہ کوئی موقعہ نکل سکتا ہے کہ کانگرس گورنمنٹ مسلم اقلیت کے حقوق سے جنکا خواہ مخواہ بار بار تذکرہ کیا جاتا ہے، غفلت برت رہی ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ اپنی خطاؤں کے لئے دوسروں کو الزام دیا جائے۔

ارگنائزنگ کمیٹی ہمکو یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ مسلمان بغیر کسی اشتعال دہی کے مظلوم کا شکار ہو گئے۔ اور یہ کہ انکا کوئی قصور نہیں۔ لیکن انتہائی غیر جانبدارانہ رپورٹیں جو ادھر سے موصول ہوئی ہیں اسکے برخلاف بتاتی ہیں، اور ایسی صورت میں ایک غیر جانبدار شخص وہ کر بنیادا مسلم لیگ کے اس فیصلہ سے قطعی طور سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ علاوہ بریں صرف یہی واقعہ کہ ہولی کے زمانہ میں یہ بلوے واقع ہوئے مسلمانوں کی روش کے خلاف مسئلہ قائم کرنے

پھر تیرہ کرتے ہیں اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو بالکل ہی بے قصور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے برابر ہی قصوروار ہوں لیکن اسکے تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ واقعہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے کہ ملک میں اس ناخوشگوار فضا پیدا کرنے کی

ذمہ داری تنہا مسلم لیگ پر عائد ہوتی ہے اور ایسے موقعہ پر اس قسم کی قرارداد میں منظور کرنا بالکل ہی غیر ضروری ہی نہیں بلکہ اختلافات کے شعلوں کو ہوا دیتا ہے ساب پر ساؤ فضل لیگ کا ۲۶ ا ۲۷ کو جلسہ طلب کیا گیا ہے تاکہ صورت حال پر غور کیا جائے اور اس صورت میں کہ گورنمنٹ اپنے فرائض انجام دینے میں ناکامیاب رہی تو آئندہ کے حملوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے ذرائع سوچے جائیں، اس کا صرف منشا یہ ہے کہ مسلم عوام میں مذہبی دیوانگی کو ترقی دیجائے۔ بجائے اس کے کہ صورت حال پر ٹھنڈے دل اور غیر جانبدارانہ نظر سے غور کیا جاتا اور امن و سکون کے پیدا کرنیکے طریقے سوچے جاتے، مسلم لیگ کے بڑے پیشوا ہندوؤں کو جارحانہ اسپرٹ کا اور کانگریس گورنمنٹ کو مسلم اقلیت کے حقوق سے بے پرواہی برتنے کا مجرم بتاکر صورت حال کو نازک سے نازک تر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں نہایت ہی خلوص سے اپنے مسلمان بھائیوں سے اسکی اپیل کروں گا کہ وہ اس صدا سے کہ "اسلام خطرہ میں ہے کسی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں انھیں اس کا احساس کرنا چاہئے کہ فرقہ وارانہ اشتعال انگیزیوں سے کوئی مفید مطلب حاصل نہیں ہوتا، اور اس قسم کے بلوے صرف ہندوؤں ہی کے لئے مضر نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے بھی نقصان رساں ہیں۔ ان بلووں کے انسداد کا صرف یہ طریقہ ہے کہ ان دونوں جماعتوں کو ایک جھنڈے کے نیچے لے آیا جائے اور دونوں میں حب وطن کے محبت کے جذبات پیدا کر دیے جائیں۔ اسی طریقہ سے فرقہ وارانہ جذبات دبلائے جاسکتے ہیں اور وطن پرستی کے اعلیٰ مقاصد کے ماتحت انھیں کیا جاسکتا ہے

اطلاع نامہ بنام اشخاص در بارہ پیش کرنے اپنے دعوے کے حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب مسٹر کامتا ناتھ اسپیشل جج صاحب بہادر۔ درجۂ دوم مقام گونڈہ

پیشی ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء

مقدمہ نمبری نمبر ۴ سنہ ۱۹۳۶ء زیر بار قرضہ

۱۔ گومتی پرشاد ولد رام ٹھل ۲۔ تلک رام ولد گومتی پرشاد۔ ۳۔ سالک رام ۴۔ تلسی رام۔ ۵۔ جے جے رام نابالغان بولایت گومتی پرشاد و پدر خود اقوام برہمنان ساکنان بکھر پرگنہ و ضلع گونڈہ۔ ۶۔ مساۃ مہراجی زوجہ سورج لال قوم برہمن ساکن مصر ولیا معافی پرگنہ و ضلع گونڈہ سائلان

بنام

رام سرن وغیرہ قرضخواہان فریق ثانیان

چونکہ گومتی پرشاد ولد رام ٹھل برہمن ساکن بکھر پرگنہ گونڈہ ضلع گونڈہ وغیرہ کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش ہوئی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعوے رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی

نمبر شمار	ضلع	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	گونڈہ	۱۴ر	[illegible]	حقیت اعلیٰ		[illegible]	
۲	گونڈہ	[illegible]	[illegible] پرگنہ [illegible] ضلع گونڈہ	"		[illegible]	جائداد مذکورہ ملکیت سائلان [illegible] ہے۔

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو بہ استثنائے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے

نمبر شمار	نوعیت جائداد	وسعت حقیت درخواست دہندہ	کیفیت
۱	گائے	۴ راس	عہ ر
۲	گاڑی چوکی کمنزلہ	ایک	[illegible] ر
۳	غلہ	[illegible] من خام	[illegible] ر

دستخط منصرم عدالت اسپیشل جج
درجۂ دوم ضلع گونڈہ
۲۹ مارچ ۱۹۳۶ء

مہر عدالت

ہندستان نیوز پیپر لمیٹڈ لکھنؤ کے لئے صباحت اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چوہدری عالم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۔۔۔ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۱۵ | ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ر

کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا جلسہ

۲-۳ اپریل کو کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے جلسے ہوئے، پارٹی کے آرگنائزنگ سکریٹری سجاد ظہیر نے ایک مختصر رپورٹ میں بتایا کہ اب تک صوبہ بھر میں ایک ہزار ممبر بن چکے ہیں۔ اور الہ آباد، بنارس، آگرہ، کانپور اور لکھنؤ میں کام بھی باقاعدہ ہوتا ہے۔ جلسہ کے صدر آچاریہ نریندر دیو نے کانگریس سوشلسٹ پارٹی کی ضرورت بتائی اور کہا کہ اس وقت ہمارا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ عوام کو انکی روزمرہ کی مانگوں پر منظم کریں آئندہ لڑائی کیلئے تیار کریں۔ یو۔ پی اور بہار کے گورنروں نے کانگریس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جو رویہ ظاہر کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور کانگریس میں زیادہ دنوں تک نہیں نبھ سکتی۔ اس لئے ہم کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جدوجہد کا وقت آ پہونچے لیکن ہماری تنظیم کمزور ہو۔ فیڈریشن آنے والا ہے اور وہی وقت ہوگا ہماری جدوجہد کے شروع ہونے کا۔

عوام کے ساتھ ہم دو طرح کا برتاؤ کرسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو انکی روزمرہ مانگوں پر منظم کیا جائے اور بتایا جائے کہ ان مانگوں کیلئے کیسے لڑنا چاہئے۔ جہاں ایک رعایا نے انہوں نے جبیثہ لی یعنی بیگار بند کرالیا۔ یا ملوں کی رشوت بند کرالی، تو پھر ان کو اپنی طاقت کا احساس ہو جائے گا۔ سمجھ میں آجائے گا کہ مٹھی بھر زمینداروں اور مل مالکوں کا کیسے مقابلہ کرنا چاہیئے بلکہ یہ سمجھ میں آجائے گا کہ سامراج کیسے ان سرمایہ داروں کی مدد کرتا ہے اور کس طرح ان کو ختم کیا جاسکتا ہے اور اپنی مانگوں کو انکی بنائی ہوئی اصلاحات کی فہرست میں داخل کرایا جاسکتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کو کانگریس کا ممبر بنالیا جائے اور پھر ان سے کہا جائے کہ دنیا بھر برابر ووٹ دیا کرو اور چین سے بیٹھے رہو۔

دوسری صورت آزادی کی لڑائی کے لئے زہر ہے۔ ہم کو چین اور آسٹریا سے سبق لینا چاہئے۔ دونوں ملکوں میں عوام نے اپنی روزمرہ کی مانگوں پر سبھائیں بنانا شروع کی تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مانگیں ایسی تھیں جن سے وہاں کے سرمایہ دار طبقہ کو نقصان پہونچتا تھا۔ اس لئے چین میں چیانگ کائی شیک نے اور آسٹریا میں ڈاکٹر شسنیگ نے عوام کی سبھاؤں کو طرح طرح کے ظالمانہ طریقوں سے کچل دیا انکے لیڈروں کو قتل کردیا۔ جو بچے ان کو گرفتار کرلیا۔ اور پھر عوام کو اپنی چالبازیوں سے سلا دیا۔ اسوقت یہ لوگ جیت گئے ان کے قبضے میں تھے ویسے ہی بنے رہے۔ لیکن جب جاپان نے چین پر حملہ کیا اور ان کو عوام کی مدد کی ضرورت ہوئی تب سمجھ میں آیا کہ کتنی سخت غلطی ہوئی، عوام اسوقت ساتھ دے سکتے تھے جب انکو یہ احساس ہوتا کہ جاپان کے آجانے سے ہم کو یہ نقصان ہوں گے اور وہ اپنے فائدوں کیلئے لڑنا سیکھ چکے ہوتے۔ اسی کمزوری سے آسٹریا کی قومی آزادی گئی۔ اور چین پر یہ مصیبت آئی۔ اس کے خلاف مثال ہے روس کی۔ جب وہاں کے عوام نے آزادی کا علم اٹھایا تو خوفزدہ ہو کر یورپ کی سلطنتوں نے مل کر ۲۳ رخ سے اس ملک کے مزدوروں اور کسانوں پر حملہ کیا۔ مگر ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

مزدور سبھائیں، کسان سبھائیں، ریاستی عوام سبھائیں اور طلبائی فیڈریشن ایسی جماعتیں ہیں جو مختلف جماعتوں کو انکی روزمرہ کی مانگوں پر منظم کررہی ہیں لیکن ان میں آپس کی تنظیم کی کمی ہے۔ ایک ضلع کی کسان سبھا کا دوسرے ضلع کی کسان سبھا سے بہت کم تعلق ہے، مزدور سبھا اور طلبائی فیڈریشن میں بہت کم اتحاد عمل ہے ان سب ٹکڑوں کو جوڑنا کام ہے کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا۔ لکھنؤ کے اجلاس نے اس کام کی ایک منزل پوری کردی۔ سب جگہ کے کسانی نمائندے اور مزدوری نمائندے جمع ہوگئے انہوں نے ایک متحدہ راستہ ڈھونڈھنے کی کوشش کی ایک راہ بنالی اور اس پر عمل کرنے کی صورت بھی نکال لی۔

قومی ہفتہ اور ہمارا کام

پچھلے سال کیم اپریل سے ہماری سامراج دشمن تحریک میں ایک خاص رو پیدا ہوگئی تھی اور اسوقت سے ہماری تحریک قصبہ قصبہ اور دیہات دیہات میں جڑ پکڑ گئی تھی۔ وہی قومی ہفتہ پھر آگیا ہے اور ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے سامنے کونسا پروگرام ہے! ہمارے قومی ہفتہ کا کیا پس منظر ہے -!-

مزدوروں، کسانوں، اور عوام کی جدوجہد دن بدن بڑھ رہی ہے مثلاً بہار میں کانگریس کمیٹیوں اور مزدور سبھاؤں کی سرکردگی میں عوام مالکوں کے مقابلہ میں مورچہ باندھ رہے ہیں۔ مدراس میں ریلوے کے مزدور ہڑتال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اندھرا کے کسان ہزاروں کی تعداد میں آکر مدراس میں مظاہرے کرتے ہیں۔ جمشید پور، کلکتہ اور لاہور میں بے چینی پھیل رہی ہے اور مزدور منظم ہو رہے ہیں۔ کانپور کے مزدور اپنے مورچے پر جمے ہوئے ہیں۔ کسانوں میں بھی عام طور پر بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور ریاستی عوام والیان ریاست کے خلاف آوازیں اٹھا رہے ہیں۔ بائیں بازو کی جماعتیں اپنی طاقت مضبوط کر رہی ہیں۔ بنگال اور صوبہ متحدہ میں سیکڑوں سوشلسٹ بھرتی ہوئے اور لاہور میں سارے ملک کے سوشلسٹ جمع ہونے والے ہیں۔ سامراج بھی اپنا وار کر رہا ہے۔ صوبہ متحدہ اور بہار کی وزارتوں کا استعفیٰ ابھی کل کی بات ہے۔ بنگال میں کام کرنے والے گرفتار ہو رہے ہیں اور سوشلسٹوں کی زبان بندی کی جا رہی ہے۔ پنجاب میں ستیاوتی دیوی، پروفیسر رنگا اور راجے کمار گھوش کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ فیڈریشن کی لعنت سر پر منڈلا رہی ہے۔ غرضیکہ ہر طرف فضا مکدر ہو رہی ہے —— یہ ہے ہمارے قومی ہفتہ کا پس منظر۔ اب ہمیں ان حالات میں کیا کام کرنا ہیں؟-

بین الاقوامی صورت حال۔ جنگ کے خطرات اور فیڈریشن کے امکانات کو دیکھتے ہوئے ہمارا یہ قومی ہفتہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہم کو سامراج کے مقابلہ میں ایک متحدہ قومی محاذ قائم کرنا ہے۔ کسانوں۔ مزدوروں۔ طلباء اور نوجوانوں کو قومی جھنڈے کے نیچے لانا ہے۔ انکی مانگوں کو لیکر آگے بڑھنا ہے۔ قدم قدم پر سامراج سے ٹکر ہوگی۔ لیکن ہمیں اسکے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہنا ہے۔

طلباء میں بے چینی

ویانند اینگلو ویدک کالج کے بارہ طلباء ہنگامہ کرنے کے جرم پر گرفتار کرلئے گئے طلباء برابر مقابلہ پر جمے ہیں اور روزانہ صبح کو کالج کے سامنے دھرنا دیا جاتا ہے

کلکتہ کے اسکاٹش چرچ کالج کی خبر ہے کہ وہاں طلباء دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر انکو صدر کانگریس کو ایڈریس دینے کی اجازت نہیں ملی تو وہ مجبوراً ہڑتال کر دیں گے۔

لکھنؤ میں ٹکنیکل اسکول کے لڑکوں نے سٹرائک کر دی ہے اور جلوس بھی نکالا۔ اس کے علاوہ اور جگہ جگہ سے طلباء کی شورش کی خبریں آ رہی ہیں۔ گویا بے چینی اپنا کام کر رہی ہے۔ یعنی ایسے اسباب ہندستان بھر میں جمع ہوگئے ہیں جو اس بے چینی کو عمل جامہ پہناتے ہیں۔ اور طلباء کو اپنی مانگوں کے لئے لڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ یہ موقع ہے کام کرنے کا۔ طلبائی تحریک کو پوری طرح پھیلانے کا۔ اس کے لئے ابھی بہت میدان خالی ہے۔ فیڈریشن نے ابھی تک اردو ہندی اسکول۔ مذہبی مدرسوں اور پاٹھ شالوں کیطرف توجہ نہیں دی۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں بے چینی سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ بیکاری خوب

یہاں زیادہ ہے اور یہاں کی تعلیم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے انگریزی اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے بھی زیادہ ناکارہ ہے۔

شاید ہم کو ہر ضلع کے اسکولوں میں پانچ چھ طالب علموں کی ایسی جماعت مل سکے جو گرمیوں کی چھٹی میں آس پاس کے قصبوں کے مڈل ورنیکلر اور پرائمری اسکولوں کا دورہ کرے۔ عموماً یہ اسکول بعد کو بند ہوتے ہیں لیکن جہاں بند ہوگئے ہوں وہاں ہر قصبہ میں جو دو چار طالب علم ملجائیں ان سے ملاقات کرے اور ان کو فیڈریشن کے مقاصد سمجھائے۔ اگر یہ کام تھوڑا بہت بھی ہوگیا تو ایک بڑے کام کی پہل ہو جائیگی۔ غالباً اسکولوں کے طالب علموں میں ایسے منچلے نکل آئیں جو اس کام کو دلچسپی کریں۔ قصبوں میں جانا۔ عوام کے نوجوانوں سے ملنا۔ ان کی زندگی سمجھنا۔ اور ان کو لڑائی سمجھانا۔ اس کام کا ہر رخ دلچسپ ہے۔ ہمارے اسکاؤٹ کیا کرتے تھے؟ یہ ایک عملی پروگرام ان کے سامنے ہے۔

فیڈریشن سے بچنے کی تدبیر

کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے جلسہ میں سب سے زیادہ کارآمد جو تجویز ہے جو اس نے فیڈریشن سے مقابلہ کے لئے منظور کی۔ وہ یہ ہے

(۱) عوام کی روزمرہ کی اس جدوجہد کو جو سول آزادی اچھی مالی حالت کیلئے جاری ہے۔ تیز کرکے فیڈریشن کا مقابلہ کیا جائے۔ عوام کو سمجھایا جائے کہ انکی روزمرہ کی مانگیں بھی فیڈریشن کے آجانے سے پوری نہ ہوسکیں گی

(۲) ریاستی عوام کی سبھاؤں کو، جو مالی حالت کو بہتر بنانے کیلئے لڑ رہی ہیں۔ منظم کیا جائے اور ان کو ترقی دی جائے۔ اسی طرح ریاستی عوام کو بھی عام ہندستانی لڑائی میں شامل کر لیا جائے

(۳) کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے لئے پورا پروپیگنڈا کیا جائے

(۴) فیڈریشن کے آجانے کی صورت میں عام لگان بندی یا عام اسٹرائک سارے ہندوستان میں پھیلائی جائے اور اس طرح دستور اساسی ۱۹۳۵ء کو توڑا جائے کانگریس کے ذمہ دار لوگوں نے فیڈریشن سے لڑنے کی اسی قسم کی تدبیروں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کو منظم اور عملی صورت میں پیش کرنے کا کام اس جلسہ میں پورا کیا گیا۔

فلسطین کے عربوں کا گناہ

ایک گاؤں خان یونس کے پاس سے انگریزی فوج سے بھری ایک لاری گزر رہی تھی، سڑک پر ایک جگہ پہلے سے بارود بچھی تھی جس میں آگ لگا دی گئی جس سے لاری ٹوٹ گئی۔ ایک انگریز سپاہی مر گیا اور بہت سے زخمی ہوگئے۔ فوجی پولیس اس جگہ تعینات کر دی گئی۔ اور سارے گاؤں پر پانچسو پونڈ جرمانہ کر دیا گیا۔

سارے گاؤں پر جرمانہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم سب کے سب عرب ایک ہو۔ اور برطانیہ کی حکومت کے خلاف ہو۔ یعنی برطانیہ کی حکومت وہاں انکی مجموعی مرضی کے خلاف صرف انگریزی فوج اور پولیس کے بل بوتے پر قائم ہے۔ بیچارے عربوں میں طاقت نہیں ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔

اس طرح برطانیہ عملاً اپنی جابرانہ پالیسی کا ہتھیار چلاتی ہے اور دوسری طرف کہتی ہے کہ سارا ہنگامہ دو چار شورش پسند عربوں کا اٹھایا ہوا ہے۔

ٹٹاتا اسپین

ادھر آسٹریا پر جرمنی کا قبضہ ہوا، اور ادھر فرانکو کی طاقت اکرم سے بڑھ گئی۔ ساٹھ سعاٹھ میل کی لمبائی میں ایک دھاوا بولدیا، جڑاوں ہوائی جہاز آگے آگے اڑتے بے گناہ دیہاتیوں اور جتنے شہریوں پر حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور بڑے دہانے کی توپیں زہریلی گیسوں سے بھرے گولے اگلتی ہوئی فوجوں کے ساتھ ساتھ تھیں۔ اس طرح باغی فرانکو اسپین کے شہروں کو تباہ کرتا آگے بڑھتا چلا گیا اور ۳۔ اپریل کی خبر ہے کہ اس نے لریڈا فتح کر لیا۔ جمہوریت اسپین کا مضبوط بازو ٹوٹ گیا

جمہوریوں نے اب تک جس بہادری سے مقابلہ کیا ہے وہ آزادی کی لڑائی میں یادگار رہے گی۔ جب سے یہ لڑائی شروع ہوئی ہے تب سے سننے میں آتا رہا کہ اب فرانکو نے میڈرڈ پر قبضہ کیا۔ اب قبضہ کیا۔ لیکن دو سال ہونے کو آرہے ہیں اور جمہوریوں پر طرح طرح کی بلائیں ٹوٹیں مگر وہ اسی طرح مقابلہ پر جمے رہے۔

جمہوری حکومت اب کیوں ہار رہی ہے؟ وہاں کا ایک کرنل مورینا کہتا ہے کہ اس کی وجہ ہماری کمزوری یا نااہلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ جرمنی اور اٹلی کا یورپ کی جمہوریت کے مقابل میں طاقت پکڑ جانا ہے۔ غیر ملکوں کے جہاز جھنڈ کے جھنڈ آتے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۴۰ تک پہونچ جاتی ہے۔ اور دنیا کے پردے سے دیہاتوں اور شہروں کو مٹا دیتے ہیں۔ یورپ کی جمہوریتیں یہ تماشا دیکھتی رہتی ہیں..... اسپینی عوام کے لئے اسلحہ کا قحط ہے..... جب ہم اپنے مردے اپنے برباد شہر دیکھتے ہیں اور اپنے زخمی نوجوانوں کا کراہنا سنتے ہیں تو ہم آزاد جمہوریتوں کو بددعائیں دیتے ہیں۔ وہ دن قریب ہے کہ یہی حشر ان کا بھی ہوگا یعنی چیکوسلاویکیہ فرانس اور برطانیہ کا

مسٹر گرین وڈ نے دارالعوام میں برطانیہ کی خارجہ پالیسی کے خلاف وزیر اعظم چیمبرلین پر ملامت کے ووٹ کی تحریک پیش کی۔ اور اس سلسلہ میں کہا۔

"میں ان جہازوں کے نام اور تفصیل دے سکتا ہوں جو غیر ملکوں نے فرانکو کو بھیجے ہیں۔ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ فرانکو کو کتنی فوج بھیجی گئی۔ میں ان جرمن افسروں کا نام تک بتا سکتا ہوں جو اس ہوائی جہاز میں تھے جس نے برطانوی جہاز ڈبویا ہے۔ اسپینی حکومت کی بیلوسے لائی اڑنے میں بم اس پر گر گیا تھا۔"

کوئی شک نہیں کہ فرانکو کا یہ دھاوا جرمنی اور اٹلی کے بل بوتے پر ہو رہا ہے۔ کچھ دن ہوئے ایک جرمن جہاز بھٹک کر اتر گیا تھا۔ پتہ چلا کہ وہ اسلحہ اور گولہ بارود فرانکو کے لئے لے جا رہا تھا کسی طرح آگ لگ گئی۔ اٹلی تو اب تک فرانکو کی مدد کر رہا تھا لیکن اب جرمنی نے آسٹریا کی قیمت یوں ادا کی کہ اس مدد میں ہاتھ بٹالیا۔ جرمنی کی جنگی طاقت اتنی ہے کہ وہ آسانی سے ایک اچھی فوج فرانکو کو کچھ دنوں کے لئے دے سکتا ہے

بیچاری جمہوریت کے لئے ان دونوں زہریلے دشمنوں سے زیادہ خونخوار دشمن برطانیہ ہے جو فرانکو کی مدد پر چشم پوشی کرتی ہے، اور جہاں کوئی جمہوریت کی مدد کرنے چلتا ہے اس کو غیر جانبداری کے نام پر روک دیتی ہے۔

چیکوسلاویکیہ پر ہٹلر کے دانت

ہٹلر کو لوہے کی ضرورت تھی، وہ تو آسٹریا پر قبضہ کرکے پوری ہوگئی۔ اب اناج کی ضرورت ہے اس غرض سے چیکوسلاویکیہ پر دانت ہیں۔ یہ ملک قدرتی پیداوار، صنعتی اور زرعی ترقی میں یورپ کے زرخیز ملکوں میں سمجھا جاتا ہے۔ کوئلہ، لوہا، تانبا، چاندی، جست، نمک یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔ لیکن سب سے بڑی کام کی بات یہ ہے کہ یہاں کی آبادی کا ۴۰ فیصدی حصہ کھیتی باڑی کرتا ہے۔ اور یہاں جرمنوں کی ۲۲ فیصدی اقلیت آباد ہے۔

یہاں کے سیاسی حالات ایسے ہیں کہ رفتہ رفتہ ہٹلر کا قبضہ بڑھ رہا ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں ۳۰۰ ممبر ہوتے ہیں۔ ان ممبروں میں اسوقت ۱۴ سیاسی جماعتیں ہیں اس صورت میں وہاں اتحادی وزارت ہے۔ اب تک اس میں ۶ جماعتیں شریک تھیں جن کی مجموعی تعداد ۱۰۵ ہوتی تھی۔ اب تین جماعتوں نے یعنی نازی جرمن زرعی اور جرمن سیحی نے وزارت چھوڑ کر ہنیلین جماعت سے سمجھوتہ کر لیا ہے اب اور جماعتیں مل کر ۸۳ ہوتی ہیں اور کل نسلی جماعتوں کی تعداد ۹۰ ہوتی ہے

ہنیلین ہٹلر کا ایجنٹ ہے۔ جس طرح آسٹریا میں جرمن ایجنٹوں نے رفتہ رفتہ اپنے کو مضبوط کر لیا۔ اسی طرح جنرل ہنیلین بھی کر رہا ہے۔ جرمنی سرمایہ اور اسلحہ برابر چیکوسلاویکیہ میں پہونچ رہے ہیں ۳۲ لاکھ جرمن آبادی دن بدن طاقت پکڑتی جا رہی ہے اور وقت وقت پر بغاوت کی دھمکی دیتی رہتی ہے۔

ہٹلر نے دوسری ترکیب یہ کی کہ پولینڈ اور لتھوانیہ کے جھگڑے کو ابھار کر پولینڈ کی طاقت اتنی بڑھا دی کہ وہ اب تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو زبردستی اپنے میں ملا سکتا ہے۔ پولینڈ اور جرمنی کا مضبوط اتحاد ہے۔ پولینڈ کے ساتھ ہوجانے سے اب چیکوسلاویکیہ دشمنوں میں گھر گیا۔ اب کوئی دن کی بات ہے کہ ہنیلین اپنی طاقت کا اندازہ کرکے اقلیت و اکثریت کے جھگڑے کو کھڑا کر دے گا۔ اس وقت ہٹلر اس کی مدد کو دوڑے گا۔ اگر اس کا اشارہ ملا تو ہر طرف سے فوجیں چیکوسلاویکیہ میں گھس آئیں گی۔ چیکوسلاویکیہ کی راجدھانی جرمنی سرحد سے اتنی دور ہے کہ دس پندرہ منٹ میں جرمن ہوائی جہاز وہاں تک پہونچ سکتے ہیں۔

عورتوں کا محاذ

سوشلسٹ پارٹی کے اجلاس میں جو لکھنؤ میں ۲-۳ اپریل کو منعقد ہوا تھا اجرا بیگم نے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک جلسہ میں جہاں سارے صوبے کے نمائندے موجود ہیں، صرف ایک ہی عورت نظر آتی ہے یعنی میں۔" حالانکہ عورتوں کی حالت مردوں سے زیادہ دردناک ہے اور انکی اقتصادی اور سماجی تکلیفیں مردوں سے بہت بڑھ چڑھ کر ہیں۔ انہیں تحریک کے پیوست ہونے کی بہت گنجائش ہے، یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم نے ابھی تک ان کو منظم نہیں کیا۔ اگر ہم آزادی کی

تحریک میں زیادہ جان ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم کو عورتوں کو منظم کرنے کی صورتیں نکالنا چاہئیں اور اس محاذ پر صبر و استقلال سے کام کرنا چاہئے۔

جب ہندوستان میں کوئی عوامی تحریک اٹھی، مثلاً عام ستیہ گرہ، یا سول نافرمانی تو اس میں عورتوں نے آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جلوس نکالے، قانون شکنی کی اور جیل گئیں یہ لڑائی انھوں نے اپنی مرضی سے لڑی تھی۔ مرد نہیں چاہتے تھے کہ انکی ماں، بہنیں اور بیوی پولیس کے ڈنڈے کھائیں اور حوالات اور جیل کی ذلتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ لیکن عورتوں کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ جس تحریک کے لئے ان کے باپ، بھائی اور شوہر اپنی جانوں کو لٹا دیں وہ سپاہیوں کی کمی سے مرجھا جائے اور وہ تماشہ دیکھیں، یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ عورتوں کی یہ بہادری اسی وقت تک رہی جب تک عوامی تحریک چلتی رہی۔ ادھر تحریک بند ہوئی اور ادھر وہ بدستور گھر کی چاردیواری کے اندر واپس چلی گئیں۔ کیونکہ تحریک نے ان کے دل و دماغ پر کوئی گہرا قبضہ نہیں جمایا تھا۔ اور ان کی باقاعدہ تنظیم کی کبھی کوشش نہیں کی گئی تھی

تحریک میں عورتوں کے آجانے سے ہماری طاقت دگنی نہیں بلکہ ڈھائی گنی اور تین گنی ہو جائیگی۔ عدم تشدد کی تحریک میں جب عورتوں نے جوش و خروش سے قدم آگے بڑھایا تو ان کے مرد بھی شیر کی طرح آزادی کی لڑائی میں ٹوٹ پڑے۔ کون مرد اپنی بہن اور بیوی کے سامنے بزدلی دکھا سکتا ہے؟ انکی بہادری اور پامردی نے انکی عورتوں میں سعی اور عقیدے کی طاقت اور بڑھا دی۔ یوں ایک صنف سے دوسرے کو مدد ملتی ہے۔

تحریک میں عورتوں کے نہ ہونے سے ہمارے کام کرنے والوں کا گھر بے لطف ہے بلکہ بعضوں کیلئے تو جہنم بنا ہوا ہے، کام کرنے والے کے سینہ میں غریب کسانوں اور محتاج مزدوروں کی آہیں اور تمنائیں امنڈتی ہیں۔ وہ اپنا تن من دھن سب ان تحریکوں پر قربان کر دینا چاہتا ہے مگر اس کی بیوی ہے کہ اس جوش و خروش کو حماقت سمجھتی ہے پرائی آگ میں بلا وجہ کودنا! کون سی عقلمندی ہے۔

یہ تو سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ بڑی بات تو یہ ہے" عورتوں کی مصیبتیں مردوں سے بہت بڑھ چڑھ کر ہیں"۔ ملوں، کارخانوں اور میونسپلٹیوں میں جو عورتیں کام کرنے آتی ہیں، ان کو مردوں سے کم مزدوری دی جاتی ہے۔ صرف اس جرم پر کہ وہ عورت ہیں حالانکہ وہ کام اتنا ہی کرتی ہیں جتنا مرد کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر رکھا جاتا ہے۔ "زچگی میں ہزاروں" زچہ اور بچے" ہندوستان میں مرتے ہیں مگر ان مرنے والوں کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہیں۔ ہاں کچھ مرد ضرور نمائندگی کا دعوی کرتے ہیں مگر وہ لوگ کیا نمائندگی کر سکتے ہیں جو اس طوفان سے دور کنارے سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ چھوٹے کسانوں مزدوروں میں اور نچلے اوسط طبقہ میں کھانے اور پینے کی بہت کمی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگر کچھ خرچ کر سکتے ہیں تو لڑکوں پر خرچ کرتے ہیں، کیونکہ وہ بڑا ہو کر کمائیگا اور بڈھے ماں باپ کو کھلائے گا۔ یہ ٹھہرا ایک قسم کا اقتصادی پروگرام۔ ان گھروں میں جب لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں تو وہ دوسرے درجہ میں سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی زندگی صرف اتنی ہوتی ہے کہ دوسروں کی خدمت کرو۔ اور اسی لئے جیو۔ کوئی راستہ نہیں کھلا ہوتا جس کی طرف بڑھیں اور کوئی مستقبل نہیں ہوتا جس کی تمنا کریں۔ ان کے ولولے، امنگیں، حوصلے اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر رہتے ہیں۔ یہ سب ولولے، امنگیں اور حوصلے آزادی کی لڑائی میں لگائے جا سکتے ہیں

ایسی ہی لڑکیوں سے ایک ناپاک ملعون طبقہ بنتا ہے رنڈیاں۔ تمام اچھے آدمیوں کے جہاں بہت سے فرض ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ اس طبقہ پر لعن طعن کریں۔ اکثر یہ تحریکیں اٹھیں کہ "رنڈی" کو ختم کر دیا جائے، غالباً لوگوں کا نظریہ ہے کہ اگر رنڈیوں اور نانبائیوں کی سب دکانیں بند ہو جائیں تو لوگ کھانا کھانا بند کر دیں گے

ادھر رنڈی کا نام آیا اور ادھر گویا "بائی" اور طبلے کا تخیل آیا۔ یعنی وہ رنڈیاں جو محلوں میں رہتی ہیں اور موٹروں پر گھومتی ہیں۔ ہمارے اصلاح پسندوں کو ان ملیامیٹ رنڈیوں کی خبر نہیں، جو کلکتہ، بمبئی اور بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں دو آنہ فی کس سے بمشکل ایک رات میں آٹھ دس آنے کماتی ہیں۔ ان پیسوں میں دوکان کا کرایہ کھانا، کپڑا سبھی کچھ ہوتا ہے۔ ان بیچاریوں کی ماں، بہنیں اور بچے بھی ہوتے ہیں ان پیسوں سے ان کی بھی گزر اوقات ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سراپا "ہوس" ہوتی ہے جس کی زندگی ایسی ہو کہ اس کا مزہ لوٹنے روزانہ چار چھ سوکھے، بدکار، بدوضع، بدتمیز طرح طرح کے گاہک آتے ہوں اور جس کو سب کو ہنس کر، مسکرا کر رجھانا پڑتا ہو، اس میں ہوس کب تک رہ سکتی ہے؟ ہوس تو ہوس۔ اس کی صحت کب تک رہ سکتی ہے؟ یہ جذبات پرستی ہے یا جذبات کا خون کرنا؟ بڑے شہروں میں ایسی بڑھیاں ملتی ہیں جن کا سن ۳۰ سے اوپر نہیں ہوتا۔ ذرا ان بڑھیوں سے انکی بیتی پوچھئے۔

نچلے اوسط طبقے کی عورتوں کا حال بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ پڑھنے لکھنے سے ذرا لڑکی کی پوچھ گچھ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اردو ہندی اسکول اور اکثر انگریزی اسکول بھی لڑکیوں سے بھر جاتے ہیں اور جگہ نہ ہونے سے بہت سی لڑکیوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا ایک ترقی کا ذریعہ ہے وہ بھی بہتوں کو نہیں میسر آتا۔ جو لڑکیاں اسکول میں داخل ہو جاتی ہیں وہ بے تکی سختیوں اور بیجا سزاؤں کی شکار رہتی ہیں۔ انکی پڑھائی بے تکی ہوتی ہے کوئی ایسی جماعت جو انکی شکایتوں کو لیکر اٹھے۔ طلبائی فیڈریشن اس تحریک کو لے کر اٹھ سکتی ہے مگر صرف اس صورت میں کہ انکی خاص مانگوں پر انکی تنظیم الگ کرے اسی طرح اسکولوں کی استانیاں، اسپتالوں کی نرسیں، میونسپلٹی کی دائیاں اور اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں، جن کی الگ الگ مانگیں ہیں، جن پر انکی تنظیم کی جا سکتی ہے یہ سب جماعتیں ہماری مدد کریں گی، کیونکہ مظلومی کا کوئی باعث اٹھے اس کا تار گھوم پھر کر سامراج اور سرمایہ داری ہی پر پڑتا ہے

ان میں مزدور عورتوں اور کسان عورتوں کی جماعتیں آسانی سے جو مزدور سبھاؤں سے منسلک کی جا سکتی ہیں مگر اس کے لئے خاص صورتیں اختیار کرنا پڑیں گی۔ ہر مزدور سبھا اور کسان سبھا میں عورتوں کیلئے ایک ایک ڈپارٹمنٹ تیار کیا جائے جس میں جہاں تک ممکن ہو کام کرنے کیلئے عورتوں کی مدد حاصل کی جائے۔ یہ کام کرنے والیاں مزدور عورتوں اور مزدوروں کی بیویوں میں جائیں گی۔ ان سے پوچھیں "تمہارے کتنے بچے ہوئے؟ کتنے زندہ رہے؟ کن بیماریوں میں مرے؟ انکو طبی مدد کیوں نہیں پہونچی؟ کیا حکومت پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے؟ زچگی میں تم کو حکومت کی طرف سے اور مالکوں کی طرف سے کتنی مدد ملتی ہے؟ جب تم مردوں کا اتنا کام کرتی ہو تو تم کو برابر کی مزدوری کیوں نہیں دیجاتی؟ جو مل میں کام کرتی ہیں ان کو زچگی کے زمانہ میں چھٹی، تنخواہ سمیت کیوں نہیں ملتی؟" یہ مسئلے ہیں سمجھانے کے۔ اور بھی وہ مانگیں ہیں جو ان کی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور جن پر ایکا کر کے یہ جماعت مل کر اور برطانیہ سے مقابلہ کرنے کے لئے اٹھے گی اور مردوں کے ساتھ ساتھ چلے گی۔

اس تحریک کیلئے ہم کو کام کرنے والوں کی نہیں بلکہ کام کرنے والیوں کی ضرورت ہے ایسی کام کرنے والیوں کی جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسی عمارت کی نیو ڈالیں جو ایک دفعہ بنجانے پر کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔

مسلم تمدن کی حفاظت کا سوال

(منظر رضوی)

مسلم تمدن کی حفاظت کا سوال روز بروز پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے، اس پیچیدگی کی ظاہرا دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلم نیتاؤں کی رجعت پسند سیاست اور ان کا قومی تحریک کی مخالفت میں وقت کو کھپاتے رہنا، جس سے ایک طرف برٹش سامراج شاہی کو اپنی حکمرانی اور حفاظت میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف قومی عناصر کو، چاہے ہندو ہوں یا مسلمان ان سے نفرت ہوتی جاتی ہے اس لئے اس سوال سے بعض وقت بےپروائی برتی جاتی ہے اور بعض اوقات دیدہ و دانستہ مسلم کلچر سے کھلی دشمنی کی جاتی ہے، جسکی مثال ہمیں مدینہ کی تحریروں یا بعض قومی وزارتوں کی تعلیمی اور کلچرل اسکیموں (مثلاً سی۔پی میں ودیا مندر کی تحریک) سے مل سکتی ہے لیکن اگر فرض کر لیجئے کہ ہمارے قومی عناصر میں یہ نفرت نہ بھی ہو اور وہ بالکل ہی نیک نیتی خلوص اور پریم سے اس مسئلہ کی طرف رجوع کریں اور اسے حل کرنا چاہیں تو کیا سچ مچ اس کا کوئی صحیح حل ہمیں مل سکتا ہے؟ ہمارا صاف جواب یہ ہے کہ نوعیت اور سرمایہ داری کے ماتحت کسی بھی سماجی، اقتصادی اور سیاسی نظام میں کسی بھی اقلیت (چاہے وہ اقلیت مسلمانوں کی ہو یا کسی اور کی) کا سوال تسلی بخش طور پر حل نہیں ہو سکتا ہے، اقلیت کے بنیادی مسئلے کیا ہیں؟ مسلمانوں کے بنیادی مسئلے کیا ہیں؟

اب سے پہلے ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں کی غربت افلاس اور جہالت اور علمی پس افتادگی وغیرہ بڑے بڑے سوالات ہیں جن کا حل اس سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام میں نہیں ہو سکتا، اس کے لئے مسلسل انقلاب کی ضرورت ہے تاکہ دولت کے بنیادی وسائل عوام کے ہاتھوں میں آئیں، ان باتوں کو آج ہم دہرانا نہیں چاہتے ہم صرف مسلمانوں کے کلچر کو لیتے ہیں جو غربت وغیرہ کے بعد بہت اہم مسئلہ ہے اور جسے آج ہمارے مفاد شناس حضرات بہت اہمیت دے رہے ہیں، ان کے پاس کلچر کی حفاظت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ کس طرح اسلامی تمدن کو غیروں کی دست برد سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ بولتے بہت ہیں، چیختے بہت زور زور سے ہیں اس لئے ان کی آواز سب لوگ سن کر بپھر جاتے ہیں، مگر ہمارے عوام اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ مسلم لیگی حضرات جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے کیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟ وہ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ان کا اصل مطالبہ کیا ہے؟ آج تک ہمارے یہ رجعت پسند حضرات جو کچھ پیش کر سکتے ہیں وہ مسٹر جناح کے چودہ نکات ہیں جو نئے دستور اساسی میں بنیادی حق کی طرح شامل ہیں، ان کی حفاظت کے لئے جداگانہ انتخاب بھی رائج کر دیا گیا ہے اور گورنروں کو خاص اختیارات بھی دے دئے گئے ہیں، لیکن تقریباً ایک سال کی صوبائی خود مختاری کا عملی تجربہ بتاتا ہے کہ یہ چودہ کے چودہ نکات اور کمیونل ایوارڈ اور اسکی حفاظت کے آئینی دعوے محض ڈھونگ ہی ڈھونگ ہیں، آج دیکھ لیجئے گائے کی قربانی پر پنجاب میں جہاں "اسلامی وزارت" قائم ہے بلوہ ہوا، اسی اسلامی وزارت میں مسجد شہید گنج مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گئی، اسی طرح سی۔پی میں ودیا مندر کی اسکیم جاری کرنے کی اسکیم بن رہی ہے۔ اور آگے نہ جانے کیا کیا ہو۔ ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی وزارت نہیں ہے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب ہندو اکثریت کا نتیجہ ہے۔ لیکن پنجاب کے بارہ میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا وہاں تو غلبہ مسلمانوں ہی کا ہے وہاں ایسا کیوں ہوا؟ اس سے اتنا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ تشدد دراصل موجودہ نظام میں ہے۔ ہندوؤں کی مسلمان دشمنی میں نہیں اور نہ مسلمانوں کی "تمدن فروشی" میں، جیسا کہ بعض حضرات کہا کرتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ سر سکندر یا مسٹر شریف ملت فروشی کے مرتکب ہو سکتے ہیں، یہ فتور اس نظام کا ہے جس میں انھیں اور آپ کو کام کرنا پڑتا ہے۔

اقلیت کا سوال آج کوئی نیا سوال نہیں ہے یہ بہت ہی پرانا مسئلہ ہے جو آج تک حل نہیں ہو سکا اور اسکی وجہ سے اقلیتوں کو ہر طرح کی دشواریاں اٹھانی پڑی ہیں تاریخ بتاتی ہے کہ اقلیتوں کو کیسے کیسے ستایا گیا، بنی اسرائیل مصر سے جلاوطن کئے گئے، مسلمانوں کے تجارتی سامراج نے یہودیوں کو فلسطین سے نکالا۔ امریکہ کے حبشی دبائے گئے، چینی مسلمانوں کو اکثریت میں جذب کرنے کی کوشش کی گئی۔ آریاؤں نے ہندوستان کی دراوڈی قوم کو اس طرح دبایا کہ وہ آج تک پہاڑیوں اور جنگلوں میں چھپے پھرتے ہیں اور آج جب کہ دنیا تمدنی ترقی کی انتہائی بلندی پر پہونچ چکی ہے تو اس وقت بھی ہٹلر یہودیوں کو جلاوطن کرنے میں مصروف رہا ہے۔

آج کل جو لوگ تمدن کی حفاظت کے چرچے کرتے ہیں ان کا اس حفاظت سے مطلب کیا ہے۔ اس کی وضاحت انھوں نے کبھی نہیں کی ہے۔ اس لئے ان کا اصلی مطلب ہم نہیں سمجھ پاتے۔ اتنی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ خاص خاص قسم کے آئینی تحفظات چاہتے ہیں جس کے ماتحت انھیں اپنی زبان اور رسم خط کے استعمال کی آزادی ہو اور چند خاص قسم کے مذہبی رسومات کو وہ ادا کر سکیں، اتنی سی بات تو بہرحال انھیں کسی بھی حکومت میں حاصل رہی ہو جائے گی۔ آجکل کی جدید جمہوریت نے مذہبی اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو بہت ہی "وسیع" اور "قابل اعتبار" صورت نکالی ہے وہ آئینی تحفظات اور حکومت میں ان کی نمایندگی کے کچھ طریقے ہیں سوال اقلیتوں کی محدود حفاظت کا ہے یا انھیں ترقی اور نشو و نما کے لئے لامحدود موقع دینے کا ہے تاکہ وہ ذہنی جسمانی، کلچرل، اخلاقی اور علمی ترقی کر سکیں آج کل مسلمانوں کی تمام مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں حفاظت ہی کا سوال پیش کرتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ آئینی طور پر اسمبلیوں میں میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کی نشستیں محفوظ کر دی جائیں، وزارتوں میں ان کا تناسب ہو وغیرہ وغیرہ! تو کیا کروڑ مسلمانوں کی ترقی کی یہی راہ ہے جو ہمارے آپ کے نیتاؤں نے نکالی ہے

آپ کے نام تحفظات لے کر وزارتیں اور ممبری کرنا لیکن اس سے ہندوستانی مسلمانوں کی
کلچرل ترقی کا سوال کیسے حل ہوگا، انھیں تعلیم و تربیت کے سامان کیوں کر میسر ہو سکیں گے؟
جدید جمہوریت یا ملازمت شاہی مذہب اور فرقہ کے امتیاز کو اقتصادی اور
سیاسی زندگی میں عملاً تسلیم نہیں کرتی، اس کی بنیاد معاشی استحصال اور منافع خیز
تجارت پر ہے۔ نفع کی دوڑ میں ملک کی بے پناہ اکثریت کو کچلتی جاتی ہے۔ دائیں
بائیں چاروں طرف انسانیت عریانی اور بھوک سے کراہتی رہتی ہے اور سارا راج
دھیلا، پیسہ اور روپیہ بٹورتا جاتا ہے، اس سے سماج کی بہت بڑی اکثریت پچھڑ
جاتی ہے، اسے اپنی انفرادی ترقی اور نشو و نما کا موقع نہیں ملتا، کیونکہ اس ترقی اور
نشو و نما کے وسائل اس کے ہاتھوں میں نہیں ہوتے۔ حکومت کے کاروبار کو مرتکز
کرکے حکومت کی مشینری پر بھی پونجی پتی اپنا قبضہ کر لیتے ہیں اور وہ حکومت کو
اس طرح چلاتے ہیں کہ ان کے نفع میں ترقی ہوتی رہے اور کلچرل ترقی کے مواقع
انھیں کے طبقہ تک محدود رہیں۔ یہ حالت ہمارے آج کے سماج کی ہے۔ ہندوؤں کی
اس ملک میں بے پناہ اکثریت ہے۔ لیکن خود ہندو سماج میں اکثریت کس طبقہ کی ہے؟
غریب، جاہل، وحشی، ننگے، لنگوٹے اور کالے کلوٹے لوگوں کی۔ اگر سوال ہندو مسلم
کشمکش اور منافرت کا ہے تو ہندو جاتی۔ یہ گاندھی، نہرو اور مالویہ اس وحشی
ننگی اکثریت کی ترقی کے سامان مہیا کیوں نہیں کرتے؟ اور پھر مسلمانوں کی نو کروڑ
آبادی ایک تناسب سے کیوں نہیں بڑھتی؟

سوال تمدن کی حفاظت کا ہے یا اس کی نشو و نما کا؟ اور اس نشو و نما کیلئے
ضروری سامان کا؟ ہم پچھلے تیرہ سو برس کے اس پرانے اور عظیم الشان تمدن کے
وارث ہیں، ہمیں یہ تمدن بزرگوں کے ورثہ میں ملا ہے۔ اس لئے ہمارے سامنے
اس کی حفاظت سے زیادہ اس کی ترقی اسکی نشو و نما کا سوال ہے۔ اگر ہم اس کی
ترقی نہیں کر پاتے اور اس کی نشو و نما میں ہاتھ نہیں بٹاتے تو یہ تمدن اور اس تمدن
کی تمام یادگاریں مٹ کر ختم ہو جائیں گی، یہ لوگ حفاظت کی باتیں کرتے ہیں اسکے
معنی یہ ہیں کہ اس تیرہ سو برس پرانے تمدن کی ترقی اب بند ہو چکی ہے۔ اسکی
ترقی کا اب موقع نہیں، اس میں ترقی کی صلاحیت نہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ
ہمارے یہ حضرات اس تمدن کو باقیات کے طور پر آئینی میوزیم میں ممی کی طرح محفوظ
کرنا چاہتے ہیں، ان حضرات کے تخیلات محدود ہیں، ان کی سمجھ چھوٹی ہے، انکی
نظر تنگ ہے۔ وہ کیا جانیں کہ تمدن اور معاشرت کیسے ترقی کرتی ہے۔ وہ کیسے دنیا پر
چھا جاتی ہے۔ اگر سچ مچ ہمارے کلچر میں ایسا روگ پیدا ہو گیا ہے کہ اب وہ پنپ
نہیں سکتا تو پھر ہمیں کسی اور کلچر کی تلاش کرنی پڑے گی۔ ہم ایک مردہ اور بے جان
تمدن کو لے کر کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن صورت یہ نہیں ہے۔ ہمارے کلچر میں ترقی
کی ابھی بہت صلاحیتیں ہیں اور آج اس بیسویں صدی کی سائنس کے ذریعہ ہم اسے
سب سے اونچی بلندی پر پہونچا سکتے ہیں

کلچر اور تمدن کی ترقی کا دار و مدار افراد اور سماج کی ترقی پر ہے آجکل جس کلچر
کی حفاظت کا سوال اٹھایا جاتا ہے وہ عرب ایرانی اور ہندوستانی تمدن کے اختلاط
سے پیدا ہوا ہے۔ اس میں جا بجا مرکزی ایشیا کے مغلوں کے اثر کی جھلک بھی نظر
آتی ہے۔ اس پر ہندو معاشرت کا بھی نمایاں اثر ہے اور آجکل جدید یورپی تمدن
سرایت کر رہا ہے۔ پھر بھی یورپ ہم سے ابھی بہت دور ہے اور اس کی بہت سی
خوبیوں کو جو ہمیں اور ہمارے کلچر کو اس بدلی ہوئی حالت میں زندہ رکھنے کیلئے
ضروری ہیں، اب تک ہم اپنا نہیں سکے ہیں۔ اوپر کے جاگیردار اور پونجی پتی
طبقہ کو اس کا موقع ملا اور اس نے بہت کچھ سیکھا اور حاصل کیا، لیکن ان تھوڑے
سے لوگوں کی ترقی سے سماج بھر کی ترقی تو نہیں ہوتی اور نہ پورا سماج متمدن اور
مہذب بنتا ہے۔ اس لئے کلچر کی ترقی تو اصلی معنوں میں جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ
سماج کے ہر ہر فرد کو اسکا موقع ملے کہ وہ اپنی قدرتی صلاحیتوں کی نشو و نما آزادی سے
کر سکے اور اپنے کمال فن سے تمدن کے زیور کو چمکیلے اور قیمتی نگوں سے جڑ جڑ کے
خوبصورت، خیرہ کن اور مفید اور کارآمد بنا لے، ہمارے سماج میں جن لوگوں نے
ترقی کی ہے وہ ایک خاص فلسفہ، خاص نظام حکومت، خاص طریقہ پیداوار، خاص
طریقہ لین دین کے حامی ہیں۔ وہ ایک مخصوص ادب کے نام لیوا ہیں جس میں عوام کی
کوئی جگہ نہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن ملکوں سے ان حضرات نے ان چیزوں کو سیکھا
ہے وہاں ان ہی چیزوں سے ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں اب ترقی کی راہ بند ہو چکی
ہے، پھر ان ہی فلسفوں، نظریوں اور خیالوں میں نیچے طبقہ کے کثیر التعداد لوگوں کی
کوئی جگہ نہیں ہے ان میں رہ کر ایک محدود تعداد ترقی کر سکتی ہے اس میں ہمارا
سیکڑوں برس کا درخشاں تمدن پنپ نہیں سکتا کیونکہ اس فلسفہ اور نظریہ کے تحت
جو سماجی اور سیاسی نظام پیدا ہوا ہے اس پر غلبہ ایک ایسے طبقہ کا ہے اور رہےگا جو ہمارے
تمدن سے مختلف ہے جس کا کلچر ہم سے مختلف ہے اس نظام میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے
کہ وہ جس طرح بہت سے لوگوں کو ایک وقت اور ایک ہی حالت میں برابر برابر ترقی کرنے
نہیں دیتا، اسی طرح بہت سے کلچروں کو پنپنے نہیں دینا چاہتا، وہ چاہتا ہے کہ ایک نظام
میں ایک ہی تمدن، ایک ہی کلچر اور ایک ہی زبان ہو تاکہ حکومت تعلیم اور قومی
ترقی کے دوسرے اداروں پر کم سے کم روپے خرچ ہوں اور پونجی پتیوں کو زیادہ سے
زیادہ منافع ہو، اب اگر ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم ہوئی اور مسلمانوں کو پورے
پورے اور بڑے بڑے کلچرل تحفظات ملے تو اس سے کیا ہوگا۔ امریکہ ایک بہت بڑا
جمہوریت پسند ملک ہے لیکن وہاں کے لال ہندوستانی وحشی کلچرل طور پر اس طرح پچھڑے
ہوئے ہیں کہ ان کا شمار وحشیوں میں ہوتا ہے۔ اسلئے آزاد ہندوستان کے جمہوری نظام
میں مناسب تحفظات کے باوجود بھی مسلم کلچر پنپ نہیں سکتا۔

ہاں یہ واقعہ ہے کہ آزاد جمہوریت میں مسلمانوں کی کلچرل ترقی ایک گونہ مسدود
ہو جائے گی مگر وہ آج سے بہتر ضرور ہوتی، جس طرح کروڑوں غیر مسلموں کی ہو سکتی
ہے، ہمیں اقلیت کے ایک ترقی پسند آزادی خواہ اور قوم پرور رکن کی حیثیت سے اس پر
سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ ہم اسوقت جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ ایک طرف اپنے پچیس
تیس کروڑ عوام کو مسئلہ کی اصلی نوعیت سمجھانے کیلئے لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف
اپنے ہندو مسلم ساتھیوں اور رہنماؤں کے سنجیدہ غور و فکر کیلئے ایک مسئلہ پیش کر رہے
ہیں (ہم اپنے ہندی داں ناظرین کی سہولت کیلئے اس تحریر کو ہندی اخبار جنتا میں بھی شائع
کر رہے ہیں) ہمیں اس سوال پر جو کچھ بھی غور کرنا ہے وہ تاریخ داں حقیقت بین کی طرح۔ ورنہ ہمیں
خطرہ ہے کہ جو وقت بھی ہم اس پر صرف کریں گے وہ ضائع ہی ہوگا، جب تک ان کلچرل محافظین کی
نظر سیدھی نہ ہونے اور ان کے قلب میں وسعت نہ آئے تب تک ہماری مسلم جنتا عوام کی

کلچرل اور اقتصادی ترقی کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی یا پھر مسلم عقائد اپنا ان استحصالی طاقتوں کے پنجوں سے نکل کر اپنی راہ آپ ہی متعین کرے۔

ہمارے نزدیک سوال کلچر کی صرف حفاظت کا نہیں ہے بلکہ اصل ایسے مادی مواقع فراہم کرنے کا ہے جس سے ہمارا کلچر بڑھے، پھلے اور پھولے اور اسکی چمک دمک سے ہمارے سماج کی تاریکی ختم ہو۔ افراد کی جہالت دور ہو اور ہر فرد مطلب کہا جاسکے ویسے مادی مواقع سرمایہ دار جمہوری نظام میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیوں ؟

کلچرل یا تمدنی ترقی کیسے ہوتی ہے ؟ اس کے ذرائع کیا ہیں ؟ مختصر لفظوں میں حکومت کی مشینری اور دولت کے ذرائع یعنی کان، کھیت، کارخانے اور مالیات وغیرہ آج غریب مسلمانوں پر ایک مایوسی چھائی ہوئی ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے یہ ذرائع مسلمانوں کو کہاں نصیب ہو سکتے ہیں۔ آج وہ برٹش سامراج ظاہری طرف دیکھتے ہیں۔ ایسے بدیسی سامراج کیطرف جسکا تمدن جسکی معاشرت اور جس کا مذہب اور جسکی زبان ہندستان کے باشندوں سے مختلف ہے۔ اسلئے عام لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے کہ غیر جانبدار ہیں۔ ان کی غیر جانبداری ہی مسلمانوں کی حفاظت ممکن ہے۔ اور ان کے رہتے ہوئے بھی ہندو اکثریت جب مسلمانوں کی حق تلفی کر سکتی ہے تو ان کے بعد نہ جانے کیا حشر ہو حالانکہ یہ مسلمانوں کی سمجھ کا قصور ہے۔ جس طرح ہندستان میں ایک الگ سرمایہ داری کی ترقی ہو رہی ہے اس سے انگریزی سامراج کا ہندو سرمایہ داری سے ناطہ مضبوط ہوتا جاتا ہے مسلمان اب ایک اقلیت کی حیثیت میں ایک بیکار طاقت ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے سامراج کی جو تھوڑی بہت سرپرستی (؟) مسلمانوں کو حاصل تھی وہ ختم ہوتی جاتی ہے پہلے حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ دونوں کو لڑاؤ اور حکومت کرو۔ آج حکومت یہ بھی نہیں چاہتی۔ وہ تو چاہتی ہے کہ ہندستانی پونجی جو ایک اپنے طبقاتی منافع کے لئے عوام کو ساتھ لیکر لڑ رہی تھی اسی کی نئے دستور کے ماتحت حکومت ہو یہی وجہ ہے کہ شہید گنج کی مسجد آپ کو نہیں ملی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے

خیر تو مسلمانوں میں یہ مایوسی چھائی ہوئی ہے کہ حکومت کے نظام اور دولت کے ذرائع ان کا قبضہ تو بڑی بات ہے ان پر ان کا کوئی اثر بھی نہیں ہو سکتا شاید اسی لئے مسٹر جناح اور حضرت شوکت علی دام ظلہم "ہندستان میں آزاد اسلام" کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس نعرہ کا جو مفہوم اور اس میں جو نیت پوشیدہ ہے اور اس کے تقاضوں کو یہ حضرات بھی خوب سمجھتے ہیں ان کی یہ مایوسی ایک حیثیت سے حق بجانب ہو اور دوسری حیثیت سے غلط بے بنیاد اور بے سروپا۔ جہاں تک آزاد ہندستان میں سرمایہ دار جمہوریت کا تعلق ہے ان کی یہ مایوسی اور خوف صحیح اور برنبائے حقیقت ہے، کیونکہ چند خاص قسم کے آئینی تحفظات کے بعد بھی عامۃ الناس کی کوئی وسیع اور غیر محدود اور کھلی ترقی ممکن نہیں۔ یہ خطرہ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں ہے بلکہ ہندو، سکھ اور اچھوت وغیرہ سبھوں کو ہے (ہم یہ بتا چکے ہیں کہ سرمایہ داری نظام میں خاص کی ہی ترقی کے مواقع اور امکانات رہتے ہیں جس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں) لیکن جمہوریت کے بعد ہی ایک اور منزل ہے جو اقلیتوں کی کلچرل ترقی کے حوصلوں اور لاتعداد عوام کی غربت اور مفلسی سے نجات حاصل کرنے کی آرزوؤں کی موجودہ فاقہ گری اور استبداد کی نہ تنہا تسکین اور تشفی کر سکتی ہے اور ہر وہ موقع دیتی ہے جس سے سماج کے ننھے ننھے پودے پھلتے اور پھولتے ہیں۔ وہ منزل ہے سوشلزم، اشتراکیت کی!

کارل مارکس نے ۱۸۴۸ء میں کہا تھا کہ پرولتاری (مزدوروں کی) ڈکٹیٹر شپ کے قائم ہوتے ہی مذہب اور قومیت کے اختلافات مٹ جائیں گے اور ایک نیا سماج پیدا ہوگا جس میں ہر ہر فرقہ کے اور ہر ہر قومیت کے لوگوں کو اپنی کلچرل انفرادیت کے نشوونما کے سادی اور ہمہ گیر مواقع ملیں گے جس سے دنیا اور سماج میں سچ مچ تہذیب آئے گی اور لوگ تمدن کی برکتوں سے فیضیاب ہوں گے۔ مارکس کی زندگی میں اکثر انقلاب ہوئے لیکن خود مارکس کو اس کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ اپنے نظریہ کو عملی جامہ پہنا سکے یہ کام شاید لینن ہی کو کرنا تھا اور سچ مچ اس روسی نے اپنے جرمن پیشرو رہبر کے تمام نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جس کی زندہ اور تازہ مثال آج روس ہے یا چین کے سوویٹ علاقے جس کی تعمیر پریسیڈنٹ ماؤ نے کی ہے۔

مارکس نے "سیعتہ" کہا اختلافات کے مٹ جانے کے متعلق جو کچھ کہا تھا اس کا یہ مفہوم نہیں تھا کہ انگریز انگریز نہیں رہیگا مسلمان مسلمان باقی نہیں رہیگا بلکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ آج ہندو اور مسلم میں جو کشمکش اور ٹکر ہے وہ مٹ جائے گی اور اقلیتوں کو پوری طرح ابھرنے کا موقع ملے گا یہی وجہ ہے کہ لینن نے ۱۹۰۳ء میں قوموں کی خود مختاری کے کامل حق' پرلیمان کی کانفرنس میں تجویز منظور کرالی۔ پھر ۱۹۱۳ء میں اپنی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے ایک اجلاس میں "اسکولوں اور سماجی زندگی میں دیسی زبان کے استعمال کے حق" کی حفاظت کا اعلان کیا، لینن برابر اس امر پر زور دیتا رہا کہ چھوٹی سی چھوٹی اقلیت کو بھی خود مختاری اور کلچرل آزادی ملنی چاہئے اور آج ہم سوشلسٹ روس میں ایسی کلچرل حقیقتیں دیکھ رہے ہیں جو خاص طور پر مسلم علاقوں میں ہیں، یہ مسلم علاقے "چین و عرب ہمارا" جیسے جذباتی کلمے بھول چکے ہیں اور وہ ایک حقیقت شناس کی حیثیت سے آذربائیجان، ترکمان، تاجک وغیرہ کو اپنا سمجھتے ہیں۔ وہ ترکوں کی سرپرستی لینے کے لئے نہیں مرتے اور وہ ماسکو کو ہی اپنا سیاسی قبلہ سمجھتے ہیں، گو کہ مکہ ان کا آج بھی مذہبی اور عقیدتی قبلہ ہے۔ سوشلسٹ روس نے اقلیتوں کے مسئلہ کو کیسے اور کس پہلو پر حل کیا ہے جو لوگ اس سوال کا وسیع مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اسٹالین کی کتاب "مارکسزم اور قومی سوال" اور یارموتسکی کی کتاب "سوویٹ روس کی یہودی اور دوسری قومی اقلیتیں" یا جیسل کی "روس میں سوویٹ راج" اور سڈنے ویب کی "سوویٹ کمیونزم" پڑھیں۔ اس کے علاوہ کلچر کا ال پر ڈاکٹر ہیکر کی "مذہب اور کمیونزم" اور البرٹ رہس کی "سوویٹ روس کی قومیت" وغیرہ سے بھی کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اقلیتوں کے متعلق سوشلزم کے جو عزائم کیا ہیں اس کا اندازہ روس کی اقلیتوں اور انکی کلچرل آزادی کے نظام اور روز روز کے عمل اور کاموں کو دیکھ کر اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ اسٹالن کی ۱۹۳۶ء کی اس تقریر سے بھی ہو چکا ہو جو اسٹالین نے نئے دستور اساسی کی بعض دفعات کی مخالفت میں کی تھی۔ روس میں دو ایوانی حکومت ہے جسکا ایک ایوان اقلیتوں کے نمائندوں اور جندوں کے لئے مخصوص ہے اور اسے قومیتوں کی مجلس کہتے ہیں۔ نئے دستور کے مسودہ میں اس مجلس کی منسوخی کی سفارش کی گئی تھی اور اس سفارش کی مخالفت کرتے ہوئے اسٹالین نے کہا تھا: "سوویٹ روس کی ایک ہی قومیت کی ریاست نہیں ہے یہ ریاست بہت سی قومیتوں سے مل کر بنی ہے..... قومی اقلیتوں کے خاص خاص مفاد ہیں جن کا تعلق ان کی قومی شکل و شباہت سے ہے، کیا ان خاص خاص مفاد کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، تب ان مفاد کیلئے اس مجلس کی ضرورت ہے، یہ مطلب حاصل ہی مجلس ہے جسے ہم اوپر بتلا چکے ہیں۔"

اس سے ہمارے مسلمان ساتھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندستان میں سوشلزم کو کلچرل ہوا ہم کیا ہیں اور سوشلزم سے مسلمانوں کو اقتصادی، سماجی اور سیاسی فائدوں کے علاوہ کلچرل فائدے کیا ہو سکتے

ہیں۔ ہندوستان میں ہندو مسلم جھگڑوں کی وجہ سوائے کلچر کے سوال کے اور کیا ہو۔ فرقہ پرستی اور اسی نفاق کی جڑ اسی لئے پھیلتا ہے کہ ہندو کلچر ایک محدود طبقاتی پیمانہ پر مسلم کلچر پر چھایا چلا جا رہا ہے۔ سوشلزم ہندو اور مسلم سکھ اور اچھوت کو طبقاتی ملکیت سے آزاد کرتی ہے اور انھیں ذہنی، علمی، اقتصادی اور کلچرل ترقی کا برابر برابر اور زیادہ سے زیادہ موقع دیتی ہے پھر کسی ایک کلچر کو دوسرے کلچر میں جذب نہیں ہونے دیتی، کسی ایک قوم کو دوسرے کا محکوم نہیں ہونے دیتی۔ لیکن آج ہمیں صاف صاف طرح سے یہ بھی سمجھ لینا ہے کہ ہندوستان میں کلچرل آزادی کی کیا شکل ہوگی اور مسلمانوں کا حکومت کی مشینری پر کیسے اور کس پیمانہ پر اور کس پیمانہ میں قبضہ یا اثر ہوگا؟

ہمارے سامنے آج اسوقت ہندوستان کی آبادی کے فرقہ وارانہ اعداد و شمار نہیں ہیں اور نہ ہم اسوقت کوئی ایسی کلچرل جمہوریت کی تعمیر کرنے جا رہے ہیں جو ہم اعداد و شمار سے بحث کر کے ایک نظام مرتب کر دیں۔ یہ کام اسوقت کا ہے جبکہ سیاسی مشینری پر بالا قبضہ ہو جائے اور ہم ایک سوشلسٹ جمہوریت کی تشکیل کرنے بیٹھیں۔ آج ہم صرف موٹی موٹی اصولی باتیں بتا دینا چاہتے ہیں۔ وہ موٹی موٹی باتیں کیا ہیں؟ (۱) پہلے تو ہمیں صوبوں کی موجودہ تقسیم میں بڑی بڑی تبدیلیاں کرنی پڑینگی کیونکہ آج صوبوں کی تقسیم ہی غلط اصولوں پر ہوئی ہے۔ مدراس کو لیجئے اس صوبہ میں چار مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، ان زبانوں کی ترقی ایک حکومت میں ناممکن ہے آج وہاں خواہ مخواہ ہندی لادی جا رہی ہے۔ اسی طرح بمبئی میں بھی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اس لئے پہلے تو صوبوں کی تقسیم ہمیں لسانی اور کلچرل اصولوں پر کرنی پڑیگی کیونکہ بغیر اس کے کوئی کلچرل جمہوریت پیدا ہو ہی نہیں سکتی (۲) ہمارے سوشلسٹ نظام حکومت میں سیاسی اور اقتصادی اختیارات عوام کے ہاتھوں میں ہوں گے اس طرح مقامی مزدور اور کسان سبھاؤں کے علاوہ ہر ہر شہر کے محلوں اور دیہاتوں کی پنچایتی کمیٹیاں اس محلہ یا وارڈ کی تعلیم، صفائی، امن اور دوسرے سیاسی اور حکومتی سوال انھیں پنچایتوں کے ہاتھوں سے پایا کریں گے۔ آج کل محلوں کی تقسیم جس طرح قائم ہے۔ اس میں عام طور پر یا تو ہندو ہوتے ہیں یا مسلمان۔ بعض بعض محلے یا گاؤں ایسے ہیں جن کی آبادی مخلوط ہے لیکن سوشلسٹ نظام میں چونکہ شخصی ملکیتوں کا وجود نہیں ہوگا، اس لئے مسلمانوں کو یا دوسرے فرقہ والوں کو اس کی پوری آزادی اور اجازت ہوگی وہ سب اس محلہ یا گاؤں سے منتقل ہو کر ایک خالص مسلم یا ہندو یا اچھوت یا سکھ گاؤں یا محلہ آباد کر لیں تاکہ ایک کلچرل فرقہ کو مقامی نظم و نسق نظام پر اختیار اور قابو حاصل ہوگا اور وہ اپنی تعلیم یا اخبار نگاری کو جس زبان میں چلانا چاہیں چلا سکیں گے۔ اب ہر ہر محلہ، شہر اور ضلع کے نمائندوں سے ایک صوبائی جمہوریت کی تشکیل ہوگی اس میں دو ایوان ہوں گے جس کا ایک ایوان اقلیتوں کیلئے ہوگا۔ بہار، یوپی یا جنوبی ہند کے صوبوں میں جہاں مسلمان بے پناہ اقلیت میں ہیں وہاں ان ایوانوں کے ذریعہ صوبوں کی حکومت اپر ان کا اثر اور دباؤ پڑے گا برخلاف اس کے سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال میں حکومتیں کلی طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں گی اور اقلیتوں کی مجلس یعنی سکھوں اور ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کے لئے کام کرے گی۔ ان سب صوبائی ریاستوں سے مل کر ایک ہندوستانی فیڈریشن (وفاق) بنے گا۔ اور یہ فیڈریشن بھی دو ایوانی مجلس پر مشتمل ہوگا جس میں ایک مجلس اقلیتوں کی ہوگی۔

جمہوری فیڈریشن تو شخصی ملکیت اور سرمایہ داری کے ساتھ بھی بن سکتا ہے لیکن اس میں نہ تو اقلیتوں کو کامل اختیارات مل سکتے ہیں اور نہ عام لوگوں کو اتنے مواقع جن کے ذریعہ وہ کلچرل ترقی کے خواب بھی دیکھ سکیں۔ یہ صرف سوشلزم ہی ہے جو ایک طرف عوام کو استحصال اور جبر سے نجات دلاتی ہے اور دوسری طرف اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کرتی ہے اور انھیں ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ آجکل کی جمہوری حکومتیں اقلیتوں کو مذہبی اقلیتیں تسلیم کرتی ہیں اور انھیں صرف مذہبی تحفظات اور شرائط کے ساتھ رسومات، عبادات اور ضمیر کی آزادی دیتی ہیں برخلاف اس کے سوشلزم ان مذہبی اقلیتوں کو قومی اقلیت تسلیم کرتی ہے اور مذہب اور ضمیر کی آزادی کے ساتھ ساتھ کلچرل اور حکومتی اختیارات بھی دیتی ہے، تاکہ وہ اپنی تعمیر اور ترقی کے ذریعہ ملک بھر کی متحدہ قومیت کی تعمیر اور ترقی کے سامان مہیا کریں، کوئی بھی ملی ترقی ٹھیک ٹھیک معنوں میں اسوقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ایک قوم کی تمام اقلیتیں ترقی کے ایک معیار پر نہ آجائیں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان، سکھ، اچھوت اور دوسرے پچھڑے ہوئے فرقے پچھڑے رہ جائیں تو جاندار قومیت کہاں سے پیدا ہوگی، سرمایہ دار جمہوریتیں اس کی پروا نہیں کرتیں کیونکہ ان جمہوریتوں پر قبضہ خاص خاص پونجی پتیوں کا ہوتا ہے اور وہ اپنے نفع کی لالچ میں اتنے وسیع پیمانہ پر ترقی کی دوڑ کو جاری نہیں رکھ سکتے ہیں، ہندوستان کے پینتیس کروڑ آدمیوں کی ترقی کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نفعے ہی بالکل ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ اسے گوارا نہیں کر سکتے برخلاف اس کے سوشلسٹ حکومت شخصی استحصال اور نفع کو جرم قرار دے کر دولت کے پیدا وار کا مقصد کلچرل آزادی اور ترقی تصور کرتی ہے اور اسی مقصد کے تحت کام کرتی ہے۔

[illegible]

"نوجوان طلباء سے"

(ہندی)

جوانو ہو گئی صبح عمل بیدار ہو جاؤ — زمانہ کام کرنے کا ہے اب ہشیار ہو جاؤ

فریب اس کے جاموں کی یہ سرمستیاں کب تک — سہو گے بیخودی میں آہ جور آسماں کب تک

رباب لطف کے تاروں کی جنبش ہوت ساماں ہے — وہ دیکھو سامنے اُٹھتی ہوئی شورش کا طوفاں ہے

بہت سیکھا ہے تم نے زور بازوئے صحافت کا — بتاؤ کچھ تمھیں احساس بھی ہے اپنی طاقت کا

ڈبو دے سارے عالم کو وہ بحر بیکراں تم ہو — تبر ہو، تیغ ہو، طوفان ہو، برق وسناں غم ہو

تمھاری آنکھ کے جو توں سے وہ شعلے نکلتے ہیں — کہ جن سے آسمانی بجلیوں کے پر جھلستے ہیں

ہوائے تند کہتے ہیں تمھاری سرد آہوں کو — بجھا دیتی ہیں جو ظالم حکومت کے چراغوں کو

وہی تم ہو کہ فطرت جنکے دل کی جنگ کوشی ہے — تمھاری زیست کا بس ایک مقصد سرفروشی ہے

تمھیں سے ہو گی اب تکمیل سعی ناتمامی کی — تمھارے ہاتھ سے ٹوٹے گی یہ بیڑی غلامی کی

وہ دیکھو ناؤ سے منجدھار میں کس نے پکارا ہے — تمھیں کو ناخدائی کیلئے بھارت نے تاکا ہے

بھنور سے اپنی کشتی تمنا پار ہو جائے — اگر تم ناخدا بن جاؤ بیڑا پار ہو جائے

یہی ہے وقت اٹھو برسرِ پیکار ہو جاؤ

جوانو! سرفروشی کے لئے تیار ہو جاؤ

روس کا پنجسالہ پروگرام

(قسط نمبر ۶)

بار برداری کے دریا

آئندہ ۵ سال میں ہم ہزاروں نئے کارخانے بنائینگے اور ان کارخانوں سے لاکھوں ٹن مال، ریل اور پانی کے راستوں سے ہر طرف بھیجا جائیگا جس طرح دریاؤں میں پانی بہتا ہے اسی طرح ان راستوں پر کوئلہ، لوہا، روئی، مشینیں، کپڑا اور تمام دوسرا سامان بہے گا۔ پانی کے دریا سمندر میں گرتے ہیں اور بار برداری کے ان دریاؤں کے اشیاء کے دریا صنعتی مرکزوں اور بڑے بڑے شہروں میں گریں گے اور سارے ملک میں سیلاب آئیں گے۔

پانی اپنی جگہ خود بنا لیتا ہے اور اپنے بہاؤ کا خود ہی بندوبست کر لیتا ہے لیکن کوئلہ، لوہا، روئی اور کاٹ کباڑ اپنے لئے راستہ نہیں بنا سکتے، یہ کام ہم کو کرنا ہوگا۔ ہمیں سارے ملک میں اشیاء کی افراط کر دینے کے لئے مناسب انتظام کرنا ہوں گے کہیں نہریں، کہیں ریلیں اور کہیں بندرگاہ بنانے ہوں گے اور نئے پل، پٹریاں اور بند تعمیر کرنا ہوں گے۔ اگر یہ کام ہم پورا نہیں کر پائیں گے تو سارا پنجسالہ پروگرام ابتر ہو جائے گا کیونکہ سنہ ۱۹۴۲ء تک ہمیں اب سے دونا سامان لانا اور لیجانا ہوگا، ہر نیا کارخانہ جو ہم بنائیں گے صرف کارخانہ ہی نہ ہوگا بلکہ ریلوے اسٹیشن بھی ہوگا۔

ریل گاڑیاں عمارت کے کونے کونے میں پہنچ جاتی ہیں۔ بعض اوقات انجنوں کے دھوئیں سے اندھیرا چھا جاتا ہے، کارخانوں میں ہر جگہ سیٹیاں سنائی دیتی ہیں اور ریلوے اور کارخانوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا، کسی بڑے کارخانہ کا نقشہ دیکھو تم کو سرخ سرخ گاڑیوں کی قطاریں نظر آتی ہیں، سگنل، پوائنٹ، مال گاڑیاں، گودام کیبن سب نظر آئیں گے، کارخانہ تک پہنچ کر ریل کی پٹری کی بہت سی شاخیں ہو جاتی ہیں تاکہ وہ ہر شعبہ تک جا سکے اور ہر محکمہ میں کچا مال اور ایندھن پہنچا سکے۔

اگر ان چیزوں کی درآمد برآمد بند کر دو تو سارا کام ٹھپ ہو جائیگا اور مشینیں مردہ ہو کر پڑ جائیں گی ہم کو سڑکیں پہلے سے تیار کر لینا ہیں، نہیں تو ہماری اشیاء کی ندیوں کے بہاؤ میں رکاوٹیں پڑ جائیں گی، ان میں آمد و رفت کی لہریں آ کر بند ہو جائیں گی، جنکشنوں اور گوداموں میں سامان اس طرح بھر جائیگا جیسے جھیلوں میں پانی۔

ہم اس طرح کی کوئی بات نہیں ہونے دیں گے

لیکن کیسے ہم کونسی ترکیب ایسی کر سکتے ہیں جس سے ریلیں اپنے دگنا سامان لائیں اور لیجائیں؟

ہم ریلوں کو اب سے زیادہ تیز چلنے پر مجبور کریں گے اور ہر انجن سے زیادہ سے زیادہ کام لیں گے اس کے لئے ہم کو ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ کوئی انجن اور کوئی گاڑی بیکار نہ کھڑی ہو آدمیوں کو سستانے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن مشینیں کبھی نہیں تھکتیں، مرمت وغیرہ کی دوسری بات ہے لیکن مرمت بہت ہی کم وقت میں کیا جا سکتی ہے اور کسی انجن کو کارخانہ میں ایک دن بھی بیکار نہیں گذارنا ہوگا۔

لیکن کام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، کل ضروریات پوری کرنے کے لئے ہم کو ہزاروں میل لمبی نئی سڑکیں تعمیر کرنا ہونگی۔ ہزاروں نئی گاڑیاں اور نئے انجن بنانا پڑیں گے، ریلوں کا جو جال ہمارے یہاں بچھا ہوا ہے اس کو پھر سے ترتیب دینا ہوگا اور ایک مکمل منصوبے کے مطابق اسکی پھر سے تعمیر کرنی ہوگی کئی چھوٹے چھوٹے کارخانوں کی بہ نسبت ایک بڑا کارخانہ زیادہ بہتر اور نفع بخش ہوتا ہے اسی طرح بہت سی چھوٹی چھوٹی ریلوں کے مقابلہ میں ایک بڑی ریل سے بھی بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

آخر یہ ریلوے ہے کیا؟ حقیقت میں دوسرے کارخانوں کی طرح یہ بھی ایک قسم کا کارخانہ ہے جس طرح کارخانوں میں مشینیں ہوتی ہیں اسی طرح ریلوے پر بھی مشینیں کام کرتی ہیں جس طرح ایک کارخانہ میں کاٹ کباڑ اور بیکار چیزوں سے ضرورت کا سامان اور کام کی چیزیں تیار ہوتی ہیں اسی طرح ریلوے سے بھی بیکار چیزوں کو فائدہ مند بنایا جاتا ہے، وہ لٹھے ہیں جو جنگل ہوتے ہیں وہ اگر وہیں چھوڑ دئے جائیں تو سڑ گل کر برباد ہو جائیں گے لیکن ریل ان کو وہاں سے اٹھا کر بڑے شہروں میں پہنچا دیتی ہے جہاں وہ سیکڑوں صنعتوں میں کچے مال کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔

غرضکہ ریلوے ایک فیکٹری ہے اور یہ فیکٹری جتنی زیادہ بڑی ہوگی اتنا ہی بہتر کام کرے گی۔

اپنے تمام کارخانوں میں ہم مضبوط سے مضبوط اور زیادہ سے زیادہ طاقت والی مشینیں لگاتے ہیں، کیونکہ انہیں بہت کفایت رہتی ہے۔ انکی طاقت کو دیکھتے ہوئے انہیں ایندھن کم خرچ ہوتا ہے اور وہ اپنے کمزور مخصوص کی بہ نسبت کام بھی بہتر کرتی ہیں ریلوے میں بھی بالکل یہی معاملہ ہے کارخانوں میں ہم بڑی بڑی مشینیں لگاتے ہیں اور ریلوں میں ہم بھاری سے بھاری انجن لگائیں گے۔ اب ہم پرانے میل کے چھوٹے چھوٹے انجن نہیں بنائیں گے بلکہ انکی جگہ پر دس دس پہیوں والے بھاری بھاری انجن ڈھالیں گے

کارخانوں میں دن پر دن بھاپ سے چلنے والے انجنوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور ان کی جگہ پر بجلی کے انجن قبضہ کرتے جا رہے ہیں اسی طرح ریلوں میں بھی ہم بجلی استعمال کریں گے ابھی ہمارے یہاں صرف چند بجلی کی ریلیں ہیں لیکن ہم تھوڑے ہی دنوں میں اپنے ملک کی تمام ریلوں کو ایسا ہی بنا دیں گے، کیونکہ بجلی کے انجن بہت ہی زیادہ منافع بخش ہوتے ہیں، بھاپ کے انجن کو خود ہی اپنے لئے طاقت پیدا کرنا ہوتی ہے اسمیں ایک کافی وزنی بوائلر ہوتا ہے اور بوائلر کے لئے کوئلے اور پانی کی خاصی بڑی مقدار ہر وقت ساتھ رکھنا پڑتی ہے لیکن بجلی کے انجن میں یہ کوئی بکھیڑا نہیں ہوتا، ایندھن جلانا، بھاپ بنانا یہ سب بجلی گھر میں ہوتا ہے اور وہیں سے انجن کو بنی بنائی بجلی ملجاتی ہے، اس کے علاوہ بجلی کا انجن بھاپ کے انجن کے مقابلہ میں بہت زیادہ ڈبے کھینچ سکتا ہے اور اس کی بہ نسبت اس کی رفتار بھی بہت تیز ہوتی ہے، اس میں پچکولے کم آتے ہیں اور اس لئے راستہ میں کوئی زیادہ تکلیف بھی نہیں اٹھانا پڑتی۔

لیکن جب اتنے بڑے فائدوں کی امید ہے تو ہم اپنی تمام ریلوں میں اسی طرح اصلاحات کیوں نہیں کر دیتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم کو

پیدا کرنے کے لئے ہمیں سارے ملک میں تاروں کا ایک جال بچھانا ہوگا اور ساری ملحقہ میں بجلی کا انتظام کرنا ہوگا، اتنا زبردست کام ۵ سال میں پورا ہو سکتا، اس لئے پہلے ہم ایک چھوٹے پیمانہ پر تجربہ کرلیں، پھر اس کے بعد بڑے بڑے کاموں کی طرف توجہ کریں گے۔

صرف بجلی استعمال کرنے لگنا ہی سب کچھ نہیں ہے، ریلوں کی رفتار بڑھانے کیلئے ہمیں بہت سی دوسری اصلاحات بھی کرنی ہیں جس طرح ہمارے کارخانوں میں خودبخود چلنے والی کلیں کام کرتی ہیں اسی طرح یہ کلیں ریلوے میں بھی کام آسکتی ہیں اور ان سے آدمیوں کا کام لیا جاسکتا ہے، آجکل بھی سگنل دینے اور پٹری جوڑنے کا کام مشینیں ہی کرتی ہیں ان مشینوں کے علاوہ سامان لادنے اور اتارنے۔ راستوں کی درست کرنے اور انجن کو کوئلہ دینے کے لئے بھی مشینیں ایجاد کرلی گئی ہیں۔

ریلوے ایک طرح کی فیکٹری ہے۔ لیکن اگر اس کو فیکٹری کے برابر کام کرنا ہے تو اس میں بہت سے ردوبدل کرنا پڑیں گے۔

دیوقامت سڑکیں | ہمارے یہاں دیوقامت کارخانے پہلے ہی سے موجود ہیں لیکن اب ہم دیوقامت سڑکیں بھی بنائیں گے جو بار برداری کے عظیم الشان دریا ہونگے۔ اس قسم کے سب سے زیادہ زبردست دریا سائیبریا سے ماسکو تک جائیں گے۔ راستہ بہت لمبا اور خراب ہے زمین اونچی ہوتے ہوتے پہاڑیوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اس کے بعد پھر میدان، میدان کے بعد جنگل اور جنگل کے بعد پھر پہاڑیاں۔ غرضکہ تمام راستہ میں یکے بعد دیگرے یہی نظارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس لامحدود راستہ پر لاکھوں ٹن اناج اور دوسری چیزیں جائیں گی مگر اس میں خرچ کتنا ہوگا؟ ایک ٹن سامان کو ایک میل کے فاصلہ پر لیجانے میں ایک پنس (تقریباً ایک آنہ) خرچ ہوگا لیکن جب لاکھوں ٹن مال لاکھوں میل کے فاصلہ پر جائیگا تو۔۔! اسوقت لاکھوں پنس خرچ ہونگے گویا ۵۰ ہزار پونڈ سے بھی اوپر!

اور اگر ہم سائیبریا کو ماسکو کے نزدیک لے آئیں تب۔۔! اسطرح ہم بہت کافی رقم بچالینگے اور رقم کا مطلب ہے محنت۔ ہماری اپنی محنت۔

لیکن کیا واقعی ممکن ہے کہ ہم دو خطوں کو جو ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہیں قریب قریب لے آئیں۔

ہاں یہ ممکن ہے! نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماسکو سے نووو سیبرسک تک بہت سی جگہوں پر راستہ میں بلاضرورت موڑ بنادئے گئے ہیں، اگلے لوگوں نے ایسے راستے کیوں بنائے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ انقلاب سے پہلے ریلیں بنانے میں کسی خاص ترتیب یا منصوبے کی پابندی نہیں کیگئی تھی اب ہمیں یہ راستے سیدھے کرنے ہیں، دوسروں کی غلطیوں کو درست کرنا ہے۔

اس طرح بہت کچھ راستہ کم ہوجائے گا لیکن ہماری کوششیں یہیں پر ختم نہیں ہوجائیں ہم سائیبریا کو اور بھی نزدیک لاسکتے ہیں، ہم نئے راستے ایسے بنائیں گے جنمیں اتار چڑھاؤ بہت ہی کم ہوں کیونکہ جتنے زیادہ اتار چڑھاؤ ہوں گے اتنی ہی زیادہ محنت پڑے گی انجن کو گاڑی کھینچنے میں۔ اور جتنی زیادہ محنت پڑے گی اتنا ہی زیادہ کوئلہ خرچ ہوگا اور کوئلہ میں لگتا ہے پیسہ۔ اس لئے ہمیں اس میں زیادہ سے زیادہ بچت کرنا چاہئے۔

ہم بلاضرورت کے موڑ ہٹا کے اور راستہ کے اتار چڑھاؤ برابر کرکے سائیبرین ریلوے کو ایک نیا جامہ پہنا دیں گے، یہ ریلوے رفتار میں موجودہ ریلوے سے بہت زیادہ تیز جائے گی اور ایک ٹن فی میل پر ایک پنس کے مقابلہ میں ایک فارتھنگ بھی نہیں خرچ ہوگا اسمیں صرف ½ فارتھنگ لگے گا۔

اسی کو کہتے ہیں ماسکو اور سائیبریا کو پاس پاس لا رکھنا!۔

نئی ریلیں | پرانی ریلوں کو نئے طرز پر بنانا ہی کافی نہیں ہے ہم کو چاہئے کہ ہم اسکے علاوہ بہت سی نئی ریلیں اور بنائیں۔

بہت سے مقامات پر ریلوں کی کمی کی وجہ سے اچھے خاصے جنگل سڑگل کر برباد ہوجاتے ہیں۔ لوہے۔ کوئلے اور دوسری معدنیات کی بہت بڑی مقدار زمین کی گہرائیوں میں بیکار پڑی رہتی ہے۔ ترکستان میں قابل کاشت زمین کے صرف ایک چوتھائی حصہ میں روئی کی کاشت ہوتی ہے اور ہم کو روئی کی اتنی زیادہ ضرورت ہے کہ ہم اس کو امریکا اور مصر سے منگاتے ہیں، ہم ترکستان بھر میں اس کی کاشت کیوں نہیں کرتے؟ اس لئے کہ یہاں ہم کو غلہ بھی بونا پڑتا ہے۔ سائیبریا میں ضرورت سے زیادہ غلہ پیدا ہوتا ہے لیکن چونکہ ریلوے کا مناسب بندوبست نہیں ہے اس لئے غلہ ترکستان نہیں لیجایا جاسکتا ورنہ ترکستان میں غلہ پیدا کرنے کے بجائے ہم روئی پیدا کرتے اور غلہ سائیبریا سے لے آتے۔

اس مثال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریلوے سے تمام دنیا پر کتنا اثر پڑتا ہے ایک ریل کی کمی کا اثر سائیبریا، ترکستان اور ماسکو میں تو محسوس ہی کیا جاتا ہے لیکن اسکے بن جانے سے امریکہ اور مصر کے سرمایہ داروں پر بھی خاصا اثر ہوگا۔

اب ہمارے یہاں یہ ریل تیار ہوگئی ہے تین سال ہوئے کہ ہمارے ہوابازوں نے دشوارگزار دروں اور وادیوں کے اوپر اڑکر تصویریں لیں اور ان کی مدد سے ریلوے لائن کا نقشہ تیار کرلیا چنانچہ فوراً دونوں سروں سے کام شروع کردیا گیا اور اندازے سے پہلے ہی ۲۸ اپریل ۱۹۳۰ء سے ریلوے چالو ہوگئی، یہ تو صرف ایک ریلوے ہے ہم کو گیارہ ہزار دو سو پچاس میل نئی ریلوے لائن کی ضرورت ہے۔ ہر نئی ریلوے گویا ایک آہنی کنجی ہوگی، جو ہمارے لئے قدرت کے مقفل دروازے کھول دے گی۔

بغیر پٹریوں کے راستے | پنجسالہ پروگرام کے مطابق ہم ۳۳۰۵ نئے انجن اور ۱۶۵۰۰۰ نئی گاڑیاں بنائیں گے، لیکن موٹروں کے بغیر یہ انجن اور گاڑیاں سب بیکار کھڑی رہیں گی۔ کیونکہ ہم ہر فارم اور ہر دیہات کے واسطے ایک مخصوص ریلوے نہیں بنا سکتے، ایک ریلوے کی وہی حیثیت ہے جو ایک بڑے دریا کی اور بڑے دریا کی زندگی اسی میں ہے کہ سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہریں، چشمے اور نالے اس میں گرتے رہیں ورنہ وہ سوکھ جاتا ہے ہم کو صرف ریلوں ہی کی نہیں بلکہ موٹروں کی بھی ضرورت ہے ہم صرف میلوں لمبی ریل کی پٹریاں ہی نہیں چاہئیں بلکہ بغیر پٹریوں کے راستوں کی بھی ضرورت ہے۔

ہمارے پاس اس طرح کے ۱۹۰۰۰۰۰ میل لمبے راستے ہیں یہ دوری زمین اور چاند کے فاصلہ کا ⅛ ہے، لیکن ان راستوں کی حالت بہت خراب ہے اچھے راستوں کی لمبائی صرف ۶۲۵۰ میل ہے۔ باقی کی حالت ایسی ابتر ہے کہ ان پر موٹر کیا ایک بیل گاڑی بھی ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتی۔ پنجسالہ پروگرام نے ۲۲۵۰۰ میل پختہ سڑکیں

بنانے کا کام ہمارے سامنے رکھا ہے لیکن ان کے علاوہ ہر شہر اور دیہات کو بھی اپنی اپنی سڑکوں کی فکر کرنی چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ خراب سڑکوں اور گاڑی بار برداری کی وجہ سے ہر مرد، عورت اور بچے کو کئی کئی پونڈ سالانہ کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ہوائی جہاز | ۱۹۳۲ء تک ہمارے پاس اب سے چوگنے ہوائی جہاز ہو جائیں گے ان کا کام صرف یہی نہیں ہوگا کہ آدمی ڈاک اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائیں وہ دشوار گزار پہاڑوں پر اڑ کر کام کی دریافت کریں گے، اوپر سے تصویریں لیکر ریلوں اور سڑکوں کیلئے نقشے تیار کریں گے اور کھیتوں اور جنگلوں پر کیمیاوی اجزا کی بارش کر کے ان کو نقصان دہ کیڑوں سے پاک کر دیں گے۔

دریا | ہم نے ہزاروں میل لمبی سڑکیں اور ریل کے راستے بنانے کا ارادہ کیا ہے لیکن قدرت نے پہلے ہی سے ہمارے لئے دریا بنا رکھے ہیں جن سے بھی ہم یہی کام لے سکتے ہیں، البتہ جدھر ان راستوں کو جانا چاہئے، فی الحال وہ ادھر نہیں جاتے۔ لیکن ان کو ٹھیک طرف لیجانا ہمارا کام ہے بند بنا کر ہم کئی کئی دریاؤں کو جوڑ سکتے ہیں، اور ان کو ایک سمندر سے ہٹا کر دوسرے میں گرا سکتے ہیں۔ یہ کام ذرا مشکل ہے لیکن ہمارے پاس مشینیں ہیں اور جو ارادہ ہم نے کر لیا ہے اسکو ہم پورا کر کے رہیں گے۔

چند سالوں میں سادیٹ روس کے تمام نقشے بدلنے پڑیں گے ان میں نئے دریاؤں اور نئی نہروں کے لئے جگہ نکالنی ہوگی، ہر سال جب برف پگھلتی ہے تو پانی دریاؤں اور نالوں میں ہو کر بیکار بہہ جاتا ہے۔ ہم اس پانی کو بند بنا کر قید کر لیں گے اور اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

اب وہ زمانہ نہیں ہے جب دریاؤں کو دیکھ کر آدمی خیالی منصوبے بنایا کرتا تھا اور زیادہ سے زیادہ قدرت کی تعریف میں کچھ شعر کہہ ڈالتا تھا، ہمیں دریاؤں سے کام لینا ہے ان پر جہاز چلانا ہیں اور ان کے بہاؤ سے بجلی بنانا ہے۔

خبریں

:ہندستان کے باہر:

چین کی جیت

۲۰۔ مارچ۔ ہانکاؤ جنرل پائی چنگ ہسی، جو بہت مشہور جنگی سالار ہے ٹسی نگ کے بائیں محاذ کی خود سالاری کر رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جاپانی فوج کے داہنے بازو کو ٹسنگ اور ٹاؤ ننکاؤ پر حملہ کر کے توڑ دیا جائے۔

۲۸۔ شنگھائی۔ جاپانیوں نے آٹھ نئے دستے فوج کے بھیجے ہیں۔ ادھر ان کا بیان ہے کہ ٹنٹ سن۔ پکاؤ ریلوے کے محاذ پر ہم اچھی طرح چینیوں کے حملوں کی جت کر رہے ہیں چینیوں کا بیان ہے کہ ادھر چند دنوں میں انھوں نے جتنی جگہ فتح کر لی تھی سب بالکل محفوظ ہے اور بڑی نہر کو انھوں نے پار کر کے اپنی پشت پر لے لیا ہے۔

۳۰ مارچ پائی پنگ۔ شمالی چین میں جو جاپانی فوجیں تھیں وہ بہت بدحواسی سے شن ٹنگ کے محاذ کی طرف جا رہی ہیں۔ قیاس ہے کہ ادھر جاپانی فوجوں کی شکست ہو رہی ہے پائی پنگ میں جو جاپانی فوجی افسر موجود ہیں انھوں نے اس کے متعلق بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانیوں نے ٹنٹ سن۔ پکاؤ ریلوے کے محاذ پر بڑی فتح حاصل کر لی ہے۔

۳۰۔ مارچ ہانکاؤ۔ جاپانی فوجوں نے پھر ہٹنا شروع کیا اور چینی فوجوں نے بہت باقاعدگی سے انکی چھوڑی ہوئی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔
چینیوں نے ینگ چاؤں پر قبضہ کر لیا جو صوبہ شن ٹنگ کی راجدھانی ٹسی نان سے صرف ۴۰ میل پر ہے۔
چینی جو جاپانی فوجوں کو اندر ہنکاتے جاتے ہیں اور ان کے پیچھے ریلوں اور سڑکوں اور دوسرے راستوں کو خراب کرتے جاتے ہیں تاکہ باہر سے ان کو مدد نہ پہونچ سکے۔
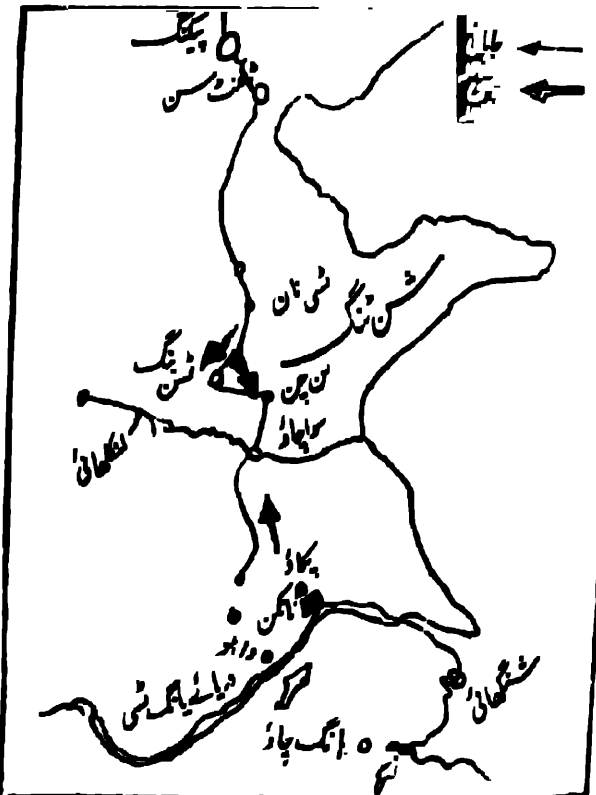
۳۱۔ مارچ۔ ۴ ۔ ۵ ہزار جاپانی فوج کو جو ٹنٹ سن پکاؤ ریلوے پر لڑ رہی تھی چینیوں نے اس طرح گھیر لیا ہے کہ ان کے بچاؤ کی اب کوئی صورت نہیں۔
چینیوں کے سالار کا بیان ہے کہ چینی فوجوں نے لن چنگ اور ٹسن ننگ کو دوبارہ جیت لیا، جاپانی فوجیں اس جگہ سے بری طرح بھاگ رہی ہیں۔

چینیوں کی فتح شنگھائی پر - چینی فوجیں دو مہینے سے جاپانیوں سے گولہ باری کر رہی تھیں۔ ان کے حملے تین طرف ہو رہے تھے۔ شنگھائی، واہو اور سانگ چاؤ۔ اب چینیوں نے باقاعدہ حملہ کیا اور دس دن کے اندر اندر واتنا جیت لیا کہ شنگھائی صرف ۱۰ میل رہ گیا۔

چین میں جاپانیوں کی دوسری حکومت ۔ ۳۰ مارچ آج جاپانیوں نے چین میں دوسری حکومت کی۔ نانکن کو راجدھانی بنا کر بیل منائی۔ اس حکومت کا نام ہوگا "جمہوری چین کی نئی حکومت" اس کے دائرے میں تین صوبے ہوں گے۔ کیانگسو چکیانگ، انہوائی۔ ان کی مجموعی آبادی آٹھ کروڑ دس لاکھ ہے۔

اسپین

۲۶ مارچ۔ باغیوں کے پاس اکدم سے ہوائی جہازوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ ایکسو تیرہ ہوائی جہازوں نے فراگا پر بم باری کی اور چالیس نے لریدا کی سڑک اور ریلوے پر بمباری کی۔ ایک دیہات روزل کو بالکل تباہ کر دیا گیا۔

حکومت کا بیان ہے کہ جب لریڈا پر حملہ ہو رہا تھا۔ تو دشمنوں کے بارہ ہوائی جہاز جل گئے، اور ہوائی جہاز شکن توپوں سے سات ہوائی جہاز گر گئے۔

۳۱ مارچ۔ باغیوں کی فوج کی رفتار ایک دم سے تیز ہو گئی، کیونکہ جن مقامات پر ابھی تک حکومت کی فوجیں ان کا حملہ روک رہی تھیں ان کو خالی کر کے وہ یکایک پیچھے ہٹ گئیں۔

ترول - میڈرڈ اور ٹیرنا گر پر جمہوری فوجیں باغیوں کو روکے ہوئے ہیں لریڈا تین طرف سے گھرا ہوا ہے اور گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔

۱۳ مارچ۔ بارسلونا۔ لریڈا میں والنٹیروں کی فوج ایک آخری لڑائی کی تیاری کر رہی ہے راتوں کو شہری باشندے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ خیال ہے کہ اب یہ شہر بچ نہیں سکتا۔

روس کی تیاریاں جاپان سے بچنے کیلئے

روس بیرونی منگولیا کی سرحد پر بیرونی منگولیا اور مانچوریا کا سامنا کرتی ہے، فوجوں اور جنگی سامان کی تعداد بڑھا رہا ہے۔

بیرونی منگولیا کی سوشلزمی سبھائی حکومت، روسی فوجوں کی مدد سے جاپانی حملے سے بچاؤ کا سامان کر رہی ہے اس وقت اسکی سرحد پر پچاس ہزار پیادہ فوج ہے جس کے ساتھ سوار، توپیں، جنگی ہوائی جہاز اور جنگی موٹریں بھی ہیں۔ یہ بھی خبر ہے کہ روسی فوج کے کچھ ٹکڑے ... اور بیرونی منگولیا کی خاص خاص جگہوں پر تعینات ہیں۔

انگلستان اور اٹلی میں بات چیت

۳۱ مارچ۔ قیاس ہے کہ اس بات چیت میں بحر احمر اور فلسطین کے مسئلوں کے متعلق بات طے ہو گئے ہیں۔ لیکن نہر سویز کا مسئلہ ابھی تک بحث میں نہیں لایا گیا۔

ہندستان

رشوت کے مجرم یہ افواہ مشہور ہو رہی ہو کہ اس صوبہ میں سرکاری ملازمتوں میں رشوت ستانی کی تحقیقات کے سلسلہ میں ہندو افسروں کے مقابلہ میں مسلمان افسروں پر زیادہ تعداد میں کاروائی کی گئی ہے، یہ افواہ بالکل بے بنیاد ہو کیونکہ رشوت ستانی کے الزام میں ۱۰۱ ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف ۹ مسلمانوں کے خلاف کاروائی کی گئی ہے۔ (پریس نوٹ)

آنریری مجسٹریٹ حکومت یو۔ پی نے آنریری مجسٹریٹوں کی تقرری کے قاعدوں پر نظر ثانی کر کے یہ طے کیا۔ ہے کہ اگر کوئی شخص ہر دوسری طرح سے آنریری مجسٹریٹ بنائے جانے کا اہل ہو تو وہ اپنے حلقہ انتخاب میں محض لیجسلیٹو کونسل یا اسمبلی کے ممبر ہونے کی وجہ سے آنریری مجسٹریٹی سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح سے کونسل و اسمبلی کے وہ ممبر جو خاص حلقوں مثلاً - یورپین۔ اینگلو انڈین - چیمبر آف کامرس۔ لیبر، انجمن تعلقہ داران وغیرہ سے منتخب ہوئے ہیں اور کونسل میں نامزد کئے ہوئے ممبر بھی ہر ضلع میں آنریری مجسٹریٹ ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو ذاتیں مندرجہ فہرست ہیں ان کا کوئی ممبر اپنے ہی حلقہ میں آنریری مجسٹریٹ نہیں ہوگا۔

دوسری ترمیم یہ کی گئی ہے کہ جس طرح زمیندار لوگ اپنے علاقہ میں آنریری مجسٹریٹ نہیں ہوں گے۔ اسی طرح سے کوئی مہاجن یا ساہوکار اس علاقے میں جسمیں کہ وہ لین دین کا کاروبار کرتا ہو۔ آنریری مجسٹریٹ نہیں بن سکتا۔

یو۔ پی اسمبلی

۲۰ مارچ کو یو۔ پی اسمبلی میں وزیر اعظم نے جنگلات کی مد میں ۲۰۰ر۲۵ر۲۴ روپیہ منظور کئے جانے کی تحریک کی۔ کئی تخفیفی تحریکیں پیش ہوئیں لیکن معمولی بحث مباحثہ کے بعد سب واپس لے لی گئیں اور پوری رقم منظور ہو گئی۔ اس کے بعد وزیر عدل و انصاف نے ۵۹ر۰۳۰ر۱۵ روپیہ کا مطالبہ پیش کیا۔ ایوان کے ہر حصہ سے اسیسروں کی برائی کی گئی اور کہا گیا کہ یہ لوگ قانون سے واقف نہیں ہوتے اس لئے ان پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ محض بیکار جاتا ہے، وزیر عدل و انصاف نے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ حکومت اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں ایوان کے سامنے اپنا فیصلہ پیش کر دیگی۔ مسٹر عزیز احمد نے تخفیفی تحریک کے ذریعہ پنچ (جوری) مقرر کرنے کے طریقے کے بھی ختم کر دئے جانے کا مطالبہ کیا۔ ایوان میں اکثریت اس تجویز کے خلاف تھی اس لئے تحریک واپس لے لی گئی۔

۳۱ مارچ کو سید حسن علی خان نے سیشن جج، سول جج اور منصفوں کے تبادلے کے بارے میں حکومت کی پالیسی پر بحث کرنے کے لئے ایک تحقیقی تحریک پیش کی۔ وزیر عدل و انصاف نے کہا کہ تبادلے کے متعلق تمام تر ذمہ داری ہائی کورٹ پر رہتی ہے اور وہی اس کے قاعدے بناتی ہے۔ مسٹر عزیز احمد نے ایک تحقیقی تحریک کے ذریعہ حکومت سے درخواست کی کہ وہ جوڈیشل افسروں کو ہدایت کردے کہ وہ لوگ سرکاری عملے سے اپنے ذاتی اور نجی کام نہ لیا کریں۔ وزیر انصاف نے کہا کہ عام طور پر جوڈیشل افسران اس قسم کی بے عنوانیاں نہیں کرتے ہیں لیکن اگر کہیں پر ایسا ہوگا تو ہائی کورٹ کو اس کی اطلاع کردی جائے گی۔ چودھری جعفر حسین خاں نے عدالتوں کی زیادتیوں کی طرف حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ عام طور سے عدالتیں دوران اسمبلی ایسے مقدمے جن میں ایوان کے کسی ممبر کو وکیل یا ایک فریق کی صورت میں حاضر ہونا ہوتا ہے۔ ملتوی نہیں کرتیں۔ وزیر انصاف نے جواب دیا کہ ہائی کورٹ نے اپنے قواعد میں اس کی رعایت کردی ہے لیکن چیف کورٹ نے ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ وکالت، اور ایوان میں رہ کر سیاسی کام، دونوں ایک ساتھ نہیں ہو سکتے۔ مسٹر لاری نے ایک تحقیقی تحریک کے ذریعہ اس بات پر زور دیا کہ ماتحت عملہ کی تنخواہیں بڑھائی جائیں۔ آنریبل وزیر نے جواب میں بتایا کہ حکومت اس سوال کی اہمیت کا اندازہ کرتی ہے اور اس پر غور کررہی ہے اور چند مہینوں ہی میں کوئی تشفی بخش فیصلہ کردیا جائے گا۔ تحریک واپس لی گئی۔ مسٹر کریم الرضا خاں نے ایک تحقیقی تحریک کے ذریعے عدالتی اور انتظامی محکموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کئے جانے پر بحث کرنا چاہی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ دستور میں عام طور پر صحیح فیصلے نہیں ہو سکتے کیونکہ جو مجسٹریٹ عدالتی کارروائی کرتا ہے وہی انتظامی کارروائی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے اور اس لئے پولیس کے اثر میں ہوتا ہے۔ آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے قانون ہند ۱۹۳۵ء کی بندشیں تسلیم کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ حکومت اس مسئلہ پر ایک کمیٹی مقرر کرے گی جو کل حالات کی تحقیقات کرکے حکومت سے سفارش کرے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ وزیر اعظم سے کہہ کر پولیس سپرنٹنڈنٹوں کے نام ہدایات جاری کرادیں گے کہ وہ لوگ مجسٹریٹوں کے کام میں کسی طرح بھی دخل نہ دیا کریں۔

یکم اپریل کو مسٹر ظہیر الحسنین لاری کے یو۔ پی کے قرضداروں کے بل پر بحث شروع ہوئی۔ بیگم لکشمی شنکر اچپئی نے ترمیم پیش کی کہ اس بل کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کردیا جائے، ترمیم پاس ہوگئی۔ اس کے بعد شیخ امتیاز احمد کی طرف سے مولوی فصیح الدین نے یہ تجویز پیش کی "یہ ایوان حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ ہر سال لیجسلیچر کا کم سے کم ایک اجلاس اگست یا ستمبر میں نینی تال میں منعقد کیا جائے۔" انھوں نے کہا کہ حکومت کو اس معاملہ میں کفایت شعاری نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے نینی تال کی تجارت اور وہاں کے رہنے والوں کی آمدنی پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ گرمیوں میں پہاڑ پر کام بھی زیادہ اور اچھا ہو سکے گا۔ پنڈت گووند بلبھ پنت نے کہا کہ بجٹ میں نینی تال کا خرچہ شامل نہیں کیا گیا ہے اور بجٹ پر بحث کرتے وقت کسی ممبر نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب حکومت نے ایوان میں پہاڑ پر جانا ملتوی کرنے کا اعلان کیا تھا اس وقت ہر طرف سے لوگوں نے اس خیال کی تائید کی تھی اور آج تک اس کے خلاف کسی نے بھی آواز نہیں بلند کی۔ ووٹ پڑنے پر قرارداد مسترد ہوگئی اس کے بعد مولوی فصیح الدین نے مسٹر ظہیر احمد کی طرف سے یہ قرارداد پیش کی ہے "یہ ایوان حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ جو قراردادیں وزیر تعلیم کی زیر صدارت مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۲ء میں پاس کی گئی تھیں ان کو فوراً عملی جامہ پہنایا جائے" اس قرارداد پر بحث جاری تھی کہ اجلاس دو شنبہ کیلئے ملتوی ہوگیا۔ ۲ اپریل کو اسی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر سمپورنانند وزیر تعلیم نے کہا کہ بعض ممبروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ تمام فرقہ وارانہ قسم کی درسگاہوں کو بند کردے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ فرقہ وارانہ اداروں کو ختم کردیا جائے۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی کل فرقوں کی تعلیمی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔ مسلمانوں کی تمدنی تعلیم کے بارے میں آنریبل وزیر نے بتایا کہ ہندو تمدن اور مسلم تمدن کوئی چیز نہیں ہیں۔ اصل میں ملک میں ایک تمدن ہے اور وہ ہندوستانی تمدن ہے۔ عرب اور ایران دونوں مسلمانوں کے ملک ہیں لیکن ان کا بھی تمدن جدا جدا ہے۔ مصوری۔ فن تعمیر اور موسیقی سے تمدن ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن موسیقی میں ہندو راگ اور مسلم راگ یا ہندو سُر اور مسلم سُر نہیں ہوتے۔ حکومت کو مسلمانوں کی تعلیم کیساتھ پوری پوری ہمدردی ہے اور وہ ان کی شکایات پر غور کررہی ہے۔ مولوی فصیح الدین نے وزیر تعلیم کو ان کی تقریر پر مبارکباد دی اور ان کو یقین دلایا کہ مسلمان تعلیم میں فرقہ پرستی کو ہرگز دخل دینا نہیں چاہتے۔

مسٹر بی۔ وشوا ناتھ پرشاد نے یہ قرارداد پیش کی: "یہ ایوان حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ وہ نیچ ذات میں تعلیم پھیلانے کے لئے اپنے موجودہ قلیل خرچ میں ہر سال دو لاکھ روپیہ کا اضافہ کرتی رہے جب تک کہ یہ رقم ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ ہوجائے۔" مسٹر دیال داس بھگت نے ایک ترمیم کے ذریعے آخر کا حصہ جس میں رقم کو مقرر کردیا گیا ہے تجویز سے علیحدہ کردئے جانے کی تحریک کی۔ وزیر تعلیم نے جواب میں کہا کہ ان کو اس قرارداد کے نفس مطلب سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ عوام کا ایک طبقہ تعلیم میں دوسروں سے پیچھے رہے اور یہ بھی بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ لوگ نیچ ذات کہلائیں۔ انھوں نے بتایا کہ ابھی حال میں پچھلے سال سے وہ نئے نیچ ذات کے لوگوں کو تعلیمی وظائف ملیں گے۔ ترمیم منظور کرلی گئی اور قرارداد پاس ہوگئی۔ اس کے بعد شیو رام ویدنے یہ قرارداد پیش کی: "یہ ایوان حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ ال۔ ایم۔ پی ڈاکٹروں کو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں بیٹھنے کے لئے کافی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ ڈاکٹر مراری لال نے ترمیم پیش کی کہ اس قرارداد میں یہ بھی شامل کرلیا جائے کہ آگرہ میڈیکل اسکول میں بجائے انٹرنس کے ایف۔ اے پاس طالب علم لئے جایا کریں اور تعلیم کی مدت ۴ سال سے بڑھا کر ۵ سال کردی جائے اور موجودہ ال۔ ایم۔ پی ڈاکٹروں کو لکھنؤ میڈیکل کالج میں ۲ سال کی مزید تعلیم کے بعد ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان دینے کی اجازت دیدی جائے۔ آنریبل وجے لکشمی پنڈت نے کہا کہ حکومت نے کل معاملے کی تحقیقات کیلئے ایک کمیٹی مقرر کردی ہے اور اسکی رپورٹ سے پہلے اس قسم کی کوئی قرارداد منظور نہیں کیجا سکتی۔ مسٹر وید نے اپنی قرارداد واپس لے لی۔

ورکنگ کمیٹی

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس یکم اپریل کو کلکتہ میں شروع ہوا۔ آسام اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر گوپی ناتھ باردولوئی نے اپنی پارٹی کی حالت بیان کی اور آسام میں مشترکہ کانگریسی وزارت کے امکانات پر اپنی رائے ظاہر کی۔ مسٹر باردولوئی نے میٹنگ کے بعد پریس کے نمائندوں سے کہا کہ ورکنگ کمیٹی ان کو دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر مشترکہ وزارت بنا لینے کی اجازت دینے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ دوسری پارٹیاں

بھی کانگریس کے پروگرام پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔

۲۔ اپریل کو بین الاقوامی معاملات پر ایک قرارداد کی رو سے طے کیا گیا کہ صدر کانگریس، جنرل سکریٹری اور پنڈت جواہر لال نہرو کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ یہ کمیٹی بین الاقوامی معاملات پر ورکنگ کمیٹی کو مشورہ دے گی اور باہری ممالک کو کانگریس کے نظریہ سے آگاہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریگی کانگریس کی غیر ملکی معاملات پر کی قرارداد اور دوسری قراردادوں کی روشنی میں جو کارروائی مناسب سمجھے گی کریگی۔ دوسری قرارداد میں پاس کیا گیا کہ نظر بند اور سیاسی قیدی جو کہ جناب رہا کردئے گئے ہیں تین مہینہ تک کانگریس کے ممبر رہے بغیر (جو کہ دستور العمل کے مطابق ضروری ہے) بنگال صوبجاتی کانگریس کمیٹی کے چناؤ میں کھڑے ہونے کی اجازت دیدی جائے۔ تیسری قرارداد میں ہندوستان کے اندر غیر ملکی تجارتی کمپنیوں پر جو اپنے کو ہندوستانی ظاہر کرتی ہیں تشویش ظاہر کی گئی۔ اس سلسلہ میں نئے آئین کی بھی برائی کی گئی جس کی رو سے ہندوستانیوں کو قومی اور غیر ملکی اور خاص کر برطانوی مفاد میں تفریق کرنے کے حق سے محروم کردیا گیا ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے یہ صاف کردیا ہے کہ تجارت و صنعت کے لئے ہندوستانی سرمایہ نہ ملنے پر باہری سرمایہ لگایا جاسکتا ہے لیکن اس کو ہندوستانیوں کے زیر انتظام ہونا چاہئے اور ہندوستانی مفاد میں صرف ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ شرط ہندوستان کی اقتصادی آزادی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مولانا ابوالکلام کی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے بابو جگت رام کو پنجاب اور سرحد میں کانگریس کی تنظیم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا

۳۔ اپریل کو آل انڈیا مارواڑی فیڈریشن کی درخواست پر غور کرنے کے بعد ایک قرارداد میں پاس کیا گیا کہ برطانوی ہند کے صوبوں میں ریاست کے رہنے والوں پر ملازمت اور حق رائے دہندگی کے سلسلہ میں کوئی پابندی عائد کی جائے اور کانگریسی حکومتوں سے درخواست کی جائے کہ نئے آئین کی دفعہ ۲۶۲ کے مطابق ایک اعلان کے ذریعے اس معاملہ کو صاف کردیں

۴۔ اپریل کو بنگال میں مشترکہ وزارت کے امکانات پر غور کیا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فی الحال اس مسئلہ پر کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اڑیسہ میں نئے گورنر کی تقرری کے متعلق ایک قرارداد پاس ہوئی جسمیں ایک ماتحت افسر کے گورنر بنا دئے جانے کو خلاف دستور بتایا گیا۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں وزراء کے لئے ایک ایسے شخص کی ماتحتی میں کام کرنا جو ان کا ماتحت رہ چکا ہو مشکل ہے۔ متعلقہ افسر گورنر جنرل یا وزیر ہند سے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کی گئی اور چیف سکریٹری کے گورنر بنا دئے جانے کے دستور کو جیسا کہ ابھی تک ہوتا آیا ہے تجویز کیا گیا۔

۵۔ اپریل کو ورکنگ کمیٹی نے فرقہ وارانہ سوال پر ایک قرارداد مرتب کرکے مہاتما گاندھی کے سامنے پیش کی اور صوبۂ متوسط میں ایک غیر سیاسی قیدی کے چھوڑے جانے سے جو صورت پیدا ہوگئی ہے اس کے متعلق آنریبل مسٹر شریف سے گفتگو کی اور ۶ اپریل کو اس کے متعلق ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے اس معاملہ کی تحقیقات کے لئے ایک وکیل مقرر کیا جائے گا

مزدور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ

حکومت یو۔ پی کی طرف سے جو کمیٹی کانپور کے مزدوروں کے مطالبات کی جانچ کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی اس نے اپنی رپورٹ داخل کردی۔ ابھی حکومت نے رپورٹ شائع نہیں کی ہے لیکن کمیٹی کی خاص خاص سفارشیں یہ خیال کیجاتی ہیں۔

۱۔ مزدوری کم سے کم ۱۵ روپیہ ماہوار مقرر کی جائے

۲۔ مزدوروں کی بھرتی کے لئے ایک غیر جانبدار بورڈ بنایا جائے جو حکومت مزدور سبھا اور مل مالکوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

۳۔ مل مالکوں کے مزدوروں کو علٰحدہ کردینے کے حق پر بندشیں لگائی جائیں اور ایک منصفانہ بورڈ بنایا جائے جو طے کرے کہ آیا کسی مزدور کو علٰحدہ کرنا صحیح اور جائز ہے یا نہیں۔

۴۔ ایک مزدور سے کئی کئی کام لینے اور خالی جگہوں پر کام لینے کے طریقے کو ختم کردیا جائے۔

۵۔ ہر مزدور کو پوری تنخواہ پر سال میں ۱۵ دن کی چھٹی دیجائے۔

۶۔ کسی حالت میں بھی اتوار کو کام نہ لیا جائے

۷۔ مل مالکوں سے مزدور سبھا کو کانپور کے مزدوروں کی نمائندہ جماعت منوایا جائے

۵۔ اپریل کو سر ٹریسی گیون جونس نے مل مالکوں کی انجمن کی جنرل میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ مل مالک ہمیشہ سے مزدوروں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے پر تیار ہیں لیکن وہ مزدور سبھا کو جس پر انقلابی عناصر کا غلبہ ہے کسی حالت میں بھی تسلیم نہیں کرسکتے۔

پچھلی اشاعت میں تبصرے کا ایک حصہ چھپنے سے رہ گیا وہ اس دفعہ دیا جاتا ہے۔ اسکا سلسلہ پچھلی اشاعت کے صفحہ ۱۱ سے ہے۔ (ایڈیٹر)

جیسا کہ ان کے افسانوں اور ناولوں سے معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ آگے بڑھے اور ایک ایسی تحریک کو جو چند ناتجربہ کار نوجوانوں نے شروع کی تھی اپنی مدد سے مضبوط کر گئے۔ اس زمانے میں ان سے ادبی مسائل پر برابر بحثیں رہیں۔ ایک دفعہ یہ سلسلہ دو بجے رات تک چلتا رہا اس گفتگو کے دوران میں انھوں نے ایک بات ایسی کہی جس سے انکی زندگی اور ان کے فن کی پوری کیفیت سامنے آجاتی ہے۔ کہنے لگے "میاں میں تو اب بڈھا ہوا۔ خون کی گرمی کم ہوگئی۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تم نوجوان لوگ نہ جانے کدھر لئے جارہے ہو مگر پھر بھی کیا پروا! چلو نگا تمھارے ہی ساتھ" ایک ایسے ادیب کے لئے جو پچیس تیس برس سے ملک کا بہترین افسانہ نگار سمجھا جاتا ہو اور اپنا ایک خاص رنگ قائم کرچکا ہو ایک جدید اور بظاہر خطرناک تحریک کا اس طرح ساتھ دینا بہت بڑی دماغی وسعت اور بصیرت کی دلیل ہے یہی چیز ہے جو پریم چند کے نام کو آئندہ زمانے میں بھی باقی رکھیگی پریم چند سے نوجوانوں کو بہت توقع تھی۔ وہ ہر ترقی پسند ادبی تجویز اور تحریک کی حمایت کرتے تھے۔ عام فہم اور سلیس زبان کو ادبی زبان بنانے میں انھوں نے جو مدد کی ہے وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکتی۔ افسوس کہ ان کی بے وقت موت سے ان توقعات پر پانی پھر گیا۔

کانپور میں

گریٹ آل انڈیا نمائش

بمقام مرسے گراؤنڈ

۲۸-اپریل ۱۹۳۸ء کو افتتاح۔ شاندار پیمانہ پر کام شروع ہو گیا ہے

پلان کھلا ہے

آپ اسٹال بک کرانے میں جلدی کیجئے

دی گریٹ آل انڈیا ایگزیبیشن دفتر

جنرل گنج، کانپور

اپنے اور اپنے دوستوں کی زندگی کا بیمہ

دی انڈین انشورنس لمیٹڈ۔ دہرادون

میں کرائیے

جس کی سرکاری ضمانت دو لاکھ سے زائد ہے، جو کہ ہندوستان کی دو سو کمپنیوں کی ضمانت سے زیادہ ہے بیمہ زندگی کے لئے قانون کے مطابق بہت ہی مضبوط ہے

مزید تفصیل کے لئے صدر دفتر

دی انڈین انشورنس لمیٹڈ۔ دہرادون

چیف ایجنسی آفس

سول لائنس اعظم گڈھ

میں لکھئے

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام ... مطبع ... پریس نظیر آباد ... میں چھپا کر نمبر ... ویل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۱۶ | لکھنؤ ۱۷-اپریل سنہ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ روپیہ

مرے کو مارے چیمبرلین

۱۸ مارچ کو اسپینی حکومت نے یہ بیان نکالا تھا

"باغیوں کے ہوائی بیڑہ نے جس کا اسٹیشن مجاریکا پر ہے۔ اور جو اطالوی اور جرمنی ہوائی جہازوں سے تیار کیا گیا ہے۔ کل رات کو اور آج صبح بارسلونا پر سخت حملہ کیا۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور بہت سی عمارتیں ڈھا گئیں۔ گنجان آبادی کو بمباری کا نشانہ بنایا گیا جو بڑی طاقت کے بم گرانے لگے۔ ایک بم ایک سڑک پر پہنچا وہاں ایک مجمع تھی ٹرام کے انتظار میں کھڑا تھا اڑ گیا۔ ایک اور بم ایک لاری پر جو کچھ آدمیوں سے بھری تھی گرا جس سے لاری اور آدمیوں کے پرزے اڑ گئے۔ یہ دھاوے یوں بہت بڑے ہیں کہ ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا"۔

لندن کا اخبار ٹائمس لکھتا ہے :-

"کوئی شک نہیں کہ اس بمباری کا صرف اتنا مطلب ہے کہ لوگوں میں دہشت اور بدحواسی پھیلائی جائے۔ آج اور کل کی جو خبریں باغیوں کی بھیجی ہوئی آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کے نئے حملے نے بارسلونا والوں کو بہت بدحواس کر دیا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہاں نہ تو بدحواسی ہے اور نہ دہشت وہاں ابھی تک وہی اگلا سا آہنی استقلال اور وہی برداشت موجود ہے وہی ہمت لیا پکا ارادہ۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ویسی ہی ہیرو پن موجود ہے ایک آدمی نے جب کہ وہ ہوائی بم سے زخمی ہو کر مر رہا تھا اس وقت اپنی مٹھی اونچی کر کے فسطائی دشمن کو سلامی دی"۔

ہر قسم کے بم کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ وسیر اور چند ہی میں دیکھنا ہیں گھسنے والے بڑے بڑے چھوٹے والے۔ اور ٹھیک سے پھٹ جانے والے بم، قطار کی قطار گرائے جاتے تھے آجکل چھوٹے بم جیسا کہ تھوڑی دیر تک جلتے ہیں مگر اس جگہ کو تباہ کر دیتے ہیں تو ایک ہی جگہ پر بہت سے گرائے جاتے ہیں اور بھی طرح طرح کے بم زہریلی پر آزمائے جاتے ہیں۔

کبھی کبھی تو عجیب و غریب اثر ہوتا ہے۔ قریب کی چیز کو بھی اتنا ہی نقصان پہنچتا۔ جتنا دور کی چیز کو۔ ہوا کی طوفانی لہریں بم سے نکلتی ہیں، جو چیز راہ میں آتی ہے اچھالی ہیں۔ کسی عمارت کا ایک ٹکڑا کٹ کر الگ ہو جاتا ہے جیسے بڑے سے پہاڑ سے کاٹ لیا ہو۔ کوئی عمارت بلا چٹخے اڑ اڑا کر بیٹھ جاتی ہے۔ کبھی یہ تماشا دیکھنے میں آتا ہے کہ بڑا گول یا کرسی میز کرسی ایک دم سے ہوا میں اڑ گئی اور وہاں کچھ دیر رکی رہی۔

دن کو دھوپ میں اور رات کو الاؤ کی روشنی میں گرے پڑے مکانوں کے ملبے سے بنے ہوئے پہاڑ کھودے جاتے ہیں۔ یہاں مشین کام نہیں دیتی، کام ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ لوگ بیلچوں، پھاوڑوں اور گھاس لادنے والی ٹوکریوں کو لئے دن رات اس میں لگے رہتے ہیں۔

کبھی ایک لاش کچلی کچلائی نکل آتی ہے کبھی کسی تہ خانے کے اندر ایک آدمی مل جاتا ہے جو گھٹ کر مر گیا ہے ان کو اٹھا کر ان کے مردہ بھائیوں کی بغل میں لٹا دیا جاتا ہے ایسی ہی دردناک ہے۔ اسپتالوں کی تصویر لوگ اپنے کھوئے عزیزوں کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ کسی کو اس کا پیارا سر سے پاؤں تک پٹیوں اور پلاسٹر میں لپٹا ہوا ملتا ہے تو کسی کا بیٹا بیمار اگھراہٹ سے پاگل ملتا ہے بعض عزیز کبھی نہ مسلم ملتے ہیں اور کبھی سنے پیچھے اسپتال کی مردہ کی میزوں پر۔ یا دم توڑتے ہوئے بستر پر۔

بارسلونا میں کچھ دنوں سے ان عمارتوں کی بڑی پوچھ گچھ ہو گئی ہے جہاں مناخت کے لئے لاشیں لائی جاتی ہیں۔ ہر روز شام کو ادھر عورتیں اور مردوں سے نکل جاتے نظر آتے ہیں۔ سب حسرت و رنج سے سر جھکائے ہوئے۔ کبھی ان لوگوں کا صبر چھلک

جاتا ہے۔ جنگ کی طاقت کھو بیٹھے ہیں اور اب صرف چیختے ہیں چلاتے ہیں اور جو جی
چاہے کہتے ہیں۔ اسی جگہ ایک طرف پھولی چھپائی وقتیں ذخیرہ ہیں۔ یہ کبھی بھولے
سے بولے بھی تھے۔

فرانکو کے پاس اتنے ہوائی جہاز کہاں سے آ گئے؟ فرانسیسی حکومت نے برطانوی
حکومت کو ایک تحریر بھیجی ہے جس میں فرانکو کے ۲۴۲ ہوائی جہازوں کو جرمنی کا بتایا گیا ہے
اسی طرح بکثرت بیانات اور گواہیاں ہیں کہ جرمنی اور اٹلی کے ہوائی جہاز، بم، توپیں اور گولے اور
اطالوی افسر فرانکو کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ جرمنی اور اٹلی کو بھی مرنے کا تو لگا ہے، یہ جو بھی ہے
اور دنیا کو دکھانے کو کہہ رہی ہیں وہ اٹلی کے لڑائی کرنے سے کیا مطلب ہیں۔ اسپینی حکومت کہتی ہے۔

"ہم ایک لڑائی ہار گئے۔ یہ کس کی غلطی سے ہوا؟ جمہوریوں کی غلطی سے نہیں ہوا
یہ لوگ تین مہینوں سے اپنا جان و مال آزادی پر نثار رہے ہیں۔ یہ غلطی فرانس اور انگلینڈ کی ہے
جنھوں نے ایسی ناسمجھی دکھائی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انھوں نے جرمنی
اور اٹلی کی اس طرح مدد کی "غیر جانبداری" بچاؤ کی۔ اس کو پروان چڑھایا۔ اور سنبھالے
رکھا۔ یہ چیز کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جرمن اور اٹلی کی ہشیاری سے مدد کیا ئے ... ..
اسپینی جمہوریہ نے فرانس اور انگلینڈ سے اس بات کی اجازت چاہی، اور اسکا یہ حق بھی ہے
کہ اپنے روپیہ سے اپنی جان اور آزادی بچانے کے لئے اسلحہ خرید سکے۔ لیکن یہ جائز درخواست
جو انٹی سرخ الیس جائز تھی رد کر دی گئی۔"

یہ معنی ہیں غیر جانبداری کے — اور یہ ہے پالیسی چیمبرلین کی۔ اس کے علاوہ بنانے
نہ بچایا۔ انگریزوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر چیمبرلین کا دل نہیں پسیجا۔ کیوں؟ صرف
اس ڈر سے کہ اگر جمہوریہ اسپین بچ گئی تو ایک بڑا انقلاب ... لازم ہے۔ وہ اس ملک
میں پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ ایسا ہوتا ہے جو سرمایہ داری کو رفتہ رفتہ نگل جاتا ہے۔ اگر اسپین
کے قدم جم گئے تو پھر فرانس کا متحدہ محاذ زور پکڑ جائے گا۔ فرانس اور روس کی دوستی بھی
مضبوط ہو جائے گی۔ اور یہاں کے مزدوروں اور کسانوں کی حالت درست ہو جائیگی اس سے
یہ ہوگا کہ برطانوی غلام ملکوں میں انقلابی تحریک بڑھے گی اور برطانوی سرمایہ داری خطرے میں
آ جائے گی اس لئے کچھ ہو "غیر جانبداری" کو نہ چھوڑو۔ قتل عام، لوٹ مار کی پروا مت کرو
امن کو دنیا میں سنبھالے رہو۔

عوام کی بیداری کا ایک کرشمہ

پائنیر کی ایک خبر ہے۔

"جی۔ آئی۔ پی ریلوے کی مزدور سبھا کے سکریٹری اچاریہ جی جھانسی بمبئی
ایکسپریس میں سفر کر رہے تھے۔ اور ایکسپریس آدمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ اچاریہ جی نے اسٹیشن
ماسٹر سے خواہش کی کہ ریل میں اور ڈبے لگا دئے جائیں۔ اسٹیشن ماسٹر نے ان کے
کہنے کی کچھ پرواہ نہیں کی اور گاڑی چھوٹ گئی۔ لیکن جیسے ہی گاڑی آگے بڑھی اچاریہ جی
نے ریل کی زنجیر کھینچ لی اور گاڑی کھڑی ہو گئی۔

ریلوے گارڈ اچاریہ جی پر بہت بگڑا اور پھر گاڑی چھوڑ دی گئی۔ اچاریہ جی نے پھر زنجیر
کھینچ لی۔ تین دفعہ یہی ہوا۔ تب پولیس ... نے اچاریہ جی کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا
اس پر ان کی بیوی اور ماں نے اور کچھ اور ساتھیوں نے بھی زنجیر کھینچ لینے کی دھمکی
دی اور اس ڈبے کے تمام آدمیوں نے کہا کہ اگر زیادہ ڈبے نہیں لگائے جائیں گے تو
ہم لوگ باہر نکل آئیں گے۔

دو ڈبے اور لگائے گئے۔ سب مسافر بیٹھے، تب ایکسپریس چلا"—

جن لوگوں کو ریل کے تیسرے درجے میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہی جان سکتے
ہیں کہ ڈبے کا بھرا ہونا کسے کہتے ہیں۔ بنچوں پر آدمی بیٹھے نہیں بلکہ ٹھنسے ہوتے ہیں
بنچوں کے بیچ میں جو پاؤں لٹکانے کی جگہ ہے وہ اور بنچوں کے نیچے کی جگہ
اور دیوار گیر پالے مسافروں سے بھری ہوتی ہیں۔ آنے جانے کے راستوں پر بھی سیٹوں
بیچ میں جو جگہ ہوتی ہے اس پر بھی مسافر کھڑے ہوتے ہیں اور اس طرح کہ ہلنے کی بھی
جگہ نہیں رہتی۔ یہ غریب مسافر میلے کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ ان میں مریض بھی ہوتے ہیں
جن کے بدن پر پھوڑے یا پھنسی رہتی ہے۔ جاڑا ہو یا گرمی، گاڑی کے اندر
سخت گرمی ہوتی ہے۔ ادھر گاڑی رکی اور ادھر دم ادھ بھنے لگا۔ یہ تصویر ایسی ہی ہوتی ہے
کہ بے اختیار بغاوت کا جی چاہتا۔

اگر کچھ دنوں پہلے کسی نے یہ حرکت کی ہوتی تو اس کو فوراً گرفتار کر لیا جاتا اور
اس کے ساتھیوں میں جس جس پر شبہ ہوتا اس کو بھی۔ اور یہ بات عین انصاف سمجھی جاتی لیکن
اب وہ دنیا بدل گئی ہے۔

خبر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اچاریہ جی کو گرفتار کر لیا جاتا تو پھر ایسی حالت پیدا
ہوتی کہ وہ ایکسپریس کیا، اس کے بعد کی ایکسپریس بھی رکی رہتیں۔ وہ جگہ لڑائی کا
ایک میدان بن جاتی۔ ... میں بغاوت اتنی سرایت کر گئی ہے کہ سامراج کی مخالفت
کوئی میدان ہو۔ وہ لڑنے کو تیار ہیں۔ اگر اب عوام کی یہ حالت ہے تو ۵ سال بعد کیا ہوگا
پھر دس سال بعد کیا ہوگا۔ دوسری طرف اگر سامراج کی بے بسی کا اس وقت یہ حال ہے
تو عوام کی طاقت جو بڑھ جانے پر کیا ہوگا؟

کانگریسی وزیروں کی پشت پناہی کیلئے عوام کی طاقت

"حال ہی میں بہار کے وزیر اعظم نے کہا کہ اگر عوام اپنی طاقت کو مضبوط کر لیں

بڑکو اپنی مرضی کے موافق چلنے پر مجبور کردیں، تو ہیں استمراری بندوبست بھی بند کرسکتا ہوں۔" وہ کیا چاہتے ہیں کہ کس طرح عوام اپنی طاقت کو مضبوط کریں۔ حال ہی میں وزارت اور گورنر بہار میں جو جھگڑا اٹھا تھا اس میں ساری کانگریس نے وزیر اعظم کا ساتھ دیا اور گورنر کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کردیا۔ طاقت تو موجود ہے۔ اگر کانگریس کمیٹی اور کابینہ وزارت اپنی ساری طاقت اس کو اور بڑھانے میں خرچ کرے تو یہ اور بڑھ سکتی ہے اگر گورنر پر دباؤ ڈالنا ہے تو کانگریس کو زیادہ تیزی سے کام کرنا چاہئے اور عوام کو سیاسی تحریکوں میں اور زیادہ شریک کرنا چاہئے۔" (کانگریس سوشلسٹ)

عوام کو اور زیادہ شریک کرنے کی کیا صورت ہے؟ بہار کی کسان سبھا منظم ضرور ہے لیکن ابھی مزدوروں کی تنظیم بالکل نہیں ہوئی ہے۔ اگر مزدوروں کی تنظیم ہو جائے اور مزدور سبھا، کسان سبھا اور کانگریس میں اتحاد عمل آجائے تو پھر بہار کی انقلابی طاقت، فولادی طاقت بن جائے گی اور انقلاب کی لڑائی میں سارے ہندستان کی ہراول ہوگی۔

ریاست منسا کی لڑائی

ایک اخباری نمائندہ اور ہیکاری کی جی دو تین نمائندوں کے ساتھ منسا کے سائنہ کر گئے تھے۔ ان کا ایک مضمون نیشنل فرنٹ میں چھپا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۲۶- مارچ و بکے دن کو ہم لوگ احمد آباد سے منسا پہنچے۔ منسا کی دو سنیتہ گرہ کمیٹی نے اخباری نمائندوں کے لئے موٹر لاریوں کا انتظام کیا تھا۔ ہم لوگ بنجار پور میں پہونچے۔ یہاں پانچ سات سو کسان جمع تھے۔ اور ان میں آدھے سے زیادہ عورتیں تھیں جو الگ ایک طرف بیٹھی تھیں۔ ہم لوگوں نے کسانوں کی شکایتیں پوچھیں تو چھگن داس یا نچھو داس نے کھڑے ہوکر بتایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ زمین کا لگان بے پناہ بڑھ گیا اور دوسری طرف غلہ کے دام گر گئے۔ مثال کے طور پر انھوں نے کہا کہ میرے پاس ۲۰ بیگھہ زمین ہے سنہ ۱۹۱۸ء سے پہلے میں ۳۰ روپیہ ریاست کو دیا کرتا تھا اور اب مجھے ۰۰ دینا پڑتے ہیں اور غلہ کی قیمت آٹھ دس سال کے اندر ایک تہائی گر گئی ہے۔ ہم لوگوں نے لگان کی کمی کے لئے درخواست دی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر ہم لوگوں نے لڑائی چھیڑ دی۔ لڑائی کرنی خوشی کا سودا نہیں ہے مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ریاست کے مظالم کی کہانی سنائی کہ کس طرح ریاستی پولیس دیہاتوں پر دھاوے بولتی اور ان کو تاراج کرتی ہے اور انھوں نے بتایا کہ مال، اسباب بلا پنچ نامہ لکھے چھین لیا جاتا ہے۔ مسلح پولیس پہاڑ کو گھیر لیتی ہے۔ عورتوں کو پانی لینے کے لیے باہر جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ مویشی ڈنڈوں پر دستخط لے لئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر اس طرح ختم کی۔ "زمین ہماری ہے جو کچھ برتے ہیں وہ بھی ہمارا ہے۔ جب تک ہماری مانگیں نہیں پوری ہوں گی تم نہ تو زمین جوتیں گے اور کچھ لگان ادا نہیں کریں گے اور ساری پیداوار خود رکھ لیں گے۔"

اس کے بعد ہم لوگ منسا کی سابر... ...انی میں گئے ... بڑا مجمع ... جھنڈا لئے ہمارے استقبال کے لئے تیار تھا اور اس مجمع میں عورتوں کی بھی بہت بڑی تعداد تھی۔ ایک جھنڈے پر لکھا ہوا تھا۔ "ہماری لڑائی دو سو فیصدی اور تین سو فیصدی لگان کی زیادتی کے خلاف ہے"۔

ہم لوگ قریب ہی کے ایک گاؤں بابو پور گئے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ پولیس کی لاری جا رہی تھی اور اس کے پیچھے چار سوار چھوٹی چھوٹی لاٹھیاں لئے جا رہے تھے۔ اس جماعت نے کچھ گیہوں چھین کر جمع کئے تھے۔ ہم لوگوں نے ان کی تصویر لی۔ اتنی دیر میں آس پاس کے کھیتوں کے مرد اور عورتیں ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ اس لٹیری جماعت نے ایسے کھیت چنے تھے جہاں تھوڑے سے آدمی گیہوں اکٹھا کر رہے تھے۔ پولیس والوں نے آدمیوں کو پکڑ لیا اور ان کے ساتھیوں نے بڑی جلدی جتنا گیہوں ہاتھ لگا بوروں میں جنھیں وہ اپنے ساتھ لائے تھے بھر لیا۔ ناپ تول، پنچ نامہ، رسید اور اس قسم کی چیزوں کی کوئی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ یہ لوٹ نہیں تھی تو اور کیا تھا۔ بعض عورتوں نے شکایت کی کہ پولیس والوں نے بری طرح ان کی پکڑ دھکڑ کی۔

۱۰- مارچ کو رات کے وقت پولیس والوں نے چوروں کی طرح گاؤں پر حملہ کیا۔ کچھ آدمیوں کو مارا پیٹا۔ اور مکانوں سے چاندی کے زیور اٹھا لے گئے۔ ایک عورت کو بری طرح زخمی کر دیا۔ زخمی کو لوگ پاس کے ایک گاؤں میں علاج کے واسطے اٹھا لے گئے۔ جب پولیس والوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس غرض سے کہ ان کی جلادی کا ثبوت دوسروں کو نہ مل جائے اس گاؤں پر حملہ کر دیا اور وہاں کے دھرم شالے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے لیکن عورت کہیں اور جا چکی تھی۔

ہم لوگ ایک اور گاؤں اندر آپور میں گئے۔ یہاں پولیس والوں نے گاڑیاں چھین کر زنجیروں میں باندھ رکھی تھیں اور ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ پولیس اپنا سارا غصہ ان گاڑیوں پر اتار رہے تھے۔ کیونکہ ان کی مدد سے کسانوں نے اپنا غلہ بہت ہوشیاری سے پاس کے دیہاتوں میں پہونچا دیا تھا

واپس آکر ہم لوگ دیوان صاحب سے ملے۔ دیوان جی گجراتی اخباروں سے بہت خفا تھے کہ انھوں نے غلط باتوں کا پروپیگنڈا کیا۔ ان کے خیال میں دو سو اور تین سو فیصدی زیادتی کی خبر بالکل غلط تھی۔ انھوں نے اپنی بنائی ہوئی جدول سنائی۔

سنہ	اراضی زیر کاشت	آمدنی
۱۸۹۸	۲۱۶۴	۳۴۳۴۴
۱۹۳۷	۱۲۲۶۴	۹۳۰۰۰

اس حساب سے کل آمدنی صرف ۷۰ فیصدی بڑھی اور لگان کی زیادتی صرف ۳۰ فیصدی ہوئی۔ دیوان جی نے کہا کاشتکاروں نے کبھی لگان کی کمی کی خواہش نہیں کی۔ بنجل کے تعمیر پر انھوں نے کہا کہ وہ بالکل غلط ہیں۔ کاشتکاروں کو گالی دی اور کہنے لگے کہ سارے کی ساری جماعت بے ایمان ہے۔

ہم لوگ جیل دیکھنے گئے۔ یہاں ستیہ گرہی قیدی تھے ۱۲ × ۱۲ فیٹ کی کوٹھریوں میں دو دو قیدی تھے اور چوبیس گھنٹے مقفل رکھے جاتے تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں دو دفعہ چند منٹ کے لئے ہوا کھانے باہر نکالے جاتے ہیں وہ بھی کبھی کبھی ٹال دیا جاتا ہے۔ ان سے چکی چلوائی جاتی ہے اور ان کو کوئی کتاب پڑھنے تک نہیں دی جاتی ہے۔

دھامی میں آج بھی لڑائی کا سماں دن منایا جا رہا تھا۔ تین ہزار کاشتکار مرد اور عورت جمع تھے۔ جلسہ شروع ہوا اور لڑائی کے ڈکٹیٹر کامریڈ نے ایک تقریر پڑھی۔ اس کے بعد سکریٹری نے رپورٹ پڑھی۔ اس رپورٹ میں لکھا تھا کہ رعایا کو یہ حق حاصل ہے کہ جو راجہ ظلم کرتا ہو اس کو ہٹا دیں۔ ریاست کے راجہ نے رعایا پر بہت سختیاں کی ہیں۔ اس لئے ان کا مطالبہ تھا کہ تمام اختیارات ایک نمائندہ کونسل کو دیئے جائیں جس کا انتخاب تمام بالغوں کے ووٹ سے کیا جائے اور اس میں کسانوں کے نمائندے ہوں۔ اس کونسل کے فیصلے میں راجہ یا پولیٹیکل کو دخل دینے کا کوئی حق نہ ہو۔ اس کے علاوہ سول آزادی اور تقریر و تحریر کی آزادی ہونا چاہیئے اور موجودہ جھگڑے کو طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی بٹھائی جائے جس میں سات نمائندے کسانوں کے ہوں (ان میں دو عورتیں شامل ہوں) اور سات نمائندے ریاست کے ہوں۔

جلسہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مردوں اور عورتوں کے چہرے جوش سے تمتا رہے تھے لیکن جلسے میں صرف رپورٹیں ہی رپورٹیں تھیں۔ کوئی ایسی تقریر نہ تھی جو جوش کو بڑھاتی۔ نہ کسی نے ان ظلموں کا تذکرہ کیا جو دیہاتوں پر ہو رہے تھے۔ اور نہ ان مظالم کا جو کاشتکار مردوں اور عورتوں پر توڑے جا رہے تھے۔ ان کو مظالم کے مقابلہ کے لئے ایکا کر لینے اور جان توڑ کوشش کرنے کی کوئی اپیل نہیں کی گئی۔ اگر ایسی کوئی تقریر ہوتی تو دلوں میں آگ لگ جاتی۔ یہ ان تمام جذبات کو جو کسانوں کے دلوں میں اندر رہتے تھے باہر کھینچ لاتی اور اس کے نام پر ہزاروں دلوں کو جوڑ دیتی۔

جلسے کے بعد ہم لوگ روانہ ہو رہے تھے کہ ایک پولیس والے نے ایک عورت پر اس زور سے لاٹھی ماری کہ وہ بیچاری تھرا کر گر پڑی۔ پولیس والوں کو یہ تو جرات نہ ہوئی کہ اس جلسے کو جو بالکل خلاف قانون قرار دے دیا گیا تھا روکتے لیکن ایسی بزدلانہ حرکتیں کر کے بھڑاس نکال لیتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ روانہ ہی ہونے والے تھے کہ یہ خبر ملی کہ ایک قیدی کو اس لئے پیٹا جا رہا ہے کہ اس نے ہم لوگوں سے جیل کی سختیوں کی شکایت کی تھی۔

دھامی کی یہ لڑائی ہم کو بڑے بڑے سبق سکھا سکتی ہے۔ جو مستقبل میں کام آئیں گے۔ جو لوگ عوام سے دور رہتے ہیں ان کے دلوں میں انقلابی تحریکوں کے لئے عجیب خیالات ہوتے ہیں۔ مثلاً لڑائی ہندو مسلمانوں میں ہے یا حقوق کے لئے ہے۔ روٹی کے نام پر کسان اور مزدور نہیں لڑ سکتے۔ انقلاب خیالی چیز ہے، یا بہت دور کی بات ہے۔ ایسے لوگ اس تحریک پر غور کرنے سے دور بھاگتے ہیں۔

دھامی ایک ریاست ہے اور ریاستوں میں اوسطاً جیسی ہوا کرتی ہیں کہ وہ عام طور پر عوام کے مقابلے میں راجہ کا طرف دار ہوتا ہے۔ اس لئے ریاست میں کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ کسانوں کو بری طرح مارنا پیٹنا۔ ان کی بہو بیٹیوں کو زبردستی اپنے حرم سرا کے لئے اٹھا لیجانا۔ کسی گاؤں کے کھیت کٹوا لینا۔ بیگار کے سلسلے میں ہفتوں کے لئے کسانوں کو بیگار میں لگا لینا۔ یہ روز مرہ کی باتیں ہیں۔ جب ریاستوں میں عام طور پر اتنی سختیاں ہوتی ہیں تو اس تحریک کو جڑ پکڑنے میں کتنی دشواریاں ہوتی ہوں گی۔ کتنے لیڈر ہوں گے جن کو جھوٹ موٹ کے الزام لگا کر سزائیں دی گئی ہوں گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کسانوں کے دلوں میں کتنی آگ بھری تھی کہ ان مظالم کے سامنے بھی وہ لوگ منظم ہو گئے۔ یہ صرف روٹی اور مظالم کا جادو ہے۔

ان کا اس طرح منظم ہو جانا برسوں کا کام ہے۔ یہ رفتہ رفتہ مختلف شکلوں میں ہوتا رہا ہوگا۔ مثلاً ایک گاؤں نے بیگار سے انکار کر دیا۔ دوسرے نے شاہی چراگاہ میں پیٹھ چالیں۔ پھر کہیں الگ الگ کرکے کچل دی گئی ہوں گی۔ لیکن کچلنے سے مظالم کے خلاف جو آگ ہوتی ہے وہ تو دبتی نہیں بلکہ لوگوں میں اور جھلاہٹ آ جاتی ہے۔ پھر یہ مظلوم گاؤں کسی ایک کام پر متحد ہو گئے ہوں گے۔ یوں ہی پیسوں کے مقابلے کے بعد یہ لوگ منظم ہوئے ہوں گے۔ عوام کی طاقت یوں ہی بنتی ہے۔

اب ریاستی سامراج کا حال یہ ہے کہ اس کی تھوڑی سی پولیس اس طوفان کے سامنے بے بس ہے۔ گو کہ ریاست نے جلسے خلاف قانون کر دئیے لیکن تھوڑی سی پولیس کیا کر سکتی ہے۔ وہ اپنی وفاداری گاؤں کی عورتوں کو مار پیٹ کر دکھا دیتی ہے۔

کسانوں کو منظم ہوتے ہی معلوم ہو گیا کہ سامراج کن بے ایمانیوں اور چالبازیوں پر قائم ہے۔ اس نے ان کے ضمیر کو آہنی یقین دلا دیا کہ ہم حق پر ہیں۔ ہم مظلوموں کی حمایت کر رہے ہیں۔ ہم بھوکوں اور ننگوں کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اسی یقین کا پیدا وار ہے ان کا یہ قول کہ ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ ظالم راجہ کو گدی سے اتار دیں۔ ان کو یقین ہو گیا کہ ہم سب کے مفاد ایک ہیں۔ کوئی جماعت جو ہم سب کے ووٹ سے تیار ہو وہی کرے گی جس سے سب کا بھلا ہو۔ اسی وجہ سے ان کی مانگ ہے کہ راج ایک کونسل کو جو عام ووٹ سے چنی جائے سونپ دیا جائے۔

ذرا دیوان جی کے افسوں دیکھئے۔ کہتے ہیں کہ کاشتکاروں نے لگان کی کمی کی کبھی خواہش نہیں کی، حالانکہ لڑائی چھڑنے سے پہلے "[illegible] کمیٹی" نے ایک درخواست دی تھی۔ دیوان جی کسانوں کو گالی دے کر یہ کہتا کہ یہ سب لوگ بڑے بے ایمان ہوتے ہیں۔ اتنی سی بات میں سامراج کی ساری بے اصولی موجود ہے۔

ریاست کے ۱۴-۱۵ ہزار کاشتکار سب مل کر دیوان جی کی جماعت سے لڑ رہے ہیں۔ دیوان جی کے نزدیک یہ سب بے ایمان ہیں۔ صرف ریاست کے اہلکار اور پولیس والوں کا چار پانچ سو آدمیوں کا جتھا ایماندار ہے۔ کاشتکار سوچیں کہ دیوان جی کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم سب بے ایمان ہو۔ اور ہم ایماندار جو فیصلہ کر دیں اسے مان لو کیونکہ ایمانداری اچھی چیز ہوتی ہے۔ تو ایمانداری مٹ جائے گی۔ کتنی بری اپیل ہے! کسانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ سامراج کے پاس کوئی اخلاقی طاقت، کوئی مذہبی قانون نہیں ہوتا۔

اس لڑائی میں دو بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس جماعت میں تقریر کرنے والے اور لکھنے والے نہیں ہیں۔ اگر یہ ہوتے تو کسانوں کے جذبات کو پختہ اور ان کے خیالات کو صاف کر دیتے اور ان میں سوچنے اور سمجھنے کی زیادہ صلاحیت پیدا ہو جاتی۔ دوسرے اگر نزدیک صنعتی علاقہ ہوتا اور وہاں کے مزدور بھی اسٹرائک میں شریک ہوتے تو آج لڑائی کہیں کی کہیں پہونچ گئی ہوتی۔

سو دن تک اگر [illegible] میں مل بند رہتے تو دور دور تک دیوالیہ پن کی ہول اٹھنے لگتی ہے۔ مل مالکوں اور سامراج کا گٹھ جوڑ ہے۔ ایک کے نقصان سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ مل کے مزدور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور روز روز کے جھگڑوں پر باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے خیالات اور جذبات کچھ پختہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ لڑائی میں ہوتے تو تقریر کرنے والوں اور لکھنے والوں کی کمی پوری ہو جاتی۔ کام زیادہ منظم اور باقاعدہ ہوتا۔ لڑائی کا منہ پھیلتا اور ہتھیار اسٹرائک ہوتا۔ روزانہ صبح سے شام تک مل مالکوں اور سامراج سے لڑا کرتے ہیں۔

ہندستان میں قومی تحریک اور برژوائی طبقہ

اے۔ ایم مجاور :

برژوائی طبقہ برژوائی طبقہ دولتمند افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس طبقہ کے افراد ملک کے تمام ذرائع آمدنی اور اقتصادی حالات پر چھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی نظروں میں ان کا مفاد ملکی اور اجتماعی مفاد ہے۔

برژوائی طبقہ پر ایک سرسری نظر ڈال لینے کے بعد ہم ہندستان کی قومی تحریک کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کہاں تک عوام کی مفلسی، بیکسی اور ان کے مصائب کو دور کرنے کے لئے کام میں لائی گئی۔

انگریز سرمایہ دار اور برژوائی طبقہ ہندستان میں قومی تحریک کی بنیاد برژوائی مفاد پر قائم ہے۔ ابتدا ہی سے برطانوی سرمایہ داروں نے ملک کا خون چوسنا شروع کیا۔ یعنی برطانوی سرمایہ دار ملک سے کچا سامان زبردستی خریدنے اور اپنی تیار کردہ اشیا سمندر پار سے لاکر ملک میں اچھی قیمت پر فروخت کرنے۔ اس کاروبار سے انگریزوں کو سب سے پہلے ہندستانی سرمایہ داروں سے مدبھیڑ کرنا پڑی۔ لیکن ان سرمایہ داروں کے ایک طبقہ کے پاس صرف روپیہ تھا دوسرے ایسے ہی طبقہ کے پاس دماغ۔ روپیہ انکا صرف ہوتا اور دماغ ان کا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کمپنیوں کا مقابلہ کرنے میں یہ لوگ کامیاب ہوئے اور یوں برژوائی طبقہ بن گیا۔

انگریز کمپنیوں کے عروج سے برژوائی طبقہ پیدا ہوا۔ جیسے جیسے وہ بڑھتا گیا ظاہر تھا کہ جب ہندستانی سرمایہ داروں کو گھاٹا ہوا تو ان برژوائیوں کی آسائش میں بھی خلل پڑا اور انہوں نے جلد ہی انگریز کمپنیوں کا سختی سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔

نئی برژوائی طبقہ اور موجودہ تعلیم کی بنیاد حکومت برطانیہ اور ان بڑے بڑے کارخانوں کو جو برطانوی سرمایہ داروں سے تعلق رکھتے تھے کچھ ایسے کلرک کا ہندوستانی اہلکاروں کی ضرورت ہوئی جو کثیر تعداد میں دستیاب ہوسکتے اور سستے داموں ان کا کام کرتے۔ ظاہر تھا کہ اس کے لئے لوگ انگلینڈ سے لمبی لمبی تنخواہوں پر نہیں بلائے جاسکتے تھے۔ ان کاموں کیلئے ہندوستان کا ادنیٰ اوسط طبقہ بکثرت آگے بڑھا اور اس سے بوجہ افلاس بہت ہی سستا سودا ہو گیا۔ اس طبقہ کو ہم نئی برژوائی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اعلیٰ اوسط یعنی برژوائی طبقہ سے اتر کر یہی طبقہ ہے جس میں اسکولوں کے ماسٹر اور دفتروں کے کلرک وغیرہ شامل ہیں۔ ادنیٰ اوسط طبقہ انگریزی سے ناواقف ہونے کے باعث اپنے انگریز آقاؤں کے ساتھ مل کر بہتر کام نہ کر سکتا تھا۔ اس طبقہ کے لوگوں کو عمدہ کلرک بنانے کے لئے حکومت نے موجودہ طرز تعلیم کی بنیاد ڈالی۔ جو فن تعلیم کے اعلیٰ مقاصد کے بالکل منافی ہے۔

برژوائیوں کا عروج اور اس کا نتیجہ انیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہندوستانی سرمایہ داروں نے صنعت وحرفت کی طرف تیز قدم اٹھایا۔ نئی نئی انڈسٹریز کھولی گئیں۔ حکومت برطانیہ نے ان انڈسٹریز کے ترقی پذیر عروج کو دیکھ کر ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ ریلوے اور دیگر ذرائع نقل وحرکت کی شرح کے روپ میں ان نئی انڈسٹریز کا سرمایہ اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ یہی نہیں بلکہ ہندستانی سرمایہ داروں کی شاندار ترقی سے متاثر ہو کر حکومت نے ان کے راستہ میں روڑے اٹکائے اور اس بات کی کوشش کی کہ تجارت اور اقتصادیت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں رہے۔

قومی تحریک کی بنیاد اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برژوائی طبقہ نے حکومت کے خلاف ایک سیاسی جدوجہد شروع کی اور یہی جدوجہد انڈین نیشنل کانگریس کے روپ میں ظاہر ہوئی۔

انڈین نیشنل کانگریس کی ابتدا اور اس کا پہلا اجلاس ۱۸۸۵ء میں ایک دولتمند وکیل ڈبلیو۔ سی۔ بنرجی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جنہوں نے مختلف صنعتی، تجارتی اداروں میں اپنا روپیہ لگایا تھا۔

تحریک مذکور میں زمینداروں کی شرکت مالگزاری اور زمین کے سلسلے میں حکومت برطانیہ اور بڑے بڑے زمینداروں کے درمیان بھی ایک اقتصادی شورش برپا تھی۔ ۱۹۰۵ء کی تقسیم بنگال نے اس شورش میں اور اضافہ کر دیا۔ زمیندار بھی کانگریس کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے لگے۔ اور بالآخر کانگریس کے پچیسویں اجلاس میں کھلم کھلا انگریزی (بدیسی) مال کے مقاطعہ (بائیکاٹ) کا اعلان کر دیا گیا۔ اس بائیکاٹ میں زمیندار، تجار، وکلا، بیرسٹران غرضکہ تمام برژوائی طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے بہت ہی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس بائیکاٹ کو بنگال سے گہرا تعلق تھا۔ حکومت نے اس مقاطعہ کو طاقت کے بل بوتے پر ختم کرنا چاہا مگر قوم پرست حضرات اسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ اسوقت حکومت نے لالہ لاجپت رائے کو ملک بدر کر دیا اور کچھ دوسرے قوم پرستوں کو بھی گرفتار کر لیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک میں مزید بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور انتہا پسندوں کا ایک نیا گروہ سامنے آیا جس نے حکومت برطانیہ کے تختہ کو طاقت کے زور سے الٹنا چاہا۔ ان میں سے چند انتہا پسند ایسے بھی تھے جنہوں نے ایک علیحدہ جماعت تخریب پسندوں کی بنائی اور طرح طرح سے حکومت کو پریشان کرنا شروع کیا۔

حکومت کی سختی اور اس کا لازمی نتیجہ ۱۹۰۹ء میں حکومت اس مقاطعہ کو دفع کرنے میں ناکام رہی۔ اسوقت اصلاحات مارلی منٹو کا نفاذ ہوا یعنی ملکی انتظامات میں ان چند ہندستانیوں کو بھی شریک کیا گیا۔ جو برژوائی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ حکومت پر اس بائیکاٹ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ مجبوراً ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کے قانون کی تنسیخ کرنا پڑی۔ لیکن یہ مراعات دینے کے باوجود حکومت کو چین نصیب نہ ہوا۔ حکومت برطانیہ نے تحریک مقاطعہ کے سلسلہ میں جو سختی اور زیادتی روا رکھی اس کا برا اثر پڑا اور قوم پرستوں میں غیر ملکی حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ دوسری طرف عوام کے بڑھتے ہوئے افلاس اور تعلیم یافتہ طبقہ کی وسیع بیکاری نے ہر طرف ایک اضطراب پیدا کر دیا۔ جس نے برطانوی شہنشاہیت کو ہلا دیا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں وائسرائے پر بم سے حملہ کرنا۔ سنگاپور میں ہندستانی پلٹن کا

شورش برپا کرنا اور پنجاب میں بڑھتی ہوئی بے چینی کا ظہور پذیر ہونا۔ یہ وہ چند واقعات ہیں جو اس زمانہ میں ملک کے جذبات کا صحیح نقشہ کھینچتے ہیں۔ اس وقت تک قومی تحریک میں زیادہ تر انتہا پسندوں کا ہاتھ تھا۔ جو تعلیم یافتہ برژوائی طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیکار ہو گئے تھے۔ کاکوری کے واقعہ میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ شامل تھے۔

جنگ عظیم اور برژوائی طبقہ | ہندوستان کی حالت جنگ چھڑنے تک بہت پرخطر ہو گئی تھی اور حکومت برطانیہ ہندستانی سیاست کی باگ یعنی برژوائی طبقہ کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ اس سے مفاہمت ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے خود اختیاری حکومت دیدینے کا بھی وعدہ کر لیا جو آج تک پورا نہ ہوا۔ نیز سنہ ۱۹۱۷ء میں روئی کی درآمد پر ۳½ فیصدی ٹیکس لگا دیا۔ اس رعایت سے ہندستانی سرمایہ داروں کو خاصہ نفع ہوا۔ اور سنہ ۱۹۱۷ء میں درآمد کا ۱۶ اور ۹۴ فیصدی کپڑا ملک میں تیار ہونے لگا۔ حالانکہ جنگ سے قبل صرف ۴۲ فیصدی تیار ہوتا تھا۔

برژوائی طبقہ کا دوسرا دور | جنگ عظیم نے برژوائی طبقہ کے دوسرے دور کا آغاز کیا۔ جنگ چھڑی اور دولت برطانیہ کا سرمایہ ملک سے منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ ہندستان کے برژوائی سرمایہ داروں کو میدان میں آگے بڑھنے کا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر انھوں نے اپنی اقتصادی حالت کو مضبوط کرنے کی کوشش کی تاکہ جنگ ختم ہونے پر حکومت ان کو آسانی نظر انداز نہ کر سکے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کراتا تھا جو سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۱ء میں پھر سنہ ۱۹۱۴ء میں کیا گیا تھا۔ لیکن جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہ ہو سکا البتہ ہندستانیوں کو ٹھنڈا کرنے کیلئے سنہ ۱۹۱۹ء میں اصلاحات مانٹیگو چیمسفورڈ کا نفاذ ہوا جس میں ہندستانی برژوائی طبقہ کو کچھ سیاسی مراعات دئے گئے تھے۔ اور کسی حد تک مالکان جائداد کے حق رائے دہندگی کی بھی توسیع کی گئی تھی۔ وائسرائے کی مجلس عاملہ کونسلوں اور سول سروس میں ہندستانیوں کی تعداد اور ان کے اختیارات بھی بڑھا دئے گئے۔ مزید برآں میونسپلٹیوں کا انتظام بھی زیادہ تر مقامی برژوائیوں کے سپرد کر دیا گیا۔

اصلاحات مانٹیگو کے بعد | یہ مراعات اس قدر ناکافی تھے کہ ہندستان کے برژوائیوں کا ایک مخصوص طبقہ ان اصلاحات سے مطمئن نہ ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کانگریس کی جدوجہد بجائے ٹھنڈی ہو جانے کے اور زیادہ زور پکڑنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت سے عوام میں بھی رفتہ رفتہ ایک قسم کی بے اطمینانی جگہ پکڑتی جا رہی تھی اور کانگریس نے انکی اس بے اطمینانی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی جڑ مضبوط کرنے کے لئے ان کی اعانت حاصل کی اور ان کو حکومت کے خلاف منظم کرنا شروع کیا۔ کانگریسی لیڈران نہ صرف اپنے انگریز آقاؤں سے مزید مراعات پانے اور اس کے واسطے عوام کی پشت پناہی حاصل کرنے کے لئے متردد تھے بلکہ عوام کے انقلابی رجحان سے بھی خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے عوام کی تحریک کو اصلاحی رنگ میں آگے بڑھایا اس سے ان کے دو خاص مقصد تھے۔

۱۔ تحریک عوام پر قابو پانا

۲۔ مزدوروں اور کسانوں کے انقلابی عناصر کو کانگریس کے نصب العین کے مقابلہ میں زیر کرنا اور حتی الوسع ان کو اقتصادی اور معاشی جھگڑوں سے دور رکھنا کانگریس کا (جس میں برژوائی عناصر غالب تھے) یہ خیال تھا کہ اگر ہندستان کے مزدور پیشہ لوگوں کا غصہ بدیسی سرمایہ کے ہیچ طبقہ کی طرف منعطف کرا دیا جائے تو اس سے ان کے جعل و فریب پر پردہ پڑ جائے گا۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں قومی آزادی کی تحریک برژوائیوں سے گزر کر عوام میں پھیل گئی۔

عوام کی بیداری | عوام کی عظیم الشان بیداری نے اگرچہ وہ ہنگامی تھی برطانوی سامراج کی تمام بنیاد متزلزل کر دی تھی۔ مگر اس کی احتجاجی منزل میں بہت تقویت پہنچائی۔ اس طرح سے طبقاتی اور قومی جد و جہد کی نشو ونما پہلو بہ پہلو ہوئی اور آپس میں ٹکرا گئی۔

عوام کی لڑائی اور گاندھی جی | عوام کی لڑائی اگر ایک طرف شہنشاہیت یعنی برطانوی سامراج کے خلاف تھی تو دوسری طرف خود ان کے گھر کے ظالموں یعنی ہندستان کے برژوائی کارخانہ داروں اور زمینداروں کے خلاف۔ لیکن اپنی ناتجربہ کاری اور حقیقی رہنماؤں کے کال کی وجہ سے وہ اپنے اصلی دشمنوں کے پہچاننے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہی اصل وجہ تھی کہ کانگریسی لیڈران ان کو کانگریس میں شریک ہونے اور شہنشاہیت کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے اور وہ اس میں جوق در جوق شریک ہوتے۔ اول اول ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حلقہ کے کانگریسی لیڈران خود وہ لوگ ہیں جن کو بلا نفاق عوام کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ ان میں ایسے لوگ بہت نمایاں تھے۔ جنھوں نے اپنی سادہ اور راہبانہ زندگی سے اپنے خیالات کی گہرائیوں کی پردہ پوشی کی۔ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے برژوائیوں کی صحیح معنی میں خدمت اور رہنمائی کی۔ ان کے حقوق کی ہر موقع پر حفاظت کی۔ وہ بیباکی سے مزدوروں اور کسانوں کے مفاد کو برژوائیوں کے اعلی مقاصد پر نثار کرتے رہے۔ اگر اس طبقہ کے طرز عمل پر غور کرو تو برژوائی ذہنیت صاف طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ سامراج پر دھاوا بولنے کے لئے ان کے پاس تین مخصوص ہتھیار تھے۔

۱۔ عدم تشدد (اہنسا)

۲۔ برطانوی مال کا بائیکاٹ

۳۔ عوام کی سول نافرمانی ــــــــ جو آگے چل کر عدم ادائگی لگان و ٹیکس کی صورت میں ظاہر ہوئی

ان میں سے ہر ہتھیار حکومت سے برژوائیوں کے لئے مراعات حاصل کرنے میں استعمال کیا جاتا تھا

برطانوی مال کا بائیکاٹ | برطانوی مال کے مقاطعہ سے ان برژوائی سرمایہ داروں کو کثیر نفع ہوا جن سے نچلے طبقے کا ہمیشہ سے تعلق رہا ہے۔ اسی طرح عدم ادائگی لگان پر عمل کرنے سے برژوائیوں کو تو نقصان کم پہنچا لیکن حکومت کے خلاف یہ سب سے زیادہ مفید اور مؤثر آلہ کار تھا۔

پرانی کانگریس کس کی لیڈر تھی؟ | ان تمام نکات کے پیش نظر ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ طبقہ برژوائیوں کا لیڈر تھا۔ ہمیشہ سے انگریزی حکومت کا حامی رہا۔ ان کا یہ قول رہا کہ حکومت برطانیہ کو ملک بدر کر دینے کے بعد عوام قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ یہ انکی دلی خواہش تھی کہ عوام کے بڑھتے ہوئے جوش اور بے چینی کو کام میں لا کر آہستہ آہستہ حکومت کا استیصال کیا جائے۔ یہاں تک کہ حکومت کی باگ ڈور بجائے برطانوی سرمایہ داروں کے ہندستانی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آ جائے۔ اور ہندستان کے غریب عوام جس طرح پہلے مصائب کا شکار ہو رہے تھے اب بھی ہوں۔ یہی وہ خواب تھا جس کو

ہم قومی اصلاح" کے نام سے یاد کرسکتے ہیں۔ اور اسی خواب پر سوراج کا وہ ہوائی قلعہ تیار کیا گیا تھا جس کی وضاحت کبھی نہیں کی گئی

الکشن اور کانگریس کی ترقی ۱۹۲۹ء میں بمبئی کے اجلاس میں کانگریس نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے یہ تسلیم کر لیا کہ عوام کی لوٹ میں ہندستانی سرمایہ داروں کا بھی ویسا ہی ہاتھ ہے جیسا غیر ملکی سرمایہ داروں کا۔ اور بلا اقتصادیات میں تغیرات کئے عوام کی مفلسی دور نہیں ہو سکتی۔ یہ تو لفظی ترقی تھی۔ اس اثنا میں ۱۹۳۶ء کے الکشن کا زمانہ آیا۔ کانگریس کو عوام کو شامل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اس کو محسوس ہو گیا کہ اگر پورے طور پر کبھی وعدے نہیں کئے جاتے ہیں۔ رجعت پسند طبقہ جس کے پاس روپیہ اور اثرات کانگریس سے زیادہ ہیں کامیاب ہو جائے گا۔ کانگریس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مزدوروں اور کسانوں سے ایسے وعدے کئے جن سے بڑے زردار طبقہ کے منافع میں کمی آتی تھی۔ گویا کانگریس تھوڑی سی عوامی ہو گئی اور اس پر سوشلسٹوں کا اثر بڑھ گیا۔ وزارت قبول کرنے کے بعد سے عوام سبھائیں برابر ترقی کر رہی ہیں جن کا کانگریس پر گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ وہ دن قریب ہے کہ جب کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں اپنے انقلابی پروگرام کو کانگریس کے ہاتھوں پورا کرائیں گی۔

روس کا پنجسالہ پروگرام

قسط نمبر

نئی قوم اور نئی زندگی

ہم نے قدرت کے بدلنے کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن ابھی ہم نے اپنے اوپر نظر نہیں کی۔ ہمارے رہن سہن کے طریقے بہت ہی خراب ہیں۔ ان کو بدلنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ہم نے اتنے بڑے کام کے کرنے کا ارادہ کیوں کیا ہے جنہیں پندرہ بیس سال اور ممکن ہے اس سے بھی زیادہ عرصہ لگے۔ ہم کانوں سے کروڑوں ٹن لوہا اور کوئلہ کس لئے نکالتے ہیں؟ ہم لاکھوں مشینیں کیوں بنا رہے ہیں؟ کیا ہم یہ سب کام صرف نیچر کو دبانے۔ اور قدرت پر قابو پانے کے لئے کرتے ہیں؟

نہیں ہم نیچر کو اس لئے بدلتے ہیں اور قدرت پر قابو پانے کی اس لئے کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم اچھی طرح رہ سکیں اور آرام سے زندگی بسر کرسکیں۔

ہم کو مشینوں کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ ہم کام کم کریں اور فائدہ زیادہ اٹھائیں۔ پنجسالہ پروگرام کے ختم تک کام کرنے کے اوقات اب سے ۵۰ منٹ کم ہو جائیں گے۔ اگر ہم فرض کریں کہ ابھی ہمیں سال میں ۲۷۳ دن کام کرنا پڑتا ہے تو ۵ سال کے بعد اس میں ۲۲۷ گھنٹہ کم ہو جائیں گے اور اگر ہر دن میں کام کے ۸ گھنٹہ رکھے جائیں تو گویا ۲۸ دن کی بچت ہو جائے گی۔

ہمارے مزدور محنت کم دیر کریں گے لیکن کام زیادہ ہوگا۔ جتنا کام آجکل ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں ہوتا ہے اتنا ہی کام پانچ سال بعد ۹ گھنٹوں میں ہو سکے گا۔ انقلاب سے پہلے کے زمانہ کو دیکھتے ہوئے محنت کے اوقات میں ۳ گھنٹے روزانہ کی کمی ہو جائیگی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مزدوری دونی ہو جائے گی۔

اور صرف اتنا ہی نہ ہوگا بلکہ کام بھی پہلے سے آسان ہو جائیگا۔ اب کارخانوں میں بجلی ہوا کریں۔ تھکے ہوئے اعصاب اور پر شکن پیشانیاں نہیں نظر آئیں گی۔ بار برداری کا کام آدمی نہیں کریں گے اس کے لئے ہم گاڑیاں اور چلتے پھرتے راستے بنائیں گے۔

تنگ تاریک دکانوں کے بجائے بڑے بڑے ہال بنائے جائیں گے جنہیں کشادہ کھڑکیاں اور پختہ فرش ہوں گے۔ میل کچیل۔ خاک دھول اور کارخانوں کا فضلہ آدمیوں کے پھیپھڑوں میں نہیں جائے گا۔ اس کے لئے وسیع روشندان بنائے جائیں گے۔ دن بھر کام کرنے کے بعد مزدور کو اتنی تھکن نہیں محسوس ہوگی جتنی کہ ابھی یا اب سے پہلے ہوتی تھی کسی پیشے میں کوئی مرض لاگو نہیں رہے گا۔ ذرا خیال تو کرو کہ ہمارے یہاں کتنے آدمی ان بیماریوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں ہر دھات کے کام کرنے والے کے پھیپھڑوں میں سیسہ چلا جاتا اور گردہ بیکار ہو جاتا ہے ایک لوہار کو اس کے زرد چہرے سے فوراً پہچانا جا سکتا ہے اور اپنی لال بھبھوکا آنکھوں کی وجہ سے کوئی بھٹی پھونکنے والا چھپا نہیں رہ سکتا

یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی جب ہم سوشلزم کی تعمیر کریں گے تو ہر شخص کا چہرہ تندرست اور سرسبز و شاداب نظر آئے گا۔ مزدور کام کرنے کو سزا یا ایک ناخوشگوار فرض نہیں سمجھیں گے بلکہ انتہائی آسانی کے ساتھ ہنسی خوشی اپنا کام کریں گے۔

لیکن جب محنت ہی میں لطف آئیگا تو آرام میں تو اور دونا مزہ ملے گا۔ کیا کوئی شخص آجکل کے گھروں میں صحیح معنوں میں آرام کر سکتا ہے۔ اتنا شور و غل۔ تنگ کمرے گندی ہوا باورچی خانہ کا دھواں۔ میلا فرنیچر۔ تھوک سے پٹی ہوئی دیواریں اور فرش۔ گندے کپڑے اور میلے برتن! کیا ان حالات میں کسی کو بھی چین نصیب ہو سکتا ہے۔ آخر آدمی کوئی رنگ پتھروں کی مشین تو ہے نہیں۔ اس کے دماغ ہوتا ہے جو معلومات کا پیاسا ہوتا ہے۔ آنکھیں ہوتی ہیں جو دیکھنے کی خواہشمند ہوتی ہیں۔ کان ہوتے ہیں جو سننا چاہتے ہیں۔ زبان ہوتی ہے جو گانا چاہتی اور ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں جو کھیلنے کودنے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔ اور ہم کو ایسا انتظام کرنا ہے کہ صرف چند خوش قسمت لوگ ہی نہیں بلکہ ساری آبادی زندگی کا لطف اٹھا سکے۔

سوشلزم کے دور میں پستہ قد بونے نہیں ہوں گے۔ زرد چہرے والے تھکے ماندے مزدور اور کوٹھریوں میں پلے ہوئے نحیف و لاغر انسان ناپید ہو جائیں گے۔ ان کی جگہ ہنستے کھیلتے۔ موٹے تازے اور تندرست نوجوان نظر آئیں گے ــــ لیکن اس مہم کو پورا کرنے کے لئے ہمارے پاس سیکڑوں نئے شہر اور لاکھوں نئے مکانات ہونا چاہئیں اور ہماری ساری زندگی ــــ یہاں تک کہ باورچی خانہ کے برتنوں میں ایک انقلابی تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ ان باورچی خانوں کو ہم نہیں چاہتے۔ ہم ان تنگ کوٹھریوں کو ڈھا دیں گے۔ ہم روسی عورتوں کو خانہ داری کی لعنت سے نجات دلا دیں گے۔ وہ بھی ہم لوگوں کی طرح کام کرنا چاہتی ہیں۔ اب ایک ایک باورچی خانے میں ایک آدمی ایک ہی وقت میں سو کھانے تیار کر سکتا ہے۔ ترکاری کاٹنے۔ برتن دھونے۔ ہانڈی چلانے۔ روٹی تیار کرنے [illegible]

بنانے والوں ان کے علاوہ بہت سے بادرچی خانے کے کام ہم مشینوں سے لے سکتے ہیں ہم مکمل تاریک اور گندے مکانوں کو گرا دیں گے اور انکی جگہ بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرینگے جن میں بڑے بڑے کمرے ہوں گے اور روشنی کے کافی انتظامات ہوں گے۔ ہم کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ محنت، آرام، کھانا پکانا، لکھنا پڑھنا اور بیماری — یہ سب کام ایک ہی جگہ پر نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے ہونے چاہئیں اور بچوں کے لئے علیحدہ کمرے ہونے چاہئیں۔ بڑے بوڑھے اور نوجوان اکثر شکایت کیا کرتے ہیں کہ بچے ان کو سونے نہیں دیتے ان کے پڑھنے میں حارج ہوتے ہیں اور ان کی بات چیت میں مخل ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے بوڑھے یہ کر کبھی بچوں کے کھیل کود اور غل شور میں دخل دیا جائے۔

ہمارے یہاں اس قسم کے مکانات موجود ہیں۔ ماسکو میں اسی طرح کا ایک شاندار مکان ابھی حال میں تعمیر ہوا ہے۔ پہلی منزل پر ایک عالیشان کھانے کا کمرہ ہے۔ دوسری منزل پر ایک بہت بڑا ہال کا کمرہ ہے جس میں کچھ دن۔ تماشوں اور متحرک تصویروں کا انتظام ہے اس کے برابر بہت سے کمرے ہیں۔ کسی میں کتب خانہ ہے۔ کوئی بات چیت کرنے اور کوئی محنت کے بعد خاموشی سے آرام کرنے کے کام آتا ہے۔ کئی کمرے مہمانوں کی خاطر داری کے لئے مخصوص کیا تیسری منزل پر بہت سے کمرے بنے ہیں یہاں لوگ ورزش کرتے ہیں۔ چھت پر کرسیاں لگی رہتی ہیں اور پھولوں کے گملے ہیں۔ گرمیوں میں لوگ یہاں آرام کریں گے اور کھلی ہوا میں سانس لیں گے۔ جاڑوں میں چھت پر جیسا بن جائے گی اور اسپر لوگ اسکیٹنگ کیا کرینگے چھوٹے بچوں کے لئے پہلی منزل پر کئی کمرے مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ یہاں ان کے کھیل کود پڑھنے لکھنے اور پڑھنے کا بندوبست ہے۔ ہر جگہ ہوا اور روشنی کا مناسب انتظام ہے۔ دیواروں اور پردوں کیلئے ایسے رنگ چنے گئے ہیں جن سے آنکھوں کو تکلیف نہ ہو بلکہ ایک طرح کا سکون اور راحت محسوس ہو۔

لیکن ہم کو صرف نئے مکانوں ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بہت سے نئے سوشلزمی شہر بھی درکار ہیں پرانا شہر گویا اندھیرے اور گندے مکانوں کا ایک ڈھیر ہے۔ پتھر کے فرش اور دیواروں کی ایک پرحسرت دنیا! کہیں کہیں پر سبزے کے جزیرے سے نظر آتے ہیں لیکن جیسے جیسے ہم اندر گھستے جاتے ہیں اور مزدوروں کے محلوں میں پہنچتے جاتے ہیں ویسے ہی ویسے گلیوں میں اندھیرا اور گندگی بڑھتی جاتی ہے۔ جو لوگ سال میں کم سے کم ایک دفعہ بھی اس پتھر کی دوزخ سے چھٹکارا پا جاتے ہیں ان کے لئے زندگی اتنی دشوار نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے یہاں بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جن کو ایک دفعہ بھی باہر جانے کی نوبت نہیں آتی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اسکول میں ایک لڑکا ایسا تھا جس نے کبھی بھیڑ نہ دیکھی تھی دوسرے لڑکوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ یہ لڑکا ایک گلی میں پیدا ہوا تھا وہیں پلا۔ وہیں بڑا ہوا اور آخر میں وہیں مرگیا۔ ساری زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی اس کو کسی کھیت یا جنگل میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

یہ منحوس شہر ہم کو پسند نہیں۔ یہ بے پھل پھول کے درختوں کی طرح ساری زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم ان کو ڈھا دیں گے اور انکی جگہ نئے سوشلزمی شہر تعمیر کریں گے۔ ہمارے سوشلزمی شہر آجکل کے شہروں سے بالکل مختلف ہوں

مستقبل کے شہر

یہ پرانے شہر کیسے وجود میں آئے؟ بیچ میں ایک قلعہ نما محل بنایا گیا۔ پھر اس مرکز کے چاروں طرف چھوٹی بڑی دوکانوں اور بازاروں کا ایک دائرہ سا بن گیا اور جب کارخانے بننا شروع ہوئے تو فیکٹریوں کا علاقہ — گویا ایک تیسرا دائرہ — تیار ہو گیا۔ ان دوکانوں اور کارخانوں کے درمیان مکانات بنائے گئے — اچھے اچھے مکانات شہر کے اندر بنے اور خراب خراب شہر کے باہر مضافات میں۔

نئے شہر اس طرح پر نہیں بنائے جائیں گے۔ ان کے بیچ میں کوئی قلعہ نہ ہوگا۔ محل نہ ہوگا۔ کوئی بازار نہ ہوگا بلکہ ایک دیو قامت کارخانہ یا بجلی گھر ہوگا۔ اور ہر پیشے کا کارخانہ بڑھتے بجلی گھر کے چاروں طرف ایک ایک بڑا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ شہر کے مرکزی حصہ اور مضافات کے مکانات کے درمیان میں کوئی پتھر کی فصیل نہ ہوگی بلکہ سبزہ کی ہری بھری دیواریں محلوں کے بیچ میں حائل ہوں گی۔ یہ دیواریں شہر کو کارخانوں کے دھوئیں سے بچائیں گی۔

نئے شہروں کا نقشہ بھی مختلف ہوگا جس طرح سورج سے کرنیں پھوٹتی ہیں اسی طرح مرکزی کارخانے کے چاروں طرف عمارتوں کی قطاریں ہوں گی۔ یہ عمارتیں فوج کی طرح سیدھی اور صف میں بنائی جائیں گی۔ سب کا رخ ایک ہی طرف نہیں ہوگا۔ مکان کا رخ سورج کی طرف ہوگا تاکہ زیادہ سے زیادہ روشنی آسکے۔ مشترکہ مکانات، اسکولوں، کتب خانوں، اسپتالوں کے چاروں طرف پھولوں کے چمن ہوں گے اور ہر گھر کے دروازہ پر ہرے بھرے بیل دار وسیع سبزہ اور بڑے بڑے درخت، قدم قدم کرنے کے واسطے تیار کئے جاتے رہیں گے گلیوں میں شور و شغب کے بجائے درختوں کی سرسراہٹ، ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اور چڑیوں کے سریلے راگ دل کو خوش کریں گے۔ کارخانوں اور رہائشی حلقے مکانات سے فاصلے پر ہوں گے کیونکہ انسان کو رہنے اور آرام کرنے کے لئے خاموش اور پرسکون ماحول کی ضرورت ہے۔ عام طور پر شہروں کی آبادی زیادہ نہ ہوگی اور عمومًا ایک لاکھ کی آبادی کا شہر غیر معمولی سمجھا جائے گا۔

مستقبل کا ہر شہر گویا کارخانہ میں کام کرنے والوں کا ایک گاؤں ہوگا اور آجکل کی طرح تمام کارخانے ایک ہی علاقہ میں نہیں بنائے جائیں گے۔ وہ ایک خاص منصوبے کے مطابق سارے ملک میں پھیلے ہوں گے جس طرح کچا مال ایک ہی جگہ پر نہیں پایا جاتا اسی طرح ہر قسم کے کارخانے بھی ایک ہی مرکز پر جمع نہیں کئے جائیں گے۔

شہر تو اس طرح پر تعمیر کئے جائیں گے لیکن دیہاتوں کا کیا ہوگا؟

ہمارے یہاں دیہات نہیں رہیں گے۔ اناج، گوشت اور دودھ سرکاری امدادِ باہمی کے فارموں کے کارخانوں سے ملے گا۔ ان فارموں کے چاروں طرف اور کارخانے ہونگے جنہیں آٹا پیسا جائے گا۔ گوشت اور ترکاری کو آئندہ کیلئے محفوظ کر کے رکھا جائیگا۔ اس طرح کارخانوں کی ایک بستی بن جائے گی اور ہر بستی کے چاروں طرف ایک شہر بسے گا۔ اس طرح شہر اور گاؤں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ کارخانوں میں کام کرنے والوں اور کسانوں میں بھی تفریق نہیں کی جا سکے گی۔

سوشلزم اب خواب و خیال نہیں رہا۔ ہم خود اپنے ہی ہاتھوں سے اس کی تعمیر کر رہے ہیں اور ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی بہت کام باقی ہے اور ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اس لئے ہم کو اور بھی جلدی بڑھنا ہے۔ اگر ہم محنت سے کام کریں تو پنجسالہ پروگرام ۵ سال کے بجائے ۴ سال یا اس سے بھی کم مدت میں پورا ہو سکتا ہے۔ ہم نے کچے لوہے اور فولاد کا پروگرام ۴ سال میں پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پٹرول اور سیمنٹ کا تخمینہ پانچ ۳ سال میں پورا ہو جائے گا۔ اور کوئلہ، تیل، پٹ، ٹریکٹر اور موٹروں کی مطلوبہ مقدار ۳ ہی سال میں حاصل ہو جائے گی۔ ہم نے مشینوں کی پیداوار کو ۵ سال میں ۳ گنا بڑھانے کا اندازہ لگایا تھا لیکن اب ہم آٹھ گنی زیادہ مشینیں تیار کر لیں گے۔ اسی طرح کچے لوہے، کوئلے اور تیل کی پیداوار اندازے سے کئی کئی گنا بڑھ جائے گی۔

کروڑوں کام کرنے والے پنجسالہ پروگرام کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ہر ایک کو امید ہے کہ اس محنت کے بعد زندگی بہتر ہو جائے گی اور اگر ہم چاہیں

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیے)

نوجوان

مجاز ردولوی

نہ چھیڑ اے ہمنشیں پھر مضطرب ہیں بجلیاں دل میں مرے آتے ہی اکثر آگ لگ جاتی ہے محفل میں
مری مضراب اکثر چھیڑ دیتی ہے رگِ جاں کو میری شعلہ نوائی پھونک دیتی ہے گلستاں کو
مرے ہاتھوں میں جب عشق و جنوں کا ساز ہوتا ہے زمیں کیا آسماں بھی گوش بر آوازہ ہوتا ہے
بھری محفل میں چھلکایا ہے جامِ آتشیں میں نے زمیں سے اُڑ کے چومی ہے ثریا کی جبیں میں نے
سراپا نور ہوں ظلمات کی گودوں کا پالا ہوں میں ہر محفل کی رونق ہوں میں ہر گھر کا اُجالا ہوں

گلستاں میرا گھر ہے ناز پروردہ ہوں فطرت کا
کوئی ٹھکرا نہیں سکتا کہ آوردہ ہوں فطرت کا

بغاوت کا علمبردار ہوں محشر بداماں ہوں فرشتوں نے جسے سجدے کئے ہیں میں وہ انساں ہوں
بڑھا ہوں جب کبھی میداں میں بغاوت کا علم کھولے فرشتے نے اجل کے آسماں پر نہیں کے پر تولے

نظر آنے لگی ہیں پھر مرے خوابوں کی تعبیریں
مرے پائے جنوں پر لوٹتی پھرتی ہیں تقدیریں

نظر سوز آشنا دل درد سے لبریز رکھتا ہوں نیامِ شعر میں اک خنجرِ خونریز رکھتا ہوں
جسے زخمی کیا میں نے وہ ہرگز جی نہیں سکتا مرے خنجر کا مارا اٹھ کے پانی پی نہیں سکتا
تڑپتی ہیں مری آواز میں مفلس کی فریادیں مرے نعروں سے ہلجاتی ہیں ایوانوں کی بنیادیں
پرانی دشمنی ہے اہلِ زر کے آستانوں سے میں بجلی ہوں گرا کرتا ہوں اکثر آسمانوں سے

اگر جیتا رہا دنیا کا مذہب ہی بدل دوں گا
میں حرفِ "زیست" کے معنی و مطلب ہی بدل دوں گا

بتا دوں گا میں اس دنیا کو جینا کس کو کہتے ہیں یہ رقص و رنگ ہی کیا چیز، پینا کس کو کہتے ہیں
عبادت کیا بلا ہے اور سجدہ کس کو کہتے ہیں شراب ناب کیا ہے، لغزشِ پا کس کو کہتے ہیں
جنوں کیا چیز ہے اور جامِ عرفاں کس کو کہتے ہیں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے، انساں کس کو کہتے ہیں

مرے سینے میں مستقبل کے جلوے مسکراتے ہیں
مرے اشعار سن کر اہلِ دولت کانپ جاتے ہیں

میں جو تفصیل رہتے۔ علاوہ ان کا یہ خاص منشا تھا کہ ہر ایک کے نجی معاملات کی کرید کرتے اور ہر ایک کے افعال کو اخلاقیات کی کسوٹی پر پرکھتے۔ لینن کو آزادی کا یہ طریقہ آنکھ جانا ناپسند تھا وہ اس کو فضول چیز سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی نے اس کے سامنے کہہ دیا کہ فلاں آدمی بڑا خراب ہے تو اس نے بگڑ کر پوچھا "تو لیہ تو بتائیے کہ آپ کے نزدیک اچھے آدمی کی تعریف کیا ہے"۔ اس چڑ کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کے دل میں دوسروں کی عزت اور ان کے جذبات کا خیال بہت تھا۔

لینن کی دوستی ذاتی جذبات کی بنا پر نہیں بلکہ سیاسی حالات کے سلسلے میں قائم ہوا کرتی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاسی تعلقات ختم ہوتے ہی انسیت رخصت ہو جاتی تھی۔ سیرپیکایا کہتی ہے۔

لینن جب کسی دوست سے سیاسی اختلافات کی وجہ سے الگ ہو جاتا تھا تو اسے جتنی کوفت ہوتی تھی اس کا بیان نہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب دوسری کانگرس میں یہ واضح ہو گیا کہ اگر [illegible] اور مارٹوف سے الگ ہونا ہی پڑے گا تو لادی میر کی کیا حالت ہو گئی۔ ہم دونوں کی پوری رات بیٹھے بیٹھے سردی سے کانپتے کٹ گئی۔ اس کے دل میں نسبت اتنی نہ ہوتی تو شاید اور جیتا۔ بستر مرگ پر لینن نے اپنے پرانے ساتھی اور مخالف مارٹوف کو یاد کیا جو خود بھی قریب مرگ تھا۔ لینن کے الفاظ میں ایک طرح کا درد تھا۔ لینن نوجوان بالشویکوں میں وہ ناچارسکی کو بہت چاہتا تھا۔ لیکن جب اس کی "خدا پرستی" کی تبلیغ مارکسی اصولوں سے گزر گئی تو لینن نے بلا تامل قطع تعلق کر لیا۔ لیکن برتاؤ کی یہ سختی صرف ذمہ دار سیاسی لیڈروں تک تھی۔ مزدور، کسان، سپاہی اور پارٹی کے دوسرے ممبروں سے ہمیشہ رواداری سے کام لیتا۔ اس کا پکا عقیدہ تھا کہ کبھی نہ کبھی ان لوگوں کو بھی فطرت صحیح راستہ پر ضرور لے آئے گی۔

منشویک اور بورژوا دشمن لینن پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس میں حکومت کی طلب بہت تھی۔ جو چیز یہ گمان پیدا کرتی ہے وہ اسکا انقلاب سے عشق ہے۔ اس احساس تھا کہ اس تحریک کو جس کامیابی سے میں چلا سکتا ہوں۔ دوسرا نہیں چلا سکتا۔ اس خیال میں حق بجانب تھا۔ اس کو تجربہ نے سکھا دیا تھا کہ جس راہ میں جاتا ہوں وہی ٹھیک ہے اور مخالفت کرنے والے یا تو بھٹک گئے ہیں یا خود غرض ہیں۔ وہ نیا [illegible] میں فلاں[?] سب سے پہلے نتیجہ پر پہونچ جاتا۔ باقی ساتھی گھوم پھر کر اسی نتیجہ پر پہونچتے۔

لینن نے مجبوراً اپنے اختیارات سے پوری طرح کام لیا کیونکہ اپنی برتر ذہانت کی وجہ سے وہ معاملہ کی تہ تک پہونچ جاتا جہاں اس کے ساتھیوں کی رسائی نہیں تھی۔ ان اختیارات کے لئے نہ تو اپنا کسی قسم کا بھلا چاہا اور نہ اپنی شان و دولت بڑھانے کی ہوس کی۔ درحقیقت میں خود پرستی اسے چھو نہیں گئی تھی۔ یہ کہنا بھی فضول ہے کہ اس میں انانیت نہیں تھی۔ اس نے نہ تو کبھی اپنی ذاتی خوبیوں اور برائیوں پر غور کیا اور نہ کبھی "آپ بیتی" لکھنے کا ارادہ کیا۔ اپنے ماضی کو اسی حد تک یاد کرتا جس حد تک آئندہ کاموں میں حرکت عمل یا پھر انقلاب کی عام پالیسی کے بنانے کے لئے اپنے حل کئے ہوئے پچھلے سیاسی مسائل کو یاد کرتا تھا۔

لینن میں تمکنت نام کو نہ تھی۔ اور نہ خود نمائی اور وہ رکھ رکھاؤ تھا جو بڑے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس بات میں وہ پلیخانوف کا بالکل برعکس تھا۔ پلیخانوف نوجوانوں سے [illegible] سوالوں کے جواب میں یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ جب تمہارے ابا اور اماں سے منگنی بھی نہیں ہوئی تھی میں اس وقت سوشلسٹ ہو چکا تھا۔ لاتعداد سوانح نگاروں نے وہ اثر لکھا ہے جو لینن کی پہلی ملاقات سے ان کے دل پر کیا۔ اور سب نے ایک سی بات لکھی ہے۔ ملنے سے پہلے پارٹی کے افسر کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ مگر باریابی ہونے پر خلاف امید ایک بھدی وضع قطع کا انقلاب پرست نظر آتا۔ جو چند ہی فقروں پر اپنی بے تکلفی، ہمدردی، اور قابل اعتبار ہونے کا سکہ دل پر بٹھا دیتا۔ دکھلاوے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ سے اسے سخت نفرت تھی۔

ایسے دھن کے پکے انقلابی کے دل میں ان چیزوں کی کیا قدر ہو سکتی ہے جسے "تمدن کی برکتیں" کہا جاتا ہے۔ مارکسی کی حیثیت سے اس کا خیال تھا کہ یہ "برکتیں" ایسے تمدن کی ضمنی پیداوار ہیں۔ جس کو صرف ایک طبقہ تیار کرتا ہے اور یہ "برکتیں" اسی طبقہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ماضی و حال کی تمام تمدنی "برکتیں" دستبردی کرنے والے طبقہ کے قائم کئے ہوئے تمدن کی پیداوار ہیں۔ یہ چیزیں اسی حد تک محفوظ رکھنے کے قابل ہیں جس حد تک مستقبل کے بادشاہ[?] طبقہ بند سماج کے ضرورت کی ہوں۔ مٹانے کی بھی حاجت نہیں۔ مگر ان میں فی نفسہ کوئی خوبی نہیں۔ تہذیب کی برکتوں کی پرستش کا وہ بالکل روادار نہ تھا۔ جب کریملن کے مینار کو بالشویک توپوں سے کچھ نقصان پہونچا اور اسپر نوجوان ادیب لوناچارسکی نے آگ بگولا ہو کر کمیساری سے استعفا دے دیا تو لینن نے اس حرکت کو بہت ذلیل نگاہوں سے دیکھا۔ کہاں پیداواری کی قسم چاہے وہ معمولی جگہ پر ہو۔ اور کہاں پرانے شہروں کی بربادی چاہے وہ نیست و نابود ہی ہو جائیں۔ ماضی دور کی پیدا کردہ سائنس صنعت و حرفت کی بہت قدر کرتا تھا اور برابر کہا کرتا تھا کہ جب تک طبقہ بورژوا کی ان برکتوں سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جائے سوشلزم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

قطعہ

گناہ!

(سالک لکھنوی)

گنہ کیا ہے صدائے دہر فانی! دلِ ہر فرد کا رازِ نہانی!

گنہگاری سے کیوں ترساں ہو ہمدم؟ گنہ کی لغزشوں میں ہے جوانی!

خبریں

ہندستان کے باہر :

چینیوں کی فتح پر فتح

۵ - اپریل - جنرل شاجن پو اور جنرل کما گنگ جن جو دو چینی فوجوں کی سالاری کر رہے ہیں، انھوں نے ٹنٹ سن کا ذریلوے کے محاذ پر جانے سے پہلے ایک حلف پر یہ لکھ کر دستخط کر دئے کہ اگر وہ لوگ جاپانیوں سے وہ سرزمین خالی کرانے میں کامیاب نہ ہوں تو قتل کر دئے جائیں۔

شمالی تائرچوانگ پر ۴۸ گھنٹوں کے اندر ، ہزار اور ہ ہزار کے اندر جاپانی فوج قتل کر دی گئی۔ لندن سے جاپانی سفیر کا بیان ہے کہ جاپانی فوجیں صوبہ شنسنگ میں شمال کی طرف دبتی جا رہی ہیں۔

۰ - اپریل - جاپانی فوجیں تائرچوانگ سے بھاگ رہی ہیں جو ما اکی میں ہیں کہ چینیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چینیوں نے فسو رچ وانگ فتح کر لیا اور جنوب کی طرف سے جاپانی فوجوں کا پیچھا کرتے ہوئے پیسین تک پہونچ گئے

جاپانیوں کی بدحواسی جاپانی افسر اس وقت جتنی فوجیں ممکن ہیں تائرچوانگ کے شمال میں بھیج رہے ہیں۔ جاپانیوں کی پوری کوشش ہے کہ تائرچوانگ کو پھر فتح کر لیں جنوب کی طرف فوجیں چلے جانے سے جو جو جگہیں جاپانیوں نے قبضہ میں کر لی تھیں، کرے پڑ گئیں، اور چینیوں نے بھی جاپانی فوجوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ننگھائی کے جنوب میں چینی برابر بڑھتے جا رہے ہیں جاپانیوں کو اقبال ہے کہ ننگھائی سے . . ۵ میل کے اندر چینی حملے ہو رہے ہیں وہ لوگ نئے نئے مورچے بنا رہے ہیں

صوبہ سوبان میں جہاں جاپانی بڑھتے بڑھتے ساویت ہیر دنی ننگریا تک پہونچ گئے تھے مگر اب ایک سو دس میل دب آئے ہیں۔

شنسنگ کی راجدھانی واپس لیلی تسی نان جو تین مہینے سے جاپانیوں کے قبضہ میں تھا۔ پھر چینیوں کے ہاتھ آگیا۔

باغی فرانکو کی جیت

۳ - اپریل باغیوں نے لریڈا فتح کر لیا - اور تاراگونا کے صوبہ میں شل فتح کر لیا۔ اب صرف ۱۶ میل سمندر سے دوری رہ گئی ہے۔ باغی کاٹیلونیا کے شمال میں جاکا کی طرف سے فرانس کی سرحد کے متوازی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

حب سے اراگان کے محاذ پر لڑائی . سے باغیوں نے ۱۳ ہزار مربع میل جیت لیا۔ اور اسپین کے خاص خاص ۵۰ شہروں میں سے ۴۰ باغیوں کے قبضہ میں آگئے ہیں۔

یہ تجویز ہو رہا ہے کہ بارسلونا سے حکومت کا دفتر ویلنسیا کو منتقل کر دیا جائے جو سرحد سے ۴۰ میل پر ہے۔ باغیوں نے موریلا فتح کر لیا۔ اور ریمنڈ تک پہونچ گئے۔ دوسری طرف تارنوسا سے قریب بڑھتے جا رہے ہیں۔ لیکن جمہوری سخت مقابلہ کر رہے ہیں (۵ اپریل) ارٹوسا فتح ہو گیا۔

سرکاری خبر ہے کہ ۹ مارچ سے لے کر تین ہفتہ کے اندر ۱۲ ۸۳ قیدی گرفتار ہوئے اور ۵۵۴۲ لاشیں دفن کی گئیں۔

۶ - اپریل - آراگان کا پہاڑی شہر ٹالگا باغیوں نے فتح کر لیا۔ یہاں پر کاٹالونیا کا بجلی گھر ہے۔ اور بارسلونا کو بجلی پہونچانے والی جو چار بڑی جگہیں ہیں ان میں سے ایک مقام ٹرسپ باغیوں نے فتح کر لیا۔

جمہوریوں کی بہادری سینڈروڈ میں باغیوں کے دھاوے کو روکنے کی سخت کوششیں ہو رہی ہیں۔ حکومت نے سوشلسٹ مزدور سبھا سے مدد مانگی۔ جو ابھی تک لڑائی سے الگ تھی۔ اس نے منظور کر لیا اور اس کوشش میں ہے کہ اس کے تمام ممبروں میں سے جن کی تعداد ۲۰ لاکھ کے قریب ہے، جو جوان ہیں۔ لڑائی میں شریک ہوں کارخانوں میں مردوں کی جگہ عورتیں لگائی گئی ہیں۔ اور مزدور سبھائیں کوشش کر رہی ہیں کہ اسلحہ زیادہ سے زیادہ تیار ہوں۔

اسپینی سفیر نے لندن کے دفتر خارجہ کو ایک تحریر دی ہے جس میں یہ ہے کہ اسپینی حکومت کو ہتھیار خریدنے کی اجازت دیجائے۔ کیونکہ اٹلی اور جرمنی کھلے طور سے فرانکو کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔

فرانس

ایم بلم کی نئی کابینہ نے اپنا اقتصادی بل پیش کر دیا۔ انقلابی سوشلسٹوں نے اس کی موافقت میں ووٹ دیا۔ خیال ہے کہ یہ بل ایوان میں منظور ہو جائے گا۔ لیکن سینیٹ میں پاس ہونے کی کوئی امید نہیں۔

۵ - اپریل - ایم بلم وزیر اعظم نے ایک تقریر کی جس میں التجا کی کہ اقتصادی بل منظور کر لیا جائے۔ بلا مالی اختیارات کے حکومت کا کام نہیں چل سکتا۔ اور جب تک بل نہ منظور ہو جائے حکومت کو مالیات پر اختیار نہیں حاصل ہوتا۔

۔۔ اپریل۔ سینیٹ نے بل منظور کر دیا۔ سوشلسٹوں نے سینیٹ کی اس حرکت کے خلاف ۔۔ ، آدمیوں کا ایک جلوس نکالا جو سینیٹ کے ہال کے سامنے چلاتا رہا "سینیٹ مردہ باد" پولیس نے ان کو منتشر کر دیا
ایم بلم نے استعفا داخل کر دیا۔ ڈالا ڈیر نے جو انقلابی سوشلسٹوں کا لیڈر رہے وزارت بنا لی ہے

چیکوسلاویکیہ | فرانس نے سوویٹ روس، پولینڈ اور رومانیہ میں اپنے متعینہ سفیروں سے کہا ہے کہ ان حکومتوں سے دریافت کریں کہ اگر جرمنی نے چیکوسلاویکیہ پر حملہ کر دیا تو ان کا کیا رویہ ہوگا۔ فرانس چیکوسلاویکیہ کی ہر حال میں حفاظت کریگا چیمبرلین کے رویہ سے معلوم ہو گیا کہ انگلستان کیا کرے گا (یعنی خاموش رہے گا)

—.:.(ہندستان).:.—

یو۔پی۔ اسمبلی۔

۶۔اپریل کو مندرجہ ذیل غیر سرکاری بل پیش ہوئے اور ان کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کئے جانے کی تحریکیں پاس ہو گئیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم کرنے کے بل۔ ہندو دھرم دیا بل۔ یو۔پی میں دوکانوں کا بل۔ یو۔پی میں نمائش پیداوار کی فروخت کا بل۔ اور ٹریڈ یونینوں کو تسلیم کرانے کا بل۔

ہندو دھرم دیا بل کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کئے جانے کی تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے سر جوالا پرشاد (محرک) نے کہا کہ جب ہندوؤں کی حالت سدھارنے کے لئے کوئی تجویز پیش کی جاتی ہے تو کانگریس اس کی سخت مخالفت کرتی ہے۔ انھوں نے حکومت کو چیلنج کیا کہ وہ ایک کام بھی ایسا بتائے جو اس نے ہندوؤں کے فائدے کیلئے کیا ہو۔

۔۔ اپریل کو وزیر عدل و انصاف نے تحریک کی کہ یو۔پی۔ اشامپ ترمیمی بل پر سلکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا جائے۔ قاعدے کے مطابق بل تین مرتبہ پیش کیا گیا۔ مخالفین کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے کہا کہ مخالف پارٹی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ حکومت کو ٹیکس بڑھانے کے بجائے تنخواہوں میں تخفیف کرنی چاہئے۔ پچھلی حکومت کے کارنامے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ پرانی حکومت نے دولتمندوں کو جنھوں نے خود اپنے قول کے مطابق موٹریں خریدنے کیلئے لاکھوں روپیہ قرض لے رکھا تھا فائدہ پہنچانے کیلئے انتہائی جلد بازی سے کام لیکر قرضہ کے قوانین بنائے تھے۔ اس سے حکومت کی آمدنی میں کچھ کمی ہو گئی۔ روپیہ آسانی سے غریبوں کی بہبود پر صرف کیا جا سکتا تھا۔ آنریبل وزیر نے کہا اس بل سے غریب کاشتکاروں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ زمینداروں اور تعلقہ داروں کی جیبوں پر اس کا اثر ہوگا۔ شراب بندی کی اسکیم پر مخالف پارٹی نے کہا تھا کہ حکومت کو بھی کمائی کا محصول نہ لینا چاہئے لیکن اب جب ایسا محصول لگایا جا رہا ہے جس کا اثر صرف مالداروں پر پڑے گا تو مخالف پارٹی اس پر بھی اعتراض کر رہی ہے انھوں نے کہا کہ وہ تنخواہوں میں تخفیف کے متعلق مخالف پارٹی کا منشا نہیں سمجھ سکتے جبکہ انہی میں سے بعض آدمیوں نے گول میز کانفرنس میں جا کر قانون ہند بنانے میں حصہ لیا تھا جس کی رو سے محکمہ بالا کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ پارٹی اپنے کو ہندو مسلمان کا ہم ہمدرد بتلاتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ دونوں فرقوں کے سرمایہ داروں کی محافظت کیلئے ہمیشہ مصروف ہیں۔ ان کو کسانوں کے ساتھ کوئی بھی ہمدردی نہیں۔

اس کے بعد وزیر انصاف نے سلکٹ کمیٹی کا ترمیم شدہ کورٹ فیس بل پیش کیا ۔۔ تاریخ تک اس کی دفعات پاس ہو گئیں اور اجلاس ۲۰ اپریل کے لئے ملتوی ہو گیا۔

، اپریل کو مسٹر بھگوت نرائن بھارگو نے دریافت کیا کہ کیا حکومت ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب کے متعلق سوالات پر وہی رویہ اختیار کرے گی جو حکومت پنجاب نے اختیار کیا ہے جواب میں وزیر اعظم نے کہا کہ وہ اس معاملہ کو ایوان کی مرضی پر چھوڑ دیں گے۔

کانگریس کی جیت | سندھ اسمبلی کے چھوٹے الیکشن میں مسٹر سی۔ ایف دالیجا کانگریس ٹکٹ پر کامیاب ہو گئے ان کو ۵۶، ۳ ووٹ ملے اور ان کے مخالف ہندو سبھا کے نمائندہ مسٹر موہن چند کو ۶۰، ۲ ۔ اب سندھ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے ممبروں کی تعداد ۹ ہو گئی ہے۔

الیکشن کے نتیجہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سندھ صوبجاتی کانگریس کمیٹی کے صدر نے کہا کہ یہ فرقہ پرستی اور قوم پرستی میں مقابلہ تھا اور سکر جو رجعت پسندوں کا مرکز ہے وہاں بھی فرقہ پرستی کو فاش شکست ہوئی ہے۔"

بہٹہ رپورٹ | بہٹہ میں ایسٹ انڈین ریلوے کے حادثہ کی تحقیقات کرنے کیلئے حکومت نے سر جان تھام (چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ) کو مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے "ٹرین کے پٹری پر سے ہٹ جانے کی وجہ پٹری کی خرابی اور X.B انجن کی انتہائی تیز رفتاری ہے۔ اس حادثہ کا تنہا سبب ریلوے کمپنی کی لاپرواہی ہے اور اس لئے کمپنی جو لوگ حادثہ میں زخمی ہوئے ہیں ان کو اور جو مر گئے ہیں ان کے ورثا کو مناسب تاوان ادا کرنے کی ذمہ دار ہے"۔

رپورٹ پر غور کرنے کے بعد حکومت نے تجویز کیا ہے کہ (۱) ریلوے کے منتظمین کی لاپرواہی تسلیم کئے بغیر ان کو ہدایت کی جائے کہ جس کسی کو بھی حادثہ سے نقصان پہونچا ہو اس سے تاوان کا معاملہ طے کر لیں (۲) رپورٹ کے مطابق X.B انجن کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک غیر جانبدار کمیٹی مقرر کی جائے۔

۱۱۔ تاریخ کو مرکزی اسمبلی میں بہٹہ کے حادثات پر بحث کرنے کے لئے دو التوا کی تحریکیں پیش ہوئیں۔ ایک کو صدر نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ جس معاملہ میں قانون بنانے کی ضرورت ہو اس پر تحریک التوا میں بحث نہیں کی جا سکتی۔ دوسری تحریک کے جواب میں ممبر ریل و رسائل نے وعدہ کیا کہ شملہ کے اجلاس میں اس پر بحث کرنے کے لئے کافی وقت دیا جائے گا۔ اس پر تحریک واپس لے لی گئی۔

زنجبار کی لونگ | سبھاش چندر بوس صدر کانگریس نے لونگ کے بائیکاٹ پر بیان دیا ہے۔ "میں کانگریس کمیٹیوں، لونگ کے تاجروں اور عام پبلک سے خلوص کے ساتھ اپیل کرتا ہوں کہ وہ باہری لونگ کے بائیکاٹ کو جلد سے جلد کامیاب اور مؤثر بنا دیں۔ تاکہ زنجبار کو یہ معلوم ہو جائے کہ زنجبار کے ہندستانیوں کی پشت پناہی کے لئے ساری ہندستانی قوم تیار ہے۔

صدر کانگریس نے دو باتوں پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ اول تو یہ کہ تمام باہری لونگ کی درآمد روک دی جائے۔ خواہ وہ زنجبار سے آتی ہو اور خواہ کسی دوسرے ملک سے۔ دوسرے یہ کہ چند مہینوں کے اندر اندر تمام باہری لونگ کا استعمال بند کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک ہم تمام دیسی لونگ کا استعمال نہ بند کر دیں اور اس طرح لونگ کی ہنگامی ضرورت نہ پیدا ہو اس کی درآمد کو روکنا مشکل ہے۔ اور جب تک ہم تمام غیر ملکی لونگ کا بائیکاٹ نہ کریں گے اس وقت تک ہندستان سے زنجباری لونگ کو نکالنا بھی ناممکن ہوگا۔

۹۔ اپریل کی خبر ہے کہ بمبئی کے کریک بندر پر کانگریسی رضا کار اور ان کے ساتھ بندرگاہ کے مزدور لونگ کے گودام پر پکٹنگ کر رہے ہیں۔ گودام میں تقریباً سولہ سو گانٹھیں پڑی ہیں۔

۔ اپریل کو بمبئی صوبجاتی کانگریس کمیٹی کی مقرر کی ہوئی لونگ بائیکاٹ کمیٹی نے اپنے

یا سیاسی لوا اور زیادہ موثر بنایا جائے۔
اور گاؤں پر زمینداروں کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور خیال ہے کہ سارے صوبے میں کام کرنے کیلئے چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنائی جائیں گی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل لوگ کے بائیکاٹ پر ۔۔۔ کیلئے عام جلسے کریں گے۔

حکومت ہند نے ۱۲- اپریل کو ایک مراسلہ شائع کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ زنجبار کی حکومت کو اصلاح دی تھی کہ زنجبار کے ہندستانیوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے جس میں ایسے سمجھوتے پر جو طرفین کو منظور ہو غور کیا جائے نیز حکومت نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ضرورت سمجھی جائیگی تو وہ اپنی طرف سے بھی ایک نمائندہ بھیج دیگی۔ حکومت زنجبار اس پر راضی ہو گئی ہے اور حکومت ہند نے مسٹر بوزمان آئی۔ سی۔ ایس کو اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے۔ مسٹر بوزمان اس سے پہلے بھی ۱۹۳۶ء کی تحقیقات میں زنجبار میں اس قسم کا کام کر چکے ہیں۔

اچھوت اور مسلم لیگ

آدی ہندو (اچھوت) کانفرنس کا اجلاس ۱۶- اپریل لکھنؤ میں ختم ہو گیا۔ اجلاس میں اس امر پر خاص طور پر زور دیا گیا۔ یو۔ پی اسمبلی میں اچھوت ممبروں کی اکثریت صحیح معنوں میں اچھوتوں کی نمائندہ نہیں ہے کانگریس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس پر اونچی ذات کے ہندوؤں کا غلبہ ہے اور اسلئے وہ غریب اچھوتوں کا کوئی خیال نہیں کرتی۔ کانفرنس کے جنرل سکریٹری مسٹر ایل۔ بی چیوار کو مقرر کیا گیا کہ وہ اقلیتوں اور خاص کر مسلم لیگ سے سیاسی تعاون کے لئے سمجھوتہ کے متعلق بات چیت کریں۔

یو۔ پی اچھوت لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ۹ تاریخ کو اپنے اجلاس میں یہ رائے ظاہر کی کہ اچھوتوں کی کسی جماعت کے مسلم لیگ سے معاہدہ کر لینے میں اچھوتوں کیلئے سخت خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس سے اچھوتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ مسلم لیگ اور طاقت پکڑ جائیگی جس زمانے میں مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈر ذمہ دار جگہوں پر تھے اسوقت انھوں نے اچھوتوں کیساتھ ذرا بھی مہربانی نہیں برتی اور انکے وقت میں اچھوت قوم کا ایک بھی آدمی سرکاری نوکری نہیں پا سکا۔ آدی ہندو کانفرنس نے یو۔ پی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے اچھوت ممبروں کے خلاف جو احتجاج کیا ہے۔ اسکے جواب میں بتایا گیا کہ یہ مخالفانہ پروپیگنڈہ ہے۔ کیونکہ کانگریس پارٹی عنقریب ایسے قانون بنانے والی ہے جن سے اچھوتوں پر اب سے بہت زیادہ رقم خرچ کیجائیگی کانگریسی حکومت نے اچھوتوں پر تمام نوکریوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ایک دو کو پارلیمنٹری سکریٹری کا عہدہ دیا ہے۔ اور پبلک سروس کمیشن کو ہدایت کی ہے کہ ڈپٹی کلکٹری کی ایک جگہ اچھوت کو دیجائے اسکے علاوہ اب اچھوت آنریری مجسٹریٹ بھی ہو سکتے ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات

حیدر آباد (دکن) ۹- اپریل کو منگل ہاٹ میں۔ عرس کے موقع پر مسلمانوں نے اپنا صندل کا جلوس نکالا۔ ایک مندر کے قریب ہندوؤں نے جلوس روکا۔ اس پر جھگڑا ہو گیا۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور جلد ہی حالات پر قابو پا لیا گیا۔ ۷ تاریخ کو اکا دکا جھگڑے ہوتے رہے لیکن صورت حال پہلے سے بہتر ہو گئی۔ مگر اگلے ہی روز دو محلوں میں فساد پھر شروع ہو گیا۔ فوج کو بلانا پڑا۔ کچھ تو فوج اور کچھ بارش کی وجہ سے ۹ تاریخ کو فساد پر پورے طور پر قابو پا لیا گیا۔ سرکاری اطلاع ہے کہ ۔۔ موتیں ہوئی ہیں اور ۵۰ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ (۲۰) کے سخت چوٹیں آئی ہیں۔ پولیس نے گرفتاریاں کی ہیں

۱۱- اپریل کو حضور نظام نے ایک فرمان جاری کیا جس میں انھوں نے عجز و حزن کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اور اس بات پر افسوس کیا ہے کہ باہری اثرات کی وجہ سے ملک کی سیاسی فضا خراب ہو گئی۔ اور اس کے نتیجہ میں دو فرقوں میں آپس میں جھگڑا ہو گیا۔

مسٹر ایس چندرا۔ نائب سکریٹری آریائی ڈیفنس کمیٹی نے فساد کی تحقیقات کیلئے حیدر آباد کا دورہ کیا ہے اور عنقریب بین الاقوامی آریائی لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے اپنی مفصل رپورٹ پیش کرنے والے ہیں۔

الہ آباد ۵ اپریل کو الہ آباد میں پھر ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ سرکاری کمیونک میں کہا گیا ہے کہ کٹرہ محلہ کی ایک مسجد میں سور کا سر نکل آنے سے الہ آباد کی فضا پھر مکدر ہو گئی ہے۔ فساد کی خبر پا کر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور حکام پولیس فوراً موقع پر پہنچ گئے اور فساد پر قابو پا لیا۔ اینٹ پتھر اور اکا دکا حملوں کی وجہ سے ۲ ہندو مر گئے اور ۔۔ زخمی ہوئے اور دس مسلمان زخمی ہوئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے اور مزید پولیس۔ مجسٹریٹ اور فوج بلا لی گئی ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا محمد میاں فساد کی خبر سن کر شہر میں گئے اور پبلک اور دوکانداروں سے اپیل کی کہ وہ فساد نہ ہونے دیں اور اپنی اپنی دوکانیں کھلی رکھیں۔ ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے بعض بدمعاشوں پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ یہ بہت ہی افسوسناک بات ہے کہ چند بدمعاش شہر میں بلوہ مچا دیتے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو صلاح دی کہ وہ آپس میں اعتماد پیدا کریں تاکہ ان دونوں میں سے کسی فرقے کے بدمعاشوں کی حرکتوں کا اثر نہ ہو۔

حکومت یو۔ پی نے فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کیلئے اخباروں کو آگاہ کر دیا ہے کہ وہ کوئی اشتعال انگیز مضمون نہ شائع کریں ورنہ انکے خلاف دفعہ ۱۵۳ (الف) کی کارروائی کیجائیگی۔ اخباروں کی جانچ پڑتال کیلئے نظامت اطلاعات میں مزید آدمی رکھے گئے ہیں۔ تقریباً ۹۰۰ اخبار اور رسالے منگائے جاتے ہیں۔

مہاتما گاندھی کلکتہ ۱۳- اپریل۔ گاندھی جی آج رات کو دہلی روانہ ہو گئے۔ یونائیٹڈ پریس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ گاندھی جی وائسرائے کی دعوت پر ان سے ملنے دہلی گئے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس ملاقات میں گاندھی جی سارے ملک کے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیئے جانے کا مسئلہ اٹھائینگے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہز اکسیلنسی وائسرائے گاندھی جی سے دریافت کریں گے کہ کانگریس فیڈریشن کو قبول کرنے سے پہلے اسمیں کون کونسی تبدیلیاں چاہتی ہے۔ چونکہ ہز اکسیلنسی رخصت پر جا رہے ہیں اس لئے خیال ہے کہ وہ انگلستان کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے گاندھی جی اور کانگریس کا نظریہ پیش کرینگے۔

کلکتہ کے قیام میں مہاتما گاندھی نے سیاسی قیدیوں کے مسئلہ پر گورنر بنگال سے ملاقات کی اور کئی مرتبہ وزیر داخلہ سر ناظم الدین سے ملے۔ اسکے علاوہ مہاتما جی نے بہت سے سیاسی قیدیوں اور نظربندوں سے بھی باتیں کیں۔ کلکتہ سے روانہ ہوتے وقت گاندھی جی نے ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ سیاسی قیدیوں کے بارے میں انکی گفت و شنید ابھی ختم نہیں ہوئی ہے وہ عنقریب اپنی تجویزیں حکومت کے سامنے پیش کرینگے اور توقع ہے ایک مہینہ میں کوئی آخری فیصلہ ہو جائیگا۔ مہاتما گاندھی نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ جب تک گفت و شنید جا رہی ہے اس وقت تک نظربندوں اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بارے میں کوئی تحریک نہ اٹھائیں اور نہ کوئی ایجی ٹیشن کریں۔

بقیہ مضمون صفحہ

خوشحالی زندگی بسر ہو سکتی ہے۔

نئے انسان

ہم نے بہت بڑا منصوبہ بنایا ہے۔ ہم نے اپنے ذمہ ایک بہت بڑی ذمہ داری لی ہے۔ قدرت کو بدلنا ہے اور خود اپنے آپ کو بھی بدلنا ہے کیا ہم میں اس کام کو پورا کرنے کی وسعت ہے۔ ہماری قابلیت بالکل محدود ہے۔ ہمارے یہاں انجینیر ڈاکٹر اور سائنسداں بہت کم ہیں۔ دیہاتوں کی آدھی آبادی جاہل ہے اس کے برخلاف امریکہ میں صرف ۶ فیصدی آدمی جاہل ہیں۔

ہم کو صرف لوہا اور فولاد صاف کرنے کے کارخانے نہیں چاہئیں بلکہ ایسے بھی کارخانے چاہئیں جن میں انسانوں کی صفائی ہو سکے۔ ہمیں اسکول، یونیورسٹیاں، کتب خانے دارالمطالعہ کتابیں اور اخبارات ہیں۔ یہ کئی گنے زیادہ درکار ہیں۔ ہمیں شراب نوشی بند کر دینا چاہئے۔ اور شراب خانوں کی جگہ ہوس، تھیٹر، سینما، کلب گھر اور آرام گاہیں قائم کرنی چاہئیں۔

ہمیں جہالت اور لاعلمی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے اور اپنے کو بہتر زندگی کے قابل بنانا چاہئے۔ یہ بہتر زندگی کوئی معجزہ نہ ہوگی۔ اس کو بنانا ہمارا ہی کام ہے

بچوں کا پروگرام

یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ پنجسالہ پروگرام صرف نوجوانوں اور بڑے بوڑھوں کا کام ہے۔ ہر بچہ اس کی تعمیر کا کام کر سکتا ہے ہر بچہ اپنے حصے کا کام پورا کرے تو یہ پنجسالہ پروگرام وقت سے پہلے ہی پورا ہو سکتا ہے پنجسالہ پروگرام میں بچوں کا حصہ یہ ہے۔

۱- چونا اور رفاسفورس دریافت کرنا

۲- کاٹ کباڑ۔ اون۔ رسی کے ٹکڑے۔ چیتھڑے اور اسی طرح کی اشیاء جمع کر کے کمبخانوں میں بھیجنا۔ ہر لڑکے کو سال میں کم سے کم ۲۰ پونڈ ایسا سامان جمع کرنا چاہئے

۳- وائرلیس اور لاؤڈ اسپیکر تیار کرنا۔ چند ہی سالوں میں ہمیں دیہاتوں میں ۸۰ ہزار وائرلیس لگا دینا چاہئیں اور ہر اسکول میں لاؤڈ اسپیکر ہونا چاہئیں۔

۴- غلے کو مختلف درجوں میں تقسیم کرنا اور صحیح بیجوں کی شناخت کرنا۔

۵- کھیتوں کو زرخیز کرنے کے لئے راکھ جمع کرنا۔

۶- نقصان دہ کیڑوں اور چوہوں کو مارنا اور ان سے کھیتوں اور درختوں کی حفاظت کرنا۔

۷- چڑیوں کے گھونسلے بنانا۔ چڑیاں ہماری کافی مدد کر سکتی ہیں کیونکہ وہ کھیتوں کو کیڑوں مکوڑوں سے پاک کر دیتی ہیں۔

۸- مرغی گھر اور چڑیا گھر بنانا اور ان کی دیکھ بھال کرنا اور ان سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے کلب قائم کرنا ــــــــــ (ختم شد)

قابل اشاعت

اطلاعنامہ بنام اشخاص درباره پیش کرنے اپنے دعوے کے

حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب مسٹر کاشاناتھ گپتا اسپشل جج صاحب بہلو درجہ دویم مقام گونڈہ

تاریخ پیشی ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

مقدمہ نمبری نمبر ۳۴۲ سنہ ۱۹۳۶ء زیر بار قرضہ

عبدالرب بیگ وغیرہ قرضدار سائل

بنام

کنجی وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

بنام ہر خاص و عام

چونکہ ۱- عبدالرب بیگ } پسران محمد زمان بیگ
۲- عبدالمجید بیگ }
۳- اسلام بیگ نابالغ ولد عبدالحکیم بیگ بولایت عبدالرب بیگ چچا خود

ساکن موضع بنجھیا پرگنہ بنجھیا تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ نے

ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہٰذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں، اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

مہر عدالت

فہرست جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی

نمبر سلسلہ	ضلع	پرگنہ و تحصیل	نام موضع یا محال	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۱	گونڈہ	پرگنہ بنجھیا تحصیل اترولہ	موضع بنجھیا محال حسن پٹی محمد زمان بیگ	حق اعلیٰ	۶ پائی	۶ پائی	
۲	"	"	موضع بنجھیا محال [illegible]	"	۱ پائی ۱۰ اک	[illegible]	
۳	"	"	موضع بنجھیا محال [illegible]	"	۵ پائی [illegible] ک	[illegible]	
۴	"	"	سیاسالتی	"	[illegible] پائی اک	[illegible]	
۵	"	"	علاول پور	"	۶ پائی	[illegible]	
۶	"	پرگنہ [illegible]	رانی پور	حق ادنیٰ	۶ پائی	[illegible]	

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثناء حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی حسب ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہو سکتی ہے

نمبر سلسلہ	نوعیت جائداد	وسعت حقیت درخواست دہندہ	کیفیت
۱	بیل گاڑی	۱ عدد	[illegible]
۲	بیل گاڑی کے	۲ راس	[illegible]
۳	کرسی	۴ عدد	[illegible]
۴	تخت	۴ عدد	[illegible]
۵	بنچ	۱ عدد	[illegible]
۶	میز	۱ عدد	[illegible]

دستخط منصرم عدالت اسپشل جج درجہ دویم گونڈہ مورخہ ۶ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء

ہندستان نیوز پیپر پبلشنگ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودھری ... سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپوا کر نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۲ نمبر ۱۷ — ۲۴ اپریل ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ار سالانہ ۳ ے ر

برطانیہ کی خارجی پالیسی کا مقصد

برطانوی حکومت کا ہمیشہ یہ مقصد رہا ہے کہ مغربی یورپ میں آپس میں ایک باہمی معاہدہ ہو جائے۔ اور اس طرح روس تباہ ہو جائے۔

برطانوی قدیم حکومت ہمارا یہ مانتی رہتا ہے کہ اقتصادی اسباب ایسے ہیں کہ فسطائی طاقتیں پھیلتی جائیں گی۔ اور یہ چاہتی بھی ہے کہ وہ فرانس کی حکومت کو برطانیہ کے علاوہ اور حکومتوں کو ہٹا ہٹا کر پھیلتی جائیں۔ برطانیہ لڑنے کے لئے تیار ہے مگر صرف اس صورت میں کہ اس پر حملہ ہو اور کسی صورت میں نہیں۔ اس پالیسی کی یہ وجہیں ہیں (۱) انگلستان کے لوگ لڑائی کے خلاف ہیں۔ (۲) انگریزوں کو یقین ہے کہ اگر جرمنی، اٹلی اور جاپان کو پھیلنے سے روکا گیا تو ان کی فسطائی حکومتیں مٹ جائیں گی۔ اور ان کی جگہ سوشلزمی حکومتیں ہو جائیں گی۔ جن کا اخلاقی دباؤ انگلستان پر سخت پڑے گا۔

اسی پالیسی کے نتیجے ہوئے (۱) حبشہ کو لٹنے کے لئے چھوڑ دیا۔ (۲) اٹلی کو اسپین پر حملہ کرنے دیا بلکہ ایک طرح اس کی مدد کی۔ (۳) چین میں جو انگریزی سرمایہ لگا تھا اس کو خطرے میں ڈال دیا۔ (۴) وسطی یورپ میں جو انگریزی سرمایہ لگا تھا اس کو خطرے میں ڈال دیا۔ انگریز سرمایہ داروں کی ایک بڑی جماعت اس پالیسی پر معترض ہے اس کے علاوہ برطانوی بحری، بری، فوجی افسر بھی جو جبرالٹر میں رہتے ہیں اور فسطائی خیالات کے ہیں اس کو پسند کرتے ہیں۔

چیمبرلین نے ادھر چند ہفتوں کے اندر جرمنی اور اٹلی سے بات چیت کر کے اس پالیسی کو معقول منزل تک پہونچا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی نے آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔ اسپین میں جرمنی اور اطالوی فوجیں اور اسلحہ بکثرت پہونچ گئے۔ جو کچھ ہی دن میں اسپین کی جمہوریت کا خاتمہ کر دیں گے چیمبرلین نے اٹلی کے صلحنامہ پر دستخط کر دئے۔ اور اب اس کو روپیہ دلانے ہی والا ہے۔

اگر فرانس جلدی ہی اسپین کی مدد نہیں کرتا ہے تو اسپین فسطی ہو جائے گا۔ اور فرانس فسطائی فوجوں سے گھر جائے گا۔ غالباً چیمبرلین کا خیال ہے کہ اس وقت ممکن ہو تو فرانس سے وعدہ کرے کہ اس کو روس سے توڑ لیا جائے۔ اس وقت جرمنی کو روس پر حملہ کرنے کا پورا موقع ملے گا۔ انگلستان کو یہ بھی امید ہوگی کہ جب لڑائی ختم کے قریب ہوگی تو بیچ میں پڑ کر من مانی شرطوں پر صلح کرا دے گا۔

آسٹریا کو لینے سے جرمنی مطمئن نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت دونوں ملک ضرورت سے زیادہ پیتی ہیں۔ آسٹریا کا لوہا جرمنی کے کوئلہ سے مل کر اور زیادہ اسلحہ بنائے گا۔

فرانس اور روس دونوں نے چیکوسلاویکیہ کے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے شاید جرمنی ایک دم سے اس پر حملہ نہ کرے۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس کی اقتصادیات پر قبضہ کرے۔ اور پھر اس کا دباؤ ہنگری اور رومانیہ پر ڈال کر وہاں کا گیہوں اور تیل قبضہ میں کرلے جن کی اسے سخت ضرورت ہے۔ اس دوران میں انگلستان اپنے طریقوں سے فرانس کی ترقی پسند جماعت توڑ دے اور وہاں کے رجعت پسندوں کو اقتدار میں لا کر ان سے صلح کر لے۔

چیمبرلین کی پالیسی

میں بڑے بڑے خطرے ہیں۔ اس وقت بحیرۂ روم اور چین ہاتھ سے جا چکا ہے۔ اس سے جرمنی اتنا زور پکڑ جائے گا کہ یا تو انگلستان کو اس سے لڑنا پڑے گا۔ یا اس کے مقابلے میں دبنا پڑے گا۔ انہیں وجہوں سے انگلستان کی قدامت پسند پارٹی اس پالیسی کو نا پسند کرتی ہے۔ اور ایک طبقہ لیگ اقوام کے ٹوٹنے۔ آسٹریا کی غلامی اور اسپین کی تباہی سے بہت برافروختہ ہے لیکن وہاں کی مزدور پارٹی میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چیمبرلین کو ہٹا دے۔ بہت ممکن ہے کہ قدامت پسند طبقہ چیمبرلین کو ہٹا کر چرچل کو

ہی تو ہے۔ میسور کانگریس کمیٹی نے اس حکم کی نافرمانی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اس میں اب تک ۵ آدمی جیل جا چکے ہیں۔

ہندستانی سرمایہ داروں کے مقابلہ میں انگریزی سرمایہ دار

دنیا میں کشمکش کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ عالمگیر اسلحہ بندی کے سرمایہ داروں کی بن آئی۔ جیسے جیسے جان لیوا ہوائی جہاز، بم اور گرد باروود تیار ہوتا جاتا ہے۔ ان میں کام آنے والی چیزوں، لوہا، فولاد، سیمنٹ، تانبا، اور چند قسموں کی کیمیاوی ملاوٹوں کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے اور یہ صنعتیں ترقی پکڑ رہی ہیں۔ کچھ ایسی صنعتیں ہیں جن کی مدد کے بغیر یہ بھاری صنعتیں نہیں چل سکتیں۔ اس سے وہ بھی زور پکڑ رہی ہیں۔ یہ سلسلہ تین چار سال سے جاری ہے اور اس کا اثر ہندستان پر بھی پڑ رہا ہے۔ یہاں بھی ان چیزوں کے دام چڑھ رہے ہیں۔

دوسری طرف عالمگیر لڑائی۔ اسپین، اور چین جاپان کی ایسی کئی لڑائیوں کی امید بندھتی جا رہی ہے۔ نفع کمانے کی یہ صورتیں دیکھ دیکھ کر انگریزی اور ہندستانی سرمایہ داروں کے منہ میں پانی بھر رہا ہے اور دونوں کے دونوں بہت بے صبری سے ان صنعتوں میں سرمایہ لگا رہے ہیں۔ انگریزی کمپنیاں جو بھی ہوئی ہیں وہ اپنے کارخانوں کی شاخوں پر شاخیں ہندستان میں کھولتی جا رہی ہیں۔ ہندستانی سرمایہ دار ان کا مقابلہ یوں نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی تجارت جاننے کے لئے لگو دوں روپیہ بیاہ رہے کر بیٹھا رہیں۔ دوسری طرف نئے دستور اساسی نے وائسرائے اور گورنروں" انگریزی سرمایہ دار کو گھاٹے سے بچانے" کے لئے مخصوص اختیارات دے رکھے ہیں، جنکو وہ کام میں برابر لا رہا ہے۔

پچھلے ہفتہ میں اسمبلی میں انکم ٹکس بل پیش ہوا تھا۔ اس پر کانگریسی ممبروں کے دو اعتراضات تھے۔ ایک تو یہ کہ اس میں انگریزی سرمایہ داروں کو بہت بچائی سے بچایا گیا تھا۔ اس بچاؤ کی چوٹ ہندستانی سرمایہ داروں پر پڑ رہی تھی۔ اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ انکم ٹکس کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں فرمائش کی ہے کہ ہندستان سے غیر ملکوں کی آمدنی کے تخمینہ میں ان کی بیرونی آمدنی جوڑ لی جائے۔ اس بل میں اس کا خیال نہیں رکھا گیا۔ آخر یہ بل پبلک کی رائے لینے کے لئے روک لیا گیا ہے۔

اگر ہم ہندستانی سرمایہ داروں کی طرفداری نہیں کریں گے، اور خاموش رہیں گے تو یہی خاموشی انگریزی سرمایہ داروں کو جتا دے گی۔ اس طرح ہندستان میں انگریزوں کے قدم اور گہرے جم جائیں گے۔ اس لئے اس موقع پر ہم کو ہندستانی سرمایہ داروں کی ہمدردی کرنا ہے۔ مگر یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس سرمایہ داری سے اصل نفع اس وقت ہو سکتا ہے جب یہ ذاتی ملکیت سے نکل کر مزدوروں کی اور سارے سماج کی ملکیت ہو جائے۔

مسلم لیگ کدھر؟

لکھنؤ کے اجلاس میں مسٹر جناح نے اپنے بڑے خطبۂ صدارت میں صرف ایک جملہ غریب عوام کے لئے کہا تھا۔ وہ یہ کہ "عوام کی غریبی اور بیروزگاری کی باتیں کرنا، سوشلزم پھیلانا ہے جس کے لئے ہندستان تیار نہیں"۔ اس کے علاوہ عام کے لئے کچھ نہیں کہا۔ غریبی روٹی کا نام تک نہیں لیا۔

لیکن اب کلکتہ کے جلاس میں فرماتے ہیں:۔

"ہم کو موجودہ حالت میں، مسلمان عوام کو ایک بہتر دنیا کے لئے اور ان کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے منظم کرنا ہے۔ اور ایسی سکیمیں بنانا ہیں جو ان کی تعمیر کریں اور ان کی مصیبتوں کو دور کریں۔ جو ان کو غریبی اور تباہ حالی سے جس میں وہ ہندستان کے سب فرقوں سے زیادہ گرفتار ہیں نجات دلائیں"۔

غریبی، تباہ حالی کا ذکر اور پھر عوام کے لئے! یہ انقلاب! کیا مسٹر جناح بھی سوشلسٹ ہوتے جا رہے ہیں؟ اب یہ حال ہے تو چھ مہینے کے بعد کیا ہوگا۔ اور سال بھر بعد کیا ہوگا؟ کیا مسلم لیگ دن بدن سوشلسٹ ہوتی جائے گی؟

ہر تحریک کے تین دور ہوتے ہیں (۱) پروپیگنڈا۔ جس میں لوگوں کو تحریک کا مقصد سمجھایا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ کون تمہارے دشمن ہیں اور کون دوست۔ اس میں جلسے تقریریں ہوتی ہیں۔ نظموں اور مضمونوں کا زور رہتا ہے (۲) تنظیم۔ ممبر بنائے جاتے ہیں آفس کھولے جاتے ہیں۔ اور ذمہ داریاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ (۳) عملی کام۔ دوسرے دور پر پہنچ کر لوگ منتظر ہوتے ہیں کہ اب کچھ ہونا چاہئے۔ کوئی ایسا کام شروع کیا جائے جس سے ہم دشمنوں کو ہرا کر اپنا مقصد حاصل کر لیں، یا اپنے مقصد سے قریب ہو جائیں۔

عدم تعاون کی تحریک یوں شروع ہوئی کہ چند آدمیوں نے سول نافرمانی کر کے اپنے کو گرفتار کرا دیا۔ یعنی بہت طاقت سے پروپیگنڈا کر دیا۔ اب علما نے تقریریں کیں اور لوگوں کو جوش سے بھر دیا۔ اس کے بعد جماعت منظم ہوئی اور اس نے فوراً عملی کام یعنی سول نافرمانی چھیڑ دی۔

کسانوں کی تحریک بھی یوں ہی تھی کہ پہلے ایک جماعت نے پروپیگنڈا کیا کہ کسانوں کی کتنی بری حالت ہے۔ اور کیوں ہے۔ اس کے بعد کسان سبھائیں بنانا شروع کیں۔ پھر تیسرا دور یوں شروع ہوا کہ بیگار، بیٹ اور نذرانہ وغیرہ کے خلاف جلوس نکالے اور جماعت بندی کی۔

مسلم لیگ نے الکشن ختم ہوتے ہی، سمجھوتے سے مایوس ہو کر پروپیگنڈا شروع کیا کہ کانگریس کافروں کی جماعت ہے۔ کانگریس مسلمانوں کے حقوق کھائے جا رہی ہے۔ اردو کی

کے لئے لڑتے ہیں کہتے : "مسلمانو اسلام کے نام پر متحد ہوجاؤ" انہی نعروں پر اس نے تین چھوٹے الکشن جیتے۔

اس پروپیگنڈے میں یہ بات پر غور کرلینا چاہئے۔ مسلم لیگ نے پروپیگنڈے کا آلہ اسلام کے نام کو بنایا۔ شیعوں کی تقریروں میں ویسی ہی باتیں ہوتی تھیں جیسی کہ مسجد شہید گنج کے لئے لڑنے والوں میں۔ معلوم ہوتا تھا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسی قسم کے اسلامی فرائض کے لئے لڑ رہے ہیں۔ لیکن مقصد لڑائی کا بالکل مختلف تھا جس کے معنی لیگ نے کبھی نہیں بتائے۔ لیکن اس کے بیانات اور مطالبوں نے کھول دیا کہ مطلق کے معنی تھے چند آدمیوں کو مسلمانوں کا نمائندہ بنا کر ان کو وزارت اور بڑے بڑے عہدے دے دینا۔

اس کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم شروع ہوئی۔ سوال یہ اٹھا کہ تنظیم ہو کیسے کیونکہ کسانوں اور مزدوروں کو لبھانے کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔ حقوق کے معنوں میں لالچ ضرور ہے۔ بیکار نوجوان سمجھ لیتے ہیں کہ اگر یہ چیز مل گئی تو ہم بھی ملازم ہوجائیں گے لیکن اتنا لالچ نہیں جو کسان اور مزدور پھنس جائیں۔ اب وہ اتنے سمجھدار ہوگئے ہیں کہ صاف صاف پوچھتے ہیں۔ ہم کو کیا ملے گا۔ مسلم لیگ کی یہ پریشانی آزاد مسلم لیگ کانفرنس نے حل کردی۔ اس نے ایک جلوس نکالا اور راجہ صاحب محمود آباد کے سامنے مطالبات کی ایک لمبی فہرست پیش کی جس میں اس قسم کے مطالبات تھے۔

"مسلمان مزدوروں کی تنظیم کی جائے۔ تاکہ وہ مل مالکوں سے لڑ کر اپنی تنخواہ بڑھائیں کام کا وقت کم کرائیں۔ باتنخواہ رخصت اور پنشن حاصل کریں۔" اسی طرح مسلمان کسانوں کی تحلیوں اور اسی قسم کی جماعتوں کی اسی قسم کی تنظیم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان مطالبوں میں کچھ اسلامی مطالبے بھی تھے۔ مثلاً یہ کہ تعلقداروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی جائداد کو شرع کے موافق وراثت میں تقسیم کریں۔ مل مالکوں اور زمینداروں کو زکوٰۃ اور خیرات دینے پر مجبور کیا جائے۔ نہ مانیں تو مزدوروں اور کسانوں کی جماعتوں سے ان پر دباؤ ڈالا جائے۔

یہ مطالبات ایسے تھے جو عوام کو بلاتے تھے اور لیگ کو راستہ بھی بتاتے تھے کہ یہ مطالبات کس طرح مسلمان کسانوں اور مزدوروں کی جماعت بنا کر پورے کرائے جائیں۔ راجہ صاحب محمود آباد نے ان مطالبوں کا گروا نگال کر اپنا حصہ اپنا لیا۔ انہوں نے یہ تو سہہ لیا کہ مسلمان کسانوں کی بیگار بند کی جائے۔ مسلمان مزدوروں کی تنخواہ بڑھائی جائے۔ لیکن عمل کا ٹکڑا جو تھا کہ ان کی تنظیم کی جائے تاکہ وہ لڑ کر اپنی مانگیں پوری کرائیں نکال دیا۔ اور شرعی مطالبات جو تھے یعنی زکوٰۃ، خیرات اور وراثت کے مسئلے ان کو بھی نکال دیا۔ اب یہ چیز بن گئیں۔ "لیگ کا اقتصادی پروگرام"۔ یہ پورا کیسے ہوگا؟ اس طرح کہ لیگ کے لیڈروں کو وزیر بنواؤ وہ سب کردیں گے۔ اگر نہ کریں تو؟ یہ کلمۂ کفر ہے اس کو لیگ نہیں سن سکتی۔

اب تنظیم کا دورہ شروع ہوا۔ ضلع ضلع قصبہ قصبہ میں اس کے آفس کھولے گئے اسلام کے نام پر لوگوں کو گرمایا گیا۔ ہندوؤں کے خلاف نفرت پھیلائی گئی اور ان کو ہر طرح کی سرفروشی کیلئے تیار کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اب مسلم لیگ کرے کیا؟ اس وقت مسلم لیگ کا جو عملی پروگرام ہے اس کو ایک تو موجودہ کانگریسی وزارتیں پورا کرر ہی ہیں۔ دوسرے مسلم لیگ اگر کرنا بھی چاہے تو اس وقت کرسکتی ہے جب اس کو وزارت مل جائے۔ اور کانگریس وزارت دیتی نہیں۔ اس کے چھیننے کی لیگ کے پاس صرف ایک ترکیب ہے وہ یہ کہ مسلمان عوام سے کوئی بار بار مانگا جا رہا ہے، روا نہ کرائی جاتے اور بار بار مانگا کام رداں عمل پروگرام پر موقوف ہے گویا قصہ یہ ہے کہ عملی پروگرام پر منحصر ہے بار بار مانگا کار روائی ۔ اور بار بار مانگا کار روائی پر عملی پروگرام۔

مذہب کے لیبل نے بھی مسلم لیگ کو بہت تنگ کیا۔ مدح صحابہ اور تبرا کے مسئلہ پر اس کے پاس کوئی حل نہیں۔ شیعوں کی ایک جماعت نے مسلم لیگ سے حقوق مانگے تھے۔ اس کا بھی اس کے پاس کوئی حل نہیں۔ مسلم لیگ نماز، روزہ کا پروپیگنڈا کبھی نہیں کرسکتی۔ لیکن اردو کا پروپیگنڈا کرتی ہے۔ داڑھی مونڈنے کی مخالفت نہیں کرسکتی۔ لیکن جداگانہ انتخاب کی حمایت کرتی ہے۔ لیکن جب مذہبی لیبل لگا ہے تو مذہب کے قوانین بھی ماننا پڑیں گے۔ کم از کم مذہبی جماعت کا مطالبہ ہوگا۔ کچھ لیگی علما نے لیگ سے ایسا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر مسٹر جناح نے کہا ہے۔

"ہم نے مولاناؤں اور مولویوں کے مضر اثر . . . . بڑی حد تک لیگ سے دور کر دیا ہے"۔

لیکن یہ مولاناؤں کا اثر اس وقت تک نہیں دور ہوسکتا جب تک لیگ مذہب کا لیبل لگائے ہے۔ یہ لیبل وہ ہٹا بھی نہیں سکتی۔ یہ ہٹا اور لیگ کی شامت آئی۔

مسلم لیگ کا یہ کلکتہ کا اجلاس تقریباً غیر سیاسی تھا۔ نہ تو موجودہ مسائل پر بحث کی گئی۔ نہ یہ بتایا گیا کہ لیگ کو کیا کرنا چاہئے۔ صرف ایک رٹ تھی سمجھوتا۔ سمجھوتا۔ سمجھوتا۔ اس کو گھما پھرا کر کہا۔ صاف صاف کہا۔ ذرا دھمکا کر کہا۔ غرض ہزار طرح سے کہا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ کن شرائط پر سمجھوتا ہوگا۔ کیسے کہہ دیتے کہ لالہ خالی کو مسلمانوں کا اجارہ دار بنا کر وزیر بناؤ۔

جب تک جماعت موجود ہے۔ عملی پروگرام کی ضرورت نہیں۔ ملتی کا کانگریس کو دھمکانے کے لئے اگر کانگریس سمجھوتے پر راضی نہ ہو تو پھر کچھ کرنے کے لئے۔ لیگیوں کو ابھائے رکھنے کے لئے۔ اور عوام کو پھنسانے کے لئے اس کی ضرورت ہے بلا اسکے کام نہیں بنتا۔

مسٹر جناح نے لکھنؤ کے اجلاس میں غریبی کو ٹالدیا تھا لیکن اب چھ مہینہ کے بعد جب کہ ہندستان میں کئی طاقتور جماعتیں روٹی روٹی پکار رہی ہیں۔ اس کے لئے لڑ رہی ہیں اور فتحیاب ہورہی ہیں۔ ٹالا نہیں جاسکتا تھا کیونکہ پھر عوام ہاتھ نہیں آسکتے تھے غریبی کو لڑائی کی بنیاد یا جز ماننا ہی لیگ کے لئے مضر ہے مگر مجبوری تھی اس لئے غریبی کا اقبال کیا اور اس کے دور کرنے کی تجویزوں پر عمل کرنے کو کہا۔ گویا رجعت پسند جماعت ذرا سی ترقی پسند ہوگئی۔

"یہ عمل" زبانی ہے۔ کیونکہ عمل کا کوئی راستہ بتایا نہیں۔ اگر کسانوں کا وجود سعدوں کا زور اور بڑھ گیا تو مسلم لیگ اور آگے بڑھے گی۔ اس وقت کہے گی کہ مسلمان کسان سبھائیں اور مزدور سبھائیں بناؤ۔ یہ چیز اس کے مفاد کے لئے نہایت مضر ہوگی لیکن اس وقت عوام کو پھنسانے کی صرف یہی ایک صورت رہ جائیگی۔ رجعت پسند جماعت ترقی پسند جماعت کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور ہوتی ہے مسلم لیگ کا غریبی کو مان لینا، اس کی ترقی پسندی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ہم کتنا آگے نکل آئے ہیں — اور مسلم لیگ کن مصیبتوں میں پھنسی ہے

چیکوسلاویکیہ

ہاجرہ بیگم

آج تمام دنیا کے اور بالخصوص یورپ کے لوگوں کی آنکھیں ہروم چیکوسلاویکیہ پر لگی ہوئی ہیں۔ یہ وہ ملک ہے جہاں سے آناً فاناً میں خوفناک جنگ کی چنگاریاں اڑکر پہلے یورپ اور جلد ہی پھر تمام دنیا کو اپنے شعلوں میں لپیٹ سکتی ہیں۔ آیئے ذرا ایک نظر اس ملک کی تاریخ پر ڈالیں تاکہ اس ملک کی سیاسی اور بین الاقوامی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوجائے۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا ایک حصہ علیحدہ ہوگیا اور چیکوسلاویکیہ جمہوریت وجود میں آئی۔ دس کے بعد ایک خودمختار علاقہ کی حکومت تارودنی ولائی اور یعنی قومی مجلس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس خودمختار علاقے دو آسٹریا کے صوبے یعنی بوہیمیا، موراویا اور دو ہنگری کے صوبے یعنی سلاویکیہ اور روتھینیا شامل تھے اور آبادی کے لحاظ سے پچتر لاکھ چیک قوم کے لوگ شامل تھے جو سیاسی اور صنعتی اعتبار سے کافی تجربہ کار اور پختہ کار تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ہی ساتھ بیس لاکھ جاہل اور اجڈ سلاویک کسان بھی تھے۔ پھر پینتیس لاکھ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صنعتی اعتبار سے نہایت ماہر جرمن۔ تھے سات لاکھ ہنگرین تھے جنھیں سے زیادہ تر کسان تھے۔ اسی ہزار پول (یعنی پولینڈ کے رہنے والے) اور چند ہزار روسی۔

اتحادیوں کی مدد سے پروفیسر مسرک چیکوسلاویکیہ کا پہلا پریزیڈنٹ اور ڈاکٹر ایڈورڈ بنیس وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ صلح (ا ہے؟) شرائط کا بدولت مسٹر بنیس نے اپنے ملک کو سلطنت آسٹریا کی اسی فیصدی صنعتیں اور کارخانے دلوادئے۔ اس ڈر سے کہ کہیں آسٹریا اور ہنگری اپنی کھوئی ہوئی زمینوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش نہ کریں چیکوسلاویکیہ نے ۱۹۲۰ء میں دو ملکوں یعنی یوگوسلاویہ اور رومانیہ کے ساتھ دوستانہ اور مدافعانہ عہدنامے کئے۔ کیونکہ ان دونوں ملکوں کو بھی خطرہ تھا کہ کہیں آسٹریا ہنگری پر دوبارہ خاندان ہاپس برگ کا پرچم نہ لہرانے لگے۔ اس عہدنامے کی بدولت جو تعلقات ان تین ملکوں یعنی چیکوسلاویکیہ، یوگوسلاویہ اور رومانیہ میں قائم ہوئے وہاں سے لٹل انتانت کی ابتدا ہوتی ہے۔ جو کہ ان تین ملکوں کی دوستی کا ایک نام ہے۔

۱۹۳۵ء میں پچاسی برس کی عمر میں پروفیسر مسرک حکومت کی صدارت سے بوجہ ضعیفی خود دستبردار ہوگئے۔ اس عرصہ میں مسرک کے زیر اثر چیکوسلاویکیہ لیگ آف نیشنس کی ایک وفادار اور نمایاں رکن بن چکی تھی۔ جب جرمن میں ہٹلر برسر اقتدار آیا اور چیکوسلاویکیہ کے ایک خطے سوڈیٹن جرمنی کو جہاں پچیس لاکھ جرمن بستے ہیں ہضم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تب تو مسرک کے کان کھڑے ہوئے۔ ادھر پولینڈ نے جرمن سے معاہدہ کیا سوویٹ روس فرانس سے پہلے ہی ایک معاہدہ کرچکی تھی اسی سال مئی میں چیکوسلاویکیہ کے جرمن باشندوں نے مدتمالی کی اکثریت سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بجائے نامشست لینڈ رکا (؟) ہوکر ان اصاس کی نازی پارٹی کا ساتھ دیں گے۔ اس کی بنا پر ہٹلر نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس کا یہ مطالبہ کہ چیکوسلاویکیہ کا جرمن خطہ جرمنی میں شامل کرلیا جائے جائز اور برحق ہے۔ اس کا جواب چیک حکومت نے یہ دیا کہ سرحدی علاقہ میں تمام جرمن ہی نہیں بستے بلکہ بہت سے غیر جرمن بھی ہیں اور اس علاقہ کو جرمنی کے حوالہ کردینے سے یہ غیر جرمن بھی لازمًا ہٹلر کے حوالے کردئے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ اب اگر چیکوسلاویکیہ میں جرمنوں کی ایک اقلیت ہے تو پھر جرمنی میں غیر جرمنوں کی ایک اقلیت ہوجائیگی۔ اس الٹ پھیر کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکے گا۔

اکثر سیاسی ماہرین کو پورا یقین ہے کہ جس طرح ہٹلر نے دفعتاً بڑھ کر رہائن لینڈ پر مارچ ۱۹۳۶ء میں فوجی قبضہ کرلیا اور پھر ابھی حال ہی میں دیکھتے ہی دیکھتے آسٹریا کو نگل گیا۔ اسی طرح وہ عنقریب ہی چیکوسلاویکیہ میں بھی مداخلت کرے گا۔ مس ایلین وِلکنسن نے جو انگریزی پارلیمنٹ کی لیبر ممبر ہیں۔ واقعہ سے ایک عرصہ پہلے ہی دنیا کو یہ خبر دی تھی کہ جرمن نازی رہائن لینڈ پر چڑھائی کی تیاری کررہے ہیں۔ آپ نے ابھی چند دن ہوئے یہ خبر دی ہے کہ نازی پھر دھاوے کی تیاری کررہے ہیں۔ ہٹلر کا کہنا تو یہی ہے کہ وہ صرف سوڈیٹن جرمنی کو جرمنی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ خیال ہے کہ سکوڈا کا مشہور کارخانہ جو وسط یورپ میں سامان جنگ تیار کرنے والا بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ اس علاقہ سے باہر واقع ہے۔ اس لئے ہٹلر کی نیت پر اکثر لوگوں کو شک ہے۔

حال ہی میں گورنمنٹ برطانیہ کے ہاتھ چند نقشے اور کاغذات آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ اسکیم ہے جو جرمن جنرل اسٹاف اور نازی پارٹی نے گویا چیکوسلاویکیہ پر قبضہ کرنے کے لئے بنائی ہے۔ ان کاغذات کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اسکیم حسب ذیل ہے۔

جرمن پہلے اپنی فوجیں جرمنی کی جنوبی اور آسٹریا کی شمالی سرحدوں پر بھیج دیں گے۔ اس کے بعد وہ سوڈیٹن جرمن قوم کے لوگوں کو اور ہنگرین قوم کی اقلیتوں کو جو خودمختار ہونا چاہتے ہیں اعلان کریں گے کہ تم لوگ چیکوسلاویکیہ کے شرقی علاقوں میں بغاوت کا علم بلند کردو۔ جرمنوں کا اندازہ ہے کہ چیکوسلاویکیہ میں بغاوت کے آثار نمودار ہوتے ہی چیکوسلاویکیہ کی حکومت فوراً بغاوت کو دبانے کے لئے چیکوسلاویکیہ کے علاقہ میں فوجیں روانہ کرے گی۔ ادھر سے ہنگری والے بھی اپنے ہم قوموں کی مدد کے لئے چیکوسلاویکیہ کی شرقی سرحد پر فوجیں بھیجیں گے۔ ادھر ملک کے اندر کونن لائن کی ماتحتی میں نازی ملک میں فساد برپا کریں گے اس کام کے لئے چیدہ اور برگزیدہ نازی افسر پیشتر ہی چیکوسلاویکیہ کی حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔ غرض ملک کی اس پریشانی اور ابتری کی حالت میں جرمنی کی فوجیں جنوب سے چیکوسلاویکیہ پر دھاوا بولیں گی اور جرمن فوجیں آسٹریا اور بویریا کے علاقوں سے نکل کر مغرب سے حملہ کریں گی۔

ایک عرصہ سے یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ اس بات کی کوشش کیجارہی ہے کہ رومانیہ اور یوگوسلاویہ جو دو ملک چیکوسلاویہ کے دوست و مددگار ہیں وہ ایسے نازک وقت میں چیکوسلاویکیہ کو اس کے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مدد کو نہ آویں اور یوں لٹل انتانت کے ٹکڑے ہوجائیں۔ ان خبروں سے جرمنی کی پالیسی اور خفیہ تیاریوں کی اور بھی تائید ہوتی ہے

برطانیہ کی پالیسی اس معاملہ میں نہایت صاف اور دلچسپ ہے۔ بظاہر برطانیہ امن اور صلح کا حامی ہے۔ نہ وہ ظالم فاسسٹوں سے مل کر رہنا چاہتا ہے اور نہ روس اور فرانس سے مل کر اٹلی اور جرمنی کے خلاف۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔ برطانیہ کی پالیسی سراسر یہی ہے کہ جرمنی اور اٹلی کی علانیہ اور خفیہ ہر ممکن طریقہ سے امداد کرتا رہے تاکہ اٹلی اور جرمنی کا پلہ روس اور فرانس کے مقابلہ میں بھاری پڑ جائے۔ برطانیہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ فرانس، روس اور دیگر ممالک کے ساتھ مل کر کوئی ایسا سمجھوتہ کر لے جس سے جرمنی اور اٹلی کی طاقت دب جائے۔ کیا آج دنیا کا کوئی سمجھدار شخص یہ مان سکتا ہے کہ جرمنی، اٹلی اور جاپان کے مقابلہ میں انگلستان کمزور ثابت ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ تینوں طاقتیں ایک طرف ہوں اور اکیلا انگلستان دوسری طرف تب بھی فتح انگلستان کی ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انگلستان ان ظالموں سے لڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا؟ اور برابر ان کی خوشامد درآمد میں لگا رہتا ہے؟

بات یہ ہے کہ انگلستان کی قوم، وہ حکومت اور وہاں کے سامراجی سرمایہ دار دراصل دل سے جرمنی اور اٹلی کے حامی ہیں اور روس کے سخت دشمن۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ جرمنی اور اٹلی سے لڑیں۔ لیکن کھلم کھلا یہ کہہ بھی نہیں سکتے۔ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہم صلح چاہتے ہیں۔ زبردستی اور ظلم کو روا نہیں رکھ سکتے۔ بظاہر انگلستان کی فرانس سے بھی دوستی ہے اور فرانسیسیوں کی رائے عامہ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اس لئے برطانیہ کی تمام تر پالیسی یہ ہے کہ چاہے منہ سے فرانس، اٹلی اور جاپان کو برا بھلا کہتے رہو لیکن کبھی ان پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اگر ظالم فاسسٹ اسپین کو نگل جائیں تب کچھ نہیں۔ اگر حبش کو ہڑپ کر جائیں۔ تب کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر چین کو کچل ڈالیں تو خیر۔ اور اگر روس کے حصے بخرے کر لیں تو کیا ہی کہنا ہے جب تک برطانیہ پر آنچ نہیں آتی تب تک برطانیہ خوش ہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ اور ملکوں سے نپٹ کر فاسسٹ برطانیہ پر بھی آخر میں ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کریں گے لیکن دنیا بہت وسیع ہے اور ملکوں سے نپٹتے نپٹتے بھی آخر برسوں لگ ہی جائیں گے۔ اب چاہے آپ اس کو برطانیہ کی دور اندیشی سمجھئے یا کوتاہ اندیشی۔ بہر حال حقیقت یہی ہے۔ جہاں تک انگریز اور فرانسیسی عوام کا تعلق ہے وہ ابھی تک اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ انگریزوں کو جرمنیوں اور اطالویوں پر دلی غصہ ہے اور ظالم فاسسٹوں کی سفاک اور بدتمیز حرکتوں کو انگریز حقارت سے دیکھتے ہیں لیکن عنقریب ہی یہ پردہ فاش ہو جائے گا اور انگریز علانیہ جرمنیوں اور اطالویوں کے ہمدوش رفیق بن کر کھڑے نظر آئیں گے۔

چیکوسلاویکیہ کی نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے فرانس اور روس دونوں نے دوبارہ حال ہی میں اس امر کا علانیہ اعادہ کیا کہ اگر چیکوسلاویکیہ پر حملہ ہوا تو یہ دونوں ملک فوراً چیکوسلاویکیہ کی مدد کو آئیں گے۔ خواہ اور کوئی دوسرا ملک مدد کو آئے یا نہ آئے۔ دنیا کو اس کی امید تھی کہ انگریز بھی اس قسم کا اعلان کریں گے۔ لیکن برطانیہ صاف مکر گئی اور اپنا پہلو بچا گئی بلکہ صاف صاف الفاظ میں حکومت برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ اگر چیکوسلاویکیہ پر حملہ ہوا تو چیکوسلاویکیہ کو ہماری امداد کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ اس اعلان کے بعد کسی مغالطہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ گزشتہ ماہ جب جرمن آسٹریا کو نگل گئے تو روسی وزیر خارجہ کمیشنری تاحد لے

تمام ملکوں کو پیغام بھیجا کہ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ صلح پسند اور امن پسند طاقتیں آپس میں ایک سمجھوتہ کر لیں کہ کسی ملک پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ حملہ آور ملک سے سب مل کر لڑیں گی۔ یہ ایک ایسی معقول تجویز تھی کہ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو کسی فاسسٹ ملک کی اتنی ہمت نہ پڑتی کہ یوں دن دہاڑے چھوٹے چھوٹے کمزور ملکوں کو نگلتا رہے۔ چھوٹے ملکوں کی آنکھیں اس موقعہ پر برطانیہ پر لگی ہوئی تھیں کہ شاید اب بھی برطانیہ آڑے وقت میں ہمارے کسی کام آ سکے لیکن برطانیہ نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور رد کر دیا۔ کیا اب بھی کسی مغالطہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ برطانیہ کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ صلح اور شانتی کے پردے میں رہ کر فرانس کے گرد ایسی طاقتوں کو اکٹھا نہ ہونے دے جو اکٹھا ہو کر ہٹلر اور مسولینی کا مقابلہ کر سکیں۔ ایک ایک کر کے فاسسٹ طاقتیں فرانس اور روس کے دوستوں کو توڑ اور اکھیڑ رہی ہیں۔ پولینڈ، رومانیہ اور چیکوسلاویکیہ کا جرمنی اور اٹلی سے سمجھوتہ ہو چکا ہے لٹل انتانت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یوں فرانس کے یورپ میں ہاتھ پاؤں کٹ چکے ہیں۔ پولینڈ نے جرمنی کی شہ پا کر ایک اعلان کیا ہے کہ وہ خود اور آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثلاً لیتھونیا، لٹویا، ایسٹونیا، پولینڈ اور رومانیہ وغیرہ کسی آئندہ جنگ میں بالکل غیر جانبدار رہیں گے حتیٰ کہ اپنے ملک پر سے کسی غیر ملک کی فوجوں کو بھی گزرنے نہ دیں گے۔ اس اعلان کا کیا مطلب ہے؟ اس اعلان کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ اگر آج جرمنی چیکوسلاویکیہ پر حملہ کرنا چاہے تو اس کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے۔ کوئی ملک اور کوئی طاقت سد راہ نہ ہوگی۔ چیکوسلاویکیہ بیچارہ بالکل جرمنوں کے رحم و کرم پر ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں رہ گیا۔ دنیا میں اس کے صرف دو دوست ہیں ایک فرانس اور دوسرا روس۔ فرانس مدد اس لئے نہیں کر سکتا کہ درمیان میں ملک جرمنی حائل ہے اور روس مدد اس لئے نہیں کر سکتا کہ درمیان میں پولینڈ، رومانیہ اور دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں حائل ہیں گویا چیکوسلاویکیہ کی مدد کو اگر روس فوج بھیجے تو سب سے پہلے روس کو پولینڈ، رومانیہ اور لیتھونیا، لٹویا، ایسٹونیا وغیرہ سے لڑائی مول لینی پڑے گی۔ اور پہلے ان سب سے نپٹ کر ہی روسی فوجیں چیکوسلاویکیہ تک پہنچ پائیں گی!!

اگر ان حالات میں کوئی بات آج تسلی بخش ہے۔ صاف ہے۔ بے لوث ہے تو وہ یہ کہ اگر چیکوسلاویکیہ پر حملہ ہوا تو فرانس اور روس دونوں ضرور اس کی مدد کو آئیں گے۔ لہٰذا کم سے کم ایک دفعہ۔ یورپ میں پہلی دفعہ ظالم فاسسٹوں کو کمزور ملکوں کو فتح کرنے میں ایسی آسانی نہیں ہوگی اور ذرا دیکھ بھال کے قدم اٹھانا پڑے گا۔ روسی وزیر خارجہ سے جب یہ سوال پوچھا گیا کہ روس کی سرحد تو کہیں بھی چیکوسلاویکیہ کی سرحد سے نہیں ملتی۔ پھر روس چیکوسلاویکیہ کی مدد کیونکر کرے گا؟ تو وزیر موصوف نے جواب دیا کہ کوئی پرواہ نہیں۔ جب انسان کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ اس ہمت اور اولوالعزمی کے مقابلہ میں اگر جرمنی اور اطالوی جھکیں تو جھکیں۔ ورنہ چیکوسلاویکیہ کی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔

آسٹریا! اور اب؟

(منظر رضوی)

آج آسٹریا پر جرمن فاسیزم کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور جرمن پولیس آسٹریا کے سوشلسٹ اور مزدور لیڈروں کے علاوہ معمولی لبرل جمہوریت پسندوں کا شکار کرنے میں مصروف ہے۔ آسٹریا کی آزادی اور خود مختاری ختم ہو چکی ہے اور رائن لینڈ کے فاتح کی حکمرانی کا دور دورہ ہے۔ اور جب تک مغربی جمہوریت اپنی کروٹ نہ بدلے ہر ہٹلر کے مظالم کے خاتمہ کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن آسٹریا کی کہانی بہت لمبی، بہت پرانی ہے۔

جنگ عظیم کے بعد جب آسٹریا ہنگری کی بادشاہی سرنگوں ہو گئی تو اس وقت جرمن زبان بولنے والی وسط یورپ کی تمام چھوٹی چھوٹی قومیں جرمنی اور آسٹریا کے اتحاد کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اتحادی طاقتوں نے جنگ میں شرکت کے لئے جمہوریت کی حفاظت اور محکوم قوموں کی خود مختاری کو اپنا بہانا بنایا تھا۔ امریکہ کی مداخلت پر جنگ کے یکایک رک جانے کے بعد آسٹریا نے اپنی خود مختاری کا مطالبہ کیا۔ اس کے لئے اس نے اعلان کیا کہ وہ جرمن جمہوریت کا ایک جزو ہے، وہ اس جمہوریت کی ایک خود مختار ریاست کی حیثیت میں رکن ہے۔ اس پر برٹش اور فرانسیسی فوجیں حرکت میں آگئیں۔ سامراجیوں نے دھمکی دی اور آسٹریا کی پارلیمنٹ کو مجبور کر کے اس کے اعلان کو منسوخ کرا دیا۔ جرمنی اور آسٹریا کو مل کر ایک قومیت اور ایک جمہوریت ایک حکومت نہیں بننے دیا۔ اور آج؟

آج نازی جرمنی آسٹریا کو ہڑپ کر گیا۔ لیکن برطانیہ اور فرانس چپ ہیں۔ بغیر کوئی دھمکی دئے اس ملاپ (جو حالات کے اعتبار سے دراصل لوٹ ہے) کو جس کے خلاف آج سے کوئی بیس برس پہلے وہ ہتھیار اٹھانے پر تلے ہوئے تھے، ان پچھلے بیس برس سوشلسٹ اور جمہوریت پسند لوگ اس اتحاد کی کوشش کر رہے تھے۔ آج نازی فاسسٹ اور سامراجی طاقتیں اسے حاصل کر رہی ہیں۔ اس وقت یہ ملاپ سوشلزم اور دنیا کی سیاسی و اقتصادی ترقی کے حق میں مفید اور ضروری تھا، آج یہی ملاپ فاسیزم اور سامراج، استبداد اور استحصال کے حق میں مفید اور ضروری ہے۔ کتنا بڑا فرق!

آسٹریا ایک بہت بڑے سامراج کی چھوٹی سی یادگار رہ گئی تھی۔ اس سامراج میں سات قومیں شریک تھیں ۵ کروڑ ۶۰ ہزار عورت اور مرد اور بچے بسے ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد یہ سامراج ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ہنگری آزاد۔ چیکوسلاوکیہ آزاد۔ روس، جرمنی اور آسٹریا کے محکوم پولس نے اپنی الگ جمہوریت کی نیو ڈالی۔ سلاوز اور سربس نے مل کر یوگوسلاویہ کی تعمیر کی۔ آسٹریا کے رومانی بھی نکل گئے۔ صرف ایک جرمن رہ گئے تھے جنھیں پچھمی یورپ کے سامراج نے تنہا رہنے پر مجبور کر دیا۔ ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کی آبادی گھٹ گھٹا کے صرف ۶۵ لاکھ رہ گئی۔

ویانا اتنی بڑی ہیپسبرگ سلطنت کا پایۂ تخت علوم و فنون کا مرکز تھا۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور بڑے بڑے محل! وہ پچھمی اور پوربی یورپ کی تجارت کا سنگم تھا۔ اس سے کچھ ہی دور دکھن کی طرف خوبصورت پہاڑیوں میں لوہے کی بھی بڑی کانیں تھیں۔ ویانا مرکزی یورپ کی صنعت کا بھی مرکز تھا۔ بڑے بڑے پونجی پتی اپنے بنک بھانے، سونس اور روسی سرحدوں کا اطمینان سے استحصال کر رہے تھے۔ مزدور اور تل الگ ٹکرا ٹکرا کے اپنے اپنے کاسہ میں گم ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن رات کی لاسہ میں قومیت کی دھارائیں اس کی دولت کو بہا کر لے گئیں۔

سوشلزم کا مقصد ہے بچھڑی اور بھولی ہوئی قوموں کو ملانا اور انھیں اقتصادی اور مادی ترقی کی راہ پر لے چلنا۔ کارل مارکس نے، فریڈرک انجلز نے اس مقصد کا اعلان کیا تھا۔ جرمنی کی سوشلسٹ تحریک کے بانی فرڈیننڈ لاسلے اور آگسٹ بیبل نے اس کی حامی بھری۔ آسٹری سوشلسٹوں نے اس کے لئے تگ و دو کی۔ جرمن اور آسٹری تحریک کا انقلابی کام یہی تھا۔ اور جب ۱۹۱۸ء میں انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھے تو اس وقت جرمن اور آسٹری سوشلسٹوں نے ۱۹۱۸ء کے انقلاب کے بعد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن برٹش اور فرانسیسی سامراج شاہی کے علمبرداروں نے ایسا نہیں ہونے دیا کیونکہ سامراج شاہی کے حق میں یہ خطرناک بات تھی۔ آسٹریا اور جرمنی کی سماجی اور جمہوری طاقتوں کا اتحاد اس وقت بس سوشلسٹ ہو چکا تھا۔ ڈر تھا کہ مرکزی یورپ کی ان دو طاقتوں کا اتحاد کم سے کم پورے پوربی یورپ کو روس کی سرحد تک سوشلسٹ بنا دے گا۔ امن اور ترقی کے پیغامبر یعنی سوشلزم سے بدحواس ہو کر ان دونوں سگی قوموں کو نہیں ملنے دیا گیا۔ مقصد تھا پونجی کی حفاظت۔ استحصال کی ترقی۔ اور نتیجہ کیا ہوا؟

۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۳۳ء تک آسٹری سوشلسٹ آنشلوس (جرمنی سے اتحاد) کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب اس وقت ہٹلر کا اقتدار آیا اور جرمن جمہوریت کے کھنڈروں پر نازی پرچم لہرانے لگا تو آسٹری رفیقوں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا اور اس وقت سے برابر نازیت اور اطالین فاسیزم کے حملوں سے اپنے وطن کی حفاظت کرنے لگے۔ لیکن ان دونوں کے مقابلہ کی اس میں طاقت ہی کہاں تھی؟ اسے پچھمی جمہوریتوں پر بھروسہ تھا اور اپنے تمام اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ اسے ایک دفعہ ۱۹۳۴ء میں اٹلی سے شکست کھانی پڑی۔ اور ٹھیک چار سال بعد اگلی فروری ۱۹۳۸ء میں جرمن نازیت کا نوالہ بننا پڑا۔ آسٹریا ختم!

اور اب؟

آج سے دو برس پہلے، مارچ کو جب ہر ہٹلر نے رائن لینڈ کے غیر فوجی علاقہ پر کوچ کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا رخ پچھم کی طرف ہے۔ لیکن اس کا رخ دراصل پورب کی طرف تھا۔ وہ ماگی ناٹ لائین پر جا کر نازیت کو دفن نہیں کر سکتا تھا۔ اس کوچ سے اس کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ وہ پچھمی سرحد کو مضبوط کر کے پورب میں آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کر دے۔ آسٹریا، چیکوسلاوکیہ، اوکرین اور دوسرے جاندار شکار کو باری باری دبوچا جائے۔ اسی خطرے کو محسوس کر کے چیک حکومت نے فرانس سوویٹ روس، رومانیہ اور یوگوسلاویہ سے ایک دوسرے کی مدد کے معاہدے کئے لیکن چیکوسلاوکیہ کی دشواریاں بہت ہیں۔ اسے سب سے جاندار مدد روس یا فرانس سے مل سکتی ہے۔ روس معاہدہ کی شرائط کے مطابق چیکوسلاوکیہ کی مدد تب ہی کر سکتا ہے جب کہ فرانس بھی اس کی مدد کرنے لگے۔ لیکن اس سے بھی بڑی دشواری یہ ہے کہ ان

تینوں ٹکڑوں کے درمیان کوئی عام سرحد نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی فوج ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا سکیں۔ رومانیہ کہاں تک اسکی مدد کر سکتا ہے ایک مشکوک بات ہے۔ ان سب دشواریوں سے بھی بڑی دشواری خانگی گڑبڑی اور اندرونی دشمنی ہے چیکوسلاوکیہ کے حدود کے اندر اس وقت ۳۲ لاکھ جرمن آباد ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ سچ مچ حکومت کے وفادار ہیں۔ اور برلن سے زیادہ پراگ سے پریم رکھتے ہیں۔ پھر بھی تین ملین رہ جاتے ہیں۔ یعنی کل آبادی میں سے ۲۰ فیصدی۔ کونراڈ ہنلین انھیں میں سے ایک پرجوش نازی ہے جو کھلے عام اپنی نازیت پرستی اور حکومت کی مخالفت علانیہ کا ثبوت دے چکا ہے۔ وہ پیچھے پیچھے طوفانی فوجوں کے دستے منظم کرتا ہے۔ نازی پروپیگنڈا کو پھیلاتا ہے اور لڑائی کے طریقے سکھاتا ہے۔ وہ اپنا اخبار شائع کرتا ہے۔ شہری کشمکش کی ترغیب دیتا ہے اور کبھی کبھی اپنے پیر و مرشد کے پاس برلن جاتا ہے اور وہاں سے ہدایتیں لے کر پھر کام شروع کر دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ چیکوسلاوکیہ کے لوگ بہادر ہیں ہمت والے ہیں۔ اور لڑنے والے ہیں۔ ان کی لوہے کی اچھی صنعتیں بھی ہیں اور اسلحہ بنانے کے کارخانے بھی۔ وہ اپنے آپ کو منظم بھی کئے ہوئے ہیں اور حملہ کی حالت میں اپنے کو اور بھی مسلح کر سکتے ہیں لیکن بہت دنوں تک وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ امداد کے محتاج ہیں۔ اور اگر حملہ کی صورت میں انھیں تنہا مقابلہ کرنا پڑا تو ان کا خاتمہ ہے۔ ایک یورپی نامہ نگار نے پریزیڈنٹ بینس اور دوسرے فوجی افسروں کی ملاقات کے دوران کی رائے کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر بینس نے اس سے کہا تھا کہ "ہٹلر کو جنگ کرنے کی اس وقت تک ضرورت نہیں جبتک کہ وہ جنگ کے بغیر جیت سکتا ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہٹلر نہایت ہی آسانی سے فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا چلا جائے گا۔ کیونکہ یہی سامراجوں کی پیٹھ خود جھکی ہوئی ہے۔ چیک فوجی افسروں نے اسی نامہ نگار سے کہا ہے کہ گو کہ وہ اسوقت جرمن سرحد پر قلعوں کی ایک مضبوط قطار بنا رہے ہیں۔ لیکن یہ سب اس لئے ہے کہ جبتک روسی یا فرانسیسی مدد آجائے تب تک وہ جرمن فوجوں کو سرحد کے اس پار روکے رکھیں تمام چیک شہر جرمن حملوں کی زد پر ہیں۔ جنرل گورنگ کے ہوائی بیڑے پراگ پہ اپنے ہوائی اسٹیشنوں سے چل کر ۲۱ منٹ ۱۹ سکنڈ میں چھا سکتے ہیں۔ انھیں اسٹیشنوں سے چیکوسلاوکیہ کی صنعت گاہوں اور ریل کے اسٹیشنوں تک کوئی ۲۵ منٹ کی راہ ہے۔

آسٹریا پر اپنے قبضہ کو اچھی طرح جما لینے کے بعد ہٹلر کا دوسرا قدم چیکوسلاوکیہ پر اٹھے گا۔ وہی سب تماشے پراگ پر بھی ہونے لگیں گے۔ شوشنگ کی طرح بینس کی گرفتاری ہنلین کی صدارت پہ ماموری یہ سب کچھ اسی سہولت اور آسانی سے ہوگا۔ جیسے آسٹریا میں ہو چکا ہے۔ آسٹریا کے بعد یہ ایک لازمی واقعہ ہے جسے ہونا ضروری ہے۔ بشرطیکہ ہماری یہ پچھلی جمہوریتیں اپنی نیند سے جاگ اٹھیں اور اپنی شکست خوردہ حکمت عملی بدلیں۔

سوال صرف چیکوسلاوکیہ کا نہیں ہے۔ بلکہ سوال تو جمہوریت اور آزادی کا ہے امن اور ترقی کا ہے۔ اس اٹھتے ہوئے فاسیزم۔ اس بڑھتے ہوئے استبداد کی موجودگی میں کیا کوئی سماج امن اور اطمینان کے ساتھ رہ سکتا ہے؟ کیا اس بڑھتے ہوئے خطرہ میں خود برطانی اور فرانسی جمہوریتوں کی خیر ہے؟

آج سے کوئی تین برس پہلے سر سیموئل ہور نے ایک جاندار لہجہ میں جنیوا میں کہا تھا کہ "ملک معظم کی حکومت ہر بے وجہ فوجی حملوں کی اجتماعی مدافعت کرے گی" لیکن آج برطانیہ کے ذمہ دار لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا ابھی نہیں جو اس فقرہ کو زبانی طور پہ بھی

دہرا سکے۔ جب سر سیموئل ہور یہ الفاظ کہہ رہے تھے تو اس وقت مانچوکو غیر فوجی علاقہ تھا۔ مسولینی حبشہ کو صرف دھمکی ہی دے رہا تھا۔ فرینکو اسپین میں ایک گمنام فوجی افسر تھا، جاپان نے بھی چین پر تب تک بمباری نہیں کی تھی، جاپان اٹلی اور جرمنی کا اشتراکیت دشمن مثلث بھی مرتب نہیں ہوا تھا۔ اس وقت لیگ میں دم تھا نہیں بلکہ لیگ کا ابھی ماتم باقی تھی۔ تب سے اب تک دنیا کتنی بدل گئی ہے! آج مرکزی یورپ میں، ابھری سمندر میں، بحیرۂ روم میں، ہانگ کانگ اور شنگھائی میں امن کی طاقت لرز رہی ہے، جنگ کی قوت گرما رہی ہے۔ لوٹ اور غارتگری کی چاہ بھی ہے۔ فاشزم کے بھوت (؟) نے ان سرمایہ دار جمہوریتوں کو اتنا حواس باختہ کر دیا کہ وہ امن شہری آزادی، بیلنس بکس، جمہوریت سامراج اور پرامن انتقال سب کو بھول کر وحشت، ایذا، بربریت کی طاقت فاسیزم کو سینچ رہے ہیں لیکن کیا ایسا کرنے سے برطانی سامراج آنے والی جنگ سے زندہ اور فتحمند نکل سکتی ہے؟ کیا امن اور ترقی کی قوت کچل دی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب آپ کو ماضی کی تاریخ سے مل سکتا ہے یا مستقبل کے واقعات سے یا اسوقت مسولینی کے خیال کے دھاروں سے!

آج سے کوئی چودہ دن پہلے مسولینی نے اٹلی کو بتایا ہے کہ اپنی حفاظت کی ترکیب یہ ہے کہ دوسروں کو ٹھنڈا اور امن سے رہنے نہ دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یمن پر حملہ کرو۔ بحیرۂ روم پر ادھم مچاؤ۔ اسپین میں کھلی مداخلت کرو۔ ہٹلر کے خیال کی موجیں بھی اسی طرح چل رہی ہیں۔ آج سے چار برس پہلے جب جرمن فیوہرر آسٹریا پر منصوبے باندھ رہے تھے تو ہمارا دوست مسولینی برینر پر اپنی فوج بھیج رہا تھا اور کھلی جنگ کی دھمکی دے رہا تھا۔ اٹلی جنگ عظیم کے بعد سے اب تک جرمنی کو اپنی سرحد کے پاس پھٹکنے نہ دینے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن آج جرمنی نے اپنا قبضہ جما لیا تو وہی اٹلی چپ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اٹلی اور جرمنی فاسیزم کے رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں میں خیال اور نظریہ کا رشتہ تو ہے جرائم اور حوصلوں کی بھی رشتہ داری ہے۔ لیکن یہ رشتہ ہیرا پھیری اور قزاقی کا رشتہ ہے۔ دونوں کے حوصلے اور جرائم میں ٹکر ناگزیر ہے۔ ہٹلر نے جب شوشنگ کے سر پر گرز مارا تو مسولینی کا خاموش ہو جانا کسی دوستی یا رشتہ داری کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ نتیجہ تھا خود مسولینی کی کمزوری کا۔ ورنہ مسولینی برینر پاس سے چالیس میل کی دوری پر جرمن فوج کو مسلح کیسے دیکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج برینر پاس پر قلعہ بنانے اور اپنی فوج کو اکٹھا کرنے میں مصروف ہے۔ دوسری طرف خود ہٹلر کی طرح ڈینیوب کے انتری کنارہ پر اکٹھا ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اٹلی اور اس کے بعض اخبارات اٹلی جرمن دوستی پر شک کا اظہار کر رہے ہیں۔ نازیت اور فاسیزم کے مادی اغراض جدا ہیں۔ پھر بھی وہ وقتی طور پر سامراجی طاقتوں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں۔ ان سے نوآبادیاں چھیننے کے لئے مل کر لڑ بھی سکتے ہیں۔ سامراجی طاقتیں سوشلزم سے خائف ہیں۔ اس کے خلاف وہ اپنی حفاظت کے خیال میں سست فاسیزم کو شہ دے رہی ہیں لیکن موجودہ حالات میں فاسیزم اور سامراج کا متحد ہو جانا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ ٹکر تو انھیں دونوں طاقتوں میں ہے۔ فاسیزم نوآبادیاں چاہتی ہے اور وہ زیادہ تر سامراج کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے ٹکر لازمی طور پر انھیں دونوں میں ہو جاتی ہے سوشلزم کے خوف سے سامراج نے فاسیزم کو بہت بڑھایا اور اب اس کی قوت کا بوجھ الٹ کر اسی پر پڑے گا۔ اب سامراج کو ہی صدقہ کا بکرا بننا پڑے گا۔ جنگ ہوگی اور سوشلزم فاسیزم اور سامراج تینوں طاقتیں گتھ جائیں گی سامراج ختم اور بہت ممکن ہے فاسیزم بھی

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

جوانانِ وطن

(محمد ضیاءالدین احمد)

اے جوانانِ وطن ہشیار ہو ہشیار ہو — تابکے یہ خوابِ غفلت، سو چکے، بیدار ہو
سچ تو یہ ہے قوم کے بس تم علمبردار ہو — اب پھلو پھولو نہ یوں رسوا سر بازار ہو

مطمئن بیٹھے ہو دل سینے میں گھبراتا نہیں
قوم کے دم توڑنے پر بھی ترس آتا نہیں

ملک کی حالت پہ سینوں سے دھواں اٹھتا نہیں — سازِ دل خاموش ہے شورِ فغاں اٹھتا نہیں
کس لئے آنکھوں سے طوفاں نہاں اٹھتا نہیں — پھول روندے جارہے ہیں باغباں اٹھتا نہیں

بیحسی کی انتہا ہے ہوش میں آتے نہیں
ذلتوں پر ذلتیں ہوتی ہیں شرماتے نہیں

شعلۂ احساس بجھتا ہے ہوا دے دوا سے — غرق کشتی ہو رہی ہے آسرا ہے دوا سے
قومیت دم توڑتی ہے کچھ دوا دیدوا سے — ملک مٹنے کو ہے پیغام وفا دے دوا سے

موت سے بدتر ہے ہستی جب خوشی نایاب ہے
نیند کی اکسیر اس کے واسطے زہرآب ہے

سانس لیکر اس فضا میں روح گھبراتی نہیں — جوہرِ احساس خودداری کو شرم آتی نہیں
تجھ کو ناداری وطن کی خاک تڑپاتی نہیں — یہ غلامی کی بلا حیرت ہے کھا جاتی نہیں

زندگی کو دعوتِ صد مرگ دینا چاہیئے
موت کی آغوش میں آرام لینا چاہیئے

چھوڑ دو ناکامیِ قسمت کے شکوے چھوڑ دو — کچھ بھی ہمت ہے تو یہ طوق و سلاسل توڑ دو
اوج کی جانب نگاہ شرم آگیں موڑ دو — رفعتِ ماضی سے پھر تقدیر فردا جوڑ دو

بلند ہمت دل میں پیدا ہو تو مشکل کچھ نہیں
مشکلیں آسان ہیں سختیِ منزل کچھ نہیں

ایک پیسہ

(مسز صالحہ عابد حسین صاحبہ)

دہلی کے سب سے بڑے بازار، چاندنی چوک میں اس وقت عجب گہما گہمی ہے۔ سلام کے وقت یوں تو کبھی اندھیروں میں چہل پہل ہوتی ہے مگر اس تاریخی بازار کی رونق کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ موٹروں، تانگوں، بائسکلوں کا تانتا بندھا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ٹرام گھڑ گھڑاتی ہوئی آتی ہے اور مسافروں کو اتار کر اور چڑھا کر چل دیتی ہے۔ سڑک کے وسط میں حوالدار گھوڑے پر سوار گشت لگا رہا ہے۔ کبھی کبھی کسی تانگے والے یا کسی غریب راہ گیر کو چھڑی سے دھکا کر اپنا فرض پورا کر دیتا ہے۔ سڑک پر جگہ جگہ سپاہی کھڑے ہیں جن کو بھٹے پرانے کپڑے والوں کی صورت سے چڑ ہے وہ موقع ملتے ہی کسی فقیر یا مزدور کو دھکا دے کر آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف کی پٹریوں پر پیدل چلنے والوں کا اس قدر ہجوم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ ہر قوم اور ہر لباس کا آدمی نظر آ رہا ہے۔ کوئی سوٹ پہنے ہیٹ لگائے چلا جا رہا ہے، کوئی آنگا پاجامہ اور سیاہ اچکن ڈانٹے اکڑ رہا ہے۔ دھوتی پوش بھی کم نہیں ہیں۔ قسم قسم کی ساڑھیاں اور شلواریں، وضع وضع کے برقعے نظر آ رہے ہیں۔ ہر شخص اپنی دھن میں مست ہے نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ایک بہت بڑا گروہ بھکاری اور بھکارنوں کا ہے جو تمام چاندنی چوک میں پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض اچھے کٹے ہوئے تازے ہیں لیکن لنگڑے ایسے ہیں جن کا ٹانگوں سے چیڑا لگا ہوا ہے۔ بعض ہاتھ پاؤں سے معذور کسی دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہیں، کوئی ایک چھوٹی سی یا ہاتھوں کی گاڑی پر بیٹھا ہے جس کا رفیق اسے دھکیل کر ان لوگوں کے پاس لیجاتا ہے جن سے کچھ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اکثر بھکارنیوں کی گود میں یا ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے ننگے بچے ہیں جو بچپن ہی سے بھیک مانگنا سیکھ رہے ہیں۔ دبلاپے سے ان بچوں کی ایک ایک پسلی نمایاں ہے۔ کسی کے منہ پر مکھیاں بھنک رہی ہیں، کسی کی آنکھیں دکھتی ہیں، بعض کے بدن پر پھنسی پھوڑے نکلے ہوئے ہیں جن کو نفاست پسند لوگ گھن سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہ سب کسی تانگے یا موٹر کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑتے ہیں یا کسی راہ گیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ بعض ان لوگوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو بڑی بڑی دکانوں پر خریداری کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی بساط کے مطابق لوگوں کے جذبۂ خود پسندی و ہمدردی کو متحرک کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے "تیرے بچے جیتے رہیں"۔ "تیرا اقبال بنا رہے"۔ "جوڑا برقرار رہے"۔ "کسی کا بیڑا پار ہو"۔ "تیرا سائیں جیتے"۔ "اندھے محتاج پر ترس کھاؤ"۔ "تین دن سے کچھ نہیں کھایا مائی"۔ "یہ بچے بھوکے ہیں انھیں کچھ دیدے تیرا جس گائیں گے"۔ "ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہوگا"۔ "بی بی ایک پیسہ دے دے تیرا لاڈلا جیتا رہے"۔ اس قسم کی بیشمار آوازیں ان فاقہ زدہ، ننگے بھوکے، بے گھر بے در لوگوں کے منہ سے نکلتی ہیں اگرچہ ان کا معاش موڈنی ان سرمایہ داروں پر لعنت کرنا ہوتا ہے اور دل سے بد دعا ہی نکلتی ہے۔

موہن برادران کی مشہور دکان کے سامنے ایک خوبصورت موٹر آکر رکا جس میں دو عورتیں بیٹھی ہیں۔ ایک کے جسم پر اعلیٰ درجہ کی فینسی ساڑھی ہے چہرے پر پاؤڈر، ہونٹوں پر سرخی اور ہاتھ میں لیڈیز بیگ ہے۔ دوسری ایک خوبصورت ریشمی برقعہ پہنے ہے۔ جس کا نقاب الٹا ہوا ہے اور وہ بھی پھول کی طرح پوڈر، سرخی اور رنگ سے آراستہ ہے۔ موٹر کے رکتے ہی دو تین بھکاری آگے بڑھے اور حسب دستور بھنبھنانے ہوئے فقرے دہرانے شروع کئے۔ ان عورتوں نے نا ملتفت ان کی طرف دیکھ کر ڈرائیور سے کہا کہ ان سب کو یہاں سے ہٹا دو۔ فوراً ڈرائیور نے ادا ایک کو ڈانٹ کر ہٹکا دیا۔ ایک اندھے کے ہاتھ پر چپکے سے "ایک پیسہ" رکھ دیا اور آگے موٹر کا دروازہ کھولا دونوں عورتیں برقعہ اور ساڑھی سنبھال کر اترنا چاہتی تھیں کہ ایک بھکارن جس کا رنگ زرد چہرہ سوکھا ہوا جسم سوکھا ہوا، ایک چھوٹی سی چیز کو کلیجے سے لگائے آگے بڑھی۔ اس کے کپڑے تار تار تھے جس سے بمشکل ستر پوشی ہوتی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں کسی دھات کے پتلے پتلے کڑے اور گلے میں ایک سیاہ ہنسلی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ان موٹر والیوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا اور گڑگڑا کر بولی "بی بی اللہ تیرا راج بنائے رکھے اپنے بچوں کا صدقہ میرے بچے پر رحم کر کے کچھ کھانے کو دیدے"۔ دونوں نے غصہ کی نظروں سے بھکارن کو دیکھا جو فوراً ہی نفرت سے بدل گئیں۔ ساڑھی والی نے برقعہ والی کی طرف دیکھ کر کہا "ان کمبختوں نے ناک میں دم کر دیا۔ ایک کے بعد ایک آئے ہی چلا جاتا ہے (بھکارن سے) چلو ہٹو پرے ہو۔

دوسری۔ ایک پیسہ دے کر ٹال دو نا۔

پہلی۔ ہم ہی لوگوں نے تو پیسے دے دے کر ان لوگوں کی عادت خراب کی ہے۔ اگر سب لوگ عہد کر لیں کہ ہم کسی فقیر کو بھی پیسہ نہ دیں گے تو چند دن میں ان کا نشان نہ رہے۔

دوسری۔ مگر بہن جب انھیں کھانے کو نہ ملے تو یہ کیا کریں۔

پہلی۔ کھانے کو نہ ملے تو محنت مزدوری کریں۔ یہ لوگ ہندستان کے لئے بہت بڑی لعنت ہیں۔ جب تک ان کا انتظام نہ کیا جائے گا۔ ہندستان مہذب ملکوں کی برابری نہیں کر سکتا۔ کسی مہذب ملک میں تمھیں اس طرح گھماؤنے فقیر ہر وقت، ہر جگہ مانگتے نظر نہ آئیں گے۔

دوسری۔ مگر مہذب ملکوں میں محتاج لوگوں کے لئے انتظام بھی تو ہے وہاں ایسے محتاج خانے ہیں جہاں نہ صرف محتاج ہی کو نہیں بلکہ بیروزگاروں کو بھی کھانا ملتا ہے اور تمام لوگ ان محتاج خانوں کی امداد کرتے ہیں۔

پہلی۔ ہمارے ہاں بھی ایسے محتاج خانوں کے قائم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ہم سب کو عہد کرنا چاہئے کہ ہم ان سڑکوں، گلیوں میں پھرنے والے فقیروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ البتہ کسی محتاج خانے کو دیا کریں گے۔

دوسری۔ مگر جب تک ایسے محتاج خانے قائم نہ ہوں یہ سب فاقے کر کر کے مر جائیں؟

پہلی۔ یہ ہم کیا جانیں۔ ایسے معاملے ہمارے تمھارے سلجھانے کے نہیں۔ اس کی طرف ملک کے مقتدر لیڈروں کو توجہ کرنا چاہئے۔

بھکارن۔ اے بی بی کب سے محتاج غریب پیسہ مانگ رہی ہے۔ بی بی اپنے

بچوں کا صدقہ تم کچھ دے دے۔

دوسری:- (مسکرا کر) دیدو نا کچھ اپنے بچوں کے صدقے میں۔

پہلی:- یہ لوگ ایسے ہی تیز ہوتی ہیں کہ جو چاہے بھیک دیتی ہیں۔ چل یہاں کچھ نہیں

بھکارن:- بی بی اللہ دے گا۔ اس بھکارن پر ترس کھا۔ اللہ تیری مراد پوری کریگا

دوسری:- (کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہے) تمہارے لئے دوسری دعا ہو رہی ہے۔

بھکارن:- اری بیگم اس بچہ پر رحم کر۔ اسے دو دن سے دودھ نہیں پلایا

دوسری:- کیسا بچہ؟

بھکارن اپنے سینے سے لپٹے ہوئے بچہ کو جو مشکل سے مہینہ بھر کا ہوگا۔ ان کو دکھاتی ہے۔ بچے کی آنکھیں بند ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بھوک سے بے ہوش ہے۔

پہلی:- میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا ایسے لوگوں کو بچے کیوں دیتا ہے؟

دوسری:- (ہنس کر) خدا کو چاہئے کہ تم سے صلاح لے لیا کرے۔ (بھکارن سے) اری یہ بچہ ایسا کمزور کیوں ہے؟

بھکارن:- بی بی مجھے کھانے کو نہیں ملتا تو دودھ کہاں سے آوے۔ سارے دن روتا رہتا ہے اور مجھے کھائے جاتا ہے۔

پہلی:- ہاتھوں میں کڑے گلے میں ہنسلی پہنے ہوا سے بیچ کر کھاتا کیوں نہیں کھاتیں۔

دوسری:- بہن تم بھی کمال کرتی ہو۔ بھلا یہ ہنسلی کڑے کتنے دن کام دے سکتی ہیں۔

بھکارن:- اری بی بی یہ تو گلٹ کے ہیں انھیں کون خریدے۔

پہلی:- تو نوکری کرو۔

بھکارن:- نوکری کون دے۔ کوئی کہے چور ہوگی۔ کوئی کہے بیاہ ہے کوئی کہے ہم ننھے بچے والی کو نہیں رکھتے۔ بی بی دو دن سے کچھ نہیں کھایا تیرا راج بنا رہے ایک پیسہ دیدے۔

دوسری:- (اپنا بٹوا کھولتی ہے) ارے اس میں تو پیسہ ہی نہیں۔

پہلی:- تم نے سارا وقت باتوں میں ضائع کر دیا۔ اب کپڑا خریدنے میں دیر ہو جائیگی چلو اب۔

بھکارن:- کچھ دیتی جا بیگم اللہ بھلا کرے گا۔

پہلی:- ہٹو سامنے سے۔ رستہ دو۔ ناک میں دم کر دیا۔

دوسری:- بھکارن ٹھہر جا۔ ہم اندر سے آکر تجھے پیسہ دیں گے۔

یہ کہکر دونوں اندر چلی جاتی ہیں۔ بھکارن دوکان کے پاس آکر اندر کی طرف دیکھتی ہے دوکان کا نوکر اسے جھڑک کر وہاں سے ہٹا رہا ہے۔ وہ موڑ سے ذرا فاصلہ پر پٹری کے کنارے بیٹھ کر منہ ڈھکے بچے کو تھپکتی ہے اور بار بار اس کی نظر دوکان کے اندر جاتی ہے۔ بڑی دیر بعد دونوں عورتیں اندر سے نکلتی ہیں اور موٹر میں بیٹھ جاتی ہیں دوکان والا قیمتی کپڑوں کے بہت سے بنڈل لا لا کر موٹر میں رکھتا ہے۔ موٹر اسٹارٹ ہونے والا ہے کہ دیکھا بھکارن بیقراری سے بلبلا بلبلا کر بھاگتی ہوئی وہاں آتی ہے۔

دوسری:- ارے ہم پیسہ دینا تو بھول گئے۔ کیوں بہن کوئی پیسہ ہے؟

پہلی:- نہیں میرے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ اور ہوتا بھی تو نہ دیتی۔ میں کبھی اپنے اصول کے خلاف نہیں کرتی۔

دوسری:- بڑی ظالم ہو۔ (بھکارن سے) ابھی ہم تو پیسہ دینا بھول گئے۔

بھکارن:- بی بی اتنی دیر سے ایک پیسہ کی آس لگائے کھڑی ہوں اور اب ایسے جواب دیتی ہو؟ اری بی بی کچھ تو دیدے۔ اللہ تجھے بہت دے گا۔

دوسری:- کہہ جو دیا کہ نہیں ہے۔ ہوتا تو دے ہی دیتے۔

پہلی:- اور سر پر چڑھاؤ۔ اسی وقت بھگا دیتیں تو اب یہ پیچھے نہ پڑتی۔

بھکارن:- تو رو رہے بالی ہے بیگم اس غریب دکھیا پر رحم کر۔

دوسری:- ڈرائیور موٹر چلاؤ۔

ڈرائیور موٹر اسٹارٹ کرتا ہے۔ بھکارن بیقراری سے گڑگڑاتی ہے، ڈرائیور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پیسہ نکال کر پھینکتا ہے۔

بھکارن بیتابی سے اس پیسہ کی طرف بھاگتی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ پیسے کو اٹھائے ایک ہٹا کٹا فقیر آ کے دھکا دے کر ہٹا دیتا ہے اور پیسہ اٹھا کر چلا جاتا ہے۔

بھکارن کے دل سے ایک دل دوز آہ نکلتی ہے وہ حسرت سے آسمان کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۸)

اور اقتصادی اور تمدنی تباہی۔

آسٹریا کے متعلق ایک بات اور کہہ دینی ہے جس سے شاید ہمارے قومی لیڈروں کو کچھ عبرت ہو۔ آج سے چار برس پہلے ٹھیک ۱۰ ویں اسی مہینہ میں آسٹریا کی سوشل ڈیموکریٹک (سوشلسٹ) پارٹی کو ختم کر دیا گیا۔ یہی ایک پارٹی تھی جو نازیوں کو روکے ہوئے تھی نازیوں کے بڑھنے سے روک سکتی تھی۔ اس کے بعد کچھ لبرل اور سوشلسٹ افراد رہ گئے تھے جو جرمنی کے پروپیگنڈا کے زہر اور انھیں بھی ڈولفس نے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کے ٹھیک پانچ مہینے بعد نازیوں اور فاشسٹوں نے ڈولفس کو قتل کیا۔ اور آج جگہ جگہ سے یہ آواز اٹھتی ہے:- **ہٹلر آرہا ہے! آگے سر کٹیں گے!**

ہندستان میں سوشلزم ہی ایک طاقت ہے جو برٹش سامراج کے روز مندے کے حملوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ جو کانگریس کو سامراج کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ کھڑا کر سکتی ہے جو قومی آزادی اور جمہوریت کے لئے کامیابی کے ساتھ لڑ سکتی ہے۔ الکشن میں ہماری قومی کامیابی، روزمرہ کے وزارتی کاموں میں ہماری کامیابی گورنروں کا ہمارے مقبول وزیروں کے سامنے بار بار جھکنا۔ یہ سب سوشلزم اور کسان سبھا اور مزدور سبھا کی اس منظم حمایت اور امداد کا نتیجہ ہے جو کانگریس کو حاصل ہے۔ ایک بار ان سبھوں کو کانگریس سے تجربہ کے طور پر نکال کر دیکھ لیجئے کس طرح گورنر ہمارے وزیروں کو دبا دیتے ہیں اور کانگریس کو کچل دیتے ہیں۔ گاندھیت سے ملک کو جو کچھ طاقت پہنچنی تھی پہنچ چکی اب گاندھیت ایک ناکارہ اور فرسودہ طاقت ہے۔ اب سوشلزم ہی کانگریس اور ملک کو آزادی اور ترقی کی راہ پر چلا سکتی ہے۔ یعنی کانگریس کے سوشلسٹ اور غیر سوشلسٹ بازؤں کے اتحاد سے ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔

گناہ

سالک لکھنوی

عبادت سے مجھے کیا کام ساقی
میں پی پی لوں زمانہ کو دکھا کر

عبادت ہے ریا کا نام ساقی
تو بھر بھر دے گنہ کے جام ساقی

باہر

ہندوستان کے باہر

چین

رُوس چین کی مدد کو

ڈاکٹر سن یات سین چین کے مشہور لیڈر کے بیٹے سن فو نے روس سے واپس آکر لندن میں بیان دیا ہے کہ روس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر چین خطرہ میں پڑ گیا تو روس اسکی مدد کریگا چاہے یورپ پر اسکا جیسا اثر ہو۔ سن فو کا خیال ہے کہ چین بلا روس کی مدد کے جیت جائیگا۔

چینی فوجوں کی جیت

۱۲۔ اپریل۔ صوبہ شنٹنگ کے جنوب میں چینی برابر تانکنگ کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ انھوں نے ایک قلعہ دار شہر یین کو گھیر لیا ہے۔ اور پاس کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا۔ جو چینی افسران فوجوں کی سالاری کر رہے ہیں انکا خیال ہے کہ جلد ہی تانکنگ لے لینگے۔ جاپان قبضہ کر لیں گے کنگ شانگ کی آس پاس چینی تھے

۱۴۔ اپریل۔ چینی فوجیں دونوں محاذ۔ چینی شنٹنگ کے جنوب میں اور شنگھائی کے جنوب مغرب میں برابر کامیاب ہو رہی ہیں۔

جاپانی فوجیں تائرچوانگ سے بھاگ کر یہین میں جمع ہوئی تھیں انکی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ اب چینی فوجوں نے اس شہر کو اس طرح گھیر لیا ہے کہ ان فوجوں کے بچنے کی کم امید ہے۔

تخمینہ ہے کہ پچھلے ہفتہ میں سات ہزار جاپانی مارے گئے۔ اور تائرچوانگ سے بھاگنے میں ڈیڑھ ہزار مارے گئے۔

جاپان اور روس میں جھڑپ

۱۲۔ اپریل خبر ہے کہ گیارہ جاپانی ہوائی جہاز روسی سرحد میں کئی میل اندر مقام گروڈیکووو تک جو شمالی سائبیریا میں ہے گھس گئے۔ روسی ہوائی جہازوں نے انکو حملہ کرکے بھگا دیا۔ اور ایک ہوائی جہاز کو اتر جانے پر مجبور کیا۔

روس حکومت نے اپنے سفیر سے جاپانی حکومت سے شکایت کرنے کو کہا ہے

افواہ ہے کہ روس اور جاپان کی مانچوکو کی حکومت میں لڑائی چھڑ گئی۔ اس افواہ کی ایک وجہ مسٹر سن فو کا بیان ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ روس نے سائبیریا سے آمد و رفت بند کر دی ہے۔ لیکن واقف کار لوگوں کا خیال ہے کہ یہ افواہ بے بنیاد ہے اس آمد و رفت کے بند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ روس اپنی مشرقی سرحد پر حفاظت کے لئے فوجیں جمع کر رہا ہے۔ اسکی آسانی کے لئے عام مسافروں کی آمد و رفت بند کر دی گئی ہے

جاپان

جاپانی اخبار چینیوں کی فتح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاپانی فوجیں برابر چینیوں کو زک پہنچا رہی ہیں۔

خبر ہے کہ جاپان ایک سخت حملہ کرنے کی سوچ رہا ہے تاکہ چینی فوجیں ہٹ جائیں یہ حملہ جنوبی چین میں فوجاؤ سے کیا جائے گا۔

آسٹریا کے یہودیوں اور جلا وطنوں کا قصہ

امریکہ نے اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے دوسرے ملکوں کو دعوت دی ہے۔

مسٹر چیمبرلین نے دار العلوم میں کہا کہ چندہ ملکوں نے اس بلاوے کو منظور کر لیا ہے۔ اور برطانیہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمدردانہ رویہ سے دوستی بڑھانے کی کوشش کریگی

اسٹریا اور جرمنی کی عام رائے

۱۰ اپریل کو اسٹریا اور جرمنی کے آریائی نسل کے لوگوں سے رائے لی گئی۔ جو جرمن۔ انگلستان، یا ہندوستان میں تھے انسے بھی رائے لی گئی مجموعی طور پر ۵ کروڑ آدمیوں نے رائے دی جس میں کم سے کم اسٹریا کے رہنے والے تھے۔ یہودیوں اور اسٹریا کے ترقی پسندوں کو عام رائے میں شریک ہونیکی اجازت نہیں دی گئی۔

لیکن اسٹریا اور جرمنی کی موافقت میں ننانوے فیصدی ووٹ آئے

انگلستان میں جرمن جاسوس لڑکیاں

مسٹر فاشد نے دار العلوم میں کہا کہ جرمن لڑکیاں جنکو خاص طور پر جاسوسی کی تعلیم دیجاتی ہے پروپیگنڈے کیلئے انگلستان آ رہی ہیں۔ ان میں سے بعض بعض اونچے افسروں کے یہاں کام کرتی ہیں۔ سر جیمز سے لائڈ نے جواب دیا کہ جرمن لڑکیاں بلا اجازت گھروں میں نوکری نہیں کر سکتیں جتنے لوگ باہر سے آتے ہیں انکی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی ہے کہ وہی کام کریں جس کے لئے انہیں داخلہ کی اجازت ملی ہے ورنہ مناسب طریقہ سے انہیں بھیجا جا رہا جاتا ہے۔

جبل الطارق پر جرمن توپیں

مسٹر فار کنشن نے دار العلوم میں سوال کیا ہے کہ جبل الطارق کے دونوں طرف سخت قلعہ بندیاں ہو رہی ہیں۔ انھوں نے دو مقامات بتائے جنکی قلعہ بندی ہو رہی ہے اور جیسی توپیں وہاں لگائی جا رہی ہیں انکی تشریح کی ہے کہ یہ توپیں جرمن ہیں۔

حکومت نے اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا تو فار کنشن نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی معلومات کا ذریعہ مفصل بتائیں گے۔

دار العوام میں ڈنٹ کوپر نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ جزیرہ سلٹ میں جرمنی ایک نیا بحری اسٹیشن بنا رہا ہے۔

اسپین

۱۰ اپریل۔ باغیوں نے آج کل گمرکو جو کا اراس پر حملہ ختم کر لیا جمہوری حکومت کا بیان ہے کہ جولائی ۱۹۳۶ء سے اب تک باغیوں کے ہوائی حملوں سے ایک ہزار سات سو بچے مر چکے ہیں۔ اور پندرہ ہزار زخمی ہو چکے ہیں۔

۱۵۔ اپریل باغی سمندر تک پہونچ گئے۔ وینارو زکے شمال اور جنوب پر قبضہ کر لیا [illegible] کا آمد و رفت منقطع کر دینے سے کیٹلونیا کے پاس ایک جگہ جبات میں سخت ودست بدست لڑائی ہو رہی ہے جمہوریوں کی کوشش ہے کہ باغیوں کے اس طوفانی حملہ کو ہٹا یا جائے۔

جمہوری حکومت نے آج اپنی جمہوریت کی ساتویں سالگرہ منائی۔

فرانس پیرس میں ہوائی حملوں سے بچت کا انتظام خوب ہورہا ہے اسوقت تک اتنی پناہ گاہیں تیار ہوچکی ہیں جن میں ۱۷ لاکھ بیس ہزار آدمی پناہ لے سکتے ہیں۔ پیرس میں ۲۵۶ ، ۲۲ پناہ گاہیں بن چکی ہیں مضافات میں بھی ۱۲ لاکھ آدمیوں کی پناہ گاہیں بنانے کی اسکیم ہے

اسٹرائکیں مزدوروں کی اسٹرائکیں ہوائی جہاز کے کارخانوں تک پہنچ گئیں۔ ادھر کبھی ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے میں اسٹرائک ہوگئی۔ پھر موٹر انجنیر نگ ورکس کارخانوں میں دھرنا اسٹرائک ہوگئی حکومت کو افسروں سے مزدوروں کے اہم مطالبات مان لئے۔ اور چار دن کے بعد اسٹرائکیں ختم ہوگئیں۔

ہوائی جہازوں کی خریداری افواہ ہے کہ فرانس نے امریکہ سے ۱۰۰ جنگی ہوائی جہازوں کی خرید کا ارادہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے کارخانوں میں اسٹرائک ہوجانے کی وجہ سے فرانس کی حکومت نے یہ ارادہ کیا ہو۔ ہندستان

وزرا کا سفر خرچ بمبئی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں حکومت کی جانب سے موجودہ کانگریسی وزارت اور اس سے پہلے کی غیر کانگریسی وزارت کے سفر خرچ کی تفصیل اسطرح بیان کی گئی۔ غیر کانگریسی وزارت یکم اپریل سے لیکر ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء تک برسر اقتدار رہی ان ساڑھے تین مہینوں میں اس کے وزرا نے جو روپیہ سفر خرچ کیا اسکا حساب یہ ہے۔

مسٹر جمنا داس مہتہ	تین ہزار ۸۴۴ روپیہ۔
مسٹر چنگی کوپر	ایک ہزار ۲۶۳ „
سر الیسن میلی	تین ہزار ۱۷۵ „

اس سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ بات یہ ہے کہ مسٹر جمنا داس مہتہ ۲۲ اپریل کی رات کو گودھرہ گئے ۲۴ کی رات کو واپس آگئے۔ ان دنوں میں انکا سفر خرچ آٹھ سو اکیاسی روپیہ چار آنہ ہوا۔

اس کے مقابلہ میں کانگریسی وزرا نے ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء سے لیکر یکم اپریل ۱۹۳۸ء تک ۸½ مہینوں میں جو خرچ کیا ہے وہ یہ ہے۔

وزیر اعظم	۵۹۷ روپے ۷ آنے
وزیر مال	۵۸۳ روپے ۸ آنے
وزیر قانون	۹۲۱۳ روپے ۱۵ آنے
وزیر تعلیمات	۱۱۰ روپے ۱۰ آنے
وزیر لگان	۲۲۷ روپے ۱۴ آنے
وزیر تعمیرات	۱۲۳۲ روپے ۵ آنے

اسکا مطلب یہ ہے کہ کانگریس کے چھ وزرا نے ساڑھے نو مہینوں میں ۵۲۷۵ روپے ۳ آنے خرچ کئے۔ حالانکہ تین غیر کانگریسی وزرا نے صرف ساڑھے تین ماہ میں آٹھ ہزار ایک سو چیاسی روپے خرچ کئے۔

کسانوں کو پیغام آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی وزیر یوپی نے ۱۷ اپریل کو صوبہ متحدہ میں کسان ڈے کے موقع پر یہ پیغام شائع کیا ہے۔ یہ کسان بڑی مصیبتوں میں زندگی گزار رہے ہیں اُنکے لگان تو یا نہ ہیں اور مالکی کاشتکاری کی میعاد بالکل غیر مستقل ہے وہ قسم قسم کے بہانوں پر بے دخل کئے جاسکتے ہیں۔ اور اسی لئے انکو طرح طرح کا ایسے محصول ادا کرنا پڑتے ہیں جو کسی صورت میں جائز نہیں ہیں۔

جو تبدیلیاں ہم کرنے جارہے ہیں اسلئے یہ تمام مصیبتیں دور ہوجائیں گی سب کسانوں کو موروثی حقوق مل جائیں گے سوائے لگان نہ ادا کرنے کی صورت میں وہ کسی حالت میں بے دخل نہیں کئے جائیں گے لگان پھر سے مقرر ہوگا اور اسکی کمی زیادتی قانون کے مطابق ہی ہوسکیگی۔ کسانوں کو اپنی زمین پر گھر بنانے اور درخت لگانے کا حق ہوگا۔ زمیندار کو ہر رقم کی وصولیابی پر رسید دینا ہوگی کاشتکاروں کو ڈاکخانہ کے ذریعہ لگان بھیجنے یا سرکاری خزانہ میں جمع کردینے کا اختیار رہیگا۔ لگان کے علاوہ تمام مطالبات غیر قانونی ہوجائیں گے۔

یہ ان تجویزوں کی خاص خاص باتیں ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ کسانوں کے مفاد کی بہت سی اور باتیں ہیں جنکا ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن انپر علحدہ علحدہ کارروائی کی جائیگی قرض کے مسئلہ کو حل کرنے کی جلد کوشش کیجائیگی اور دوسری باتوں کے لئے بھی مناسب کارروائی ہوگی۔

یہ تجویزیں صرف کسانوں کے حقوق کے بارے میں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس قانون سے کسانوں کی کافی خلاصی ہوجائیگی۔

تعلیم کے اعداد و شمار ۳۶-۱۹۳۵ء میں ہندوستان میں تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کا تناسب ۵۲.۹ فیصدی رہا اسکے برخلاف ۲۵-۱۹۲۴ء میں یہ تناسب ۴۷.۹ فیصدی اور ۲۲-۱۹۲۱ء میں صرف ۴۷.۶ فیصدی تھا۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں تمام اداروں میں ملا کر ۱۲,۷۶۹,۸۰۷ طالب علم تھے لیکن ۳۶-۱۹۳۵ء میں اس تعداد میں ۲۷,۰۶۳,۱ کا اضافہ ہوگیا۔ تعلیم یافتہ عورتوں کا تناسب ۳۲-۱۹۳۱ء میں ۱۰.۸ فیصدی تھا۔ لیکن ۳۶-۱۹۳۵ء تک ۱۲.۹ فیصدی کا تناسب ہوگیا۔ ۳۷-۱۹۳۶ء میں ۱۷۰۲۳۶ اسکول لڑکوں کے تھے اور ۳۴,۱۱ لڑکیوں کے اُن سے کل ۴۰,۲۷۳ پرائمری اسکول تھے ۳۶-۱۹۳۵ء میں تمام تعلیمی اداروں پر ۲۶,۳۲,۴۴,۰۰۰ روپیہ خرچ ہوا جسمیں سے ۱۱,۸۴,۲۹ روپیہ حکومت نے دیا ۳,۶,۶۲,۰۰۰ مقامی فنڈ سے ۰۰,۷۰,۹,۱۷ میونسپل فنڈ سے ملا۔ اور ۶,۸۹,۰۵,۰۰۰ روپیہ فیس سے جمع ہوا۔

فیڈرل کورٹ خیال کیا جاتا ہے کہ عنقریب ہی فیڈرل کورٹ میں پہلا مقدمہ پیش ہونے والا ہے۔ کچھ دن پہلے دہلی میں تمام صوبوں کے وزرا مال کی کانفرنس ہوئی تھی جسمیں صوبجاتی اور مرکزی محصول کی حدود پر بہت بحث مباحثہ رہا اب یہ مسئلہ فیڈرل کورٹ میں بھیجا جائیگا۔

غالباً یوپی کے تعلقدار بھی حکومت کی زرعی تجاویز کے خلاف مقدمہ دائر کرنے والے ہیں کیونکہ وہ ان تجاویز کو اپنی اسناد کے شرائط کے خلاف بتاتے ہیں

رشوت کا انسداد حکومت یوپی نے رشوت بند کرنے کی تدبیروں پر غور کرنے کیلئے پچھلی جنوری میں سر مہاراج سنگھ کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کمیٹی نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ تمام سرکاری ملازموں کو مانعت

سمندر پار کے ہندوستانی کیپ ٹاون (جنوبی افریقہ) ۱۶ اپریل کو غیر یورپین قوموں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں ۴۵ جماعتوں نے جو ۳۰ ہزار آدمیوں کی نمائندہ تھیں شرکت کی۔ یہ تجویز پاس کی گئی ہے۔
"یہ محسوس کرتے ہوئے کہ غیر یورپی لوگوں کی عام حالت بہت پست ہے اور جبکہ جنوبی افریقہ یونین کی اقتصادی، معاشی، سیاسی اور سماجی حالتیں ہیں یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ جنوبی افریقہ میں رنگ کی تفریق کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ملائی، ہندوستانی، اور دوسری غیر یورپی قوموں کا ایک محاذ قائم کیا جائے۔"
کانفرنس نے اعلان کیا کہ غیر یورپی لوگوں کو پست کرنے یا انکو ذلیل کرنے کیلئے جو کوشش کی جائیں گی ان کا اتحاد سے مقابلہ کیا جائیگا۔

پنڈت نہرو شانتی نکیتن۔ وشوا بھارتی کے چینا بھون کے ڈائرکٹر پروفیسر ٹان یون شان عنقریب چین جانے والے ہیں۔ پنڈت نہرو نے انکے ذریعہ پیغام چینیوں کو بھیجا ہے:
مجھے امید ہے کہ آپ ہندوستانیوں کی ہمدردی اور محبت کا تحفہ اپنے ان بھائیوں کے لئے لیتے جائیں گے جو ملک کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ آپ انسے کہدیں کہ ہندوستان کے رہنے والوں نے کس درد و دکھ کیساتھ جاپانیوں کے مظالم کی داستان سنی ہے۔ ہم ساری دنیا کے بین الاقوامی معاملات میں ایک خطرناک ذلیل اور غارتگری دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ آخر میں سچائی کی قوتیں برائی پر فتح پاکر رہیں گی۔ چین کی عظیم [illegible] [illegible] جو بات دلائی ہے وہ یہ ہے کہ امتحان اور مصیبت کے وقت تمام چینی ایک ہوگئے ہیں۔

رشوت ستانی پشاور ۱۵ اپریل۔ حکومت یو۔پی نے رشوت بند کرنے کی تدبیروں پر غور کرنے کے لئے پچھلی جنوری میں سر مہاراج سنگھ کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کمیٹی نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ تمام سرکاری ملازموں کو ممانعت کر دیجائے کہ وہ کسی قسم کے تحفے نہ لیا کریں۔ یہانتک کہ ڈالی اور شادی کے تحفوں تک کی ممانعت کر دیگئی ہے۔ سرکاری حکام کی شکار پارٹیوں اور اسی طرح کی دوسری کھیلوں پر بھی پابندی لگانیکی سفارش کی گئی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ حکام کو منع کر دیا جائے کہ وہ پبلک یا اپنے ماتحتوں کی نجی سواریاں اپنے استعمال میں نہ لائیں۔
ایک سفارش یہ کی گئی ہے۔ کہ سرکاری ملازمین افسران بالا کے پاس اپنے تمام سامان کی فہرست داخل کریں اور انکو ہر اضافہ کی اطلاع دیتے رہیں۔ رشوت ستانی کے انسداد کیلئے ضلع کمیٹیاں بنانا تجویز کیا گیا ہے اور حکومت سے سفارش کی گئی ہے کہ تمام سرکاری ملازمین کے چال چلن کی تحقیقات کی جائے۔ اور جو ملازمین غیر دیانتدار ثابت ہوں۔ وہ علحدہ کر دئے جائیں جو افسر ۲۵ سال سے زیادہ سے کام کر رہے ہیں اور جنکی دیانتداری میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش ہے انکو زبردستی پنشن دلائی جائے۔
کمیٹی کی رائے میں حکومت کے ہر محکمہ میں رشوت کا بازار گرم ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ افسران بالا پر سفارش کا دباؤ ڈالا جاتا ہے اور رشوت دینے والے عدالت کے سامنے صاف صاف واقعات نہیں بیان کرتے۔ اسکے علاوہ اوپر کے حکام اپنے ماتحتوں کی دیکھ بھال نہیں رکھتے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بہت کم رکھی گئی ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات

بمبئی ۱۸ اپریل۔ اتوار کی رات کو ناریل واڑی باغ میں کچھ ہندو مسلمان شراب پئے ہوئے تاش کھیل رہے تھے۔ انمیں آپس میں کچھ جھگڑا ہوگیا اور آخر ہاتھا پائی کی نوبت آگئی۔ محلہ میں اس خبر کو طرح طرح کے معنی پہنائے گئے اور بلوہ شروع ہوگیا مسٹر منشی وزیر داخلہ حکومت بمبئی پولیس اور فوجی حکام کے ساتھ فوراً موقع پر پہنچ گئے اور کچھ دیر میں صورت حال پر قابو پالیا گیا۔ ۸ موتیں ہوئیں اور ۶۰ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ اس بلوہ میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ عورتوں پر بھی حملہ کیا گیا اور انکو زخمی کیا گیا۔ اتوار کو مجمع منتشر کرنے کے لئے پولیس کو ۲ مرتبہ گولی چلانا پڑی۔ دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ اور مقامی اخبارات کو آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ کوئی اشتعال انگیز بات نہ شائع کریں لیکن وہ مرا کز جہاں اندرونی کی غلط رفتہ خبریں چھاپ سکتے ہیں۔

الہ آباد ۱۴ اپریل دفعہ ۱۴۴ کی جگہ دو ماہ اشتعال انگیز افواہیں مشہور کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی خلاف ورزی کرنے پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دو اخباروں کے ایڈیٹروں پر جنکے نام شری لال۔ اور شاہ حفیظ عالم جنیدی ہیں مقدمہ چلائے جانے کا حکم دیا ہے۔
۱۶ اپریل کی صبح کو بہادر گنج کے ایک جھونپڑے سے مندر میں گائے کے سینگ اور کچھ بال پائی گئی۔ جبکی وجہ سے کشیدگی پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ ہندو موقع پر جمع ہوئے تھے کہ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور مندر کو اچھی طرح دھوکر صاف کر دیا گیا۔ احتیاط کے طور پر مندر کے اطراف میں مسلح پولیس تعینات کر دی گئی ہے۔ شہر میں سکون ہے۔

مہاتما گاندھی مہاتما گاندھی سے ۱۵ اپریل کو نئی دہلی میں وائسرائے کی ملاقات کی ملاقات کے بعد ایک سرکاری بیان شائع کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ مارچ کو آخر میں ہز اکسلنسی نے مہاتما گاندھی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی مہاتما گاندھی نے اسکو منظور کر لیا۔ اور کلکتہ سے واپسی پر دہلی میں وائسرائے سے ملاقات کی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک عام باتوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ دہلی میں ۱ بجے جس گھنٹہ کے قیام میں مہاتما گاندھی نے حکومت ہند کے وزیر داخلہ مسٹر سرکار سے بھی ملاقات کی خیال کیا جاتا ہے کہ اس ملاقات میں گاندھی جی نے بنگال میں مخترکہ وزارت کے امکانات اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ پر گفتگو کی۔
اگرچہ گاندھی۔ وائسرائے ملاقات کی تفصیل بالکل راز میں ہے لیکن عام خیال ہے کہ اس ملاقات میں دو باتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اول تو سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اور دوسرے فیڈریشن۔ ہندوستان ٹائمس کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ وائسرائے کیلئے ایک خوشگوار کر لیا ہے لیکن وہ قانون ہند میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ پہلے سب سیاسی جماعتیں فیڈریشن کو قبول کر کے مرکزی حکومت میں نمائندہ وزارتیں قبول کریں اور اس کے بعد قانون میں ضروری تبدیلیاں کرانے کیلئے اپنا زور ڈالیں۔ ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ جس طرح خود مختار صوبوں میں وزارتیں کسی اوپری مداخلت کے بغیر اپنا کام جاری رکھ رہی ہیں اسی طرح اگر فیڈریشن میں بھی آزادخیالی سے کام لیا گیا۔ اور ریاستوں نے چنے ہوئے نمائندے بھیجنا منظور کر لیا۔ اور وائسرائے نے بھی مداخلت۔ خارجی پالیسی اور دوسرے ضروری محکموں میں اپنے وزیروں کو اختیارات دیدیئے اور ایسا نہ کرینگی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی تو کانگریس کو اعتراض کا موقع نہیں رہیگا۔
کانگریسی حلقوں میں عام رائے ہے کہ جب تک ہری پورہ کانگریس کی قرارداد کے مطابق کانگریس کے مطالبات پورے نہ کئے جائیں گے اسوقت تک وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ کانگریس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اب قانون میں تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ایک مرتبہ حکومت کو اسکا یقین ہو جائے کہ موجودہ فیڈرل سکیم کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی۔ تو سوائے

ہماری زبان

جلد ۲ نمبر ۱۸ | ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ا / سالانہ ۳ عہ

اقبال

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایک عرصے کی بیماری اٹھا کر اس دنیا سے چل بسے اس وقت ہندستان کے ہر کونے میں ماتم ہو رہا ہے۔ اقبال اسلامی علوم کے ماہر اور فلسفی بھی تھے لیکن ان کی عالمگیر شہرت کی وجہ ان کی شاعری ہے۔ ان کی شاعری کی ابتدا تو اسی پرانے ڈھرے پر ہوئی تھی اور ان کے ابتدائی کلام میں داغ کے رنگ کی غزلیں زیادہ ہیں۔ لیکن ان کی طبیعت نے بہت دنوں تک کیسا نقیر بنا گوارا نہیں کیا اور انھوں نے اپنے لئے ایک نئی طرح ڈالی۔ زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا ان کا رنگ سب سے الگ ہوتا گیا اور آخر کار وہ ایک مخصوص طرز کے مالک ہو گئے۔ اقبال کی شاعری پر کئی دور گزرے۔ انھوں نے جب غزل کو چھوڑ کر نظموں کی طرف توجہ کی تو وہ زمانہ تھا قومی تحریک کی ابتدا کا۔ اقبال کی حساس طبیعت اس طرف جھکی اور انھوں نے چند ایسی قومی نظمیں کہیں جن کا جواب آج تک نہ مل سکا۔ "نیا شوالہ" اور "ہندستان ہمارا" آج بھی بچے بچے کی زبان پر ہیں اور باوجود اس کے کہ اقبال نے ایسے رنگ کو بہت جلد چھوڑ دیا۔ ہندستان کے نوجوانوں کو ان کے پہلے دور کا کلام اب تک جوش دلاتا رہتا ہے۔ اقبال کی شاعری کا دوسرا دور اصلی دور اس وقت شروع ہوا جب انھوں نے اسلامی تاریخ اور علوم کا مطالعہ شروع کیا۔ اتفاق سے یہی زمانہ تھا جب اتحاد اسلامی کی تحریک زوروں پر تھی اور یورپ کے سیاست دانوں کی یہ کوشش جاری تھی کہ ترکی کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ یورپ کی قومیت پرستی نے اس گرد و پیش کے منظر نے اقبال کو نہ صرف اتحاد اسلامی کا علمبردار بنا دیا بلکہ ان کو سرے سے قومیت پرستی سے ہی بیزار کر دیا۔ اقبال کی شاعری کا یہ دور تھوڑے سے وقتی تغیر کیساتھ آخر تک قائم رہا۔

اقبال شاعر تھے لیکن وہ شاعری کو آرٹ نہیں بلکہ پیغمبری سمجھتے تھے۔ ان کیلئے شاعری مقصد نہیں بلکہ اپنا پیام پہونچانے کا ذریعہ تھی۔ ان کا پیغام کیا تھا اور کس کے لئے تھا؟ اس کا مکمل جواب کے لئے ایک طویل مضمون چاہئے اور اس سے بحث کرنے کے لئے جس سکون اور بے تعلقی کی ضرورت ہے وہ اس وقت جب اقبال کی موت کا غم تازہ ہے، نایاب ہے۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال یہ چاہتے تھے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے رسول عربی نے جو نظام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ آج نئے سرے سے رائج کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اس پیام کو امت محمدی نے بحیثیت مجموعی سمجھا ہی نہیں۔ اسلامی تہذیب اور تمدن کی تاریخی صورت کو وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اس لئے کہ یہ ان کے خیال میں گمی اثر سے ابتدا ہی میں مکدر ہو گئی تھی۔ وہ اصلی حجازی اسلام کے علمبردار تھے اور اپنی شاعری کے ذریعے سے ساری عمر اسی اسلام کے خط و خال کو پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کی یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی۔ اس کے جواب کیلئے بھی ایک لمبی بحث کی حاجت ہے۔

اقبال نے جب کبھی اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج ناخوشگوار نکلے۔ شاعری کی دنیا اور عمل کی دنیا میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اتحاد اسلامی کا جو پیام اشعار کے لباس میں بہت ہی خوشنما اور دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ اسی پر جب اقبال نے عمل کرنے کی کوشش کی تو اس نے معمولی فرقہ پرستی کی صورت اختیار کر لی۔ غالباً خود اقبال کو بھی اس کا احساس تھا اور اسی لئے سیاست کے میدان میں انھوں نے کبھی اپنے قدم کو زیادہ عرصے تک نہیں جمایا۔ وہ شاعر تھے اور ان کا دماغ بلندیوں پر رہنے کا عادی تھا۔ وہ جب کبھی سیاست کی پستیوں سے ہمکنار ہوتے تھے تو ان کو وحشت ہونے لگتی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ایک عالمگیر پیام کے حامل ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ تخیل ہی میں رہے۔ اقبال کے پیغام کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن انکی شاعری کے

بارے میں وہ مائیں ہیں جو کہتیں ملان کے تخیل کی بلندی، ان کے نظریات کی جدت، ان کی زبان کا زور اور ان کی تشبیہوں، استعاروں اور محاوروں کی وسعت انکی غیر معمولی تھی کہ۔ وہ شاعری میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے اردو شاعری کو جو فکری طبع کے سامان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی، نظر انداز کر دیا تو ہندستان کے سب بند سکی جگہ پیدا ہو گئی۔ اقبال کی موت سے ادب کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کسانوں نے ایک زمیندار کو مار ڈالا

پٹنہ کی ایک خبر ہے کہ ایک زمیندار پر جب کہ وہ موٹر میں جا رہا تھا کچھ کاشتکاروں نے حملہ کر دیا اور اس کو مار ڈالا۔

یہ نہیں معلوم کہ یہ قتل کسی ذاتی دشمنی کی وجہ سے ہوا یا زمینداری کی سختیوں کی وجہ سے۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کی لڑائیوں کی خبریں عرصے سے آ رہی ہیں۔ کئی مقاموں پر باقاعدہ زمینیوں سے مقابلہ ہوا۔

کاشتکاروں اور زمینداروں میں دشمنی کا ہونا ناگزیر ہے۔ زمیندار کا نفع اسی وقت ہو سکتا ہے جب کاشتکار کا نقصان ہو۔ اپنے نقصان کو کون خوشی خوشی برداشت کرتا ہے۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے کاشتکار کسان سبھا میں شریک ہوگا۔ اور زمیندار اپنے نفع کی نگرانی رکھنے کے لئے زمیندار سبھا میں آئے گا۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کریں گی اور کر رہی ہیں۔ یہ جھگڑا اور یہ خونریزی اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جب ایک جماعت فنا ہو جائے۔ اب رہا یہ کہ کون سی جماعت فنا ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کاشتکاروں کی جماعت فنا نہیں ہو سکتی۔ اس کے فنا ہونے کے معنی ہیں ساری آبادی کا فاقوں سے مر جانا۔ دوسری طرف ان کی طاقت ایسی ہے کہ اس وقت جب کہ غیر منظم ہے نہیں توڑی جا سکتی۔ پھر آگے چل کر جب منظم ہو جائے گی تو کیسے توڑی جا سکے گی۔ خواہ مخواہ زمیندار فنا ہو جائیں گے۔

لیکن زمینداری کی خرابیاں کسی ایک یا دو زمیندار کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ خرابیاں زمینداری نظام کی پیداوار ہیں۔ زمیندار شریف سے شریف ہو۔ رحمدل سے رحمدل ہو کاشتکاروں کی محنت میں حصہ ضرور لگائے گا۔ ان کی کمائی بلا وجہ کھا جائے گا۔ اسی طرح کاشتکار نیک سے نیک ہو اس کو یہ ہمیشہ کھلے گا کہ ہم اپنی محنت کی پیدا کی ہوئی روٹی اپنے بچوں کے منہ سے چھین کر زمیندار کو دے آتے ہیں۔

اس لئے یہ خرابی ہر حالت کی بناوٹ، اور زمینداری نظام کی ہے۔ کسی زمیندار کو [illegible] پیٹ دینے یا مار ڈالنے سے، اس بے ڈھنگے نظام کی درستی نہیں ہو سکتی۔ اس سے نپٹنے کا صرف ایک طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ کسان اپنی جماعت بنا کر زمینداروں کی جماعت کو اور ان کے سرپرست سامراج کو مجبور کر کے اپنے حق منوائیں۔

ایک کاشتکار زمیندار کے ہاتھ سے پٹتا ہے۔ اس کا غصہ یوں نہ اترنا چاہئے کہ وہ دو چار آدمیوں کو لے کر زمیندار کو پیٹ دے۔ اس سے نظام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا غصہ یوں اترنا چاہئے کہ وہ ساری رعایا کا غصہ بن کر احتجاجی جلوس نکالے اور زمیندار کو یقین دلائے کہ ایک کسان کا مارنا تمام کسانوں کا مارنا ہے۔

کسان سبھاؤں کے کارکنوں کا یہ فرض ہے کہ اس مسئلے کو کسانوں کے سامنے صاف کریں۔ ان کو یہ اچھی طرح سمجھائیں اور بار بار سمجھائیں کہ اگر ایک زمیندار ہم کو ستاتا ہے تو وہ مار سارے نظام کی طرف سے آتی ہے۔ اس ہاتھ کو روکنے کے لئے ہم کو جس مورچے پر حملہ کرنا ہے وہ کسی خاص زمیندار کا گھر نہیں ہے، بلکہ زمینداری اور سامراج ہے۔ اگر ہم کسی موقع پر کسی ایک زمیندار کے خلاف احتجاج کریں، تو وہ بھی یہ سمجھ کر کہ وہ اس نظام کا ایک مہرہ ہے۔ اگر ہم نے اس کو دبا لیا اور اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا تو اس کا اثر سارے نظام پر پڑے گا۔

اس طرح کی مار پیٹ اور قتل و خون سے کسانوں کی تحریک کو نقصان پہنچیگا

مزدور سبھاؤں کی پھوٹ کا خاتمہ

۱۹۲۹ء میں مزدور سبھا کانگریس کا ناگپور میں اجلاس ہوا۔ برطانیہ نے ان دنوں مزدوروں کی تحقیقات کے لئے وہٹلے کمیشن بھیجا تھا۔ مزدور سبھا کانگریس میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اس کا بائیکاٹ کیا جائے یا نہیں۔ اس کے علاوہ زیر غور یہ بات تھی کہ دنیا کی مزدور سبھاؤں اور ہندستانی مزدور سبھاؤں میں کیسے تعلقات رہیں۔ ان مسئلوں پر دو گروہ ہو گئے۔ اعتدال پسند گروہ نے مزدور سبھا کانگریس سے علیحدہ ہو کر مزدور سبھاؤں کا قومی فیڈریشن قائم کر لیا۔ الگ ہونے والوں کے پاس ریلوے مزدوروں اور بندرگاہ کے مزدوروں کی سبھائیں تھیں۔ اسی لئے وہ فیڈریشن میں آ گئیں۔ یوں فیڈریشن کی طاقت اصلی کانگریس سے بڑھ گئی۔

تمام جھگڑوں کی طرح، مزدور سبھاؤں کا جھگڑا بھی پہلے سے خیالوں میں موجود تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب برطانیہ کو کمیونزم کا وہمی ہوتا ایسا نظر آیا کہ ہر ترقی پسند جماعت اور آدمی کو خاص کر ان لوگوں کو جو مزدوروں میں کام کرتے تھے کمیونسٹ کہہ کر گرفتار کرنے لگی۔ کمیونسٹوں کے خلاف قانون بنے۔ خفیہ پولیس چھوڑ دی گئی۔ میرٹھ سازش کے نام سے ایک وہمی سازش کھڑی کر کے بہت سے نوجوان گرفتار کر لئے گئے، برطانیہ کے رویے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر مزدور سبھا والے اصلاح پسند ہو جائیں اور خود لڑائی چھیڑنے کے بجائے برطانیہ کے پاس شکایتیں لے جائیں، تو وہ اپنا رویہ مزدور سبھاؤں کی طرف سے بدل دے گی۔ یہ دیکھ کر ایک جماعت اعتدال پسند بن گئی۔ یہ کھلم کھلا برطانیہ سے بغاوت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں نے مزدور سبھاؤں کا قومی فیڈریشن تیار کیا۔

نو سال گزر گئے، اور دونوں جماعتوں کو پھوٹ کا بہت برا تجربہ ہوا۔ فیڈریشن والوں کو برطانیہ سے جو کچھ امیدیں تھیں، ایک ایک کر کے سب ٹوٹ گئیں۔ [illegible] گفت و شنید کا کبھی اچھا نتیجہ نہیں نکلا۔ جو لڑائی اٹھائی اس میں ناکامیاب رہے۔ سرمایہ داروں نے ہر طرح ان کو دبانے کی کوشش کی۔ آخر مسٹر جوشی جو گفت و شنید سے معاملات طے کرنے کے بہت حامی تھے اپنی غلطی ماننے لگے۔ [illegible] ہر مزدور لیڈر پھوٹ کے نقصان محسوس کرنے لگا۔

۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں ہڑتالوں کی [illegible] کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ زبردست اسٹرائکیں ہوئیں۔ اور مزدور کسی طرح سامراج کے دبانے سے نہیں دبے۔ ان کو لڑائی میں کافی کامیابی ہوتی۔ ان [illegible] میں وحدت

سمجھا ان کی دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ کانگریسی وزارتوں سے فائدے اٹھانا تھے، اس میں بھی دونوں نے مل کر کام کیا۔

بمبئی میں تو دونوں شاخوں میں اتنا میل بڑھ گیا کہ انہوں نے ہر بڑے معاملے میں ساتھ ساتھ بلا کسی اختلافات کے کام کیا۔

دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے اتحاد کی دعوت دی۔ بعد پچھلے ہفتہ میں ناگپور میں دونوں جماعتوں کا اجلاس ہوا، اور میل کی شرطیں طے پا گئیں۔ میل ہو گیا۔

جہاں ان دونوں جماعتوں کو آپس کی پھوٹ کا تجربہ ہو گیا ہے۔ وہاں ان کو یہ بھی تجربہ ہو گیا ہے کہ کانگریس کو متحدہ محاذ بنانا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس اتحاد سے کانگریس کو بہت طاقت پہنچے گی۔ سامراجی فیڈریشن کا جب سامنا ہوگا۔ تو جہاں ہم ستیہ گرہ، سول نافرمانی اور لگان بندی سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، وہاں ریلوے اور سرکاری کارخانوں کی اسٹرائک سے بھی دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ لگان بندی کا اثر چار چھ مہینے میں پڑے گا لیکن اگر یہ اسٹرائکیں کامیابی سے ہو جائیں تو سامراج بہت جلد ہل جائیگا۔

ناگپور کی میٹنگ کے معنی یہ ہیں کہ ہماری سامراج دشمن لڑائی کا ایک مورچہ اور بن گیا۔ ہماری جدوجہد ایک قدم اور بڑھ گئی۔

اگر پچھلی جدوجہد سے اس نئے دور کا مقابلہ کرو تو حیرت ہوتی ہے۔ ہم کتنی تیزی سے آگے کی طرف اڑے جا رہے ہیں۔

حجاز اور عراق پر جرمنی اور اٹلی کے دانت

برطانیہ کی سامراجی پالیسی اور تجارتی لوٹ نے عربوں کو بہت بدظن کر دیا تھا۔ اٹلی اور جرمنی اس بدظنی سے فائدہ اٹھا کر ان میں برطانیہ کے خلاف بہت دنوں سے بغاوت پھیلانے کا کام کر رہے ہیں فلسطین کا فساد بھی انہیں طاقتوں کا اٹھایا ہوا ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے سعودی حکومت اور اطالوی حکومت سے گہرے پیار نے ہیں۔ ابن سعود بڑا ہشیار اور سیاست داں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی قوم کا لیڈر بھی ہے سپہ سالار بھی۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس وقت حجاز کی حکومت کتنی اہم ہو رہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایران، عراق، ہندوستان، فلسطین، اسیریا، عراق عجم، مصر، شمالی افریقہ پر تجارتی حقوق اور قبضہ رکھنے کیلئے برطانیہ کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اور جب تک میں ساتھ نہ دوں مسولینی اسلام پناہ نہیں بن سکتا۔

حال میں کئی ہوائی جہاز اٹلی نے ابن سعود کو تحفے میں بھیجے۔ جنہیں کبھی برابر اسلحہ اتار کرتے ہیں جو اٹلی حجاز کو بھیجتا ہے۔ انگریزی اخباروں کو یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن چاہے کچھ ہو، وہ فسطائی طاقتوں کی ناراضگی نہیں گوارا کر سکتے۔ اسی لیے خاموش رہ جاتے ہیں۔ فرانس مصر اور عراق کے اخباروں کو اس رعایت کی کوئی وجہ نہیں، وہ حقیقت کھولتے رہتے ہیں۔

عراق کی حکومت پر بھی اٹلی اور جرمنی کا اثر بڑھ گیا ہے۔ برطانیہ کی بڑی خواہش تھی کہ بغداد سے حیفہ تک ریلوے بن جائے، جس سے اس کو لڑائی میں بڑی مدد ملتی اور ایسے طریقے ایک ہوائی اسٹیشن کھولنا چاہتا تھا۔ لیکن عراقی کابینہ نے اس تجویز

میں کیا۔

جنرل بکر صدیقی جو عراق کا بڑا مشہور سیاست داں تھا۔ ایسے موقع پر قتل کیا گیا کہ انگلستان کو اس سے بڑا فائدہ پہونچا۔ ایک اخبار کا بیان ہے کہ مقتول جنرل کی جیب سے پچیس ہزار پونڈ کا ایک چک نکلا، جو کسی بیرونی بنک کے نام تھا۔ ایک دوسرے اخبار نے بیرونی بنک کی تشریح کر دی۔ اس نے بتایا کہ وہ چک خاص اطالوی بنک کے نام تھا۔

تمام عراق میں مشہور ہے کہ جنرل بکر کو کس جماعت نے مارا۔ حالات ایسے ہیں مگر تمام باخبر لوگوں کی رائے ہے کہ برطانیہ کی راہ میں وہ کانٹا تھا۔ جس کو اس کے کسی دوست نے دور کر دیا۔ اس بات کا کوئی ثبوت تو نہیں، مگر اس واقعہ سے برطانیہ کو اتنا نفع پہونچتا ہے۔ اور قتل ایسے موقع پر ہوا کہ سارا شک برطانیہ کے کسی دوست پر ہوتا ہے۔

شیعہ سنی فساد

لکھنؤ میں پھر شیعہ سنی فساد ہو گیا۔ فساد اس وقت ہوا جب ایک جلوس نکل رہا تھا۔ اس لیے ہر فرقہ کے منچلے، سپاہیوں کو بلا تماشائیوں پر خوب ہاتھ صاف کرنے کا موقع ملا۔ جوش میں ان کو بوڑھا جوان، عورت، بچہ زخمی ہوتا کچھ نظر نہ آیا۔ بس سنی ہو یا شیعہ ہو۔ کافی ہے۔ ایمانی حمیت کے نام پر بیگناہوں کا اچھی طرح خون بہایا گیا۔ کہیں کوئی راہگیر جا رہا ہے۔ دو آدمیوں نے ملکر اسکو پیٹ دیا۔ کہیں کوئی بوڑھا اکیلے میں مل گیا اس کو ذبح کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔

کیا فساد سے کوئی مسئلہ طے ہو گیا؟

مدح صحابہ کے سلسلہ نے دونوں فرقوں کے درمیان نفرت، بیداری تھی۔ اور وہ برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ اب یہ کام تھا دونوں فرقوں کے لیڈروں کا کہ اپنے اپنے فرقہ کو سمجھاتے کہ ایسے مسئلے فساد سے نہیں حل ہوتے۔ فساد کا صرف ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ دونوں فرقوں میں سے کچھ بے تعلق لوگ مار دئے جاتے ہیں اس بھول نے اتنی جانیں لے لیں

میسور میں قتل عام

بنگلور کی ۲۶۔ اپریل کی خبر ہے کہ ضلع کولار کے ایک گاؤں میں ۱۰ ہزار آدمی جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کرنے کے لئے ایک عام جلسہ میں جمع ہوئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مجمع کو غیر قانونی قرار دیدیا اور حکم دیا کہ مجمع دس منٹ میں منتشر ہو جائے۔ مجمع بدستور جا رہا چانچہ دس منٹ کے بعد گولی چلانے کا حکم دیدیا جس سے ۳۳۔ آدمی جان سے مر گئے ۱۰۰ آدمی زخمی ہوئے۔

پچھلے پرچہ میں ہم نے ریاست میسور کے سرکاری اعلان کا حوالہ دیا تھا جس میں ریاست کی طرف سے یہ بہانہ کیا گیا تھا کہ ترنگا جھنڈا لگانے کی ممانعت امو اسطے کی گئی ہے کیونکہ ریاستی عوام اپنے مہاراج کے جھنڈے کی بہت عزت کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا جھنڈا نہیں دیکھ سکتے اس لئے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اب اس قتل عام سے ریاست کے اعلان کی اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اگر عوام کو ترنگے جھنڈے سے ہمدردی نہیں تھی تو وہ اتنی بڑی تعداد میں جمع کیوں ہوئے۔ اور پھر کونسی چیز ایسی تھی جس کی لالچ میں انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ معلوم ہوا کہ عوام کا وہ حصہ جو ترنگے جھنڈے کا مخالف ہے ریاستی پولیس ہے اور اس کی پشت پناہی پر ریاست کے مہاراج

زمیندار

حکومت نے جب سے اپنا زمینداری قانون کا مسودہ تیار کرنا شروع کیا ہے، جمعیت پسند جماعتوں اور اخباروں نے عجیب و غریب اعتراضات کرنا شروع کر دئے۔ ایک کہتا ہے زمیندار اور کسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان دونوں کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہئے۔ ایک کہتا ہے کہ زمیندار کو صرف لگان تحصیل کرنے والا کہنا غلط ہے۔ وہ زمین کا مالک ہوتا ہے۔ اس کو حق ہے کہ جیسا چاہے ویسا انتظام کرے۔ کسان کو بہت زیادہ اختیارات دے دینا انصاف کے خلاف ہے۔

ان اعتراضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا دنیا قائم ہوتے ہی ایک جماعت کاشتکار تھی اور ایک جماعت زمیندار، اور دونوں نے ایک اتنا سخت عہد نامہ لکھا جس پر ان کی اولاد کو عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا عہد نامہ ہوا بھی ہوتا تو بھی دنیا میں ایسی خلف اولاد نہیں ہوتی۔ چند نسل پہلے کے ہندستانیوں نے انگریزی حکومت کے ساتھ وفادار بنے رہنے کا عہد کیا تھا۔ مگر یہ زبال ہماری نسل کی گردن پر نہیں رہا۔

انصاف اور حق کے الفاظ اس طرح استعمال کئے جاتے ہیں، گویا تحصیل وصول ہی کے لئے ہیں۔ اچھا ان لیا کہ زمیندار کا حق ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں کرتے رہیں اور انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کے اور کسانوں کے معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ اب ہم کو دیکھنا ہے کہ اس حق اور انصاف کی زندگی کتنی ہوگی؟

کسانوں کی طاقت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ انھوں نے صرف اپنی طاقت کے بل بوتے پر بیگار، نذرانہ بند کر دیا۔ چاہا گاہوں کے حق چھین لئے۔ گویا اتنا حق مر گیا اتنا انصاف دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب یہ انصاف کا ٹکڑا واپس نہیں آ سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے غلامی واپس نہیں آ سکتی۔ اگر یوں ہی کسانوں کی طاقت بڑھتی رہی تو ایک دن زمینداری فنا ہو جائے گی۔ اور جو اب زمیندار ہیں ان کو کاشتکار بن جانا پڑے گا۔ اس وقت "حق و انصاف" بالکل مر جائے گا۔ اگر کوئی اس کو واپس بلانا چاہے تو اس کو ہزاروں لاکھوں خوشحال لوگوں کی خوشحالی چھین کر ایک کو دینا پڑے گی۔ گویا اتنا ظلم کرنے کے بعد "انصاف" کو بیاہا جا سکے گا۔ اور یہ جان لیوا انصاف جب تک برقرار رہے گا، یہی ظلم ہوتا رہے گا۔ اور پھر جہاں "انصاف" مٹا، سب بدستور خوشحال ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ وہ طاقت کون سی ہو سکتی ہے جو ۹۵ فیصدی کو دبا کر ۵ فیصدی کو آرام پہنچائے۔

یہ تصویر ہے مستقبل کی۔ حالات بتا رہے ہیں کہ ہم ادھر جا رہے ہیں۔ اور ادھر جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر ہم ان بھی لیں کہ زمینداری ہمیشہ سے ہے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ رہے بھی۔ بہت سے جانور پہلے تھے اب نہیں ہیں۔ جانوروں کی نسلوں کی نسلیں پہلے تھیں اب فنا ہو گئیں۔ غلامی انسانی سماج کی اہم ستون تھی اب تقریباً مٹ گئی۔ اسی طرح ہزاروں سماجی نظام بنے اور مٹ گئے۔ اب ان کے واپس آنے کی کوئی صورت نہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ زمینداری آئی کہاں سے؟

زمینداری نظام، جو صرف بنگال، بہار اور یوپی میں ہے۔ ہندستان میں نئی چیز ہے جو انگریزی راج کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے پہلے زمیندار، تعلقدار اور اسی قسم کے درمیانی لوگوں کا پتہ نہ تھا۔ کاشتکار براہ راست حکومت سے معاملہ کرتے تھے۔ جب مغل سلطنت کمزور پڑ گئی اور اس میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ مالگزاری وصول کر سکے تو اس نے تحصیلدار مقرر کئے۔ ان کی کوئی تنخواہ نہیں ہوتی تھی بلکہ تحصیل وصول کا دسواں حصہ کمیشن کے طور پر لے لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو زمیندار اور تعلقدار کہا جاتا تھا مگر ان الفاظ کے وہ معنی نہیں تھے جو اب ہیں۔

مغل حکومت برابر کمزور ہوتی چلی گئی اور اتنا ہی انتظام گڑبڑ ہوتا گیا۔ نوبت یہاں تک آئی کہ تحصیل وصول کے لئے زمین کے ٹھیکے نیلام ہونے۔ جو سب سے زیادہ دام ادا کرتا اس کے نام پر چھوڑے جاتے جب لمبے لمبے دام ادا کر کے ٹھیکیدار زمین کے ٹکڑے لیتے تو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرتے۔ بیچارے کاشتکاروں کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ٹھیکیدار مستقل ہو گئے کیونکہ مرکزی حکومت میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ان کو الگ کرتی۔

۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی کے بعد انگریزوں کا بنگال پر قبضہ ہو گیا۔ انھوں نے راج کی ذمہ داری ٹالنے کے لئے مغل شہنشاہ سے بنگال کا ٹھیکہ لے لیا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی شہنشاہ کی دیوان بن گئی۔ کمپنی کے تمام افسروں کو لالچ کا جنون تھا۔ انھوں نے کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ ٹھگنا چاہا۔ اور اس غرض سے مالگزاری کے چھوٹے چھوٹے تحصیلدار بنا دئے۔ اور ان سے لمبی لمبی رقم طلب کرتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں مالگزاری دگنی کر دی گئی اور اس کا مطالبہ بہت سختی سے ہونے لگا۔ جو تحصیلدار وقت پر رقم نہیں ادا کرتا۔ نکال باہر کیا جاتا۔ تحصیلدار اس سختی کا بدلہ کاشتکاروں پر نکالتے۔ ان پر لگان بڑھاتے چلے جاتے۔ طرح طرح کے بہانوں سے روپیہ اینٹھتے۔ یہ بیچارے شکایت کرنے کس کے پاس جاتے۔ کمپنی خود اس لوٹ کی ساجھے دار تھی اور نمائشی مالک۔ مغل شہنشاہ بالکل بے بس تھا کمپنی اور تحصیلدار کی لات تو تھی ہی۔ اس پر آفت یہ آئی کہ بارش نہیں ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ پلاسی کی لڑائی کے بارہ سال بعد اور دیوانی ملنے کے چار سال بعد بنگال اور بہار میں ایسا قحط پڑا کہ وہاں کی تہائی آبادی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

لیکن واہ رے کمپنی کے افسر! انھوں نے پوری مالگزاری وصول کر لی۔ کمال ہے۔ ایک طرف مرد، عورت، بچے بھوک سے مر رہے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں نے کروڑوں روپیہ وصول کر لیا۔ گویا جو مر گئے تھے ان کی مالگزاری بھی وصول کر لی لاشوں سے روپیہ نچوڑنا!

اس کے بعد بیس سال تک یوں ہی کام چلتا رہا۔ قحط نکل گیا۔ لیکن بنگال اور بہار ایسے زرخیز خطے نے بہار نہ دیکھی۔ بہت سے تحصیلدار تک ٹکڑوں کو محتاج ہو گئے۔ پھر کسانوں کا کیا ٹھکانا۔ اب کمپنی کی سمجھ میں آیا کہ یہ پالیسی بہت تنگ نظری کی ہے۔ آگے چل کر بڑے بڑے نقصان کا خطرہ ہے۔ اس لئے کوئی مستقل بندوبست ہونا چاہئے۔ اس وقت لارڈ کارنوالس گورنر جنرل تھا۔ اس کے سامنے انگلستان کے زمینداروں کا خیال تھا۔ وہ لوگ اسی طرح حکومت اور کاشتکاروں کے درمیانی تھے، جیسے آجکل کے زمیندار ہیں۔ اسی خیال پر کاربند ہو کر لارڈ کارنوالس نے پرانے تحصیلداروں کو زمیندار بنا کر ان سے ایک مقررہ رقم پر معاہدہ کر لیا۔ یوں زمینداری کی ہندستان میں بنیاد پڑی۔

روس میں بچوں کی تعلیم

(سوچتا دیوی)

ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق لیکر ہر ایک کی ضروریات پوری کرو۔ یہ ہے سوویٹ حکومت کا اصل الاصول۔ روس کی موجودہ حکومت اس اصول کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مارکس کے فلسفۂ مادیت پر کاربند ہے۔ اس کا خیال ہے کہ معاشرتی جدوجہد اور کشمکش ہی سے معاشرت کے اعلیٰ درجہ تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس جدوجہد میں انسان کی حیثیت ایک تماشائی کی نہ ہوگی بلکہ وہ خود اپنی کوششوں سے اپنے گرد و نواح میں تبدیلی پیدا کرے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اطراف و جوانب کے حالات سے اثر پذیر بھی ہوگا۔ اسی واسطے سوویٹ نظام کا مقصد انسان کے ماحول کو ایسی طرح ڈھالنا ہے کہ خود غرضی اور انفرادیت چھوڑ کر ہر انسان معاشرت کے اعلیٰ پیمانہ پر پہنچے اور ملوکیت کے اصول پر عمل پیرا ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکومت کوشش کرتی ہے کہ وہ دستور تعلیم کو ایسی طرح ترتیب دے کہ صحیح مادی ماحول پیدا ہو جو انسانی نفسیات پر اپنا اثر ڈال سکے۔

روس میں حکومت کے مدنظر صرف عوام کی بہبودی اور ترقی ہے اور اس کی گوناگوں کوششیں دراصل اسی عظیم الشان مہم کے مختلف پہلو ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت زندگی کے مختلف شعبوں اور جملہ مشاغل پر براہ راست قابض ہو۔ چنانچہ روس میں اقتصادیات، سیاست اور تعلیم حکومت ہی کی زیر نگرانی ہیں۔ تجارتی مقابلہ کا خاتمہ کر کے اور تمام افراد کی ضروریات کی ذمہ داری اپنے اوپر لیکر حکومت نے حرص، لالچ اور خود غرضی کا خاتمہ کر دیا ہے اور اس طرح تعلیم کیلئے ایک نہایت ہی خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا ہے۔

انسان کو اخلاق و معاشرت کے اعلیٰ اصولوں پر کاربند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بچپن ہی سے شروع ہو۔ اسی لئے روس میں بچوں کی لوریوں تک میں اعلیٰ تعلیم کے عنصر پائے جاتے ہیں۔ وہاں بچے کے دماغ میں بڑے بڑے اجاڑ دیوں ان کے عظیم الشان جلوسوں، زرق برق پوشاکوں اور لذیذ کھانوں کی خیالی تصویریں نہیں بنتیں بلکہ اس کے تخیل میں روزمرہ زندگی کی فائدہ مند باتیں بنتی ہیں

سوویٹ تمدن ابھی شیروانی۔ پاجامہ۔ دھوتی اور کرتے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کے تمام پہلو شامل ہیں اور تعلیم کا مقصد انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کی صحیح رہنمائی کر کے اس کو اعلیٰ معاشرت کا ایک نمونہ بنانا ہے۔ اس لئے حکومت اسکول کی دیکھ بھال رکھتی ہے اور جو اغراض حکومت کے پیش نظر ہوتے ہیں بالکل وہی اسکول کے بھی ہوتے ہیں۔ حکومت کی کامیابی و ناکامیابی سے جو تعلق تمام دوسرے محکموں کو ہوتا ہے ہو بہو وہی تعلق اسکول کو بھی ہوتا ہے۔ ہر طالب علم حکومت کے تمام معاملات کی پوری پوری واقفیت رکھتا ہے۔ اور طلباء کو مقررہ نصاب کے علاوہ سیاست اقتصادیات۔ علم حیئت۔ علم اخلاق۔ تہذیب۔ رسوم اور کھیل کود کے متعلق بھی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔ کتابی تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم بھی دی دینے کی کوشش کیجاتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر بچے کو سوسائٹی کا ایک قابل اور کارآمد فرد بنا دیا جائے۔

شروع شروع میں تعلیم پر سیاست اس درجہ غالب تھی کہ اس نے بچوں میں قومی ذہنیت کی صحیح نشو و نما نہ ہونے دی۔ واقعات بالشویک رنگ میں رنگے جاتے تھے۔ اور اکثر اوقات بالشویک نظریہ کی حمایت میں ان میں بڑی بڑی تبدیلیاں بھی کر دی جاتی تھیں۔ تاریخ کی تعلیم بالکل فضول سمجھی جاتی تھی۔ غرض کہ تعلیم کا مقصد صرف یکطرفہ پروپیگنڈا تھا۔ لیکن جیسے جیسے حالات میں قرار اور پائداری ہوتی گئی۔ ویسے ہی ویسے تعلیم کے نظام کا بھی توازن بنتا گیا۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء کے بعد سے اس میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ اب بچوں کے اسکولوں میں۔ نہ سیاسی اشتہاروں، مشینوں اور آلات کاشتکاری کی بھدی تصویروں کے بجائے قدرتی مناظر اور طرح طرح کے جانوروں کی تصویریں اور بچوں کی دلچسپی کے دوسرے سامان پائے جاتے ہیں۔ ان کو پہلے کی طرح سیاسی گیت گانے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور تاریخی واقعات غیر جانبداری سے ان کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ تعلیم کا محکمہ اب بھی سیاسی طاقت کے قبضہ میں ہے لیکن جو خرابیاں قدرتی طور پر انقلاب کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اب وہ مستقل طریقہ سے دور کیجا رہی ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کمیونسٹ حکومت میں انسان کی شخصیت فنا کر دیجاتی ہے اور حکومت افراد کی پروا نہیں کرتی۔ اول تو ایسا کہنا ہی غلط ہے اور اس کے علاوہ جہاں تک کمیونسٹ نظام تعلیم کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ہر فرد کو ترقی کرنے اور اپنے کو نمایاں بنانے کا مناسب اور برابر موقع ملتا ہے۔ البتہ خود غرض۔ فضول اور لایعنی حرکتوں کو اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ کوئی قوم ترقی اسی وقت کر سکتی ہے جبکہ اس کے افراد ترقی یافتہ ہوں۔ کیونکہ افراد کے مجموعہ ہی کا نام قوم ہے۔ سوشلزمی نظام میں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں بچتا جسے ترقی کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔

سرمایہ داری نظام میں عوام کی بڑی سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کو ابتدائی تعلیم مل جائے لیکن کمیونسٹ حکومت میں عوام نہ صرف تعلیم بلکہ تمام دوسرے علوم و فنون۔ مثلاً موسیقی، ڈرامہ، سینما اور اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ اپنی قابلیت کا اظہار کر سکتے ہیں

روس میں بچوں کے اسکولوں سے لیکر اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیوں اور طرح طرح کے علمی و ادبی درسگاہوں تک میں تعلیم بالکل مفت دیجاتی ہے۔ اس نئے دور میں پہلے کچھ دنوں تک بعض اوسط طبقہ کے لوگوں کے لڑکے اعلیٰ تعلیم سے محروم رکھے جاتے تھے لیکن کمیونسٹ نوجوانوں نے ملکر آواز بلند کی کہ باپ کے گناہوں کی سزا بیٹوں کو نہ دیجائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو بھی برابر کا موقع ملنے لگا اور دسمبر ۱۹۳۵ء میں مرکزی اگزیکیٹو کمیٹی نے قانوناً اس بندش کو اٹھا لیا چنانچہ موجودہ روس میں تعلیم مفت ہے اور اس سے ہر شخص دوسروں کے برابر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

صرف ابتدائی تعلیم مفت نہیں بلکہ جو لوگ اعلیٰ تعلیم نہیں حاصل کر سکتے، حکومت ان کی بھی مدد کرتی ہے۔ مزدوروں میں اعلیٰ تعلیم رائج کرنے کے لئے ان میں سے اسّی فیصدی طلبا کو سرکاری وظیفہ ملتا ہے اور بال بچوں کی پرورش کرنے کے لئے انکو مزید امداد ملتی ہے۔ روس میں وظیفہ دینے کا طریقہ بھی دوسری سرمایہ دار حکومتوں سے مختلف ہے۔ وہاں پرولتاری طبقہ سے ایک آدھ آدمی کو وظیفہ دیکر تعلیم تو دلائی جاتی ہے۔ لیکن پڑھ لکھ کر وہ اپنے طبقہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح اس طبقہ کو کوئی فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے روس میں ایک مزدور پڑھنے لکھنے کے بعد بھی مزدور ہی رہتا ہے (واضح ہے کہ روس میں مزدوروں کا طبقہ تمام دوسرے طبقوں سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے) اور اس طرح اپنے طبقہ کا معیار بلند کرنے میں مدد کرتا ہے۔

سوویٹ دستور تعلیم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہاں تمام اسکول تقریباً ایک سے ہیں اور ان سب میں ایک ہی نصاب کی تعلیم ہوتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں پبلک اسکول یا دوسرے سرکاری اسکول جنمیں مفت تعلیم ہوتی ہے۔ پرائیوٹ اسکولوں کی بہ نسبت ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور امرا کے لڑکے ان میں پڑھنا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں لیکن روس نے طبقاتی فرق کے ساتھ ہی ساتھ اس فرق کو بھی مٹا دیا ہے۔ سولہ برس کی عمر تک ہر ایک کو ایک ہی تعلیم ملتی ہے اور اس کے بعد تخصیص شروع ہوتی ہے جنسی مساوات (مرد اور عورت کی برابری) جو روسی معاشرت کا بنیادی اصول ہے۔ یہاں بھی پایا جاتا ہے مخلوط تعلیم ہے۔ روس میں نہ کوئی پیچیدگی پیدا ہوئی اور نہ کسی قسم کا اخلاقی یا معاشرتی مسئلہ ہی اٹھا۔ بلکہ بعض ماہرین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس طریقہ نے روسی نوجوانوں کا جنسی تجسس مٹا دیا ہے اور اب آپس میں ایک معقول جنسی تعلق کے آثار نظر آتے ہیں لیکن صرف مخلوط تعلیم ہی اس تعلق کی ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کے کئی سبب اور بھی ہیں مثلاً یہ کہ وہاں کے پریس سینما۔ تھیٹر جنہیں کہ بچے جاتے ہیں جنسی تجسس بڑھانے والی تمام لغویات سے پاک ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب ایک ہی ہے۔ یہاں تک کہ صنعت و حرفت بھی دونوں کو ایک ہی سیکھنا پڑتی ہے۔ لڑکیوں کو ان کی استعداد کے موافق مشینوں پر کام کرنا اور دستکاری کے دوسرے فن سکھلائے جاتے ہیں اور لڑکوں کو بھی بچپن میں سوئی دھاگے سے سابقہ پڑتا ہے۔ عورتوں کی تعلیم میں شادی یا بچی کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سرکار کی طرف سے انھیں مالی امداد اور بورڈنگ میں ہر قسم کی آسائش ملتی رہتی ہے اور قومی ادارے ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

تعلیم کے معاملہ میں مختلف قوموں اور مذہبوں میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تقریباً سو قومیتوں کے لوگ روس میں رہتے ہیں اور حکومت ان سب کی تعلیم کا برابر خیال کرتی ہے۔ کوئی قوم محکوم نہیں سمجھی جاتی اور جس قومیت کے لوگ تعلیم میں پیچھے ہوتے ہیں ان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ نئے دور کے شروع میں کچھ فرقے ایسے تھے کہ انکے اپنے حروف تہجی بھی نہ تھے۔ حکومت نے کافی کوشش اور بہت بڑے صرفہ سے ان کے حروف تہجی بنوائے۔ کتابیں لکھوائیں اور ان کی تعلیم کے لئے اسکول کھولے چنانچہ اب تک ۵۰ نئے حروف تہجی ایجاد کئے جا چکے ہیں۔ خانہ بدوش فرقوں کو بھی جاہل نہیں چھوڑا گیا ہے ان کے لئے سفری اسکول ہیں جو ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

سوویٹ دستور تعلیم میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ اس کا خاص اصول مادیت اور مادی ترقی ہے۔ لیکن اب پہلے کی طرح اسکولوں میں مذہب کے خلاف پروپیگنڈا بھی نہیں کیا جاتا۔ بچوں کے لئے مذہب میں اعتقاد رکھنا کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ان کو اس کی سزا دی جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ وہاں کا ماحول اور سارا نظام ایسی بنیادوں پر قائم ہے کہ مذہب خود بخود فنا ہوتا جا رہا ہے مذہب کی جگہ کمیونزم کے اصول اخلاق کی تعلیم ہوتی ہے اور طلبا کو روزمرہ زندگی کی کارآمد باتیں بتائی جاتی ہیں تاکہ وہ بڑے ہو کر اچھے شہری بنیں۔ وہاں کے لوگوں کو گناہ سے پرہیز یا آسمانی عذاب کا ڈر نہیں ہے اور اچھائی برائی کا معیار قوم کی بہبودی پر رکھا جاتا ہے۔

روس کے نظام تعلیم اور تمام تعلیمی اداروں کے بیان کے لئے کافی تفصیل کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس وقت ہم صرف اسکول کی تعلیم پر بحث کریں گے۔

ہر جمہوریت میں تعلیم کے انتظام کے لئے ایک کمسریت قائم ہے۔ مرکزی ایگزیکیوٹو کمیٹی اس کا افسر اعلیٰ مقرر کرتی ہے۔ اور اس افسر کے دو معاون افسر بھی ہوتے ہیں کمسریٹ کی مدد کرنے کے لئے ہر مضمون کا ایک تعلیمی کمیشن ہوتا ہے۔ اس طرح پر ساری سوویٹ یونین میں علیحدہ علیحدہ انتظام ہوتا ہے۔ لیکن ان سب کے اوپر ایک اور کمیٹی ہوتی ہے جو جمہوریت کے تعلیمی اداروں کی دیکھ بھال رکھتی ہے۔ مرکزی خزانہ سے ان کو مالی امداد دلواتی ہے۔ نصاب مقرر کرتی ہے اور طے کرتی ہے کہ کس جگہ کتنے اسکولوں، مدرسوں اور کتب خانوں وغیرہ کی ضرورت ہے۔ آج کل ماسکو کی کمسریٹ دنیا میں اپنی قسم کا سب سے زیادہ ترقی پسند اور منظم ادارہ ہے۔ اس کے ماتحت ہر درجہ کی تعلیم کے لئے الگ الگ محکمے قائم ہیں مثلاً بچوں کی تعلیم کا محکمہ۔ پرائمری تعلیم کا محکمہ وسطی تعلیم کا محکمہ۔ اعلیٰ تعلیم کا محکمہ۔ مدرسوں کی ٹریننگ کا محکمہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ ہر علم مثلاً تحقیق تجربہ۔ فن لطیف۔ سائنس موسیقی۔ سینما۔ تھیٹر۔ وغیرہ کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ محکمے ہیں۔

سوویٹ کے ہر شعبہ کا دستور ہے کہ پہلے کل ڈھانچہ بنا کر اس کے ہر پہلو پر خوب غور و خوض کر لیا جاتا ہے اور پھر کام شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ شعبۂ تعلیم میں بھی پہلے مرکزی کمیٹی نصاب۔ طریق تعلیم۔ اور اوقات وغیرہ کا خاکہ بنا کر تعلیمی اداروں میں بھیج دیتی ہے جہاں اس پر کافی بحث مباحثہ ہوتا ہے اور اس کے بعد یہی خاکہ مدرسوں کی کانفرنس میں جاتا ہے جو اس پر غور کر کے کل اعتراضات اور ترمیمات کے ساتھ اس کو پھر مرکزی کمیٹی کے پاس واپس کر دیتے ہیں۔ وہاں اس پر دوبارہ غور کیا جاتا ہے اور پھر عام معلومات کے لئے ایک رپورٹ شائع کی جاتی ہے جس کی پابندی تمام مدرسوں کو کرنی ہوتی ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مدرس کے سامنے سارا ڈھانچہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اور وہ آسانی سے اس کے مطابق اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی کمیٹی تمام ممکن ذرائع سے معلومات اور تجاویز جمع کر کے ہر ایک مدرس کو ان سے فائدہ پہنچاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے روس میں اور ملکوں کی بہ نسبت تعلیم جلدی شروع ہوتی ہے پیدائش سے لے کر ۴ سال کی عمر تک صحت کا ادارہ بچہ کا ذمہ دار رہتا ہے۔ اور اس کی تندرستی کے علاوہ تعلیم کا بھی خیال رکھتا ہے۔

زندگی کے مختلف شعبوں کی اصطلاحی تعلیم۔ اجتماعی نقطۂ نگاہ۔ ذاتی اخلاق اور خود انتظامی کی تعلیم سوویٹ دستور تعلیم کی خاص خصوصیات ہیں۔ دستکاری کی تعلیم دینے کے لئے ہر اسکول میں اوزاروں وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ جن پر ۹ برس کے بچے آسانی سے کام کر سکتے ہیں۔ اجتماعی ذہنیت پیدا کرنے کے لئے ان سے ایسے کام کرائے جاتے ہیں جن سے انہیں اجتماعیت اور امداد باہمی کے اصولوں کی تعلیم ہوتی ہے

کسی ایسے کام میں جو وہ خود کر سکتے ہوں ان کی مدد نہیں کی جاتی تاکہ وہ خود استقلال سیکھیں۔ اخلاق اور تمیز کی تعلیم انھیں رائے عامہ پوسٹر اور عام بحث مباحثہ سے دیجاتی ہے۔

صحت کی کسریٹ میں ۴ سال کے بچے اسکول جاتے ہیں جس میں صرف انھیں کے ہم عمروں کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہاں کے ڈاکٹر اور استانیوں کے علاوہ ایک اہل صنعت اور ماہر نفسیات بھی ہوتا ہے۔ استانی کو ہر بچے کی تمام حرکات وسکنات اور عادات واخلاق کا زائچہ ترتیب کرنا پڑتا ہے جس کو ڈاکٹر اور ماہر نفسیات وقتاً فوقتاً دیکھتے رہتے ہیں۔ بعض اسکول بچوں کی تعلیم کے بارے میں ریسرچ بھی کرتے ہیں اور ان کے لئے انھیں کسریٹ سے علحدہ امداد ملتی ہے۔

اسکول اور والدین کی کونسل میں کافی ربط واتحاد رہتا ہے۔ ماہواری جلسوں میں مدرسین خاص کر ماہر نفسیات ان کو ان کے بچوں کی بابت بہت دلچسپ باتیں بتاتے ہیں اور اکثر ان کی مدد بھی مانگتے ہیں۔ ماہر نفسیات کا فرض ہوتا ہے کہ وہ بچے کی زندگی کے ہر پہلو پر نظر رکھے اور خاص کر اس بات کا خیال رکھے کہ اسکول اور گھر دونوں جگہ بچہ ایک ہی اصول پر پڑھایا جائے۔

ان اسکولوں سے بچے پرائمری اور وسطی اسکولوں میں جاتے ہیں جو بچوں کی عمر کے لحاظ سے تین حصوں میں یعنی پرائمری۔ ۸ سال سے ۱۲ سال تک (۲) نامکمل وسطی ۸ سال سے ۱۵ سال تک اور (۳) وسطی ۸ سال سے ۱۸ سال تک۔ آجکل کوشش کی جا رہی ہے کہ دو قسمیں مٹا کر صرف تیسری قسم کے یعنی ۱۰ سال کی تعلیم کے اسکول باقی رکھے جائیں۔ پرائمری اسکول عموماً صبح کے وقت ہوتے ہیں اور باقی شام کے وقت۔ ایک ہی ڈائرکٹر دونوں حصوں کا افسر ہوتا ہے اور دوہری تنخواہ پاتا ہے۔

پرائمری اور وسطی اسکولوں میں طلباء کے کام کرنے کے لئے کارخانے۔ سائنس کی معمل گاہیں۔ سنما ہال۔ اسپتال غرض کہ تمام ضروری سامان موجود رہتا ہے اور مدرسین میں اصول اخلاق کی استانی۔ ماہر نفسیات۔ ڈاکٹر۔ نرس۔ اور دستکاری کا استاد بھی شامل ہوتے ہیں۔

اسکول کی انتظامی کمیٹیوں کے علاوہ خود انتظامی کے لئے طالب علموں کی ایک اپنی انجمن بھی ہوتی ہے جس میں تمام درجوں کے نمائندے شریک ہوتے ہیں۔ اس کا اجلاس سال میں تین مرتبہ ہوتا ہے۔ یہ انجمن طلباء کے کاموں پر ریویو کرتی ہے انتظامی تجاویز پر بحث مباحثہ کرتی ہے۔ معیار کو بلند کرنے کی تدبیریں سوچتی ہے۔ اور خاص طور سے طلباء کے اخلاق و عادات کو سدھارتی ہے۔ یہ نمائندے پھر پندرہ آدمیوں کی ایک "طالب علموں کی کمیٹی" چنتے ہیں جو صفائی۔ کھیل۔ کود اور سیر و تفریح کا انتظام کرتی ہے اور بڑی حد تک تعلیم اور دوسرے اعلیٰ اصول پھیلانے میں کمیٹی کی مدد کرتی ہے۔

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روس میں کمسن طلباء کے ہاتھوں وسیع اور فرمانروایانہ طاقتیں دیدی گئی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ڈائرکٹر طلباء کی تمام باتوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور اسکول کے انتظام اور بہبودی کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے۔

اسکول ستمبر سے جون تک لگتا ہے اور گرمیوں کی چھٹیوں کے علاوہ جاڑے اور برسات میں بھی دو دو ہفتوں کی چھٹی رہتی ہے۔ چھٹیوں میں بھی استاد بچوں کی دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ چنانچہ ۸۰ فیصدی بچے اپنے ۶ ہفتے استادوں کے کیمپ میں گزارتے ہیں

باقی وقت میں وہ اپنے شوق کے مطابق طرح طرح کے کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ استاد بھی چھٹیوں میں کانفرنسیں کرتے ہیں جن میں وہ روزمرہ کے مسائل پر بحث کرتے ہیں اور نصاب وغیرہ کا خاکہ بناتے ہیں۔ اس طرح طریق تعلیم میں برابر مناسب ترمیمات ہوتی رہتی ہیں۔

اسکول کا وقت بچوں کی عمر کے لحاظ سے ۴ گھنٹہ سے ۶ گھنٹہ یومیہ تک رکھا جاتا ہے۔ پرائمری اسکولوں میں ریاضی۔ زبان۔ ادب۔ جغرافیہ۔ علم اخلاق۔ اصطلاحی کام۔ موسیقی۔ صحت کے عام اصول اور ابتدائی سائنس کی تعلیم ہوتی ہے۔ پانچویں درجہ سے بچے کو ایک غیر زبان بھی سیکھنی پڑتی ہے۔ وسطی اسکولوں میں ان مضامین کے علاوہ اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن میں فوجی تعلیم۔ اعلیٰ ریاضی۔ علم کیمیا۔ علم حیوانات۔ نقشہ کشی وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہ مضامین ہر درجہ میں نہیں پڑھائے جاتے۔

تعلیم کا خاص جزو درجہ کی تعلیم ہے لیکن طلباء عجائب خانوں، کارخانوں اور اسی طرح کی دوسری جگہوں پر بھی جاتے ہیں جہاں ان کو عملی تعلیم بھی ملتی ہے ہر اسکول میں عام طور پر ایک کارخانہ یا کاشتکاری کا فارم ہوتا ہے اور اسی طرح طلباء تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ یہ کام بھی سیکھتے رہتے ہیں۔ ایک خاص طریقہ جو حال ہی میں روس نے ایجاد کیا ہے سنیما کے ذریعہ تعلیم دینا ہے۔ ایک روز جو سبق زبانی پڑھایا جاتا ہے دوسرے روز اسی کے متعلق سنیما کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ ابھی یہ طریقہ صرف چند اسکولوں میں ہے لیکن رفتہ رفتہ عام ہوتا جا رہا ہے۔

روس میں فنون لطیفہ پر خاص زور دیا جاتا ہے کیونکہ وہ بچوں کی ترقی کے واسطے بہت مفید خیال کئے جاتے ہیں۔ موسیقی اور نقشہ کشی تمام اسکولوں میں سکھائی جاتی ہیں اور ڈراما حالانکہ نصاب میں داخل نہیں ہے لیکن طلباء کو اس میں کافی دلچسپی لائی جاتی ہے اور فارغ التحصیل طالب علم فن ڈراما میں بھی کافی قابلیت رکھتا ہے۔ ڈراما کے سلسلے میں جتنے کام بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً قصہ لکھنا۔ اس کو ڈرامے میں تبدیل کرنا۔ پلاٹ اور مناظر کی ترتیب دینا۔ پردے بنانا۔ پوشاکیں تیار کرنا۔ اشتہار لکھنا۔ طالب علم ان سب سے واقف ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر وہی یہ سب کام کرتے ہیں۔ اکثر طلباء پینٹنگ میں بھی کافی مہارت رکھتے ہیں۔

۱۹۱۳ء میں روس میں ۸۰ فیصدی باشندے جاہل تھے۔ لیکن ۱۹۳۴-۳۵ء میں صرف ۸ فیصدی جاہل تھے۔ اسی طرح ۱۹۱۳ء میں ۸۰ لاکھ طالب علم اسکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ لیکن اب ۲ کروڑ ۶۰ لاکھ سے بھی زائد ہیں۔ ان اعداد سے ہم کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ روس میں تعلیم کتنی تیزی سے پھیلی اور دنیا کے تمدن میں اس نے کتنی عظیم الشان ترقی کر لی۔ دوسرے ممالک میں سامراج کی آنکھیں پرولتاری طبقہ کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن روس کے کسانوں اور مزدوروں نے سامراج کا خاتمہ کر کے اتنی زبردست ترقی کر لی ہے کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ سوویٹ دستور تعلیم نے ساری دنیا کو دکھلا دیا ہے کہ انسانی دماغ کتنے کم وقت میں ترقی کے اعلیٰ درجہ تک پہونچ سکتا ہے۔

(ترجمہ از ماڈرن ریویو)

مرثیہ

(شہاب ملیح آبادی)

صبح کا یہ خوشنما منظر، طلوعِ آفتاب دخترِ دوشیزۂ فطرت کا یہ شستہ شباب

لہلہاتے کھیت، میداں میں بہار ابھری ہوئی صبح کی رنگت نکھر کر نور سے ہنستی آئی ہوئی

اس طرف فطرت کی خوشی ہے، ادھر انساں کا دل

یہ شگفتہ خندہ رو ہے، وہ شکستہ مضمحل

اک حسینہ سرگراں غمگیں پراگندہ اداس سرنگوں بیٹھی ہوئی اک طرف کٹیا کے پاس

خستہ خستہ سی جوانی مردہ مردہ سا شباب صحنِ بستانِ فطرت میں اک پژمردہ گلاب

مفلسی کی کچھ جھلکن ہے حسن کی رفتار میں سرد وحشت کا بہاؤ موجۂ رخسار میں

نازک غنچے سمومِ غم سے مرجھائے ہوئے پھول سے رخسار بیماری میں کمھلائے ہوئے

ماتھے پہ غربت کی اک بجلی سی پھوٹی ہوئی غم سے شوخی و اداؤں کی کمر ٹوٹی ہوئی

شعلۂ دوشیزگی میں کچھ بھڑک باقی نہیں بجلیاں ٹھنڈی پڑی ہیں اب کڑک باقی نہیں

حسن کے آفاق پر نورِ سحر جاتا رہا دلبری کے رخ سے آنکھوں سے اثر جاتا رہا

لب ہلاتی ہے تو لب پل میں کھلتے ہی نہیں حسن نسوانی کے غنچے لب چٹکتے ہی نہیں

ناز و غمزے سسکیاں لیتے ہیں سینے میں کہیں اس قدر ہیں سست جیسے عمر بھر ہی نہیں

دفترِ ارماں میں ماضی کے مقالے رہ گئے

چند آہیں، چند آنسو، چند نالے رہ گئے

زندگی کی پشت پر بارِ غریبی الاماں الاماں اے تیرہ بختی بدنصیبی الاماں

ظلمتیں کیسی بڑھیں آنکھوں پہ چربی چھا گئی ہند کی تقدیر کو سرمایہ داری کھا گئی

بجھ رہے ہیں طاقِ غربت میں جو بچتے تھے چراغ ہند کے چہرے پہ ناداری کا اک پھوڑے کا داغ

لٹ گئی غیرت کی آبادی تباہی رہ گئی مر گئیں دل کی امنگیں بادشاہی رہ گئی

زندگی کا تخت، زر کا تاج دشمن لے گیا قوم کی سیتا کو غداری کا راون لے گیا

تیز سے دھارے میں گنگا کی جوانی بہہ گئی اک سہیلی موت کی سرمایہ داری رہ گئی

کیا ہوئی مردانگی خودداری؟ غلامی کھا گئی لے گئی ملت کی بیداری غلامی لے گئی

سینۂ دوشیزگی غربت میں لٹ کر رہ گئے اہلِ دولت کو خدا غارت کرے غارت کرے

قوم جو صہبائے جامِ درد پی سکتی نہیں زیرِ گردوں ملکیت کے بل جی سکتی نہیں

ملکیت کیا ہے؟ زمیں کچھ منصب و حشمتیں یا بدکتی، سنسناتی چند شستہ قوتیں

ہند کو اوہام سے آزاد ہونا چاہیے ملکیت کے دام سے آزاد ہونا چاہیے

اے حریفِ وقت اے مشتاقِ فردوسِ نگار دیکھ یہ منظر اٹھا کر سر اسیرِ روزگار

پیرہن میں ہے ترے لپٹا کفن! یہ بھی تو دیکھ!!

دیکھ اے صیدِ روایاتِ کہن! یہ بھی تو دیکھ!!

پولینڈ

— ہاجرہ بیگم

اب کوئی دن جاتا ہے کہ یورپ میں پھر ایک خوفناک لڑائی چھڑے گی۔ یورپ کی تمام طاقتیں اس لڑائی کی تیاری میں بہت تیزی اور جلدی کر رہی ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ اور علانیہ عہد و پیمان بھی ہو رہے ہیں غالباً اس لڑائی میں پولینڈ کا علاقہ اور وہاں کی حکومت بڑی حد تک بڑی حصہ لیں گے کیونکہ ان لوگوں کے لڑائی میں حصہ لینے سے جنگ کا نقشہ بالکل بدل سکتا ہے۔ اس لڑائی میں جو اب بالکل اٹل ہے کسی طاقت کی ہار یا جیت کا دار و مدار بہت کچھ پولینڈ کی دوستی یا دشمنی پر ہوگا۔ پولینڈ کی اس اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ اس ملک کی تاریخ اور سیاست پر ایک نظر ڈالیں۔

دسویں صدی عیسوی میں پولینڈ کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی۔ جو بڑھتے بڑھتے سولھویں۔ سترھویں۔ اور اٹھارویں صدیوں میں یورپ میں ملکی وسعت کے لحاظ سے بہت بڑی سلطنت مانی جانے لگی تھی۔ چونکہ پولش سماج کی ترتیب میں سرداروں، نوابوں اور راجاؤں کو بہت دخل تھا۔ اس لئے رفتہ رفتہ خانہ جنگی، راجاؤں کی عیاشی، بدنظمی اور پڑوسی طاقتوں کی چڑھائی نے مغربی پولینڈ کا جلد ہی خاتمہ کر دیا۔ تین سلطنتوں نے یعنی زار کے ماتحت روس، پرشا اور آسٹریا نے ۱۷۷۲ء، ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۵ء میں پولینڈ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور پول قوم کا نام مٹ گیا اس کے بعد ڈیڑھ سو برس تک قومی جذبات آہستہ آہستہ سلگتے رہے اور گو یورپ کے نقشے سے پولینڈ کا نشان مٹ چکا تھا مگر تب بھی لاکھوں کے دلوں میں اپنے وطن اور ملک پولینڈ کا درد باقی تھا۔ اور روسیوں اور جرمنوں کی طرف سے سخت دشمنی اور نفرت

جب جنگ عظیم شروع ہوئی تو پولینڈ والوں پر جن کے حصے بخرے پہلے ہی ہو چکے تھے۔ ایک اور تازہ مصیبت آئی۔ یعنی یہ کہ بیس لاکھ آدمیوں کو جرمن، روسی اور آسٹرین فوجوں میں زبردستی بھرتی ہو کر آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑنا پڑا اور پولینڈ کے علاقہ میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔

پھر جب روس میں انقلاب کامیاب ہوا۔ اور جرمنی اور آسٹریا کو شکست ہوئی تو پولینڈ میں وطن پرستی اور قومیت کے جذبات پھر زور شور سے ابھرے اور پولینڈ والے پھر اپنی ملکی آزادی اور خود مختاری کے لئے جد و جہد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ورسائی میں جو صلح کی کانفرنس ہوئی۔ اس نے پولینڈ کو آزاد اور خود مختار تسلیم کر لیا برطانیہ کی سرداری میں فتحمند سامراجی طاقتوں نے یہ چاہا تھا کہ روسی کمیونسٹ گورنمنٹ کو کچل ڈالیں۔ انھوں نے پولینڈ اور روسیوں کی پرانی دشمنی سے فائدہ اٹھایا کیونکہ زار کی حکمرانی میں روسی افسر پول قوم پر بہت ظلم اور جبر کرتے تھے۔ چنانچہ اتحادیوں نے پولش فوج کو روسیوں کے خلاف بھڑکایا۔ لیکن روس کی سرخ فوج نے مارشل پلسوڈسکی کی پولش بھرتی فوج کو ہرا دیا۔ اور پولش پایۂ تخت وارسا تک بڑھ گیا

آج جمہوریت پولینڈ کے حدود یہ ہیں کہ شمال میں ملک لیتھوانیہ جرمنی اور بحر بالٹک۔ جنوب میں زیکو سلاویکیہ۔ مشرق میں سوویٹ روس، اور مغرب میں پھر جرمنی۔

جہاں تک پولینڈ کی خارجی پالیسی کا تعلق ہے۔ اب تک پولینڈ کی فرانس اور رومانیہ سے برابر دوستی رہی ہے۔ سوویٹ روس سے ایک معاہدہ ہے کہ ایک دوسرے پر کبھی حملہ نہ کریں گے۔ اس عہد نامہ کو ہوئے ابھی چار سال ہی گزرے ہیں لیکن پولینڈ کے مزدور اور کسان اس قدر غریب اور مفلس ہیں کہ حال ہی میں انھوں نے تنگ آ کر اپنے کو منظم کرنے کی کوشش کی ہے اور روٹی اور کپڑے کے لئے جد و جہد شروع کر دی ہے۔ چنانچہ حکومت کی فوج اور پولیس سے اکثر مقابلہ کی نوبت آ چکی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پولش سرمایہ داروں نے ہٹلر سے ساز باز شروع کر دی ہے۔ اگر ایک سوال درمیان میں حائل نہ ہوتا تو اب تک تو پولش سرمایہ دار کبھی کے ہٹلر کے غلام اور تابعدار ہو گئے ہوتے۔ وہ سوال اس علاقہ کا ہے جس کو پولش کاریڈر کہتے ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ علاقہ پولش ہے لیکن اس کے دونوں طرف جرمن علاقہ پڑتا ہے اور اس معاملہ میں جرمنوں کی پولینڈ سے نہیں بنتی۔ کیونکہ جرمنی اس علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ جنگ عظیم سے پہلے یہ علاقہ جرمنوں کے قبضہ میں تھا مگر اب بھی آبادی اور زبان کے لحاظ سے یہ علاقہ پولش ہی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ کئی برس پہلے یہ علاقہ پولینڈ کا ایک صوبہ تھا جو پامرز کہلاتا تھا اور جس کو ۱۷۷۲ء میں پرشا یعنی جرمنوں نے لڑ کر چھین لیا تھا۔

اس علاقہ کی شمالی سرحد پر بحر بالٹک کے ساحل پر ایک بڑا اور مشہور بندرگاہ ہے جس کو ڈانزگ کہتے ہیں۔ جو بظاہر آزاد اور خود مختار ہے۔ یعنی نہ پولینڈ کے قبضہ میں ہے اور نہ جرمنوں کے۔ لیکن اس شہر کی آبادی زیادہ تر جرمنی ہے اور نازی لوگوں کا اس شہر کی سیاسی حکومت پر پورا اثر اور قبضہ ہے۔ ہٹلر برابر یہ دھمکی دیتا رہتا ہے کہ وہ اس شہر پر بھی باقاعدہ قبضہ کرے گا۔ جیسا کہ اس نے ابھی ابھی آسٹریا پر کیا ہے۔

پولینڈ کی دوسرے ملکوں سے جو تجارت ہے وہ ساٹھ فیصدی اسی ڈانزگ کے آزاد بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے پولش سرمایہ داروں کی نظروں میں اس شہر کی آزادی بہت ہی عزیز ہے اور وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ ہٹلر ڈانزگ پر یا پولش کاریڈر کے علاقہ پر باقاعدہ اور باضابطہ قبضہ جمالے۔ کیونکہ جس دن ایسا ہوا اس دن پولینڈ کی ۶۰ فیصدی تجارت پر یعنی پولش سرمایہ داروں کی گردن پر جرمنوں کا ہاتھ ہوگا! یہی وجہ ہے کہ پولش سرمایہ دار ہٹلر سے زیادہ دوستی نہیں بڑھانا چاہتے اور اس کو اپنے پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے!!

یہ حالت تو پولش سرمایہ داروں کی ہے جن کے ہاتھ میں آج پولش حکومت اور فوج اور پولیس کی باگ ہے۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ پولش عوام کی کیا حالت ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ پولینڈ میں عوام کی رہنمائی اور ترجمانی کی دعویدار کئی سیاسی

جماعتیں ہیں۔ جن میں دو زیادہ مشہور ہیں۔ ایک سوشل ڈاکریٹ پارٹی اور دوسری کمیونسٹ پارٹی۔ کمیونسٹ پارٹی نے شروع ہی سے یہ چاہا تھا کہ سوشل ڈاکریٹ پارٹی سے مل جل کر کام کرنے۔ لیکن سوشل ڈاکریٹ پارٹی کے لیڈروں نے ساتھ مل کر کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اب آجکل خود عوام یہ کوشش کر رہے ہیں کہ فاشسٹوں کے خلاف سب مل کر کام کریں۔ ان حالات میں کمیونسٹ پارٹی کو اور سوشلسٹ اداروں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں بہت آسانی اور کامیابی ہوئی ہے اور فاشیت کے خلاف ایک متحدہ مورچہ بنتا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب پولینڈ کی حکومت نے ایسا دستور حکومت ملک میں جاری کیا جو فاشیت پر مبنی تھا تو ملک بھر میں حکومت کی زبردستی اور ظلم کے باوجود بڑی بڑی سیاسی ہڑتالیں ہوئیں اور کسانوں نے بھی زبردست مظاہرے کئے۔ اس انقلابی لہر کی روح رواں تو کمیونسٹ پارٹی تھی۔ لیکن اور تمام سوشلسٹ پارٹیاں بھی ساتھ مل کر کام کر رہی تھیں۔ تمام صنعتی کارخانوں میں ہڑتالیں ہوئیں اور کئی ضلعوں میں کسانوں نے جلوس نکالے اور جلسے کئے۔

یہ نیا فاشیتی دستور حکومت مارشل پلسودسکی نے جاری کیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اسمیگلی ریڈز نے بھی اسی دستور کو برقرار رکھا ہے۔ چند سوشل ڈاکریٹ لیڈروں نے یہ بھی کوشش کی کہ ملک بھر میں جو سیاسی ہڑتالیں ہو رہی ہیں ان کو توڑ کر الگ الگ کارخانوں کے مزدوروں کی چھوٹی چھوٹی ہڑتالیں کرائیں تاکہ عوام اور ملک بھر کے مزدور ایک متحدہ مرکز پر جمع نہ ہو پاویں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عوام کا انقلابی جذبہ برابر بڑھتا جاتا ہے اور مختلف سوشلسٹ جماعتوں میں دوستی بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ سب پارٹیاں مل کر یہ کوشش کر رہی ہیں کہ فاشیت کے خلاف ایک مضبوط مورچہ قائم کریں اور ٹریڈ یونین اور مزدوروں اور کسانوں کے دوسرے اداروں کو قانوناً کام کرنے کی تمام سہولتیں ملیں۔

پولینڈ کی آبادی تین کروڑ بیس لاکھ ہے۔ اس میں تیس لاکھ کے قریب یہودی ہیں۔ چنانچہ بعض خود غرض لیڈروں نے یہ بھی کوشش کی کہ عوام کی نظریں اصلی حال اور روٹی کپڑے کے سوال سے ہٹا کر اس طرف توجہ بنائیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں یہودیوں کی طرف سے نفرت اور حقارت کے جذبات بھڑکائیں لیکن ان بدمعاشوں کی کوششیں رائگاں ہی گئیں اور کامیابی نہ ہوئی۔ آج پولینڈ کے عوام دل سے فاشیت کے دشمن ہیں اور سوویٹ روس کی صلح پسند پالیسی کے حامی اور فاشیتی طاقتوں کی جارحانہ اور زبردستی جھیس جیپٹ کے سخت خلاف۔ عوام کے ان جذبات کو دیکھ کر تو یہ امید بندھی ہے کہ آئندہ جنگ میں پولینڈ ہرگز فاشیت اور فاشیت پرستوں کا ساتھ نہ دے گا۔ بلکہ اگر پولش سرمایہ داروں نے عوام کی مرضی کے خلاف زبردستی بھی پولینڈ کو فاشیتی ملکوں کے ہمرکاب کسی جنگ میں پھنسانا چاہا تو عوام اپنے زور بازو سے سرمایہ داروں کو اٹھا پھینکیں گے اور خود اپنی سچی جمہوریت قائم کریں گے جو صلح اور امن کی راہ اختیار کرے گی۔

دیہت

(جگل کشور شکلا)

شروع پھاگن کی چودس

میلوں تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہندستان کی سرزمین۔۔۔۔۔ گاؤں اور لہلہاتے کھیت۔ کچھ دور پر مٹر اور چنے کے ہرے کنجن چوکور کھیت۔ انکی بغل سے لگا ہوا ارہر کے پودوں کا کاہی چبوترا، دونوں کے بیچ میں چوڑی ادنگ کی طرح سنہرا چمکتا ہوا گیہوں کا ریشمی کھیت۔

پرلی طرف بھورے کالے، بادامی رنگ کا پھیلا ہوا۔ سمٹا بدرنگ دھبہ۔ بھونڈی اور سوئی گیرسا۔ ادھر۔ وہیں پر گردن جھکائے چرتی ہوئی کچھ گائیں۔ جن کی دم کا کالا حصہ مورچھل کی طرح بدن پر پھر جاتا ہے۔

اس سے بھی آگے دور۔ بہت دور پر زمین اور آسمان مل رہے ہیں جہاں پچھلے کنارے کا ایک لمبا بادل کا ٹکڑا اور دھوئیں کے گالے کی طرح جم کر پھیل گیا ہے۔

شہر کی گچ پچ دیواروں کے اندر پیدا ہونیوالے اور رہا ہو پھنا جیپٹی۔ تنگ گلیوں اور بے ڈھنگی سواریوں کی گود میں پلنے والے کے سامنے یہ خوبصورت ہے، ملک پھیلا ہوا بھارت کا ہرا سنہرا آنچل!۔۔۔

سینہ جی خوشی اور محبت سے بھر کر چھل پڑتا ہے۔ پیارا ہمارا دیس۔ جی کہتا ہے کہ اس رنگین سمندر کی سطح کے اوپر چیل کی طرح پر پھیلا کر اڑ چل۔ اور میرا جان کا

تہاں گاؤں کے تالاب کے کنارے برگد کے سایے میں سر ہتھیلی پر ٹیک کر ایک کروٹ سے لیٹ رہتا ہوں۔

انسان سے زنگ ڈھنگ بات چیت۔ طور طریقے دیکھنے، اس کے دل کے اندر گھسنے اور اس کے چہرے کی چھان بین کرنے میں مجھے دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ اسکی حرکتوں کی اور متضاد برتاؤں کی تہہ کے اندر پہنچنے کی کوشش کرو تو آنکھوں میں جیسے آرپار دیکھنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے شہر میں جہاں ایک خاص طرح کی مخلوق کا جنگل سا ہوتا ہے، جہاں بھی کچھ ہوا میں "نارد" کی طرح پہنچ جاتا ہوں۔ لیکن یہاں سامنے دوسری ہی دنیا نظر آتی ہے۔

میرے پیچھے دس بارہ قدم پر گاؤں کی خاموش بستی ہے۔ پندرہ بیس صاف ستھرے مٹی کے جھونپڑے اکثر پھوس سے چھائے ہوئے۔ دھوپ میں نہائے ادھا دھر کھڑے ہیں۔ جیسے برسات میں کچھ کرمتوں نے چھتری دار سر زمین سے نکالا ہو۔ کچھ دیواروں پر کا پھوس برسات کی وجہ سے کالا ہو کر ڈھلا ڈھے یا ہر کنک سا ہے جیسے پر پھیلا کر بیٹھی ہوئی کسی چیل کے کالے بازو۔

ایک دروازے کے قریب بیل گاڑی رکھی ہے۔ آگے کا حصہ زمین پر ٹکا ہے اور پیچھے کا ترچھا اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اس کے آس پاس کچھ لڑکے کھیل رہے ہیں اور پاس ہی

دو بیل بیٹھے چارہ کھا رہے ہیں۔ جن کی گھنٹی کی ٹن ٹن سر ہلنے کے ساتھ بیچ بیچ میں آجاتی ہے۔

چاروں طرف سناٹا ہے۔ دھوپ کی چمک اور گرمی سے ہوا خشک ہو گئی ہے فضا میں ایک کپکپی ہے اور اس میں بجلی سی دوڑ رہی ہے۔ دور کی ذرا اداسی آواز۔۔ کسی بکری کا چرتے چرتے سر جھٹک کر بیچ بیچ سے جھنکنا گونج اٹھتا ہے جیسے کان کے پاس ہی اس نے پھینک دیا ہو۔ تالاب کی سطح شیشہ کی طرح سامنے چمک رہی ہے کنارے پانی میں نیلوفر کے پودے پھیلے پڑے ہیں، کنارے سے لڑتی ہوئی لہر کیساتھ آہستہ آہستہ اونچے نیچے ہوتے ہیں، جیسے میرے ساتھ تالاب بھی سانس لے رہا ہو۔

بڑی اور سفید مونچھوں والا ایک بڈھا کسان میرے قریب ہی اپنے لال بیل کو تالاب سے پانی پلانے لاتا ہے۔ اس کے گال کے گڈھوں میں چمڑا سمٹ کر کالا ہو گیا ہے اور جالے کی سی لکیروں سے بھر رہا ہے۔ پیٹھ کمان کی طرح ٹیڑھی۔ گنجی چاند والا سر آگے بڑھا۔ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر بیخیال کو را پتھر ملئے کھڑا ہے۔ پانی پی لینے پر بیل تھوتھن اوپر اٹھاتا ہے۔ منھ سے بوند بوند ٹپکتا پانی پارے کی طرح دھوپ میں چمک اٹھتا ہے۔

تالاب کے اس پار کنارے کیچڑ میں کچھ سور دوڑ دوڑ کر لمبا کیلا تھوتھن بھڑائے الجھ رہے ہیں۔ وہیں دو تین آدمی کمر تک پانی میں کھڑے ہوئے مچھلی پھنسا رہے ہیں۔ گیلی دھوتیاں لنگوٹ کی طرح کھونس لی گئی ہیں۔ وہ کرسے بیک رہی ہیں ان سے تھوڑی دور کنارے پر ان کے بچے ٹوکری لئے ڈور تھامے مدد کو کھڑے ہیں۔

پانی کی سطح کو چومتی ہوئی ٹھنڈی ہوا آکر بدن سہلا دیتی ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کئی چیزوں کا خیال ایک ساتھ آتا ہے۔ ماں، باپ، سہارا، بھولی یادیں اور دبی تمنائیں کہ ادھر سے کچھ ہی دور پر کنارے سے ابھی ابھی اڑ کر جاتے ہوئے بگلے کی کوں کوں پانی کی ہلکی سطح پر پھیل جاتی ہے۔

سر کے اوپر برگد کی ڈالوں میں بیٹھی فاختہ نہ جانے کیا کراہنے لگتی ہے۔ گاؤں کے لڑکے آپس میں کہتے ہیں کہ وہ "ساس بیٹ کا دکھ بتی ہے"۔ کیونکہ اس جنم میں وہ بیوہ ہوتی۔ اور اس کی ساس اسے بھوکا رکھا کرتی تھی۔

برگد کے تنے کے پاس ایک کالا کتا لمبے منھ کو نیچے بڑھا کر دم جھکائے بھوکے کوڑا کرکٹ سونگھتا الوسا چل رہا ہے۔

مجھ سے چار قدم پر ایک دیہاتی نوجوان ذرا اونچی زمین پر ہاتھ باندھے اکڑوں بیٹھا ہے اس کا کالا چپٹا منھ املی کے چیوں کی یاد دلا رہا ہے۔ موٹے درا ڑی ہونٹ کھلے ہوئے ہیں اور آگے کے دو دانتوں کے بیچ کی کھڑکی دکھلائی دیتی ہے۔ بس بھری کی سی آنکھوں سے ٹکٹکی لگائے میرا منھ تاک رہا ہے۔ میں بالوں پر ایک ہاتھ پھیرتا ہوں پھر کچھ گنگنانے کی کوشش کرتا ہوں...... لیکن کچھ بن نہیں پڑتا۔ اس کی نگاہ کے سامنے میں کچھ بے چینی محسوس کرتا ہوں۔ نوجوان کے پاس دو تین لڑکے ننگے بدن کھڑے ہیں۔ میں انھیں دیکھنے لگتا ہوں ان کے گھٹنے کھرونچوں سے بھرے ہیں ایک چھوٹی لڑکی لال چھینٹ کا لہنگا لہنگا پہنے سب سے آگے کھڑی ہوئی "سہوانی" کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے گلے سے چکنی کانچ کے موتی اور مونگے کی مالا لٹک رہی ہے ناریل کی سی کھوپڑی کا ایک بھنبھناتا ہوا بچہ گود میں اسے لئے ہوئے ہے جیسے کوکھا نکال کر کوئی تو ان پانی کا گھڑا لئے ہو۔ ایک دوسرا لڑکا اس کے پیچھے لٹکا مٹھی میں پکڑے ہوئے چیتھڑی آنکھوں کو چوزہ کی طرح ٹپٹپا رہا ہے اور لڑکی کے پاس کھسکا جا رہا ہے

ایک لیپے پتے گھر کے سامنے ایک گھرانے کی لڑکیاں اور عورتیں چکنی مٹی سے کنھیا بنا رہی ہیں اور سب مل کر مہین آوازوں میں گاتی ہیں " موری پھوٹ گگریا کا ہمارے" میں بے سدھ ہو جاتا ہوں۔ میرا راگ راگنی کا علم جھک مارنے لگتا ہے اور پیلو کے سروں میں کا نمارسے کی ہوئی منت دل پر جم جاتی ہے۔

گلی سے مڑ کر میں کچھ مرد عورتیں اور لڑکے کھیت سے کوٹتے ہوئے آتے ہیں ان کے چہروں اور آنکھوں سے ہندستانی صبر ٹپک رہا ہے۔ ایک نوجوان عورت لال گوٹ کا لہنگا پہنے اور لاپرواہی سے اوڑھنی ڈالے سب سے پیچھے چل رہی ہے۔ پتلی اور کنول کے ڈنٹھل کی سی کومل کمر پر لہنگے کے گھنے چناؤ میں چال کیساتھ لہر پیدا ہو رہی ہے۔ لہنگے کی گوٹ اٹھتے ہوئے گڑھل کے پھول کی پنکھڑیوں کی طرح پھیل رہی ہے۔ دل میں ایک عجیب درد سا محسوس ہوتا ہے۔ میرے دماغ میں دھندلے خیالات بکھر جاتے ہیں۔ جیسے کہ بادلوں میں شکلیں بنتی رہتی ہیں۔ عورت کے سر پر سرسوں کی ناتک کا گٹھر ہے اور ایک لڑکا گیہوں کی بالی کو گال پر پھیرتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ پاس ہی ایک گھر کے کھلے دروازے سے گوبر۔ گھاس۔ کربی کی ملی جلی مہک اور دھم دھم موسل کی آواز آنے لگتی ہے کہ ادھر ایک بچھڑا بیا اٹھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں گاؤں کے بیچ ہی میں ہوں۔ دروازے کی چرچراہٹ مجھے سنائی پڑتی ہے۔ پیلی اوڑھنی میں سے ایک چاند سا چہرہ اسی دروازے سے جھانک پڑتا ہے۔ میرا منھ ادھر ہی ہے۔ مہین بھوؤں کے نیچے چکیلی پتلیاں ہندستانی شرم سے گھوم کر کیواڑ کے پیچھے چھپ جاتی ہیں۔

میں چلنے کے لئے ہری گھاس کے ملائم قالین پر سینے میں ایک درد لیکر کھڑا ہوتا ہوں تو اٹکھیلیاں کرنے والی اور آنکھوں سے چھپی رہنے والی نوبلی جھکا اٹھلاتا پھاگن کے ساتھ بڑھ جاتا ہے مجھے آڑے ہاتھوں لے لیتی ہے۔ میرے کرتے اور دھوتی کو کھینچتی اور جھنجھوڑتی ہے۔ ٹوپی کھسوٹ کر زمین پر پھینک دیتی ہے اور آنکھوں میں دھول جھونک سامنے کے لہلہاتے سنہرے کھیت پر ایک ہاتھ پھیرتی اٹھلاتی بل کھاتی نکل جاتی ہے۔ نیم کے پیڑ سے بہت سی پیلی پتیاں ناچتی گرتی زمین پر بچھ پڑتی ہیں۔ میں مسافر کے بے ضبط کے ساتھ ٹوپی کو اٹھا کر جھاڑتا ہوا سر پر رکھتا ہوں اور ہوا مہرانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بغل کی چھوٹی پوٹلی اور کتاب کو سنبھالتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ سامنے دیہات کے اس کھلے ہوئے بڑے صفحے کے سامنے بھلا کتاب کون کھولتا، کہ اتنے میں ایک کسان، دیہاتی انکسار اور اخلاق کے ساتھ، میرے چند گھنٹوں کا دوست، ایک کسان محبت سے دانت نکالتا ہوا، گڑ، بوٹ، اور ایک لوٹا دودھ میرے سامنے لا رکھتا ہے۔ دھوپ سے تپا ہوا اس کا تانبے سا چہرہ مسکراہٹ سے کھل رہا ہے اور آنکھیں سکڑ کر گالوں کے اندر گھسی جا رہی ہیں۔ میں بھی اس کی ہنسی سے اچھوتا نہ رہ سکا۔

گاؤں سے باہر نکل رہا ہوں۔ منھ سے نکل پڑتا ہے: "واہ رے دیہات!

گاؤں کھیت...... دودھ .... بوٹ، گڑ، سنہری بالیاں......

ایں! ان خون سے سینچی ہوئی بالیوں میں سے اگلنے والے کے ہاتھ کتنا لگے گا...
... دن کی فضا کی لرزش بوڑھے دل کی طرح دب چکی ہے . کرنیں پیلی ہو چکی ہیں سامنے کی گلابی چکیلی جھاڑی۔ چڑیاں چاؤں چاؤں کر رہی ہیں۔ .. دھیان ادھر نہیں جمتا، دل اڑتا ہے، کچھ اچھا کیوں نہیں لگتا.... کیوں؟ جواب میں سامنے کے ٹھونٹھ پر ایک کوا ہوا کر آ بیٹھتا ہے۔ چونچ نکال کر کاؤں کاؤں کرتا ہے اور اڑ جاتا ہے

(ہندستان کے باہر)

جاپانیوں کی تازہ دم

۱۸ - اپریل ۔ جاپانیوں نے باری جگہ پر جیتنے کے لئے ایک نے حملے کی زور۔ دخور سے تیاری شروع کی کیونکہ ان کے پاس جتنے آدمی ۔ توپیں اور ہوائی جہاز ہیں سب سے کام لیا جا ۔ انھوں نے کنگ سیلی پر حملہ کر دیا ۔ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے ۔ یہ مقام صوبہ شنٹنگ کے جنوب مشرق میں ہے ۔ اس لئے ان کا مقصد ہے کہ جنوب مغرب کی طرف بڑھ چلیں اور بسین کے محاصرہ تک پہونچ کر گھرے ہوئے جاپانیوں کی مدد کریں ۔

چینی اس دھاوے کا جم کر مقابلہ کر رہے ہیں ۔

۲۰ - اپریل ۔ جاپانیوں نے لنگ یی فتح کر لیا ۔

چین نے زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں ہیں خبر ہے کہ صوبہ ہونسن صوبہ کوانگ سی اور صوبہ کوسی چاؤ کے تمام مردوں کو فوجی ترتیب دی جا رہی ہے ۔ قصبوں اور دیہاتوں کے لوگوں کو بھی ہتھیار چلانے کی تعلیم دی جا رہی ہے ۔ اسلحہ ان لوگوں کے پاس معلوم ہوتا ہے ابھی ہیں جو ملک کے کونے کونے میں پہونچائے جا رہے ہیں ۔ اس کے علاوہ اور بھی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ نئے ہوائی اسٹیشن ۔ نئی سڑکیں اور نئے فولادی پل بنائے جا رہے ہیں اور ریلوے دور دور پھیلائی جا رہی ہے ۔

۲۱ - اپریل ۔ جاپانی لنگ یی کے محاذ پر دم توڑ کر دھاوا کر رہے ہیں ۔ انھوں نے اس کو فیصلہ کن لڑائی سمجھ لیا ہے ۔ چینی فوجیں بھی برابر اکٹھا ہو رہی ہیں ۔ لڑنگ اتنی بڑی میدان داری اس لڑائی میں نہیں ہوئی تھی ۔

نیا محاذ | دو لاکھ جاپانی فوجیں تائر چوانگ کی طرف بڑھ رہی ہیں جس پر چین نے سال ہی میں قبضہ کیا ہے ۔ دو ، تین لاکھ چینی فوجیں محاذ کے قریب کسی مقام پر جا رہی ہیں ۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ اگر جاپانی لنگ یی سے چینی فوجوں کو ہٹا دیں تو یہ فوج لڑنا ان کا جواب بتائے ۔

۲۲ - اپریل ۔ مقابلہ سخت ہو رہا ہے ۔ چینیوں کی طرف کسی قسم کی کمزوری نہیں پائی جاتی ۔

فرانکو کی جیت

فرانکو نے براڈ کاسٹ کیا ہے کہ جمہوریوں نے ۴ لاکھ آدمی مارے ہیں ۔ ان کو اتنی جانیں ضائع کرنے کی جوابدہی کرنا ہوگی ۔ اس نے ایک پروگرام بنایا جس پر اسپین فتح کرنے کے بعد عمل کیا جائے گا ۔ ایک بہت بڑی فوج اور بحری بیڑا رہے گا ۔ اور ایسی مزدوری دلانے والے سرمایہ داری کی خرابیوں سے بچانے کی کوشش کی جائے گی ۔ اس نے تقریر کے ختم پر کہا کہ ہم یورپ کے امن کے لئے لڑ رہے ہیں ۔

۱۶ - اپریل فرانکو نے بحیرۂ روم کے ساحل پر تیس میل کی لمبائی میں قبضہ کر لیا ۔ کاٹالونیا کی طرف دریائے ابرو کو سرحد بنانے میں کامیاب ہو گیا ۔ اب قبضہ جمانے کی فکر ہے ۔ اسی لئے غالباً لڑائی میں کچھ دنوں کے لئے سستی آ جائے ۔

اٹلی اور انگلستان کا معاہدہ

دونوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ :-

(۱) موقع موقع پر ایک دوسرے کو اس بات کی اطلاع دیدی جائے گی کہ ہماری حکومت نے اپنے یہاں کیا انتظامی تبدیلیاں کی ہیں اور اپنی جنگی طاقت کی تقسیم میں ان مقاموں پر کیا تبدیلیاں کیں ۔ بحیرۂ احمر خلیج عدن ، مصر ، سوڈان ، اطالوی مشرقی افریقہ ۔ برطانوی سمالی لینڈ ۔ کینیا ، اوگانڈا اور ٹنگانیکا ۔

اگر مشرقی بحیرۂ روم میں ، بحیرۂ احمر کی بحری یا ہوائی قوت میں کچھ تبدیلی کرنا ہوگی تو ایک دوسرے کو پہلے سے خبردار کر دیا جائے گا ۔

(۲) حجاز اور یمن آزاد ملک رہیں گے اور انگلستان اور اٹلی دونوں کیلئے یہ سخت ضروری ہے کہ ان دونوں پر کسی طاقت کا اثر نہ بڑھنے پائے ۔

عدن میں کچھ اطالوی حق تسلیم کر لئے گئے

دونوں حکومتوں میں سے کوئی ایسا پروپیگنڈا نہیں کرے گی جو دوسرے کے لئے مضر ہو ۔

(۳) نہر سویز سب طاقتوں کے لئے کھلی رہے گی ۔

اطالوی شمالی افریقہ کے باشندے پولیس کے علاوہ اور کسی قسم کی فوجی ترتیب کے لئے مجبور نہیں کئے جائیں گے ۔

(۴) جزیرۂ لیبیا میں اطالوی فوجوں کی تعداد کم کر دی جائے گی ۔

(۵) اسپین سے تھوڑا تھوڑا کر کے اطالوی فوجیں بلالی جائیں گی ۔ اگر اس طرح اسپینی لڑائی کے ختم ہونے تک سب واپس نہ آ گئیں تو باقی بھی فوجیں اور تمام اسلحہ یکدم سے واپس کر لئے جائیں گے ۔

(۶) اسپین میں یا جزائر بلیارک یا سمندر پار اسپینی مقبوضات یا اسپینی مراکش میں اٹلی کسی طرح کا اقتصادی یا سیاسی فائدہ نہیں چاہتا ہے ۔

جرمنی کا تبصرہ | "یہ معاہدہ یورپی سیاست میں بلکہ دنیا کی سیاست میں ایک بہت بڑا واقعہ ہے ۔ جو ہر بات سے بڑھ گیا ہے" ۔

اٹلی اور جرمنی | اٹلی نے جرمنی کو یقین دلایا کہ اس معاہدہ سے جرمنی اطالوی معاہدہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا

فرانس کا تبصرہ | فرانسیسی اخبارات زور دے رہے ہیں کہ فرانس اور اٹلی میں جلد سے جلد معاہدہ ہو جانا چاہیئے۔

ایک فرانسیسی اخبار کا نامہ نگار لکھتا ہے:-

"اٹلی دو پالیسیوں کے بیچ میں لٹکا ہوا ہے۔ ایک طرف جرمنی اور اٹلی کا معاہدہ ہے اور دوسری طرف انگلستان اور فرانس سے میل کرنا چاہتا ہے۔ آسٹریا پر قبضہ ہو جانے کے بعد سے اٹلی اپنی پالیسی بدلنا چاہتا ہے۔ لیکن اس تبدیلی کو زبان سے نہیں نکالنا چاہتا تھا"

جاپان کا تبصرہ | جاپانی اخباروں کو یہ معاہدہ پسند نہیں۔ ان کے خیال میں یہ معاہدہ "کمیونزم دشمن" معاہدہ کو کمزور کرتا ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ چینی لڑائی پر اس کا اثر ناگوار ہوگا یعنی روس کو دخل دینے کی کچھ آزادی مل جائے گی۔

فرانس اور اٹلی میں بات چیت | فرانسیسی سفیر کو مسولینی نے اطلاع دی ہے کہ فرانس اور اٹلی کے تعلقات درست کرنے کے لئے بات چیت کرنے کو میں تیار ہوں۔

لیگ اقوام | چونکہ سلاودکیہ نے سرکاری طور پر حبشہ پر اطالوی قبضہ تسلیم کر لیا لیگ اقوام کی کونسل ۲ مئی کو اس کا فیصلہ کرنے کو بلائی جائے گی۔ سپین نے اپنے ملک میں اٹلی کی دخل در اندازی کی شکایت کی ہے۔ یہ بھی لیگ اقوام کی کونسل میں پیش کیا جائے گا۔

——— :ہندستان: ———

یو۔پی اسمبلی:-

۲۰۔ اپریل کو یو۔پی اسمبلی میں کورٹ فیس ترمیمی بل پر بحث شروع ہوئی۔ چونکہ کئی ترمیمیں منظور کر لی گئی تھیں اس لئے بل کی تیسری ریڈنگ نہ ہو سکی اور وہ اگلے دن کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اس کے بعد وزیر مال نے لگان کا قانون پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ مسٹر لاری نے اعتراض کیا کہ یہ بل گورنر کی منظوری کے بغیر نہیں پیش کیا جا سکتا۔ معمولی بحث مباحثہ کے بعد اسپیکر نے طے کیا کہ یہ بل ہز ایکسیلنسی گورنر کے پاس بھیجا جائے اور ان سے دریافت کیا جائے کہ کیا اس کے لئے ان کی منظوری ضروری ہے۔ اس درمیان میں بورسٹل بل پیش کیا گیا جو بغیر بحث کے پاس ہو گیا۔ پھر پہلی دفعہ جرم کرنے والوں کی ضمانت کے بل اور قیدیوں کی ضمانت پر رہائی کے بل پر سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹیں پیش کی گئیں اور معمولی بحث مباحثہ کے بعد یہ دونوں بل بھی پاس ہو گئے۔ اس کے بعد وزیر عدل و انصاف نے یو۔پی مجالس قانون ساز کا بل پیش کیا جس میں ممبروں کے سفر خرچ وغیرہ کی مقدار مقرر کرنے کی تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ مسٹر لاری نے ترمیم پیش کی کہ ممبروں کو درجہ اول کے سرکاری ملازموں کے برابر سفر خرچ ملنا چاہیئے۔ وزیر عدل و انصاف نے کہا کہ مسٹر لاری کا مقصد تو قابل تعریف ہے لیکن ان کے الفاظ کا اثر بالکل ہی الٹا پڑتا ہے۔ ممبروں کی عزت کسی خاص درجہ میں سفر کرنے سے نہیں بڑھ سکتی۔ ان کی عزت کی اصل بنیاد عوام کا اعتبار ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس بل کا مقصد صرف کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ نواب چھتاری نے یہ ترمیم پیش کی کہ ممبروں کو وزیروں کے برابر بھتہ ملنا چاہیئے۔ اس پر بحث ہو رہی تھی کہ اسپیکر نے کہا کہ لگان کے قانون کے متعلق گورنر کا جواب آ گیا ہے۔ ہز ایکسیلنسی نے اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ اس مسئلہ پر کسی قدر شبہ کی گنجائش ہے کہ آیا قانون ہند کے مطابق یو۔پی لگان کے قانون کے پیش ہونے کے متعلق گورنر کی منظوری ضروری ہے یا نہیں۔ موجودہ حالات میں میری یہ رائے ہے کہ گورنر کی منظوری ضروری ہے چنانچہ میں بل پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں"۔ اس پر وزیر مال نے بل پیش کیا۔

۲۱۔ اپریل کو سر سریواستوا نے ہردوار میں آگ سے جن لوگوں کو نقصان پہونچا ہے ان کو امداد دینے کے مسئلہ پر بحث کے لئے ایک تحریک التوا پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ حکومت اس پر غور کر رہی ہے لیکن چونکہ ابھی تک پورے پورے اعداد و شمار نہیں آئے ہیں اس لئے اس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ اس پر سر سریواستوا نے تحریک واپس لے لی۔ اس کے بعد ممبران کے سفر خرچ پر بحث شروع ہوئی۔ بحث بہت طول پکڑ گئی اور دو ممبران نے ایک دوسرے کے متعلق بہت ہی سخت سست باتیں کہیں۔ بعد میں اسپیکر کے کہنے سے دونوں نے اپنے الفاظ واپس لے لئے۔ آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ اس بحث میں وزیروں پر طرح طرح کے اتہام لگائے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم کی تنخواہ ۵۰۰ ماہوار ہے لیکن وہ در اصل ۲ ہزار روپیہ لیتے ہیں۔ یہ الزام بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ مسٹر لاری ایک طرف تو کفایت اور تخفیف کی باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف انہی کی تجویز ہے کہ ممبروں کو فرسٹ کلاس کا کرایہ دیا جائے اور جب مخالف پارٹی نے یہ غلطی محسوس کی تو نواب چھتاری صاحب نے وزیروں پر اتہامات لگانے کے لئے اپنی ترمیم پیش کی ہے۔ وزیر عدل و انصاف نے تحریک کی کہ بل پاس کیا جائے۔ تیسری ریڈنگ پر بحث جاری تھی کہ اجلاس دوشنبہ کے لئے ملتوی ہو گیا۔

۲۵۔ اپریل کو بحث شروع ہونے سے پہلے وزیر اعظم نے سر محمد اقبال کی وفات پر اظہار افسوس کیا اور تجویز کیا کہ ایک تعزیتی تجویز ان کے اعزا کو بھیجی جائے۔ سر مہاراج سنگھ، مولوی عزیز احمد اور نواب چھتاری نے بھی اظہار افسوس کیا۔ اسپیکر نے وزیر اعظم اور ممبران کی تائید کی اور سب ممبروں سے درخواست کی کہ وہ چند لمحوں کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس کے بعد نواب چھتاری کے کہنے پر وزیر اعظم نے لکھنؤ کے شیعہ سنی فساد پر ایک بیان دیا۔ وزیر عدل و انصاف نے تحریک کی کہ مہارانی اجودھیا کی نشست کے خالی ہو جانے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ تحریک پاس ہو گئی۔ اور منسٹروں کی تنخواہ کے بل پر بحث شروع ہوئی۔ مخالف پارٹی کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ ممبروں کے غیر حاضر ہونے پر ان کی تنخواہ میں تخفیف کر دینے میں ان کی ذلت ہو گی اور ان کی حیثیت بالکل طلبا کی سی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ان کے لئے ۷۵ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہونے میں ان کی سخت ہتک ہو گی۔ سر جوالا پرشاد یہاں تک تیار ہو گئے کہ ممبروں کو اپنی تنخواہیں بالکل ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔ جواب میں وزیر عدل و انصاف نے کہا کہ اگر مخالف پارٹی واقعی مطمئن نہیں تھی تو اس کو دوسری ریڈنگ میں اعتراض کرنا چاہیئے تھا۔ اس کے علاوہ جب سلیکٹ کمیٹی اس بل پر غور کر رہی تھی تو کسی ممبر نے اس دفعہ پر اعتراض نہیں کیا اور اس کے متعلق پوری کمیٹی ایک رائے تھی۔ تنخواہ چھوڑ دینے کی پیشکش بالکل بے معنی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی اصلیت ہوتی تو یہ تجویز ایک قرارداد کی صورت میں پیش کی جاتی۔ ممبروں کی ذلت کے بارے میں انھوں نے کہا کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ممبروں کو روزانہ وزیروں کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا۔ ایک ممبر کا صرف یہ بیان کافی ہو گا کہ وہ بیماری یا کسی خاص وجہ سے اسمبلی کی نشست میں نہیں آ سکتا ہے۔ دوسری ریڈنگ کے بعد ووٹ پڑنے پر بل پاس ہو گیا۔

مسٹر جناح اور مہاتما گاندھی کی ملاقات جیسا کہ پہلی اشاعت میں کہا جا چکا ہے مہاتما گاندھی ۲۸-اپریل کو بمبئی میں مسٹر جناح سے ملاقات کریں گے - اس ملاقات کے متعلق مہاتما گاندھی نے ۲۳-اپریل کو یہ بیان دیا ہے :-

"میں دیکھتا ہوں کہ میرے اور مسٹر جناح کے درمیان جو گفتگو ہونے والی ہے اس پر لوگ بڑی بڑی امیدیں لگائے ہوئے ہیں اور اکثر دوست مجھے خبردار کر چکے ہیں کہ میں اس ملاقات کو زیادہ اہمیت نہ دوں اور اس پر زیادہ امیدیں نہ لگاؤں - اس لئے مناسب ہے کہ میں پبلک کو اپنا راز دار بنا کر یہ بتا دوں کہ میں ۲۸-اپریل کو کن حالات میں مسٹر جناح سے مل رہا ہوں -

مسٹر جناح نے خود ہی میرا پہلا خط شائع کر دیا ہے جو میں نے فرقہ وارانہ اتحاد کے مسئلہ پر جو مجھے جان کے برابر عزیز ہے لکھا تھا - اس خط میں میں نے صاف صاف کہا تھا کہ میرے سامنے اندھیرا چھایا ہے اور میں روشنی کے واسطے دعا کر رہا ہوں - اب یہ اندھیرا اور زیادہ ہو گیا ہے اور میری دعا بھی تیز ہو گئی ہے"

اس کے علاوہ اپنی نجی اور پبلک زندگی میں میں نے خود اعتباری کھو دی ہے اس کی کچھ وجہیں تو مجھے معلوم ہیں اور بعض وجہیں میں بھی نہیں جانتا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے میں ایسی کمی محسوس کرتا ہوں جو سچ اور اہنسا (عدم تشدد) کے سیوک کے لئے زیب نہیں دیتی - میں اپنی حالت پر غور کر رہا ہوں اور اس کے نتائج مجھے معلوم نہیں -

۵۰ سال میں پہلی دفعہ میں اپنے کو مایوسی کے دلدل میں پھنسا ہوا پاتا ہوں - ایسی حالت میں اپنے کو کسی ایسے مسئلہ پر گفت و شنید کرنے کے قابل نہیں سمجھتا - میری مایوسی کی وجہ کے متعلق کسی قیاس آرائی کی ضرورت نہیں یہ بالکل نجی اور خالصاً اندرونی چیز ہے -

اب یہ بات صاف ہو گئی ہوگی کہ اگر میں اس ملاقات کو دو سیاستدانوں کی گفت و شنید سمجھ رہا ہوتا تو اس مایوسی کی حالت میں اس کا خیال تک نہ کرتا - لیکن میں اس کو سیاسی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتا میں اس کو ایک عابدانہ اور مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں - میں نے یہ دونوں لفظ بہت ہی وسیع معنوں میں استعمال کئے ہیں - میرا ہندو دھرم فرقہ وارانہ نہیں ہے اس میں وہ سب اچھی اچھی باتیں شامل ہیں جو مجھے اسلام - عیسائیت یہودیت اور مجوسیت میں ملتی ہیں -

میں سیاست کی طرف بھی اور دوسری چیزوں کی طرح ایک مذہبی ذہنیت سے رجوع کرتا ہوں - سچ میرا مذہب ہے اور اس کے حصول کا واحد راستہ اہنسا ہے میں نے تلوار کے اصول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے - یہ کہتا ہوں پہلے یا اس قسم کی تحریریں جیسی کہ میں آج کل اخباروں میں دیکھتا ہوں کسی طرح امن و صلح کی طرف نہیں لیجاتیں اور کسی نمائندہ حیثیت سے ایک بہل مشاہدت کی بات چیت کا امکان بہ، نہیں بڑھاتیں - میں نے جان بوجھ کر اپنے کو اس حیثیت سے علیحدہ رکھا ہے - اگر کوئی باقاعدہ بات چیت ہوگی تو وہ صدر کانگریس اور صدر مسلم لیگ کے درمیان میں ہوگی - میں ایک ایک ہندو کی حیثیت سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں - کٹر ہندو دوست یقینی طور پر میری مخالفت کر رہے تھے اس لئے میں ہندو مسلم اتحاد کے ایک تمام زندگی کے حامی کی حیثیت سے جا رہا ہوں - یہ جذبہ شروع جوانی ہی سے مجھ میں موجود ہے -

مسلمانوں میں بہت سے بڑے بڑے آدمی میرے دوست ہیں - میری ایک مسلمان چیلی ہے جو اسی اتحاد کے لئے زندہ ہے اور اس کے لئے جان تک دینے کو ہنسی خوشی تیار ہو جائے گی - بمبئی کی جمعہ مسجد کے مؤذن بھی میرے آشرم میں رہ چکے ہیں ان سے زیادہ شریف آدمی آج تک مجھے نہیں ملا - ان کی صبح کی اذان اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے -

یہ سب باتیں ہیں جن کے لئے میں مسٹر جناح سے مل رہا ہوں - میں ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوئی بات اٹھا نہیں رکھوں گا - خدا عجب عجب طریقوں سے اپنی مرضی پوری کراتا ہے - شاید وہ کسی ایسے طریقہ سے جس سے ہم دونوں ناواقف ہیں ملاقات کے ذریعہ اپنی مرضی پوری کرائے اور دونوں فرقوں میں ایک باعزت سمجھوتے کے لئے راستہ کھول دے - اس ملاقات سے میری یہ امیدیں وابستہ ہیں - ہم دونوں دوست ہیں - کوئی اجنبی نہیں - مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ ہمارے نظریے ایک دوسرے سے مختلف ہیں - میں پبلک سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس ملاقات کو کوئی مبالغہ آمیز اہمیت نہ دیں لیکن میں فرقہ وارانہ امن و چین کے تمام خیرخواہوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ دعا کریں کہ سچائی اور محبت کا خدا ہم میں صحیح ذہنیت پیدا کرے - ہم کو سیدھے راستہ پر لگائے اور ہمیں ہندستان کے کروڑوں بے زبانوں کے فائدے کے لئے استعمال کرے -

طلبائی تحریک کلکتہ ۲۳-اپریل - بنگال صوبجاتی طلبائی فیڈریشن کے زیر اہتمام البرٹ ہال میں ایک جلسہ ہوا جس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جیمس کلگان سکریٹری بین الاقوامی طلبائی ایسوسیئشن نے کہا کہ اگر ایک دفعہ کسی ملک میں طلبائی تحریک صحیح معنوں میں قومی اصولوں پر چل نکلے تو پھر وہ تحریک بین الاقوامی میدان میں بھی پھیل سکتی ہے - مسٹر کلگان نے بتایا کہ ہندستان میں طلبائی تحریک نے ان پر خاصا گہرا اثر کیا ہے - اس تحریک کی منظم شاخیں ملک کے مختلف حصوں میں پھیلی ہیں اور یہ سب شاخیں آپس میں ایک قومی پیمانہ پر منتظم ہو گئی ہیں - انھوں نے پچھلے تین برسوں میں جو عالمگیر تحریک میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہی تبدیلیاں ساری دنیا کے طلباء میں آ رہی ہیں - ہر جگہ طلباء ملک کی سماجی زندگی اور سماجی جد و جہد میں حصہ لے رہے ہیں -

نوآبادیات میں صنعتی ممالک کی نسبت طلباء کی تحریک کو مختلف اور بہت زیادہ مشکل مسئلوں سے سامنا پڑتا ہے اور اس پر ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے - ...... پہنچنے پر طلبائی تحریک نے بہت ہمت دکھائی ہے اور بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں - اس کے علاوہ ان ملکوں میں تحریک کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ تحریک صرف یونیورسٹیوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ طلباء نے اپنی تعلیم گاہوں کے باہر عوام کی سماجی زندگی میں بھی حصہ لیا - تحریک نے صرف طلباء کے اقتصادی اور مادی مفاد کی حفاظت ہی نہیں کی ہے بلکہ مصیبتوں کے وقت اس نے قومی تحریک کی پشت پناہی بھی کی ہے -

مسٹر کلگان نے جاپانی حملوں کے خلاف چینی طلباء کی جد و جہد اور اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر اسپین کے طلباء کی قربانیوں کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ حالات مختلف ہونے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ صنعتی ممالک اور نوآبادیات میں طلبائی تحریک مختلف شکلیں اختیار کرے مثلاً انگلستان میں امن کی تحریک، ہندستان میں آزادی کی تحریک، چین میں جاپانی استبداد کی مخالفت کی تحریک - لیکن ہر جگہ میں ترقی پسندی اور جمہوریت کے اصولوں پر ہی طلبائی تحریک کے اتحاد کی بنیاد رکھی گئی ہے -

آخر میں مسٹر کلگان نے کہا جس طرح مختلف ممالک میں طلبائی تحریک نے مذہبی اور فرقہ وارانہ بندھنوں کو توڑ دیا ہے - اسی طرح تحریک بڑھنے پر

نسل اور قومیت کے بندھن ٹوٹ جائیں گے

سول سروس سے استعفےٰ

مسٹر کتھو نے حال ہی میں آئی سی۔ ایس سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ ہندستان اسٹینڈرڈ (ڈکلش) کے نمائندے سے دوران گفتگو میں انھوں نے کہا: "سات سال پہلے میں یہ سوچکر انڈین سول سروس میں داخل ہوا تھا کہ اس کے ذریعہ مجھے صحیح معنوں میں قومی خدمت کرنے کے مواقع ملیں گے لیکن آج وہ تمام امیدیں خاک میں ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔ انڈین سول سروس شل اس پلنگ کے ہو جس پر لیٹنے کے لئے آدمی کو اپنے بدن کی کاٹ چھانٹ کرنا ہوتی ہے تاکہ اس کا جسم باہر نکلا رہے۔ اور جو اپنے کو اس سانچے نمونہ پر نہیں ڈھالتا اس کو سیکڑوں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھیں اسباب سے میں نے انڈین سول سروس سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یوم آزادی کے روز وزیر ہند کو اپنا استعفےٰ بھیج دیا۔

مجھ سے کہا گیا کہ چونکہ آج کل کانگریس ہی کی وزارت ہے اس لئے میرا استعفےٰ بے موقع ہے۔ اگر میں کانگریس کے دور حکومت میں پوری طرح اور بلا روک کے کام کر سکتا تو میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہو جاتا لیکن مجھے ایک ہی وقت میں دو مالکوں کو خوش رکھنا تھا اور اس حالت میں کانگریس راج کی صحیح خدمت ناممکن تھی۔

یوروپین آئی۔ سی۔ ایس کا معاملہ بالکل دوسرا ہے اس کے لئے بڑی سے بڑی غلطی بھی جائز ہے۔ مثلاً میں ایک یوروپین حاکم کو جانتا ہوں جس نے اب سے تقریباً تین سال پہلے نظامت سے کچھ چاندی کے برتن جو مالک نہ ملنے کی وجہ سے نیلام ہو رہے تھے اٹھا کر اپنے قبضہ میں کر لئے اور جب اس معاملہ کی رپورٹ افسر بالا سے کی گئی جو خود بھی بدقسمتی سے یوروپین تھا تو اس نے حکم دیا کہ وہ سامان فہرست میں سے کاٹ دیا جائے۔

ہندستانی حکام کے ساتھ ان کے یوروپین ساتھیوں کے برتاؤ کی جھلک ایک ڈپٹی کمشنر کے بیان میں دکھائی دیتی ہے۔ دو سال ہوئے جب ایک موقع پر ایک یوروپین ڈپٹی کمشنر نے ہندستانیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میں اپنی نسل پر فخر کرتا ہوں اور میری رائے میں جب تک تم لوگ میری اتنی تنخواہ پر یورپ سے اور زیادہ حکام نہ بلاؤ گے اس وقت تک چھوٹی چھوٹی نوکریوں میں ہندستانیوں کی بیکاری دور نہیں ہوگی۔"

آخر میں مسٹر کتھو نے کہا "ہندستان میں جب تک سامراج باقی ہے اس وقت تک ہندستانیوں کے لئے یا ہے وہ افسر ہوں یا معمولی لوگ نہ انصاف ہو سکتا ہے اور نہ ان کو آزادی مل سکتی ہے سامراج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی پوری پوری طاقت صرف کر دینا چاہئے۔ اس کے سوا سب بیہودگی ہے اور حماقت۔"

بہار کا زرعی ٹیکس اور مسلم اوقاف

—— (منظر رضوی) ——

آل انڈیا کانگریس کمیٹی سوراج بھون الہ آباد

انصاری مورخہ ۱۴۔ اپریل کی ایک خبر ہے کہ مولانا سجاد صاحب نے ایک تار ناظم جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے نام بھیجا ہے۔ اس تار میں انھوں نے جیسا کہ انصاری کی خبر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہا ہے کہ صوبہ بہار کی وزارت نے مسلم اوقاف کو زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ اس خبر سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت کو دینی مناسب ہے۔

اسلامی اوقاف کی دو قسمیں ہیں، ایک وقف علی اللہ؛ اور دوسرا وقف علی الاولاد ان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ وقف علی اللہ کا تعلق مذہبی اور سماجی امور سے ہے اور ایسے اوقاف کی آمدنی انھیں امور پر صرف ہوتی ہے۔ مثلاً مساجد کی حفاظت، تعمیر اور مرمت وغیرہ یا خانقاہوں کی حفاظت، عرس وغیرہ کرنا اور دوسرے خانقاہی امور یا پھر مذہبی مدارس کا قیام اور تعلیم وغیرہ پر خرچ کرنا۔ لیکن خلاف اس کے وقف علی الاولاد کا مقصد محض ملکیت کی حفاظت کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ملکیت جائداد نسلاً بعد نسل قائم رہے اور نالائق وارث اسے اپنے عیش و عشرت میں لٹا نہ دیں۔ اس سے مقصد ایک خاندان کی اقتصادی حفاظت کرنا ہے اور ایسے اوقاف کی کوئی مذہبی اہمیت نہیں ہے۔

بہار کی وزارت نے جب زراعتی ٹیکس کی تجویز کی تو بہار اسمبلی کے بعض ممبروں نے مذہبی اوقاف کا سوال اٹھایا۔ وزارت نے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد سے مشورہ کیا۔ اور مولانا موصوف نے یہ رائے دی کہ وقف علی اللہ کو تو مستثنیٰ کر دیا جائے مگر وقف علی الاولاد پر ٹیکس لگایا جائے۔ کیونکہ اس قسم کے اوقاف کی کوئی مذہبی اہمیت نہیں ہے۔ مولانا ممدوح خود بھی اسلامی دنیا کے ایک جید عالم ہیں اور ان کی اس وضاحت پر مذہبی حیثیت سے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ارکان (جس کا ہر ممبر زمیندار ہے اور ان میں بھی اکثریت کی جائداد وقف علی الاولاد کی حیثیت رکھتی ہے) مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے مشورہ کی بھی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وقف علی الاولاد کو بھی وقف علی اللہ ہی کی طرح زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ خود نائب امیر شریعت صاحب یعنی مولانا سجاد صاحب اپنی پارٹی کے ارکان کی حمایت کر رہے ہیں۔ مولانا سجاد (جیسا کہ ان کے بیان جو ۱۳۔ اپریل کے اخبار سرچ لائٹ پٹنہ میں شائع ہوا ہے) کہتے ہیں کہ ان دونوں اوقاف میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ اس لئے دونوں قسم کے اوقاف کو زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ ہونا چاہئے۔ مولانا سجاد نے مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام کو واقعات بتائے نہیں گئے ہیں۔ وقف علی الاولاد اسلامی شریعت سے خارج نہیں ہے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ اپنی ذاتی اور شخصی ملکیت کی حفاظت۔ اپنے منافع کے لئے اور ٹیکس سے بچنے کے لئے شریعت اور قرآن کی آڑ پکڑتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وقف علی الاولاد کی غرض اور غایت کیا ہے۔ ایسے اوقاف سے مذہب یا ارکان شریعت کی کوئی مدد نہیں ہوتی ہے۔ ایسے اوقاف کی آمدنی مساجد، مدارس، خانقاہوں اور امام باڑوں پر کبھی خرچ نہیں ہوتی۔ یہ آمدنی محض ایک خاندان کی تعلیم، کھانے پینے، پہننے اور اوڑھنے پر خرچ کی جاتی ہے۔ اس کی حیثیت شخصی اور ذاتی ملکیت کی ہے۔ کانگریسی وزارت نے بہر حال وقف علی اللہ کو زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وزارت کسی بھی شرعی امور دین کو کوئی قانونی مداخلت نہیں کرنا چاہتی بلکہ ان امور کی پوری پوری حفاظت کرتی ہے۔

ہندستان بزنس پریس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے بہ اہتمام چودھری محمد رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۱۹ | ۸ مئی ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ ؎

مسلمان مزدور سبھائیں

محکمۂ اطلاعات مسلم یونیورسٹی نے خبر دی ہے کہ ۲۴ - اپریل کو نارتھ ویسٹرن ریلوے کے مسلمان مزدوروں کا ایک جلسہ لاہور میں منعقد ہوا - ڈاکٹر ضیاء الدین نے اسکی صدارت فرمائی - اپنے خطبۂ صدارت میں انھوں نے کہا کہ ریلوے کے مسلمان مزدوروں کی سبھا کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ اکثریت کے فرقہ کا برتاؤ انکے ساتھ بہت خراب ہے - جب تک اقلیت کو اکثریت پر پورا بھروسا نہ ہو جائے، اسوقت تک اقلیت کی علحدہ تنظیم کی ضرورت باقی رہے گی - انھوں نے حکومت کے اس برتاؤ کی سخت مذمت کی کہ وہ اس علحدہ جماعت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے .

مسلمان لیڈروں کے پاس ابھی تک مزدوروں کے لئے صرف ایک مشورہ ہے وہ یہ کہ تم لوگ کچھ نہ کرو - یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے اچھے دن کی آس لگائے رہو - جب کبھی مسلمانوں کا (یعنی ہم لیڈروں کا) زمانہ آئے تو تم پر سون برس جائے گا - یا پھر یہ مشورہ کہ تم اور کارخانہ دار بھائی بھائی ہو - اس لئے لڑو بھڑو نہیں - یہ پروگرام کام نہیں دیتا - جب آدمی مصیبت میں آپھنستا ہے تو آس لگا کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ نہیں سکتا - کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا - دوسری طرف اس کا تجربہ یہ ہے کہ کارخانہ دار عجب طرح کا بھائی ہوتا ہے - جب تک مزدور بھائی ہونے کی لاج رکھتا اور اپنا دکھ دبی زبان سے کہکر دم سادھے رہتا ہے - مل مالک کان نہیں دھرتا - سختیوں پر سختیاں کرتا چلا جاتا ہے - مزدوری گھٹتی جاتی ہے - کام کا وقت بڑھتا جاتا ہے اور کام بڑھتا جاتا ہے - مانتا، اسکے پاس نہیں پھٹکتی - مگر ادھر اسٹرائک ہوئی، ادھر مل مالک کو اپنا مقدس رشتہ یاد آیا - ان تجربوں نے مزدوروں کو منظم کر دیا - اور کارخانہ دار کے مقابل میں لا کھڑا کر دیا - یعنی وہ "کانگرسی" ہو گیا - اب کیا ماسٹر ہے فرقہ پرست لیڈر سکتے ؟ مسلمان مزدور سبھا -

ابھی مزدور سبھاؤں کی مانگیں اس قسم کی ہیں، مزدوری بڑھاؤ، وقت کم کرو — رخصت اور پنشن کا انتظام کرو، کام ہلکا کرو - اور ان مانگوں کو منوانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے زبان کھو - قومی لیڈروں سے کہلواؤ - جلوس نکالو - اسٹرائک کا دباؤ ڈالو - اور، پھر جب یوں کام چلتا نظر نہ آئے تو اسٹرائک کر دو - یہ تجربہ ہے کہ اسٹرائک کے وقت سامراج مل مالکوں کا ساتھ دیتا ہے - اگر انکا ساتھ نہ دے، اور مزدوروں کو یونہی زور پکڑنے دے تو سرکاری کارخانوں مثلاً ریلوں اور اسلحہ سازی کے کارخانوں پر مزدوروں کا قبضہ ہو جائے گا - اور پھر بھی اس آگ کے بجھ جانے کی امید کم ہے - بلکہ یہ ڈر صاف ہے کہ سامراج کو جلا کر رکھدے گی -

مسلمان مزدور سبھاؤں کی مانگیں اگر یہی رہیں تو پھر مسلمان اور ہندو الگ الگ کیسے ہوں ؟ اس لئے ان کی مانگیں ایسی ہوں گی جو ایک طرف انکو ہندوؤں سے الگ کریں، اور دوسری طرف انکو امید بندھائیں کہ انکی حالت درست ہو گی - ایسی مانگوں کے لئے ایک لفظ ہے "حقوق" - یہ مانگیں اس قسم کی ہو سکتی ہیں - کارخانوں میں کم از کم ۱/۲ مزدور مسلمان ہوں - اگر مزدوروں کو ترقی ملے تو ان میں ایک مسلمان ضرور ہو - مسلمانوں کی دس بارہ خاص چھٹیاں ہوں - مل کا سائن بورڈ اور اسکے قواعد اردو میں بھی لکھے جائیں - ان مانگوں سے یہ ہو گا کہ مسلمان مزدوروں کو امیدیں بندھنے لگیں گی کہ اگر یہ پوری ہو گئیں تو بیڑا پار ہو جائے - یا لڑکے کو جو امیدواری میں ہے جگہ مل جائے گی - مل مالک بہت خوشی سے ایسی سبھاؤں کی سرپرستی کرے گا - ان مانگوں میں ایک خرابی ضرور ہے - وہ یہ کہ ملازمتوں اور ترقیوں میں کام کی درستی کے بجائے فرقہ کا خیال کرنے میں کام کا بڑا حرج ہو گا - لیکن ان خرابیوں سے ہزار درجہ بہتر

ہے جو مزدوروں کے ایجنٹ ہے ، اور اسٹرائکوں سے پیدا ہوتی ہیں ۔ اس سے
ل مالک اور سامراج دونوں انکی سرپرستی کریں گے ۔

ان مانگوں کے لئے لڑائی کیسے ہوگی ؟ قراردادوں پر قرارداد پاس کی جائینگی ۔ تقریریں کی جائینگی کبھی ایک آدھ مسلمان اسٹرائک ہوجایا کرے گی جھگڑا ہونے لگے تو بیچ میں پڑکر ختم کردیں گے ۔

ان مانگوں کا نتیجہ بہت اچھی قسم کا ہندو مسلم فساد ہوگا ۔ اور بس ۔ کیونکہ جب مسلمان ایسی سبھائیں بنائیں گے ۔ تو ہندو مہاسبھا کب چپ رہیگی ۔ اور جہاں یہ دونوں حق پرست پہنچے ۔ ساری سیاست اس منزل پر آجاتی ہے کہ ایں تیر سے [illegible] زیادہ جینوں اور تو میرے منھ سے ۔

ہمکو ڈرنا نہیں چاہئے ۔ یہ تحریک چل نہیں سکتی ۔ مزدور سبھا کی مانگیں مسلمان مزدور سبھا کی مانگوں سے زیادہ گہری ہیں ۔ دوسرے مزدوروں کی لڑائیاں جلدی جلدی ہوتی ہیں ۔ اسی لئے مزدور کو اپنی اصلی بھلائی کی تمیز جلد آجاتی ہے ۔ اگر یہ تحریک چلی بھی تو کچھ ہی دنوں کے بعد مرجائے گی — پھر اٹھیگی اور پھر مرجائیگی ۔ ہاں یہ زہر کسان سبھاؤں میں پھیل سکتا ہے ۔ شاید فرقہ پرست جماعتیں جلد ہی ادھر جھکیں ۔

شیعہ سنی فساد

مسٹر ... [illegible] نے اس فساد کو دبانے کا ایک بہت اچھا مشورہ دیا ہے ۔ وہ یہ کہ لکھنؤ شہر کے دو حصے کردئے جائیں ۔ ایک طرف شیعہ رہیں اور دوسری طرف سنی ، بیچ میں ایک آہنی دیوار ہو ۔ اتنی اونچی کہ ادھر کی آواز ادھر نہ جاسکے ۔ اسوقت نہ شیعوں کو تبرا کہنے کی ضرورت ہوگی ۔ نہ سنیوں کو مدح صحابہ کی جب کوئی سننے والا ہی نہیں ۔ سنکر چڑھنے والا ہی نہیں ، تو ان باتوں کی کیا ضرورت ؟

ایک زحمت اور ہوگی وہ یہ کہ ان فرقوں میں اور خاصکر سنیوں میں بہت سی جماعتیں ہیں ۔ وہابی ، اور اہلسنت ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ شکوری اور فرنگی محلی ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ اسلئے انکے بھی محلے الگ الگ کردئے جائیں ۔

اس مشورے پر دونوں فریق کے لیڈروں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے ۔ اس میں ہم تھوڑے سے اضافے کی اور ضرورت ہے ۔ وہ یہ کہ ایک "عالم دین" ، اور دوسرے " عالم دین " کے گھر کے بیچ میں بھی ایک آہنی دیوار ہونا چاہئے ۔ بس پھر ان فسادوں کا خاتمہ ہوجائے گا ۔

اڑیسہ کا قضیہ

نام نہاد صوبجاتی خود مختاری کو ایک سال بھی نہیں ہوا ہے لیکن اتنے تھوڑے عرصہ میں بھی کئی دفعہ اس کی کمزوریوں کا انکشاف ہوچکا ہے ۔ اور اب سارے ملک پر ظاہر ہوگیا ہے کہ یہ خود مختاری کا قانون دراصل ایک پشہ ہے مستقل غلامی کا ۔ کانگریس نے وزارت اس لئے قبول کی تھی کہ قانون کے دائرہ میں رہکر عوام کے مفاد کے جو تھوڑے بہت کام کئے جاسکتے ہیں وہ کئے جائیں اور اس کے علاوہ صوبجاتی اسمبلیوں کے اندر سامراج کے مقابلہ میں ایک بنا مورچہ باندھا جائے علاوہ کانگریس بلاوجہ کوئی گتھی پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن ماجرا یہ کہ بہار اور یو۔پی کی وزارت کو سامراج سے ٹکر لینا ہی پڑی ۔ اب اڑیسہ میں ایک نئی گتھی پیدا ہوگئی حکومت ہند نے اڑیسہ کے موجودہ گورنر سر جان ہبک کی غیر حاضری میں مسٹر ڈین کو گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ۔ مسٹر ڈین ابھی تک موجودہ کانگریسی وزارت کے ماتحت رہے ہیں اور اس لئے وزارت ان کے گورنر بنائے جانے کے خلاف ہے ۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھی اپنے پچھلے اجلاس میں اس مسئلہ پر ایک قرارداد پاس کی تھی کہ اگر گورنمنٹ کی حکومت مسٹر ڈین کو گورنر مقرر کرے گی تو وزارت مستعفی ہوجائے گی ۔ مہاتما گاندھی اور سبھاش چندر بوس صدر کانگریس نے بھی سامراج کو آگاہ کردیا کہ وزارت مسٹر ڈین کی ماتحتی میں کام نہیں کرسکتی ۔ یہ بہت چھوٹا سا معاملہ تھا لیکن تھا اصول کا سوال اسلئے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اس پر سختی سے اڑی رہی دوسری طرف حکومت ہند کو اپنی عزت کا خیال تھا اور وہ کسیطرح اپنے فیصلہ کو بدلنے پر آمادہ نہیں معلوم ہوتی تھی ۔ خبریں آرہی تھیں کہ گورنر اڑیسہ ، وائسرائے اور سکریٹری آف اسٹیٹ کے درمیان مشورے ہورہے ہیں اور اڑیسہ میں دوسری وزارت قائم کرنے کی تجویز پر غور ہورہا ہے ۔ آخرکار جب برطانوی سامراج کو ہر طرف سے ناکامی ہوئی اور یہ یقین ہوگیا کہ کانگریس اپنا فیصلہ نہیں بدلیگی اور اگر مسٹر ڈین گورنر بنائے گئے تو اڑیسہ کی حالت نازک ہوجائے گی ۔ تب اس نے مجبور ہوکر اپنی رائے بدلی اور سر جان ہبک کو حکم دیا کہ اپنی چھٹی منسوخ کرا دو ۔ اس طرح قوم کے نمائندوں کو سامراج کے مقابلہ میں ایک چھوٹی لیکن اصولی فتح نصیب ہوئی ۔

مہاتما گاندھی و مسٹر جناح ۔ آخرکار مسٹر جناح کی آرزو پوری ہوئی اور مہاتما گاندھی نے انکے دردولت پر حاضری دی ۔ یہ تو کسی کو نہیں معلوم کہ گفتگو کیا ہوئی لیکن جب دونوں باہر نکلے تو دونوں خوش تھے ۔ مہاتما جی تو یوں بھی اکثر ہنستے رہتے ہیں ۔ لیکن ہمیں یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ ان کا اثر مسٹر جناح پر بھی پڑا ۔ مسلم لیگ کے صدر اعظم پر کچھ عرصے سے زیادہ تر غصے کی کیفیت طاری رہتی ہے ۔ اگر وہ ہنسنا سیکھ جائیں تو بہت جھگڑے ختم ہوسکتے ہیں ۔ ہمیں امید ہے کہ سوبھاش چندر بوس جیسے ہنس مکھ آدمی سے ملکر ان کا غصہ اور کم ہوجائیگا اور وہ آئندہ مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل ہوجائینگے ۔

چیکوسلاویکیہ سخت خطرے میں

چیکوسلاویکیہ نے انگلستان اور فرانس کو اطلاع دی ہے کہ "یہاں لڑائی کا سخت خطرہ ہے" ۔ بات ذرا گھمبیر سی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ لڑائی چھڑ چکی ہے ۔ اور اس لڑائی کے طور بالکل وہی ہیں جو آسٹریا میں رہے ہیں ۔ یعنی اندرونی جرمن نازی پارٹی کا حقوق پر حقوق مانگنا ۔ اور باہر سے ہٹلر کا پارٹی کو بھڑکانا ۔ اور ان "حقوق" کے لئے دباؤ ڈالنا ۔ اور پھر موقع پاکر چڑھائی کردینا ۔ لڑائی کی علامات یوں ہوگئی ہے کہ چیکوسلاویکیہ کی جرمن پارٹی نے ہر ہن لین کی سرداری میں حکومت کے سامنے ایسی مانگیں رکھ دی ہیں جو پوری ہو ہی نہیں سکتیں ۔ اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جرمن اقلیت کی حفاظت کیجائے ۔ اسوقت چیکوسلاویکیہ کی قانون سبھا ،

جرمنوں کی نمائندگی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ بڑی قانون سبھا میں جرمن پارٹی اور زرعی پارٹی نے مل کر اکثریت تیار کر لی ہے۔ اور چھوٹی قانون سبھا میں زرعی پارٹی سے جو اس وقت سب سے بڑی جماعت ہے صرف ایک نمبر کم ہے۔

ان دونوں میں سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ چیکوسلاویکیہ کی خارجہ پالیسی کی بالکل کایا پلٹ کر دی جائے۔ یعنی جرمنی سے میل کر لیا جائے۔ اگر یہ میل ہو گیا تو کیا شرطیں ہوں گی؟ ہر ہن لین کی اور باتوں سے اس کا پتہ چل جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ چیکوسلاویکیہ کے اندر ایک خطہ کو جرمن خطہ مان لیا جائے اور وہاں کی نگرانی کے لئے جرمن افسر مقرر کئے جائیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جرمنوں کو کسی بہانہ پر خانہ جنگی اٹھانے کا اور پھر ہٹلر کو دخل دینے کا موقع دیا جائے۔

اب چیکوسلاویکیہ کی حکومت کو پریشانی یہ ہے کہ اگر وہ ان حقوق میں سے کچھ ملنا ہے تو ہن لین اور آگے بڑھے گا۔ اگر نہیں ملتی ہے تو ہٹلر دباؤ ڈالے گا۔

یورپ میں نئی گروہ بندی

برطانیہ اور اٹلی کا معاہدہ، اور برطانیہ اور فرانس کی بات چیت یہ دو ایسی باتیں ہیں جو یورپ کی نئی سیاست ڈھال رہی ہیں۔ برطانیہ اور فرانس کی بات کے متعلق اخباروں کا بیان ہے کہ "اہم باتوں میں پورا اتفاق رائے رہا اور لڑائی کے زمانہ میں برطانیہ اور فرانس کی فوجیں خاص کر ہوائی طاقت ساتھ ساتھ کام کریں گی۔ رسد کی فراہمی میں بھی دونوں ساتھ رہیں گے۔ دوسری طرف فرانس اور اٹلی میں بھی بات چیت ہو رہی ہے اور فرانس کو امید ہے کہ ۱۵ مئی تک ایسا سمجھوتہ ہو جائے گا کہ فرانس کا سفیر روم میں مقرر ہو جائے گا۔

اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی سیاست کی چودھراہٹ اٹلی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ جب سے جرمنی نے آسٹریا کو ہڑپ کر لیا ہے اٹلی کی اہمیت بڑھ گئی۔ جرمنی، فرانس، برطانیہ تینوں نے اٹلی کی دوستی کرنا چاہی۔ اور اس دوستی کے مرحلے بڑی تیزی سے پورے ہو رہے ہیں۔ یہ تیزی بتاتی ہے کہ یہ دوستی اس طرح کی نہیں ہے جیسے لیگ اقوام میں گفت شنید ہوا کرتی ہے۔ اٹلی کی اس نئی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ بحیرۂ روم کا مالک ہے،

بحیرۂ روم سے تین براعظموں کو راستہ جاتا ہے جو تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں ہیں۔ آسٹریا پر جرمنی کا قبضہ ہو جانے سے اس کی یورپ میں حیثیت بہت بڑھ گئی۔ آسٹریا۔ جرمنی اور اٹلی مل کر ایک آہنی دیوار بنا سکتے ہیں۔ اور پھر آسانی سے ایک ایک کر کے یورپ کی مشرقی ریاستوں کو ہڑپ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ جوڑ ہو گیا تو برطانیہ اور فرانس کی پوزیشن یورپ میں بہت کمزور پڑ جائے گی اس کے خلاف اگر برطانیہ اور فرانس سے اٹلی مل گیا اور ان تینوں نے مشرقی ریاستوں کی مدد کا ارادہ کر لیا تو جرمنی کا ان ریاستوں کی طرف بڑھنا مشکل ہے۔ اٹلی اپنی پوزیشن محسوس کر رہا ہے اور اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے پھیر میں ہے۔

آہ کیلاش!

ایسے زمانہ میں جب قومی تحریک کو مستعد نوجوانوں کی ضرورت ہے ایک ہونہار، ان تھک، نوجوان قومی کارکن کی موت قومی مصیبت کا درجہ رکھتی ہے جو لوگ طالبعلموں کی قومی تحریک سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ کیلاش ناتھ کے نام سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ۱۰ سال کی عمر میں اس نے قومی تحریک کے مرحلے پر جس مستعدی سے کام کیا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ایک امیر خاندان کا لڑکا۔ ناز و نعم میں پلا لیکن ہوش سنبھالتے ہی غریبوں اور مجبوروں کی ہمدردی کا سودا ایسا سر میں سمایا کہ مرتے دم تک کوئی دوسرا خیال اس میں آیا ہی نہیں۔

۲۰۔ اپریل کو لکھنؤ میں کسانوں کا جو مظاہرہ ہوا اس کے انتظام میں کیلاش نے دھوپ اور گرمی کا خیال نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کو سر کے درد اور زکام میں مبتلا ہو گیا لیکن وہ آرام کرنا تو جانتا ہی نہ تھا۔ کام کی دھن میں اس وقت تک لگا رہا جب تک مجبور ہو کر بستر پر نہ پڑ گیا۔ اب جو ڈاکٹروں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹائیفائڈ جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہے۔ لاکھ جتن کئے گئے لیکن وقت پورا ہو چکا تھا اور آخرکار ۲۹۔ اپریل کو نوجوان کیلاش نے داغ مفارقت دے ہی دیا۔ کیلاش کی زندگی قوم کے نوجوانوں کے لئے ایک چمکتی ہوئی راہ ہے جس پر چل کر وہ غریبوں کے دکھ درد دور کر سکتے ہیں۔ اس نے ساتھیوں کو ہمیشہ اس طرف بلایا۔ اب ان کا فرض ہے کہ آگے بڑھیں اور کیلاش کے کام کو سنبھالیں اور اس قربانی کی یاد کو کبھی کم نہ ہونے دیں۔

زرعی بل

اس نمبر میں زرعی بل پر ایک مفصل مضمون موجود ہے۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس بل سے (۱) چھوٹے زمینداروں کو کتنا فائدہ پہونچے گا (۲) کاشتکاروں کو کتنا فائدہ پہونچے گا۔

چھوٹے زمینداروں کو سب سے بڑا فائدہ تو یہ پہونچے گا کہ اب تک مالگذاری زمین پر لگائی جاتی تھی۔ نہ کہ آدمی پر۔ اگر ایک غریب آدمی کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا ہے تو کیا اسکو بھی مالگذاری اتنی ہی دینا پڑتی جتنی امیر آدمی کو دینا پڑتی۔ اگر اسکے پاس زمین کا اتنا ہی ٹکڑا ہوتا۔ اس طرح انتظام کرنے میں تو ضرور آسانی ہوتی تھی، اگر غریبوں کو روپیہ ادا کرنے میں بڑی دشواریاں اٹھانا پڑتی تھیں۔ اب مالگذاری مقرر کرنے میں آدمی کا بھی خیال کیا جائے گا۔ اور ایک مقررہ نسبت اسکی آمدنی کے

لحاظ سے اسکی مالگذاری کم ہوتی جائے گی۔

کاشتکاروں کو چھوٹ دی گئی ہے۔ مگر اس میں بھی چھوٹے زمینداروں کا خیال رکھا گیا ہے۔ جیسا چھوٹا زمیندار ہے، اسی حساب سے اس کی مالگذاری بھی کم کردی گئی ہے۔ اور تناسب اس طرح کا رکھا گیا ہے کہ زمیندار کی آمدنی میں کمی نہیں آنے پائے گی۔

کاشتکاروں کو جو سب سے بڑی مدد ملی ہے، وہ بید خلی کا بند ہو جانا، اور اسپر حقیت کا مل جانا ہے۔ ہندستانی صنعت و حرفت کے گرنے سے ہر پیشے کے لوگ زمین پر ٹوٹ پڑے۔ اور اسوقت حالت یہ ہے کہ جہاں زمین کا ایک ٹکڑا خالی ہوا تیس چالیس کاشتکار دوڑ پڑتے ہیں اور زمیندار کو منھ مانگا لگان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ زمینوں کا لگان اتنا چڑھ گیا ہے کہ بیچارے کاشتکار کو اپنی محنت کا پھل تھوڑا ملتا ہے۔ دوسری طرف زمیندار بھی اس پھیر میں لگا رہتا ہے کہ کس طرح زمین خالی ہو، اور کس طرح اس پر لگان بڑھانے کا موقع ملے۔ اسی لئے بید خلی بند کرنے کی پچھلی حکومتوں نے بھی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش بہت آگے بڑھی ہوئی ہے۔ یعنی جب تک کاشتکار لگان دیتا رہے اسکو علیحدہ کرنے کا زمیندار کو حق نہیں۔ اگر کاشتکار مسلسل دو سال تک لگان نہ ادا کرے تب زمیندار اسکو الگ کرسکتا ہے۔

سیر کی زمین پر قانون بے دخلی نہیں لگتا تھا۔ اس لئے زمیندار اس سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ ہر سال زمین خالی کرالی اور لگان بڑھاکر دوسرے کاشتکار کو دیدی۔ اب اس زمین پر بھی اسی قسم کی بندشیں کردی گئیں ہیں۔ اس سے کاشتکار کو بھی اطمینان رہیگا اور زمین کو بھی فائدہ پہنچیگا۔ جب کاشتکار زمین کو اپنی ملکیت سمجھے گا، تو اسکے بنانے اور درست رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیگا۔ یوں زمین کی پیداوار بڑھ جائے گی۔

بے دخلی کے اس قاعدے میں صرف ایک زحمت ہے، وہ یہ کہ کاشتکار ہوتا ہے غریب۔ اسکو روپیہ دینا کھلتا ہے اگر زمیندار وصول کرنے میں ذرا بھی بے توجہی دکھائے تو وہ لگان دینا دوسری فصل پر ٹال دیتا ہے۔ اب زمیندار یہ کریں گے کہ

جب بھی کاشتکار کو بے دخل کرنا ہوا، اس سے روپیہ وصول کرنا بند کردیا، دو چار دفعہ تو وہ خود سے ادا کردیگا اور پھر قرض چڑھیگا، اور جہاں ایک دفعہ قرض چڑھ گیا پھر ادا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ یوں زمیندار کو بے دخل کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اس کی بچت قانون سے نہیں ہوسکتی۔ پنچایتوں اور امداد باہمی کے بنکوں سے البتہ ہوسکتی ہے۔ پنچایتیں برابر خبر لیتی رہیں کہ کس کاشتکار نے روپیہ نہیں ادا کیا ہے۔ اور کیوں۔ اگر کسی مجبوری سے کسی کاشتکار پر روپیہ چڑھ گیا ہے تو امداد باہمی کے بنک اسے چھوٹی قسطوں پر قرضہ دیدیں۔

لگان کے لئے یہ قاعدہ رکھا گیا ہے کہ جتنا لگان [illegible] تک تھا اتنا ہی آجکل بھی رکھا جائے گا۔ لیکن اگر اس دوران میں کسی زمین کی آمدنی بڑھ گئی ہے تو اسپر لگان بڑھا دیا جائے گا۔ اگر گھٹ گئی ہے تو گھٹا دیا جائے گا۔ سنہ ۱۹۰۶ء اور سنہ ۱۹۱۸ء کے درمیان زمین سے ۱۴ کرور کی نکاسی ہوئی تھی، وہ بڑھتے بڑھتے ۲۰ کرور تک پہنچ گئی۔ جب بہت غل شور مچا تو حکومت نے ۴ ½ کرور کی چھوٹ دیدی اسوقت ۱۵ ½ کرور کی نکاسی ہے۔ اب نہیں کہا جاسکتا کہ اس قاعدے پر لاکر لگان میں کتنی واقعی کمی ہوجائے گی۔ زیادہ تر زمینیں ایسی ہیں جنکی آمدنی اس اثنا میں بڑھ گئی ہے۔

کیونکہ رسائل آمد و رفت بڑھ گئے ہیں۔ جابجا نہریں بن گئی ہیں اور پیداوار بڑھانے کے لئے نئی نئی ترکیبیں نکل آئی ہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر نہیں کہا جاسکتا کہ چھوٹ کی مقدار کیا ہوگی۔ لیکن ڈیڑھ دو کرور جتنی بھی چھوٹ ہو۔ کاشتکاروں کا اس سے بھلا ہو جائے گا۔ اگر انہیں "کانگرس" پر زیادہ بھروسا ہو جائے گا اور اپنی کامیابی کا یقین ہو جائے گا۔ جسکے بعد وہ زیادہ ہمت سے لڑ سکیں گے۔

اس بل میں خاص کمی یہ رہ گئی ہے کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ مزدور زیادہ تر نیچی ذاتوں کے ہوتے ہیں اسی لئے ان پر اونچی ذاتوں کے کاشتکاروں، اور معمولی معمولی زمینداروں کا دباؤ رہتا ہے۔ اور ان سے چند پیسوں کے عوض دن دن بھر کام لیتے ہیں۔ موقع موقع پر بیگار میں لگاتے ہیں۔ ان کی امداد کے لئے جو بھی قانون بنے گا وہ کاشتکاروں اور زمینداروں دونوں کو کھلے گا۔ لیکن زرعی بل کے ساتھ ساتھ اگر بن جاتا تو یہ جاعتیں سمجھ لیتیں کہ جہاں اتنے فائدے پہونچ رہے ہیں، وہاں ایک نقصان بھی سہی۔

ان مزدوروں کی مدد کرنا ہے بہت مشکل۔ قانون بن سکتا ہے۔ مگر اسپر عمل درآمد کرانا بہت مشکل ہے۔ فرض کیجئے کم سے کم اجرت کی ایک مقدار دو آنہ یومیہ مقرر کردی گئی۔ اب زمیندار یہ کرسکتا ہے کہ ایک آنہ دیدے اور دو آنے کی رسید پر انگوٹھا بنوا لے۔ لیکن قانون بنجانے سے حق تسلیم ہو جاتا ہے اس پر تحریک اٹھانا، اور جماعت بناکر اس حق کو حاصل کرلینا آسان ہو جاتا ہے اس لئے اگر ان کی امداد کے لئے قانون بنجاتا تو پھر اب سے مزدور اپنی سبھائیں بناکر دو ایک برسوں میں اس حق کو حاصل بھی کرلیتے۔

اس کے علاوہ جس طرح زمینداروں کے لئے مالگزاری میں حیثیت کا خیال کیا گیا ہے۔ لگان لینے میں کاشتکاروں کے لئے نہیں کیا گیا حالانکہ غریب کاشتکار کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔ ان میں بعض تو ایسے غریب ہیں کہ ان کا لگان بالکل معاف ہو جاتا تو بہتر تھا۔

زرعی بل میں ابھی ایسی گنجائشیں ہیں۔ اور ابھی بڑی بڑی منزلیں طے کرنا باقی ہیں۔ لیکن کانگریسی وزارت نے اس بڑے کام کی بہت اچھی ابتداء کی ہے۔ ملک کی امیدیں جاگ اٹھیں اور کسانوں کا کانگریس پر بھروسہ بڑھ گیا۔ اس کام کی صحیح اہمیت کا اندازہ اس وقت ہو جاتا ہے جب ہم زمینداروں کی بدحواسی دیکھتے ہیں۔

ان اصلاحوں سے کیا انقلابی تحریک میں کوئی رکاوٹ پڑے گی؟

کسانوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ دو چار روپیہ سالانہ کی آمدنی بڑھ جانے سے ان کی حالت سنبھل جائے۔ یا ان کی بغاوت کی طاقت مر جائے بلکہ اس طرح تھوڑی سی مدد پاکر ان کی پیاس اور بڑھ جائے گی۔ کیونکہ ان میں کامیابی کی امید بندھ جائے گی۔ وہ اور جوش و خروش سے انقلابی تحریکوں میں حصہ لینگے

دوسری طرف بید خلی بند ہو جانے سے کاشتکاروں کا ایک بہت بڑا حصہ خالص بیکار ہوکر رہ جائے گا۔ یہاں کاشتکار بہت ہیں اور زمینیں کم۔ یہ زمینوں کے ٹکڑے کاشتکاروں میں گھومتے رہتے تھے۔ اگر ایک کاشتکار اس سال بلا زمین کے رہا تو دوسرے سال دوسرا۔ لیکن اب جو کاشتکار بیکار ہے اس کو زمین ملنے کی بہت کم امید ہے۔ یہ طبقہ کیا کرے گا۔ اس کے لئے انقلاب کے سوا، اور نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

صوبہ متحدہ میں زرعی اصلاحات

(اجیت پرشاد جین)

برطانوی قبضہ سے پہلے صوبۂ اودھ اور آگرہ کا ایک کافی بڑا حصہ ایک ہی حاکم کے ماتحت تھے۔ جو علاقے ۱۷۷۵ء اور ۱۸۰۱ء میں نواب اودھ کے قبضہ سے نکل کر شمالی مغربی صوبہ میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کا شمار دراصل ایک ہی صوبہ میں ہوتا تھا اور ان پر قبضہ بھی ایک ہی حاکم کا تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد بھی علاقے اودھ کی حکومت کہلانے لگے تھے۔ انگریزی راج نے اپنے ابتدائی زمانہ میں اودھ میں ایک مضبوط اور بالکل نئے قسم کے زمینداری نظام کی بنیاد ڈالدی۔ لیکن ضروری ضروری باتوں میں ان دونوں صوبوں میں زمین کا انتظام یکساں ہی ہے۔ اور انتظامی اعتبار سے ہمارے مالی انتظامات میں یہ ایک بہت بڑی بیقاعدگی کی بات ہے کہ ایک ہی صوبہ میں دو دو طرح کے لگان اور مالگزاری کے قانون ہیں۔ دوسرے یہ کہ اودھ کے لگان کے قانون میں جو ۱۸۸۶ء میں بنایا گیا تھا اب تک بہت دفعہ جوڑ گانٹھ کیا جا چکی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت ہی بدنما ہو گیا ہے۔ اس لئے دونوں صوبوں کیلئے یکساں قانون بن جانے سے کاشتکاروں کو یقینی طور پر فائدہ ہوگا اور زمینداروں کو بھی کسی طرح کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اس سے انتظامی امور میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ اس طرح آگرہ اور اودھ کیلئے نئے قانون لگان کی تجویز نے وقت کی ایک بہت بڑی مانگ پوری کر دی ہے۔

ان تجاویز کو آسانی کے ساتھ دو علحدہ علحدہ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

زمینداروں کے درمیان مالگزاری کے بوجھ کی نئی تقسیم۔ اور حکومت اور زمینداروں کے تعلقات کا نئے سرے سے تعین۔

۲۔ زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات کی پھر سے وضاحت۔

پہلے مالگزاری پر بحث کیجاتی ہے۔ اس کے بعد لگان سے متعلق سوالات پر علحدہ علحدہ طور پر کیا جائے گا۔ موجودہ بندوبست کا یہ اصول ہے کہ عام طور پر ایک محال کی مالگزاری نکاسی کا ۴۰ فیصدی رکھی جائے۔ بعض خاص حالتوں میں مثلاً اعداد کو پورا کرنے کے لئے یا حکومت کی موجودہ آمدنی میں کمی ہو جانے کی وجہ سے یہ رقم بڑھا کر ۴۵ فیصدی تک کیجا سکتی ہے۔ جن محالوں میں بہت سے حصہ دار ہیں اور انکی مالی حالت خراب ہے۔ وہاں کی نکاسی کی شرح ۳۸ فیصدی رہے گی لیکن یہ شرح کسی حالت میں بھی ۳۵ فیصدی سے کم نہیں ہوگی۔

جب تک مالگزاری نکاسی کے ۳۰ فیصدی سے کم نہ ہو اس وقت تک موجودہ مالگزاری میں ایک تہائی سے زیادہ اضافہ نہ کیا جائے گا۔ اس طرح مالگزاری تشخیص کرتے وقت زمین کا خیال کیا گیا ہے نہ کہ اداکرنیوالے کی ذات کا۔

آجکل کے بندوبست میں کسی قدر تدریجی مالگزاری ہے لیکن یکسانی نہیں۔ اس سے چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو مناسب چھوٹ نہیں ملتی اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک خاص خاندان میں پیدا ہو جانے سے ایک بہت ہی معمولی حیثیت کا زمیندار ایسے محال کا حصہ دار ہو جاتا ہے جس کے بقیہ حصہ دار متمول ہوتے ہیں اور اس بنا پر اسکی مالگزاری بھی ایسی شرح سے لگائی جاتی ہے جو ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ کراچی کانگریس کی بنیادی حقوق پر کی قرارداد میں کانگریس نے اعلان کیا ہے کہ اس کا مطمح نظر ہے کہ ایک مقررہ وسعت کی زمین پر کوئی لگان یا مالگزاری نہ لی جائے اور اس کو چھوڑ کر باقی زمینوں پر تدریجی مالگزاری لگائی جائے۔ ممکن ہے کہ فی زمانہ کسی زمین کا لگان اور مالگزاری بالکل معاف کر دینا ناقابل عمل ہو۔ لیکن تاریخ میں پہلی دفعہ اس نئے قانون لگان کی تجویزوں میں تدریجی مالگزاری کا اصول تجویز کیا گیا ہے۔ جن زمینداروں کی نکاسی ۵۰۰۰ روپیہ سے زیادہ ہے ان سے ۵۵ فیصدی بطور مالگزاری کے لیا جائے گا اور جن لوگوں کے پاس چھوٹی چھوٹی زمینیں ہیں اور جن کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے ان کو صرف ۲۵ فیصدی دینا ہوگا۔ جو لوگ مالگزاری میں ۲،۵۰۰ یا اس سے کم ادا کرتے ہیں ان کو تدریجی چھوٹ دی جائے گی۔

چھوٹ کے بعد مالگزاری کا تناسب یہ رہ جائے گا۔ (۱) ۲،۵۰۰ روپیہ سے زیادہ کے مالگزار کو نکاسی کا ۵۵ فیصدی دینا ہوگا۔ (۲) ۱،۵۰۰ سے ۲،۵۰۰ تک کے مالگزار کو ۴۶ ۳/۴ فیصدی دینا ہوگا (۱۵ فیصدی چھوٹ) (۳) ۱،۰۰۰ سے ۱،۵۰۰ تک کے مالگزار کو ۴۱ ۱/۴ فیصدی دینا ہوگا (۲۵ فیصدی چھوٹ) (۴) ۵۰۰ سے ۱،۰۰۰ تک کے مالگزار کو ۳۶ ۲/۳ فیصدی دینا ہوگا (۳۳ ۱/۳ فیصدی چھوٹ) (۵) ۱۵۰ سے ۵۰۰ تک کے مالگزار کو ۳۳ فیصدی دینا ہوگا (۴۰ فیصدی چھوٹ) (۶) ۱۵۰ سے کم کے مالگزار کو ۲۷ ۱/۲ فیصدی دینا ہوگا (۵۰ فیصدی چھوٹ)

حالانکہ کوئی زمین مالگزاری سے بچی نہ رہے گی لیکن زمیندار کی استطاعت کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ موجودہ حالت میں ہمارے صوبہ کے محالوں میں مالگزاری کا اوسط نکاسی کا ۳۸،۵ فیصدی ہے۔ سارے صوبہ کے ۱۲،۲۷،۰۰۰ زمینداروں میں سے ۲۰ ہزار کو چھوڑ کر باقی سب کے لئے شرح مالگزاری کم کر دی جائیگی۔ دوسرے الفاظ میں ۹۸،۴ فیصدی زمینداروں کی مالگزاری کم کر دی جائے گی۔

زمینداروں کو اس سے کوئی شکایت نہ ہونی چاہئے کیونکہ اب سے بہت پہلے ہی ۱۹۲۳ء میں محصول تحقیقاتی کمیٹی نے زرعی آمدنیوں پر انکم ٹیکس لگائے جانے کی سفارش کی تھی اور ظاہر ہے کہ اب اس ٹیکس کو زیادہ عرصہ تک معرض التوا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن نئی تجاویز میں جن زمینوں پر تدریجی مالگزاری لگائی جائیگی وہ زرعی انکم ٹیکس سے محفوظ رہیں گی۔ بندوبست استمراری کی ریاستوں اور معافی کی جائدادوں پر یہ ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔ اگر انڈین انکم ٹیکس ایکٹ کی شرح کے مطابق زمینداروں سے زرعی انکم ٹیکس لیا جائے تو ان کی حالت اس تدریجی مالگزاری ادا کرنے کے طریقے سے بہتر نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ ہم کو یہ بات بھی نہ بھولنی چاہئے کہ لگان کی رقم میں سے حکومت کا حصہ برابر گھٹتا رہا ہے۔ ۱۸۱۲ء میں حکومت اس رقم میں سے ۹۰ فیصدی پاتی تھی۔ ۱۸۳۲ء میں حکومت کا حصہ ۸۰ فی صدی رہ گیا۔ ۱۸۳۳ء میں ۷۲ ۱/۲ فیصدی ہوا۔ پھر ۱۸۴۴ء میں ۶۶ فیصدی اور

۱۸۵۵ء میں ۵۰ فی صدی رہ گیا۔ ۱۹۳۶ء تک حکومت کا ۴۰ فیصدی باقی رہی لیکن اسی سال یہ رقم گھٹ کر ۴۰ فیصدی رہ گئی۔ بکاسی کا تخمینہ لگانے کے قوانین میں برابر رعایت ہوتی رہی ہے اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قواعد پر عمل کرکے زمین کی بہت سی آمدنی اس تخمینہ سے بچ جاتی ہے۔ بندوبست کی میعاد نئے قانون کے بعد بھی ۴۰ سال ہی رہے گی

مالگزاری کی وصولیابی کے لئے گرفتاری یا نظربندی نہیں ہوسکے گی۔ زمیندار کو ایک سب سے بڑی آسانی یہ ہو جائے گی کہ کسی زمین پر تین سال کاشت کرنے کے بعد اس کو اس کا حق حاصل ہو جائیں گے۔ آجکل کے قانون کی رو سے یہ حقوق سیر اور خود کاشت کی زمینوں میں بھی صرف اس صورت میں حاصل ہوتے ہیں جب یہ زمینیں مسلسل ۱۰ سال تک زیر کاشت رہیں۔ چھوٹے چھوٹے زمیندار جو ۱۰۰ روپیہ سالانہ سے کم مالگزاری ادا کرتے ہیں اور زمینداروں میں جن کی تعداد ۸۱ فیصدی ہے ان کی سیر کی زمین پر ایسی پابندی نہیں لگائی جائے گی جیسی کہ ان تجاویز کے مطابق بڑے بڑے زمینداروں کی سیر پر لگائی جائے گی۔

اودھ میں سوائے زمینداروں کے جن کے حقوق برطانوی راج سے ۴۰ برس پہلے لے لئے گئے تھے اور جو ۱۸۶۶ء میں کاشتکاروں کی حیثیت سے کھیتی کرتے تھے اور جن کے قبضے میں کل زیر کاشت زمین کا ۱/۱۲ حصہ ہے باقی کسی کسان کو موروثی حقوق نہیں ہیں۔ آگرہ کی حالت اس سے کچھ بہتر ہے وہاں ۴۳ فیصدی زمین دخیلکار کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے۔ غیر مستقل کاشتکاروں کی بالکل ایسی حالت ہے جیسی کہ سرائے یا ہوٹل میں ایک مسافر کی۔ ظاہر بات ہے کہ ہوٹل یا سرائے کے کسی مسافر کو عمارت وغیرہ کی مرمت کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ موجودہ قانون میں آئینی کاشتکاروں کو تمین حیاتی کاشت کے حق حاصل ہیں۔ اگر وہ مقررہ وقت پر لگان ادا کردے اور اپنی زمین کا غلط استعمال نہ کرے تو وہ تمام زندگی اس زمین کا کاشتکار رہتا ہے اور اس کے بعد اس کے وارث کو ۵ سال تک اس زمین پر کاشت کرنے کا حق ہوگا۔ اگر ۵ سال گزر جانے پر وہ وارث ۳ سال کے اندر بیدخل نہ کیا جائے تو وہ بھی آئینی ہو جاتا ہے۔ آگرہ اور اودھ دونوں صوبوں میں آئینی کاشتکار ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں موجودہ حکومت کی تجویز ہے کہ اس قسم کے تمام کاشتکاروں کو موروثی حقوق دے دئے جائیں۔ اودھ کے قانون لگان میں کوئی کاشتکار جسکو کسی گاؤں کے کسی کھیت میں مالکانہ یا تعلقداری کے حقوق حاصل ہیں اس کو اسی گاؤں کی کسی زمین پر آئینی حقوق نہیں مل سکتے۔ اب تجویز ہے کہ اس پابندی کو ہٹا دیا جائے اور تمام کاشتکار جو صرف اس پابندی کی وجہ سے آئینی کاشتکار نہیں بن پائے ہیں ان کو موروثی کاشتکار بنا دیا جائے۔ جو کاشتکار اپنے کھیتی والے گاؤں میں نہیں رہتے تھے (پاہی کاشت والے) ان کو اودھ قانون لگان کی دفعہ ۶۲(۹) کی رو سے آئینی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اب ان کو بھی موروثی حقوق مل جائیں گے۔ ان کے علاوہ دریا کی ترائی اور کچھار زمینوں کے کاشتکاروں کو چھوڑ کر جنھیں ۱۹۲۶ء میں چند خاص وجوہات کی بنا پر موروثی حق سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا باقی جانے کے باغات اور کچھار محال کے کاشتکاروں کو بھی موروثی حقوق مل جائیں گے۔ سوائے نیچے لکھے ہوئے کاشتکاروں کے ہر آدمی جس کو زمیندار کاشتکار تسلیم کرے شروع ہی سے موروثی حقوق کا حقدار ہوگا۔

۱۔ باغ پیڑ اگا ہیں اور سنگھاڑوں کے تالاب
۲۔ دریا کی ترائی جس میں کبھی کبھار فصل بوئی جاتی ہے۔
۳۔ وہ زمینیں جو تمام آدمیوں کے کام آتی ہوں۔
۴۔ ایسی زمینیں جن میں مستقل کاشت نہیں کی جاتی اور جن کی تحصیل حکومت کیا کرے گی۔

اس طرح عدم دخیلکار کاشتکاروں کی تعداد اتنی کم کر دی جائے گی کہ قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہو جائے گی۔ یہ طریقہ صرف ان علاقوں میں باقی رہے گا جہاں زمینوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہی شخص کے قبضہ میں دینا مفاد عامہ کے لئے مضر ہوگا۔ سیکڑوں کاشتکار جو ابھی تک زمین پر ہر قسم کے مستقل حقوق سے محروم ہیں جو اپنی بے ثباتی کی وجہ سے کھیتوں کی پیداوار بڑھانے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ ان کے لئے یہ تجاویز کوئی معمولی نعمت نہیں ہیں۔

آج کل بیدخلی کے قانون سے فائدہ اٹھا کر اس کو لگان بڑھانے یا کہیں کہیں نذرانہ وصول کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کاشتکار کے پاس پیسہ نہیں ہوتا اور اس کو قرض لیکر نذرانہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ مہاجن کو وہ کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس کو بہت لمبی شرح سود پر قرض ملتا ہے۔ کھیتی میں اتنی پیداوار نہیں ہوتی کہ وہ قرض ادا کر سکے اس لئے اگر کاشتکار ایک دفعہ مقروض ہو گیا ہے تو وہ تا زندگی مقروض ہی رہتا ہے۔ اس طرح یہ ڈھرا بند ہو جاتا ہے اور روز بروز اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے اور اس پر مفلسی اور ناداری کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے۔ کھیتی کی رقم سے وہ کل مطالبات ادا نہیں کر سکتا اور بقایا لگان بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بیدخل کر دیا جاتا ہے۔ کھیت چھن جانے پر یا تو اس کو کھیتوں میں مزدوری کرنا ہوتی ہے یا پھر وہ دوسرا کھیت اور زیادہ لگان پر لیتا ہے اس لئے کاشتکار اور زمیندار کے اختلافات بڑھتے رہتے ہیں اور یہ اختلافات موجودہ دیہی زندگی کے ایک مستقل عنصر کی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔

سیر کے کاشتکاروں کو اور بھی کم ضمانت ہوتا ہے۔ برطانوی راج سے پہلے تمام کاشتکار زمیندار یا حکومت کی مرضی پر رہتے تھے اور ہر سال فصل کٹ جانے پر ان کو بیدخل کیا جا سکتا تھا۔ کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے کوئی قانون نہ تھے۔ تاہم اس وقت ایک طرح کا قدرتی قانون رائج تھا۔ بہت سی زمینیں پڑتی پڑی رہتی تھیں اور کاشتکار اپنی مرضی کے مطابق نئے کھیت حاصل کر سکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت زمین کے بجائے کسانوں کی مانگ تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ زمین پر آبادی کا دباؤ بڑھنے سے قدرتی قوانین ٹوٹ گئے اور کاشتکاری کے حقوق کی بے ثباتی کاشتکاروں کے واسطے ایک مستقل انتشار کا باعث بن گئی۔ جیسے جیسے کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کے واسطے قوانین بنتے گئے۔ ویسے ویسے زمیندار سیر کے نام سے زمین کے کچھ حصہ علیحدہ کرتے گئے۔ آج کل اس سیر کے معنی بالکل بدل گئے ہیں۔ شروع میں سیر سے ایک ذاتی فارم مراد ہوتا تھا لیکن مختلف قوانین لگان کی رو سے یہ زمین زمیندار کے واسطے مخصوص کر دی گئی اور جہاں اسپیل خصوصیتیں پیدا کر دی گئیں۔ وہاں ان زمینوں پر کاشتکاروں کو موروثی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ زمیندار کو اجازت مل گئی کہ سیر کی زمین پر چاہے وہ خود کاشت کرے اور چاہے اس کو لگان پر اٹھا دے۔ چونکہ قانون لگان ۱۹۰۱ء اور قانون قبضہ اراضی

(سنہ ۱۹۲۶ء) سے کاشتکاروں کے حقوق میں کسی قدر اضافہ کرنے کی تجویز تھی اس لئے زمینداروں نے یہ چال چلی کہ قانون کے اجرا سے ایک سال پہلے ہی تمام ایسے کھیت جو وہ یا ان کے نوکر کاشت کرتے تھے یا جن میں وہ مزدوروں سے کھیتی کراتے تھے اور جو خود کاشت کہلاتے تھے۔ ان کو اپنی سیر میں شامل کرا لیا اور یہ حق بھی حاصل کر لیا کہ اگر سیر کل زمین کی ۱۰ فی صدی سے زیادہ نہ ہو تو وہ ۱۰ سال کی خودکاشت چک کو بھی سیر میں شامل کر لیں۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں سیر کا رقبہ آگرہ میں ۲۳۶ و ۴۹ لاکھ ایکڑ اور اودھ میں ۱۲۵ و ۷ لاکھ ایکڑ تھا۔ اور دونوں صوبوں میں بالترتیب ۲۵ فیصدی اور ۲۹ فیصدی کے قریب سیر لگان پا چکی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں آگرہ قانون قبضہ اراضی کے پاس ہو جانے کے بعد سے آگرہ میں کم از کم ۱۰،۲۲،۰۰۰ ایکڑ اور اسی طرح سنہ ۱۹۲۱ء کے قانون لگان اودھ کے پاس ہونے کے بعد ۴،۰۸،۰۰۰ ایکڑ زمین خودکاشت میں شامل کیجا چکی ہے۔ یہ زمین آگرہ میں دخیلکار کاشتکاروں اور اودھ میں آئینی کاشتکاروں کے قبضہ سے نکال کر زمینداروں کے قبضہ میں منتقل کی گئی ہے۔ جب سیر کے حقوق میں کمی کرنے کا سوال اٹھتا ہے تو زمیندار چڑھ جاتے ہیں کیونکہ وہ سیر کو اپنی معیشت کا سہارا خیال کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ہم سیر کے کاشتکار کو بدستور زمیندار کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے یا اس کو بھی کسی طرح کے مستقل حقوق دیں گے۔ اس میں کون انصاف ہے کہ ایک ایسی زمین جو زمیندار لگان پر اٹھاتا ہے اس کو بھی سیر ہی میں سمجھا جائے۔

ہم کو کوئی نہ کوئی معیار ایسا بنانا ہے جس سے یہ طے کیا جا سکے کہ آیا زمیندار سیر کو خود کاشت کے لئے چاہتا ہے یا یہ صرف ایک بہانہ ہے کاشتکار سے اس کے جائز حقوق چھیننے کا۔ سیر کے کاشتکاروں اور آئینی کاشتکاروں کے لگان کا موازنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیر کے کاشتکاروں کو بے دخلی کی دھمکی دے دے کر لگان میں کس قدر اضافہ کیا گیا ہے۔ انھیں حالات کو دیکھ کر تجویز کیا گیا ہے کہ جو کاشتکار سیر کا کھیت ۵ برسوں سے جوتتا رہا ہے اس کو موروثی حقوق دیدئے جائیں۔ ان چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو جو ۱۰۰ روپیہ یا کم کے مالگزار ہیں یا ۱۰ روپیہ تک ٹیکس دیتے ہیں اس سے مستثنی کر دیا گیا ہے اور درحقیقت انصاف بھی یہی ہے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے زمیندار عام طور پر خود ہی سیر کی کاشت کرتے ہیں اور اگر ان سے سیر نکال لی جائے تو ان کی گزر بسر مشکل ہو جائے گی۔ جو کاشتکار انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کو بھی سیر میں موروثی حق نہیں دئے گئے ہیں کیونکہ انکم ٹیکس ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کاشتکار کا خاص ذریعہ معاش کاشتکاری نہیں ہے۔ ان کے علاوہ باقی کاشتکار جو اس قانون کے اجرا کے وقت سیر کے کھیتوں میں کاشت کر رہے ہوں گے وہ بھی بیدخل نہیں کئے جا سکیں گے سوائے ان حالتوں میں جن میں کہ عام موروثی کاشتکار بیدخل کئے جا سکتے ہیں یا پھر اس وقت جب کہ زمیندار سیر کو خود کاشت کے لئے نکالنا چاہے اگر بیدخلی کے بعد ۲ سال کے اندر اندر زمیندار خودکاشت نہ کرے یا سیر کسی دوسرے کاشتکار کو لگان پر دیدے تو جو کاشتکار شروع میں بیدخل کیا گیا ہے وہ دوبارہ سیر کا دعویدار ہو سکتا ہے اور ایسی حالت میں اس کو اسی وقت سے ان کھیتوں کے موروثی حقوق مل جائیں گے۔ اس دفعہ میں بھی عورتوں، نابالغوں، اندھوں اور ایسے آدمیوں کو جن کے دماغ میں کوئی فتور آ گیا ہو مستثنی کر دیا گیا ہے جو کاشت کی زمینوں پر زمینداروں کو سیر کے حق نہیں ملیں گے۔

آگرہ قبضہ اراضی کے قانون کی دفعہ ۴۰ و ۴۱ اور اودھ قانون لگان کی دفعہ (۱) ۳۰ میں زمینداروں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ہرجانہ ادا کر کے زمین کاشتکاروں کے قبضے سے نکال لیں۔ زمینداروں نے نذرانہ وصول کرنے یا اپنے معتوب کاشتکاروں سے چھٹکارا پانے اور عام کاشتکاروں کو دھمکانے کے لئے ان حقوق کو بہت بیجا طریقہ پر استعمال کیا ہے۔ ان دفعات کی رو سے جتنی زمین نکالی گئی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بیقاعدگی برتی گئی ہے۔ اب اس اندھیر کو ختم ہو جانا چاہئے۔

کچھ کاشتکار ایسے ہیں جن کے پاس بہت بڑی بڑی زمینیں ہیں لیکن وہ خود کھیتی نہیں کرتے بلکہ اپنے پٹہ کی زمین لگان پر اٹھا دیتے ہیں۔ یہ لوگ حکومت اور اصلی کاشتکار کے درمیان دلال کا کام کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے کسان پر بلا وجہ بار پڑتا ہے اور اس کی آمدنی گھٹ جاتی ہے۔ شکمی کاشتکاری کی مثال ایک سیڑھی کی سی ہوتی ہے جس کے ہر ہر زینہ پر ایک ایک آدمی بیٹھا زیادہ سے زیادہ منافع اپنے ہی پیٹ میں بھر لینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور تمام بوجھ بیچارے کاشتکار ہی کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اچھا تو اس میں تھی کہ کسی انسان کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ زمین نہ ہوتی لیکن بڑے بڑے کاشتکاروں سے پیچھا چھڑانا زمینداری نظام کو مٹا دینے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے تاہم ہم شکمی کاشتکاروں کی روک کرنا ہے اس لئے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ کوئی سیر کا مالک یا کسی طرح کا کاشتکار اپنی زمین کو ۵ سال سے زیادہ کے لئے لگان پر نہیں اٹھا سکے گا۔ اس عرصہ کے بعد اس کو ۳ سال تک خود ہی کھیتی کرنا ہوگی جب جا کر وہ اس کھیت کو پھر اٹھا سکے گا۔ بیچ کے کاشتکاروں (دلالوں) کے منافع پر بھی پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ اگر کسی بیچ کے کاشتکار یا شکمی کے کاشتکار کا لگان موروثی کاشتکاروں کے لگان سے ۳½ فیصدی زیادہ ہو تو وہ چھوٹ کے واسطے درخواست دے سکتا ہے۔ زمینداروں پر مسلسل خودکاشت کرنے کی پابندی لگ جانے اور ان کے منافع میں کمی ہو جانے کی وجہ سے امید کی جاتی ہے کہ شکمی کے دستور کی کافی روک ہو سکے گی۔ عورتوں، نابالغوں اور دماغ اور آنکھوں سے معذور لوگوں کو اس سے مستثنی کر دیا گیا ہے۔

موجودہ قانون کی رو سے حلقہ وار شرح لگان ایک اوسط درجہ کے کاشتکار کے لگان کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ شرح کی کوئی حد نہیں مقرر ہے وہ بے پناہ حد تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ آجکل زمین کی مانگ تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکار کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ اطمینان سے اپنی گزر بسر کر سکے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد سے جب کہ قیمتیں گرنے لگی ہیں۔ کسانوں کا حال کتنا ابتر ہو گیا ہے۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ لگان کی شرح وہی رکھی جائے جو سنہ ۱۸۹۶ء اور سنہ ۱۹۰۵ء کے درمیان میں رائج تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سنہ ۱۹۰۵ء سے ابتک فصل میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں یا پیداوار میں جو کمی بیشی ہوگئی ہے اس کا خیال رکھا جائیگا اور سنہ ۱۸۹۶ء سے سنہ ۱۹۰۵ء تک کی قیمتوں کے اوسط کا سنہ ۱۹۳۱ء کے اوسط سے مقابلہ کیا جائے گا۔ سنہ ۱۸۹۶ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک قحط کا زمانہ تھا اور اس وقت پیداوار کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ اس لئے اوسط نکالتے وقت اس زمانہ کو شامل کر لینے سے کاشتکاروں کی مزید امداد ہو سکے گی۔ لگان کی شرح مقرر کرنے وقت کاشتکار کی

لاگت اور اس کی گزر بسر کے اخراجات بھی پیش نظر رہیں گے اور عام طور پر اصلی کاشتکار کا
لگان اس کی کل پیداوار کی قیمت کے ¼ سے زیادہ نہیں رکھا جائے گا۔ جن کاشتکاروں کی
تاریخی اہمیت یا خاص وجوہ کی بنا پر موروثی کر دئے گئے ہیں ان کے مقابلہ میں دخیلکار
کاشتکاروں کا لگان کسی قدر کم رہے گا۔ سارے صوبہ کا لگان اور مالگزاری اس قانون کے
اجرا ہونے کے بعد ۵ سال کے اندر اندر نئے قاعدوں کے مطابق پھر سے مقرر کی جائیگی
اور اس وقت یا اس کے بعد کسی بندوبست کا مقرر کیا ہوا لگان کم سے کم ۳۰ سال تک
قائم رہے گا۔ اور بندوبست کے زمانہ میں اس میں صرف ایک مرتبہ کمی بیشی ہو سکے گی۔ مگر
کسی حالت میں مقررہ لگان کے ¼ سے زیادہ نہیں ہو سکے گا۔

جب تک لگان کی ٹھیک ٹھیک تعداد زمینداروں کے لئے اس کی وصولیابی
کے ذرائع سے متعلق جھگڑا بھی برابر رہے گا۔ اس وقت تک دیہاتوں میں صحیح معنوں میں امن
اور چین نہیں رہ سکتا۔ موجودہ قانون کی رو سے اگر زمیندار باقاعدہ رسید نہ دے یا
کوئی غیر قانونی رقم وصول کرلے تو اس سے معاوضہ یا ہرجانہ دلایا جا سکتا ہے لیکن اس
قانون کا جو مقصد تھا وہ پورا نہیں ہو سکا اور اس کے لئے زیادہ سخت تدابیر کی ضرورت
ہے۔ چنانچہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہر کاشتکار کو حق دیدیا جائے کہ وہ اگر چاہے تو لگان
زمیندار کو ادا کرے ورنہ منی آرڈر کے ذریعہ بھیج دے یا کچہری میں جمع کردے۔ ہر
زمیندار کو باقاعدہ رسید بھی رکھنا پڑے گی۔ یہ رسیدیں مناسب قیمت پر حکومت سے
مل سکیں گی۔ کسی کاشتکار کو اپنے مقررہ لگان کے علاوہ اور کوئی مطالبہ نہیں ادا
کرنا ہوگا۔ لگان کے علاوہ زائد مطالبہ۔ بیگار اور تمام دوسری رقمیں جرم
کردی جائیں گی۔ جو زمیندار رسید نہیں دے گا یا کوئی غیر قانونی مطالبہ وصول کریگا
وہ قانون کے مطابق سزا کا مستحق ہوگا۔ اور اگر لگان کی وصولیابی میں عدالت کو پتہ
چل گیا کہ زمیندار نے رسیدوں کے متعلق قانون کی خلاف ورزی کی ہے یا کوئی غیر
قانونی رقم وصول کی ہے تو عدالت زمیندار کے دعوے کو خارج کر سکے گی۔

بقایا لگان پر ۱۲ فیصدی کے بجائے ۶¼ فیصدی سود لگے گا اور کوئی
زمیندار بقایا لگان کی رقم کے لئے کوئی پرونوٹ یا دستاویز نہیں لکھا سکے گا۔ کوئی
کاشتکار بقایا لگان کے لئے نہ گرفتار کیا جا سکے گا اور نہ نظر بند ہو سکے گا۔

بقایا لگان کی وصولیابی کے لئے کل تین طریقے رائج ہیں۔ یعنی معمولی قرضہ کی
وصولیابی کا طریقہ۔ فصل کی قرقی کا طریقہ۔ اور بیدخل کر دینے کا طریقہ۔ یہ طریقے بدستور
قائم رہیں گے۔ لیکن آخر کے دو طریقوں میں کچھ رد و بدل کیا گیا ہے۔ قرقی صرف عدالت
کے حکم سے ہو سکے گی اور ایک وقت میں بھی فصل کا صرف ایک چوتھائی حصہ قرق کیا جا سکے گا
پچھلی دو قسطوں سے پہلے کی بقایا کے لئے قرقی نہیں ہو سکے گی۔ قرقی کی کارروائی کی
تفصیل قانون کے ذریعہ صاف کر دی جائے گی۔ زمیندار کو فصل تیار ہونے سے کم سے کم
تیس دن پہلے کاشتکار کو نوٹس دینا ہوگا کہ وہ قرقی کی کارروائی کرنے والا ہے تاکہ
کاشتکار بھی پہلے سے آگاہ ہو جائے اور یہ مصیبت دفعتاً یا بے خبری کی حالت میں نہ
پہنچے۔ اس کے بعد ۷ دن کے اندر اندر زمیندار کو قرقی کے لئے عدالت میں درخواست
دینا ہوگی۔ اور اگر عدالت قرقی کا حکم دیدے اور بقایا لگان نہ ادا ہو تو قرقی کے ۱۵
دن کے اندر اندر فصل نیلام کر دی جائے گی۔ حکومت قرقی کی کارروائی کے قواعد پر
نظر ثانی کریگی۔ تاکہ فصل کو بلا وجہ کوئی نقصان نہ پہنچے اور خرچ بھی کم ہو۔

قانون لگان اودھ کے مطابق بیدخلی کے لئے مقدمہ دائر کرنا ہوتا ہے جس سے
باوجود کی بیماری جو پھیلی ہے اس لئے اب صرف درخواست دے کر بیدخلی کرائی جائیگی
موجودہ قانون کی رو سے کاشتکار کو معمولی سے معمولی بقایا لگان کے لئے بھی بیدخل
کیا جا سکتا ہے چاہے وہ ایسی ہی بقایا کیوں نہ ہو جس کا ادا کر دینا کاشتکار کے لئے
بالکل ناممکن ہو۔ نئی تجاویز میں بیدخلی کو صرف لگاتار چند ہی حالتوں کے لئے
محدود کر دیا گیا ہے اور کاشتکار اسی حالت میں بیدخل ہو سکے گا جب کہ اس کے
ذمہ بقایا لگان کی رقم ۲ سال کے برابر یا اس سے زیادہ ہو یا اگر وہ بقایا لگان کی کسی
ڈگری کا روپیہ دو سال کے اندر ادا نہ کردے۔ بیدخلی کی درخواست گزرنے پر عدالت
کاشتکار کو نوٹس بھیجے گی کہ یا تو وہ ۱۵ دن کے اندر اندر عذرداری کرے یا ۶ مہینے
کے اندر بقایا لگان بیباق کردے۔ اگر کاشتکار اس حکم کی پابندی نہیں کرے گا اور
بقایا لگان مقررہ میعاد کے ۶ مہینہ میں بیباق نہیں کردے گا تو عدالت اس کو کل زمین یا اس کے
کسی حصہ سے بیدخل کر دے گی۔ کاشتکار کی کھیتی یا اس کی ساری یا بہ سلسلہ عملدرآمد
لیکن اس کے نکل جانے کے بعد بھی بقایا لگان کا بوجھ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے
لہذا ان تجاویز کی رو سے بیدخلی کے بعد تمام بقایا لگان کالعدم سمجھی جائے گی۔
جب دخیلکار کاشتکاروں غیر کاشتکاروں اور سیر کے کاشتکاروں پر
جن سے مقدمہ کر کے بقایا لگان وصول کیا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز ہے نہیں جائز ہوگی
حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ کوئی خاص ضرورت پڑنے پر بقایا مالگزاری سے لگان یا
لگان وصول کرلے۔

یاد ہوگا کہ حکومت نے (عدالت ہائے مال کے ہاتھ سے مقدمات کے علاوہ)
جون ۱۹۳۱ء کی رو سے خریف ۱۳۳۸ فصلی اور اس سے پہلے کے بقایا لگان کی
وصولیابی ایک سال کے لئے روک دی تھی۔ حقیقت میں یہ بقایا اصل بقایا نہیں کہی
جا سکتی اور کاغذات میں اتنی زیادہ رقم درج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمیندار عملی
سیاہہ میں اپنی پوری پوری وصولیابی نہیں دکھاتے ہیں۔ بقایا کے جمع ہو جانے
کے خاص خاص اسباب یہ ہیں۔

۱۔ ۱۳۳۹ فصلی اور اس کے بعد کی چھوٹ ایک عام شرح پر دی گئی تھی جس سے
اکثر کاشتکاروں کو کافی چھوٹ نہ مل سکی۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ
جن علاقوں میں لگان کی دوبارہ تقسیم کی گئی ہے وہاں اکثر کاشتکاروں کو پہلے سے اور
زیادہ چھوٹ ملی ہے۔

۲۔ جن کاشتکاروں نے ۱۳۳۸ فصلی یا اس کے بعد زمین لی ان کو اس چھوٹ
سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

۳۔ آکینی کاشتکار وغیرہ کو چھوٹ نہیں مل سکی۔ اس کے لئے حکومت نے
اسمبلی میں ایک بل بھی پیش کیا ہے۔

۴۔ قدرتی آفتیں اور ان کے پڑنے پر چھوٹ ملنے کے قوانین کی کمزوری

۵۔ صوبہ کے بعض حصوں میں غیر قانونی مطالبات کی گرم بازاری۔

ممکن ہے کہ بعض حالتیں ایسی ہوں جن میں کاشتکاروں کی زیادتی ہو لیکن عام
طور پر کاشتکار کی مفلسی ہی بقایا لگان کے اکٹھا ہو جانے کی وجہ ہوتی ہے۔
نئی تجاویز میں ملتوی بقایا کی چھوٹ کے لئے حسب ذیل سفارشات کی
گئی ہیں۔

(۱) ربیع ۱۳۴۴ فصلی اور خریف ۱۳۴۵ فصلی کا لگان یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

سرخ پرچم

(علی سردار جعفری)

وہ سرخی جو عروس نو کے عارض پر نکھرتی ہے — وہ سرخی جو شفق کے بادلوں میں رنگ بھرتی ہے
وہ سرخی جو سحر کے نرم ہونٹوں پر بکھرتی ہے
وہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

وہ تارہ جو تیری محنت کے ماتھے پر چمکتا ہے — وہ جذبہ جس میں تجدید عمل کا دل دھڑکتا ہے
وہ شعلہ جو زمیں سے عرش کی جانب لپکتا ہے
وہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

وہ شعلہ جو جلا سکتا ہے محفل کو گلستاں کو — وہ شعلہ جو جھلس سکتا ہے کافر کو مسلماں کو
وہ شعلہ پھونک سکتا ہے جو ساری بزم امکاں کو
وہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

وہ ہنگامہ جو ٹکراتا ہے ایوان حکومت سے — وہ فتنہ کھیلتا ہے جو گریبان سیاست سے
وہ دہشت جو گریزاں ہے شبستان وزارت سے
وہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

وہ قوت جو ہلا سکتی ہے بنیاد امارت کو — وہ قوت توڑ سکتی ہے جو قانون خباثت کو
وہ قوت جو دکھا سکتی ہے نیچا بادشاہت کو
وہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

وہ عزم آہنی جو تیری ناداری کی دولت ہے — وہ عزم آہنی جو تیرے جلتے دل کی راحت ہے
وہ عزم آہنی ہم پلۂ قانون فطرت ہے
یہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

ہتھوڑے کا نشاں کہتا ہے تیری ضرب کاری ہے — بتاتا ہے یہ ہنسیا اپنی محنت تجھ کو پیاری ہے
عمل کا جوش مقصد کا تعین سب پہ بھاری ہے
یہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

نہیں تیرے سوا شرمندۂ بار گراں کوئی — نہیں تیرے سوا دنیا میں معمار جہاں کوئی
نہیں ہے عظمت انساں کے اوپر حکمراں کوئی
یہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

نظر کے سامنے اک اور منظر آنے والا ہے — زمانہ انقلاب انگیز نغمے گانے والا ہے
نیا تحفہ بغاوت کا پیمبر لانے والا ہے
یہ اے مزدور تیرے سرخ پرچم سے نمایاں ہے

روٹی

(پدما بھاسہ گنگولی)

موسم خوشگوار تھا۔ صبح نے گمانی کے منظر کو سہانا بنا دیا تھا۔ گلی میں ایک جھونپڑا بھی تھا جس کی دیواریں کچی تھیں۔ وہ زمین کا بیکار حصہ تھا جو ملبے اور کچرے سے پاٹ دیا گیا تھا۔ اور وہیں گندگی اور اتنا کوڑا تھا کہ کوڑا گھر معلوم ہوتا تھا۔ جھونپڑے کے اندر پانچ مرد عورتیں ایک دوسرے سے چپٹے پڑے تھے۔ ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کچھ چیتھڑے تھے مگر اس سردی میں وہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ ان بیچاروں کو کب اندازہ ہو رہا تھا کہ گرمیوں کے دنوں میں بھی نینی تال میں کس قدر سردی پڑتی ہے۔ جھونپڑے میں اندھیرا گھپ تھا۔ سورج کی کرنیں بھی ان نادار فقیروں کے جھونپڑے تک نہ پہنچتی تھیں۔ صبح ہو گئی مگر روزی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بڈھا فقیر کئی دن سے شکایت کر رہا تھا کہ سیلانی جو تھوڑا بہت دیا کرتے تھے وہ بھی اب انھوں نے بند کر دیا ہے۔ اسے کل رات کا واقعہ ابھی بھولا نہیں تھا صرف اس جرم پر کہ اس نے بھیک مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلایا تھا۔ ایک پولیس والے نے اس کی کلائی توڑ دی۔ بینڈ کے اڈے کے قریب ایک کمل کے لڑکے نے جو دیکھنے میں بہت معصوم معلوم ہوتا تھا اس کے ہاتھ میں تھوک دیا تھا۔ اس تھوک کو اپنے بدن پر کے چیتھڑوں سے پونچھ کر صاف کر دیا لیکن وہ دلی تکلیف اس کو کھائے ڈالتی تھی وہ معمول سے پہلے گھر لوٹ آیا۔ اس کے بال بچے جو تمام دن بھیک مانگا کرتے تھے بے صبری سے اس کو آتے ہوئے دیکھنے لگے۔ جب اس نے چار پُر امید چہروں کو اپنی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھا تو اسے غصہ چڑھ آیا اور اس نے اپنے لڑکے کو پکڑ کر ادھ مرا کر کے ڈال دیا۔ ماں نے اس طرح کے تماشے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھے تھے وہ کچھ نہ بولی۔ شاید برسہا برس کی مفلسی اور دکھ درد نے اس کو سخت بنا دیا تھا۔ اس کے تین بچے تھے۔ لڑکا پندرہ برس کا تھا۔ لڑکیوں میں سال بھر کی بڑائی چھٹائی تھی۔ لڑکیوں کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتی اور کہا کرتی کہ وہ چکی کے پاٹ کی طرح ہمیشہ بھوک کی چکی میں پستی ہیں۔ لڑکے سے بھی وہ نالاں تھی کیونکہ وہ محنت مزدوری نہیں کرتا تھا اور لڑکے کو یہ شکایت تھی کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی اس کو 'کام' نہیں ملتا تھا۔ 'کام' کے لفظ نے بڈھے فقیر کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ "کام" اس نے کہا "کیا تو ان لڑکوں کی طرح بننا چاہتا ہے جو بنگلے کے پیچھے بنے گھروں میں رہتے ہیں اور کبھی کبھار میری طرف پیسہ دو پیسہ پھینک دیتے ہیں۔ نکل سور کے بچے! بھیک مانگ جا کر۔۔۔۔ چوری کر جا کے ڈاکہ مار مگر جب تک ہم لوگوں کے واسطے روٹی نہ لے گھر کے اندر قدم مت رکھیو۔ تین کی دوزخ بھرنا ہی دوبھر ہے ---- اب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ دور ہو۔"

ادھر سے بیٹھے بٹھائے بڑھیا نے کہہ سن کر لڑکے کو رات بھر کی مہلت دلا دی۔ ادھر بیچاری لڑکیوں کا اور بھی برا حال تھا۔ ان کی آنکھیں پھولی ہوئی تھیں۔ وہ برابر رو رہی تھیں یہاں تک کہ نیند نے ان کو کچھ دیر کے لئے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔ لڑکا غریب نیند سے بھی محروم رہا۔ چاروں طرف رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"نکل گھر سے۔ رات کی بات بھول نہ جانا۔ خالی ہاتھ مت لوٹیو۔۔۔ (اکڑی ہوئی کلائی کو سنبھالتے ہوئے) سالا پولیس والا۔"

سویرے سویرے بیچارے راج کا ان لفظوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ پہلے تو وہ جھجکا مگر آخر ہمت کر کے جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔ اس کی بہنوں کا دل بھر آیا اور معصوم بچوں کی طرح ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے لیکن باپ کے ڈر سے وہ کھل کر رو بھی نہ سکتی تھیں۔ ماں سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔ لیکن آخر کار بڑی لڑکی سے نہ رہا گیا اور وہ چیخ کر اپنے بھائی سے چمٹ گئی اور اس کو روکنے لگی۔ باپ نے اس وقت اس کو کوئی بات نہ کہی تھی لیکن وہ اس کو ہمیشہ سخت اور بے رحم انسان خیال کرتی تھی۔ اس دنیا میں اس کا تنہا ساتھی اس کا بھائی تھا وہ ہی ایک ایسا آدمی تھا جو اس کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں اس سے ہمدردی کرتا تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی اس سے جدا نہ ہو سکتی تھی۔ "چل ادھر کتیا! مار کے ڈال دوں گا ---- جانے دے اس کو۔" بڈھے فقیر نے ڈانٹا لیکن لڑکی نے کوئی دھیان نہ دیا۔ جہاں وہ روز مار کھاتی تھی وہاں آج بھائی کے لئے سہی، چار لات گھونسے اور سہی۔ بڈھا آگے بڑھا اور اس کو کھینچ کر الگ کر دیا مگر وہ پھر دوڑ کر راج سے لپٹ گئی۔ اس وقت اس کو مار گالی کی رتی بھر پرواہ نہ تھی۔ بڈھا پھر گرجا۔

"منحوس! ایک تو خود کچھ نہیں کرتی اور دوسرے اپنے بدنصیب نکھٹو بھائی کو بھی کمائی کرنے سے روکتی ہے۔ لوٹنا ہے تو لوٹ آ ورنہ تو بھی نکل جا۔ چھوڑتی ہے اس کو یا تجھے بھی نکال باہر کروں۔" بھائی بہن دونوں جھونپڑے سے باہر چلے آئے۔ "چلو کم سے کم دو سے تو نجات ملی۔" بڈھے فقیر نے کہا۔ اور جھونپڑے میں پھر پہلے جیسی خاموشی چھا گئی۔

راج اور اس کی بہن ایسے وقت گلی میں داخل ہوئے جب تمام کاروباری آدمی اپنے اپنے کام پر جا رہے تھے۔ گلی میں آمد و رفت کا تانتا بندھا تھا۔ آتے جاتے آدمی اکثر اس معصوم جوڑے کو دیکھتے۔ دونوں شکل صورت میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے البتہ جنسی اعتبار سے لڑکی میں ایک نرالا جادو نظر آتا تھا۔ پھٹے پرانے چیتھڑوں کے باوجود بھی اس کی جوانی پھوٹی نکلتی تھی۔ اس کو دیکھ کر راہگیروں کو ترس آتا۔ لیکن ان کے پاس پیسہ نہ تھا جو اس کی مدد کرتے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں بھائی بہن بھیک مانگتے بھی نہ تھے۔ سارا دن گزر گیا۔ بھوک کے مارے ان کی بری حالت تھی ان کو کسی نہ کسی طرح روٹی حاصل کرنا تھی۔ تمام دن وہ طرح طرح کی ترکیبیں سوچتے رہے تھے لیکن اب کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔

"راج! تم کو کوئی نہ کوئی جگہ تو معلوم ہی ہو گی جہاں ہمیں روٹی مل سکے" لڑکی نے کہا۔

"میں نے ایسی جگہ ضرور دیکھا تھا لیکن تم نے خود ہی دیکھ لیا کہ جہاں کہیں میں گیا وہاں سے نکال باہر کیا گیا۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"کیا کوئی ذہن ایسا نہیں جو ہم کو آج کی رات کھانے کو روٹی اور پڑ رہنے کو جگہ دیدے؟ چلو ڈھونڈھ دیکھیں۔ اس میں نقصان ہی کیا ہے؟ تم نے اس کا ابھی تک تجربہ کر کے کیوں نہیں دیکھا؟"

راج کو اس کا جواب دینے اچھا نہیں معلوم ہوا۔ اس کے دل میں خیال بسا ہوا تھا کہ امیر ہم لوگوں سے نفرت کریں گے۔ اسے وہاں کے آدمیوں اور کتوں سے ڈر لگتا تھا۔ اب اندھیرا ہو چلا ہے۔ میں تم کو کہاں رکھوں گا۔ ہم کہاں سوئیں گے؟ اب پتہ چلا کہ بابا پر ہر وقت کیوں غصہ سوار رہتا ہے۔

"راج آؤ۔ کسی امیر سے چل کر سوال کریں۔ ایسے خیالوں سے کوئی فائدہ نہیں کرو، ہم کو نکال دیں گے۔ ہم نے کبھی تجربہ بھی نہیں کیا۔ کل سے ہم بھیک مانگیں گے۔ تم اس کے خلاف کیوں ہو؟ ہم کو یہ تو کرنا ہی ہے۔ کب تک بھوکے پڑے رہیں۔"

وہ چلتے چلتے۔ آخر ایک بڑی عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ اندھیرا چھا گیا تھا یہ لوگ آہنی پھاٹک کے پاس گئے۔ کیا اس پر قفل چڑھا ہے؟ لڑکی نے اس کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ وہ دونوں روش پر چلے جس کے دونوں طرف سرو کے درخت تھے۔

وہ جا سکتے تھے کہ ان کے پیروں تلے اس کے کنکروں سے کوئی آواز نہ پیدا ہو کیونکہ اس سے ڈر تھا کہ شاید کوئی جاگ پڑے۔

جب دونوں برساتی کے قریب پہنچے تو کسی آدمی کی چاپ سنائی پڑی۔ یہ سہم کر رک گئے۔ مدھم روشنی میں ایک آدمی ادھر آتا نظر پڑا۔ وہ ٹھہر گیا۔ سال کے سال گزر گئے جب سے اس کے گھر میں کوئی بھلا انس نہیں آیا تھا پھر وہ برس کا خیال کر کے اسکو ہنسی آ گئی۔ وہ بھول گیا کہ یہ بچے ہیں۔ یا یہ وہ چیتھڑے پہنے ہیں۔ لٹا یا کھانا کھلا دینے کا شوق ہی اس کی زندگی کا ایک فرض تھا۔ ماقعہ یہ تھا کہ اس وقت اسے کسی عورت کا انتظار تھا۔ اس نے خیال کیا کہ وہی کسی کو ساتھ لیکر آئی ہوگی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا۔ ہاں لڑکی تو ضرور ہے۔ لیکن نہ تو وہ ہے اور نہ اس قطع کی جس کا کہ اسے انتظار تھا۔

"تم کیوں آئے ہو؟"

لڑکے کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکلا۔ تب آدمی نے ملائمت سے پوچھا

"میں تمہارا کیا کام کر سکتا ہوں؟"

"ہم بھوکے ہیں۔"

"ارے۔ یہ تو مجھے سمجھ جانا چاہیئے تھا۔"

کیا وہ نکالنے کا ارادہ کر رہا تھا؟ کیا راج کا خیال ٹھیک تھا؟ راج کی بہن کے پیٹ میں جو جلن تھی۔ اس نے اسے ہوش میں رہنے دیا۔ اس نے فوراً یہ کہہ ڈالا

"ہماری خبر لیجئے۔ ہم لوگ دو دن کے بھوکے ہیں۔ آپ کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جو کام آپ لیں گے ہم کر دیں گے۔ ہم کو کھانا دیجئے۔"

اس کے آنسو بہ نکلے۔ اس کے لمبے بال ہوا کے ایک جھونکے سے اڑ نکلے۔ اس کا چہرہ بھولے پن کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اپنی زندگی بھر یہ آدمی ایسا انسان سے نہیں ملا تھا۔ اس کے دل میں ایک تمنا تھی کہ کسی آدمی سے ملوں۔ لیکن جن سے ملا سب لالچی، بناوٹی، اوچھے اور غرض کے بندے تھے۔ لیکن یہ کچھ اور ہی لوگ نکلے۔ اس کو ترس آ گیا۔ لیکن تنہا ترس نہیں، جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں ایسی چیزوں کی گنجائش کہاں۔ زمانہ نے ہمیشہ اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا تھا وہ کیوں ان کے ساتھ بلا وجہ نیکی کرتا۔ ہر چیز کسی کام میں آنا چاہئے۔ ان جیسوں سے بھی کچھ کام نکلنا چاہئے۔ لڑکی رو رہی تھی۔

"اگر تم ہم کو نکال دو گے تو ہم مر جائیں گے۔ میرے بھائی نے مزدوری ڈھونڈی لیکن کہیں کوئی کام نہیں ملا۔ اب تم ہی ہماری آخری آس ہو۔ ہم تمہارے غلام ہو جائیں گے۔ یہ نہ کہو کہ ہم کو باہر نکال دو گے۔ ہمارے ماں باپ اب ہم کو نہیں رکھ سکتے۔"

جنونی کے شہوانی ہونٹوں پر ایک لہر سی آ گئی۔ اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ ایسی عورتوں کی صورت ہی کیا ہوتی ہے۔

"تم کو میں کھانا دوں گا۔ اندر آؤ۔ اور رات کو تم کو یہاں سونے کو بھی مل جائے گا۔"

"غریب بچو۔ تمہاری عمر ہی کیا ہوگی۔ تمہارے ماں باپ نے تمہارے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کیا؟"

لڑکی نے ان باتوں کا جواب دیا اور اپنی چھوٹی سی کہانی سنا دی۔ اسے اس کی بڑی ڈھارس ہو گئی کہ ایک مصیبت بھرے دن کے بعد تو ہمیں مل جاویگا۔ راج کچھ نہیں بولا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ میری بہن کے آنسوؤں سے آدمی پگھل گیا۔ جبکہ میری خوشامدوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اسے خیال تھا کہ یہ آدمی ہم کو کوئی کام دے گا۔ ان کی مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس نے اس بات کا خیال نہیں کیا، یا یہ کہ اس خیال کو دبا لیا کہ جہاں میری خوشامد بیکار گئیں۔ میری بہن کامیاب ہو گئی۔ اس کے دل میں بہن کی محبت تھی، اور اپنے "داتا" کی احسان مندی

کھانا ایسا تھا جو شیخ چلی والے منصوبوں میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ایسی چیزیں انھوں نے دیکھی بھی نہیں۔ انھوں نے خونی رنگ کا پانی کبھی پیا بھی نہیں تھا۔ میزبان میٹھا ان کو دیکھ رہا تھا۔ راج نے دیکھا کہ نیا دوست اس کی آنکھیں، اس کی بہن پر جمی رہتی ہیں۔ اسے ایک چھنی سی ہوتی۔ کیوں یہ بات کی؟ یہ ٹھیک نہیں تھا۔ کوئی اور بات تھی اس نے طے کر لیا کہ پریشان ہونا بیکار ہے۔ کھانا بہت عمدہ تھا۔ میزبان بڑی ملائمت سے باتیں کر رہا تھا، تو ہم کو جلدی نہیں جانا پڑے گا۔ اس میں کوئی ڈر نہیں ہے۔ دونوں کی مردہ طبیعتوں میں جان پڑ گئی۔

ایک بڑا سا کمرہ دونوں کو رہنے کو ملا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خواب دیکھ رہے ہیں دو بڑے آرام دہ بستر لگے تھے۔ بدن کو اس پر بڑا آرام ملا۔ اب دونوں اکیلے تھے۔

"دیکھو راج میں نے کہا تھا کہ تم نے کسی اچھے گھر میں کوشش نہیں کی۔ یہ آدمی باپ کی طرح خیال کر رہا ہے۔ اور وہ زیادہ بوڑھا بھی نہیں ہے۔ اب صبح ہم کو مارے مارے پھرنا نہیں پڑے گا۔ اب سو رہیں۔ معلوم ہوتا ہے جنت میں ہیں۔"

"تم سچ کہتی تھیں۔ میری بیوقوفی تھی جو ڈرتا تھا۔ مجھے بہت پہلے یہاں آنا چاہئے تھا۔ تب شاید باپ ہم کو نہ نکال دیتا۔"

اسے کیا معلوم کہ اگر وہ پہلے آتا تو مار کر نکال دیا جاتا۔ کیوں نہ نکالا جاتا؟ اب ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ دنیا کیا ہے؟ لیکن یہ ضرور تھا کہ جو خیال اسے کھانے پر آیا تھا۔ پھر آ گیا۔ کیا حماقت۔ کوئی ڈر کی بات نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک پتہ چل جاتا۔ وہ یہی خیال لے کر سو رہا۔ اور عجیب عجیب خواب دیکھنے لگا۔

ایک دو گھنٹہ میں دونوں غافل ہو گئے۔ لڑکی بڑی میٹھی نیند سو رہی تھی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

بیرون

ہندستان کے باہر

چین اور جاپان

۲۶ اپریل۔ ایک چینی ذمہ دار افسر کا بیان ہے کہ شمالی شنگ کی لڑائی کا جس میں تقریباً ۱۰ لاکھ چینی سپاہ موجود ہے فیصلہ ۵ روز میں ہو جائیگا۔ اس نے پورے بھروسے کے ساتھ کہا کہ چینی فوج جاپانیوں کے حملوں کو جو وہ بڑی کوشش سے شمالی ریلوے کے مشرق اور مغرب میں کر رہے ہیں، آسانی سے روک سکے گی۔ جاپانیوں کے بے در پے ناکام حملوں سے پتہ چلتا ہے کہ انکی حملہ کرنے کی طاقت میں کیسی کمی ہو گئی ہے انکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ مہینوں سے لڑ رہے ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انکو ایک سو پچاس میل کا فاصلہ طے کر کے لشی یان تو سے پھیل آنا پڑا، کیونکہ چینیوں نے گوریلا لڑائی کر کے ریلوں اور سڑکوں کو توڑ دیا۔

چینیوں کا بیان ہے کہ تمام جاپانی دستے چینیوں کو ہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایک دستہ پیہو چاؤ سے بالیس میل۔ سوشین کے قریب پہونچ گیا ہے۔ دوسرا دستہ مشرق کی طرف بڑی نہر کے بہاؤ پر بڑھ رہا ہے۔ تیسرا دستہ بڑی نہر تنشن سے پیکاؤ ریلوے کے درمیان دیوار بنانے میں لگا ہے۔ چوتھا دستہ جو لانگ شی کے شمال میں بڑھ رہا ہے جو چند ہفتے ہوئے اترا تھا، اس نے ینگ چانگ جو سے چاؤ سے ۔ ۹ میل پر ہے فتح کر لیا ہے۔

برطانوی جہاز جاپان کی حراست میں۔ ۲۷ اپریل۔ شنگھائی۔ ایک برطانوی جہاز کو جو ریڈ ناسی کو جاپانی فوجی افسروں نے ویہا ہانگ شی میں روک لیا۔ جاپانی فوجیوں نے اس پر چڑھائی کر کے قبضہ میں کر لیا۔ اس میں بہت سے چینی ملاح زخمی بھی ہو گئے۔ پھر جہاز کو جاپان اپنے بحری اسٹیشن پر جو ٹنگ شنگ پر ہے لے گئے، وہاں اسکی تلاشی لی گئی۔ مالکوں نے پہلے سے کہا تھا کہ اس میں صرف تجارتی سامان ہے۔ کسی قسم کے اسلحہ نہیں ہیں۔

جاپانی افسروں نے جہاز کی رہائی کا حکم دیدیا۔ برطانوی افسروں نے کل صبح جاپانی حکام جاپان کو وقت دیا ہے کہ وہ اس جہاز کو رہا کر دے۔

۲۸ اپریل۔ جہاز رہا کر دیا گیا۔

آئرستان اور برطانیہ میں معاہدہ برطانیہ اور آئرستان کی بات چیت کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ اور دونوں ملکوں میں سمجھوتا ہو گیا۔ سمجھوتے کی شرائط یہ ہیں۔

دونوں ملکوں کے ایک دوسرے پر مالی مطالبات تھے۔ اسکو ختم کر دینے کیلئے آئرستان انگلستان کو ایک لاکھ پونڈ ادا کرے گا۔ اور انگلستان کو جو دسمبر ۱۹۳۲ء کے سمجھوتے سے گھاٹا ہوا ہے، اسکو پورا کرنے کے لئے پچیس لاکھ سالانہ آئرستان ادا کرتا رہیگا۔

آئرستان میں انگلستانی تجارت پر اور انگلستان میں آئرستانی تجارت پر جتنی بندشیں عائد ہیں سب ختم کر دی جائیں گی۔

انگلستان میں آئرستان کی بنی ہوئی چیزوں پر کوئی خاص ٹیکس نہیں لگایا جائیگا صرف غلہ ایک خاص مقدار سے زیادہ نہیں جا سکے گا۔

آئرستان نے بہت سی انگریزی تجارتی چیزوں کی پوری آزادی دیدی ہے اور ان پر جو ٹیکس لگایا جاتا ہے اسکو اتنا کم کر دیا جائیگا کہ انگریزی سامان آئرستانی سامان کے مقابلہ میں بک سکے۔ لیکن آئرستان کی صنعت کا بھی خیال رکھا جائے گا خاصکر ان صنعتوں کا جو ابھی تک مضبوط نہیں ہوئی ہیں۔ تجارتی معاہدہ تین سال کے لئے کیا گیا ہے۔ اگر درمیان میں کوئی ملک اسکو توڑنا چاہے تو اسے چھ ہفتہ پہلے نوٹس دینا ہوگا۔

فوجی معاملات میں کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ مگر قیاس ہے کہ یہ باتیں آپس میں طے پا گئی ہیں وہ یہ کہ آئرستان اپنی حفاظت خود کرے گا۔ دونوں ملکوں میں تجارتی معاہدہ کے ختم ہو جانے سے آئرستان کو بیس لاکھ پونڈ سالانہ کی بچت ہوگی، جو اس فوجی مد میں خرچ کیا جائے گا۔ اور انگلستان اب تک آئرستان کے جن ساحلی مقامات پر قابض ہے، انکو خالی کر دے گا۔ لیکن اگر لڑائی چھڑ گئی تو آئرستان کے ساحلی مقاموں کو برطانیہ اپنے تصرف میں لا سکے گی۔

آئرستان کی تقسیم کا مسئلہ زیر بحث نہیں آیا۔ آئرستان والوں کو امید ہے کہ یہ مسئلہ آئندہ کی بات چیت سے طے ہو جائے گا۔

آسٹریا جرمنی میں جذب

ہر ہٹلر نے ہر برکل کو جرمنی پارلیمنٹ کی طرف سے اس بات کا پارہ دیا ہے کہ سال بھر کے اندر اندر آسٹریا سیاسی، اقتصادی اور کلچر کی حیثیت سے جرمنی میں جذب کر دیا جائے۔

انگلستان کی ہوائی طاقت میں اضافہ

۲۶ اپریل۔ لارڈ ونٹرٹن نے پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ماہرین کی ایک جماعت کناڈا اور متحدہ امریکہ اس بات کی تحقیق کے لئے بھیجی گئی ہے کہ وہاں کس کس قسم کے اچھے ہوائی جہاز تیار ہو سکتے ہیں۔

۲۶ اپریل۔ خبر ہے کہ برطانوی اسلحہ میں اور زیادتی کی جائے گی۔ ہوائی وزارت کا ارادہ ہے کہ دو سال کے اندر ہوائی جہاز کی تیاری کی تعداد دگنی کر دیں۔

امریکہ کے اسلحہ میں اضافہ

صدر روزولٹ نے کانگریس سے خواہش کی ہے کہ وہ جہازوں کی تیاری کے لئے پچاس لاکھ ڈالر کی منظوری دیدے۔ اب تک دو جہاز تیار ہو چکے ہیں اور دو نئے جہازوں کی تیاری کا انتظام ہو رہا ہے۔ سب ملا کر چھ جنگی جہاز ہوتے ہیں، جنکی قوت بڑے جہازوں سے بہت زیادہ ہوگی۔

چیکوسلاویکیہ کا حشر

سوڈیٹن جرمن پارٹی کی کانفرنس میں ہر ہٹلر نے جنگی تیاریاں ہیں ۵ لاکھ چیکوسلاویکیا کے جرمن ہیں اپنی پارٹی کے مطالبات بناکر چیکوسلاویکیا کی حکومت کے سامنے پیش کر دئے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ ہماری پارٹی نازی پارٹی کے اصولوں کو پسند کرتی ہے اور اس پر عمل بھی کرے گی۔

اگر چیکوسلاویکیا کو جرمن اور جرمنی پارلیمنٹ سے صلح رکھنا ہے تو اسکو جرمنی کے دشمنوں سے میل جول بند کر دینا چاہئے۔ ۲۰ سال ہوکر حکومت نے اپنے میں ملانا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوسکی۔

مطالبہ یہ ہے کہ چیکوسلاویکیا کے جرمنوں کو وہی حقوق ملیں جو وہاں کے باشندوں کو حاصل ہیں۔ اور سوڈیٹن پارٹی کو باقاعدہ سیاسی جماعت تسلیم کیا جائے۔

لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہم لڑائی نہیں چاہتے۔ لیکن اس حالت کو بھی پسند نہیں کرسکتے جو ہمارے لئے لڑائی سے بدتر ہے۔

فرانس اور برطانیہ میں بات چیت

۲۷ اپریل۔ لندن۔ کل جو فرانس و برطانیہ میں بات چیت ہونے والی ہے اس پر خوب پیشگوئیاں ہو رہی ہیں جو مسٹر ایم ڈلاڈیر، ایم بونٹ، مسٹر چیمبرلین اور لارڈ ہیلی فاکس کے درمیان چھڑیں گے وہ کافی وسیع ہوں گے۔ جس میں چیکوسلاویکیا کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہوگا۔ چیکوسلاویکیا کے وزیر نے مسٹر چیمبرلین سے ملاقات کی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے بتایا ہے کہ ہر ہٹلر کے مطالبات کو چیکوسلاویکیہ کہاں تک پورا کرسکتا ہے۔

۲۸ اپریل لندن۔ قیاس ہے کہ فرانس اور برطانیہ جنگی حالات میں، ایک دوسرے سے اتحاد عمل کے لئے تیار ہیں۔ خاصکر ہوائی طاقت، رسد اور جنگی مال کی فراہمی میں۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ طے پاگیا ہے کہ فرانس کے بیرونی مورچے انگریزی ہوائی طاقت کے تصرف میں لائے جائیں گے۔

فرانس نے برطانیہ اور اٹلی کی صلح کو پسند کیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ اٹلی اور فرانس کی بات چیت قریب ختم کے ہے۔ شاید ۱۵ مئی تک روم میں ایک سفیر مقرر کر دیا جائے۔ چیکوسلاویکیا نے ان دونوں ملکوں کو خبردار کر دیا ہے کہ لڑائی کا سخت خطرہ ہے۔

ہندستان

یو۔ پی اسمبلی

۲۶ اپریل کو اسمبلی میں کورٹ فیس ترمیمی بل پر بحث جاری رہی۔ مسٹر محمد اسحاق خاں نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے انصاف کی قیمت بہت مہنگی ہو جائے گی اور اس سے امیر و غریب دونوں کا نقصان ہوگا۔ وزیر عدل و انصاف نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ بل صرف ... کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔ اس دوران میں جو تجربہ ہوگا اسکے مطابق ترمیم (منسوخ) ہوسکے گی۔ زمینداروں کی جائداد کے تخمینہ کے متعلق مخالف پارٹی کو جو شکایتیں تھیں اسکے لئے مناسب ترمیم کر دی گئی ہے۔ بعض مقدموں میں عدالت کا وقت بہت صرف ہوتا ہے لیکن فیس کم ملتی ہے اس وجہ سے کورٹ فیس بڑھانے کی ضرورت ہے۔ وراثت کی سرٹیفکٹ کے لئے فیس جان بوجھکر بڑھائی گئی ہے کیونکہ جو لوگ وراثت کا سرٹیفکٹ لینگے وہ کورٹ فیس بھی ادا کر سکیں گے۔ اس طرح یہ فیس موت پر ایک قسم کے ٹیکس کا کام کرے گی۔ ووٹ پڑنے پر بل پاس ہو گیا۔ اسکے بعد ممالک متحدہ قانون مالگذاری ۱۹۰۱ء سے ترمیمی بل پر کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی، تمام دفعات بغیر کسی بحث کے پاس ہوگئیں اور تیسری ریڈنگ بھی ہو گئی — وزیر عدل و انصاف نے زچگی کے بل پر سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پیش کی۔ مسٹر سوٹر نمائندہ اپر انڈیا چیمبر آف کامرس نے دھمکی دی کہ اگر یہ بل مل مالکوں پر زبردستی لادا گیا تو جن عورتوں کے فائدے کے لئے یہ بنایا جا رہا ہے انھی کو اس سے نقصان ہوگا۔ اگر مل مالکوں کو محسوس ہوا کہ وہ اس مزید صرفہ کو برداشت نہیں کرسکتے تو وہ مزدور عورتیں رکھنا بند کر دیں گے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسا قانون بنائے جس میں مل مالکوں اور مزدوروں دونوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ ہوسکے۔ مسٹر محمد اسحاق خاں نے بل کی حمایت کی اور کہا کہ اسکو میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بھی رائج کر دیا جائے۔ سر مہاراج سنگھ نے ترمیم پیش کی کہ زچہ عورتوں کا معاوضہ ۸ روپیہ پر مقرر کیا جائے بجائے ان کی روزانہ مزدوری کے اوسط کے برابر رکھا جائے۔ مسٹر سوٹر اور مسٹر وائٹ فورڈ نے اسکی تائید کی۔ آنریبل ڈاکٹر کاٹجو نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے بذات خود کانپور کی فیکٹریوں میں حالات دیکھے ہیں۔ کارخانوں میں زیادہ تر عورتیں ادھیڑ عمر کی ہوتی ہیں اور زچگی کی عمر سے نکل چکی ہوتی ہیں اسلئے خیال ہے کہ بہت سی زیادہ عورتوں کو اس قسم کا معاوضہ دینے کی نوبت نہ آئے گی۔ سر مہاراج سنگھ کی ترمیم کی بابت انھوں نے کہا کہ زچگی کے زمانہ میں اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ انھوں نے ترمیم کے محرک سے مخاطب ہوکر کہا کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق روپیہ کو نہ دیکھیں بلکہ انسانی رخ کی طرف نظر کریں۔ مسٹر پی کے کرجی نے ایوان کو مزدور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کی جانب توجہ دلائی جس میں کم سے کم تنخواہ ۱۵ روپیہ ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ مسٹر سوٹر نے کئی اور ترمیمیں پیش کیں لیکن سب رد ہوگئیں۔ اسکے بعد بقیہ دفعات بغیر کسی بحث مباحثہ کے پاس ہوگئیں۔

۲۷ تاریخ کو زچگی میں معاوضہ کے بل کی مخالفت کرتے ہوئے مسٹر سوٹر نے شکایت کی کہ حکومت ملوں پر تو یہ قانون لا د رہی ہے لیکن اپنے سرکاری محکموں میں اس قسم کی کوئی اصلاح نہیں کرتی۔ آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت نے اسکے جواب میں بتایا کہ حکومت نے تمام کمشنروں کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا ہے کہ وہ ساری میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو ہدایت کر دیں کہ ہر جگہ مہتر ... عورتوں کو زچگی کے زمانہ میں معاوضہ ملنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ فی الحال ایک کمیٹی لوکل بورڈوں کے قانون کی ترمیموں پر غور کر رہی ہے اور جب اس کی سفارشیں پیش ہوں گی تو مسٹر سوٹر کی تجاویز کا بھی خیال کیا جائے گا۔ بل پاس ہو گیا۔ دوپہر کے بعد کی نشست میں وزیر مال نے تحریک کی کہ صوبہ متحدہ کا قبضۂ آراضی کا بل ایک سلیکٹ کمیٹی میں دیدیا جائے۔ بل کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اسکا مقصد زمینداری نظام میں کوئی انقلابی تبدیلیاں کرنا نہیں ہے۔ سیر کی بابت آنریبل وزیر نے بتایا کہ زمینداروں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں طرح طرح کے قانون بناکر سیر میں

۳۱ لاکھ ایکڑ کا اضافہ کر لیا ہے۔ زمینداروں کی کل تعداد ۳۲۳۲۷۶۱۵۲ ہے جنمیں سے ۵۰۰،۱۰۰،۰۰۰ ایسے ہیں جو ۱۰۰ روپیہ سے زیادہ کے مالگزار نہیں ہیں۔ ان لوگوں کی سمجھ پہ اس قانون کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ قانون تو صرف ۱۵۸۰۰۰ ایکڑ سیر پر عائد ہوگا۔ اس طرح حقیقت میں یہ بل بہت اعتدال پسند ہے ورنہ حکومت زمینداروں سے وہ تمام زمینیں نکال سکتی تھی جن پر انھوں نے اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کے مطابق قبضہ جما رکھا ہے۔

چودھری خلیق الزماں لیڈر مسلم لیگ پارٹی نے کہا "جتنے قانون ابھی تک اس ایوان میں پیش ہوئے ہیں موجودہ بل ان سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک ایسا مجمل خاکہ ہے جس پر تفصیل کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اسی پر نہ صرف کاشتکار طبقہ کے بلکہ سارے صوبہ کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ حالانکہ حکومت کی تجاویز کچھ عرصہ سے معلوم ہیں لیکن یہ بل ابھی حال ہی میں پیش ہوا ہے اور مفصلات میں جانچ کے لئے مناسب موقع نہیں ہے۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب کاشتکار اور زمیندار کے تعلقات کی پھر سے ترتیب اور وضاحت کیجائے۔ یہ بات بھی عام طور پر مان لی جائے گی کہ ملک کی موجودہ اقتصادی حالت کا تقاضا ہے کہ کسانوں کو کسی نہ کسی طرح کی امداد دیجائے۔ حالانکہ ہمیں آنریبل وزیر کے بعض اعداد و شمار اور نتائج سے اختلاف رائے ہے لیکن پھر بھی میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ابھی چونکہ معزز ممبران کو بل پر غور کرنے کا کافی موقعہ نہیں ملا ہے اسلئے ایسی حالت میں کوئی تفصیلی بحث مناسب نہیں ہوگی۔

ہم جانتے ہیں کہ وزراء اور سرکاری حکام ایسے ایسے مشکل مسئلوں پر جن پر عوام کی بہبودی کا دار و مدار ہے کافی اور اچھی طرح غور کر رہے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ موجودہ بل ایک بہت بڑے سلسلہ کی صرف ایک کڑی ہے اور عنقریب قرض کے بارے میں بھی ایک بل پیش کیا جانے والا ہے۔ ان تمام تدابیر کے متعلق مختلف جماعتوں کے الگ الگ خیال ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک نمائندہ کمیٹی مقرر کیجائے جسکے ممبر ایسے لوگ ہوں جو تعاون اور رواداری کے ساتھ ان مسائل پر پوری طرح چھان بین کر سکیں جو دوسروں کو اپنی بحث سے قائل کر سکیں اور خود بھی قائل ہونے کیلئے تیار ہوں۔ ان الفاظ کے ساتھ میں بل کو سلیکٹ کمیٹی میں دیے جانے کی تائید کرتا ہوں۔"

نواب چھتاری نے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر کی تائید کی۔ راجہ جگن ناتھ بخش سنگھ (نمائندہ انجمن تعلقداران) نے بل کے اصولوں سے اختلاف رائے ظاہر کیا اور کہا کہ زمینداروں کو پورے مالکانہ حقوق کی سندیں مل چکی ہیں اور جب کبھی قانون قبضہ داری میں ترمیم کی گئی تو اسکے لئے تعلقداروں کی منظوری لے لی گئی۔ لیکن موجودہ حکومت ان کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کرتی اور اس بل کے ذریعہ زمینداروں سے انکی جائدادیں بغیر کسی معاوضہ کے لے لینا چاہتی ہے۔ سر محمد یوسف نے کہا وہ ایسے فرقہ کے نمائندہ ہیں جس میں زیادہ تر کاشتکار رہتے ہیں۔ انھوں نے بل کی حمایت کی لیکن سیر میں کاشتکاروں کو موروثی حقوق دئے جانے کی مخالفت کی۔ خانبہادر مولوی فصیح الدین نے تجویز کیا کہ بل رائے عامہ کیلئے مشتہر کر دیا جائے۔ وزیر مال نے کہا کہ گذشتہ دو دن سے پہلے کوئی کہتا کہ سارا ایوان اس بل کے اصولوں سے اتفاق کرے گا تو شاید انکو یقین نہ آتا۔ مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر نے بل کے اصولوں سے اتفاق کیا ہے نواب چھتاری نے بھی کوئی شدید مخالفت نہیں کی۔ مولوی فصیح الدین صاحب نے بل کے مشتہر کئے جانے کی تحریک کی ہے۔ انکی خواہش ہے کہ کسان زمین سے کافی عرصے تک ایک سستی زندگی نہ پا سکے۔ راجہ جگن ناتھ بخش سنگھ نے تعلقداروں کی سندوں کا ذکر کیا اسکے بارے میں آنریبل وزیر مال نے سر ہارکورٹ بٹلر کی ایک تقریر کا حوالہ دیا جسمیں انھوں نے کہا تھا کہ زمینی اصلاحات کے لئے تعلقداروں کی منظوری کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

نواب چھتاری نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انکو بل کے اصولوں سے اتفاق نہیں ہے۔ وزیر اعظم نے بتایا کہ سوائے حکومت کے ممبروں کے اور کوئی ممبر کسی تقریر کا پابند نہیں رہتا۔

اسپر مولوی فصیح الدین نے اپنی تحریک واپس لے لی اور بل کو سلیکٹ کمیٹی میں دئے جانے کی تحریک پاس ہو گئی۔ اجلاس غیر معین وقت کیلئے ملتوی ہو گیا۔

مئی ڈے — یکم مئی کی صبح کو مئی ڈے منانے کے لئے مسٹر شیو شرما کی زیر صدارت کمنو پیپر ملز کے مزدوروں کا ایک جلسہ ہوا جس میں مئی ڈے کی اہمیت پر کئی تقریریں ہوئیں اور یہ تجاویز پاس کی گئیں۔

۱۔ مزدوروں کا یہ جلسہ کامریڈ کیلاش ناتھ ورما کی بے وقت موت پر اظہار افسوس کرتا ہے اور اسکو مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کی تحریک کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان خیال کرتا ہے۔ یہ جلسہ مرحوم کے اعزا کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ مزدوروں کا یہ جلسہ فیڈریشن کی سخت مخالفت کرتا ہے اور اسکی رائے میں برطانوی سامراج فیڈریشن کے ذریعہ ہندستانیوں کی مکمل آزادی کیلئے بڑھتی ہوئی انقلابی تحریک کو دبانا اور کچلنا چاہتا ہے۔ اس جلسہ کی رائے ہے کہ اگر فیڈریشن کو زبردستی نافذ کرنے کی کوشش کیجائے تو مزدوروں کی عام ہڑتال کیجائے اور سارے ملک میں لگان بندی کی تحریک شروع کر دی جائے۔

شام کے وقت ریلوے کے مزدوروں کا بھی ایسا ہی جلسہ ہوا اور اسی طرح کی قرار دادیں پاس ہوئیں۔

شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہونے کیوجہ سے مزدوروں کا مظاہرہ نہیں ہو سکا۔

میسور — پچھلے ہفتے ہم نے ریاست میسور کے ایک گاؤں میں قتل عام کی خبر شائع کی تھی۔ اب مزید اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ پولیس نے ۴ دفعہ گولی چلائی اور ۲۰ منٹ تک گولیوں کی بوچھار ہوتی رہی۔ جس سے کل ۳۲ آدمی جان سے مارے گئے جن میں ۶ برطانوی ہند کے باشندے بتائے جاتے ہیں۔ اس واقعہ کی وجہ سے ریاست کے شعبۂ سیاسیات کے ایک رکن مسٹر وینکٹا پاتا تیا نے استعفیٰ دیدیا ہے۔ ریاستی کانگریس کمیٹی کے صدر نے مہاتما گاندھی اور صدر کانگریس کو بذریعہ تار اس سانحہ کی اطلاع دی ہے اور ایک غیر جانبدار تحقیقات پر زور دیا ہے۔

واردھا۔ ۲۷ اپریل۔ مہادیو دیسائی نے تار پر اطلاع دی ہے کہ میسور کے سانحہ سے گاندھی جی کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔

۲۹ اپریل کو بنگلور کی ڈسٹرکٹ بورڈ نے اپنے جلسہ میں گولی چلنے پر اظہار افسوس کیا اور بطور احتجاج ایک دن کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ آل انڈیا طلبائی فیڈریشن نے

جنونہ کے طلبا کی ہڑتال میں ۵ مئی کو "میسور ڈے" مقرر کیا ہے۔

مہاتما گاندھی نے میسور کے واقعہ پر ایک بیان دیا جس میں انھوں نے ریاست کو صلاح دی ہے کہ وہ صرف ایک غیر جانبدار تحقیقات ہی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ جھگڑا ایک خاص اصول پر ہے اور جھنڈے کا قضیہ صرف اس کا ایک نشان ہے "میں تسلیم کرتا ہوں کہ میسور کے عوام میں اس قدر بیداری کی بالکل خبر نہ تھی۔ اور اب یہ بیداری دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ بیداری ریاست کے منتظمین کے لئے بھی خوشی کا باعث ہو گی۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ مہاراجہ اور ان کے مشیر کا مسئلہ کے لئے بہترین ترکیب یہ ہے کہ وہ ریاستی انتظام میں سے خود سری نکال کر اس کی ذمہ داری عوام کے ہاتھ میں دے دیں۔ اگر میسور میں امن قائم رکھنا ہے تو یہ ذمہ داری وسیع ترین پیمانہ پر ہونا چاہئے۔ کہا گیا ہے کہ ریاست کی حالت پست ہے اور اس لئے عوام کے ہاتھوں میں ذمہ داری رفتہ رفتہ دی جا سکتی ہے۔ میں اس اصول کا کبھی بھی حامی نہیں رہا۔ یہ تو ریاست کیلئے اور اچھائی کی بات ہے کیونکہ وہاں برطانوی ہند کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تیزی سے ترقی کی جا سکتی ہے۔ غیر جانبدار تحقیقات کو غیر ضروری بتلاتے ہوئے مہاتما گاندھی نے لکھا ہے۔ "اگر میں میسور کا باشندہ ہوتا تو میں ذاتی قائدوں پر کبھی زور نہ دیتا۔ میں ان قربانیوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا۔ اور یہ قربانیاں امداد علی غیر ارادی طور پر اسی مقصد کے لئے کی گئی ہیں"۔ آخر میں گاندھی جی نے عدم تشدد پر بہت زور رہا ہے۔

باقی صفحہ ۱۱

آہستہ سے دروازہ کھلا جب آدمی نے دروازہ کھولا تو اسے ایک کہانی یاد آگئی جوں ہی دروازہ کھولا گیا تھا۔ اسے ہنسی آگئی جیسے مشکل سے روک رہا تھا

وہ لڑکی کے چہرہ پر جھک پڑا۔ بڑی معصوم صورت تھی۔ ایک خیال اس کے دل میں تھا! اس دنیا میں کوئی چیز معصوم نہیں ہے۔ اس چہرہ کی معصومیت کا چھین لینا کتنا آسان ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ سوال یہ تھا کہ اسے کیسے اٹھایا جائے جو اس کا بھائی نہ جگ پڑے۔ اس نے آہستہ سے اس کی کہنی ہلائی۔ اسے خبر نہ ہوئی۔ اس نے ذرا زور سے ہلایا تو اس نے آنکھ کھول دی۔

"چپ۔ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ اپنے بھائی کو نہ جگاؤ۔ اسے آرام کرنے دو۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ ڈرو نہیں۔ سب ٹھیک ہے"

الفاظ نرم ہی نرم کہے تھے۔ لیکن وہ سمجھ گئی کہ آدمی کوئی کام لینا چاہتا ہو گا۔ مجھے جانا چاہئے۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔ راج کو سونے دو۔ اسے جگانے کی کیا ضرورت۔

لڑکی اپنے بستر سے نکلی۔ چاند کی ایک کرن نے اس کے جسم کو نہلا دیا۔ اس کے بال روشنی میں چمک اٹھے۔ پنجوں کے بل پر اس کمرے سے نکل کر آدمی کیسا تھ دوسرے کمرے میں آئی۔ آدھا مرحلہ طے ہو گیا۔ اس مرد نے دنیا کو اس لڑکی کی معصومیت سے نجات دلا دی۔

راج چیخ کر چونک پڑا۔ کیا اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا تب۔ قریب قریب بھول چکا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ بہن کیسی سو رہی ہے۔ وہ کہاں؟ اس نے بستر ٹٹولا۔ وہاں نہیں تھی۔ اب خواب یاد آیا۔ یاد کرتے ہی وہ دوڑ پڑا۔ اب دیکھا کہ دروازہ ابھی تک کھلا ہوا ہے۔ وہ باہر آیا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اسے ڈر لگا۔ اتنے میں ایک سسکی کی آواز سی۔ سسکی ہی ہے؟ اس نے چپ سادھ لی۔ پھر وہی آواز۔ غلام گردش میں وہ آگے بڑھا۔ اور آواز کی طرف چلا جو اس کمرے سے آتی تھی۔ میری بہن کی ہو گی۔ اسے کیا ہو گیا۔ اس نے دھکا دے کر دروازے کھول لے۔ کوئی آواز نہیں ہوتی۔ سناٹا تھا۔ صرف دبی ہوئی سسکیاں تھیں۔ اسے کچھ نہیں دکھائی دیا۔ کمرے میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا چاند پر بادل کا ایک ٹکڑا آگیا تھا۔ کچھ دیر کے لئے راج اندھا ہو گیا۔ آدمی کو کھٹکا ہوا کہ کوئی آیا ہے۔ اس نے روشنی کر دی۔ اب اس نے دیکھا کہ راج روشن دان کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ اس نے ایک مجنونانہ قہقہہ مارا۔ اس کے بستر میں راج کی بہن لیٹی ہوئی تھی۔ یہ تھا خواب۔ یہ تھا وہ ڈر۔ اب سب سمجھ گیا۔ اور اس کو جنون چڑھ آیا۔ آدمی کا قہقہہ سناٹے کو چیرتا رہا۔ بے اختیار راج کا ہاتھ دست پر جا پڑا، اور ایک ہی حملہ میں اس نے قہقہہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور پھر بیہوش جسم پر ٹوٹ پڑا اور اس کو برابر پیٹتا رہا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ پھر سناٹا ہو گیا لیکن چیخ کی آواز سن کر نوکر جاگ اٹھے اور یہاں دوڑ آئے۔ راج ان سب کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور پاگل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن قانون پاگلوں کی بھی خبر لے لیتا ہے۔ انصاف نے اس پیانو کی حربہ کر ہی دیا۔

لڑکی جھونپڑے کو واپس آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ تھا جسے دیکر عدالت نے اس کو بری کر دیا تھا۔ باپ باہر آیا۔ نوٹ کو جھپٹ کر پکڑ لیا۔ وہ تو اس کے لئے خزانہ تھا۔

پیاری لڑکی۔ لیکن یہ پایا کہاں سے؟

"یہ راج کی کمائی ہے"

میں سمجھتا تھا کہ اگر اسے چھوڑ دیا تو ضرور کما لے گا۔

ماں باہر آگئی تھی۔ اس نے پوچھا "راج کہاں ہے"؟

میں نہیں جانتی۔ کچھ آدمی جو لال پگڑی باندھے تھے، اسے لے گئے اور کہتے تھے کہ اب ہم اسے کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

(ترجمہ)

باقی صفحہ ۸

سے پہلے بیباق کر دیا جائے

(۲) ۱۳۴۶ فصلی اور ۱۳۴۷ فصلی کا لگان دستور کے مطابق ۴ قسطوں میں ادا کر دینے سے ہر فصل میں ایک چوتھائی بقایا کی رقم چھوٹتی جائے گی اور چاروں فصلوں کا لگان ادا ہو جانے پر کل بقایا چھوٹ جائے گی

ماتحت داروں اور انکم ٹیکس ادا کرنے والے کاشتکاروں پر یہ تجویز نہیں لاگو ہوں گی۔ ٹھیکیداروں کو کاشتکاروں کی چھوٹ کے تناسب سے معاوضہ ملیگا۔

گو یہ تجویزیں بہت دور رس ہیں لیکن زرعی اصلاحات کا اب بھی یہ خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ اس قانون کے بعد فوراً ہی آبادی۔ کھیتوں کو یکجا کرنا چراگاہ۔ دیہاتیوں کے حقوق اور اسی طرح کے دوسرے مفید داموں کے متعلق نئے قانون بنائے جائیں گے۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام چودھری عاصم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیرآباد لکھنؤ سے چھپوا کر نمبر ٦ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد نمبر ۲۰ | ۱۵ مئی سنہ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ سالانہ ۳ ہے

چین اور جاپان کی طاقتیں

صوبہ شنسنگ میں چینی فوجوں کی فتحوں نے ہانکاؤ کے رہنے والوں کا جوش بہت بڑھا دیا۔ ۵ اپریل کو ایک لاکھ چینیوں نے وہاں ایک جلوس نکالا۔ اور پھر پارکوں میں جلسے ہوئے۔ وہاں سے شنسنگ کے فوجی افسروں کے نام مبارکباد کے تار اور تحفے تحائف بھیجے گئے۔ سڑکیں اور راستے رات گئے تک بھرا ہوا رہے۔ اور لڑکیوں اور لڑکوں کے جھرمٹ خوشیاں مناتے گھومتے رہے۔

صوبہ چکیانگ کے جنوبی حصہ میں طلباء نے چار سو جوانوں کا ایک جتھا تیار کیا ہے اسکو فوجی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان کے اس جتھے کا کام یہ ہوگا۔ کہ کسانوں کے جتھے بنائے، اور انکو فوجی تعلیم دے، دو مقاموں، ونجاد، اور ٹائی چاؤ پر ان لوگوں نے دو ہزار آدمیوں کی ایک چھوٹی سی فوج بنا کر لڑائی پر بھیجدیا ہے۔

سنگاپور کے چینیوں نے دو کروڑ ڈالر کا قرضہ چین کی مدد کے لئے وصول کیا ہے۔ اور ایک فوج تیار کی ہے جو جاپانی لوٹ کے خلاف لڑے گی۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز چینی کی مالی ساکھ ہے۔

لڑائی کی ابتری پر بھی چین کی ساکھ اتنی ہے کہ اس کو بہت سے ملکوں نے لمبے لمبے قرضے دیئے ہیں۔ صرف فرانس میں بیس کروڑ فرانک قرضے میں مل گئے۔ متحدہ امریکہ نے پندرہ لاکھ ڈالر ہوائی جہاز خریدنے کے لئے قرض دیئے۔ انگلستان سے چین نے دو قرضے لئے ہیں۔ ستر لاکھ پاؤنڈ قرضہ ریلوے تیار کرنے کے لئے لیا، اور دو کروڑ دس لاکھ قرضہ اس غرض سے لیا کہ انگلستان میں چینی مالی ساکھ سنبھال لی جائے جیکے سلسلہ میں چین نے تین کروڑ روپیہ کے سکے، اسلحہ اور گولہ بارود خریدنے کو لئے ہیں۔

چند ہفتے ہوئے چین کی مشہور قومی انجمن کومنتانگ کا جلسہ اجلاس ہوا اس میں ایک چینی دستور شائع کیا گیا جس میں ہدایت کی گئی کہ تمام باہمی لڑائی جھگڑے بھول کر ساری قوم کو جاپان سے لڑنا چاہئے۔ لڑائی ختم ہونے پر اسی پارٹی نے جو اپنا اقتدار جما رکھا ہے۔ اس کو ختم کر دیگی، اور پھر عوام کی حکومت قائم کر دیگی۔

اوپر والی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ چین اتنا لٹ جانے پر بھی جاپان پر بھاری ہے۔ چین کا کل قرضہ تین ارب چھیاسٹھ کروڑ ہے۔ جاپان کا کل قرضہ اس کا تگنا ہے۔ اور جاپانی حکومت اور قرضہ لینے والی ہے۔ چینی فوجیں اپنی جان ومال اور عزت آبرو کے لئے لڑ رہی ہیں۔ انکی آپس کی پھوٹ ختم ہو گئی۔ اور انکا لڑنے کا جوش مظلوم قوموں کے لئے مثال بن رہا ہے۔ چند روز ادھر چند چینی سپاہیوں نے بہت بے جگری سے جاپانی ٹینکوں پر حملہ کر دیا ہے۔

دوسری طرف جاپانی حکومت جاپانی مزدوروں کی اسٹرائیک توڑنے، اور دبانے کی جو کوشش کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مزدور اور کسان اس فضول خون خرابے سے اکتائے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں چین کی فتح یقینی ہے۔ بشرطیکہ دنیا کی امن پسند طاقتیں چین کو بھی جانبدارانہ غیر جانبداری کا شکار نہ بنالیں۔

گشتی کتب خانے

عام تعلیم اور بالغوں کی تعلیم کی جو اسکیم اٹھی ہی ہے وہ اسوقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک گشتی کتب خانوں کی اسکیم پر پورا زور نہ صرف کیا جائے اس وقت حالت یہ ہے کہ دیہاتوں اور قصبوں کے تعلیم یافتہ اور خواندہ لوگ بھی

گرم بازاری آرہی ہے یا کساد بازاری

رائٹر کی خبر ہے۔

۲۰ مئی بین الاقوامی بندوبست کے بنک کی مجلس انتظامیہ کے جلسے میں اس کے نائب صدر مسٹر [illegible] نے ایک رپورٹ پیش کی جس میں یہ دکھایا کہ ۱۹۳۷ء کے شروع میں گرم بازاری شروع ہو گئی تھی لیکن آخر میں پھر کساد بازاری آ گئی۔ پھر اس کساد بازاری کا ۱۹۳۲-۱۹۲۹ء کی کساد بازاری سے مقابلہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ اب امید ہے کہ تجارت بہت جلد پھر چمک جائے گی۔

کساد بازاری کیوں آتی ہے؟ دنیا پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا واقعی اب کساد بازاری کا خطرہ نہیں رہا؟ کساد بازاری سرمایہ داری کا جزو ہے۔ مگر ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کو کھا کر رہے گا۔ آج اگر کسی مہاجن کے پاس روپیہ ہے تو اس کو یہی فکر ہوگی کہ وہ کسی کاروبار میں لگا دے۔ فرض کرو کہ ہندوستان میں جوٹ کی ملوں سے خوب آمدنی ہوتی ہے تو وہ جوٹ کی ایک مل کھولے گا۔ مقابلہ کا پہلے سے ڈر ہے، اس لئے جدید ترین مشینیں منگوا لے گا۔ اور بہتر سے بہتر ماہروں کے ہاتھوں میں دے گا۔ کچھ دنوں میں کپڑا تیار ہونے لگے گا اور دوسری مشینوں سے مقابلے میں جیت جائے گا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور مہاجن بھی ملیں قائم کریں گے۔ ملوں پر ملیں کھلتی چلی جائیں گی بازار میں کپڑے کا ڈھیر لگ جائے گا۔

پہلے پہل تو خوب نفع ہوگا۔ لیکن لوگ کہاں تک جوٹ کا کپڑا خریدیں گے۔ خریدار تو بہت تھوڑے سے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سامان خریدنے والے مزدوروں اور کسانوں کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو وہ چیزیں خریدیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنی کھپت ہے اس سے دگنا بلکہ تگنا کپڑا تیار ہوگا۔ اور گوداموں اور دکانوں پر کپڑوں کے ڈھیر لگتے جائیں گے اور کپڑے کے دام گرتے گرتے یہاں تک پہنچ جائیں گے کہ نفع کی جگہ گھاٹا ہونے لگے۔ اسی وقت ملیں بند ہو جائیں گی، مزدور اور ملازمین بے کار ہو جائیں گے ان کی بے کاری سے کپڑے کی بکری اور [illegible] کم ہو جائے گی۔ اسی طرح تمام چیزوں کا یہی حال ہے کہ ایک دور ایسا آ جاتا ہے کہ چیزوں کی پیداوار بہت بڑھ جاتی ہے۔

جس طرح ڈوبتا شخص [illegible] تنکے کا سہارا لگا لیتا ہے وہی حال ہمارے سرمایہ دار مل کا ہے، کہ ذرا کسی امید کی کرن دکھائی دی اور یہ چلا اٹھے کہ کساد بازاری نہیں آئے گی۔ اسی قسم کا مسٹر [illegible] کا بھی نظریہ ہے۔ آنے والی کساد بازاری نے اپنا چہرہ امریکہ میں دکھایا۔ مارچ ۱۹۳۷ء تک ضروری چیزوں کی پیداوار اتنی بڑھ گئی کہ بازاروں میں بکنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ اب جتنا سامان پیدا ہو رہا تھا سب جمع ہونے لگا۔ اس لئے پیداوار پر بندشیں لگائی گئیں۔

کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ضرورت ملوں اور کارخانوں کو رہتی ہے جب ملیں کم چلنے لگیں تو انکی مانگ بھی کم ہو گئی۔ اور یوں متحدہ امریکہ میں کساد بازاری کی ابتدا ہو گئی۔

۱۹۲۹ء کی کساد بازاری سب کو یاد ہوگی۔ آثار ایسے ہیں کہ آنے والی کساد بازاری اس سے بھی زبردست ہوگی۔

فرض کر دو کہ ۱۹۲۶ء میں پیداوار ۱۰۰ تھی۔ اس حساب سے تجارت مئی ۱۹۳۷ء تک ۱۱۹٫۲ تھی۔ جنوری ۱۹۳۸ء تک ۸۱٫۱ پہنچ گئی۔ یعنی (۳۱) فیصدی گری۔ لوگوں کے کام کی چیزوں کی تجارت مارچ ۱۹۳۷ء تک ۱۰۲٫۲ تھی۔ جنوری ۱۹۳۸ء تک ۹۱٫۹ پہنچ گئی یعنی ۲۲ فیصدی گری۔ کارخانہ داروں کے کام کی چیزوں کی تجارت اگست ۱۹۳۷ء تک ۱۰۴٫۲ تھی۔ جنوری ۱۹۳۸ء تک ۴۸٫۱ پہنچ گئی یعنی ۵۶ فیصدی گری۔ تجارت اتنے [illegible] میں یعنی مئی ۱۹۲۹ء سے جنوری ۱۹۳۲ء تک ۲۳ فیصدی گری تھی۔ لیکن آنے والی کساد بازاری میں ۳۱ فیصدی گر گئی ہے۔ کارخانہ داروں کے کام آنے والی چیزوں کی تجارت اور زیادہ تیزی سے گر رہی ہے۔

فروری اور مارچ کے تجارتی اعداد و شمار ابھی نہیں معلوم۔ نیویارک ٹائمس میں جو روزانہ بحالی کی خبریں آتی رہتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جنوری سے فروری تک ۲۳ فیصدی تجارت اور گر گئی۔ کارخانوں کی تقریباً قریب قریب بند ہو رہی ہیں بیکاروں کی تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے اس سے خریداروں کی تعداد اور کم ہو جائے گی۔ ساری دنیا کی صنعتی پیداوار کا ۴۰ فیصدی حصہ متحدہ امریکہ میں تیار ہوتا ہے اس لئے وہاں کی تجارت گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کی تجارت گر رہی ہے۔

یورپ کے بہت سے صنعتی ملک ابھی ۱۹۲۹ء کی کساد بازاری سے نہیں نکلنے پائے تھے کہ ان پر دوسرا حملہ ہو گیا۔ فرانس، بلجیم، ہالینڈ، پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کی پیداوار ۱۹۳۷ء میں ۱۹۲۹ء کی پیداوار سے کم رہی ہے۔ انگلستان کی صنعت سرمایہ داری کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے جو اعداد و شمار اس ملک کی صنعت کے بارے میں ملتے ہیں ان میں عجب تضاد ہے۔ سرکاری تجارتی کمیٹی کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر چار مہینے میں صنعت ترقی پکڑتی رہی۔ لیکن "اکنامسٹ" کے اعداد بتاتے ہیں کہ تجارت آہستہ آہستہ گر رہی ہے ۱۹۲۹ء کی تجارت کو اگر ۱۰۰ فرض کیجئے تو اعداد و شمار یوں ملتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۳۷ء	۱۱۲٫۵
اکتوبر	۱۱۳٫۸
نومبر	۱۱۲٫۵
دسمبر	۱۱۱
جنوری ۱۹۳۸ء	۱۱۱
فروری	۱۱۰

جواہرلال

—— رام منوہر لوہیا ——

ہندستان میں جتنا کام مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہرلال نہرو کرتے ہیں اتنا شاید ہی کوئی آدمی کرتا ہو۔ جواہرلال نہرو نے اپنے زمانۂ صدارت میں ہر روز کم از کم ایک سو بیس منٹ کام کیا ہے۔ ہندستانی پریس نے ان کی سخت محنت اور ان تھک کوشش کی کافی تعریف کی ہے۔ لیکن اس عرصہ کی تحریروں اور تقریروں اور مختلف موقعوں کی تصویروں کے مجموعہ پر نگاہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ انکے کام کی ضخامت ہی انسان کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اور یہ دریافت کرنا کسی قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ اس عرصہ میں انکے کام کی نوعیت کیا رہی ہے اور انھوں نے قومی زندگی کو کن کن رنگوں میں رنگا ہے اور اسکی ترقی کے کون کون سے راستے نکالے ہیں۔

ذہن میں یہ سوال اٹھتے ہی آنکھوں کے سامنے اپریل ۱۹۳۶ء سے (جب جواہرلال نے قومی سیاست کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی) سے پہلے کے ہندستان کا نقشہ پھر جاتا ہے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کی بہادرانہ سول نافرمانی کی تحریک اور عام گرفتاریوں اور استبداد کے بعد قومی حلقوں میں بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ ملک اپنی بکھری ہوئی طاقتوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن ابھی اسکو کامیابی نہ ہوئی تھی۔ قوم کو غصہ زیادہ تھا لیکن وہ منظم طور پر کوئی جوابی حملہ نہ کرسکتی تھی۔ جواہرلال کی صدارت کے زمانہ میں اس انتشار کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور قومی ذہنیت میں ایک آہنی روح پڑگئی تاہم یہ حماقت ہوگی اگر اس ترقی کو صرف جواہرلال کی طرف منسوب کیا جائے اور انکو جادو کی چھڑی والا جادوگر خیال کیا جائے۔ اصلیت یہ تھی کہ عوام آگے بڑھنے کو تیار رہتے تھے اور ملک انتشار اور جمود کو اتار پھینکنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ ان حالات میں جواہرلال نے ایک صاف اور منطقی انجنیئر کا کام کیا۔ انکے پروپیگنڈے نے عوام پر بڑا اثر کیا اور ملک کی پوشیدہ طاقتوں کو ابھار کر کھڑا کردیا۔ انھوں نے بہت بڑے بڑے قومی مسئلوں کو صاف کردیا جس سے انتشار دور ہوگیا اور قوم میں ایک سیدھی سچی اور پائیدار ذہنیت پیدا ہوگئی۔ پنڈت جواہرلال نے خاص خاص اور بڑے بڑے مسئلوں کا بار بار پرچار کرکے اور ان پر زور دیکر عوام میں ایسی باتیں جاننے کی کھوج پیدا کردی جنکی بنیاد پر قومی تحریک چل سکتی ہے۔

پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی صدارت کے زمانہ میں ہندستان کی ⅕ آبادی کے سامنے تقریریں کیں اور ساٹھ ستر لاکھ دیہاتوں کے دورے میں ہوائی جہاز سے لیکر موٹر تک کی سواری استعمال کی۔ جولائی ۱۹۳۶ء کے تین ہفتوں میں انھوں نے پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں ۲۵۲ تقریریں کیں۔ ۵۰ ہزار سے لیکر ایک لاکھ تک کسان دور دراز کے دیہاتوں سے میلوں چلکر آتے اور ان جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کرتے تھے۔ ہمارے ہم وطنوں کی بھوک اور سفاقہ ان کی تقریروں کا خاص موضوع ہوتا تھا۔ اور ان کی منطق انکے

اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے جو وہ ہر جگہ زور دیا کرتے تھے "سامراجی نظام نے عوام کو غریب کردیا ہے اور بیکاری پھیلادی ہے۔ غریبی اور بیکاری کو ختم کردینا سوراج کا خاص مقصد ہے اور جو سوراج اس مقصد کو نہ حاصل کرسکے وہ سوراج کہلائے جانے کا اہل نہیں ہوسکتا" رہتک میں ہزاروں آدمیوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا "مجھے یقین ہے کہ ہندستان میں ایک زبردست انقلاب آرہا ہے اور بے چینی کی وجہ سے لوگ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں وہ پیغام سننے آتے ہیں جس سے انکو صحیح معنوں میں آزادی مل سکے۔ دوسرے راجوں کی طرح برطانوی سامراج کے دن بھی اب انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں" ضلع کرنال (مدھیا نہ) کے ہندستانی افسر کانگریسی کارکنوں پر برابر پابندی کے احکامات لگاتے رہتے تھے۔ ان کی نکتہ چینی کرکے پنڈت نہرو نے ظاہر کردیا کہ ہندستان میں جو تبدیلی ہونے والی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف برطانوی افسر بدل دیئے جائیں گے۔ فرقہ وارانہ مسئلے کے متعلق پنڈت جی نے بتایا کہ "ہندو مسلم حقوق کا سوال نوکری کے متلاشیوں، خود غرضوں اور کونسل کے کرسیوں کے خواہشمندوں کا اٹھایا ہوا ہے عوام کو ان مسئلوں سے کوئی تعلق نہیں" اور کہا کہ ایک مضبوط فرقے کی تعریف یہ نہیں ہے کہ اسکو سرکاری نوکریاں زیادہ تعداد میں ملیں بلکہ اسکی تعریف اس میں ہے کہ وہ سرکار کی مخالفت کتنی سختی سے کرتی ہے۔ پانی پت میں جہاں بڑی پرانی پرانی سلطنتوں کا قلع قمع ہوچکا ہے۔ ایک تقریر میں جواہرلال نے کہا "آج ہندستان کے مختلف فرقوں کے پاس کچھ ہے ہی نہیں جسے وہ ایک دوسرے سے چھین سکیں۔ ایک تیسری جماعت پہلے ہی انسے سب کچھ چھین چکی ہے"

ملایا کے ایک جرنلسٹ نے پنڈت جی کے دورے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سنگاپور ہندستانی قومیت کا ایک دریا بن گیا تھا۔ مجمع میں بلا کا جوش و خروش تھا اور ولولہ کا یہ عالم تھا کہ لوگ دیوانے سے ہو رہے تھے۔ ملایا کے باشندوں اور چینیوں پر بہت اثر ہوا اور انکا کانگریس کے صدر میں انکو دنیا کی تمام سامراج دشمن قوموں کا ایک نشان ملتا تھا۔

جواہرلال نہرو نے عوام سے براہ راست انکی غریبی، بھوک اور تنگدستی کی باتیں کی ہیں اور انکو ابھرنے کا راستہ دکھایا ہے۔ یہ راستہ سنجیدگی سے غور کرنے، بے چینی محسوس کرنے اور منظم طور پر پرامن کام کرنے کا راستہ ہے۔ اپنی صدارت کے زمانہ میں انھوں نے بہت سے مسائل کو بھی صاف کردیا۔ نئے آئین کے سوال پر انھوں نے ہندستان اور برطانیہ کے تعلقات کے بنیادی مسئلوں کو اخبار نما رکھدیا۔ ہندستان لوٹا جارہا ہے اور برطانیہ اسکو لوٹ رہا ہے اور پنڈت جی نے بار بار عوام کو یہی ترغیب دی کہ وہ تمام مسائل کو اسی پس منظر میں رکھ کر دیکھیں۔ ہندستان کی آزادی کا حق اور آزادی

غدّار

اسرار الحق مجاز

یار بچ کر چلنا کہ یہ غدار ہے — تو سمجھتا ہے کہ یہ بھی یار ہے
آستیں میں اس کی اک تلوار ہے
یار بچ کر چل یہ غدار ہے

نیک بخت و نیک صورت نیک خو — نرم لہجہ اور میٹھی گفتگو
کل یہی پی جائے گا تیرا لہو
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

ہر جگہ ہر شہر میں بستا ہے یہ — جب بُرائی پر کمر کستا ہے یہ
ایک ناگن کی طرح ڈستا ہے یہ
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

عمر بھر یہ قسمیں پھوڑا کیا — اپنا رشتہ غیر سے جوڑا کیا
دشمنوں کی روٹیاں توڑا کیا
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

کینہ پرور کینہ جو بہروپیا — سانپ کا ہمزاد، گرگٹ، بھیڑیا
لیگیوں کی گود کا پالا ہوا
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

آہ مشکل ہے کہ تو پہچان لے — دیکھ میں کہتا ہوں اب بھی مان لے
یہ ترا دشمن ہے اب بھی جان لے
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

جب لڑائی کا بگل بج جائے گا — جب زمیں کیا آسماں تھرائے گا
تو اسے اپنے مقابل پائے گا
یار بچ کر چل کہ یہ غدار ہے

پیرس

ہندوستان کے باہر

ہٹلر اور مسولینی کی ملاقات

ہر ہٹلر مسولینی سے ملاقات کے لئے روم روانہ ہوگیا۔ راستہ میں فوجوں نے ریل کے دونوں طرف کھڑے ہوکر سلامی دی۔ اٹلی کی سرحد اور برنر سے چار سو میل پہلے سے تیس لاکھ سپاہ نے دو رویہ کھڑے ہوکر ہر ہٹلر کو رخصت کیا۔

فرانس اس ملاقات کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ وہاں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس ملاقات میں جو دونوں ڈکٹیٹروں کا رویہ رہیگا اسی پر یورپ کے امن اور لڑائی کا انحصار ہے۔

روم پہنچنے پر ہر ہٹلر کا بہت شاہانہ استقبال کیا گیا۔ روم کے اسٹیشن پر مسولینی، شاہ روم، اور شہزادے موجود تھے۔

دونوں فریق کے افسروں کا بیان ہے کہ ہٹلر اور مسولینی کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ روم اور برلن کا میل کمزور پڑ گیا ہے۔

اطالوی افسر آسٹریا کے قبضہ کا حال سنکر پریشان ہوگئے تھے۔ لیکن بعض اطالوی اور جرمن افسروں کا خیال ہے کہ اگر ہٹلر اپنے وعدے پر قائم رہے اور درہ برنر کے سامنے قلعہ بندی نہ کرے تو آسٹریا پر جرمنی کا قبضہ ہو جانے سے اٹلی کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔

مسولینی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ چیکوسلاویکیہ کے جرمنوں کے جو جائز مطالبات ہیں ان پر غیر جانبدار رہیگا لیکن اپنی سیاسی طاقت برطانیہ اور فرانس کے ساتھ رکھیگا اگر یہ نہ ہوسکتا ہو تو ٹل جائے۔

یہ عام خیال ہے کہ ہٹلر اور مسولینی کی پہلی ملاقات کے بعد سے اب حالات بدل گئے ہیں۔ اس وقت مسولینی بحر روم کے معاملہ میں ہٹلر کی مدد مانگنے برلن دوڑا گیا تھا۔ لیکن اب ہٹلر وسطی یورپ کے معاملہ میں مسولینی کی مدد مانگنے روم آیا ہے۔ لیکن خبر یہ بھی ہے کہ جرمنی کا نو آبادیات کا مطالبہ بھی گفتگو میں آگیا۔ مگر اطالوی اخبارات اس ذکر پر خاموش ہیں۔

۵ مئی۔ ہٹلر کو نیپلز میں آبدوز کشتیوں کا تماشا دکھایا گیا۔ ان کشتیوں میں دو ہزار آدمی تھے۔ جیسے ہی ان کو اسکی نے حکم دیا کہ سب کم کرو دم میں پانی کے نیچے غائب ہوگئیں۔ جب دوسرا حکم ملا تو کشتیوں کا کالا سرا فوراً پانی پر آگیا اور سپاہیوں نے کشتی سے ابھر کر سلامی دی۔ دوسرا تماشا تار پیڈو سے چلنے والی کشتیوں کا تھا۔ جنکے تار پیڈو کی کشتیاں حیرت انگیز تیز رفتاری سے بھاگیں سرکاری بیان ہے کہ یہ رفتار ۵۰ میل فی گھنٹہ تھی۔

۷ مئی۔ فرانسیسی اخباروں کا بیان ہے کہ اطالوی بیڑے کا ہٹلر پر بڑا اثر پڑا اور ہٹلر کو یقین ہوگیا کہ اٹلی بہت قابل قدر ساتھی ہوسکتا ہے۔

مسولینی کا اصرار ہے کہ ڈینیوب کا بند گاہ آسٹریا اور وسطی یورپ کے دوسرے ملکوں کے لئے کھلا رہنا چاہئے۔ لیکن جرمنی کی پالیسی ہے جس نے ڈینیوب کے کنارہ پر رہنے والے لوگوں کو پریشان کر دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہیمبرگ کو بین الاقوامی تجارت کا خیال ہے اور دوسرا امکان ہے کہ شاید چیکوسلاویکیا پر ایسا سیاسی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ ڈینیوب سے براہ راست کوئی تجارت نہ رکھے۔ اطالوی جہاز رانی کی اجارہ داری ایڈریاٹک میں جرمن جہاز ختم کر رہے ہیں۔

چیکوسلاویکیا

شاید چیکوسلاویکیا، یوگوسلاویہ اور رومانیہ سے دریافت کرے کہ اگر جرمنی نے اس پر حملہ کیا تو ان ملکوں کا کیا رویہ رہے گا۔

خبر ہے کہ ہر ہٹلر نے مسولینی سے پوچھا ہے کہ اگر روس چیکوسلاویکیا کے معاملہ میں دخل دیگا تو اٹلی کا کیا رویہ رہے گا۔

برطانیہ اور فرانس نے چیکوسلاویکیہ کی حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ سوڈیٹن جرمن پارٹی کو زیادہ سے زیادہ حقوق دیدیں۔

برطانیہ اور فرانس نے مشرقی ریاستوں کو اقتصادی مدد دینے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ غالباً چیکوسلاویکیہ کا مطالبہ یہ ہوگا کہ مغربی یورپ کی ریاستیں چیکوسلاویکیا کو اتنا قرضہ دیدیں کہ وہ اور پڑوس کی ریاستیں اپنے تجارتی تعلقات جرمنی سے ختم کر دیں اور فرانس اور برطانیہ سے باندھیں

چین

۷ مئی شنگھائی میں ایک بین الاقوامی جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ جاپانی سپاہیوں نے ہانگ کنگ روڈ پر قبضہ کر لیا جو اب تک بین الاقوامی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔

چھٹی چینیوں نے آٹھ لاکھ فوج سے جنوبی شینٹنگ پر ایک نیا دھاوا کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ سات میل جاپانیوں کو دبا دیا۔

جاپانی حکومت نے قومی فوجی قانون کو جو ۲۴ مارچ کو اس لڑائی کی مدد کے لئے تیار کیا گیا تھا نافذ کر دیا۔

جاپان اور برطانیہ میں چین سے ٹیکس اور قرضے کے اوپر کچھ سمجھوتا ہو گیا ہے۔

۵ مئی، رات بھر کی لڑائی کے بعد چینیوں نے ۵ میل اور فتح کر لیا۔

خبر ہے کہ پیکنگ ہانکاؤ ریلوے کی لڑائی میں جو چینیوں نے نیا دھاوا کیا تھا اس میں ۳۰ میل آگے بڑھ گئے ہیں

شنگھائی پر چینیوں کی گوریلا لڑائی جاری ہے شنگھائی سے ۵۰ میل کی دوری پر نانکنگ شنگھائی جادہ پر جو جاپانی فوجیں تھیں انکا زور توڑ دیا۔ چینی فوجیں نانکن کے محاذ پر اتنا بڑھ گئی ہیں کہ اب نانکن صرف ۶ میل رہ گیا ہے

ہندستان

میسور | ۱۰ مئی - بنگلور میں ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے میسور کی حکومت اور عوام کے درمیان سمجھوتہ کے جو شرائط طے ہوئے ہیں ان کا اعلان کیا۔

۱- کانگریس اور ریاست دونوں کے جھنڈوں کی برابر عزت کی جائے گی اور دونوں ایک ساتھ لہرائے جا سکیں گے۔

۲- جھنڈے کی تحریک میں جو لوگ قید ہوئے ہیں چھوڑ دیے جائیں گے۔

۳- ریاستی حکومت میسور ریاستی کانگریس کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرے گی۔

۴- دو ورسوا تھم میں گولی چلنے کے حادثہ کی ایک سرکاری کمیٹی تحقیقات کرے گی۔

۵- باہمی گفت و شنید سے نمایندگی کا مسئلہ طے ہو جانے پر ریاستی کانگریس میسور آئینی اصلاحات کمیٹی کے ساتھ تعاون کرے گی۔

سردار پٹیل نے میسور کانگریس کو صلاح دی کہ وہ کانگریس کا نام چھوڑ دے اپنا تادیبی نظام اور زیادہ سخت کرے اور جھنڈا لہرانے کو کوئی غیر معمولی اہمیت نہ دے۔

اردو ہندی کا قضیہ اور کانگریس | مولانا ابوالکلام نے تمام کانگریسی صوبوں کے وزیر اعظموں کو اردو ہندی کے مسئلہ پر ایک گشتی چٹھی لکھی ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ جہاں تک کہ زبان اور رسم الخط کے مسئلہ کا تعلق ہے اس پر سنہ ۱۹۲۵ء سے ہی صوبہ متحدہ اور بہار میں بحث مباحثہ جاری ہے اس اختلاف رائے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو الفاظ کہ پہلے ایک ہی زبان کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اب ان کو نئے نئے معنی پہنائے جا رہے ہیں اور لفظ اردو کو اس ہندستانی زبان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو اردو رسم الخط میں لکھی جائے۔ اسی طرح ہندی سے وہ زبان مراد ہوتی ہے جو دیوناگری حروف میں لکھی جائے۔

کانگریس نے اس اختلاف کو مہاتما گاندھی کی زیر قیادت اب سے ۲۰ سال پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ جہاں تک کہ بنیادی مسئلہ کا تعلق ہے کانگریس نے طے کر دیا ہے کہ قومی اور ملکی زبان کا نام ہندستانی رکھا جائے جو کہ تیرھویں صدی سے چلا آرہا ہے اور لکھنے کے لیے دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخط تسلیم کر لیے جائیں۔ صوبجاتی حکومتوں کے کانگریسی وزراء کے اسی اصول کے بموجب کام کر رہے ہیں لیکن چونکہ صوبۂ متوسط۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی کے لوگ اردو ہندی میں جو باریک اختلافات کیے جاتے ہیں ان سے ناواقف ہیں اس لیے قدرتی طور پر وہ ایک ہی زبان کے لیے دونوں لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب وہ لفظ ہندی استعمال کرتے ہیں اس وقت وہ یہ نہیں محسوس کرتے کہ وہ غیر ارادی طور پر اختلاف کی حدود میں داخل ہو رہے ہیں۔

حال ہی میں میں نے محسوس کیا ہے کہ مدراس بمبئی اور اڑیسہ کے سرکاری حلقوں میں جب کبھی لفظ ہندی استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو لوگ کانگریس کو بدنام کرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آیندہ سے ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس میں غلط فہمیوں کا کوئی امکان ہی نہ ہو۔ آیندہ جب کبھی قومی اور ملکی زبان مراد ہو (جس کے لیے اردو ہندی دونوں رسم الخط تسلیم کر لیے گئے ہیں) تو لفظ ہندستانی استعمال کرنا چاہیے۔

اڑیسہ کا قضیہ ہز اکسیلنسی سر جان ہبک گورنر اڑیسہ نے وائسرائے اور وزیر ہند کی منظوری سے اپنی چھٹی منسوخ کرائی - اور اڑیسہ میں جس کیبنٹ کرائسس کا خطرہ تھا وہ حل ہو گیا۔ اسمبلی میں اس پر بیان دیتے ہوئے وزیر اعظم بشوناتھ داس نے کہا " مجھے سر جان ہبک کے رخصت جانے اور مسٹر ڈین کی تقرری کی بابت عام اعلان سے تین روز پہلے ہی اطلاع ہو گئی تھی اور میں نے عارضی گورنر کے تقرر کے خلاف اس بنا پر احتجاج کیا تھا کہ صوبجاتی حکومت کے ماتحت کام کرنے والے ایک افسر نظم و نسق کی ذمہ دار وزارت کے علم کے بغیر کیوں گورنر بنا دیا گیا ہے؟ ہمیں دوسرا اعتراض یہ تھا کہ گورنر کا عہدہ جو ان دنوں ایک اعلیٰ عہدہ ہے اور جس سے بڑے بڑے اختیارات وابستہ ہیں ایک ایسے افسر کے حوالے کیوں کیا جائے جو وزارت کے ماتحت کام کرتا رہا ہو۔ ہم نے گورنر کو مطلع کر دیا کہ اگر اس تقرر کو عمل میں لایا گیا تو وزارت مستعفی ہو جائے گی۔ جب میں اپنی وزارت کے استعفے داخل کرنے کے لیے پوری روانہ ہونے کو تھا تو گورنر نے مجھے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ انھوں نے اپنی رخصت منسوخ کر دی ہے "

لندن ۹ مئی دارالعوام میں اڑیسہ کے متعلق سوالات کے جواب دیتے ہوئے لارڈ اسٹینلی نے کہا " ایسی حالتوں میں صوبجاتی حکومتوں کی مشکلات کو تسلیم کیا جاتا ہے اور آیندہ تقرری کرتے وقت ان باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے گا "

درجہ نوآبادیات | لندن - ۹ مئی - لارڈ سیموئیل ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے خیال میں ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دینا ضروری ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہو چکا ہے ہندستان میں بھی برطانیہ سے علیحدگی کی تحریک زور نہیں پکڑے گی۔ بلکہ وہ بقیہ برطانوی سلطنت سے دوستانہ تعاون کرے گا۔ کیونکہ اس وقت یہ تعاون ایک حساس اور اپنے اوپر فخر کرنے والی قوم کی عزت اور وطن پرستی کو نقصان پہنچائے گا

ہندستان، اسٹینڈرڈ کے نمایندہ نے ایک خاص بحری تار کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ مسٹر چیمبرلین کی پالیسی یہ ہے کہ لڑائی کے لیے برطانیہ کو ہر طرف سے تیار کر دیا جائے۔ اسی لیے مصر اور آئرلینڈ سے سمجھوتہ کر لیا گیا ہے اور اب ہندستان کی باری ہے نمایندے کا بیان ہے کہ بارسوخ حلقوں میں کہا جاتا ہے کہ اگر برطانیہ کو یہ یقین ہو جائے کہ یورپ میں لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں ہندستان کچھ مالی

اپنے اور اپنے دوستوں کی زندگی کا بیمہ

دی انڈین انشورنس لیمیٹڈ دہرادون

میں کرائیے

جس کی سرکاری ضمانت دو لاکھ سے زائد ہے۔ جو کہ ہندوستان کی دوسری کمپنیوں کی ضمانت سے زیادہ ہے۔ بیمہ زندگی کے لئے قانون کے مطابق بہت ہی مضبوط ہے

مزید تفصیل کے لئے صدر دفتر

دی انڈین انشورنس لیمیٹڈ۔ دہرادون

چیف ایجنسی آفس

سول لائنس اعظم گڈھ

میں لکھئے

ضرورت

ایسے مستعد نوجوانوں کی جو تنخواہ اور کمیشن پر اشتہارات حاصل کر سکیں۔ امیدوار دفتر میں آکر زبانی گفتگو کریں

منیجر ہندستان

نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ

نرخنامۂ اشتہارات اخبار ہندوستان

باہر کا آخری صفحہ		اندر کے صفحے
پورا صفحہ	۲۵ روپیہ	۲۱ روپئے
آدھا صفحہ	۱۳ روپئے	۱۱ روپئے
چوتھائی صفحہ	۷ روپئے	۶ روپئے

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ خاص رعایت

منیجر ہندوستان۔ نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ

آپکو اور کون سا ثبوت چاہیئے

پٹنہ، لکھنؤ۔ اور لاہور کے پچھلے تینوں نمائشی مقابلوں میں یو۔ پی۔ ہینڈ لوم امپوریم کو پارچہ جات کو سب سے زیادہ انعامات ملے ہیں اور ہر نمائش میں ہینڈ لوم امپوریم نے ہی سب سے زیادہ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا فروخت کیا ہے۔

ہماری خصوصیتیں:۔ قیمت ہر ایک کی آمدنی کے مطابق۔ سامان ہر مذاق کے موافق رنگ اور وضع زیادہ سے زیادہ نفاست پسند طبیعتوں کے لئے موزوں۔

یو۔پی گورنمنٹ ہینڈ لوم امپوریم امین آباد

سے ہر قسم کا سوتی ریشمی اور اونی ہاتھ کا بنا ہوا اور ہاتھ کا بُنا ہوا کپڑا خریدیئے

یو۔پی میں ہمارے ایجنٹ:۔ دہرادون:۔ ہر پرشاد اینڈ کو، پلٹن بازار۔ مراد آباد:۔ ٹنڈن برادرس سول لائنس میرٹھ۔ سی۔ ایس موہن برادرس آگرہ، مہرا کلاتھ ہاوس اسیو کا بازار۔ بلند شہر۔ کستوری لال لگن لال جواہر بازار، نینی تال:۔ ٹی ڈی جوشی اینڈ برادرس۔ تلی تال فرخ آباد اور ڈی موہن اینڈ کمپنی فیض آباد۔ لارل اینڈ کمپنی۔ رکاب گنج متن پوری:۔ ٹھکور برادرس کانپور۔ انت رام کنہیالال۔ بساطی سرے لاٹوش محال:۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام چودہری، ماہم رضا فاروقی سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر ہندستان نمبر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

لئے دنوں میں نہ معلوم کانپور کے کپڑے کی صنعت کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتی۔ نہ معلوم کتنے کارخانہ داروں کا دیوالہ نکل جاتا۔ اور کتنے کارخانے برسوں تک گھاٹے پر چلتے رہتے۔ کانگرسی وزارت نے بیچ میں پڑکر کارخانہ داروں اور مزدوروں میں صلح کرائی۔ اور ایک کمیٹی بنائی، جو تحقیقات کرکے فیصلہ کرے کہ مزدوروں کے مطالبات کہاں تک بجا ہیں۔

تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ مزدوروں کے مطالبات بڑی حد تک درست ہیں۔ انکی تنخواہیں پہلے سے کم ہو گئی ہیں، اور دوسری طرف مہنگائی بڑھ گئی ہے۔ [illegible] ملوں میں مزدوروں کو کم کرکے کام بڑھا دیا گیا ہے۔ اس لئے [illegible] مزدوروں کے حق میں کچھ معمولی معمولی سفارشیں کیں۔

کانپور کے مل مالکوں نے ایک رپورٹ نکالی ہے، جس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ کمیٹی نا معقول نا واقف لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ صنعت کے معاملات نہیں سمجھ سکی۔ اس میں کچھ جانبدار لوگ بھی تھے۔ اسلئے جو فیصلہ ہوا ہے وہ سراسر مزدوروں کے حق میں ہے۔ اسکے ماننے سے ہندوستانی کپڑے کی صنعت کو سخت نقصان پہنچیگا۔ اس لئے ہندوستانی صنعت کے کارن یہ لوگ ضرور بغاوت کرینگے۔

ایک بات ان لوگوں نے مان لی، وہ یہ کہ مزدوروں اور کارخانہ والوں کے نفعوں میں بیر ہے۔ مزدوروں کا بھلا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ کارخانہ داروں کا نقصان ہو جائے۔ اسوقت کارخانہ دار ہندوستانی صنعت کو بچانے کے لئے (یا اپنے کو نہیں) مزدوروں کا نقصان کرنے پر مجبور ہیں۔

مل مالکوں کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کانگرسی حکومت یہ فیصلہ کرلے کہ مزدور جس حال میں ہیں انکو اسی حال میں پڑا رہنے دیا جائے۔ اسکے بعد جب مزدور اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کریں تو ان کو مارپیٹ کر زبردستی یہ فیصلہ ماننے پر مجبور کر دیا جائے۔ اور اس طرح "انصاف" کو مرنے اور ہندوستانی صنعت کو تباہی سے بچا لیا جائے۔

کیا دنیا کی کوئی حکومت آجتک مزدوروں کو دبا سکی ہے؟ اگر اس نے اپنی چالبازیوں سے ایک بار مزدوروں کا زور توڑ دیا تو دوسری بار مزدور زیادہ مضبوط ہو کر اٹھے، اور پھر اسی حکومت کو دبنا پڑا۔

اگر انصاف کے معنی یہی ہیں کہ مزدوروں کی تنخواہیں کم کر دیجائیں، تو ایسا انصاف زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر آج مزدوروں کی تنخواہ ۸ آنہ روزانہ ہے۔ اور انصاف کا تقاضا یہی ہے تو کل لڑائی کرکے مزدور اسکو ۱۰ آنہ روزانہ کر سکتا ہے۔ اور یوں "انصاف" کو ختم کر سکتا ہے۔ جہاں ایک بار انکی تنخواہ دس ہو گئی، پھر کبھی ۸ نہیں ہو سکتی۔ ادھر ایک پیسہ گھٹی ادھر سارے ملک کی آفت آئی۔ گیا۔ انصاف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور عام لوگوں کی تمنا بھی یہی ہوگی کہ وہ انصاف واپس نہ آئے۔ اسکے آجانے سے سو فیصدی ہندوستانیوں پر زیادہ سخت ظلم ہو جائیگا۔

وہ ہندوستانی صنعت کس کام کی جس سے عام ہندوستانیوں کا بھلا نہ ہو۔ اگر ایسی صنعت ٹوٹ رہی ہے، تو ٹوٹ جانے دو۔ اپنے ملک کی صنعت ہمکو اسوقت تک پیاری ہے۔ جب تک اس سے ہمکو یعنی مزدوروں اور کسانوں کو بھلا پہنچے۔

اگر مل مالکوں نے کانگرسی تحقیقاتی کمیٹی کے فیصلہ کو ٹھکرا دیا، تو اب یہ کام مزدوروں [illegible] کانگرس کی بات منوا کر رہیں۔ اور مل مالکوں کے من لئے انصاف کو [illegible] انصاف کو [illegible] وہ انصاف جس سے ابھی بچا ہوا ہے فیصدی کا۔ اور آگے چلکر سو فیصدی کا [illegible] نے والا ہے۔

کوملا میں کسان سبھا کا سالانہ اجلاس

اجلاس شروع [illegible] تیسرا انکا سے جو ایک کسان سبھا کے صدر تھے لال جھنڈا چڑھایا۔ [illegible] موقع پر جو تقریر کی اس میں کہا کہ ڈھائی برس ہوئے جب میں نے یہ جھنڈا اندھرا میں صوبہ بہار کانفرنس کے موقع پر چڑھایا تھا۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں تھا کہ اس جھنڈے کی [illegible] میں مزدوروں اور کسانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جھنڈے کی [illegible] جھنڈے کے دشمنوں کو دکھا دیں گا کہ ہم لوگ اس کی عزت بچانے [illegible] کو تیار ہیں۔ اور ہندوستان کے مزدور اور کسان بھی دنیا کے مزدوروں اور کسانوں کا جنہوں نے اسکی عزت کے لئے جانیں تک دے دی ہیں ساتھ دینگے۔

ہندوستان میں یہ جھنڈا اسوقت آیا ہے جبکہ خود غرض حکومتیں اس کوشش میں ہیں کہ دنیا کو قوموں، نسلوں، ذاتوں میں بانٹ دیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ دنیا کے سارے مزدور اور کسان ایک ہیں۔ قوموں، نسلوں، اور ذاتوں کی تفریق ان میں نہیں پائی جاتی۔

قومیت کیا چیز ہے؟ اس پر لوگوں نے خوب خوب [illegible] یہ نکلتا ہے کہ جو لوگ نسل، زبان، جغرافیائی حدود، طرز معاشرت، دولت وغیرہ میں ایک سے ہوں، انکو ایک قوم کہتے ہیں۔ لیکن ہمکو اسوقت اسکی علمی تحقیق نہیں کرنا ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ عملی طور پر قومیت دنیا میں کیا کام کر رہی ہے۔ جب [illegible] کے دارالعوام میں ہندوستان کی آزادی کا سوال اٹھتا ہے تو سب ممبر ایک ہو جاتے ہیں کوئی پارٹی بھی یہ نہیں چاہتی کہ یہ آزاد ہو جائے۔ لوگ اس اتحاد کو قومی ہمدردی کہتے ہیں۔ ہٹلر جرمن قوم کے نام پر جنگ عالمگیر کرنے پر تلا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ قوم پرست ہے کہ اپنی قوم کو بڑا کرنے کے لئے ہر طرح کی [illegible] تیار ہے۔

تھوڑے ہی دن ادھر تک کانگریس صرف انگریز دشمن جماعت سمجھی جاتی تھی۔ گویا صرف اس بات کی لڑائی تھی کہ یہاں سفید رنگ اور انگریزی زبان حکومت کرے، یا کالا رنگ اور ہندوستانی زبان۔

لیکن اگر انگلستان میں وہاں کے عوام یعنی اسی فیصدی لوگ [illegible] مانگتے ہیں تو انگریز قوم پرست ایک ہوکر انکو کچلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں [illegible] کے ایسے جرمن قوم کے چند [illegible] عوام کے ساتھ جس طرح [illegible] کیا ہے وہ تاریخ سے مٹ نہیں سکتا۔ بہت دنوں تک ہندوستانی [illegible] جیسا کہ جواہرلال نے کہا ہے کسانوں اور مزدوروں کو اس طرح نظر انداز کرتی رہی گویا وہ ہندوستان میں بستے ہی نہیں ہیں۔ لیکن جب [illegible] انہی سے مدد مانگنے دوڑی جاتی

اگر لڑائی چھڑ جائے تو پھر انگریز قوم پرست، انگریزی عوام کو قوم کے نام پر بھڑکا کر بیٹھے۔ یعنی قوم کے نام پر عوام پر طرح طرح کے ظلم ڈھا رہا ہے۔ یہ کیسی قوم پرستی ہے۔

قوم پرستی نہیں۔ نفع پرستی ہے۔ اگر انگریز سرمایہ دار ایک دوسرے کی مدد کریں تو دوسری قوموں کے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں ختم ہو جائیں۔ صورت یہ ہے کہ اگر ہندستان آزاد ہوتا ہے تو سب سرمایہ داروں کے ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر یہ ہندستان غلام ملک رہتا ہے، تو سب سرمایہ داروں کو اس سے بھلا ہوتا ہے۔ اس مددگی کا نام ہے قوم پرستی تھی۔

دنیا کی کوئی قوم ہو۔ چاہے جتنی مہذب ہو جب کسی ملک کو غلام بنانے اٹھیگی تو اپنے تمام ہم قوموں کو بھائی بنالے گی۔ لیکن اگر دیکھا ہم قوم جب میں جھگڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر دیکھا گو لے جو دشمنوں پر چلتے ہیں انکے لئے بھی تیار ہیں۔ اس لئے مزدور اور کسان جس جگہ کے بھی ہوں، سب ہی مظلوم ہیں۔ ہندستان پر انگریز قوم کی نہیں، بلکہ انگریزی سرمایہ داروں کی حکومت ہے۔ جو اپنے گھر کے مزدوروں کو بھی لوٹتے ہیں اور یہاں کے مزدوروں کو بھی۔ اگر یہ سرمایہ دار ختم کر دیئے جائیں تو انگریز کسان اور مزدور بھی اسی طرح غریبی سے نجات پا جائیں گے جس طرح ہندستان کے۔ اگر سرمایہ داری دونوں ملکوں میں ختم ہو جائے۔ تو پھر کسی کو کسی دوسرے ملک کو غلام بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ ہر جگہ تنا پیدا ہو جاتا ہے کہ ساری قوم اچھی طرح سے کھا پہن سکے۔

اسکے لئے دنیا کے سب مظلوم کسان اور مزدور بھائی ہیں۔ سب کا مقصد ایک ہے۔ سب کا دشمن ایک ہے۔ سب کی لڑائی کا طریقہ ایک ہے۔ اگر سب ملکر چلیں تو جلد کامیاب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ لال جھنڈا اس اتحاد کی علامت ہے۔

کانگرسی جھنڈا اور لال جھنڈا

لال جھنڈا کہتا ہے کہ ہندستان کے سب مزدورو اور کسانو مل جاؤ۔ دنیا کے سب مزدورو اور کسانو مل جاؤ۔ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے۔ انکی لڑائی کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ انکی عزت مزدوروں اور کسانوں کی عزت ہے۔

لیکن اسوقت ہندستان میں آزادی کی لڑائی متحدہ محاذ سے ہو رہی ہے ـــ ـ ـــ یعنی اس لڑائی میں مزدوروں، کسانوں، چھوٹے سرکاری ملازموں، تعلیم یافتہ بیکاروں۔ چھوٹے دوکانداروں اور چھوٹے زمینداروں سب کا حصہ ہے۔ سب اپنی روزمرہ کی مانگوں کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور ان سب کی مانگیں ایسی ہیں جو صرف اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جبکہ سامراج ہندستان سے ہٹ جائے۔ اس متحدہ محاذ کے مقابلہ میں سامراج کا متحدہ محاذ ہے۔ یعنی انگریز سرمایہ دار، ہندستانی مل مالک ہندستانی بڑے زمیندار والیان ریاست وغیرہ۔ یہ ہر وقت تاک میں ہیں کہ ذرا موقع ملے، اور یا جیوں کا یہ جتھا توڑ دیا جائے۔

جس جس صوبہ میں متحدہ محاذ کمزور رہے۔ وہاں کی تحریک کا کمزور پایا بھی ہوا کی نہیں ہے۔ بہار میں کسان سبھا ایسی مضبوط ہے کہ ہندستان کے لیئے مثال ہے۔ لیکن پھر بھی وہ سامراج پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈال سکی۔ صرف اس وجہ سے کہ ابھی تک بہار کے مزدور نہیں جاگے ہیں۔ وہ منظم نہیں ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ بہار کی کسان سبھا نے نچلے اوسط طبقہ کے نوجوانوں کو اپنے میں ملانے کی کوشش نہیں کی۔ اگر یہ تینوں جماعتیں ساتھ ساتھ چلتیں، تو ان کا ہر حملہ کامیاب ہوتا۔

مزدوروں اور کسانوں کا متحدہ محاذ سے بھلا ہی بھلا ہے۔ خاص کر اسوقت، جبکہ ان جماعتوں نے ایسی طاقت نہیں پکڑی ہے کہ سامراج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ ایجی ٹیشن، پروپگنڈے، تنظیم سیاسی رہبری میں اوسط طبقے کی جماعتوں کی محتاج ہیں۔ لیکن اگر یہ جماعتیں طاقت پکڑ لیں بھی چکی ہوتیں، تب بھی متحدہ محاذ توڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

متحدہ محاذ اول ہے۔ کیونکہ سامراج پر پہلا حملہ اسی کا ہوتا ہے۔ سیاسی رہبری اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے کانگریسی جھنڈا ابھی اول رہنا چاہیئے ہم اپنے لال جھنڈے کو آگے بڑھائیں۔ مگر ترنگا اول کو اسکے بھی آگے رہنا چاہیئے

بہترین ریاست

ریاست میسور کے شہر خوبصورت، تفریح گاہیں دلکش، اور صنعتی ادارے مشہور ہیں۔ مہاراجوں کی شاہانہ مہانداری کیجاتی ہے۔ انکی سیر و تفریح کا اب انتظام ہوتا ہے کہ جانے والا سمجھنے لگتا ہے کہ یہاں ہر طرف شہد اور دودھ کی نہریں بہتی ہیں۔

ریاست نے اپنی آمدنی وصول کرنے اور کسانوں اور مزدوروں پر حاوی رکھنے کو ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ جو بہت کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔ ایسے اداروں کو جو ریاست اپنے مقصد کیلئے قائم کرے۔ انتظام اور خوش انتظامی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ سارے ہندستان کو مدتوں تک دھوکے میں رکھے رہے۔

ہر شخص یہی سمجھتا رہا کہ ہندستان کی سب ریاستوں میں میسور بہتری ریاست ہے۔ اگر یہاں کی خوش انتظامی واقعی خوش انتظامی ہی ہوتی۔ تو یہاں کے لوگ مطمئن ہوتے۔ اور تمام ریاستوں کے بعد بغاوت کیلئے اٹھتے۔ لیکن میسور ان ریاستوں میں ہے جہاں سب سے پہلے آزادی کی تحریک اٹھی۔ اس تحریک کا اٹھنا تھا کہ خوش انتظامی اور سول آزادی کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

یہاں کا پریس قانون، بہت سخت قانون ہے۔ اخباروں کو ریاست کے مرضی کے خلاف کوئی بات لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسری طرف خفیہ پولیس اپنے کام میں بہت مشاق ہے۔ وہ لوگوں کو آزادی کے متعلق باتیں تک نہیں

گاندھی جناح گفتگو اور اسکا پس منظر

(منظر رضوی)

پچھلے کچھ دنوں سے مسٹر ایم اے جناح کی قربت جواہر لال اور مسٹر گاندھی سے
گاندھی سے سمجھوتے کے سوال پر خط و کتابت ہو رہی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر
مسٹر جناح اور مسٹر گاندھی کی ملاقات ہوئی لیکن کچھ آپس کی میل ملاپ کی باتیں
بھی ہوئیں۔ اس ملاقات میں کون کون سے مسئلے زیر غور اور زیر بحث آئے۔ کون
کون سے اصول اور بنیادی نقطہ نظر کا اظہار ہوا اور مسئلہ کی حیثیت کیا ہے؟ اور جن
باتوں پر عوام کو ابھارا جاتا ہے ان میں کتنی سچائی اور خیال ہیں اور کون سی حقائق
کا ہندو اور مسلمان لیڈروں کی آپس میں ہو سکتی ہے اور کیسے ہمارے بند ہو سکتے ہیں؟
ان سب باتوں کو جاننے کے لئے ابھی اور کچھ دنوں اور انتظار کرنا پڑے گا۔
ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ دو گروہ یا جماعتوں، دو فرقوں یا دو قوموں
کے لیڈروں میں سمجھوتہ کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ اس سے عوام کے سوالات،
انکی غربت اور بھوک، روزگاری، انکی صحت اور تعلیمی پستی، انکی معاشرت
اور سیاسی پستی کے مسئلے کہاں تک حل ہوتے ہیں۔ ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ
ان سمجھوتوں سے، جن کا تعلق عام طور پر اوپری طبقہ کے مفاد سے ہوتا ہے استحصال
اور غلامی کی زنجیریں کس قدر مضبوط ہوتی ہے اور عوام کس طرح پیسے اور دبائے جاتے
ہیں۔ ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ زندہ رہنے، اتحاد اور فرقہ وارانہ خوشگواری
کو پیدا کیا ہے اور وہ کیونکر حل ہو سکتے ہیں؟ اتحاد کی باتیں بہت ہی حاوی
واقع ہوئی ہے اور اس میں تضاد اور مخالفت اجزار کا سما جانا ہماری ساخت
اور مزاج کے خلاف ہے۔

ہمیں اس وقت ان سوالوں سے کوئی مطلب نہیں۔ سمجھوتے کی جس گفتگو
کی شروعات آج ہو چکی ہے اس کی طرف آج ہر شخص نظر لگائے بیٹھا ہے۔ ہمیں
اسی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ انجام کو چھوڑیے آغاز کیا ہو!
آغاز کیا ہے؟

سمجھوتے کی کہانی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ ہماری قومی سامراج شکن
تحریک کی شروعات۔ اور اس کہانی کی منظم شروعات اسوقت ہوئی جبکہ ۱۹۱۶ء میں
"ہم ہوں گے جیش ہوگا اور ہوم رول ہوگا" سست گیت گایا جا رہا تھا۔ لکھنؤ کا معاہدہ
اپنے کھرے نتائج کے اعتبار سے چاہے کتنا ہی نا پسندیدہ کیوں نہ ہو اس کی فوری
اثر ضرور بہرحال کامیاب رہا۔ خاص کر کے اس اعتبار سے کہ جو لوگ باعث بنے
تھے وہ کچھ کر کے دکھا سکے۔ مگر چند ہی برس کے بعد ہماری کھوپڑیوں میں
سامنے بھی ساتھی کی زندگی ہونا بھلے والی نہیں۔ اور لیڈروں کے میل ملاپ اور سمجھوتوں
سے عوام میں اتحاد پیدا کیا نہیں جا سکتا۔ عوام کے مسئلے دوسرے، اور خواص کے
مسئلے دوسرے ہیں۔ ایک کے فائدے میں دوسرے کا نقصان ہے۔ اور سمجھوتوں
کی باتیں جب کبھی ہوتی ہیں تو اس میں خواص ہی کے مسئلے آتے ہیں اور لوگ ان
خواص کے مسئلوں کو حل کرنے کے بعد توقع کرتے ہیں کہ ان سے سماج اور عوام کا مسئلہ
حل ہو جائیگا۔ عام لوگوں میں ملاپ ہو جائے گا۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری
سمجھ کا قصور ہے۔ ہندو مسلم عوام میں ملاپ تو جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ان کے اپنے
طبقاتی مفاد کا احساس اور شعور ہو جائے۔ خیر اس طریقے سوال کو اس وقت
چھوڑ دیجئے۔

۱۹۱۶ء کے سمجھوتے کے بعد ہی ہندوستان میں بلوے ہونے لگے۔
عام لوگوں میں خون خرابہ ہونے لگا۔ سبھا اور مندر کی کشمکش تبلیغ اور تنظیم شدھی
اور سنگٹھن کی گرم بازاری۔ خوب خونریزی ہوئی۔ کتنا سستا تھا خون انسان کا!
گاندھی جی نے برت رکھا۔ لیڈروں میں ہلچل مچی۔ مولانا محمد علی نے بیان دیا۔
جواہر لال بولے۔ شردھانند کی آواز اٹھی اور دہلی میں اتحاد کانفرنس بیٹھی۔ اور
اس میں جو اصول تسلیم کیا گیا وہ تھا شہری آزادی اور ضمیر کی آزادی کا۔ مذہبی رسوم
کی علی الاعلان ادائیگی۔ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ قربانی اور جھٹکا۔ گانے اور باجا
اذان اور سنکھ، نماز اور گھنٹہ، محرم اور درگا پوجا۔ ان سب کو عام کرنے کی آزادی
ہر فرد و بشر کو ہے اور جو شخص یا جو فرقہ اس میں مداخلت کرے وہ مجرم اور گنہگار
سماج اور انسان کا دشمن، اور فتنہ کار۔ اس تصادم میں تعلق عوام کو تھا اور آزادی ضمیر
ہو۔ آزادی عمل کے اصول تسلیم کر لینے اور ایسے اصول پر عوام کی تربیت کرنے کے بعد
بلوؤں کی وہ کثرت اور شدت بھی ختم ہو گئی لیکن نہ ختم ہوئی تو بلوؤں اور فسادات
کی واردات۔ یکے دیگرے جگہ جگہ یہ جاری ہی رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام میں
انکے شعور کو طبقاتی اور سماجی مفاد اور مسائل کا شعور اور احساس پیدا نہیں ہوا۔ عوام
ابتک اپنے متحدہ طبقاتی، اقتصادی اور سیاسی اغراض کو نہیں سمجھ سکے اسلئے یہ مذہبی
کشمکش کبھی کبھی آج بھی ابل پڑتی ہے۔ اور ہماری پرامن زندگی کو خواہ مخواہ خراب
کر دیتی ہے۔ شعور اور احساس کی کمی کی وجہ سے سامراجی طاقتوں کو مذہبی جذبے سے
فائدہ اٹھانے کا کافی موقع ملتا ہے۔

نہرو رپورٹ

اس رپورٹ پر ہندوستان میں کافی شور اور دھوم مچ چکا ہے۔
ہندو مسلم مسئلہ کی تاریخ کو سمجھنے کا یہ ایک پہلا اور اہم مسالہ ہے۔
نہرو رپورٹ مرتب کیوں کی گئی۔

۱۹۲۷ء میں برٹش پارلیمنٹ نے ہندوستان کو نئے نئے آئینی اصلاحات
دینے کے لئے سائمن کمیشن کو مقرر کیا۔ اور حضرت لارڈ برکنہیڈ نے ہندوستانیوں
کو چیلنج دیا کہ وہ کوئی متحدہ مطالبہ پیش کریں۔ صاحب کو ہندوستان میں اتحاد نہ ہونے پر
بہا غرور تھا۔ اسی لئے شاید آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہندوستانی کبھی مل ہی نہیں سکتے۔
ملتے کیسے جناب نے وہ بنا ہی ڈالی تھی کہ ہندوستانی اپنی شرافت اور غیرت کے باوجود
بھی مل نہیں پائے۔ اسی سال بہرحال ۲۰ مارچ کو ہندو مسلم رہنماؤں کی آپس کی گفت
و شنید کے بعد بعض ممتاز مسلم رہنماؤں کا دہلی میں مسٹر جناح کی صدارت میں
ایک جلسہ ہوا جس میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مخلوط انتخاب کو قبول کیا گیا تھا۔

پتا

(افسانہ)

(پاچن جس کا اصلی نام لی فی کان ہے — کا نام لوشون، ماؤتون، ٹنگ لنگ، پنگ شن، شوکنگ وین اور لاؤ شے جیسے مشہور مصنفوں کے ساتھ لیا جاتا ہے جنہوں نے موجودہ چینی ادب کی تشکیل کی ہے اور اس میں جو نئی جان ڈالی ہے خصوصاً سنہ ۱۹۱۹ء کے ادبی انقلاب کے بعد سے۔ ان کے ناول اور افسانے چینی نوجوانوں میں بہت پسند کئے جاتے ہیں۔ ان کی تمام کتابیں جاپانی زبان میں ترجمہ ہو گئی ہیں کیونکہ وہ چین سے زیادہ جاپان میں مقبول ہے۔ ان کی بہت سی تصنیفیں روسی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں۔

پاچن کی مشہور کتابیں مردہ، طوفان اور کھلا ہوا پھول ہیں۔

اپنے بہت سے ہمعصروں کی طرح وہ اپنے سیاسی خیالات کی وجہ سے کومنٹانگ کی گرفت میں آ گیا اور اس وقت وہ جاپان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اپنے کو انارکسٹ کہتا ہے۔ اس کی بعض تحریریں ضبط ہو چکی ہیں)

میں اپنا نام نہیں جانتا۔ اگر واقعی کوئی نام میرا رکھا بھی گیا تھا ... اپنی صحیح عمر کیونکہ ظاہر ہے رہی۔ تقاضا تھا دنیا میں پہنچ گیا۔ نیستی سے اٹھایا گیا اور بغیر کسی خیال کے گرا دیا گیا ایک پتھر کی طرح جسے کوئی راہی بلا کسی خاص مقصد کے یونہی ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک دے۔ میں نہیں جانتا کہ کون میرا باپ تھا یا کون میری ماں تھی۔ میں صرف ایک چیز تھا جسکا کوئی وارث نہ ہو۔ جسے سبھوں نے چھوڑ دیا ہو، جسے سب بھول گئے ہوں۔ میں ویسے ہی بھورے چمڑے، کالے بال، کالی آنکھیں، چپٹی ناک اور منجھولے قد کا تھا جیسی وہ لاکھوں کروڑوں جانیں جنکے بیچ میں تقدیر نے مجھے زندگی بسر کرنے کے لئے رہنے کو ڈال دیا تھا۔

ہر ایک کی طرح میرا بھی ایک بچپن تھا لیکن کئی حیثیتوں سے عجیب و غریب۔ کسی نے مجھ سے شفقت نہ کی۔ کسی نے میرے بدن کو گرمایا، نہ آرام پہنچایا۔ میری ابتدائی یادیں بھوک، سردی اور تکلیفوں کی ہیں .... پھر بھی مجھے ایک دبلا لمبا، جھری دار بڈھا آدمی یاد ہے (ٹھیک سے نہیں، کیونکہ وقت کا مجھے کوئی احساس نہ تھا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا تھا ضرور) جو میرے سامنے رک گیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس عمر میں تمھیں اسکول میں پڑھتے ہونا چاہئے تھا۔ تعلیم بھی تو ایک چیز ہے جو آدمی کے لئے ضروری ہے" وہ دھیمی آواز میں بولا تھا جو نرمی اور ملائمت سے بھری ہوئی تھی اور اس کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا۔ اسکی نصیحت نے مجھ پر اثر کیا اور اپنا رنج اور چبھنے والی سردی کو بھول کر میں سرگرمی سے تعلیم کی تلاش کے لئے تیار رہا۔

یہاں وہاں عمارتیں کھڑی تھیں بعض محل کی طرح عالیشان اور بعض کم شاندار۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ دوسری قسم والی عمارتیں اسکول کہی جاتی ہیں جہاں آدمی تعلیم پا سکتا ہے۔ میں ہر وقت بڈھے آدمی کی باتوں کو سوچا کرتا اور آخر کار تعلیم پانے کا انتظار کرنے لگا۔ دلیری سے ایک اسکول میں داخل ہو گیا۔

. . . .

"نکل جاؤ یہ جگہ تمہارے لئے نہیں ہے" .... ہر جگہ یہی بات تھی۔ اسکے بعد میں نے تمام عمارتوں میں کوشش کی، سر بلند کوٹھیوں سے لے کے بنگلوں سے جھونپڑیوں تک۔ لیکن جہاں کہیں بھی میں گیا، وہاں کے خوش وضع چہروں پر بے رحم نگاہوں سے خوش آمدید کی جگہ ہمیشہ بار بار یہی دُہرایا جاتا۔ "نکل جاؤ"

یہ الفاظ مجھے کوڑے کی طرح لگتے اور خوف زدہ، ڈرا اور دکھی حال میں اپنا سر جھکا لیتا اور سکڑ جاتا۔ اور سوچنے کی کوشش کرتا جبکہ اسکولوں میں کھیلتے ہوئے لڑکوں کے پرمسرت قہقہے میرے کان میں گونجتے۔

مجھے حیرت ہونے لگی کیا میں انسان بھی تھا؟ اسکے بارے میں میں جتنا زیادہ سوچتا میرے شکوک اور زیادہ بڑھتے جاتے۔ جواب سے بچنے کے لئے میں نے اس سوال کو الگ کرنا چاہا لیکن ہر دم ہر وقت ایک طعن آمیز ہنسی اٹھانے والی آواز میرے کانوں میں بھنبھناتی رہتی "کیا واقعی یہ ممکن ہے کہ نسل انسانی سے تمہارا تعلق ہو؟" اکیلا اداس، مجبور، میرے وجود تک سے دنیا بے پروا۔ آخرکار میں نے ایک ویران مندر میں پناہ ڈھونڈھی، اس مندر میں رہنے والے خدا سے جواب طلب کرنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے، میں نے وہاں رات کو آرام کیا۔ "خدا رحیم ہے، خدا سب کچھ جانتا ہے" میں نے سوچا۔ "وہ مجھے اس سوال کا حل بتائیگا" پردہ جو کبھی اسکے سامنے لٹکا رہتا تھا نوچ کے الگ کر دیا گیا تھا۔ بت اکیلا ننگا، گرد سے اٹا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ شکستہ حال ہو رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے اسکے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر کے دعا کی۔

"قادر مطلق خدا، مجھے سمجھا دے، اس گتھی کے سلجھانے میں، کیا میں انسان ہوں؟"

خاموشی۔ اس کا گرد آلود منہ نہ ہلا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی جواب دینے والی چمک نہ پیدا ہوئی ....

آخرکار میں نے خود اپنے لئے نتیجہ نکالا۔ "واقعی میری جیسی چیز کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ دوسرے آدمیوں سے، جو ظاہر ہے کہ بالکل مختلف ہیں، کسی لگاؤ کا دعویٰ کرے" میں نے سوچا "گرمی، آرام، انسانی جذبات، آدمیوں کے حقوق — یہ سب میرے لئے ممنوع ہیں — اور میں ہمیشہ ان چیزوں سے پیٹ بھرتا ہوں جنہیں سچ مچ کے آدمی نہیں کھا سکتے اور پھینک دیتے ہیں۔

بحالِ انسانیت کے لئے توہین ہوگی اگر میں اس کا یہ خیال کیا جاؤں۔ یقیناً میں آدمیوں کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔"

لیکن میں نے سوچا، اگرچہ میں آدمی نہیں ہوں تاہم دنیا پر کسی مقصد سے ڈالا گیا ہوں۔ اور شاید میرے جسم کا کوئی مصرف ہوگا۔ ہر چیز خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ پھر میں کیوں نہیں بک سکتا؟ اپنی پیٹھ پر قیمت کی پرزی چپکا کر میں اپنے آپ کو بیچنے کے لئے بازار گیا۔ میں ایک جگہ کھڑا ہوا پھر دوسری جگہ۔ اپنے سر اور بدن کی ہر جنبش سے نمائش کی اور خریداروں کو دام لگانے کی دعوت دی۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر واقعی کوئی مجھے خرید لے اور بچا کھچا کھلائے تو میں اس کا اتنا ہی وفادار رہوں گا جتنا ایک کتا اپنے مالک کا۔

میں نے تمام دن بازار میں انتظار کیا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ گیا لیکن کسی نے مول تک نہ کیا۔ یہاں کہیں بھی جاتا لوگ صرف ہنسی اڑانے والی نگاہوں سے دیکھتے۔ صرف چھوٹے لڑکوں نے مجھ سے کچھ دلچسپی لی وہ بھی محض ایک تماشا بنانے کو۔ تھکا اور بھوکا میں مندر میں واپس آیا۔ آتے ہوئے سڑک پر سے میں نے روٹی کے ٹکڑے، سوکھے، کرخت، گرد سے اٹے ہوئے چن لئے تھے جنہیں میں نے بلا تکلف کھا لیا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ جب میں ایسی چیزیں کھا سکتا ہوں تو یقیناً میرا معدہ کتے جیسا ہوگا۔

خدا کے دربار میں بہت سناٹا تھا۔ ہمدرد سوا وہاں کوئی نہ تھا اور میں بے جان ہو کر پڑ رہا۔ دنیا میں اپنی بے مصرفی سے متنفر میں جو کچھ بھی تھا لیکن یہ ظاہر تھا کہ میں آدمیوں کے کسی کام کا نہیں۔ میں پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔ لیکن آنسوؤں نے بھی جو اتنے قیمتی ہوتے ہیں مجھ بے جاعت خبیث کو سکون نہ پہنچایا۔ پھر بھی میں روتا رہا کیونکہ مجھے اور کچھ کرنا نہ تھا اور میں اپنے آپ کو ان آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہ دے سکتا تھا۔ میں صرف مندر ہی میں نہ رویا بلکہ باہر جا کر امیروں کے دروازوں کے سامنے کھڑا ہو کر بھی روتا رہا۔

ایک بڑے مکان کے پھاٹک کے باہر میں چپ سا بیٹھا ٹھٹھرا ہوا۔ میں روتا اور اپنے آنسوؤں کو پیتا اور پھر پیٹ کا درد بھولنے کے لئے اور زیادہ زور سے روتا۔ ایک ریشمی لباس والا نوجوان میرے پاس سے گزرا اور مکان کے اندر گیا لیکن اس نے مجھ پر نگاہ تک نہ ڈالی۔ اس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اندر گیا لیکن وہ بھی مجھے نہ دیکھ سکا۔ سڑک پر لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے لیکن کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ کیا واقعی میرا وجود تھا بھی؟

آخر کار ایک لمبا سا آدمی باہر آیا اور اس نے مجھے بلا شبہ دیکھا کیونکہ نزدیک آ کے اس نے گالی دی اور چلایا۔ "نکل جاؤ! یہ جگہ تمہارے لئے نہیں ہے!" وہ مجھے ٹھوکروں سے مارنے بھی لگا جیسے وہ کسی کتے کو مارتا۔

میرے آنسو آخر کار ختم ہو گئے اور تھکا ماندہ اپنے جسم کو گھسیٹتا میں پھر مندر میں گیا۔ وہاں میں ایک بار پھر شکستہ حال خدا کے سامنے دو زانو ہو گیا ـــ اپنے تنہا دوست کے سامنے ـــــ اور پھر میں نے دعا کی:

"تو اے رحمٰن مطلق خدا، گو یہ ظاہر ہے کہ میں آدمی نہیں ہوں تاہم قسمت نے مجھے پیدا کر دیا ہے اور مجھے دنیا میں رہنا ہے میں ایک گم گشتہ یتیم ہوں، ماں باپ کو نہیں جانتا پھر بھی کسی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ مجھ لاوارث کو تو پالنے والے، اے بخشش کرنے والے منصف، مجھے اپنا بیٹا بنا لے۔۔۔۔۔۔ میں نسلِ انسانی سے تعلق لگاؤ نہیں رکھتا اور میں انسانی محبت کبھی نہ جانوں گا؟"

خدا نے اپنا منہ نہیں کھولا لیکن اس نے مجھے نکالا نہیں۔ آخر کار مجھے ایک باپ مل گیا ـــ بے اتھاہ، منصف، اور بخشش کرنے والا۔

(۲)

مجھے ہر روز بھیک مانگنے کے لئے باہر جانا پڑتا تھا اور جو کچھ بھی مل جاتا اس سے پیٹ بھر کر میں ایک نئی خوشی کے ساتھ گھر واپس آتا کیونکہ کسی طرح پہلی بار میں نے یہ محسوس کیا کہ میں بھی دنیا میں ہوں۔ میرا ایک باپ تھا ـــ مندر کا خدا۔ یہ سچ ہے کہ وہ کبھی اپنا منہ نہ کھولتا اور کبھی مجھ سے تسکین کا کوئی لفظ نہ کہتا۔ لیکن وہ وہاں ہمیشہ تھا، واحد ہستی جو مجھے کبھی نہ چھوڑتی۔۔۔۔۔۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا اور میں بڑھتا گیا۔

مجھے اس کا یقین رہا کہ میں انسان نہ تھا اور اس سے بارہا میرے عجیب و غریب وجود کی توجیہہ ہوئی۔ تاہم کبھی کبھی میں اپنے اندر انسانی محسوسات کی تحریک پاتا۔ میں تازہ کھانا، صاف کپڑوں اور ایک خوبصورت مکان کے اندر گرم اور آرام دہ بستر کی خواہش کرنے سے باز نہ رہ سکتا۔ "لیکن یہ تو انسانی خواہشیں ہیں، میں نے اپنے کو جتایا۔ تم ایسے آرام کا کیونکر خواب دیکھ سکتے ہو؟" تاہم میں ان دل لبھانے والی چیزوں کے بارے میں سوچتا ہی رہا جنہیں میں دکانوں میں دیکھتا۔ اور پھر ہاں، عورتیں بھی مجھے اپنی طرف کھینچتی تھیں، اپنی دلکش مسکراہٹ سے، نرم اجلے پیروں سے جو مرمر کی طرح چکنے تھے لیکن جو چھونے میں گرم (جیسا کہ میں قیاس کرتا تھا) کیا تم اس کا یقین کر سکتے ہو؟ میری جیسی چیز ان میں چھونا چاہتی ہو، پیار کرنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔ ایسی وحشی خواہشوں کو ہمیشہ دبا دیتا، نزدیک جا کر یہ یاد کر کے کہ میں ایک حقیر نامعلوم چیز تھا۔

لیکن ایک دن دو نہایت ہی نرم اور خوبصورت اور پیارے پیروں کے قریب ہی میں نے ایک چھوٹے سے اجلے کتے کو چلتے دیکھا اور میں نے سوچا "دیکھو! سارے حقوق صرف آدمیوں ہی کے لئے نہیں۔ ہم کتوں کے بھی حقوق ہیں!" یکایک دلیر ہو کر میں ان پیروں سے لپٹنے کیلئے دوڑا مجھے سخت حیرت ہوئی کہ کسی نے مجھے پکڑ لیا اور زمین پر پٹک دیا۔

"تو دیوانہ ہوا ہے؟" اس نے مجھے ٹھوکروں سے مارتے ہوئے کہا۔

مندر میں واپس آ کر میں نے بڑی اداسی سے یہ نتیجہ نکالا کہ میں کتے سے بھی ذلیل تھا۔ "باپ، خدا، میرے باپ" میں نے دعا کی "مجھے سچ مچ کا ایک کتا بنا دے، ایک چھوٹا سا اجلا کتا، اس کتے کی طرح جسے میں نے دیکھا، کہ میں بھی انسانوں کی محبت اور آرام میں شریک ہو سکوں!"

(۳)

بھورا چہرا، کالے بال، چپٹی ناک، چھوٹا قد ـــ بہت سے اصلی انسانوں کی طرح میرے پاس بھی یہ چیزیں تھیں لیکن میں نے دیکھا کہ اس دنیا میں نسلِ انسانی سے تعلق رکھنے والے ایسے بھی ہیں جنکے چہرے اجلے ہیں،

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

کانگریسی وزیر اعظموں کی کانفرنس

۱۳ مئی - کو بمبئی میں صدر کانگریس سبھاش چندر بوس کی زیر صدارت کانگریسی وزیر اعظموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ پہلے سول آزادی پر بحث ہوئی۔ اسی سلسلہ میں فرقہ وارانہ فسادات پر بھی تبادلۂ خیالات کیا گیا۔ بحث میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی حصہ لیا۔ آخر میں طے پایا کہ کانگریسی وزارتوں کو سول آزادی کے حدود بڑھانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی فرقہ وارانہ جھگڑوں کو روکنے کیلئے انکو سختی سے کام لینا چاہیئے۔ چاہے سول آزادی پر کسی قدر پابندی کیوں نہ لگانا پڑے۔ یہ بھی طے ہوا کہ کانگریسی وزیر اعظموں کو ہدایت دی جائے کہ وہ اخبارات کے غلط اور فرقہ وارانہ پروپیگنڈے کو روکنے کیلئے مناسب کارروائی کریں اور اگر ضرورت ہو تو پریس ایکٹ سے کام لیں اور اخبارات سے ضمانت طلب کریں۔ وزیر اعظموں نے بیان کیا کہ بعض کانگریسی سول آزادی کی آڑ میں ایسی باتیں پھیلاتے ہیں جو کانگریس کے عدم تشدد کے مسلک کے خلاف ہوتی ہیں۔ ایسی خطرناک روش کو روکنے کیلئے مناسب کارروائی کی جائے۔

۱۳ مئی کی نشست میں زرعی مسائل پر غور کیا گیا تاکہ تمام کانگریسی صوبوں کے لیے کوئی یکساں پالیسی بنائی جائے۔ یو۔پی۔ اور بہار کی ... پر خاص بحث رہی۔ دوران بحث میں وزیر اعظموں نے بتایا کہ کسان سبھا کے انقلاب پسند لیڈروں کی وجہ سے انکو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زرعی قرضوں میں چھوٹ دینے کے مسئلہ پر بھی غور کیا گیا۔

وزیر اعظم بمبئی کے بنگلے پر وزیر تعلیموں اور ہندستانی تعلیمی سنگھ کے نمائندوں کی کانفرنس میں ساتوں صوبوں میں وردھا تعلیمی اسکیم جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ عنقریب مدرسین کو اس اسکیم کا طریقۂ تعلیم سکھانے کیلئے وردھا میں ایک اسکول کھولا جائے گا جس میں ہر صوبہ سے مدرسین بھیجے جائینگے۔ جو ایک مہینہ پڑھنے کے بعد اپنے اپنے صوبوں میں دوسرے مدرسین کو بھی تعلیم دینگے۔ اس اسکیم کی خاص صفت بنیادی تعلیم ہے جو دستکاری کی صنعت کے ذریعہ عام تعلیم سکھاتی ہے۔ اسمیں ۷ سال کا کورس ہوگا۔ تعلیم مادری زبان میں ہوگی۔ اور تعلیم کا مرکز کوئی دستکاری یا دولت پیدا کرنے والا کام ہوگا۔ انگریزی کو چھوڑ کر اس تعلیم کا معیار انٹرنس کے برابر ہوگا۔

کانفرنس میں طے ہوا کہ پہلے یہ اسکیم صرف دیہاتوں میں چلائی جائے جہاں مدرسے نہیں ہیں اور پھر اس تجربہ کی بنا پر شہروں میں بھی یہ اسکیم رائج کی جا سکے گی۔ اس اسکیم پر تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۲۰ سال میں سارے ہندستان میں بنیادی تعلیم پورے طریقہ پر رائج ہو سکے گی۔

۱۴ مئی کو مزدوروں کے مسئلہ کی پوری طرح چھان بین کی گئی لیکن کوئی آخری فیصلہ جیورڈ کمیٹی کی رپورٹ کے بعد ہی کیا جا سکیگا۔

پارلیمنٹری سکریٹریوں کے اختیارات کے متعلق کانفرنس کی عام رائے یہ تھی کہ گو کانگریس ... پارلیمنٹری سکریٹریوں کے اختیارات اور حیثیت کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے لیکن جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں صاف کر دیا تھا کہ ان کا کام پارلیمنٹری ہے اور انکو حکومت کے انتظامی کام سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری ... اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ پارلیمنٹری سکریٹریوں کے اختیارات صرف پارلیمنٹری کاروائی تک ہی محدود رہیں۔

صوبجاتی لیجسلیچر پارٹی اور صوبجاتی کانگریس کمیٹی کے تعلقات کے بارے میں طے ہوا کہ یہ مسئلہ مشورہ کیلئے ورکنگ کمیٹی میں بھیجدیا جائے۔

اسکاؤٹ کے مسئلہ پر بھی بحث ہوئی۔ الٰہ آباد اسکاؤٹ کانفرنس پر غور کیا گیا اور طے ہوا کہ تمام کانگریسی حکومتیں قومی اسکاؤٹ تحریک کی مدد کریں اور اسکو آگے بڑھائیں۔

جیل خانوں کے متعلق کانفرنس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ موجودہ نظام میں جلد سے جلد مناسب تبدیلیاں کی جائیں۔ سیاسی اور غیر سیاسی قیدیوں کو علیحدہ علیحدہ درجوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ سیاسی قیدی کی صحیح تعریف کرنے میں مشکلیں پڑیں گی اس اسکیم کو چھوڑ دیا گیا۔ اسکے بعد اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ جیلخانوں کے موجودہ درجے توڑ دیئے جائیں۔ اور سیاسی قیدیوں کے لیے خاص رعایتیں کر دی جائیں۔ کانفرنس کی عام رائے اس تجویز کے موافق تھی۔

اسکے بعد تمام کانگریسی صوبوں کیلئے مزدوروں کے متعلق یکساں پالیسی بنانے کا مسئلہ پیش ہوا۔ یو۔ پی اور بمبئی کی مزدور کمیٹیوں کی رپورٹیں پیش کی گئیں۔ عام طور پر یہ طے ہوا کہ تمام کانگریسی صوبجاتی حکومتیں بمبئی کی کمیٹی کی سفارشات کے مطابق چلنے کی کوشش کریں۔

صدر کانگریس نے تجویز کیا کہ عوام کی خریداری کی اہلیت بڑھانے کے لیے تمام کانگریسی حکومتیں مرکزی حکومت سے سفارش کریں کہ وہ روپیہ کی قیمت گھٹانے کے مسئلہ پر غور کرے۔ ایک عام بحث مباحثہ کے بعد اس مسئلہ کو ماہرین کی رائے لینے کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔

آخر میں صدر کانگریس نے وزیروں اور وزیر اعظموں کا شکریہ ادا کیا اور کانفرنس ختم ہو گئی۔

ورکنگ کمیٹی

کانگریس ورکنگ کا اجلاس ۱۵ مئی کو بمبئی میں شروع ہوا۔ پہلے صدر کانگریس نے مسٹر شریف کے استعفے کے متعلق مسٹر منمتھا ناتھ مکرجی کی رپورٹ پیش کی۔ لیکن اس پر کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور طے کیا گیا کہ پارلیمنٹری سب کمیٹی سی پی کے دوسرے وزیروں اور وزیر اعظم کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ ہونے کے بعد اس مسئلہ کو اٹھایا جائے۔

۱۶ مئی کو ورکنگ کمیٹی نے آنریبل مسٹر شریف کو تار کے ذریعہ بمبئی بلایا۔ لیکن مسٹر شریف نے جواب دیا کہ بیماری کی وجہ سے وہ بمبئی فوراً نہیں آ سکتے ہیں۔ اس پر کمیٹی نے طے کیا کہ مسٹر منمتھا ناتھ مکرجی کی رپورٹ مسٹر شریف کو بھیجدی جائے اور اگر مسٹر شریف ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں نہ آسکیں تو پارلیمنٹری سب کمیٹی کو اختیار دیدیا جائے کہ وہ مسٹر مکرجی کی رپورٹ کی روشنی میں انکے معاملے کا فیصلہ کر دے۔

سی پی کے وزیروں اور وزیر اعظم کے باہمی جھگڑوں پر فریقین کے بیانات سننے کے بعد ورکنگ کمیٹی نے ایک قرار داد میں یہ طے کیا کہ آپس کے جھگڑے سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اسکو طے کرنے کیلئے اسمبلی کانگریس پارٹی کی ایک میٹنگ بلائی جائے جو اس جھگڑے کو طے کرے۔ چنانچہ کانگریس پارٹی کے لیڈر

سو لوگ یہ کہتے ہیں انکو چاہئے کہ آکر ملوں میں نوکری کر لیں؟
اور تو اور یہ ہیں صاحب بہت سے اور لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ اور جب اسٹرائک ہوتی ہے تو وہی لوگ مل مالکوں سے ملکر مزدوروں کا گلا کاٹتے ہیں؟

ہم لوگ جب جانتے ہیں کہ مل مالک ہمارے بھائی جب وہ بھائیوں کا ایسا … کریں۔

پریڈ کے میدان کا جلسہ

ان باتوں کو سنکر یہ تو پتہ چل جاتا ہے کہ مزدور جو کچھ کر رہے ہیں وہ وقتی جوش میں نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ سوچ سمجھکر قدم اٹھا رہے ہیں۔ منزل کے خطروں سے واقف ہیں۔ اور ان خطروں کے مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ ان میں جوش کتنا ہے۔

ان کے جوش کا اندازہ اس جلسہ کی خبروں سے ہوتا ہے جہاں مزدوروں نے اسٹرائک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پریڈ کا میدان اتنا بڑا ہے کہ اس میں ۵۰ ہزار آدمی آسانی سے آ سکتے ہیں۔ اس جلسہ میں یہ میدان پورا بھرا تھا۔ ادھر بھی … اور درختوں پر لوگ چڑھے ہوئے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس دن جتنے مزدور تھے چاہے وہ بازار ہوں یا بیکار سب کچھ آ گئے تھے۔

یہ جلسہ مزدوروں کا تھا۔ لیکن ان لوگوں کا تھا جو اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ جنکو ابھی صحت نہیں ملی ہے۔ لیکن پھر بھی مجمع کو دیکھئے جیسے بالکل امن و امان تھا۔

مل مالکوں کے فیصلہ پر مزدوروں کا جوش اتنا تھا کہ وہ یہ بات ہی سننے کیلئے تیار نہیں تھے کہ اسٹرائک نہ کی جائے۔ مزدوروں کے جتنے لیڈر تھے ہر ایک نے رائے دی کہ ابھی اسٹرائک نہ کرو۔ ابھی کانگرس کی کارروائی دیکھ لو۔ مگر مزدور نہیں تیار تھے، وہ اسٹرائک کریں گے۔ اور کر کے رہیں گے۔

پچاس ہزار مزدوروں کا فیصلہ تھا۔ سب کے دل و دماغ ایک تھے۔ سب جوش سے بھرپور تھے۔

مسٹر جوشی کا قصہ

انکے جوش و خروش کا دوسرا مظاہرہ مسٹر جوشی کے مکان پر ہوا۔ مسٹر جوشی کرپا ابن کمپنی میں کلرک ہیں۔ اسٹرائک ہو جانے پر مزدوروں نے ان سے اور تمام کلرکوں سے خوشامد کی کہ آپ لوگ دفتر نہ جائیے کلرکوں نے یہ درخواست ماننے سے انکار کر دیا۔ مزدوروں کا بیان ہے کہ مسٹر جوشی کا انکار ایسا شاندار تھا کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اور کلرکوں کو چھوڑ انہیں کے مکان کو دھرنا دینے کا کام لیا جائے۔ ۲۰ مئی کو انکے یہاں دھرنا دیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں ۵ گرفتاریاں ہوئیں۔

سوٹر گنج میں۔ ایک چھوٹی سی سڑک پر دونوں طرف دس بارہ چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے ہیں۔ … ایک خوبصورت سے مکان میں مسٹر جوشی رہتے ہیں۔ ۲۰ مئی کی صبح تھی خبر پھیلی ہوئی تھی کہ جوشی جی ۹ بجے دفتر جانے والے ہیں مکان کے آس پاس چھ سات مزدور والنٹیر سینے پر بلے لگائے۔ دفعہ ۱۴۴ کے خیال سے الگ الگ گھوم رہے تھے۔ دو سپاہی مکان کے سامنے بیٹھے والنٹیروں کو تک رہے تھے۔ آس پاس کے مکانوں کے چبوتروں پر جوشی جی کے پڑوسی آنے والے تماشے کے منتظر بیٹھے تھے۔ ایک صاحب کیمرہ لئے تیار تھے۔ دور پر تماشائیوں کا ایک غول کھڑا تھا۔ سورج کی ملائم کرنیں درختوں سے چھن کر آ رہی تھیں۔ ہوا ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔ صاف سڑک۔ پرسکون مجمع۔ اور یہ موسم۔ بالکل یقین نہیں آتا تھا کہ یہاں، ابھی، کوئی آفت آنے والی ہے۔

جوشی جی جا رہے تھے کہ خبر آئی کہ انکو لیجانے کے لئے مجسٹریٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آ گئے ہیں۔ جوشی جی نے چائے ختم کر دی، اور کچھ کاغذات لئے اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ مکان کے چبوترے سے پھاٹک کے سامنے ۱۰-۱۵ برس کی عمر کے دو لڑکے لیٹ گئے اور اپنا سینہ جوشی جی کی موٹر کے سامنے کر دیا۔ جوشی جی مسکرائے اور لڑکوں کی طرف دیکھا۔ انکے چہروں پر ہیرو پن کھیل رہا تھا۔ بھولے چہروں پر سنجیدگی اور مستقل مزاجی۔ کمسن سی آنکھوں میں خطرے کا احساس اور قربانی کی چمک۔ جوشی جی نے لڑکوں کی آنکھوں … سے مدد مانگی۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مسکراتا ہوا بید گھماتا ہوا آگے بڑھا۔

لڑکے والنٹیروں میں ہیرو جیسی کی ایک … گئی۔ … اور لیٹ گئے۔ اب راستہ بالکل بند ہو گیا۔

لڑکوں کے ہونٹوں پر … مسکراہٹ کھیلتی ہے پولیس افسر … سب کو … ہندستانی سپاہیوں نے والنٹیروں کے ہاتھ پکڑ لئے۔ شور اٹھا "انقلاب زندہ باد"۔ "انقلاب زندہ باد"

صبح کی ملائم فضا کا سکون رخصت۔ … زندہ باد کی … تماشائی اور جوشی جی کے پڑوسی بھی … والنٹیروں کا جوش … وہ جوشی جی کے قدم کے سامنے جھک گئے۔ وہ لیٹے اور گرفتار ہوئے۔ پھر ایک لیٹا اور گرفتار ہوا۔ پھر چار لیٹے اور گرفتار ہوئے۔ اسی طرح جوشی جی ہر قدم پر … کرتے ہوئے سڑک کے پھاٹک تک آئے۔ پولیس نے گرفتار والنٹیروں کو لاری میں بٹھایا اس وقت مزدوروں میں اتنا جوش تھا کہ چار پانچ مزدور خود بخود لاری میں گھس گئے ان میں سے دو ایک ایسے بھی تھے جو والنٹیر نہیں تھے۔

مزدور سبھا کے سکریٹری کو یہ الجھن تھی کہ صرف دو کو گرفتار ہونا چاہئے تھا۔ اتنے ایک کیوں چلے گئے۔ اسی وقت خیال آیا کہ بالکل ہی تماشائی کے قریب ہوا۔ کہ مسٹر جوشی نے جانا چاہا۔ اور بارہ مزدوروں نے دھرنا دیکر اپنے کو گرفتار کرا دیا۔

بابوانہ ذہنیت

کلرک بابو اور اس قسم کی چھوٹی ملازمت کے لوگ نچلے اوسط طبقہ کے سچے نمائندے ہوتے ہیں۔ اگر ان کے دل کو ٹٹولو تو اس میں مزدوروں، کسانوں، اور غریبوں سے پوری ہمدردی ہوتی ہے۔ فقیروں کو زیادہ تر بھیک ایسے ہی گھروں سے ملتی ہے۔ اگر کبھی کوئی قومی یا مذہبی چندہ ہو تو یہ لوگ بہت فراخدلی سے حصہ لیتے ہیں مگر جب سرمایہ داروں میں لڑائی چھڑ جاتی ہے تو یا تو یہ لوگ سرمایہ داروں کی طرف ہوتے ہیں، یا اس طرح غیر جانبداری کرتے ہیں کہ اس سے سرمایہ داروں ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مسٹر جوشی کی بیوی انقلابی شاعرہ ہیں۔ انکی ہندی کی نظمیں مزدور سبھا کے اخبار مزدور میں چھپتی رہتی ہیں۔ اور اچھی جوشیلی نظمیں ہیں۔ مسٹر جوشی خود بھی کانگرس میں کام کر چکے ہیں۔ اور اب بھی مزدور سبھا کی اصلاح پسند جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ مگر اس وقت ان کا مکان سامراج اور سرمایہ داری کا مورچہ اور مزدوروں کی غارتگری کا مرکز بنا ہوا ہے۔

یہ تضاد اوسط طبقہ کی طرز معاشرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا بڑا سا خاندان ہوتا ہے۔ اسکی لائی ہوئی آمدنی سے سارے گھر کا کام چلتا ہے یہ سلیقہ اور سوگھڑپن سے یہ لوگ ذرا سی آمدنی میں آسایش بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اپنے

بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکال لیتے ہیں۔ اسی آمدنی سے لڑکوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ ان کے مستقبل میں بڑی بڑی تنخواہوں کے خیالی قلعے بنائے جاتے ہیں۔

چونکہ سرمایہ دار اور مزدور کے بیچ میں ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ جتنا مزدور سے قریب ہوتے جاؤ۔ پولیس اور حاکم کی سختی۔ بدمعاشوں اور غنڈوں کے حملے بڑھتے جاتے ہیں۔ ایسی ملازمتوں اور دوسری جگہ چھوٹے فائدوں مثلاً اسپتال میں مریض کا داخلہ۔ اسکول میں لڑکوں کا داخلہ وغیرہ کی امیدیں کھنچی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو "سرمایہ دار" تک آدمی پہنچیں۔ اس لیے کہ "مزدور" ... دکھتا ... پیدا کرتے ہیں

ان کے آپس کے تعلقات بھی اور سماجی حلقے میں گھوم گھوم کر رہتے ہیں۔

اسلئے ان کے بنائے ہوئے فلسفہ میں مزدوروں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کوئی ناول اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ لکھنے والا پریم چند ہو یا ساشہ ... معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی ترقی سے انکی مراد صرف اوسط طبقہ کے لوگوں کی ترقی ہے۔

مزدوروں کی زندگی یہ ہے کہ اگر آج کھانے کو روٹیاں ہیں تو سہی اور کل فاقہ ہے تو بھی انہیں ہر طرح کی جھیل جاتا ہے۔ اور اسکا عادی رہتا ہے۔ اسکے یہاں کئی کمانے والے ہوتے ہیں۔ اور کمانے کے راستے بھی کئی ہوتے ہیں۔ ... آجانے سے ...

دوست چھوٹے ہیں اور نہ غریبی نہ اسکی عزت کم ہوتی ہے اور نہ دوسرے قسم کے نقصان۔ اسلئے وہ لڑائی میں کھل کر میدان میں آجاتا ہے۔ اوسط طبقہ والا یہ نہیں کرسکتا۔ اسکو لمبی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے وہ لڑائی میں حصہ نہیں لیتا۔ اور اسکو اپنے اوسط طبقہ والے فلسفہ سے ... کر اچھی بات سمجھتا ہے۔

مکان پر دھرنا دینا

ہم اس بات کی تائید نہیں کر سکتے کہ کسی کے مکان پر دھرنا دیا جائے۔ مزدوروں کا بیان ہے کہ بابو لوگ زمین سے موٹر پر بیٹھ کے بہت تیزی سے مل کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے یہ تجویز کیا گیا کہ جب وہ دفتر جانے کے خیال سے مکان کے باہر نکلنے لگیں انکے مکان پر دھرنا دیا جائے۔ یعنی اپنی سہولت کے خیال سے ہم نے دھرنا دینے کے لئے مکان چنا۔ یہ غلط بات ہے۔ سہولت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہمارا ایسا برتاؤ اوسط طبقہ کے ان لوگوں کو، جو اب تک ہمارے ہمدرد ہیں بدگمان کر دیگا۔ ہمکو یہ اصول مان لینا چاہئے کہ مل کا پھاٹک مزدوروں کا ہے۔ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں جسکو چاہیں روک دیں۔ مگر مسٹر ... کے مکان کا دروازہ انکا ہے۔ وہ جب چاہیں اس سے نکلیں، ہاں جب مل کے اندر جانے لگیں۔ تو دھرنا دے کر ہم انکو روک دے سکتے ہیں۔

ملک کی جدوجہد ایک منزل آگے

یو۔ پی کی صوبہ کانگرس کمیٹی نے کانپور کی اسٹرائک پر یہ قرارداد پاس کی ہے

"یو۔ پی کی صوبہ کانگرس کمیٹی نے کانپور کی مزدور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا۔ اسکو پسند کرتی ہے اور اسکی سفارشوں کو پسند کرتی ہے۔ یہ رپورٹ بتاتی ہے کہ مزدوروں کی کانپور میں کیسی خراب حالت ہے اور بمبئی اور احمدآباد کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں کے مقابلہ میں یہاں کی۔ مزدوری اور کام کی عام حالت کیسی ہے دی ہے یہ بتاتی ہے کہ مزدوروں کی رہائش کا انتظام خراب ہے۔ اور انکی ملازمت غیر مستقل ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ مل مالک اپنی صنعت کا حساب و اعداد و شمار اچھی طرح نہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ کمیٹی مانتی ہے کہ لوگوں کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ صوبہ کی صنعتی ترقی تیزی سے ہو۔ لیکن اسکو یقین ہے کہ صنعت کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی خوشحالی پر قائم ہو۔ اور یہی ہونا چاہئے۔ جو صنعت اپنی ترقی میں مزدور کو کوئی حصہ نہ دے۔ اور جسکی ترقی کی بنیاد ذلیل تنخواہیں اور تباہ حال معیار زندگی ہو اس کی اس زمانہ میں کہیں جگہ نہیں:

اب سے پہلے گرم بازاری کا سارا نفع صرف مالکوں کا رہا ہے۔ اور مندی کے زمانے کے نقصان کا بار مزدوروں پر ڈالا گیا۔ مالکوں کو جب اپنی نااہلی کی وجہ سے مندی بازاری کا سامنا ہوتا ہے تو وہ بجائے اپنی نااہلی کو دور کرنے کے نقصان کا سارا بار مزدوروں پر ڈال دیتے ہیں۔ اسطرح ان کی نااہلی کی مذمت ہوتی ہے۔

اور نہ صنعت کو ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے:

مالکوں کا مزدوروں کے ساتھ جو سخت رویہ ہے وہ اس عرضداشت سے ٹپکتا ہے۔ جو انھوں نے یو۔ پی کی حکومت کو بھیجی ہے جس میں تحقیقاتی کمیٹی کی سب سفارشوں کو ایک طرف سے رد کر دیا ہے۔ جب تحقیقات ہو رہی تھی تو مل مالکوں نے کمیٹی کے ساتھ بہت لاپروائی کا برتاؤ کیا۔ اور اسکو معلومات مہیا کرنے میں مدد نہیں دی۔ اب اسکو جانبدار کمیٹی کہتے ہیں۔ اور نامناسب طریقے سے اسپر اور حکومت پر حملے کرتے ہیں۔ یہ کونسل مالکوں کے اس رویہ کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ مالکوں نے تحقیقات کے زمانہ میں مزدوروں کی بہبودی کی طرف جو بے رخی دکھائی اور اپنی عرضداشت میں جو رویہ رکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کانپور میں مزدوروں کی کیسی حالت ہے اور انکے ساتھ کیا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ کانگرس کمیٹی اعلان کرتی ہے اور اس پر زور دیتی ہے کہ عوام کی بھلائی کے موقع پر اور چالیس ہزار مزدوروں کی بھلائی کے موقع پر مالکوں کا یہ رویہ ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا۔ کمیٹی اس بات کو بھی نہیں پسند کرتی کہ کانپور میں مزدوری اور عام حالت ہندستان کے دوسرے صنعتی مقاموں کے مقابلے میں ایسی ذلیل ہو ... سارے ہندستان کے مزدوروں کی عام حالت اور مزدوری ایک سی ہونا چاہئے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو دوسرے ملکوں کی ایسی ہونا

چاہئے۔ ہر صنعت میں مزدور کو حق ہے کہ وہ گذر بسر کرنے بھر کی مزدوری اور طرز معاش کا مطالبہ کرے۔

کانگریس کمیٹی تحقیقاتی کمیشن کی رائے سے اتفاق کرتی ہے کہ کانپور کے کپڑے کے کارخانے ایسے ہیں کہ تحقیقاتی کمیشن کی سفارشوں کو پورا کر سکیں۔ مزدوری کے بڑھنے، ملازمتوں کے مستقل ہونے، اور دوسری اسی قسم کے اصلاحوں سے یہ ہوگا کہ کارخانوں کو اچھی محنت مل سکے گی۔ اور اس طرح پیداوار اور نفع میں اضافہ ہو جائے گی۔ اس طرح مالکوں اور مزدوروں دونوں کا نفع ہوگا۔ اور ہندستانی صنعت کو فائدہ پہنچے گا۔

کانگریس کمیٹی پر زور سفارش کرتی ہے کہ یوپی کی حکومت تحقیقاتی کمیٹی کی سفارشوں اور تجویزوں کے اصول کو تسلیم کرے اور وہ تمام کارروائیاں کرے جس سے ان تجویزوں پر فی الفور عمل کیا جا سکے۔ خاصکر مزدوری میں اضافہ جلد سے جلد ہو جانا چاہئے۔ تاکہ سارے ہندستان کی مزدوری ایک حد پر آ جائے۔

کانگریس کمیٹی کو امید ہے کہ مالکان اپنے انکاری رویہ پر بھی غور کریں گے اور حکومت رپورٹ کے متعلق جو رپورٹ کرے گی اسے منظور کر لیں گے۔ ... اگر مل مالکان اپنے رویہ کو نہیں بدلیں اور حکومت کے اس فیصلہ کو بھی جو وہ تحقیقاتی کمیٹی کی تجویزوں پر کرے۔ رد کریں تو کمیٹی کی رائے میں یہ ضروری ہو جائے گا کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ صنعت کے انتظام میں تغیر کرکے اس پر حکومت کے اختیارات بڑھائے جائیں۔

"کانگریس کمیٹی کو یہ بڑا افسوس ہے کہ کانپور کے مزدوروں نے بلا اطلاع عام اسٹرائک کر دی۔ اور اس میں اپنے لیڈروں کا کہنا نہیں مانا۔ اور نہ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر حکومت کے فیصلہ کا انتظار کیا۔ ایسی فوری اسٹرائکیں مزدوروں کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اور مل مالکوں کو یہ بہانہ مل جاتا ہے کہ ایسی سبھا کو کیسے تسلیم کیا جائے جو اپنے ممبروں پر اختیار نہیں رکھتی ہے۔ مزدوروں کے پاس اسٹرائک سب سے بڑا اور کارآمد ہتھیار ہے۔ اسکو جلدی جلدی اور بے موقع استعمال کرکے بیگانہ نہ بنا دینا چاہئے۔ اسکو بہت ہوشیاری سے کام میں لانا چاہئے۔ تاکہ ٹھیک وقت پر ٹھیک ٹھیک طرح کام میں لایا جائے۔ جب اور تمام تدبیریں بیکار ہو چکی ہوں۔"

کانگریس کمیٹی مانتی ہے کہ مزدوروں کو خفگی کا موقع تھا۔ کیونکہ برابر کام کرنیوالے مزدور ملازمت سے برطرف کئے جا رہے تھے۔ اور مل مالکوں نے اپنی یونین کے بارے میں بہت سخت رویہ کا اظہار کیا۔ اسی طرح انکو یقین ہو گیا کہ اپنی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ فوری کارروائی کی جائے۔ اتنی بڑی اسٹرائک کا ایکدم سے اور اتنی کامیابی سے ہونا دلیل اس بات کی ہے کہ خراب حالت میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے دل میں جوش بہت تھا۔

"کانگریس کمیٹی مزدوروں کو مبارکباد دیتی ہے کہ انھوں نے خود ہی اپنی تنظیم بہت اچھی رکھی خاص کر اس بات پر کہ اتنی بڑی اسٹرائک میں امن برقرار نہیں ٹوٹنے دیا۔ کانگریس کے وسیع نقطۂ نظر سے، اور مزدوروں کے فوری فائدے کے لحاظ سے بھی یہ ضروری ہے کہ موجودہ عدم تشدد اور امن باقی رہے۔ مزدوروں کے نفع کو اس سے زیادہ کوئی اور چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی کہ جو کچھ شورش پسند لوگ عدم تشدد کو توڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس لئے کانگریس کمیٹی کی خواہش ہے کہ جب تک اسٹرائک جاری ہے امن اور عدم تشدد کی پوری فضا باقی رہے۔

"کانپور کے مزدور صرف اپنے ہی لئے نہیں [illegible] بلکہ ہندستان کے تمام مزدوروں کے حقوق کیلئے لڑ رہے ہیں۔ وہ انسانیت کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ [illegible] ہر کانگریسی کو انکے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے۔ اور انکی کامیابی کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس لئے صوبہ کانگریس کمیٹی تمام کانگریس کمیٹیوں سے اور عام پبلک سے گذارش کرتی ہے کہ وہ مزدوروں کی اس عظیم الشان جد و جہد میں تمام امکانی امداد کریں۔"

یہ قرارداد اس صوبہ کی کانگریس نے نہیں بلکہ ساری کانگریس نے پاس کیا ہے۔ کانگریس نے صرف یہی نہیں کیا کہ مزدوروں کے ساتھ ہمدردی دکھائی ہو بلکہ [illegible] سے پوری اپنائیت کا اظہار کیا ہے۔ انکی ساری جد و جہد انکی سب لڑائی کی [illegible] کی ہے، اور کارخانہ داروں کے سامنے رویہ کو ناپسند کیا ہے۔ جو لوگ [illegible] کی ذہنی غلامی میں پھنسے ہیں وہ اپنے جھگڑوں میں ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح ہندستانی صنعت کو نقصان پہونچے گا۔ کانگریس کی اس قرارداد نے بتا دیا کہ ایسی صنعت کی ترقی ہرگز نہیں چاہئے جس سے مزدوروں اور عوام کا برا حال ہو۔

مزدوروں اور کارخانہ داروں کو جس طرح اسکے سامنے رکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس نے طبقاتی کشمکش کو تسلیم کر لیا۔ اور صاف صاف [illegible] اعلان کر دیا کہ اس کشمکش میں کانگریس مزدوروں کا ساتھ دے گی۔

اس تجویز میں سب سے اہم وہ فقرہ ہے جس میں کارخانہ داروں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انھوں نے مزدوروں کے مطالبات نہ مانے تو کانگریس کوشش کرے گی کہ کارخانوں کی تنظیم از سر نو ہو، اور اس طرح ہو کہ ان پر حکومت کا اثر بڑھ جائے۔ اس فقرے میں تسلیم کر لیا ہے کہ کارخانے سرمایہ داروں کی خالص ملکیت نہیں ہیں۔ سرمایہ دار ان پر اسی وقت تک قابض ہیں جب تک حکومت کی مرضی ہے۔ اگر حکومت عوام کی نائب ہے تو [illegible] کارخانہ داروں کے حقوق پر تصرف کر سکتی ہے۔ اور کانگریسی حکومت مزدوروں کی حکومت ہے۔ کارخانوں پر اسکے حق کے بڑھنے کے معنی ہیں مزدوروں کے حق کا بڑھنا۔ یعنی کانگریس نے یہ بھی مان لیا کہ کارخانوں پر مزدوروں کا حق ہے۔

اس قرارداد کو پاس کرکے کانگریس نے دو محاذوں پر لڑائی چھیڑ دی۔ ایک بڑی لڑائی جو سامراجی طاقت یعنی برطانیہ کے خلاف ہے۔ اور دوسری چھوٹی لڑائی جو سرمایہ داروں کے خلاف ہے۔ اب یہ دونوں لڑائیاں جاری رہیں گی۔ پہلی لڑائی ختم ہوگی جب ہندستان سے برطانیہ کا عمل دخل ختم ہو جائے۔ اور دوسری اس وقت جب سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جائے۔

اس وقت کانپور میں کانگریس ایک طرف مزدوروں کی روٹی کا [illegible] کر رہی ہے اور دوسری طرف کانگریسی حکومت مزدوروں کو دھڑا دھڑ گرفتار کر رہی ہے۔ یہ اختلاف کیوں ہے؟

اگر مزدوروں کو روٹی نہ دی جائے تو سرمایہ دار جیت جائیں گے۔ اور مزدور بری طرح کچلے جائیں گے۔ اگر کانگریس گرفتاری بند کر دے یعنی حکومت سے الگ ہو جائے، تو پھر کارخانہ داروں پر دباؤ ڈالنے کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ لیکن اس وقت حکومت بھی کارخانہ داروں پر دباؤ ڈال رہی ہے اور پبلک بھی — اب ہماری فتح یقینی ہے۔

اردو کی جدید انقلابی شاعری

(سجاد ظہیر)

اردو میں انقلابی شاعری اب کوئی نئی چیز نہیں۔ جس رسالہ یا اخبار کو دیکھئے اس میں انقلابی نظمیں ضرور ملیں گی۔ بات یہ ہے کہ ملک کی فضا میں انقلاب زندہ باد کے نعرے گونج رہے ہیں، شاید ہی ہندستان کا کوئی شہر یا کوئی گاؤں ہوگا جہاں انقلاب کا پیغام نہ پہونچا ہو، ہمارا ساج آجکل نہایت بے چین ہو رہا ہے۔ کسی چیز کو سکون نہیں، کوئی ادارہ، کوئی طبقہ یا گروہ، کوئی فرد، اپنے کو محفوظ نہیں محسوس کرتا۔ بین الاقوامی افق پر عالمگیر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، فاشزم کی خون سو تاریکی یورپ کے مہذب ممالک پر چھائی جا رہی ہے۔ اسپین اور چین میں لاکھوں، کروڑوں انسان کٹ مر رہے ہیں۔ پرانی بستیوں میں آگ لگ رہی ہے بستے شہر کے شہر ویران ہو گئے۔ میڈرڈ اور بارسلونا، نانکنگ اور شنگھائی یہ تو چار ہی نام ایسے ہیں جہاں روز قتل عام ہوتے ہیں، خون کی ندیاں بہتی ہیں، بچے، بوڑھے، اور عورتیں تک ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، تعلیم گاہیں ہسپتال، کتب خانے، تصویر خانے اور میوزیم کو آگ دیدی جاتی ہے، انسانی تہذیب کے یہ چار مرکز! ان ناموں سے تو ہم کم و بیش واقف ہیں، اور بھی کتنے شہر اور کتنے گاؤں، کتنے بے شمار مقامات ایسے ہیں جن سے ہم واقف تک نہیں جو چیز آج آتش افشاں طیاروں کی زد میں ہے، جو چیز جل سکتی ہے، جو چیز فنا ہو سکتی ہے۔ آج ہر جگہ اس کی ہستی فوری ہلاکت کے خطرے سے خالی نہیں۔

بھوک — غریبی و بیروزگاری کی وبا کس ملک میں نہیں؟ ہندستان تو خیر ہمیشہ ہی سے ننگا اور بھوکا تھا، دنیا کے امیر ترین ملکوں کو دیکھئے، امریکہ یا متحدہ میں تقریبا ایک کرور آدمی بے روزگار گھومتے ہیں، انگلستان میں پچیس تیس لاکھ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں، دنیا کے سامراج کروڑوں روپیہ سامان جنگ کی تیاریوں میں صرف کر رہے ہیں اور قوموں کی زندگی کے معیار کو روز بروز پست کرتے جا رہے ہیں۔

میں ہندوستان کا حال نہ لکھوں گا، وہ آپ جانتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ کیا ہے؟ تمام غریب، محنت کش، مظلوم، سرمایہ داری کی اس بربریت کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر رشنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سرمایہ داری نظام جس نے آج دنیا کو تباہی کی اس حد تک پہونچا دیا ہے جسکا قیام تہذیب و تمدن کے مسلسل انحطاط و بے حد بربادی کے مرادف ہے، آج صرف اشتراکی نظام سے ہی بدلا جاسکتا ہے۔ دنیا کے غریبوں نے دنیا کا ایک چھٹا حصہ سرمایہ داری سے آج سے بیس برس پہلے چھین کر ثابت کر دیا کہ سرمایہ دار، زمینداروں، راجاؤں، نوابوں، اور انکے اعلی موالیوں کے بغیر بھی دنیا کا کام چل سکتا ہے اور خوب چل سکتا ہے۔ انھوں نے دکھا دیا کہ انسان کو زندہ رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کا خون چوسے۔ انھوں نے بتلایا کہ انسانی تمدن کی ترقی کے راستے سوشلسٹ نظام کے ماتحت برق رفتاری کے ساتھ طے کئے جاسکتے ہیں۔

یہ ہے وہ ماحول جس میں ہمارے نوجوان انقلابی شاعر رہتے ہیں۔ یہ وہ نوجوان ہیں جنھوں نے دنیا کے بڑے بڑے مسائل کے بارے میں اپنی رائے قائم کرلی ہے۔ مجاز، جعفری، شہاب، جذبی، مخدوم، رشتی، وقار وغیرہ ان سب کی خصوصیت کیا ہے؟

یہ سب کے سب ہندستان کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ آزادی کے لئے لڑنے والے مزدور اور کسان ہی ہو سکتے ہیں، انھیں سرمایہ داری سے نفرت ہے اور اُسے ام الخبائث سمجھتے ہیں، یہ سب چاہتے ہیں کہ ہندستانی نوجوان بہادری کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک ہوں، یہ سب چاہتے ہیں کہ انقلاب ہو اور جلد ہو۔ بغاوت ہو اور جلد ہو۔

میرے سامنے اس وقت تقریبا چالیس یا پچاس نظمیں ہیں جن میں سے اکثر "ہندستان" میں شائع ہو چکی ہیں۔ چار یا پانچ غیر مطبوعہ نظمیں بھی اڈیٹر صاحب کی عنایت سے مجھے پڑھنے کو مل گئیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ اردو شاعری میں "ان" کی کتنی زیادہ گنجائش ہے۔ یہی لکھنؤ جہاں کی شاعری کی دنیا ہی الگ تھی آج ہماری انقلابی شاعری کی اشاعت کا مرکز ہو گیا ہے۔ اور شاعری کے بلتے ہوئے چشمے اگر یہاں سے نکل نہیں رہے ہیں تو کم از کم ہم تک تو یہیں سے پہونچ رہے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان شاعروں کے دل میں ایک زبردست نعرہ منفیہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہ انقلابی شاعر سمجھتے ہیں کہ سارا ہندستان سو رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہر چیز کو ایک جھٹکے کی ضرورت ہے قبل اسکے کہ اس میں بیداری کے آثار نمایاں ہوں، جاگو، اٹھو، چلو، آگے بڑھو، کا موضوع بار بار ہمارے سامنے آتا ہے۔ لیکن ایک شاعر کے لئے صرف اس بات کا احساس کافی نہیں کہ قوم خوابیدہ ہے اور اسے جگانا چاہئے، جگانے کا بہترین طریقہ کیا ہو یہ بھی اسے دیکھنا ہے۔ آرٹ ایک ایسا آلہ ہے جسکا استعمال ہزار طریقے سے ہو سکتا ہے، وہ ایک ایسی چیز ہے جو ہمارے تخیل اور دماغ پر پیچیدہ اور نازک طریقوں سے اثر ڈالتا ہے۔ اسلئے مجاز جب اپنی نظم "اندھیری رات کا مسافر" میں کہتا ہے۔

فنا کے آہنی وحشت اثر قدموں کی آہٹ ہے
دھوئیں کی بدلیاں ہیں گولیوں کی سنسناہٹ ہے
اجل کے قہقہے ہیں زلزلوں کی گڑگڑاہٹ ہے
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں!

تو وہ صرف ایک تصویر ہمارے سامنے کھینچ کر رکھدیتا ہے۔ یہ ایک ایسی کامیاب تصویر ہے جو ہم پر اثر ڈالتی ہے، لفظوں کی مناسبت، آواز کا ترنم، آہٹ، سنسناہٹ، قہقہے، زلزلے، یہ تمام الفاظ یکے بعد دیگرے ہمارے تخیل میں دھنس جاتے ہیں۔ اسکے بعد شاعر خاموشی سے کہتا ہے۔ "مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں!" ایک واقعہ کا اظہار اور بس۔ لیکن شاعر کا مقصد پورا ہو گیا۔ جو اثر اسے انقلابی نوجوانوں پر ڈالنا تھا وہ اسنے ڈال لیا۔

اب معین احسن جذبی کی نظم "دعوت جنگ" دیکھئے۔ یہ تو ایک رزمیہ نظم ہے جس

اسلئے تلواروں کی جھنکاریں، جنگ و جدال سب کچھ اسمیں ہونا لازمی ہے۔

جھکے آگے ہاتھ کانپیں ان حسینوں کو نہ دیکھ
تو ہے جلاد فلک زہرہ جبینوں کو نہ دیکھ
آسماں پرواز کر، بڑھ کر زمینوں کو نہ دیکھ
سلنے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

شاعر، انقلاب کے سپاہیوں کو دعوت عمل دیتا ہوا یہ کہتا جاتا ہے کہ انکو اپنے ذاتی جذبات، اور جھوٹی چھوٹی انسانی کمزوریوں اور تعلقات کا خیال نہیں کرنا چاہئے ان مصرعوں کو دیکھئے، اردو شاعری کی روایات میں ڈوبے ہوئے مصرعے ہیں شاعر نے ہماری پرانی شاعری کے زیوروں سے اپنی ترقی پسندی کو اچھی طرح سنوار آ لیکن مہیا ہونا چاہئے معنویت کے لحاظ سے وہ بہاؤ نہ ہے۔ یہ نوجوان شاعر مجتہد آتش اور انیس کی دنیا کا رہنے والا نہیں لیکن انکی دنیا سے نکلا ضرور ہے۔

اسی قسم کی ایک دوسری نظم مخدوم کی ہے، جسکا عنوان "موت کا گیت" ہے۔ یہاں بھی سرمایہ دارانہ دنیا کو ختم کرنے کا سوال ہے۔ تباہی کے دیوتا کی یہاں بھی پرستش کی گئی ہے۔ ہر چیز اور ہر شخص جس سے ظلم و جبر کی بو آتی ہے اسکو ختم کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک بند میں شاعر آواز دیتا ہے۔

زلزلو آؤ دہکتے ہوئے لاؤ آؤ!
جلو آؤ، گرجدار گھٹاؤ آؤ!
آندھیو آؤ جہنم کی ہواؤ آؤ!
آؤ یہ کرۂ ناپاک بھسم کر ڈالیں،
کاسۂ دہر کو معمور بکرم کر ڈالیں!

شاعر کو اس نظام سے اتنی نفرت ہے کہ وہ چلا اٹھتا ہے ع

زندگی چھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی!

اسے انقلابی تباہی کے خیال سے خوشی ہوتی ہے، وہ اپنے جوش میں کہہ اٹھتا ہے۔

جاگ اٹھنے کو ہے اب خوں کا تلاطم دیکھو
ملک الموت کے چہرے کا تبسم دیکھو

اور مجاز کی طرح اجل کے قہقہے اسے بھی سنائی دیتے ہیں، اور وہ اس سے مطمئن ہے۔ اسلئے کہ اسکے نزدیک ملک الموت کی یہ مسکراہٹ دنیا کے لئے رحمت و کرم ہے۔

وقار، انتقام کو پکارتا ہے اور پوچھتا ہے کہ غریبوں پر یہ ظلم آخر کب تک رہیگا؟ وہ بتاتا ہے کہ۔

بیکسی کی آنکھ ہے آئینہ دار انقلاب
مفلسی کے آنسوؤں میں ہیں شرار انقلاب
بے بسی کا درد ہے سرمایہ دار انقلاب
بندگی پر کھول دے راہ و دیار انقلاب
انتقام! اے انتقام لا اے انتقام اے انتقام!

اس بند کے پہلے تین مصرعوں میں شاعر ہمیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ انقلاب کی اہمیت بتاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ انسانوں کی بے کسی، مفلسی، بیچارگی اور بندگی، یہ جو انہیں انقلاب کرنے پر مجبور کرتی ہے ان تمام میں ایک نئی بات یہ نظر آتی ہے وہ یہ کہ صرف ظلم کی تصویر کھینچ کر، صرف سرمایہ داری کی برائیاں ذکھا کر اسے ختم کرنے کی تلقین نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ شاعر نے سرمایہ داروں کے ظلم اور انقلاب میں ایک شدید ربط دکھایا ہے اس تعلق کے اظہار سے ان مصرعوں کا اثر ذہن پر اور زیادہ گہرا ہوتا ہے کیونکہ انقلاب کی گہرائیوں پر نظر پڑجانے سے ہم اسکے بعض مظاہرے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر نہایت صفائی کے ساتھ سرمایہ داروں کے بر آرت بیان کرتا ہے۔

کھاتیں بھی مزدور کا، مزدور پہ غرائیں بھی
دن کو محنت بھی کرائیں، رات کو رلوائیں بھی
بھوک سے مزدور کے بچے بھی بلکیں، مائیں بھی
تف ہے سرمایہ پرستوں پہ کہیں مٹ جائیں بھی
انتقام۔ اے انتقام! اے انتقام اے انتقام

مجاز۔ انقلاب کی طرف ایک نئے راستہ سے آتا ہے۔ اپنی نظم "انقلاب" کے آدھے جز میں دنیا کی رنگینیوں کی تصویر بڑے شد و مد کیساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ مطرب کو مخاطب کرکے کہتا ہے

مجھکو تیرے سحر موسیقی سے کب انکار ہے
مجھکو تیرے لحن داؤدی سے کب انکار ہے
بزم ہستی کا مگر کیا رنگ ہے یہ بھی تو دیکھ
ہر زباں پر اب صلائے جنگ ہے یہ بھی دیکھ

اسکے بعد تو ہم خون کی آندھیوں اور طوفانوں میں ڈوب جاتے ہیں یہاں تک کہ۔

حشر در آغوش ہو جائے گی دنیا کی فضا
دوڑتا ہوگا ہر اک جانب فرشتہ موت کا
اور اس رنگ شفق میں باہزاراں آب و تاب
جگمگائے گا وطن کی حریت کا آفتاب

ان نظموں کو اب اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہم ان میں سے اکثر میں انقلاب کا ایک سادہ اور مکمل سا تصور پاتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ نظمیں خطابانہ اور خطیبانہ انداز میں لکھی گئی ہیں جس سے انکا اثر لازمی طور پر کم ہو جاتا ہے۔ آرٹ ایک ایسا آلہ ہے جو ہمارے ذہن پر لطیف و نازک طریقوں سے اثر ڈالتا ہے جذبات کو بیدار کرنا، دماغ کو ہشیار کرنا، ایک مشکل کام ہے اور بہترین اور کامیاب ترین آرٹ وہی کہا جاسکتا ہے جو ہمارے جذبات و ادراک کی سطح ہی نہیں بلکہ انکی گہرائیوں تک اور انکی پیچیدہ راہوں تک سے واقف ہو۔ اسکے لئے صرف نعرے صرف جنگی تیاریاں، صرف ندا، خطاب اور پکار سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز ضرورت سے زیادہ کی گئی۔ یا بھدی اور بھونڈی طرح سے کی گئی (خلاف شہاب کا یہ شعر

سر غرور کبر و نخوت کا کچل ڈالوں گا میں
پیس ڈالوں گا، رگڑ دوں گا مسل ڈالوں گا میں۔ یا رفعت کا نوجوانوں سے کہنا کو رمیدان میں اڑا دے ظالموں کی دھجیاں) تو سننے والے کے جذبات پر الٹا اثر پڑے ردعمل کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

ان خامیوں اور کمزوریوں کی وجہ کیا ہے؟ پہلے تو یہ کہ ہمارے نوجوان ادیب جنکا کلام زیر بحث ہے ابھی تک اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر انقلاب کی اہمیت اور معنے مکمل طرح سے نہیں

سکے ہیں اسکے لئے کچھ تو انقلابی تحریک میں انکا "نیا پن" ذمہ دار ہے، کچھ ہندستان کی سوشلسٹ انقلابی تحریک کی کمزوری، کچھ انکا شاعری کے میدان میں نو وارد ہونا۔

ہم درمیانی طبقے کے نوجوان انقلابی تحریک میں جب آتے ہیں تو دل کی راہ سے آتے ہیں۔ ہمیں کسانوں اور مزدوروں کی تکلیف دیکھ کر رنج ہوتا ہے۔ ہماری انسانیت ہمکو گوارا نہیں کر سکتی کہ انسان انسانوں کا خون چوسیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس نظام میں ایسی باتیں روا رکھی جائیں اسکا فوراً خاتمہ کر دیں۔ اسکے ساتھ ساتھ خود درمیانی طبقہ کے نوجوان موجودہ زمانے میں زندگی کی شاہراہوں کو مسدود پاتے ہیں، بیکاری کا بازار گرم ہے، جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کی قائم کی ہوئی بندشیں، ہمارے دل، دماغ و جسم کی نشو و نما کو ہر ہر قدم پر روکتی ہیں، آج کل کا سماج ہمارے لئے ایک ناقابل برداشت شکنجہ ہو گیا ہے، تعصب، ریاکاری، دھوکہ، بے ایمانی سے ہر جگہ بدبو سی پھیلتی رہتی ہے۔ اسلئے حساس نوجوان بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ درمیانی طبقہ اکیلا اس قیدخانہ کی دیواروں کو نہیں توڑ سکتا۔ اسلئے ان حالات میں اس کا ردعمل تین طرح کا ہوتا ہے۔

یا تو اس پر مایوسی چھا جاتی ہے اور وہ رجعت پسندی، توہم، ماورار النفس اللادماک کی ذہنی آغوش، عیش پسندی کی دلدل، بے عملی، وغیرہ کے رستے اختیار کر لیتے ہیں۔

یا پھر دوسرا راستہ۔ رکاوٹوں سے تنگ آکر ہم اپنے انقلابی جذبات کی کڑھائی میں سلگنے لگتے ہیں۔ ہم چیزوں اور واقعات و حوادث کا ایک دوسرے سے تعلق دیکھے اور سمجھے بغیر ایک جست لگا کر دوسری دنیا میں پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ انقلابی جست لگانے کے لئے بھی پہلے ذرا دور دوڑنا پڑتا ہے۔ ہمارا تعلق چونکہ عوام سے براہ راست نہیں ہوتا اسلئے ہم یا تو انسے بھاگتے ہیں یا انھیں رومانیت کی گلابی عینک لگا کر دیکھتے ہیں۔ نتیجہ دونوں حالتوں میں برا ہوتا ہے، ہم حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں، سیاسی میدان میں یہی چیز دہشت انگیزی پیدا کرتی ہے اور ادبی میدان میں جذبات پرستی و مبالغہ آمیزی اور رومانیت کا بے پناہ ابال۔

یا تیسرا راستہ۔ انقلابی جذبات کو انقلابی ادراک کی بنیاد پر عمل کے صحیح رستوں پر لگانا۔ عوام کی تحریکوں میں پوری طرح سے حصہ لیکر اپنے کو انسے ملا دینا۔ تجربات کی بنا پر انقلاب کا رومانی تصور (جس سے ہمیشہ خون ہی ٹپکتا ہے) مٹا کر اسکا صحیح علمی نقشہ اچھی طرح سے سمجھنا۔ علمی اشتراکیت کے فلسفہ مادیت ارتقا، بالضدین کو اچھی طرح سمجھنا۔ نظریہ اور عمل کو ہمیشہ ملا کر سماجی تبدیلیوں کو سمجھنا اور تبدیلیاں کرنے میں حصہ لینا۔

ان رستوں پر چلنے والا شخص اگر وہ ادیب بھی ہے تو اپنے ادب میں لازمی طور سے زیادہ سے زیادہ خارجی تصویر پیدا کرے گا، جذبات کا صحیح اور برموقع استعمال کرے گا اور جہاں تک ہوگا داخلی عنصر کو کم کرے گا۔ اسکے ادب میں نعرہ زنی کم ہوگی، واعظانہ انداز کا پتہ نہ ہوگا، حقیقت نگاری کے معنے وہ صرف سطحی باتوں کے اظہار کو نہ سمجھے گا۔ بلکہ سطحی باتوں کو مظہر سمجھے گا عمل اور ردعمل کا، چیزوں کو ساکت نہیں بلکہ ہر ہر لمحہ بدلتے ہوئے، ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہوئے دیکھے گا اور سمجھے گا۔ دنیا اور سماج اور تمام حوادثات کا تصور اسکے نزدیک ساکت اور قائم نہیں بلکہ متحرک، رواں ہوگا۔ رحم، غصہ، نفرت و محبت کے جذبات ابھارنے کے لئے صرف ان لفظوں کو دہرا کر نہیں، بلکہ حقیقت کا اظہار کر کے، اپنے زمانے کے علم میں ڈوب کر، ذہن و ادراک کو بھی ساتھ لئے ہوئے، ادب کے تمام لطیف و نازک آرٹ کو کام میں لاتے ہوئے، الفاظ کی تمام موسیقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ادبی روایات کے سارے خزانوں سے مالا مال ہو کر، سماجی آب و ہوا کا پوری طرح خیال کر کے ہمارا انقلابی ادیب شاعری کی تکمیل کریگا۔ اس قسم کا ادب اور اس قسم کی شاعری دراصل ایک نئی شاعری ہوگی اور وہی ہمیں موجودہ زمانے میں مکمل جذباتی اطمینان دلا سکتی ہے۔ (باقی — آئندہ)

کتا

سلسلہ گزشتہ

نشانی

یہ آدمی، میں نے غور کیا۔ سڑکوں پر دلیری سے چلتے، گاتے، چیختے، ہنستے ہوتے جیسے کہ صرف ان ہی کا وجود ہو۔ اور واقعی دوسرے دور ہٹ کر چلتے اور انکے نزدیک ہو کر گزرنے کی ہمت نہ کرتے۔ یہ میرے لئے ایک دریافت تھی کہ انسان میں بھی قسمیں ہیں اور جنھیں میں زیادہ دیکھا کرتا تھا ان سے بھی اونچے درجہ کے لوگ ہیں۔ ان مخصوص حقوق والی خوش قسمت ہستیوں کو میں لگا کر دیکھنے لگا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو گول اجلی ٹوپی، نیلی کنارداں نرالی اجلی قمیص اور اور اجلے پاجامے پہنتے اور ہمیشہ ہنستے اور ٹہلتے رہتے۔ کبھی لڑتے کبھی بھورے آدمیوں کے سروں پر تیلیں توڑتے، کبھی عورتوں کا بوسہ لیتے یا انکے ساتھ رکشا میں سوار ہوتے اور عورتیں ان کی گود میں بیٹھی اپنے زخم کھلے ہوئے، بیسر لاتیں۔

سب لوگ ان آدمیوں کی بہت عزت کرتے معلوم ہوتے۔ ہر کوئی انکے رستہ سے ہٹ جاتا اور ظاہر وہ فانی انسانوں میں شریف ترین تھے۔ میں ہر گز خیال رکھتا کہ ان کے نزدیک نہ جاؤں کیونکہ میری موجودگی یقیناً نفرت انگیز ہوتی لیکن ایک شام کو جب میں حسب معمول بھوکا اور تھکا ہوا ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہوا اپنے کیچڑ بھرے خون آلود ہاتھوں کو چاٹ رہا تھا، کچھ لوگ یکایک میرے سامنے آگئے۔ میں نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور یہ دیکھ کر بے حد ڈر آیا وہ انسانیت کے شریف ترین درجہ کے کچھ رکن تھے، بہت دیر ہو گئی۔ بھاگنے کا اب موقع نہ تھا: میں الو کی طرح بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ قسمت کیا دکھاتی ہے۔ انھوں نے چیخ کر مجھ سے نکل جانے کو کہا۔ انھوں نے مجھے ٹھوکریں ماریں اور "کتا" کہا۔

کتا! اس سے بدتر یہ نہیں۔ رات کو جب میں مندر میں واپس گیا تو میں نے اپنے باپ کا شکر ادا کیا کہ ان بلند ہستیوں نے مجھے کتے سے زیادہ ذلیل نہیں خیال کیا۔ اس سے مجھے نئی امیدیں ہوئیں۔ اگر میں کتے سے ذلیل تر نہیں سمجھا گیا تو اس طرح میں کم سے کم کتے کے حقوق کا حقدار ہو گیا اور مجھے ایک بار پھر اس چھوٹے سے سفید جانور کا خیال آیا جو اپنی مالکہ کے خوبصورت جسم کے قریب دوڑ رہا تھا۔

دوسری ہی مرتبہ ایک جوڑا دلکش پیروں کو سڑک پر شان سے چلتے دیکھ کر میں خوش ہو گیا اور یہ یاد کر کے کہ اب بلند آدمیوں کی نظروں میں اب میں یقینی طور پر کتا تھا، میں نے اپنا حق طلب کیا، میں کود کے خوب زور سے پیروں کے ساتھ چمٹ گیا۔ اور سب کچھ بھول گیا۔ چیخوں کی ملی جلی آوازیں کانوں میں آئی۔ بھاری گھونسے مجھ پر پڑے، سیکڑوں ہاتھوں نے ہر طرف سے کھینچا۔ لیکن میں نے نہ کچھ محسوس کیا اور نہ سنا۔ میں دونوں چکیلے پیروں میں خوشی سے لپٹا رہا۔ . . . . .

جب میں نے پھر آنکھیں کھولیں تو ایک سرد اندھیرے گڈھے میں پڑا تھا۔ اور کوئی انسانی آواز سنائی دیتی تھی۔ میرا سارا بدن درد کر رہا تھا۔ اور میں مشکل سے سانس لے سکتا تھا۔ . . . . .

خدا، باپ، منصف اور رحیم ابھی تک گرے ڈھکا اپنے مندر میں بیٹھا ہے۔ لیکن اب میں اس بے ہاتھ والے بت سے کبھی دعا نہ مانگوں گا!

ترجمہ

سرمایہ داری نے فسا

(جاں نثار اختر)

الاماں مزدور کے سینے کی آگ جاگ اے طوفان بردوش جاگ
چھیڑ دے خونی بغاوت اپنا راگ

تا کجا یہ زرگری پرکھٹ کا سوال جنگ کر سرمایہ داری کے خلاف
خون سلطاں کا ہے بھوکوں کو معاف

یہ سپید پونکا پالا اژدہا زندگی پر اہرمن کی بددعا
موت سے تاریک تر اک دیوتا

اک بھیانک پوستو کھولے ہوئے انگلیوں میں ہنسا گھولے ہوئے
زندگی پر موت پر تولے ہوئے

اک محل خندق ہے جس کے چار سو جس میں بہتا ہے غریبوں کا لہو
جس جگہ ہوتی ہے خونی گفتگو

زندگی کے موڑ پر اندھا کنواں گھٹ رہا ہے جس میں آ ہوں کا دھواں
موت کی پھیلی ہوئی ہے بو جہاں

پھر جتے ہیں، یہ چلاتی مشین شیطنت اُلٹے ہوئے ہیں آستین
پھونک دے ایسا فلک ایسی زمین

سردیوں میں جان کھوتے ہیں غریب رات کو سڑکوں پہ سوتے ہیں غریب
آہ، کیا پتھر کے ہوتے ہیں غریب

روح پر چھایا ہے نکبت کا ہراس ایک کپڑا تک نہیں مفلس کے پاس
چاک کر دے ان امیروں کا لباس

چھین لے نغمہ ہائے جاں نواز چھین لے داؤد کے ہاتھوں سے ساز
ہے بغاوت زندگی کا آج راز

محفلوں سے شمع و ساغر پھینک دے فرش کمخواب و مشجر پھینک دے
عیش کا سامان بڑھ کر پھینک دے

اُٹھ لگا دے اس گلچیں میں آگ پھول کے پیراہن رنگیں میں آگ
باغباں کے حکمت و آئیں میں آگ

یہ محل یہ آستانے پھونک دے شاخ گل کے آشیانے پھونک دے
زمزمے، نغمے، ترانے پھونک دے

اُٹھ! امیروں کے شبستانوں کو پھونک ان گھر آویز کاشانوں کو پھونک
پھونک ان مہک گلستانوں کو پھونک

اُٹھ شفق سے لعل احمر چھین لے رات سے تاروں کا زیور چھین لے
چاندنی پر نور چادر چھین لے

اُٹھ الٹ دے چاند سورج کے طبق خون میں ڈوبی ہوئی ہے ہر شفق
زندگی ہے آج اک خونی ورق

پھینک ہاں ہر طرف ستے کا جال تیز بجلی کی طرح خنجر نکال
کر خدائی کے خداؤں کو حلال

ہیں بہانے ظلم کے ذلت سے باز بدگہر کرتے ہیں سرمایہ پہ ناز
غرق کر دے یہ تجارت کے جہاز

توڑ ان کے نشۂ دولت کو توڑ ان کی رگ رگ سے بہا یا خوں نچوڑ
ان کی خاطر زندگی کا حق نہ چھوڑ

آسماں پر سرخ ہے تاروں کا رنگ ہے لہو میں غرق گلزاروں کا رنگ
ہو رہا ہے آگ تلواروں کا رنگ

ہے زمیں کی تہ میں شور طبل و دف آندھیاں سی اُٹھ رہی ہیں ہر طرف
آ نکل آ سر بکف، خنجر بکف

منتظر ہیں جنگ کے دشت و جبل ہاتھ میں تیغ و سپر لے کر نکل
خون میں ڈوبا پھریرا لے کے چل

انقلاب اور ہندستان میں اسکے امکانات

از علی سردار جعفری

انقلاب کے نام سے لوگ گھبراتے ہیں۔ نہ معلوم کیوں۔ کوئی اسے امن و امان کے لئے خطرہ اور کوئی ایک خونریز جنگ سے بھی زیادہ ہولناک سمجھتا ہے۔ حالانکہ انقلاب فطرت کا ایک ایسا قانون ہے جو موت اور زندگی کی طرح ضروری ہے۔

زندگی نام ہے حرکت کا اور تغیرات زندگی کہتے ہیں وقت، تاریخ اور ارتقا کو جو تغیرات کے دائرے میں صرف اسی وقت تک رہتے ہیں جب تک انکی سبک خرامی باقی رہتی ہے، انکی تیز رفتاری انقلاب کہلاتی ہے۔

ہماری زندگی میں تغیرات جو کام کرتا ہے مستقبل حال میں اور حال ماضی میں ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے بغیر اسکے زندگی ممکن ہی نہیں۔ وقت کی پیشانی کی ہر نئی شکن تاریخ کا ایک نیا باب ہے۔ اور تاریخ کے ہر نئے باب کے ساتھ زندگی کا ایک نیا نظام وابستہ ہے جو معاشی معاشرتی اور سیاسی نظریات کی صورت میں ہمارے سامنے رونما ہوتا ہے۔ ایک سیاسی نظام اور دوسرے سیاسی نظام میں ایک معاشی نظریہ دوسرے معاشی نظریے میں اور ایک معاشرتی اصول دوسرے معاشرتی اصول میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

لیکن جب فطرت کی اس سست رفتاری میں انسانی تدبر جان ڈال دیتا ہے اور یہی سیاسی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل انسان کے جوش عمل کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ انقلاب آ گیا۔ یہاں یہ چیز خاص طور پر قابل غور ہے کہ انسان کے جوش عمل کے سامنے سر جھکا دینے کے معنی وقت اور زمانے کی مضبوط سر بے نیازی کے مرادف نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان کا جوش عمل خود وقت اور زمانے کی پیداوار ہے وہ تمام قوتیں جو تغیر کے پردہ میں کارفرما ہوتی ہیں انقلاب کی پشت پناہی کرتی رہیں۔

چونکہ انقلاب میں ایک قوت اور تیزی ہوتی ہے اسلئے اکثر اسے ایک فوری جذبہ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا بھی ہے کہ انقلاب کے صحیح اور صالح تصور کی کمی کی وجہ سے بہت سی دہشت انگیز تحریکیں وجود میں آ جاتی ہیں۔ جن میں مایوسی کی جھلک ہوتی ہے گو دہشت انگیزی کی ان تحریکوں اور انقلاب کے درمیان حد فاصل کھینچنا مشکل ہے لیکن دونوں کا فرق اس سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ انقلاب مایوسی کی پیداوار نہیں ہوتا۔ انقلاب کے اندر جو جذبہ کام کرتا ہے اس سے بہتر خیال رجائیت کی پیش نہیں کی جا سکتی۔ قنوطیت اور انقلاب دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسلئے یہ سمجھنا ایک صریحی غلطی ہے کہ انقلاب کسی فوری جذبہ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

ایک دیمک خوردہ درخت جسے سفید کیڑے برسوں چاٹتے رہتے ہیں ہوا کے ایک ہلکے سے جھونکے سے زمین پر گر پڑتا ہے ممکن ہے کہ ایک بچہ کے نزدیک درخت کو زمین پر گرانے والا ہوا کا جھونکا ہو لیکن ایک واقف کار انسان جو اس حقیقت کو جانتا ہے کہ زمین کی مٹی میں زندگی بسر کرنے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے بڑے بڑے تناور درختوں کو اندر سے کھوکھلا کر سکتے ہیں کبھی ہوا کے جھونکے کو اصل سبب نہ بتائے گا۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جسکے مرتکب مدبرین سیاست اکثر ہوتے ہیں وہ ان چھوٹی چھوٹی خرابیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو آخر میں انقلاب کے بڑے بڑے اسباب کی صورت اختیار کر لیتی ہیں ان لوگوں کی نگاہیں ان افراد پر لگی رہتی ہیں جو انقلاب کے علمبردار ہوتے ہیں، چنانچہ برطانوی مدبروں نے بھی ہندستان کی پچاس پچپن سالہ جنگ آزادی کے دوران میں نظام حکومت کی خرابیاں دور کرنے کی کم کوشش کی اور تلک۔ مہاتما گاندھی۔ جواہر لال نہرو وغیرہ کی حرکات و سکنات کے مطالعہ میں زیادہ وقت خراب کیا۔ یہ گویا ہیک کو نظر انداز کر کے ہواؤں سے لڑنا ہے۔ ہندستان کی تحریک آزادی سیاسی لیڈروں کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سیاسی لیڈر خود تحریک آزادی کی آغوش کے پالے ہیں۔ اتنی سمجھ تو کتے میں بھی ہوتی ہے کہ وہ اینٹ کی طرف نہیں بلکہ اینٹ مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے۔

انقلاب کی تیاریوں کے لئے زمانہ برسوں محنت کرتا ہے۔ واقعات اور حالات سیکڑوں طریقوں سے اپنی قوت استعمال کرتے ہیں تب کہیں جا کے وہ وقت آتا ہے کہ انقلاب کی گرمی سرد سے سرد رگوں کا خون کھولا دیتی ہیں۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے واقعوں کے حقیقی اسباب انکے بہت پہلے ملتے ہیں ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ جاہلوں کے لئے ایک ایسا واقعہ تھی جو یکایک صورت پذیر ہو گیا لیکن وہ لوگ جو یورپ کی بساط سیاست کے مہروں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؛ اعلان جنگ سے بالکل متحیر نہیں ہوئے کیونکہ ان مخصوص حالات میں جنگ ناگزیر تھی۔ اسی طرح جو شخص انقلاب فرانس کی ایک صدی پہلے کی تاریخ سے واقف نہ ہو اسکے لئے انقلاب فرانس ایک مبہوت کر دینے والی چیز ہے۔ جو شخص دنیا بھر کی مجلس کی کارروائیوں سے ناواقف ہو اسکے لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ میٹرنی اور بسمارک کی ہستیوں کو نہیں سمجھ سکتا، جرمنی اور اطالیہ کی تحریک آزادی اور فرانس کے انقلابات جو ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۸ء میں رونما ہوئے انکے جراثیم ۱۸۱۵ء کی اس سیاسی کانگرس کی فضا میں سانس لے رہے تھے جو ویانا میں منعقد ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بالغ نظر مدبرین سیاست آنے والے انقلاب سے بہت پہلے اس کا احساس کر لیتے ہیں۔ اگر کارل مارکس اپنے تصور میں مستقبل کے تاریک افق پر روس کے مزدوروں کا جوش و خروش اور جرمن آمریت کے نظام کی دھندلی تصویریں دیکھ سکتا تھا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ آج بھی کوئی دیکھنا چاہے تو اسے آنے والے دس پندرہ برسوں کے کھنڈروں پر برطانوی اقتدار کا جنازہ نظر آ سکتا ہے۔ اطالیہ اور جرمنی کے موجودہ نظام حکومت کے سلسلے میں ایک ایسے انقلاب کی پرچھائیاں ناچتی ہوئی دکھائی دے سکتی ہیں جو ہٹلر اور مسولینی کے جانشینوں کے ساتھ رواداری برتنے کو تیار نہیں۔

آج دنیا کا اقتصادی نظام کچھ ایسا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ آہستہ آہستہ سمٹ رہا ہے۔ اور افلاس اسی رفتار کے ساتھ اپنے بازو پھیلا رہی ہے۔ سرمایہ داروں کی اس ہوس کی وجہ سے جو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا چاہتی ہے۔ دولت سمٹ سمٹ کر ایک جگہ جمع ہوتی جا رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اقتصادی مشکلات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور مفلوک الحال انسانوں کی تعداد بیکار مزدوروں کی تعداد سے کہیں زیادہ

ہوگئی ہے وہ جبر ہمارے خود آنے والے انقلاب کا بہت بڑا سبب ہے۔

انقلاب کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ تخریبی۔ اور تعمیری۔ اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ کرنا ہے سامنے تخریبی لائحہ عمل ہے یا تعمیری۔ یہ سوال غلط ہے اور پوچھنے والوں کی لاعلمی پر مبنی ہے۔ تعمیر بغیر تخریب کے ممکن ہی نہیں، حال کی تخریب مستقبل کی تعمیر ہے۔ ایک نگاہ کے ضائع جانے کا نام لذت نظارہ اور ایک سانس کے رائیگاں ہو جانے کا نام راحت زندگی ہے۔ انقلاب کی منزلوں میں تخریب و تعمیر دونوں دوش بدوش چلتی ہیں۔ صحیح معنوں میں انقلاب ایک ناکارہ نظام کی تخریب کے بعد ایک بہتر اور کارآمد نظام کی تعمیر کو کہتے ہیں۔

جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانی کی موت ترکی کے لئے ایک نئی زندگی کی ابتدا تھی۔ اگر ایک وسٹرپلیس روسی شہزادیوں کی سبک خرامی سے محروم ہو گیا تو کیا ہوا — اسی کی بدولت ہزاروں نئے گھروں کو ان دیہاتی قدموں کی فطری آوازیں سننے کی سعادت نصیب ہوئی جو ساری عمر بھوری مٹی اور برف کی سفید سلوں پر چلتے رہے۔

اس چیز کو اگر ریاست اور سماج کے باہمی تعلق کو پیش نظر رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو زیادہ آسان ہوگی۔ ریاست یا اسٹیٹ سماج کے اس ترقی یافتہ نظام کو کہتے ہیں جسے سوسائٹی کے افراد کے باہمی رشتوں میں ہمواری کی اچھائیاں اور برائیاں خود ریاست کی اچھائیاں اور برائیاں ہیں۔ اگر ریاست ان برائیوں کو دور نہیں کرسکتی جو سماج کو دیمک کی طرح چاٹتی ہیں تو یہ خرابیاں بڑھ کر ریاست کے نظام کو بدل دیتی ہیں اور ایک نئے سماجی نظام کی بنیاد رکھتی ہیں جس میں نئی ریاست کا تصور ہوتا ہے۔ اس طرح تخریب کی بنیاد پر تعمیر کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور اسی کا نام انقلاب ہے۔ جب سماج ریاست کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو اسکے دل میں امید و آرزو، عزم و استقلال کی ایک چنگاری پیدا ہوتی ہے جس سے انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم ہندستان کی موجودہ حالت کو لے سکتے ہیں جہاں سماجی نظام اور ریاستی نظام ایک نہ ہونے کی وجہ سے بعض ایسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کا دور کرنا بیحد ضروری ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سماج اور ریاست کا باہمی رشتہ استوار نہ ہو۔ اسلئے ہمارے سامنے اصل سوال یہی ہے کہ کس طرح ہندستان کے سماجی نظام سے ریاستی نظام پیدا کیا جاسکتا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ ہندستان کے سماج کی تشکیل کس طرح کیجائے کہ ایک اچھی ریاست بن سکے جو کہ ہماری ریاست ہمارے سماج کا جزو نہیں ہے (جو اسے ہونا چاہئے) بلکہ سماج خود ریاست کا ایک جزو ہے اس لئے پہلے ہمیں ان دونوں کا خاتمہ کرنا ہے اسکے بعد ایک نئے سماج کی بنیاد رکھنا ہے جس پر ریاست کی عمارت کھڑی کی جاسکے —— ایک ایسی عمارت جسکے سائے میں صرف چند خوش قسمت بندے ہی نہیں بلکہ سماج کے تمام افراد تمام انسان پناہ لے سکیں۔

اس طرح ہمیں دوہری جنگ کرنی پڑ رہی ہے، ایک طرف ریاست سے جو اپنی سامراجی زنجیروں کو مضبوط سے مضبوط تر بنا رہی ہے اور دوسری طرف سماج سے جو ریاست کے مقاصد پورے کر رہا ہے لیکن بعض انقلاب دشمن تو کیں اپنا زور اس بات پر صرف کر رہی ہیں کہ موجودہ ریاستی نظام تو تبدیل ہو جائے مگر سماجی نظام برقرار رہے جسکے سینے پر نئے ریاستی نظام کا بھاری پتھر رکھ دیا جائے۔ انکی سمجھ میں نہیں آتا کہ سماج کے ساتھ ریاست کا اور ریاست کے ساتھ سماج کا بدلنا لازمی ہے۔

اس حالت کا نتیجہ اس سوال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کا اثر و اقتدار اٹھ جانے کے بعد ہندستان میں کس قسم کی حکومت قائم کی جائے گی تو بعض جمہوریت کا ایک مبہم سا لفظ کہہ دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی سامراج کے بجائے رام راج کا خواب دیکھتا ہے اور کوئی اس جمہوریت کا اعادہ کرنا چاہتا ہے جسکا سنگ بنیاد مسلم شاہی سامراج میں رکھا گیا تھا۔ ان خیالات میں انقلاب کے صحیح اور صالح تصور کی کمی ہے۔ یہ خیالات صرف ان لوگوں کے دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں جو اندھوں کی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ واقعات اور موجودہ صورت حالات کے پس پشت کام کرنے والی قوتوں سے جبتک چشم پوشی کی جائے گی اسی قسم کے سوالات پیدا ہوتے رہینگے اور ایسے ہی جوابات سننے میں آئیں گے یہی لوگ ہیں جو پھوڑوں کا علاج مرہم پٹی سے کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ بعض خود سرمایہ داری کے جسم کا بدگوشت ہیں۔ اگر جنگ آزادی کا یہ مقصد ہے کہ موجودہ ریاستی اور سماجی نظام کو تباہ کر کے ایک نئے سماجی نظام کی بنیاد رکھی جائے گی جس کا ایک منظم ریاستی نظام ہوگا تو پھر رام راج یا اس قسم کے دوسرے نظام ہائے حکومت کا خیال بھی دماغ میں نہیں آسکتا۔

انقلاب کے صحیح اور صالح تصور کے معنی یہ ہیں کہ سماج کی موجودہ خرابیاں کس طرح یکے بعد دیگرے بڑھتی رہیں۔ حکومت نے اسنے بیجا فائدے اٹھانے کیلئے انہیں کس طرح نظر انداز کیا۔ یہ خرابیاں بڑھ کر اب کس حد تک پہونچ گئی ہیں۔ اور کونسا وہ نقطہ ہے جہاں پہونچ کر یہ خرابیاں بجائے خود ایک ایسی قوت بن جائیں گی کہ موجودہ حکومت کے تابوت میں آخری کیل ٹھوک دیں۔

اسکے لئے ہمیں کئی برس پیچھے مڑ کر دیکھنا پڑے گا جہاں ہمارے تصورات کا آفتاب آہستہ آہستہ غروب ہو رہا ہے۔ موجودہ برطانوی نظام حکومت جس کی گرفت میں آج ہمارا ملک ہے ہندستان میں کئی روپ بدل چکا ہے۔ پہلے پہل یہ چند تاجروں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رفتہ رفتہ اسنے ہاتھ پاؤں نکالے اور ہندستان کی تجارت پر قابو حاصل کر لیا نوبت یہاں تک پہونچی کہ جو لوگ رحم و کرم کی بھیک مانگتے ہوئے آئے تھے خود رحم و کرم کے مالک بن گئے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جو برطانوی تاریخوں میں غدر کے نام سے موسوم کیجاتی ہے باقاعدہ انکی حکومت قائم ہوگئی لیکن اسکا پیرایہ یہی رہا جس طرح فقیروں کی قسمیں ہوتی ہیں کہ کوئی بھیک مانگتا پھر اور کوئی خراج، بالکل اسی طرح بنیوں کی قسمیں ہوتی ہیں، کوئی دوکان لگا کر بیٹھا ہے اور کوئی حکومت کا ڈھونگ رچا کر، نپولین نے جسے دوکانداروں کی قوم کہا تھا وہ آج ہندستان میں دوکان لگائے بیٹھی ہے۔ دراصل ہندستان سے برطانیہ کا تجارتی مفاد وابستہ ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہندستان کی تجارت گرتی جائے اور برطانیہ کی تجارت کو فروغ ہوتا رہے۔

برطانوی سامراج نے اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے لئے ابتدا ہی سے قانون کو آلۂ کار بنایا۔ برطانوی مدبروں کی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف ہوتی رہیں کہ ہندستان کی تجارت کا نقصان برطانیہ کی تجارت کے فروغ کا باعث بنے۔ ظاہر ہے کہ جب مقصد یہ ہے تو تجارت میں کھلا ہوا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ہندستان پر قانونی پابندیاں عائد کی گئیں۔

اسی زمانے میں صنعتی انقلاب رونما ہوا جس کی وجہ سے برطانیہ کو خام جنس حاصل کرنے کے لئے غیر ترقی یافتہ ملک اور اپنی مصنوعات بھیجنے کے لئے ایک کامیاب بازار کی ضرورت ہوئی۔ اس ضرورت کو بھی ہندستان نے پورا کیا اسطرح ہندستان کی تجارت رفتہ رفتہ بستر مرگ پر پہنچ گئی اور آبادی کی زیادہ تعداد اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کاشتکاری پر مجبور ہو گئی۔ اب زراعت اور دفتروں کی اسامیاں کے سوا کوئی پیشہ ایسا نہ رہ گیا جس کا سہارا ہندستان لے سکتا اسوقت برطانوی سامراج نے اپنے مخصوص حربے سے کام لیا اور یہ پروپگنڈا شروع کیا کہ ہندستان ایک زراعتی ملک ہے۔ اسکا اثر تعلیم پر بھی پڑا اور اس زمانے میں جبکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں تعلیم یافتہ طبقہ کا اوسط نوے فیصدی سے زیادہ ہے ہندستان میں تعلیم یافتہ طبقہ کا اوسط پندرہ فیصدی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہاں یہ چیز خاص طور سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندستان میں انگریزی تعلیم کا مقصد صحیح معنوں میں تعلیم نہ تھا بلکہ دفتروں میں کلرکوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تعلیم یہاں رائج کی گئی تھی۔ چونکہ زمین پر ضرورت سے زیادہ بوجھ پڑ گیا اسلئے پیداوار گھٹنے لگی چنانچہ برطانوی دور حکومت میں جتنے قحط ہندستان نے دیکھے ہیں ان سے ہندستان کی پرانی تاریخ قطعاً نا آشنا ہے۔ اس دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی مفلسی کا یہ نتیجہ ہے اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہندستان میں زندگی کا کوئی معیار قائم نہیں کیا جا سکتا۔

جب ہندستان کی مفلسی اس طرح بھی تو برطانیہ کی ترقی کے دن آئے۔ یعنی یہ کہ یہاں کی زمینوں نے وہاں کی مشینوں کیلئے خام جنس اور یہاں کے بازاروں نے وہاں کی مصنوعات کے لئے خریدار مہیا کئے بلکہ برطانیہ کے فاضل سرمایہ کی بھی کھپت کا سامان اپنی سستی مزدوری سے کر دیا کیونکہ ایک صنعتی اعتبار سے غیر ترقی یافتہ ملک میں اس کھپت کا بہت امکان تھا۔

اپنے سامراجی نظام کو ہندستان میں قائم رکھنے کے لئے برطانیہ کو اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ہندستانیوں پر ہندستانیوں ہی کے ذریعہ سے حکومت کیجائے چنانچہ ہندستان میں جاگیرداری نظام جو حقیقتاً قرون وسطیٰ کی یادگار ہے آج بھی زمینداری نظام کی صورت میں موجود ہے۔ یہ نظام موجودہ سامراجی نظام کا ایک ایسا جزو ہے جسکو ختم کئے بغیر برطانوی سامراج کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی نظام ہندستان کی غیر ترقی یافتہ معیشت کا ذمہ دار ہے۔ برطانیہ کو اس سے دوہرا فائدہ ہے ایک طرف تو ملک کی بدحالی کی ذمہ داری سے چھٹکارا ملتا ہے اور دوسری طرف ملک میں مفلسی بڑھتی جاتی ہے۔ جس میں برطانیہ کا اقتدار سیدھا ہوتا ہے۔

چنانچہ اب برطانوی دور حکومت کی سب سے بڑی برکت ہندستان کی مفلسی اور جہالت ہے۔ لیکن یہاں کی یہی مفلسی اور جہالت جو ایک وقت برطانوی حکومت کی ترقی کا سبب بنی تھی آج اسکے زوال کا باعث بن رہی ہے۔ کیسے؟

جس طرح پیداوار کا معیار منافع پر قائم ہونے کی وجہ سے دولت ایک مرکز پر سمٹ رہی ہے اور سرمایہ دار کم اور مزدور زیادہ ہوتے جا رہے ہیں بالکل اسی طرح برطانیہ کی اقتصادی پالیسی کی بدولت جسکا معیار خود منافع پر قائم کیا گیا ہے ہندستان کی دیہی آبادی بڑھ گئی ہے۔ ابتدا میں یہی پالیسی کامیابی کا راز تھی اور آج زوال کا سبب ہے۔ یہ تاریخ کی کتنی دلچسپ حقیقت ہے کہ صیاد اپنے دام میں آپ پھنسا ہوا ہے۔

کیا اسکے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب ایک فوری جذبہ کا نتیجہ ہے! اور ہندستان میں اس کا کوئی امکان نہیں؟ ——— ہندستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے سر پر انقلاب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ سرمایہ داری کے مینڈک نے اپنے پیٹ میں اتنی ہوا بھر لی ہے کہ اب اسکا پھٹنا یقینی ہے۔ آج کل بہرحال ایک نہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب سرمایہ داری کی بگڑا اقتدار پر انقلاب کا آخری نشتر لگے گا۔

اس موقع پر مستقل حقوق رکھنے والے اور درمیانی طبقہ کے وہ لوگ جنکی آنکھوں کی طرح انکے خیالات بھی محدود ہوتے ہیں جو شیر کے آگے کی بچی ہوئی ایک آدھ بوٹی پا جانے کے عادی ہیں شور مچاتے ہیں کہ دنیا کا امن و امان خطرے میں ہے۔ دنیا کی تہذیب خطرے میں ہے۔ دنیا کا تمدن خطرے میں ہے۔

لیکن دنیا میں امن و امان ہے کہاں؟ تہذیب و تمدن کا وجود کس گوشے میں ہے؟ کیا امن و امان کے یہ معنی ہیں کہ آدھے سے زیادہ انسانوں کا خون آہستہ آہستہ چوسا جا رہا ہے؟ کیا تہذیب و تمدن اسی کو کہتے ہیں آج جس کی برکتوں سے دنیا کی نصف آبادی محروم ہے؟ اگر یہی امن امان ہے اور یہی تہذیب و تمدن ہے تو بیشک یہ خطرے میں ہے اور اس کا مٹ جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ساری دنیا کو خطرہ ہے لیکن گھبراہٹ اور پریشانی میں یہ نہ بھولئے کہ تخریب تعمیر کا پیش خیمہ ہے ورنہ انقلاب کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا!

خبریں

ہندستان کے باہر

آسٹریلیا کے مزدور چینیوں کی مدد پر

آسٹریلیا سے جاپان کو لوہا بھیجا جا رہا تھا۔ وہاں کے سمندری مزدوروں نے اسکو جہاز پر لادنے سے انکار کر دیا۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم نے مزدوروں کو نوٹس دیا ہے کہ اگر وہ ۲۵ مئی تک اپنی اسٹرائک نہیں توڑیں گے تو ان لوگوں کا بندرگاہ پر کام کرنے کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا جائے گا۔

مزدوروں نے اعلان کر دیا ہے کہ انکو ڈر ہے کہ اس لوہے سے چینیوں کو مارنے کے ہتھیار بنائے جائینگے۔ اسلئے وہ لوہے کا لادنا بہت برا کام سمجھتے ہیں۔ آسٹریلیا کی دوسری مزدور سبھائیں بھی ان مزدوروں کے ساتھ ہیں۔

برطانیہ کی تجارت

برطانوی کابینہ میں جو تغیر ہوا ہے اس میں لارڈ اسٹینلے وزیر نوآبادیات، میگڈانلڈ وزیر ڈومینین، اور مسٹر میوڈ ہیڈ نائب وزیر ہند دوبارہ مقرر ہوئے ہیں۔

۱۹۳۸ء میں برطانوی بیرونی تجارت اپریل ۱۹۳۷ء کے مقابلہ میں بہت گر گئی ہے۔

اس سال درآمد ۷۰٫۲۶۰٫۰۰۰ پونڈ کا مال ہوا۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں ۸۳٫۴۰۰٫۰۰۰ پونڈ کا مال درآمد ہوا تھا۔

اس سال برآمد ۳۵٫۲۲۶٫۰۰۰ پونڈ کا مال برآمد ہوا۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں ۴۳٫۲۷۰٫۰۰۰ پونڈ کا مال ہوا تھا۔

چیکوسلاویکیہ

مسٹر چیمبرلین نے دار العوام میں کہا کہ برطانیہ نے چیک حکومت کو کوئی خاص مشورہ نہیں دیا ہے۔ صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح سمجھوتا ہو جانا چاہیئے۔

مسٹر ہیلیفکس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ برطانیہ یورپ میں کسی طرح کی بدامنی نہیں چاہتی ہے۔ اسکی خواہش ہے کہ جرمنوں کی مانگیں بات چیت سے طے ہو جانا چاہئیں۔

مسٹر چرچل نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ چیکوسلاویکیا کی حکومت اور سوڈٹن جرمنوں میں اچھا سمجھوتا ہو جائے گا۔ کوئی وجہ نہیں کہ جرمن اقلیت اس حکومت میں مطمئن نہ رہ سکیں۔ دوسرے سوڈٹن جرمنوں کی مانگوں کا زور یوں کم ہو گیا ہے کہ فرانس چیک حکومت کی مدد کے لئے تیار رہے۔

چین

۱۴ مئی۔ جاپانی خبر ہے کہ سیچو کے میدان سے چینی فوجیں غول کی غول بڑی بے ترتیبی سے بھاگ رہی ہیں۔

چینیوں کا بیان ہے کہ لنگھائی ریلوے ابھی تک انکے قبضہ میں ہے۔ ایک جاپانی دستہ جو ادھر بڑھ رہا تھا گھیر لیا گیا۔ اور ۱۲ ٹینک چھین لئے گئے۔

۱۶ مئی۔ اس جاپانی خبر کی تردید کی جا رہی ہے کہ جاپانی فوجیں لنگھائی ریلوے تک پہنچ گئی ہیں۔

جاپانیوں کا بیان ہے کہ اس ریلوے کے مشہور جنکشن سیوچاؤ سے انکی فوجیں صرف سات میل کی دوری پر رہ گئی ہیں۔

جینیوں کی گوریلا فوجیں صوبہ ہوپی میں بڑھتی جا رہی ہیں۔ انھوں نے اس صوبہ کی راجدھانی ہانگ چو کو گھیر لیا ہے۔

۱۸ مئی۔ جاپانیوں کا بیان ہے کہ سیوچاؤ پر سخت گولہ باری کی جا رہی ہے گھبراہٹ اور پریشانی وہاں پھیل گئی ہے۔ ایک لاکھ کے قریب چینی فوج وہاں سے ہٹ گئی ہے۔ اب بھی ڈھائی لاکھ چینی فوج گھری پڑی ہے۔

۱۹ مئی۔ جاپانیوں کا بیان ہے کہ انھوں نے سیوچاؤ فتح کر لیا۔ صرف جنوبی حصہ باقی ہے۔ جہاں ایک لاکھ چینی فوج پڑی ہے۔

اس فتح سے یہ ممکن ہو جائے گا کہ نانکنگ اور پیکنگ کی حکومتوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے جس کی جاپانی بڑی کوشش کر رہے ہیں

۲۰ مئی۔ جاپان کی سرکاری خبر ہے کہ سیوچاؤ پوری طرح فتح ہو گیا۔

لیکن جاپانی افسروں کا، جو شنگھائی میں ہیں، بیان ہے کہ ابھی ساڑھے تین لاکھ چینی سپاہ سیوچاؤ میں موجود ہے۔

۲۱ مئی۔ شنگھائی کی خبر ہے کہ لنگھائی ریلوے کے گرد کی چینی فوجوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ جاپانیوں کا بیان ہے کہ انھوں نے دریائے زرد پار کر لیا۔ اور جاپانی فوج سے جو مغرب میں سیوچاؤ سے بڑھتی ہوئی آ رہی تھی مل گئی ہے۔ اب یہ دونوں فوجیں مشرق کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اور اس کوشش میں ہیں کہ ان چینی فوجوں کو جو سیوچاؤ سے ہٹ آئی ہیں اور کونتے میں جمع ہو رہی ہیں گھیر لیں۔

سوڈٹن جرمنوں میں بغاوت کے آثار

وزیر چیکوسلاویکیہ کو خبر پہنچی ہے کہ جرمن فوجیں سرحد پر جمع ہو رہی ہیں قیاس ہے کہ اس فوجی نقل و حرکت کا مطلب یہ ہے کہ میونسپلٹی کے ہونے والے الکشن میں ہر ہنلین کو دباؤ ڈالکر ووٹ دلائے جائیں۔

ان حالات میں جرمنی اور چیکوسلاویکیا میں تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے ہیں۔ رائٹر کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ چیک فوجیں ساری سرحد کو گھیرے پڑی ہیں چیکوسلاویکیا بھر میں الکشن کے وقت ہنگامہ رہا۔ جا بجا جرمنوں اور چیک فوجیوں میں جھڑپ بھی ہو گئی۔

چیکوسلاویکیا کے وزیر اعظم نے ان حالات پر کہا کہ ہمارے لوگوں کو آزمائش کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ ہم اپنی جگہ پر جمے رہیں گے۔ اور جب تک ایک آدمی بھی باقی ہے لڑتے رہینگے۔"

سوڈٹن پارٹی نے ظاہر کیا ہے کہ چیک فوجی برابر ہم پر ظلم کرتے رہے اور حکومت کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں نکالی۔

کیا فرانس اسپینیوں کو اسلحہ دیتا ہے؟

اٹلی اور فرانس میں کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اٹلی کو شک ہو گیا ہے کہ فرانس اسپین کو اسلحہ دے رہا ہے۔ اور اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ لڑائی طول پکڑ جائے گی۔ اس کشمکش کی وجہ سے اٹلی اور فرانس میں جو سمجھوتہ ہونے والا تھا اس میں کافی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

فرانس میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ اس بات کی کوششیں ہیں کہ اٹلی اور جرمنی کے مقابلے میں فرانس اور انگلستان کو بیکار کر دیا جائے۔ یہ بھی چال اسلئے چلی جا رہی ہے کہ فرانس کو روس سے علیحدہ کر کے بالکل تنہا کر دیا جائے۔

انگلستان میں اس خبر سے کہ فرانس اور اٹلی کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں ایک بے چینی پھیل گئی ہے کیونکہ اب اٹلی اپنے والنٹیروں کو اسپین سے واپس بلانے میں دیر لگائے گا۔ اور والنٹیروں کی واپسی کی بڑی اہم شرط ہے۔

فرانس کی ہوائی وزارت نے یہ اندازہ کیا ہے کہ فرانسیسی حکومت فوجی پروگرام مئی میں پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے سر دست سو ہوائی جہاز امریکہ سے خریدے جائینگے۔

اٹلی میں اسپین ڈے

۹ ۔ مئی کو اٹلی میں اور اٹلی کے غلام ملکوں میں اسپین ڈے منایا جائے گا۔ تمام شہروں میں عام جلسے ہوں گے۔ اور روم میں ایک جلوس نکلے گا۔ پلازو وینیزیا تک جائیگا۔ جہاں مسولینی تقریر کرے گا۔

اسپین ڈے۔ اس خبر پر منایا جا رہا ہے کہ فرانس اسپینی جمہوریہ کی اسلحہ سے مدد کر رہا ہے۔

فرانس کی ایک تجویز ہے کہ افریقہ میں کالی فوج کی تعداد اور بڑھا دی جائے۔ اگر یہ تجویز عمل میں آگئی تو اٹلی اور فرانس میں سمجھوتا ہونا مشکل ہے۔

ہندوستان

زمیندار اور کسان

بارہ بنکی میں راجہ صاحب ترولی کی زیر صدارت زمینداروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں حکومت یو۔پی کی زرعی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی گئی اور طے کیا گیا کہ جب تک ان نئے قانونی تجاویز میں مناسب تبدیلیاں نہ ہو جائیں اس وقت تک زمیندار ان تجاویز کو نہ تسلیم کریں۔ زمینداروں کا کہنا ہے کہ کسی حالت میں بھی چھوٹے اور بڑے زمینداروں میں فرق نہ کیا جائے۔ لگان کی وصولیابی کے لئے کوئی مناسب بندوبست کیا جائے کیونکہ زیر غور تجاویز کی رو سے موجودہ قانون میں جو تبدیلیاں کی جائینگی وہ بالکل ناکافی ہیں اور ان سے کافی گڑبڑ اور بے چینی پھیل جائے گی۔ کاشتکاروں پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے بے دخلی بہت ضروری ہے۔ سیر کے حق میں تخفیف کرنے سے ہر طبقے کے زمینداروں کو سخت نقصان پہنچیگا۔ سیر پر کاشتکار کو موروثی حق دینا ناانصافی ہے۔ زمیندار کو سیر کا کم سے کم نصف حصہ شکمی پر اٹھانے کا حق ملنا چاہئے، اسکے علاوہ لگان مؤثر کرنے اور دوسری چھوٹی چھوٹی باتوں میں تبدیلی کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

پرتاب گڑھ ایسوسی ایشن نے اپنے رکھا کے اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی کہ حکومت یو۔پی کا زرعی بل زمینداروں اور کاشتکاروں دونوں کے لئے نقصان دہ ہے اور اس قانون سے زمینداروں اور کاشتکاروں اور خود کاشتکاروں میں بھی آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی جسکا نتیجہ طبقہ وارانہ جنگ ہوگی۔ زمینداروں نے یہ بھی طے کیا کہ کاشتکاروں کو گھر یا کسی عمارت یا اور کسی اصلاح کے کام کا جو وہ اپنی زمین پر کریں معاوضہ نہ ملنا چاہئے۔ اسکو صرف یہ اختیار ہو کہ جو سامان اسنے لگایا ہے اسکو جہاں چاہے لے جائے۔

[illegible] ضلع اودھ میں بھی زمینداران ایسوسی ایشن کا ایک جلسہ ہوا جس میں لفظ بہ لفظ وہی تجاویز پاس کی گئیں جو پرتاب گڑھ میں کی گئی تھیں۔

اودھ کسان کانفرنس

پنڈت موہن لال گوتم سکریٹری یو۔پی کسان سنگھ کی زیر صدارت موہیا ضلع لکھیم پور میں اودھ کسان کانفرنس منعقد ہوئی۔ پنڈت گوتم نے اپنے خطبہ صدارت میں کسانوں سے کہا کہ وہ غفلت کی نیند سے جاگ اٹھیں اور متحد ہو جائیں انھوں نے بتایا کہ انکو پورا بھروسہ ہے کہ حکومت یو۔پی۔ صرف موجودہ زرعی بل ہی کو نہیں پاس کرے گی بلکہ اس میں کسانوں کے فائدے کی اور بھی بہت سی اصلاحات کرے گی۔ آنریبل بابو سمپورنانند وزیر یو۔پی نے کہا کہ کانگریس حکومت کسانوں کی تمام شکایات نہیں دور کر سکیگی۔ انھوں نے کسانوں کو صلاح دی کہ وہ منظم ہو جائیں اور ملک کی آزادی کے لئے لڑیں کیونکہ آزادی ملنے پر ہی ملک اور کسانوں کے بڑے بڑے سوال حل ہو سکتے ہیں۔ کانفرنس نے یہ قراردادیں پاس کیں۔

ملتوی شدہ بقایا لگان بغیر کسی شرط کے ختم کر دیا جائے۔ جولائی سنہ ۳۷ء کے کاشتکاروں کو موروثی حقوق دئے جائیں۔ غیر اقتصادی زمینوں پر جنکی کوئی نافع نہیں لگان نہ لگایا جائے۔ بے دخلی اور قرقی بند کر دی جائے۔ شکمی کاشتکاروں کو بھی حین حیاتی کاشتکاری کے حق دئے جائیں۔ کھیت مزدوروں کو کچھ فردی حقوق دئے جائیں۔

ایک قرارداد کی رو سے کانگریس پارٹی کے بعض ممبروں کے رویہ کی سخت مذمت کی گئی کیونکہ انھوں نے اپنی زمیندار پارٹی بنائی ہے۔ ہر ممبر اسمبلی سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ان مطالبات کی حمایت کرے۔

ریاستی دنیا

سانگلی میں دکھنی ریاستی عوام کانفرنس کے بارھویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے آپس میں اتحاد پیدا کریں اور اس طرح اپنی طاقت مضبوط کریں اور کانگریس کے بتائے ہوئے اصولوں یعنی سچ اور عدم تشدد کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ انہوں نے بتایا کہ کانگریس کی موجودہ کامیابی اسکی انتھک جدوجہد اور لگاتار قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ کانگریس کی ریاستی پالیسی کی بابت سردار پٹیل نے کہا "کانگریس کا مقصد مکمل آزادی حاصل کرنا ہے اس لئے کانگریس کی ساری کوشش اسی جدوجہد کیلئے جاری ہے۔ اسکے لئے

ناممکن ہے کہ وہ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں بیکار بیٹھ کر کوئی مدد کرسکے۔

بنگلور ۲۰ مئی۔ ریاستی کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے بعد طویل بحث مباحثہ کے ایک قرارداد پاس کی جس میں آل انڈیا کانگرس ورکنگ کمیٹی سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس فیصلہ پر کہ ریاستی کانگرس اپنے نام سے "کانگرس" کا لفظ نکال لے نظرثانی کرے کیونکہ ریاستی کانگرس کے نام میں یہ تبدیلی نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ ریاست کی عوامی سیاسی ترقی کے لئے یقینی طور پر نقصان دہ ہے۔

ہندستان اور برطانیہ کی تجارتی بات چیت

برطانیہ اور ہندستان کی تجارتی بات چیت جس کے لئے لنکاشائر کے نمائندے ہندستان آئے ہوئے تھے بغیر کسی فیصلہ پر پہنچے ختم ہو گئی۔

لنکاشائر کے نمائندوں کا مطالبہ تھا کہ برطانوی کپڑے پر محصول کم کرکے ۱۰ فیصدی کر دیا جائے لیکن ہندستانی اسپر راضی نہ تھے۔ لنکاشائر والوں کا مطالبہ تھا کہ ان کا ۶۰ کروڑ گز کپڑا ہندستان آیا کرے۔ ہندستانی ۴۰ کروڑ گز لینے کو تیار رہتے۔ اسکے علاوہ لنکاشائر کے نمائندے چاہتے تھے کہ اگر یہ دیکھا جائے کہ ہندستان میں ۴۰ کروڑ گز کپڑا نہیں آسکا تو محصول ۱۰ فیصدی سے بھی کم کر دیا جائے۔ ہندستانی اسکے لئے تیار نہیں تھے۔

لنکاشائر کے لوگ ہندستانی روئی کی کم سے کم ۲۰ لاکھ گانٹھیں لینے کو تیار تھے لیکن ہندستانی چاہتے تھے کہ جاپان کی طرح برطانیہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاہدہ ہو کہ روئی کی درآمد کپڑے کی برآمد کے تناسب سے ہو۔

ان تمام اختلافات کی وجہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال غیر سرکاری بات چیت ملتوی کر دی جائے اور دونوں حکومتیں سرکاری طور پر بات چیت کریں۔

کانپور کی ہڑتال

حکومت یو۔ پی نے کچھ عرصہ ہوا جب کانپور کے مزدوروں کی شکایات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جسنے مزدوروں اور مل مالکوں کے نمائندوں کے بیانات سننے کے بعد اپنی رپورٹ شائع کر دی۔ یہ رپورٹ مل مالکوں کو پسند نہ آئی اور انھوں نے اسکو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسپر ۱۰ مئی کو کانپور کے کپڑے کی دس ملوں کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ ۱۵ مئی کی شام کو مزدوروں نے ہڑتال کی بابت فیصلہ کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا جس میں خود کانگرس اور مسلم لیگ کے بعض لیڈروں نے اتنی جلد ہڑتال کر دینے کی مخالفت کی لیکن مزدوروں نے انکی نہ سنی۔ آخر میں کانگرس اور مزدور سبھا کے لیڈروں نے بھی انکا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ ۱۷ مئی کو ایک چمڑے کے کارخانہ میں بھی مزدوروں نے کام بند کر دیا لیکن ہڑتال کونسل نے طے کر دیا کہ ہڑتال صرف کپڑے ہی کے کارخانوں تک محدود رہے۔ ۱۹ تاریخ کو ہڑتال تمام کپڑے کے کارخانوں میں پھیل گئی اور ۱۶ ملوں کے ۴۲ ہزار مزدوروں نے کام بند کر دیا۔ وزیر اعظم نے اخبار پانیر کے نمائندے سے دوران ملاقات میں کہا کہ چونکہ مزدوروں اور مل مالکوں دونوں میں سے کسی نے حکومت سے مشورہ نہیں کیا ہے اسلئے حکومت اس معاملہ کو ان ہی دونوں پر چھوڑ دے گی البتہ امن و امان قائم رکھنے کے لئے وہ ہر مناسب کارروائی کرے گی۔ پنڈت بال کرشن شرما صدر کانپور کانگرس کمیٹی نے مزدوروں کے ایک جلسہ میں اعلان کیا تھا کہ کانگرس ۲۰ ہزار مزدوروں کے ایک مہینے کے کھانے کا بندوبست کرے گی۔

۲۱ مئی کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اپنے بنگلہ پر ایک میٹنگ کی جس میں شہر میں امن قائم رکھنے کی ترکیبوں پر غور کیا گیا۔ دوران بحث میں مزدور سبھا کے نمائندوں کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ بجلی گھر اور پانی گھر پر پکٹنگ نہیں کی جائے گی۔ حکام نے شروع میں تو [illegible] مزدوروں کے پرامن مظاہرہ کو تسلیم کیا لیکن کہا کہ موٹر لاریوں کو جانے سے روکنے کیلئے انکے سامنے لیٹ جانے میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اسپر مزدور سبھا کے نمائندوں نے کہا کہ لاریوں میں بھر بھر کر جو مزدور ملوں کے اندر لے جائے جاسکتے ہیں انکو زبانی خوشامد سے روکنا بہت مشکل ہے۔ مرکزی ہڑتال کمیٹی نے پکٹنگ کے متعلق حکام کی ہدایات کو تسلیم کر لیا لیکن اس بات سے اختلاف کیا کہ رضاکاروں کو لاری یا کسی اور سواری کے سامنے لیٹ جانے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی سول نافرمانی کے زمانے میں بھی پکٹنگ کرنے والوں کو یہ حق حاصل تھا۔ جو مزدور ملوں کے اندر جانا چاہتے ہیں وہ رضاکاروں کے جسم پر سے گذر کر جاسکتے ہیں۔ کمیٹی نے ہدایات میں سے اس حصہ کو نکال دینے کا مطالبہ کیا۔

مزدور سبھا پر بحث کرنے کیلئے مولانا حسرت موہانی کی زیر صدارت کانپور مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا کافی بحث مباحثہ کے بعد طے پایا کہ جہاں تک مل مالکوں اور مزدوروں کا سوال ہے ہر حال میں مزدوروں کے متحدہ محاذ کی تائید کی جائے۔ البتہ مسلمانوں کی علیحدہ مزدور سبھائیں بنانے کی کوشش کی جائے [illegible] لیکن جہاں تک مزدوروں کا تعلق ہے مسلم لیگ مسلمان مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کرے گی۔ ۲۰ - ۲۱ اور ۲۲ مئی کو شروع رضاکار مستعدی سے پکٹنگ کرتے رہے۔ ۲۱ مئی کی شام کو مزدوروں کے ایک جلسہ میں پنڈت بال کرشن شرما نے اعلان کیا کہ شہر کے ہر وارڈ میں کانگرس کی طرف سے روزانہ کم سے کم ۱۰ من غلہ مزدوروں میں تقسیم کیا جائے گا اور روپیہ پیسہ کی جو امداد ہو سکیگی وہ بھی کی جائے گی۔

پنڈت بال کرشن شرما نے کانپور کے مزدوروں کی امداد کرنے کا جو اعلان کیا تھا اسپر اخبار پانیر نے اپنے ایڈیٹوریل میں اعتراض کیا تھا اور پنڈت شرما کے اس کام کو غیر ذمہ دارانہ اور حماقت پر مبنی لکھا تھا۔ ان اعتراضات کے جواب میں پنڈت جی نے ایک بیان دیا ہے جس میں کہا ہے "کانگرس عوام کی جماعت ہے اور اس ہڑتال کا اثر مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد پر پڑتا ہے اسلئے ظاہر ہے کہ شہر کانگرس کمیٹی ان تمام باتوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ خواہ میں نے ۵۰ ہزار مزدوروں کی مدد کرنے کا اعلان کیا تھا یا ۲۵ ہزار کا بہر حال میں نے انکو امداد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور پانیر کے خیال میں غیر ذمہ داری اور حماقت کا وعدہ تھا (؟) پانیر کی رائے میں میں حالات کے دباؤ سے دب گیا اور مجھے کچھ نہیں کہنا کہ مجھے پہلے وزیر اعظم سے صلاح لینی چاہئے تھی۔ کتنی انسانیت کی بات ہے! اس معاملہ کے دباؤ کا مفہوم عملی صورت میں کیا ہے؟ کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انسانیت کش حالات کے خلاف مزدوروں کی متحدہ اور بہادرانہ جدوجہد میں انکو تنہا چھوڑ دیتا؟"

۲۲ مئی کو مزدوروں نے طے کیا کہ پکٹنگ کو زیادہ سخت کیا جائے اور پوری کوشش کی جائے کہ کوئی مل میں جانے سے روکا جائے۔ یہ بھی طے ہوا کہ اگر مل مالک مزدوروں کو لاریوں میں بھر بھر کر لانے کی کوشش کریں تو مزدور لاریوں کے سامنے لیٹ جائیں چاہے وہ گرفتار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ایک قرارداد کی رو سے یو۔پی صوبجاتی کانگرس کمیٹی نے کانپور کی ہڑتال کے بارے میں جو قرارداد پاس کی ہے اس پر اطمینان ظاہر کیا گیا اور وزارت کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا گیا

صوبجاتی کانگرس کمیٹی

۲۲، و ۲۳ مئی کو لکھنؤ میں یو۔پی صوبجاتی کانگرس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ سب سے زیادہ اہم قرارداد کانپور کی ہڑتال کے متعلق تھی۔ اس قرارداد میں مزدور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کو منظور کیا گیا۔ مل مالکوں کے رویہ کی مذمت کی گئی۔ اور کہا گیا کہ کانپور کے مل مالک کمیٹی کی تحقیقات میں برابر روڑے اٹکاتے رہے تھے۔ اور اب اس کی رپورٹ پر جانبداری کا الزام رکھتے ہیں اور حکومت اور کمیٹی کو برا بھلا کہتے ہیں۔

قرارداد میں صوبجاتی کمیٹی نے حکومت یو۔پی سے پرزور الفاظ میں سفارش کی ہے کہ وہ تحقیقاتی کمیٹی کی تجویزوں اور سفارشوں کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے اور جن سفارشوں پر فوری عملدرآمد ہو سکتا ہے انکے لئے فوری کارروائی کرے۔ خاص کر مزدوری میں اضافہ کی فوری ضرورت بتائی گئی ہے تا کہ سارے ملک میں کپڑے کی صنعت میں اجرت کا معیار یکساں ہو جائے۔

مزدوروں کے اس رویہ پر افسوس کیا گیا کہ انھوں نے بلا کسی نوٹس کے ایکدم سے عام ہڑتال کر دی۔ کیونکہ اس قسم کی ہڑتالوں سے مزدور تحریک کا نظام کمزور ہو جاتا ہے اور مل مالکوں کو ایک بہانہ مل جاتا ہے یہ کہنے کا کہ جو مزدور سبھا اپنے ممبروں میں نظام نہ قائم رکھ سکے اسکو کیسے مزدوروں کی صحیح نمائندہ کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم صوبجاتی کانگرس کمیٹی نے یہ مان لیا ہے کہ مل مالکوں کی اشتعال انگیزی اور بلا سبب مزدوروں کو نکال دینے نیز حکومت کی مخالفت میں انکی یادداشت کی وجہ مزدور محسوس کرنے لگے تھے کہ اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔ اتنی جلد اور اتنے مکمل طور سے عام ہڑتال کے پھیل جانے سے مزدوروں کے احساسات کی گہرائی اور انکے کام کی سختی کا اندازہ ہوتا ہے۔

قرارداد کے آخر میں صوبجاتی کانگرس کمیٹی نے مزدوروں کے نظام اور انکی پرامن ہڑتال پر مبارکباد دی ہے اور کہا ہے۔ کانپور کے مزدور صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ سارے ہندستان کے مزدور طبقہ کیلئے لڑ رہے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں اور انکی ہمدردی اور خیرخواہی کانگرس کے ہر آدمی پر فرض ہے اس لئے صوبجاتی کانگرس تمام کانگرس کمیٹیوں اور عام پبلک سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس بڑی مہم میں ہڑتالیوں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کریں۔

تین ترمیمیں پیش کی گئیں لیکن پنڈت جواہرلال کے اصرار پر دو واپس لی گئیں اور تیسری کثرت رائے سے مسترد ہو گئی۔ اسکے بعد صدر نے یہ قرارداد پیش کی کہ کونسل سے درخواست کیجاتی ہے کہ وہ ایک کمیٹی تعینات کرے جو کانپور کے حالات کا مطالعہ کرتی رہے اور بروقت ضرورت مناسب اصلاح و ظروف؟ دردے۔ اور اگر ضرورت ہو تو کونسل سے ان ملوں کے سامان کا بائیکاٹ کرنے کی سفارش کرے جو تحقیقاتی کمیٹی کی سفارشوں کے متعلق حکومت کا فیصلہ ماننے سے انکار کریں۔

(قابل فروخت)

اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائدادہائے

مقروضہ ممالک متحدہ ایکٹ ۲ بابت ۱۹۳۴ء

بعدالت جناب اسپیشل جج صاحب بہادر درجہ دوم مقام بارہ بنکی، مقدمہ نمبری ۳۳ بابت سنہ ۱۹۳۶ء پیشی ۳۰ راگست سنہ ۱۹۳۶ء

کلیم اللہ ولد اکرام اللہ قوم شیخ ساکن موضع میلارائے گنج پرگنہ دریاباد ضلع بارہ بنکی ـــ قرضدار اپیلانٹ

بنام جملہ قرضخواہان ـــ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ کلیم اللہ ولد اکرام اللہ قوم شیخ ساکن میلارائے گنج ضلع بارہ بنکی نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دی جاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے

اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے؟

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ ۹ مئی سنہ ۱۹۳۸ء جاری ہوا!

قابل فروخت

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی۔

نمبر شمار	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱		باؤ کی غیر منقولہ	موضع ترکانی پٹی کلیم اللہ پرگنہ دریاباد۔	اعلے	[illegible] ۱۴ اگریمنٹ وجہ	مالگذاری	[illegible]

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو بہ استثناء حقوق مالکانہ متعلقہ اراضی حسب دفعہ ۶ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہو سکتی ہے:-

سلسلہ	نوعیت جائداد	درست حقیقت مندرجہ درخواست دہندہ	کیفیت
۱	لوٹا	۲ عدد	
۲	کٹورہ	۳ عدد	
۳	پیالی بانس	۲ عدد	
۴	[illegible]	۲ عدد	
۵	[illegible]	۲ عدد	
۶	دری	۳ عدد	
۷	قالین	یک عدد	
۸	چینی کی رکابی؟	۲ عدد	
۹	کرسی [illegible]	۱ عدد	

جلد ۲ نمبر ۲۳ — ۵ جون ۱۹۳۸ء — فی پرچہ ۱ سالانہ ۳/

مالکان آراضی کی کانفرنس

۲۸ مئی کی رات کا پہلا پہر تھا۔ ہلکی ہلکی پروائی بدن کو گدگدا رہی تھی۔ قیصر باغ کا ہری دوب اور پھولوں سے بھرپور شیلر پارک لکھنؤ کا ایک حصہ بجلی کے رنگ برنگی قمقموں سے لدا پھندا تھا۔ وہی چاندنی اور قالینوں کا فرش تھا۔ بارہ ہزار کا مجمع تھا پارک کے پھاٹک پر بھاری بھرکم موٹروں کا ہارن دینا۔ روشنی کے لپٹے ہوئے جیتوں کو لاکر ایک دم سے مٹا دینا۔ آرام اور بے فکری کی گود میں پلے ہوئے تعلقداروں کا صاف شفاف وردی میں پہنے ہوئے چپراسیوں کے جھرمٹ میں پارک کے اندر آنا۔ یہ تھی مالکان آراضی کی کانفرنس

پنڈت دیو نرائن پانڈے جی نے اشلوک سے جلسہ شروع کیا۔ پھر سنسکرت میں خدا سے دعا مانگی کہ تیرے ہی نام پر جلسہ شروع ہوتا ہے تو ہی اس کی مدد کر۔ یعنی کسانوں کو ان کی مصیبتوں میں دم توڑنے دے۔ کتنی اچھی دعا ہے ایک پنڈت کی زبان سے!

ایک صاحب نے صدارت کی تحریک کی اور کہا کی مولانا کریم علی امن پرستا دیکا سمر تھن کریں گے۔ اور کیا مولانا نے فوراً اس پرستاو کا سمرتھن۔ پھر مولانا نے کہا بھول جاؤ کون ہندو ہے کون مسلمان، بھول جاؤ کون برہمن ہے کون اچھوت تم سب زمیندار ہو سب ایک ہو۔

جس وقت مسلم لیگ کا یہ بھاری بھرکم ستون اسٹیج پر آیا، تو بعض بھولے لوگوں کو ڈر لگا کہ کہیں 'حقوق' اور 'ہندو مسلم' کا جھگڑا اٹھا کر پھوٹ نہ ڈال دیں وہ ابھی جانتے نہیں مولاناؤں کو۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ یہ کوئی جلسہ تھا کانگریس کا یا کسانوں کا جہاں جوش چڑھتا اور لڑائی کا طبل بجتا؟ یہ جلسہ تھا زمینداروں کا یہاں کیسی اردو کیسی ہندی۔ کہاں کے ہندو کہاں کے مسلمان۔ یہاں تو زمیندار ہیں اور باقی ہوس۔

نازو پلے تعلقداروں کو جوش آگیا ہے۔ انکا اسلامی خون اور چھتری خون رگوں میں اچھل رہا ہے۔ تلواریں ہاتھوں میں بھینچ رہی ہیں۔ اب وہ قربانی کریں گے

ایک طرف وہ مسلمان جو اپنے باپ دادا ورثے، اپنے بستر کی گرمی کی خاطر اپنے مزدوں کو قربان کریں اور اس پاک ارادے پر کسانوں کا خون بہانے کی دھمکی دیں۔ اور پھر ہیں وہ چھتری جو اپنی زبان کی چاٹ کیلئے، اپنا روپیہ تیاگ دیں۔ اور جیو رکھشا کو بھول بیٹھیں۔

یہ چھتری اور اسلامی خون۔ یہ قربانی اور تیاگ سوائے زمینداروں اور سرمایہ داروں کے پاس اور کہاں دیکھنے میں آئے گا؟

زرد پرتلے والے کچھ والنٹیر بھی تھے۔ غریب مرد نما چپراسیوں کے سامنے ماند ہوئے جا رہے تھے۔ جلسہ کی سجاوٹ۔ بھاری کاموں کا بوجھ انہیں کے کاندھوں پر پڑا تھا۔ یہ تھے کون لوگ؟ کچھ غریب کاشتکار جنکو آمدنی کی کمی بڑے زمینداروں کے سائے میں کھینچ لائی۔ یہ لوگ آئے تھے تاکہ اس قانون کو مارنے کے لئے بارود بچھائیں جو انکے نفع کے لئے بنایا گیا ہو۔ نہ کیسے آتے۔ نہ آتے تو نوکری نہ جاتی۔ آمدنی نہ جاتی اور اپنا گھر جو ریاست میں ہوگا نہ جاتا۔ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر

ضروری اطلاع

ہندستان' اخبار کا دفتر اب لشبیشر ناتھ روڈ پر پرانے چرچ مشن اسکول کی عمارت میں منتقل ہوگیا ہے

یوں مجبوراً اپنے طبقہ کی جڑ کاٹتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگوں کو تو احساس تھا کہ انکی [illegible] کے کارن کیا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو احساس تک نہیں تھا۔

کون ہے جسکے دل میں اچھے کھانے۔ اچھے کپڑے۔ اور تھوڑی بہت آرام کی تمنا نہ ہو۔ کون ہے جو نہیں چاہتا کہ میرے بچے سکھی رہیں۔ ترقی کریں۔ اور ہم انکے ذاتی جوہروں کو چمکتا دیکھکر فخر کریں۔ لیکن یہ زمینداری سماج ایسا ہے کہ [illegible] صرف اس بچہ کے لئے ؛ پیدا ہیں جو بڑے گھر میں جنم لیتا ہے۔ غریبوں کے دل میں یہ آرزوئیں صرف اسلئے پیدا ہوتی ہیں کہ کلیجے کے اندر گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔ [illegible] دنوں لڑکپن میں کبھی نوجوانی تک بہت سے سنہرے روپہلے دن دور پر چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر سینہ کے اندر اس کے جگر بجھنے لگتے ہیں۔ جوانی [illegible] دھندلاتے جاتے ہیں ؛ [illegible] ہم جان سے [illegible] یہ نہیں ہماری قسمت جو وہاں پار ہوتا!

ہنستے کھیلتے، آرام کی موجوں میں بہتے لوگ نظر آتے ہیں لیکن اب وہ آگ سی ہوک کہ یہ ہمارے پاس بھی ہوتا! ختم ہو چکی ہوتی ہے دنیا سمجھا دیتی ہے، اور ایسی ڈھارس دے دیتی ہے۔ آرزو سے پیار کرنے والو! یار تم تو کمال کرتے ہو — کوئی کہاں تک کرے۔

اب وہ آرزوئیں نیا چولا بدلتی ہیں۔ پہلے تمنا تھی کہ ہمارا مکان اچھا ہوتا۔ اب خوش ہو لیتے ہیں کہ ہمارے زمیندار کا مکان اچھا ہے۔ ہم فقیر سہی ہمارا فلاں عزیز۔ فلاں زمیندار، تو امیر ہے۔ یوں دل کو خاصی تسکین ہو جاتی ہے۔ اسی کی [illegible] پر اترانے گھومتے ہیں۔ انکا دشمن ہمارا دشمن۔ یہ لوگ امیروں کے جلوس میں بہت خلوص سے چلتے ہیں۔ والنٹیروں میں ایک تعداد انہیں لوگوں کی تھی۔

چھوٹے زمیندار ۔ "ہمارے صوبہ میں دس ہزار ایسے زمیندار ہیں جو ایکہزار سے زیادہ مالگذاری ادا کرتے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ ایسے ہیں جو سو روپئے سے زیادہ دیتے ہیں۔ اور ساڑھے بارہ لاکھ ایسے ہیں جو ایک روپیہ سے بھی کم مالگذاری دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان زمینداروں میں جو ایکہزار سے زیادہ کے مالگذار ہیں۔ اور ان میں جو ایک روپیہ سے بھی کم مالگذاری ادا کرتے ہیں کونسی بات مشترک ہے۔ بڑے زمیندار چاہتے ہیں کہ ان بدقسمت چھوٹے زمینداروں کو ٹٹی بناکر انکی آڑ میں شکار کھیلیں۔ چھوٹے زمینداروں کو چاہئے کہ وہ بڑے زمینداروں کا آلۂ کار نہ بنیں۔ سول نافرمانی کی جو دھمکی دی جاتی ہے وہ بھی انہی چھوٹے زمینداروں کے بل بوتے پر ہے۔ یہ لوگ کانگرس میں شریک ہو کر اس حربہ کا استعمال سیکھ چکے ہیں۔ چھوٹے زمینداروں کی حالت واقعی قابل رحم ہے۔ کبھی ان کے باپ دادا کھاتے پیتے زمیندار تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو نہ تعلیم دی نہ کسی دوسرے روزگار میں لگایا۔ جائداد تقسیم ہوتے ہوتے برائے نام رہ گئی۔ اور اب یہ جاہل اور نکمے زمیندار روٹی کو ترسنے لگے۔ اگر کسی کاشتکار سے لگان وصول ہو تو اس سے دو وقت کا گذارا ہو گیا۔ مالگذاری کہاں سے ادا کریں؟ عادتیں وہی خوشحالی کے زمانہ کی بگڑی ہوئی ہیں محنت کر نہیں سکتے۔ کھانا اچھا چاہتے ہیں۔ اجلا کپڑا نہ ہو تو ہتک ہوتی ہے۔ محنت کرنا بھی چاہیں تو کوئی راہ نہیں ملتی۔ سیر یا خود کاشت زمین بھی انکے پاس نہیں کہ کھیتی کریں۔ بعض کی حالت تو کسانوں سے بھی بدتر ہے لیکن چونکہ زمینداروں کے طبقہ سے وابستہ ہیں اسلئے دماغ ابھی تک عرش پر ہے۔ حکومت

کی عادت ابھی چھوٹی نہیں۔ کاشتکاروں کو [illegible] میں لینا چاہتے ہیں اور اگر کوئی کاشتکار انکار کرتا ہے تو نہ اسکی زندگی کا رونا روتے ہیں اور کانگرس [illegible] دیتے ہیں جس سے انکے خیال میں کسانوں کو انکا مخالف بنا دیا۔ [illegible] لوگوں کو انکی اس بدحالی کی وجہ سمجھائی جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ انکا وجود جاگیردارانہ نظام کی [illegible] ہے۔ وہ جبتک اپنی عادتوں کو چھوڑ کر زمانہ کے حالات سے اپنے آپکو مطابق کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اسوقت تک انکی حالت سدھر نہیں سکتی۔ اور جب تک یہ معاشی نظام قائم ہے کانگرس کیا دنیا کی کوئی طاقت بھی انکو خوشحال نہیں بنا سکتی۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ اپنی قسمت کو کسانوں کے ساتھ وابستہ کریں اور موجودہ معاشی نظام کو ختم کرنے کی جو جدوجہد دنیا میں جاری ہے اس میں شریک ہوں۔" (ہندستان [illegible])

بھوپال میں بندشیں

پنڈت جواہرلال نہرو نے ریاست بھوپال کی زیادتیوں پر ایک بیان دیا ہے۔

"ہمکو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ زیادہ تر ریاستیں ایسی ہیں جو ترقی میں بہت پیچھے ہیں اور رجعت پسند ہیں۔ بھوپال کی عوام کانفرنس سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی قسم کی سیاسی تحریک نہیں اٹھائی جا سکتی، اور وہاں والوں کو کسی قسم کی سول آزادی نہیں حاصل ہے۔ کئی ایک مقامی اخبار بند ہو گئے۔ اور بہت سے مطبعوں کو کام بند کر دینا پڑا کیونکہ ان سے بھاری بھاری ضمانتیں طلب کر لی گئیں بیرونی اخباروں میں سے جو ریاستوں کے مظالم کا پردہ چاک کرتے رہتے ہیں انکا داخلہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک درجن اخبار اب تک بند کئے جا چکے ہیں۔

"کسی قسم کے پبلک جلسے بلا اسسٹنٹ مجسٹریٹ کی اجازت کے منعقد نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ مسجدوں اور مندروں میں بھی۔ اور یہ اجازت نامہ کبھی سیاسی جلسوں کے لئے نہیں دیا جاتا۔ گھروں میں جو پرائیوٹ صحبتیں ہوں وہ بھی اس قانون کی زد میں آتی ہیں۔ باہر سے آنے والے لٹریچر اور کتابیں سخت سنسر کی نگرانی میں رہتی ہیں"

"یہ حال ہے بھوپال کا اور اسی قسم کی دوسری ریاستوں کا۔ ہم یاستی عوام کو اتنی سختیوں میں پستا ہوا نہیں دیکھ سکتے"

"ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے باربار کہیں۔ اور انکی لڑائی میں انکی مدد کریں"

بھوپال کے حالات پر ہم ایک مضمون لکھ چکے ہیں۔ اس درمیان میں میسور میں عوام نے اتنا سخت ہنگامہ اٹھایا۔ میسور کو اپنی رعایا کے مطالبات کے سامنے جھکنا پڑا۔ خود بھوپال کے اندر عوام نے عوامی سبھا کے ذریعہ اپنی بےچینی کا اظہار کیا۔ مگر ریاست بھوپال کے رویہ میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا۔ اس نے حال ہی میں "ہند" کا داخلہ بند کر دیا۔

کیا ریاست کو یقین ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والوں کو یہ دو چار ترقی پسند اخبار نہ ملیں گے تو وہاں کسی قسم کی بےچینی نہیں پیدا ہوگی۔ یا یہ کہ اگر وہاں جلسوں

کی، اور اسی تحریک کی ممانعت کردی گئی تو وہاں کی رعایا میں کوئی شورش نہیں اٹھے گی؟

آزادی کی تحریک کو اس طرح دبانے میں آجتک کوئی حکومت کامیاب ہوئی ہے؟ اگر یوں کامیابی ممکن ہوتی، تو برطانیہ کب کی کانگرس کو کچل چکی ہوتی۔ غریبی کا احساس۔ آزادی کی تمنا۔ لڑائی کے ڈھنگ کتابوں اور اخباروں سے اتنے نہیں آتے جتنے حالات زمانہ سے۔ اگر بھوپال کو وہی اپنی رعایا کو ہمیشہ کے لئے بیوقوفیوں کا الیلہ جس اور اطاعت گزار بنانا ہے تو اسکو چاہئے کہ بھوپال کے گرد ایک دیوار (چین کی ایسی شہر پناہ) بنا دے۔ جسکو پار کرنے کی سزا موت ہو۔ پھر بھوپال کی ساری رعایا کو گونگا کر دے تاکہ وہ ایک دوسرے سے اپنا دردِ دکھ نہ بیان کر سکیں۔ ایسی بچوں کی ایسی کارروائیوں سے حاصل؟ اگر ہندستان جاگے گا تو کیا یہاں کی آزادی کی تحریک مرجائے گی؟ اب جواہر لال کا بیان پہنچ جائے گا۔ اسکو بھی روکو!

چیکوسلاویکیا کا قبضہ

برلن کے نازی اخباروں نے چیکوسلاویکیا کے معاملات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قبضہ میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن برطانوی حکومت نے اسکو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور ایک چھوٹی سی بات کو بلا وجہ اہمیت دیدی۔ اگر اس بیان میں کچھ اصلیت ہے تو اس سے ہمکو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم چیمبرلین کی حکومت عوام کے ووٹ حاصل کرنے کیلئے کس حد تک گرنے کو تیار ہے۔ تاہم ان سب باتوں کے باوجود بھی کوئی سمجھدار آدمی یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ تمام شور و شغب فضول ہی تھا۔ یورپ کی حکومتیں ایک دوسرے پر جو الزامات لگاتی رہتی ہیں ان سے ہمیں واقعات کی اہمیت اور زمانہ کی حالت کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ فی الحال بظاہر تو ہٹلر دب گیا اور میونسپل کے انتخابات امن چین سے گزر گئے ہیں۔ لیکن دراصل ہٹلر کے دبنے میں بھی ایک جنگی چال ہے اور حالات ایسے پیچیدہ ہیں کہ جنگ چھڑ جانا ہر وقت شروع ہو سکتی ہے۔

چیکوسلاویکیہ کے وزیر اعظم ڈاکٹر ہوڈزا اور چیک نازیوں کے لیڈر ہنلین کی گفت و شنید اطمینان بخش نہیں ہے اور مئی کے آخر اور جون کے پہلے ہفتہ میں میونسپل کے نئے چناؤ ہونے والے ہیں۔ برابر خبریں آرہی ہیں کہ چیکوسلاویکیہ کی فوج اور طیاروں نے جرمن علاقہ میں قدم رکھدیا۔ اور جرمن چیک علاقہ میں داخل ہوگئے، یہ مواد اندر ہی اندر پک رہا ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب پھوٹ نکلے گا اور کس دن جرمن توپیں چیکوسلاویکیا پر نشانہ بازی کرتی ہوئی نظر آئیں گی، اگر کوئی ایسی بات ہوگئی تو اسکی ذمہ داری جیسا کہ اسکوکے اخبار ”پراودا“ نے لکھا ہے، برطانوی اور فرانسیسی حکومت ہی پر ہوگی اور موجودہ ہیجانی انہیں دونوں حکومتوں کی سیاسی چالبازیوں کا نتیجہ ہے۔

مہاسبھا کا نرالا دعویٰ۔ کچھ دن ہوئے جب ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے مسٹر ساورکر جی صدر ہندو مہاسبھا نے اعلان کیا تھا کہ ”ہندستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اسواسطے حکومت کرنے کا حق بھی ہندوؤں ہی کو ہے۔“ ۹ مئی کو پونا سٹی میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے موصوف نے تعجب کیا کہ کانگرس مسلمانوں سے بھی ایسا ہی برتاؤ کیوں نہیں کرتی جیسا کہ برطانیہ کے ساتھ کرتی ہے۔ اور فرمایا کہ ہندستان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو استھان۔ ہندوؤں کا ملک رہے گا۔ وہ کبھی پاکستان نہیں ہو سکتا۔

ساورکر جی آجکل ہندو فرقہ کے پیچھے ہی خواہ مخواہ کیوں بنے ہوئے ہیں۔ ہندو قوم (؟) کا اتنا درد ہے کہ وہ کسی بات کو فرقہ وارانہ عینک لگائے بغیر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ عوام سے بے تعلق ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اکثریت کے حامی بنکر وہ اپنے ہی پیروں میں کلہاڑی مار رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہندستان میں کسانوں مزدوروں۔ اور غریب محنت کش طبقہ کی اکثریت ہے۔ اگر ساورکر جی اکثریت ہی کی حکومت چاہتے ہیں تو اس طبقہ کی حکومت کیلئے کیوں نہیں لڑتے۔ پولیس اور فوج میں زیادہ تر غریب عوام ہی بھرتی کئے جاتے ہیں لیکن سامراج انکو خود انہیں کے طبقہ کی لوٹ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اگر ساورکر جی اپنے قول کے سچے ہیں تو اس الٹی گنگا کو درست کریں۔

زمیندارم

اب تک زمینداروں کے آپس کے جھگڑے، مقدمہ بازیاں مشہور تھیں۔ لیکن یہ تفریقیں اسوقت تک تھیں جب تک بے فکری تھی۔ اور آمدنی پر کسی حملہ کا اندیشہ نہ تھا۔ کسان مردہ تھے۔ بندھے خوب مار کھانے تھے۔ مونڈنا، ہانکنا دینے ان کی عمر گزشتی تھی۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ کاشتکاروں میں انکا بوٹ جسکے ووٹ سے بنی ہوئی حکومت کا راج ہے، ایک طرف کسان اپنی مانگوں کو لیکر اٹھ رہے ہیں، اور دوسری طرف حکومت انکی مانگوں کیلئے لڑ رہی ہے۔ کسانوں کے اتحاد کا مقابلہ کرنے کو زمینداروں کے اتحاد کی بنیاد پڑ گئی۔

کسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ زمینداروں کو کچھ نقصان پہنچایا جائے۔ انکے قانونی اور غیر قانونی نفعوں کو گھٹایا جائے۔ حکومت نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ معاملات کی جانچ پڑتال کرکے کاشتکاروں کی بھلائی کی کچھ تجویزیں پیش کرے۔ کمیٹی نے بہت غور و خوض کے بعد اپنی تجویزیں پیش کردی ہیں وہ ایسی ہیں جن سے چھوٹے زمینداروں کا برائے نام نقصان ہوتا ہے بڑے زمیندار کا کچھ زیادہ۔ مگر انکا جتنا نقصان ہوتا ہے اسکی مناسبت سے کاشتکار کا بہت زیادہ بھلا ہو جاتا ہے۔ اگر زمینداران تجویزوں کو خوشی خوشی مان لیں تو زمیندار کاشتکار کی لڑائی عرصے کے لئے ٹھنڈی پڑ جائے۔ لیکن جہاں منہ لوٹنے کی چاٹ پڑ گئی پھر اچھائی برائی، مصلحت اصلیت کچھ نظر نہیں آتی۔ زمینداروں کو کاشتکاروں کی خاطر اتنا نقصان اٹھانا بھی گوارا نہیں۔

مالکان آراضی کی کانفرنس میں جو مقرر ہندو رہا یا مسلمان، برہمن رہا یا اچھوت کھڑا ہوا، اس نے اسی بات پر زور دیا کہ ہم سب ”زمیندار دھرم“ کے پیرو ہیں۔ نواب چھتاری نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں اس بدنصیب طبقہ کو منظم کرنے کی

بہت کوشش کر رہا ہوں۔ مگر آج تک کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہم ہندو تھے، مسلمان تھے، ٹھاکر تھے، برہمن تھے، اچھوت تھے اگر نہیں تھے تو زمیندار نہیں تھے۔ لیکن اب ہم تباہی کے کنارے پہنچ گئے ہیں کیا ہمارا یہ حال ہو! ۔ اب بھی تم میں اتحاد نہیں ہوگا۔

جلسے آوازیں آئیں "نہیں ہم اتحاد کیلئے تیار ہیں"۔ "مقابلہ کے لئے تیار ہیں"!

نواب چھتاری نے کہا

"کیا آپ کے سینہ میں دل ہے۔ آپ کی رگوں میں خون ہے۔ اگر ہے۔ اگر آپ دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہیں تو زیادہ بہتر ہے کہ آپ کھڑے ہو کر کہیں کہ ہم تیار ہیں" مجمع میں آدھے سے زیادہ لوگ کھڑے ہوگئے۔ یہ اتحاد صرف کاشتکاروں کے مقابلہ کیلئے ہوا۔ اس میں نہ مذہبی جذبہ تھا اور نہ کلچر کا پیار۔ اس میں صرف روٹی ہے اور کچھ نہیں۔

اس کانفرنس کی سب سے زیادہ اہم تجویز یہ ہے کہ زمینداروں اور سرمایہ داروں میں اتحاد ہونا چاہئے۔ اس تجویز پر سر جوالا پرشاد سریواستوا نے کہا کہ زمینداروں اور سرمایہ داروں کی لڑائی ایک لڑائی ہے۔ اگر کانپور میں مزدور جیت گئے تو اس کا اثر کاشتکاروں پر بھی پڑے گا۔ وہ اپنے بھائیوں کی جیت کو دیکھ کر اور سر چڑھیں گے دوسری بات یہ ہے کہ مزدور اور کسان کہتے ہیں کہ ہم دونوں ایک ہیں۔ اس متحدہ محاذ کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیں بھی ایک ہو جانا چاہئے۔ مہاراجہ دربھنگہ کی ایک تجویز یہ تھی کہ ہمکو زمینداروں کا ایک فیڈریشن بنانا چاہئے۔

سرمایہ داروں اور زمینداروں دونوں کو رونا یہ تھا کہ کسان، مزدور اور کانگریس سب کی سب جماعتیں ملک میں اقتصادی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہیں

ان لوگوں نے "اقتصادی انقلاب" کو اس طرح سہم سہم کر منہ سے نکالا، گویا وہ سارے ہندوستانیوں کو سہما دینے کو کافی ہے۔ جسوقت وہ یہ لفظ زبان سے نکال رہے تھے انکے ذہن میں بالکل نہیں تھا کہ ہندوستان کے اسی فیصدی انسانوں کا اسی میں بھلا ہے کہ یہ اقتصادی انقلاب ہو جائے

راجہ سلیم پور نے اس سلسلہ میں کہا کہ لفنگے، جنکا کام شہر میں مارے مارے پھرنے کا تھا۔ وہ بے لنگاٹے گھومتے ہیں۔ اور ہم سے مقابلہ کرنے کو کہتے ہیں۔ . . . . .

ایک اور صاحب نے کہا کہ "انقلاب وہ لوگ چاہتے ہیں جنکے پاس کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ جنکا ہر حال میں نفع ہی نفع ہے"

انکے نزدیک جن لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ یا جو لفنگے مارے مارے گھومتے ہیں، انکو چاہئے کہ وہ کوشش کریں کہ انکے پاس کچھ نہ رہے۔ اور وہ یوں ہی مارے مارے گھومتے رہیں۔ کیونکہ انکے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور وہ مارے مارے گھومتے ہیں۔ یہ بات دیکھنے میں چاہے جیسی نظر آئے مگر زمیندار طبقہ کے رہنماؤں کے دماغوں میں اسی طرح بیٹھی ہوئی ہے۔

بیشک ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہمارا کام مارے مارے گھومنا ہے۔ لیکن اب ہم ایسی جائداد اور ایسے پیشہ پر قناعت کرنے کو تیار نہیں۔ ہم رہیں گے۔ اور یہ مقدس لٹیرے ہمیشہ کیلئے دنیا سے صاف کر دیں گے۔

سرمایہ دار، وہ زمیندار طبقہ، عیش و عشرت کے مقدس نام پر گلے مل گیا۔ خیر خوب شکر ہو گیا۔ لیکن کسانوں اور مزدوروں کے طبقہ کا یہ مقابلہ کیسے کرے گا؟

راجہ سلیم پور نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ زمینداروں کے پاس ایک والنٹیر کور ہونا چاہئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ راجہ صاحب زمینداروں کے پاس فوج رہتی تھی جسے حکومت نے ہماری حفاظت کا دھوکا دیکر ہم سے وہ فوج توڑ دی۔ لیکن اب پھر وقت آگیا ہے۔ ہم اپنا خون اپنے بچانے کیلئے قربان کر دیں۔ اس کور کا کام یہ ہوگا کہ لوگوں کو روکے کہ وہ کاشتکاروں کو ہمارے خلاف نہ بھڑکانے پائیں"

زمینداروں کی لڑائی میں کوئی ایسی اخلاقی طاقت نہیں ہے جو لوگوں کو اپنا وقت اور محنت قربان کرنے پر تیار کر دے، ممکن ہے کہ انکا دکھ ہے زمینداروں کے رشتے کور کے کپتان بننے پر تیار ہو جائیں۔ عام والنٹیر پیشہ ور زمینداروں کی تنخواہ سے تیار ہوں گے۔

انکا کام یہ ہوگا کہ کسان سبھاؤں کے جلسے نہ ہونے دیں۔ ہڑتال نہ ہونے دیں۔ انکا کام پکٹنگ کرنے سے روکنا ہے۔ ستیہ گرہ اندرونی جوش اور قربانی سے ہوتی ہے۔ نہ کہ تنخواہ کے زور سے۔ اس لئے یہ لوگ اپنا کام ڈنڈے کے زور سے کریں گے یعنی تشدد کا۔ اس جلسہ میں تشدد کا کھلا چیلنج دیا گیا۔ مہاراجہ کی تقریر میں ایک دلیل شامل تھا کہ اگر کسان آسانی سے نہ دبے تو ہم انکو تشدد سے دبائیں گے، یا اگر کانگریس نے مخالفت کی تو ہم اسکو بھی دبائیں گے۔

اسکے علاوہ مقابلہ کی ایک صورت اور نکالی گئی ہے۔ وہ یہ کہ کاشتکاروں کو زرعی اور گھریلو صنعتی اصلاحوں سے یقین دلایا جائے کہ ہم تمہارے سچے ہمدرد ہیں۔ اسی قسم کی ایک تجویز پچھلی زمیندار کانفرنس میں بھی پیش ہوئی تھی۔ لیکن مسٹر بلونت سنگھ نے کہا کہ ہماری جو تجویزیں ہوں گی وہ اتنی مفید نہیں ہو سکتی ہیں جیسی کانگریس کی تجویزیں، اس صورت میں زمینداروں کا صرف مذاق اڑے گا۔ یہ اعتراض کچھ ایسا تھا کہ سب زمیندار مان گئے۔ لیکن ابکی کسی نے یہ اعتراض نہیں اٹھایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ کسان کو کسی نہ کسی طرح یقین دلانا ہے کہ زمیندار بڑی نعمت ہے۔ زمینداری اگر مٹ گئی تو کاشتکار تباہ ہو جائینگے۔ دنیا میں اگر کاشتکاروں کا کوئی سچا مائی باپ ہے تو زمیندار ہے۔ اس یقین دلانے کے لئے "اصلاحوں" کے نام سے بہتر اور کون نام ہو سکتا ہے۔

اس جلسہ میں دو اور خاص باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ برطانیہ کی مخالفت نہیں کی گئی۔ خطبہ استقبالیہ میں ایک فقرہ ہے۔

"کاشتکاروں کی پریشان حالی کا . . . . اور ہی سبب ہے جسکے بیان کی یہاں فی الحال ضرورت نہیں" دو ایک تقریر کرنے والوں نے برطانیہ دشمنی دکھائی تو صدر صاحب اور تمام حاضرین نے بہت روکھے پن سے انکی تقریر سنی۔ برطانیہ دوستی کی وجہ ظاہر ہے۔ جب کانگریس کسان، اور مزدور سب ہی دشمن ٹھہرے تو اس طبقہ کا دکھڑا سوائے برطانیہ کے اور کون ہے۔

دوسری بات تھی کہ مسلم لیگ اور مہاسبھا کے کارکن جلسہ میں موجود تھے۔ وہ لوگ جو ان فرقہ پرست جماعتوں میں ہیں جو کہ طبقہ بندی سے اور روٹی کی لڑائی سے انکار کرتے ہیں۔ یہاں آکر اسپر ہاں سے آئے ہیں۔

جلسہ میں کچھ اسلامی رنگ بھی تھا، اور کچھ ویدانتی رنگ بھی۔ وہ دن قریب ہے کہ جب فرقہ پرست جماعتوں کو مزدوروں اور کاشتکاروں کو بہکانے سے مایوسی ہو جائے گی، اسوقت انکے لئے سوائے اسکے اور کیا راستہ رہ جائے گا کہ وہ کلچر اور مذہب کے نام پر زمینداروں کا ساتھ دینے لگیں۔

اردو کی جدید انقلابی شاعری

مسلسل

سجاد ظہیر

ابھی یہ کہا گیا ہے کہ ان نوجوان شاعروں کا انقلاب کا تصور بہت سادہ تصور ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ اکثر نظموں میں انقلاب کی کافی مبہم تصویر ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ انقلاب کے تخریبی پہلو پر اتنا زیادہ زور دیا گیا ہے، اسے اتنا زیادہ مزے لے کر بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے انقلابی شاعروں نے ایک مسکین سرمایہ داروں اور استعمار پرستوں کی کھینچی ہوئی انقلاب کی ہولناک تصویر کو جو وہ عوام کو انقلاب سے ڈرانے کے لئے کھینچتے ہیں، اپنا لیا ہے۔ اگر ہمارے یہ شاعر عوام سے زیادہ قریب ہوتے، یا انکی نظمیں عوام کے لئے ہوتیں۔ تو غالباً انقلاب اتنا زیادہ لہریں بھرا ہوا نہ ہوتا۔ اصلیت کیا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ ہم انقلاب پرست ہیں، یہ صحیح ہے کہ ہم انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں، یہ صحیح ہے کہ موجودہ نظام کی لعنت بغیر انقلاب کے ختم نہیں کی جاسکتی لیکن انقلاب میں تشدد کا الزام ہمارے اوپر نہیں رکھا جاسکتا ہمارا تو اگر بس چلے تو ہم تشدد کو دنیا سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔ (اور دنیا کی اشتراکی سوسائٹی میں ایسا ہی ہوگا) لیکن شہنشاہیت اور سرمایہ داری ہمارے خون کے در پے ہیں، وہ کبھی بھی پرامن اور صلح کن طریقوں سے حکومت و امارت سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

لیکن ہمارے انقلابی شاعر سرمایہ داری کے جبر و ظلم اور اسکے تشدد سے چڑ کر چلانے لگتے ہیں، تم ہمیں خون خرابے سے روکتے ہو! انقلاب ہونے دو، پھر تمھیں مزا چکھایا جائے گا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم شہنشاہیت اور سرمایہ داری کے تشدد کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن ہمیں تو زور اس پر دینا ہے کہ ہم ہی دنیا میں امن، صلح اور انسانیت کے علم بردار ہیں۔ ہم اگر لڑتے ہیں تو مجبور ہو کر مدافعت میں، ہم اگر انقلاب کرتے ہیں تو دنیا کو عالمگیر جنگ سے بچانے کیلئے، انسانی تہذیب کے تحفظ و تعمیر کے لئے، کروڑوں معصوموں کو بھوک اور بے روزگاری کی وبا سے نجات دلانے کے لئے!

انقلاب کے اس خونی تصور میں رومانیت جھلکتی ہے۔ یہ ایک طرح کی ادبی دہشت انگیزی ہے۔ یہ ایک ذہنی اور جذباتی بلوہ ہے جو ایک درمیانی طبقہ کے انقلاب پسند نوجوان کے لئے ابتدا میں شاید جائز ہو تو ہو لیکن جس سے ایک اشتراکی شاعر کو دور رہنا چاہئے۔ اسکے لئے انقلاب ایک ناگزیر جنگ ہے، جسکے لئے ڈسپلن، تیاری، اپنے پر قابو پانا سب کچھ ضروری ہے، اس آگ کو بجھا کر دنیا ہے، لیکن اسے گلزار بنانے کے لئے۔

واعظانہ اور خطیبانہ انداز بھی ہماری انقلابی نظموں میں کافی پایا جاتا ہے۔ یہ بھی پرانے طرز شاعری کا ایک ترکہ ہے جس سے ہم اپنا دامن چھڑا لیں تو اچھا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیں نوجوانوں پر اثر ڈالنا ہے۔ انھیں عقل مندی اور عمل کے راستہ پر لیجانا ہے

اسکے جذبات کو بیدار کرنا ہے، لیکن فن کے ماہر جانتے ہیں کہ ناصح وہ چاہے کتنا مخلص کیوں نہ ہو ہمیشہ ناپسند کیا جاتا ہے۔ "نوجوانوں سے خطاب" "طالب علموں سے خطاب" "سپاہی سے خطاب" "مزدوروں اور کسانوں سے خطاب" اب بند ہونا چاہئے۔ اگر آپ کو کچھ کہنا ہے تو آپ "ملا بنا" چھوڑ دیجئے — آپ کا بھی مذاق اڑانے لگیں گے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ کسی کو مخاطب نہ کیجئے، زمانہ پر نظر ڈالئے، حالات سمجھئے، اور جو کچھ کہنا ہو کہہ ڈالئے۔

اور یہ پامال موضوع بھی اب ترک ہونے چاہئیں۔ ان میں سے بہت سی باتیں تو جوش کہہ چکے۔ آپ انھیں کیوں دہراتے ہیں؟ آپ تو اشتراکی ہیں، تو آپ کے لئے سارا جہان ہے، انقلاب کے بے شمار عالم ہیں، سوویٹ روس کا ہر کارخانہ آپ کا ہے۔ وہاں کی لال فوج کے جاں باز آپ کے ساتھی ہیں، اسپین کے جمہوری سپاہی آپ کے دوست ہیں، چین کی خستہ تیغ قوم ہماری آزادی کی جدوجہد کو سب سے آگے بڑھے ہوئے دیکھتے ہیں، ہٹلر کے قید خانے میں برسوں سے پڑا ہوا رفیق تھیلمان (جرمن کمیونسٹوں کا لیڈر) جو ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے مگر اپنے انقلابی عقائد سے نہیں ٹلتا آپ کا بھائی ہے۔ سائیس برس جیل میں رہنے کے بعد ہنگری کا راکوسی پھر آزادی کی لڑائی میں کود پڑتا ہے اور ہمارے دلوں کو گرما تا ہے، میرٹھ میں بنگال کے بیسیوں بھائی استبداد کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں، کابل کا فرزند خلیل الغاں جنگ کرتا ہے .... کیا مضامین کی کوئی کمی ہے؟

بہت سی نظمیں جو میرے سامنے ہیں دقتی ہیں۔ یہ طنزیہ یا تمسخرانہ انداز میں کہی گئی ہیں۔ شہاب ملیح آبادی کی "مسلم لیگ سے خطاب" یا کہیں سوویٹ کا سامان بھی کیا؟ یا "قوم کے رہبر" (ع سیرت میں خدا جانے صورت میں پیمبر ہیں)۔ اننت رام ملا کی نظم "مسلم لیگ" (ع سجائے بیٹھے ہیں دو کان وطن فروشی کی: ہر ایک چیز کی قیمت لگائے بیٹھے ہیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ادب میں طنزیہ شاعری کی بھی ایک جگہ ہے۔ جس طرح سیاسی ادب میں پمفلٹ ہوتے ہیں، اور مصوری میں کارٹون، اسی طرح شاعری میں ایسی نظمیں اور اشعار، یہ چبھتے ہوئے فقرے" ہماری سیاسی جدوجہد میں کافی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اگر "شہاب" نے فن کے اعتبار سے اپنے کلام میں پختگی حاصل کر لی تو وہ ہمارے نوجوان شاعروں میں اس قسم کی شاعری کے پیش رو ہوں گے۔ انقلاب کو بھی اکبر و ظریف کی ضرورت ہے!

ہم نے درمیانی طبقے کے انقلابی نوجوانوں کے تین رستوں کا ذکر کیا ہے۔ "ہندوستان گروپ" کے ان شاعروں میں زیادہ تر ایسے ہیں جو ابھی تیسری منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔ وہ یا تو دوسری منزل میں ہیں یا دوسری اور تیسری منزل کے درمیان میں۔ ان کی بعض نظموں بعض اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آخری منزل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہئے کہ جب ہم میں درمیانی طبقہ کی ذہنیت غالب رہتے ہوئے انقلابی عنصر آ جاتا ہے، جب ہم چند

اور معصوموں کو ہنسنے اور پرکھا ہے ان میں ان حقائق کا اظہار ہوتا ہے جو کسی کی [illegible] قوت بن کر ابھرنا انکن کا مزدوروں کے لبوں پر مسکراہٹ بن جانا قطروں کی ترتیب کا موجوں میں چھپ کر ایسی جیت افزا طوفان بن جانا جو بیابانوں سے گذر جاتی ہے یہ نئے تصورات ہیں مارکس نے انقلابی دور تغیر کا ایک اصول ہمیں بتایا تھا۔ کہ جس طرح ایک چیز کی مقدار بڑھتے بڑھتے اس کی ماہیت بدل جاتی ہے اور وہ چیز ہی دوسری ہو جاتی ہے اس طرح سماج میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں، ان تحریکوں سے ہمیں اس احساس کو تسلی ملتا ہے، جس سے انقلابی اصول پیوست ہونے لگے ہیں!

آخر میں مجاز کی نظم "سرمایہ داری" کو لیجئے۔ اس میں ہمیں سرمایہ داری کی ایک مکمل تصویر نظر آتی ہے سرمایہ داری کی طاقت، اس کا ساری دنیا پر حاوی ہونا، مزدوروں، اور کسانوں کی زندگی کا اسکی چکی میں پسنا، مذہب کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا، اخلاق کو بالائے طاق رکھ دینا، جنگ وجدال اور ہمیشہ انسانوں کو گھسیٹنا، تہذیب کے نام پر قوموں کو لوٹنا، غرض کہ سرمایہ داری کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں جو چھوٹی ہو!۔

شاعر سرمایہ داری کی طاقت جانتا ہے!

یہ وہ آندھی ہے جس کی رو میں مفلس کا نشیمن ہے
یہ وہ بجلی ہے جس کی زد میں ہر دہقاں کا خرمن ہے

شاعر سرمایہ دار تمدن کی حقیقت بتاتا ہے!

یہ اپنے ہاتھ میں تہذیب کا فانوس لیتی ہے
مگر مزدور کے تن سے لہو تک چوس لیتی ہے

یہ بات دھیان دینے کے قابل ہے کہ مجاز سرمایہ داری کی ترقی کی وجہ سے ناواقف نہیں لیکن وہ جانتا ہے کہ اس تہذیب و تمدن کی بنیاد کسی چیز پر قائم ہوئی ہے۔ مذہب کو سرمایہ داری کیسے استعمال کرتی ہے!

یہ اکثر لوٹ کر معصوم انسانوں کو راہوں میں
دھرم کے زمزمے گاتی ہے چھپ کر خانقاہوں میں

شہنشاہیت اور استعمار ہر ملک میں مذہب کو کیا کس طرح سے استعمال کرتے ہیں ہر شخص جو عہد حاضر کی تاریخ سے واقف ہے اچھی طرح سمجھتا ہے۔

آج بھی دنیا پر سرمایہ داری کے سیاہ بال چھائے ہوئے ہیں۔ آج بھی معلوم ہوتا ہے، اس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔

گرجتی گونجتی یہ آج بھی میداں میں آتی ہے
مگر بدمست ہے ہر ہر قدم پر لڑکھڑاتی ہے

سرمایہ داری کی کمزوری اسکی طاقت ہی میں چھپی ہے، وہ بدمست ہے اسکی طاقت اصلی طاقت نہیں، اب اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہے۔ اس لئے شاعر آواز دیتا ہے

مبارک دوستو لبریز ہے اب اس کا پیمانہ
اٹھاؤ آندھیاں کمزور ہے بنیاد کاشانہ

تصور اور تخیل کے لحاظ سے حقیقت نگاری کے لحاظ سے، رنگینی اور لطافت کے لحاظ سے، فن کے لحاظ سے۔ مجاز نے اس نظم میں اشتراکی شاعری کی ایک کامیاب مثال ہمارے سامنے پیش کی ہے

اشتراکی یا انقلابی ادب کا راستہ بہت دشوار راستہ ہے۔ پرانی شاعری اور اس قسم کی شاعری میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اس میں علم وادراک کا عنصر بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ شاعری علم فہم ادراک اور جذبات سب پر حاوی ہو کر ہی آگے بڑھ سکتی ہے، ایسی حالت میں دو طرح کے خطرے ہمارے لئے پیدا ہو سکتے ہیں،۔ ایک تو یہ کہ شاعری بہت زیادہ "ذہنی" اور علمی ہی ہو کر نہ رہ جائے، یہاں تک کہ بس "آورد" ہونے لگے دوسرے یہ کہ ہم صرف چند انقلابی اصول کو سنکر طوطوں کی طرح انہیں بار بار دہرا کر یہ نہ سمجھ لیں کہ انقلابی ادب اسی چیز کا نام ہے

ان خطروں سے ہم اسی حالت میں بچ سکتے ہیں جب ہم یہ سمجھ لیں کہ شاعر کا پہلا کام شاعری ہے، وعظ دینا نہیں، اشتراکیت وانقلاب کے اصول سمجھانا نہیں اصول سمجھنے کے لئے کتابیں موجود ہیں، اسکے لئے نظمیں ہمیں نہیں چاہئیں شاعر کا تعلق جذبات کی دنیا سے ہے اگر وہ اپنے تمام ساز وسامان، تمام رنگ تمام ترنم موسیقی کو پوری طرح کام میں نہیں لائے گا، اگر فن کے اعتبار سے نہیں بھونڈا پن ہوگا، اگر وہ ہمارے احساسات کو لطافت کے ساتھ بیدار کرنے سے قاصر ہوگا، تو اچھے سے اچھے خیال کا وہی حشر ہوگا جو دانے کا بنجر میں ہوتا ہے

دوسرے ہر انقلابی ادیب کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ انقلابی تحریک میں پوری طرح حصہ لئے بغیر اسکی ذہنی اور جذباتی ترقی ناممکن ہے انقلابی ادب زندگی سے علحدہ ہو کر نہیں پنپ سکتا، ہماری انقلابی شاعری کی اکثر خامیاں جبھی دور ہو سکتی ہیں جب کہ ہمارے انقلابی شعرا اور ادیب باقاعدہ عوام کی روز مرہ کی جدوجہد میں حصہ لیں اور دیکھیں کہ انقلابی عمل کا ایک ایک قدم کتنی دشوار پیچیدہ اور کٹھن چیز کا نام ہے۔ یہ ڈسپلن ایک ناگزیر ہے، بغیر اسکے وہ ادیب بھی بہت جلد انحطاط ورجعت پسندی کے غاروں میں گر جائیں گے جن میں آج انقلابی ہیجان اسپرجینی ہے اگر اس جذباتی ابال کو منظم و مسلسل انقلابی عمل کی راستہ میں نہ لگایا گیا۔ تو نتیجہ افسوسناک ہوگا

آج آندرے مالرو، فرانس کا سب سے جید انقلابی ادیب مادرد میں نوج میں بھرتی ہے جرمنی کا مشہور ادیب لڈوگ رن اسپین میں بین الاقوامی نوج کی ایک پلٹن کا افسر ہے۔ الف فاکس انگلستان کا مشہور انقلابی ادیب قرطبہ کے قریب جمہوری فوجوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا، چین کے تمام اہل علم اپنے ملک کی فوجوں میں لڑ رہے ہیں یہ صرف چند نام ہیں۔۔ لیکن نام گنانے ضروری نہیں۔

کیا تجربہ سے بڑھ کر حقیقت معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ ہے؟ جب بحیثیت ادیب کے ہم نے سماج کی موجودہ کشمکش اور عمل کو سمجھنے کا ارادہ کیا ہے جب ہم جانتے ہیں کہ ادب میں ہمہ گیری اسوقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ہم اپنی ذات کی تنگ وتاریک دنیا سے نکل کر اجتماعی دنیا میں پیوست نہیں ہو جاتے۔ تو ہمارے لئے دوسرا کونسا راستہ باقی رہ جاتا ہے!

فلمی دنیا میں بیداری

طاہرہ بیگم

ہالی وڈ کے ایکٹروں میں بیداری کی لہر سب سے پہلے اس وقت آئی جب گریٹا گاربو نے کام چھوڑنے کی دھمکی دی۔ اور اسٹوڈیو کے مالک کو بے بس ہو کر اسکی تنخواہ بڑھانا پڑی۔ آج ہالی وڈ میں ایکٹروں کے اتحاد کی دھوم ہے۔ اسٹوڈیو کے مالک اس بیداری کو دیکھ کر گھبرا گئے ہیں اور ترقی پسند خیال کے اداکاروں کو بڑی بڑی تنخواہوں کا لالچ دیکر انکے منہ پر تالا لگا دینا چاہتے ہیں۔ انکی یہ کوشش اجتماعی طور پر مالکوں سے سودا [illegible] اداکاروں کی شان کے خلاف ہے۔ ایکٹروں کی طرف سے یہ کوشش کچھ دنوں سے ہو رہی ہے کہ انکو اس بات کا فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ فلم کس طرح کی ہو۔ اگر یہی فضا رہی تو عنقریب گولڈون اور دوسرے فلم سازوں کو فلم میں بھی زندگی دکھانا پڑے گی۔ کیونکہ ایکٹر [illegible] کی اڑان چھوڑ کر زمین پر اتر آئے ہیں اور زندگی کے سوالوں پر غور کرنے لگے ہیں۔ اب ہالی وڈ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں رہ گیا بلکہ وہاں پر کام کرنے والے بین الاقوامی مسئلوں سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

کچھ دن پہلے ہالی وڈ کے لوگوں کو پتہ بھی نہ تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور اس سے انکا کیا تعلق ہے۔ انکے سامنے صرف ایک ہی سوال تھا۔ وہ اپنی ذاتی دولت کے انبار لگا سکیں۔ لیکن آج آپ اسپین میں جمہوریت کے لئے لڑنے والے بین الاقوامی جتھے کے کسی سپاہی سے پوچھئے کہ ہالی وڈ کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے۔ وہ جواب دیگا کہ ہالی وڈ اسپین کی جمہوریت کا ایک بڑا حامی ہے۔ ہالی وڈ میں سینما کے آرٹسٹوں کی ایک کمیٹی اسپین کی مدد کے لئے بنائی گئی تھی۔ جس نے جلسے کرنے اور چندہ جمع کرنے کا زبردست پروگرام بنایا۔ بڑے بڑے آرٹسٹوں، ڈائرکٹروں اور مصنفوں نے اس میں ہاتھ بٹایا۔ اس کمیٹی کا کام اتنا مکمل اور شاندار سمجھا گیا کہ اسپین کی حکومت نے ہالی وڈ میں اپنے خاص نمائندوں کو بھیجنے کی تجویز کو منظور کر لیا یہ نہ صرف اسلئے کہ ہالی وڈ سے اسپین کی حکومت کو کافی مدد ملی تھی بلکہ اسلئے بھی کہ امریکہ اور دنیا کی آنکھیں ہالی وڈ پر لگی رہتی ہیں اور جو کچھ سینما کے اداکار کرتے ہیں اسکا اثر لاکھوں کروڑوں انسانوں کے اوپر پڑتا ہے جنہوں نے اسپین کے مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا۔

شاید ہی کوئی ہفتہ گذرتا ہو جب ہالی وڈ میں اسپین کی جمہوریت کے نمائندوں کو سننے کے لئے کوئی عام جلسہ نہ ہوتا ہو۔ اور اسپین کی لڑائی میں ہالی وڈ کی دلچسپی نام کا [illegible] نہیں بلکہ سمجھدار ایکٹروں میں یہ خیال پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ اسپین کی لڑائی چاہے ہزاروں میل کی دوری پر ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ انکی اور تمام آزادی پسند طاقتوں کی لڑائی ہے۔ اس خیال نے انکو معاشی اور مزدور جماعت کے مسئلوں کو آزادی کے ساتھ بلکہ انقلابی نقطۂ نظر سے غور کرنے پر مجبور کیا ہے۔

اس بیداری کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی فلم بنانے والے گھبرا اٹھے ہیں۔ ان لوگوں کو صرف اپنے منافع سے مطلب ہے۔ اس سے کیا بحث کہ فلم میں کام کرنے والے کون سا کھیل کھیلتے ہیں۔ بیڈمنٹن یا سیاست۔ شرط صرف یہ ہے کہ کھیل [illegible]

ہی ایک حد ہے۔ نیگرو قوم پر ظلم کرنے کا جو انکا پیدائشی حق تھا اسکو ہالی وڈ کے آرٹسٹوں کی وجہ سے جو دھکا پہنچا ہے اسکے خلاف جنوبی امریکہ کے [illegible] نے احتجاج کی آواز اٹھائی۔ جرمنی اور اٹلی کے دوستوں نے غصے سے بھرے ہوئے تار بھیجے کہ وہ [illegible]۔ پال منی۔ [illegible] اور دوسرے بڑے بڑے اداکاروں، مصنفوں اور ڈائرکٹروں کے فلموں کا بائیکاٹ کر دینگے اگر انکے نام سے شفاخانے کے موٹر امریکہ سے میڈرڈ جائیں گے۔ فلم کمپنیوں کے مالکوں کے خوشامدی اخبار ہالی وڈ کے ان ترقی پسند مصنفوں کی بیداری کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ایک کا کہنا ہے "اسپین کے ہمدردوں اور مددگاروں کو سوا ذاتی تسکین کے جو کسی کی مدد کرنے سے آتی ہے اور حاصل ہی کیا ہوگا؟ — بس ایک شہرت ہی تو! — مفت کی شہرت! — نقصان دہ شہرت!" اس نقطۂ نظر سے دیکھنے پر بھی سچ تو یہ ہے کہ ہر ملک میں جہاں ہالی وڈ کے فلم چلتے ہیں وہاں نازی ازم اور فاشزم کے حامی تعداد میں بہت کم ہیں۔ لیکن شور و غل بہت مچاتے ہیں۔ سینما دیکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد یا تو ہالی وڈ کے ترقی پسند اداکاروں کی کارروائیوں سے بے تعلق رہتی ہے یا اسکی تعریف کرتی ہے۔

جہاں تک جرمنی اور اٹلی کے بازاروں کا تعلق ہے، انسے ہالی وڈ کے منافع کو کوئی دھکا نہیں پہنچ سکتا کیونکہ فاشسٹ ممالک میں اس سلسلے میں جو کچھ کیا جا سکتا تھا پہلے ہی کر چکے ہیں۔ لہٰذا زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ بڑے بڑے اداکاروں کی جمہوریت کی کھلم کھلا حمایت ہالی وڈ کی شہرت کو بڑھا دیگی۔ پھر بھی ہالی وڈ کے فاشسٹ دشمن کام کو جاری رکھنے اور بڑھانے کی لڑائی اب ایک [illegible] میں ہے کیونکہ اسٹوڈیو میں کام کرنے والوں کی کارروائیوں کو روکنے کے لئے [illegible] سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے اور انہیں سے زیادہ نمایاں اور بیدار اداکاروں پر اس دباؤ کا کافی اثر پڑ رہا ہے۔

اسلئے ہر فلم دیکھنے والے کا، جسکے دل میں جمہوریت سے ذرا بھی محبت ہے سب سے بڑا فرض ہے کہ اپنی آواز بلند کرے۔

آخرکار فلم کمپنیوں کو فلم دیکھنے والوں کی مرضی کے مطابق چلنا پڑے گا۔ ترقی پسندوں کی حمایت کیجئے۔ اور اپنی اس حمایت کی وجہ کو فلم کمپنیوں پر ظاہر کیجئے۔ یہ ایک طریقہ ہے جسکے ذریعہ آپ فلم کمپنیوں کو ترقی پسند اداکاروں کے پیروں میں بیڑی ڈالنے سے باز رکھ سکتے ہیں۔ انہیں موجودہ زمانے کے مسئلوں کا نیا حل پیش کرنے، مزدور جماعت اور جمہوریت کی حمایت اور زندگی کا صحیح نقطہ نظر اختیار کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح آپ اس زمانہ کے عام تعلیم کے سب سے بڑے ذریعہ یعنی سینما کو فضولیات سے الگ کر کے اپنی لڑائی کا ایک بہت مضبوط آلہ بنا سکتے ہیں۔

آوارہ

اسرار الحق مجاز

شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں — جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی ہے کب تک در بدر مارا پھروں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

یہ روپہلی چھاؤں یہ آکاش پر تاروں کا جال — جیسے صوفی کا تصور جیسے عاشق کا خیال
آہ لیکن کون جانے کون سمجھے جی کا حال
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی — رات کے ہاتھوں میں دن کی موہنی تصویر سی
میری چھاتی پہ مگر جلتی ہوئی شمشیر سی
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

رات ہنس ہنس کر یہ کہتی ہے کہ میخانہ میں چل — پھر کسی شہنازِ لالہ رخ کے کاشانہ میں چل
یہ نہیں ممکن تو پھر اے دوست ویرانے میں چل
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

ہر طرف بکھری ہوئی رنگینیاں رعنائیاں — ہر قدم پر عشرتیں لیتی ہوئی انگڑائیاں
آ رہی ہیں گود پھیلائے ہوئے رسوائیاں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

پھر وہ ٹوٹا اک ستارہ پھر وہ چھوٹی پھلجھڑی — جانے کس کی گود میں آئی یہ موتی کی لڑی
ہوک سی سینے میں اٹھی چوٹ سی دل پر پڑی
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

راستے میں رک کے دم لے لوں مری عادت نہیں — لوٹ کر واپس چلا جاؤں مری فطرت نہیں
اور کوئی ہمنوا مل جائے یہ قسمت نہیں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

اک محل کی آڑ سے نکلا وہ پیلا ماہتاب — جیسے ملا کا عمامہ جیسے بنئے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی، جیسے بیوہ کا شباب
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

منتظر ہے ایک طوفانِ بلا میرے لئے — اب بھی جانے کتنے دروازے ہیں وا میرے لئے
پر مصیبت ہے مرا عہدِ وفا میرے لئے
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں ٹھانی ہے کہ اب عہدِ وفا بھی توڑ دوں — ان کو پا سکتا ہوں میں یہ آسرا بھی توڑ دوں
ہاں مناسب ہے یہ زنجیرِ وفا بھی توڑ دوں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

دل میں اک شعلہ بھڑک اٹھا ہے آخر کیا کروں — میرا پیمانہ چھلک اٹھا ہے آخر کیا کروں
زخم سینے کا مہک اٹھا ہے آخر کیا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں آتا ہے یہ مردہ چاند تارے نوچ لوں — اس کنارے نوچ لوں اور اس کنارے نوچ لوں
ایک دو کا ذکر کیا، سارے کے سارے نوچ لوں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

مفلسی اور یہ مظاہر ہیں نظر کے سامنے — سیکڑوں سلطان جابر ہیں نظر کے سامنے
سیکڑوں چنگیز و نادر ہیں نظر کے سامنے
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

لے کے اک چنگیز کے ہاتھوں سے خنجر توڑ دوں — تاج پر اس کے دمکتا ہے جو پتھر توڑ دوں
کوئی توڑے یا نہ توڑے میں ہی بڑھ کر توڑ دوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

بڑھ کے اس اندر سبھا کا ساز و ساماں پھونک دوں — اس کا گلشن پھونک دوں اس کا شبستاں پھونک دوں
تختِ سلطاں کیا میں سارا قصرِ سلطاں پھونک دوں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

بچے

علی سردار جعفری

منظر:-

ایک طوفانی رات بھیانک اور ڈراونی، پانی کی بوچھار، ہواؤں کا شور اور بجلیوں کے شعلے بھڑکتے۔

ایک ٹوٹا ہوا کچا مکان پھوس کے چھپر میں ایک عورت اور ایک بچہ جلتے ہوئے چولھے پر ایلومنیم کی ایک دیگچی جس میں سے بھاپ نکل رہی ہے طاق میں مٹی کا چراغ جو ابھی بجھا ہے:

بچہ:- اماں

عورت:- بیٹا سو جا!

بچہ:- اندھیرا کیوں ہے

عورت:- چراغ میں تیل نہیں ہے

بچہ:- بڑے زور سے پانی برس رہا ہے

عورت:- تو سو جا

بچہ:- بجلی بھی چمک رہی ہے اماں

عورت:- ہاں ہاں سو جا جلدی سے آنکھیں بند کر لے۔

بچہ: ڈر لگ رہا ہے

عورت:- میں ہوں تو۔ ڈرنے کی کیا بات ہے

بچہ:- اگر بجلی گر پڑے اماں

عورت:- نہیں میرے بچے۔

بچہ:- بادل گرج رہے ہیں اللہ میاں خفا ہو رہے ہیں

عورت:- ہاں تو سوتا نہیں ہے اس لئے۔

بچہ:- جاڑا لگ رہا ہے۔ اماں

عورت:- (جھنجلا کر) ارے تو سو بھی جا موذی۔

بچہ:- اماں جاڑا جھانک رہا ہے

عورت:- (بچہ کو اپنے دوپٹے کے پلے آنچل میں چھپا لیتی ہے)

بچہ:- اور اماں تم تو کہتی تھیں کھچڑی ابھی پک جائے گی۔

عورت ہاں ابھی پک جائے گی میرے لال۔

بچہ:- اتنی بڑی دیر ہو گئی

عورت:- جب تک تو سوئے گا نہیں کھچڑی نہیں پکے گی

بچہ:- تم نے پہلے بھی یہی کہا تھا۔ بڑی بھوک لگی ہے۔

عورت:- تو سویا ہی کب تھا۔

بچہ:- کل بھی تم نے یہی کہا تھا۔

عورت:- ....

بچہ:- اماں تم تو کہتی ہو جھوٹ بولنے سے اللہ میاں خفا ہو جاتے ہیں اور تم جھوٹ بولتی ہو؟

عورت:- میں کب جھوٹ بولتی ہوں!

بچہ:- تم روز جھوٹ بولتی ہو کہتی ہو کہ جب تو سو جائے گا تو کھچڑی پک جائے گی اور کھچڑی نہیں پکتی۔

عورت:- چپ رہ

بچہ:- اور ابا بھی جھوٹ بولتے ہیں

عورت:- تو سوئے گا نہیں۔

بچہ:- نیند نہیں آتی۔ بڑی بھوک لگی ہے..... ابا کہتے تھے میرے کھلونے لائیں گے

عورت:- ہاں۔ ہاں وہ تیرے لئے کھلونے لائیں گے۔

بچہ:- تو وہ کب آئیں گے۔

عورت:- اب آتے ہی ہوں گے۔

بچہ:- اب کھچڑی پک گئی ہو گی اماں

عورت:- نہیں بیٹا ابھی نہیں پکی۔

(بادل بڑے زور سے گرجتے ہیں)

بچہ:- پھر گرج رہے ہیں بادل

عورت:- اسی لئے تو کہہ رہی ہوں سو جا (بچہ ماں کے گلے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ وہ لوری دینے لگتی ہے۔

آ جا ری نندو تو آ کیوں نہ جا۔

میرے منے کی انکھیوں میں گھل مل جا

آ جلدی نندو تو آ کیوں نہ جا۔

بچہ:- یہ لوری نہیں اماں ہاتھی گھوڑے والی۔

عورت:- اللہ اللہ سو جا۔ سو جا۔

بچی کھائے سو جا سو جا۔

بچہ:- اماں تم یونہی کہتی ہو

عورت:- میرے لال سو جا میں لوری دے رہی ہوں

اللہ اللہ سو جا سو جا۔

بچی کھائے سو جا سو جا۔

ہاتھی گھوڑے موڑ دوں گی

کھیل کھلونے اکٹھے دوں گی

بچہ:- ابا گھوڑے پر نہیں چڑھتے

عورت:- انکے پاس گھوڑا نہیں ہے۔

بچہ:- پھر مجھے گھوڑا کہاں سے دو گی؟ اور ہاتھی اماں! آئیں!

عورت:- تو سوئے گا نہیں تو تجھے کچھ نہ ملے گا! بچہ پھر آنکھیں بند کر لیتا ہے

اللہ اللہ سوجا۔ سوجا۔

ہاتھی گھوڑے منگا دوں گی کھیل کھلونے اکڑ دوں گی

جب تو پی لے پاس کہے گا تج بکرا حلاس کرے گا

(ایک مرد بھیگا ہوا اندر داخل ہوتا ہے اسکی سیاہ داڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں)

مرد۔ (ایک گھڑی بغل سے نکال کر زمین پر ڈال دیتا ہے) اندھیرا کیوں ہے؟

عورت۔ چراغ گل ہو گیا۔

مرد۔ تیل نہیں ہے۔

عورت۔ پرسوں ایک پیسے کا آیا تھا۔

مرد۔ آگ کے سامنے بیٹھ کر اپنے کپڑے سکھاتا ہے) آج ادھر سبر کر لو۔ اسوقت ایسی بڑی تیز ہے۔

عورت۔ اس گٹھری میں کیا ہے۔

مرد۔ آٹا۔ دال۔ چاول۔ اور اسوقت کھانے کے لئے روٹی اور کباب

بچہ (گردن اٹھاکر) اور ہمارے کھلونے؟

مرد۔ کھلونے بھی لایا ہوں۔ (گٹھری کھول کر ربڑ کی ایک گیند اور ایک موٹر نکالتا ہے)

بچہ۔ (خوش ہوکر) اہا جی (تالیاں بجاتا ہے)

عورت۔ میں نہ کہتی تھی کہ ابا کھلونے لائیں گے۔

بچہ۔ اور ہاتھی گھوڑا تو لائے نہیں۔

مرد۔ کل لادوں گا بیٹا۔

بچہ۔ اماں کھچڑی نہیں پکی۔ اب ہم کباب روٹی کھائیں گے۔

مرد۔ تم نے کھچڑی پکائی ہے؟

عورت۔ (عورت گردن سے انکار کرتی ہے) دیگچی دیکھ لو۔

مرد۔ (مرد دیگچی کھول کر دیکھتا ہے۔ اسکے اندر گرم پانی ہے) اچھا روٹی گرم کر لو۔

عورت۔ (انگاروں پر روٹیاں گرم کرتی ہے) یہ سب چیزیں ادھار لائے ہو۔

مرد۔ نہیں۔

عورت۔ پھر پیسے کہاں سے آئے۔

مرد۔ خدا کی دین ہے۔

عورت۔ خدا کوئی آسمان سے برساتا ہے۔ کیا بھیک مانگی ہے۔

مرد۔ اچھا کھانا شروع کرو میں بتاتا ہوں۔

بچہ۔ اور یہ کھلونے بھی اللہ میاں نے بھیجے ہیں۔

عورت۔ انھیں ایک طرف رکھ کر پہلے کھا لے۔

(بچہ روٹی کھانے لگتا ہے۔ عورت اور مرد بھی شریک ہو جاتے ہیں۔)

مرد۔ اب ہم اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں گے۔

عورت۔ کیا کہیں نوکری لگ گئی۔

مرد۔ نوکری میں تو تنخواہ مہینے بھر بعد ملتی ہے۔

عورت۔ پھر

مرد۔ وہ جنوں کی مسجد نہیں ہے ......

عورت۔ ہاں وہی جو سبزی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

مرد۔ ہاں۔ ہاں۔ وہی۔ ....

عورت۔ تو کیا جنوں نے بھیجے ہیں

بچہ۔ اماں جن تو آدمی کو مار ڈالتا ہے۔

مرد۔ تم پوری بات تو سنتی نہیں ہو۔

عورت۔ تم کہو بھی تو کچھ۔

مرد۔ ہاں تو اس مسجد کے سامنے ایک قبر ہے۔

عورت۔ تم تو الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ سب چیزیں کہاں سے خریدیں۔

مرد۔ یہی تو بتا رہا ہوں تم سنتی تو ہو نہیں۔

عورت۔ اچھا

مرد۔ وہ جو قبر ہے لوگ کہتے تھے کہ کسی "صاحب" کا کتا دفن ہے۔

عورت۔ انگریز اپنے کتوں کو آدمیوں کی طرح دفناتے ہیں۔

مرد۔ نہیں جی۔ یہ تو یونہی مشہور ہے۔ کہیں کتے بھی دفن ہوتے ہیں۔

عورت۔ ہاں ہاں کیوں نہیں۔ سب انگریز اپنے کتوں کو دفناتے ہیں۔

مرد۔ تم گھر میں رہتی ہو تمھیں کیا معلوم۔

عورت۔ میں نے یہی سنا ہے۔

مرد۔ نہیں یہ غلط ہے۔ کتے وتے کی قبر نہیں ہے۔ کسی آدمی کی ہوگی۔

عورت۔ اچھا آدمی کی سہی پھر؟

مرد۔ بس پھر کیا میں اس کا مجاور ہو گیا ہوں۔

بچہ۔ اماں پانی دیدو۔

عورت (بچہ کو پانی دیتی ہے وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا ہے) تو ان لوگوں نے کچھ نہ کہا جو اسے کتے کی قبر بتاتے تھے۔

مرد۔ میں نے یہ مشہور کیا کہ یہ شہید مرد کی قبر ہے میں نے خواب میں دیکھا ہے

عورت۔ تو تم جھوٹ بولے۔

مرد۔ اور کیا کریں۔ آخر کب تک بھوکے مریں۔

عورت۔ اچھا۔

مرد۔ یہ دھندا بھی تو اسی کا دیا ہوا ہے مگر ایک بڈھا اب بھی یہی کہے جا رہا تھا کہ یہ کتے کی قبر ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے کتا دفن ہوتے دیکھا تھا (پانی پی کر بچہ سو کے پانی سے ہاتھ دھلوتا ہے۔)

عورت (اپنا ہاتھ دھوکر) تم تو کہہ رہے تھے کہ کتے کی قبر نہیں ہے یونہی مشہور ہے اب کہتے ہو کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

مرد۔ ہاں وہ بڈھا یہی کہے جا رہا تھا لیکن جب میں نے کہا کہ اگر شہید مرد کی قبر ہوگی تو مزور چڑھاوا چڑھے گا۔ اور اس بہانے خدا ہم دونوں کا پیٹ بھر دے گا۔

عورت۔ تو اس نے کیا کہا۔

مرد۔ آج صبح اس نے قبر پر آکر توبہ کی اور کہا کہ میں نے بھی خواب میں دیکھا ہے کہ یہ شہید مرد کی قبر ہے

عورت۔ اچھا پھر

مرد۔ اسے چڑھاوا آنے لگا ہے۔

ہندستان

کانپور کی ہڑتال کانپور کے ۴۰ ہزار مزدور ابھی تک اپنے مطالبات پر اڑے ہیں۔ ۲۳ مئی سے ۲۵ مئی تک ۴۰۰ آدمی پکٹنگ کرنے کے جرم میں گرفتار کئے گئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اگلے روز سے عورتیں بھی پکٹنگ میں حصہ لینے لگیں۔ اور کانگریسی آدمیوں اور رضاکاروں نے بھی مزدوروں کے دوش بدوش ہڑتال اور پکٹنگ میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ مزدوروں نے اپنی پکٹنگ کے طریقے کو بدل دیا ہے اور دفعہ ۱۴۴ سے بچنے کے لئے یہ طے کیا ہے کہ کسی حالت میں بھی ۴ سے زیادہ مزدور ایک جگہ پر اکٹھا نہ ہوں۔

کانپور کی کانگریس کمیٹی ہر طرح پر مزدوروں کا ساتھ دے رہی ہے اور ان کی امداد کے لئے چندہ جمع کر رہی ہے۔ شہر کمیٹی کے صدر کو کانگریس کے ان آدمیوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا اختیار دے دیا گیا ہے جو مزدوروں کی پکٹنگ میں کمیٹی کے ساتھ تعاون نہ کریں۔

شہر کانگریس کمیٹی نے اپنے دس آدمیوں کو ہڑتال کونسل کے لئے نامزد کیا ہے اور ۱۱ آدمیوں کی ایک ہڑتال کمیٹی بھی مقرر کی ہے۔

الہ آباد اور لکھنؤ کی کانگریس کمیٹیوں نے کانپور کے مزدوروں کی امداد کے لئے [illegible] اور کئی سو من غلہ جمع بھی ہو گیا ہے۔

مل مالک ۲۴ مئی کو مل مالکوں کی انجمن نے ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مصالحت کے دروازے ابھی بند نہیں ہوئے ہیں۔ اور اس خبر کی تردید کی گئی ہے کہ مل مالکوں نے صلح کی شرائط کے متعلق کسی قسم کی گفت و شنید کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس اعلان میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مل مالکوں اور مزدوروں کا باہمی تعاون کاروبار اور مزدور طبقہ دونوں کے لئے ضروری ہے اور مل مالکوں کی انجمن ایسے طریقوں پر غور کر رہی ہے جن سے کم مزدوری پانے والے مزدوروں کی حالت سدھاری جا سکے۔ مل مالکوں کی انجمن نے حکومت یو۔ پی کے چیف سکریٹری اور گورنر کے پرائیوٹ سکریٹری کو مزدوروں کی شکایت کے تار دئے ہیں جنمیں لکھا ہے کہ ہڑتالی مزدور جنمیں عورتیں بھی شامل ہیں مزدوروں کو ڈرانے دھمکانے اور کام سے روکنے کے ایسے طریقے استعمال کر رہے ہیں جن سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے کیونکہ پکٹنگ کسی طرح بھی پر امن نہیں کہی جا سکتی انھوں نے شکایت کی ہے کہ مزدور سبھا نے ایک متوازی حکومت قائم کر لی ہے اور عام راستوں کے لئے اجازت نامے دیتی ہے اور اس طرح شہری آزادی پر پابندی لگاتی ہے۔ اپر انڈیا چیمبر آف کامرس نے بھی حکومت یو پی کے چیف سکریٹری کو اسی قسم کا تار دیا ہے اور درخواست کی ہے کہ وہ مزدوروں کی روک تھام کیلئے فوری کارروائی کرے۔

جگی لال کملاپت جوٹ ملس نے مزدوروں کے نام ایک نوٹس شائع کیا ہے جس میں اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ حالانکہ مزدور تحقیقاتی کمیٹی نے جوٹ کی ملوں کے متعلق نہ تو کسی قسم کی تحقیقات کی ہے اور نہ کوئی سفارش ہی کی ہے لیکن پھر بھی مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ نوٹس میں اعلان کیا گیا ہے کہ کارخانے کے منتظمین ہڑتالیوں اور غیر حاضر مزدوروں کو اب اپنا ملازم نہیں سمجھیں گے۔ اور جب کام دوبارہ شروع ہوگا تو مزدوری کی شرح بھی نئی ہوگی اور وہی مزدور لئے جائیں گے جو ان شرائط پر کام کرنے کے لئے راضی ہوں گے۔

نقصانات ۔ ہڑتال سے مزدوروں کو مزدوری کا نقصان تو ہوا ہی ہے لیکن مل مالکوں کو بھی کوئی کم خسارہ نہیں ہوا ہے۔ اس زمانہ میں کپڑے کی مانگ بہت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہر طرف کے بیوپاری اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ بارش سے پہلے ہی کپڑا خرید کر بھر لیں اسلئے اس ہڑتال سے مل مالکوں و نیز کپڑے کے سوداگروں کو کافی نقصان ہوا ہے۔ کانپور کے بنکوں پر بھی اس تجارتی جمود کا فاصلہ اثر پڑا ہے۔

کانپور کی زیادہ تر ملیں بجلی سے چلتی ہیں اسلئے انکے بند ہونے سے بجلی گھر کا بھی کافی نقصان ہو رہا ہے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اب پہلے ہفتہ کے حصہ سے بھی کم بجلی خرچ ہو رہی ہے اس سے تقریباً آٹھ نو ہزار روپیہ روزانہ کا نقصان ہو رہا ہے۔

حکومت یو۔ پی کی طرف سے ایک سرکاری اعلان شائع کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنریبل وزیر تعلیم نے خود جا کر کانپور کی حالت کا معائنہ کیا ہے اور انکا بیان ہے کہ پولیس بہت ہوشیاری سے کام کر رہی ہے اور ہڑتالیوں کی متوازی حکومت قائم کرنے کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ ہڑتال بالکل پر امن ہے۔

متوازی حکومت کے بارے میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور کا بیان ہے کہ یہ افواہ بالکل غلط ہے۔ اصلیت صرف اتنی ہے کہ مزدور سبھا نے اسپتالوں کے کپاؤنڈروں اور پریس کے نمائندوں کو کوئی آٹھ نو پاس دئے ہیں تاکہ وہ مل کے اندر آسانی سے جا سکیں اور ان پر پکٹنگ نہ کی جائے لیکن عام راستوں کے لئے کسی طرح کے اجازت نامے نہیں دئے گئے ہیں اور نہ کوئی ایسی شکایت موصول ہوئی ہے کہ کسی آدمی کو عام راستہ استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہو۔

۲۶ اپریل کو آنریبل ڈاکٹر کاٹجو جنکے ماتحت صنعت کا محکمہ ہے دفعتاً بذریعہ موٹر نینی تال روانہ ہو گئے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نینی تال اسلئے گئے ہیں تاکہ آنریبل وزیر اعظم کو کانپور کے حالات سے آگاہ کریں اور ان کے مشورہ سے تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر حکومت کی تجویز مرتب کریں۔

۲۰ مئی کو ۴ مزدور پکٹنگ کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے۔ یہ چاروں کانگریس کے رضاکار ہیں۔

عام چرچا ہے کہ پنڈت بال کرشن شرما صدر کانپور کانگریس کمیٹی نے کانگریس اور مزدور سبھا کے ذمہ دار آدمیوں سے مشورہ کرکے مزدوروں کے کم سے کم مطالبات آنریبل وزیر تعلیم کو پیش کئے ہیں مطالبات یہ ہیں۔

۱۔ مزدوری میں ۱۲ فیصدی اضافہ کیا جائے۔

۲۔ مزدوروں پر بیجا سختی کی روک تھام کے لئے ایک مصالحتی بورڈ قائم کیا جائے۔

۳۔ مل مالکوں کی انجمن مزدور سبھا کو نمائندہ جماعت مان لے۔

۴۔ مل مالک وعدہ کریں کہ جن مزدوروں نے ہڑتال میں حصہ لیا ہے ان پر کوئی سختی نہیں کی جائیگی۔

امید کی جاتی ہے کہ آنریبل بابو سمپورنانند و تاریخ کو نینی تال کی کابینہ کی میٹنگ میں اپنی اور کانپور کے لوگوں کی گفت و شنید دوسرے وزراء کے سامنے بیان کریں گے۔ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ پر حکومت کی تجویز غالباً ۱۰ رجون کو شائع ہوگی۔

فیڈریشن ۲۸ رمئی کو لندن میں بمبئی ڈنر میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ زٹیلینڈ وزیر ہند نے فیڈریشن کے متعلق امید ظاہر کی کہ ایکٹ کے ڈھانچہ کے اندر کوئی نہ کوئی شکل ایسی نکل آئے گی جس میں ریاستوں و نیز صوبوں کی ضروریات پوری ہو سکیں گی ریاستی نمایندوں کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ریاستوں کے راجاؤں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے یہاں بھی انتخاب کے ذریعہ نمایندے چنیں۔ ایکٹ میں کوئی دفعہ ایسی نہیں جو انھیں ایسا کرنے سے روکتی ہو۔

وائسرائے کے انگلستان جانے کے متعلق ہندوستان میں جو قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں ان کے بارے میں وزیر ہند نے کہا "یہ خیال قطعی بے بنیاد ہے۔ انڈیا ایکٹ کی فیڈریشن کے متعلق دفعات طویل جانچ پڑتال اور سالہا سال کے بحث و مباحثہ کا نتیجہ ہیں اور میرے خیال میں اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ملک معظم کی حکومت یا پارلیمنٹ فیڈریشن کے نفاذ سے پہلے ہی اس میں تبدیلی کرنے کے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جائے" آخر میں لارڈ زٹیلینڈ نے کہا۔

" ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ جب ہندوستان کی موجودہ نسل کی تاریخ لکھی جائے تو ہندوستانیوں کی بابت کہا جائے کہ انھوں نے ایسے موقع کو ہاتھ سے دیدیا جس سے اگر ابھی فائدہ نہ اٹھایا گیا تو شاید پھر کبھی ایسا موقع نہ آئیگا۔

صدر کانگریس سوبھاش چندر بوس نے ایسوشی ایٹڈ پریس کے نمایندے سے لارڈ زٹیلینڈ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :-

"مجھے ڈر ہے کہ شاید لارڈ زٹیلینڈ جدید ہندوستان کی سیاسی رفتار سے بے خبر ہیں شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ گورنروں اور وائسرائے کی آمد و رفت ہمارے لئے دلچسپی اور امید کا باعث ہو سکتی ہے! ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہ تو گورنروں اور وائسرائے کے ہاتھ میں ہے اور نہ لارڈ صاحب کے اختیار میں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہندوستان میں وہ کون ایسی ہستی ہے جو وائسرائے کے رخصت پر جانے کو ہندوستان کے لئے مفید خیال کرتی ہے۔ حقیقتاً ہمیں ان دل خوش کن امیدوں سے بڑھکر زیادہ اہم اور ضروری کام انجام دینے ہیں ——— اور ہم اپنا عزیز وقت ان فضول باتوں میں برباد کرنے والے نہیں!

" مجھے لارڈ زٹیلینڈ سے یہ کہہ دینے میں ذرا توقف نہیں کہ وہ فیڈریشن کے مقبول بنانے کی کتنی ہی کوشش کریں اور اس میں خواہ کتنی ہی ترمیم کریں فیڈریشن کسی طرح بھی ہماری پسندیدگی کا سرٹیفکٹ حاصل نہیں کر سکتا۔ ہم صرف مکمل اختیارات ہی لے کر مطمئن ہو سکتے ہیں"۔

" ہم کو اس بات کا بھی پورا اندازہ ہے کہ ہماری راہ میں مشکلات اور مصائب بہت ہیں مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ برطانوی ہند کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ ہم زمام حکومت زبردستی اپنے ہاتھوں میں لے لیں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ہم اس کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہیں"۔

ہندستان اور برطانیہ کی تجارتی بات چیت

جیسا کہ ہم نے پچھلے پرچے میں لکھا تھا ہندستان اور برطانیہ کی تجارتی بات چیت بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ختم ہو گئی۔ برطانیہ میں اس کا ردعمل دارالعوام کی ۲۴ مئی کی کارروائی سے ظاہر ہوتا ہے۔

تجارتی بورڈ کے چیرمین مسٹر اسٹینلے نے کہا :-

" مجھے یقین ہے کہ ایوان کا ہر ممبر ہندوستان کے بازاروں کو صاف طور پر یقین دلا دینا چاہتا ہے کہ اپنے ملک کی بازاروں میں اپنی صنعتوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ہم ان کو مراعات دینے کی کتنی ہی زیادہ خواہش کیوں نہ کریں لیکن انکے لئے ہماری بڑی بڑی بازاروں میں مراعات حاصل کرنا صرف ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ ایک بڑی حد تک خود انھیں کے اختیار میں ہے جس طرح ہم ان کو اپنے ملک میں مراعات دیتے ہیں اگر وہ بھی اسی طرح ہمیں اپنی بازاروں میں مراعات نہیں دیں گے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری بازاریں ختم ہو جائینگی۔

" بین الاقوامی تجارت اس ملک کے لئے بہت ہی اہم ہے اور دوسرے ملکوں کے ساتھ کوئی تجارتی معاہدہ کرنے سے پہلے ہمکو مساوی برتاؤ اور اپنی اشیاء کے ساتھ مناسب رعایتوں کا اطمینان ہونا چاہیئے"۔

مس ہورسبرگھ نے کہا اگر ہندستان سے جوٹ کی برآمد کی مقدار کو مقرر نہیں کیا جائیگا تو برطانیہ کی جوٹ کی تجارت تباہ ہو جائے گی"۔

ایک اور ممبر نے کہا "اگر ہندوستان ہم لنکا شائر والوں کو فریب دیتا رہیگا اور ہم کو کوئی مراعات نہیں دیگا تو جہاں تک انگلستان میں جوٹ کی درآمد کا تعلق ہے ہم اس کا کوئی جزو نہیں لیں گے۔ اگر ہم اس طرح کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ڈریں گے تو ہم کچھ نہ کر پائینگے۔ ہندستانی ہم کو بہت سیدھا اور نرم خیال کریں گے"۔ انھوں نے کہا کہ انگلستان کو دکھلا دینا چاہیئے کہ اسکو ہندستان کا کوئی ڈر نہیں۔

شملہ۔ ۲۷ رمئی۔ ہندستانی تجارتی حلقوں میں عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اگر ہندستان میں لنکا شائر کے کپڑے کے ساتھ رعایت بھی کی جائے پھر بھی ہندستانی بازار میں لنکا شائر کا مستقبل بہتر نہیں ہو سکے گا۔ عرصہ سے اسکی برآمد گر گئی ہے اور ۱۹۳۴ء میں لنکا شائر کے کپڑے پر محصول میں ۵ فیصدی کمی ہو جانے کے باوجود بھی اسکی برآمد نہیں بڑھ سکی۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ پیداوار کی لاگت میں زیادتی۔ جاپان کا مقابلہ (حالانکہ ہندستان میں زیادہ سخت مقابلہ نہیں ہے)۔ ہندستان میں کپڑے کے کارخانوں کی زیادتی اور سودیشی کا چرچا۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی ہندوستان ۶۴ کروڑ گز کپڑا لینے کو تیار تھا۔ حالانکہ پچھلے سال لنکا شائر کا صرف ۴۶ کروڑ گز کپڑا ہندستان آ سکا تھا۔

ہندوستان کی جوٹ کی برآمد پر پابندی لگانے کی جو دھمکی دی گئی ہے اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر برطانیہ ایسا کرے گی تو اپنے پیروں پر آپ کلھاڑی ماریگی دوسرے ملکوں کے جوٹ پر ہندستان کے جوٹ سے ۲۰ فیصدی زیادہ جو درآمد کا محصول لگایا گیا ہے اس سے ہندستان سے زیادہ ڈنڈی کو (اسکاٹ لینڈ کا ایک مقام جہاں جوٹ کی ملیں کثرت سے ہیں) فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر محصول بڑھا دیا گیا تو جوٹ کی قیمت چڑھ جائے گی اور اسی تناسب سے لاگت بھی بڑھ جائیگی۔ اس طرح یہ ایک دوسری گیدڑ بھبکی خیال کی جاتی ہے۔

یونائیٹڈ پریس کی خبر ہے کہ سر محمد ظفر اللہ خاں مع اپنے سکریٹری

مسٹر ظفر اللہ خاں کے ۱۳ مئی کو بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان جائینگے وہاں تقریباً دو مہینے تک تجارتی معاہدے پر بات چیت ہوگی اور جولائی کے آخر تک سر ظفر اللہ خاں ہندوستان واپس آجائینگے ۔

کانگرس لیگ سمجھوتہ

سر باش چندر بوس اور مسٹر جناح کی جو بات چیت بمبئی میں ہوئی ہے اسکی بابت لکھنؤ کے بعض معتبر و ذمہ دار حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ کانگرس کے لیڈروں کے مشورہ کے مطابق صدر کانگرس نے کئی دفعہ مسٹر جناح سے درخواست کی کہ وہ جن اصولوں پر سمجھوتا کرنا چاہتے ہیں انکو لکھ کر دیدیں۔ مسٹر جناح نے کوئی تحریر دینے سے انکار کر دیا لیکن وہ اسپر تیار ہو گئے کہ تحفظات کی بابت کسی قسم کی گفت و شنید سے پہلے کانگرس اور لیگ کے سمجھوتہ کا مقدمہ طے ہو جانا چاہیئے ۔ انکے نزدیک یہ مقدمہ تحفظات سے زیادہ ضروری تھا۔ مسٹر جناح چاہتے تھے کہ مقدمہ میں یہ لکھ دیا جائے کہ " ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگرس مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ سے سمجھوتا کرتی ہے " خبر ہے کہ مسٹر جناح نے دوران گفتگو میں یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ تمام وزارتیں پھر سے مرتب کی جائیں اور ان میں جو مسلمان رکھے جائیں وہ لیگ کے نمائندے ہوں۔ اس موقع پر ڈر تھا کہ موقع کی بات چیت ختم ہو جائے گی لیکن کانگرس کے لیڈروں نے بہت بحث و مباحثہ کے بعد ایک یادداشت مرتب کی جو مسٹر جناح کو پیش کر دی گئی - یادداشت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کانگرس بحیثیت ایک قومی جماعت کے ہندستان کے تمام فرقوں کو یہ اطمینان دلا دینا چاہتی ہے کہ انکے حقوق انکے ہاتھ میں محفوظ ہیں ۔

اسی اصول کے مطابق کانگرس سمجھوتہ کرنے پر تیار ہے لیکن اسکے واسطے یہ ناممکن تھا کہ اپنے کو گرا کر ایک فرقہ وارانہ جماعت بنا دے ۔ وزارت کے بارے میں کانگرس اسپر تیار تھی کہ وزیروں کی تعداد بڑھا کر مسلم لیگ کے نمائندوں کو اس میں شامل کر لیا جائے کانگرس نے پنجاب یا بنگال کی وزارتوں میں اپنے نامزدوں کے شامل کئے جانیکا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ لیگ کے نمائندوں کو اپنی وزارتوں میں شامل کرنے کیلئے تیار تھی ۔

آخر میں مسٹر جناح نے خواہش ظاہر کی کہ انکو کچھ وقت دیا جائے تاکہ وہ لیگ کونسل سے بھی مشورہ کرلیں۔

(باقی صلا)

عورت ۔ لوگ فاتحہ بھی پڑھتے ہونگے آگے ۔

(چولھے میں اب صرف انگارے باقی ہیں اور مرد و عورت دونوں انکے سامنے دو سیاہ بھوت معلوم ہوتے ہیں)

مرد ۔ فاتحہ بھی پڑھتے ہیں ۔ دعا بھی مانگتے ہیں ۔

عورت ۔ اللہ جو راہ نکالتا ہے اچھی ہی ہوتی ہے ۔ اب ہمارے دن بھی کٹ جائینگے اور مردہ کی روح کو ثواب بھی ملتا رہے گا ۔ لیکن .....

مرد ۔ لیکن کیا ؟

(پانی کی ایک تیز بوچھار آتی ہے ۔ عورت اٹھ کر دروازہ بند کرتی ہے اور زمین پر بچھی ہوئی گدڑی میں بچے کو چھپا دیتی ہے)

عورت ۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اگر وہ سچ مچ کسی کی قبر ہوئی تو ؟

مرد ۔ تو کیا ہم نے کوئی بہت بری تھوڑی سی شروع کر دی ہے (سرک کر بستر میں لیٹ جاتا ہے) دعا تو خدا ہی سے مانگی جاتی ہے ۔

عورت ۔ (کچھ سمجھ کے) ہاں ..... تو وہ

مرد ۔ تم وہم مت کرو ۔ اب سو جاؤ ۔

عورت ۔ (بستر میں آجاتی ہے) پھر آج کتنے کے پیسے آئے ۔

مرد ۔ سات آنے ۔

عورت ۔ اس بڑے کو منت میں پیسے ملتے ہیں ۔

(مرد نیند میں جھوم جاتا ہے)

عورت ۔ تو وہ روز آدھی آمدنی بٹایا کرے گا ۔

مرد ۔ اور کیا ۔

عورت ۔ اس میں تو بڑا نقصان ہے ۔

مرد ۔ تو کیا کروں ؟

عورت ۔ " تو تم گھاٹے میں رہو گے " ۔

مرد ۔ دیکھا جائے گا

عورت ۔ کچھ ہونا چاہیئے ۔ خدا نے ہمارے لئے ایک راہ نکالی ۔ اس میں شرکت کا حق ؟

(مرد کے خراٹے سنائی دیتے ہیں ۔

پنڈت نہرو

پنڈت جواہر لال نہرو نے ریلوے کی بد انتظامی پر ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے ٹرین کے ایک حادثہ کا ذکر کیا ہے جو میرٹھ الہ آباد آتے ہوئے راستہ میں واقع ہوا ۔ حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ چلتی گاڑی میں انجن کے سامنے ایک بھینس آگئی ہے جسے بھینا تو مر ہی گیا لیکن انجن اور ٹرین کو بھی کافی نقصان پہنچا ۔ انجن کا ایک حصہ پٹری سے اتر گیا ۔ ٹرین آہستہ آہستہ چل رہی تھی اسلئے خیریت گذر گئی ورنہ یہ حادثہ بھی بہیٹہ حادثہ کے برابر ہی ہوتا ۔

بھینس ریل کی پٹریوں پر کیوں آگئی ؟ ۔ اس کی وجہ صاف یہی ہے کہ پٹری کی دونوں طرف چراگاہیں ہیں ۔ اور کوئی احاطہ بندی نہیں ہے ۔ کئی برسوں سے احاطہ بندی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے لیکن ریلوے کے منتظمین اسکو پورا کرنے سے انکار کرتے رہے ۔ اب بغیر کسی دیر کے ساری لائن پر احاطہ بندی ہو جانا چاہیئے اور بھینس کے مالک کو پورا پورا معاوضہ ملنا چاہیئے ۔

مہندر سنگھ ... کی طرف سے ... انصاری ... اہتمام ... پریس ... سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۲۴ | ۱۲ رجون ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ا سالانہ ۳ عہ

بکھرے انوں کو پڑھنے کیلئے

بڑے لوگوں کی صحت ٹھیک ہی نہیں رہتی جب تک وہ دوسرے تیسرے سال یورپ نہ ہو آئیں۔ مگر جواہرلال کہتے ہیں میں یورپ صحت کیلئے نہیں جارہا ہوں کیونکہ میری صحت ہمیشہ ٹھیک رہتی ہے۔ اور نہ اس لئے جارہا ہوں کہ اپنی لڑکی سے ملوں۔ وہ یہاں خود آسکتی تھیں — میں جارہا ہوں۔ تاکہ یورپ کی سیاسی حالت دیکھوں اور سمجھوں۔

جواہرلال نے چھ سال گذرے جب ایک کتاب لکھی تھی "ہندستان کدھر؟" اس میں انھوں نے بحث کی ہے کہ ہم کیوں لڑ رہے ہیں؟ آزادی سے ہمارا کیا مقصد ہے؟ اگر آزادی ملی تو وہ مزدور کو ملے گی یا مل مالک کو؟ کسان کو ملیگی یا زمیندار کو؟ دونوں جماعتوں کو ایک ساتھ نہیں مل سکتی، کیونکہ ان میں سے ایک جماعت کا نفع دوسری جماعت کے نفع کی کاٹ کرتا ہے۔ اگر ہماری آزادی کا کوئی مقصد ہوسکتا ہے تو وہ صرف ایک ہے۔ سیاسی اقتصادی آزادی سماج کا ایسا انتظام ہو تاکہ ہر شخص کی کھانے پینے، گھر بار اور تعلیم تک پہنچ ہوسکے۔

اس کتاب کا نکلنا تھا کہ ملک میں غل مچا، جواہرلال سوشلسٹ ہوگئے۔ مطلب یہ تھا کہ یہ ایسا لفظ ہے کہ جس پر پورا اترا آئے اسکو برا سمجھو — مگر اب تمام آزادی پسند جماعتیں، نوجوانوں کا سارا طبقہ، اور کانگرس اسی راہ پر جارہی ہے۔ اسی پروگرام پر چل رہی ہے — یہ ہے جواہرلال کے مطالعہ کا اثر۔ کیا تعجب کہ جواہرلال کا نیا مطالعہ بھی قوم کا نیا مطالعہ ہو جائے۔ انکا یورپ کا سفر سارے ہندستان کا یورپ کا سفر ہو جاتے۔ اُنکی نگاہ سے ہم سب دنیا کی سیاست کو دیکھنے لگیں۔

دنیا کی سیاست ایک ہے۔ دنیا کا ہر مسئلہ چھوٹا ہو یا بڑا سب ایک دوسرے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر کناڈا میں گیہوں زیادہ پیدا ہوگا تو ہندستان کے کونے میں پڑے ہوئے گاؤں میں بھی گیہوں کا بھاؤ گر جائے گا۔ اسوقت اگر چین کے مزدور یا اسپین کے مظلوم جیت گئے تو ہندستان کی آزادی کی لڑائی کو بڑی مدد ملیگی اور برطانوی سامراج پر سخت دباؤ پڑے گا۔

اسوقت بھی دنیا کے مظلوم ایک دوسرے کی مدد کرسکتے ہیں۔ انگلستان کے بیکار ہندستان کے بیکاروں کی ہمدردی اور ہندستان کے بیکار انگلستان کے بیکاروں کی ہمدردی میں ہنگامے کرسکتے ہیں۔ اگر یہ ہوگیا تو مظلوموں کی طاقت سوگنی ہو جائے گی۔ اس وقت جواہرلال کا جانا۔ دنیا کے سب مظلوموں کو ہندستانی کے مظلوموں کا ہمدرد بنا دینا ہے۔

جواہرلال ہمارے نمائندے بنکر جا رہے ہیں۔ انکی شخصیت ہی ایسی ہے کہ جسطرح ہندستان سے الگ نہیں ہوسکتی۔ وہ جہاں جائینگے ہندستان کے لئے ہمدردی جیت لینگے۔ اسپینی جمہوریہ نے انکو بلایا ہے۔ اسپینی جمہوریہ کے ساتھ کانگرس ہمدردی

دکھا چکی ہے۔ اب جواہرلال کے پہنچنے پر وہ لوگ ہندوستانیوں کی مظلومیت کو زیادہ اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اور ہندوستان کے زیادہ ہمدرد بن جائینگے۔ اسی طرح یورپ کی اور مظلوم جماعتیں بھی ہندوستانیوں کا ساتھ دینے لگیں گی۔

جواہرلال یورپ کے حالات کو ہم تک پہنچائینگے۔ اور اس طرح ہم ان لوگوں کا اور زیادہ ہمدرد بن جائینگے۔ یوں بکھرے ہوئے مظلوم بھائی بھائی بنکر سامراجی لوٹ کا مقابلہ کرینگے۔

لکھیم پور کھیری میں مسلمان عوامی رابطہ کا کام

مسلمان عوامی رابطہ کا کام کانگریس کی طرف سے دو طرح کیا جا رہا ہے۔ ایک تو اخباروں، پمفلٹوں اور پبلک جلسوں کے ذریعے کانگریسی لیڈر مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ کانگریس تمہاری دوست ہے۔ وہ کسی مذہب سے بیگانگی نہیں چاہتی۔ اسکی لڑائی صرف غیر ملکی برطانوی راج اور سرمایہ داری سے ہے جسکو برطانوی راج اور سرمایہ داری ہندوستان میں لائے ہیں۔ غریبی دور کرنے کے لئے ان دونوں بلاؤں کو ہندوستان سے دور کرنا ہے۔ انکو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ مذہبی رو سے کانگریس میں آنا برا نہیں بلکہ بہتر ہے۔ کیونکہ صرف کانگریس ایسی جماعت ہے جو آزادی کے لئے لڑتی ہے۔ اور مسلمان کا فرض ہے کہ آزادی کے لئے لڑے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ اسوقت بعض جماعتیں جو ہندو مسلم کا سوال اٹھائے بغیر اپنی روزمرہ کی مانگوں کے لئے لڑ رہی ہیں۔ جیسے کسان سبھا۔ مزدور سبھا۔ طلبا سبھا۔ انجمن وغیرہ۔ لیکن فرقہ پرست مسلمانوں کے زہریلے پروپگنڈے کے اثر سے ابھی تک لوگ ان سبھاؤں میں جاتے گھبراتے ہیں۔ مسلمان لیڈروں کا یہ کام ہے کہ وہ دیہاتوں دیہاتوں جاتے ہیں۔ وہاں کے مسلمان کسانوں کو کسان سبھا کے فائدے سمجھا کر اس میں داخل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انکو سیاسی لڑائی کا مطلب اور کانگریس کی ضرورت بھی سمجھاتے ہیں۔ اس طرح مسلمان کو آزادی کی لڑائی میں کھینچ لاتے ہیں۔ ایک طرف وہ اپنی روٹی کے لئے لڑتا ہے تو دوسری طرف ملک کی روٹی کے لئے۔

پہلی ترکیب پر مختلف حلقوں میں کام ہو رہا ہے۔ لیکن لکھیم پور کھیری کے کچھ مسلمان کانگریسیوں نے دوسری ترکیب کو بھی تجربہ میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کو دو مہینے ہوئے ہیں۔ کامیابی ہو چلی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ اگر انتھک کام کچھ دنوں تک جاری رہا تو جلد ہی کامیابی ہو جائے گی۔ اسوقت جو مسلمان کسان، مزدور، دوکانوں کے طلباء اور تعلیم یافتہ بیکاران اصولوں پر کانگریس میں آجائینگے جم کر رہینگے۔ اور جم کر لڑینگے۔

مولانا حسرت موہانی کا آزادی سے خلوص

روزنامہ وکیل (لکھنو) اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ مولانا حسرت موہانی نے یہ بیان دیا ہے۔

"جناح گاندھی پیکٹ آج نہیں تو کل ضرور ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں ہمخیال ہیں۔ مکمل آزادی کا صحیح تخیل دونوں کے ذہن سے باہر ہے۔ دونوں فیڈریشن کو معمولی ترمیمات کے بعد قبول کر لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اس پیکٹ کے بعد لازمی طور پر تین جماعتیں ہندوستان میں بننے والی ہیں:

۱) سرمایہ داروں کی جماعت۔

۲) قومی پارٹی یعنی کانگریس اور مسلم لیگ کے گاندھی اور جناح کے خیالات کے لوگ۔

۳) سوشلسٹ پارٹی یعنی کانگریس سوشلسٹ اور آزاد خیال مسلمانوں کی اتحادی جماعت۔

مولانا کو یقین ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب کانگریس سوشلسٹ مجبور ہو کر کانگریس پارٹی کو چھوڑ دیں۔ اور اسی وقت آزاد خیال مسلمان بھی مسلم لیگ چھوڑ کر انکا ساتھ دینگے، اور یہی تیسری جماعت ہوگی جس میں مزدور، کسان، طلباء شریک ہوں گے اور ملک کی جنگ آزادی لڑینگے۔

مولانا نے اپنے متعلق فرمایا کہ وہ مسلم لیگ میں بالکل اسی مقصد سے شریک ہوئے ہیں جس مقصد سے کانگریسی سوشلسٹ کانگریس میں شریک ہیں۔ جو ملک تمام وہ وہاں کر رہے ہیں، وہی یہاں کر رہے ہیں۔ ورنہ مولانا کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو ملک کی صحیح جنگ آزادی میں حصہ لینے والی جماعت نہیں سمجھتے"

آٹھ مہینہ پہلے ہندوستان کے نمائندے نے مولانا حسرت سے گفتگو کی تھی۔ اسوقت مولانا حسرت کے خیالات اور تھے۔ وہ کہتے تھے۔

۱) میرا پکا عقیدہ ہے کہ ہندو آزادی چاہتا ہی نہیں۔ وہ آزادی کے لئے لڑ ہی نہیں سکتا۔ ہندو زمیندار ہو یا کاشتکار۔ مزدور ہو یا سرمایہ دار، ہندو ہی رہتا ہے۔

۲) ہندوستانی مزدوروں کے ساتھ مجھے پوری ہمدردی ہے لیکن پھر مزدور کبھی آزادی کے لئے لڑ نہیں سکتے۔ انکی لڑائی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے ہوتی ہے۔ مثلاً مزدوری، کام کا وقت۔ وغیرہ۔ وغیرہ

۳) ہندوستان کے مسلمان بہت خود غرض ہیں۔ اس لئے اگر آزادی کی لڑائی ہو سکتی ہے تو کسی بیرونی طاقت کی مدد سے جیسے روس۔

وکیل کی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی مایوسی پر امید کا رنگ چڑھ رہا ہے۔ اب وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک جماعت سرمایہ دشمن پیدا ہوگی۔ اس میں موجودہ سوشلسٹ طبقہ، طلبا، کسان اور مزدور ہونگے اور یہ سرمایہ پرستوں سے مقابلہ کرے گی جس میں بعض قدامت پرست کانگریسی اور موجودہ مسلم لیگ کے ممبران ہوں گے۔ یعنی آزادی کی لڑائی ہندوستان میں ہندوستانیوں کے ساتھ سے لڑی جائیگی اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہیں ہوگی۔ بلکہ سرمایہ دار اور محروم کی لڑائی ہوگی۔

اب دو سوال حل کرنے کو رہ جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کیا کانگریس اسوقت سرمایہ پرست جماعت ہے؟ کیا اس میں ایسی اہلیت نہیں کہ یہی آگے چلکر وہی آزادی پرست جماعت بن جائے، جسکا مولانا نے تذکرہ کیا؟ دوسری بات یہ کہ کیا واقعی مولانا اپنے ہی نظریہ کے مطابق مسلم لیگ میں رہ کر مسلمانوں کی یا آزادی کی کچھ مدد کر سکتے ہیں؟

کانگریس کی ترقی پسندی میں اگر ہمکو شک ہے تو چند مہینہ ادھر کے واقعات دیکھنا کافی ہوں گے۔

حق نے اکتوبر میں لکھا تھا۔

"محض لفظی ہمدردی اور ملایعنی وعدوں کے سوائے کانگرس نے کسانوں کے لئے اب تک کیا کیا...... اسی طرح مزدوروں کے مسئلے میں کانگرس کے کس وعدے تک اپنی مزدور پرستی کا ثبوت دیا۔ کیا اس نے کسی مقام کے مزدوروں کے مطالبات تسلیم کرنے ۔

ایک اور لیگی اخبار نے لکھا تھا کہ کانگرس سرمایہ پرست جماعت ہے، وہ زمینداروں اور کسانوں کے جھگڑوں میں زمینداروں کی اور سرمایہ داروں اور مزدوروں کے جھگڑوں میں سرمایہ داروں کی طرفداری کرتی ہے۔ یہ لوگ دس مہینے پہلے ان باتوں کو جس سادگی سے لکھ گئے تھے، اب نہیں لکھ سکتے اب انکو لمبی لمبی، گہری گہری تاویلیں ناہوں گی۔

کانگرس نے سرمایہ دشمنی میں جو ترقی کی ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ کانپور کی کانگرس کمیٹی نے وہاں کے صدر کو اختیار دے دیا ہے کہ اگر کوئی کانگرسی مزدوروں کی مخالفت کرے تو صدر اسکو انتظامی سزا دے سکتا ہے۔ یہ قرارداد کانگرس کمیٹی کے صدر کے مخالفت پڑتی ہے۔ جو ایک مل کے مالک ہیں، اور اسوقت مزدوروں کے مخالف ہے۔

ایسا ہی ایک قصہ حال کی مالکان آسامی کانفرنس میں پیش آیا۔ ایک پرانے کانگرسی زبون ناتھ جی نے جوش بھری آواز میں کہا "میں کانگرسی ہوں اس وقت تک کانگرس کا ساتھی ہوں جہانتک وہ میرے لفظوں کا ناس نہیں کرتی۔ جہاں میرے لفظوں کا ناس کرتی ہے، وہاں میں سب سے بڑا کانگرس کا دشمن ہوں ۔"

کیا یہ کافی ثبوت نہیں ہے کہ وزارت قبول کرکے کانگرس زیادہ "سرمایہ دشمن" جماعت بن گئی ہے؟ یا یہ کہ اس نے مزدوروں اور مل مالکوں کے جھگڑوں

(باقی صفحہ ۱۵ کالم ۲ پر)

ہندستان کی مزدور تحریک

ہندستان میں مزدوروں کی تحریک کی بنیاد برسوں سے پڑ چکی ہے۔ آٹھ نو برس پہلے مزدوروں نے بمبئی اور دوسرے مقاموں پر اسٹرائکیں بھی کیں، اور سرمایہ داروں کا مقابلہ کیا۔ مگر مقابلہ زیادہ مضبوط نہیں رہا۔ اور کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی سب سے بڑی بات تھی کہ مزدور تحریک ملکی سیاست اور عام آزادی کی تحریک سے بالکل الگ تھلگ رہی۔ ایسی الگ تھلگ کہ لوگوں کو خیال ہو گیا، بلکہ بعض لیڈروں کو تو یقین آ گیا کہ مزدوروں کی تحریک ہندستان میں بالکل بیگانی سی تحریک ہے۔ مزدوروں اور کارخانہ داروں کے لڑائی جھگڑے، چھوٹی باتیں ہیں جن میں بڑے لیڈروں کو نہ پڑنا چاہئے۔ اکثر اس قسم کے مضامین نکلتے رہے کہ ہندستان میں مزدوروں کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ یہاں کی سیاست میں کوئی گہرا حصہ نہیں لے سکتے۔

کلکتہ کی جوٹ کے کارخانوں کی اسٹرائک سے ہندستان میں آزادی کی لڑائی کا ایک نیا دروازہ کھلتا ہے۔ لڑنے کا ایک نیا ڈھنگ نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے ایسا ڈھنگ جو بہت سے الجھے الجھے مسئلوں کو سلجھا دیتا ہے۔

جوٹ کے کارخانوں کی اسٹرائک نے ایک نیا باب کھول دیا یعنی مزدوروں کی تحریک میں نئی روح دوڑ گئی اور تب سے آزادی کا یہ مورچہ برابر مضبوط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جوٹ کے کارخانوں میں کھچپی بہت زمانے سے تھی۔ فروری ۱۹۳۷ء میں ایک ذرا سی اسٹرائک ہوئی۔ اور مہینہ کے ختم تک اس میں بیس ہزار مزدور شریک ہو گئے ۱۵ مارچ تک اس میں ۷۰ ہزار جوٹ کے مزدور شریک ہو گئے۔ پھر تو یہ جماعت طوفان کی طرح بڑھی ۵ اپریل تک ۱۲۵۰۰۰، ۳۰ اپریل تک ڈھائی لاکھ کی تعداد ہو گئی۔ ہندستان میں یہ پہلا نوکھی تھی۔

اتنی بڑی اسٹرائک کو سنبھالنا بہت مشکل کام تھا۔ دوسری طرف کارخانہ دار اور فضل حق کی حکومت، انکا: دوبری طرح ہو یا بھلی طرح، توڑنے پر آمادہ تھے۔ مزدور لیڈروں کو مزدوروں میں جانے کی ممانعت کر دی، جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی، تنظیم کرنے کے تمام اوزار یوں بیکار ہو گئے۔ اور مزدوروں میں کچھ بدنظمی ہوئی تو اس کا بہانہ لیکر پولیس نے لاٹھیاں اور گولیاں چلائیں۔ اور مزدوروں کے غول کے غول گرفتار کر لئے۔

بلا لیڈر، بلا جلسہ، بلا جلوس، مزدوروں نے ان سختیوں کا مقابلہ کیا۔ ہندستان کی اور جماعتوں کی ہمدردی جیت لی۔ جواہر لال نہرو نے انکی تائید کی۔ ہندستان کی مختلف مزدور سبھاؤں نے انکی ہمدردی میں قرار دادیں پاس کیں آخر مئی کو فضل الحق کی حکومت نے صلح کی شرطیں پیش کیں اس میں خاص باتیں یہ تھیں کہ مزدور سبھا تسلیم کر لی جائے۔ مزدوری پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ اور اسٹرائک میں حصہ لینے کے جرم پر مزدور برخاست نہ کئے جائیں۔

لیکن کارخانہ داروں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ مزدوروں کو برخاست کیا اور کام بڑھا دیا۔ مزدوروں نے اس کا بھی مقابلہ کیا اور کہیں کہیں جیت بھی گئے۔ کلکتہ کے مزدوروں نے اس لڑائی سے خوب سبق لیا ہے۔ اور اب وہ ہر معاملہ میں چاق و چوبند ہیں۔ اگر فضل الحق کی حکومت کا یہی رویہ رہا، تو جلد ہی کلکتہ میں اسٹرائک ہوگی جو تنظیم میں کانپور سے کم نہیں ہوگی۔ اور تعداد میں اسکی چوگنی پچگنی ہوگی۔

کانپور نے اس سے زیادہ کامیابی کی تصویر پیش کی۔ یہاں بھی پہلے سے مختلف ملوں میں اسٹرائکیں ہوتی رہیں۔ ۲۶ر جولائی کو میور مل کے تین ہزار مزدوروں نے اسٹرائک کر دی۔ انکے بھی مطالبات جوٹ والوں کے ایسے تھے یعنی مزدور سبھا کو تسلیم کرو۔ اور مزدوری بڑھاؤ۔ مزدور سبھا کے سکریٹری نے کانگرسی وزیر اعظم کو ایک خط لکھا جس میں ایک جانچ کمیٹی مقرر کرنے کی فرمائش کی تھی۔ ابھی یہ معاملہ زیر غور ہی تھا کہ سودیشی کاٹن مل کے ۰۰۰ ۵ مزدوروں نے اسٹرائک کر دی۔ ابھی تک کانگرسی وزارت نے اپنی مزدور پالیسی واضح نہیں کی تھی۔ اسی لئے پرانی مشین اپنے پرانے ڈھرے پر چلی۔ یوسف کو گرفتار کیا ہے۔ اگست کو گرفتاریاں ہوئیں

بائیکاٹ کر یا تیرے گھاٹ - انسانی مضبوطی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کسی قسم کی
قانون کی خلاف ورزی کے روادار نہیں ہیں۔ انہوں نے مزدور تحریک کی حمایت کرنے
والی تصویر پیش کی۔ اور ملک کو مزدوروں کا دشمن بنانے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں
رکھی۔ ڈاکٹر کاٹجو نے ۵ راگست کو مل مالکوں اور مزدوروں میں کچھ سمجھوتہ کرایا۔
لیکن مل مالک اسپر قائم نہیں رہے اس لئے اسٹرائک کی ذمہ داری
انکے سر آ رہی۔ اب کانگریس اعلانیہ مزدوروں کے ساتھ تھا۔ کانپور کی کانگریس
کمیٹی نے طے کیا کہ مزدوروں کا ساتھ دیا جائے گا۔ اب تعداد ۳۴ ہزار تک پہنچ
گئی۔ ۱۰ اگست کو ۴۳ ہزار ہو گئی۔ پھر برطانوی ظلم کی مشینری چلی۔ ایک ہزار مسلح
پولیس بلائی گئی۔ نہتے مزدوروں پر گولیاں چلیں۔ لاٹھی چارج ہوئے۔ اب کانگریس
کمیٹی نے بھی مزدوروں کی طرفداری کا اعلان کر دیا۔ کانگریسی حکومت نے
مزدوروں کی مانگ کو صحیح مان لیا۔ ہندستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ مزدوروں
کی طرفداری حکومت نے کی ہو۔ ۱۹ اگست کو اسٹرائک میں ۴۴ ہزار مزدور آ گئے
اور عام اسٹرائک کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر وزیر اعظم کانپور پہنچ گئے
اور مزدور سبھا کو تسلیم کرا لیا۔ اور جانچ کمیٹی مقرر کی۔ ہندستان میں دوسری
ایسی کوئی چیز ہے کہ مزدوروں کے آگے مل مالکوں کو جھکنا پڑا۔

مل مالکوں نے سمجھوتے کو توڑنا شروع کیا، انھوں نے تحریک میں کام
کرنے والے مزدوروں کو ایک ایک کرکے برخاست کرنا شروع کر دیا تھا
اور مزدور سبھا کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انکے دم چھلوں نے ہندو مسلم کا
مسئلہ مزدوروں میں پھونکنا چاہا۔ لیکن مزدور ان جھگڑوں میں نہیں آئے وہ سمجھتے
رہے۔ اب جو جانچ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۰ فیصدی مزدوری بڑھائی
جائے اور مزدور سبھا کو تسلیم کیا جائے، تو مل مالکوں نے اس فیصلہ سے بغاوت
کر دی۔

اب مزدوروں کا صبر لبریز ہو چکا تھا، انھوں نے اسٹرائک کا فیصلہ کر دیا
اسٹرائک کرنے میں بلا کی تنظیم کا اظہار رہا۔ ادھر نو بجے کا گھڑیال بجا، ادھر
مزدور ملوں سے باہر آ گئے۔ اس وقت اسٹرائک کو تین ہفتے ہو چکے ہیں، لیکن مزدوروں
کی طرف سے ہنگامہ، بدنظمی کی ایک خبر نہیں سنی گئی۔ ۴۴ ہزار مزدوروں کی اسٹرائک
اور یہ انتظام، اگر اتنے گورے فوجی آزاد چھوڑے ہوتے تو نہ معلوم شہر پر کیا
کیا آفتیں ڈھاتے۔

کانپور کی کانگریس کمیٹی کے صدر بال کرشن جی نے مزدوروں کے کھلانے کا
وعدہ کیا ہے، اور شہر آٹا دال چندے میں دے رہا ہے۔ کانگریسی والنٹیر
مزدوروں کے ساتھ کام کرتے ہیں اور گرفتار ہو رہے ہیں۔

جوٹ کارخانوں کی اسٹرائک ابتدا تھی۔ اور کانپور کی اسٹرائک انتہا ہے۔ بیچ
میں اور بھی اسٹرائکیں ہیں جو کامیاب ہوئیں۔ احمد آباد کے مزدوروں نے اسٹرائک
کی۔ اور اسی قسم کے مطالبات پیش کئے۔ انکی پرانی سبھا مجور مہاجن نے اسٹرائک
توڑنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن تعداد بڑھتی ہی گئی اور چند ہی روز کے اندر
پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ یہاں کی کانگریس کمیٹی نے یو۔ پی کی کانگریس کمیٹی کی طرح
مزدوروں کی مدد نہیں کی۔ برطانوی افسروں نے دفعہ ۱۴۴ لگا دی۔ مزدوروں
اور لیڈروں کو گرفتار کر لیا، لیکن مزدور مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ آخر مل مالکوں کو مزدوری
بڑھانا پڑی۔

بمبئی میں ملوں میں اپریل سے مزدوروں کی کوششوں سے ... کے
مطالبات پیش کئے۔ معاملات ایسے بڑھے کہ عام اسٹرائک کا خطرہ
ہونے لگا۔ حکومت کی مقرر کی ہوئی جانچ کمیٹی نے انکی مانگوں کی سفارش کی۔ مل مالک
ماننے پر تیار نہیں تھے۔ لیکن زبردست عام اسٹرائک کی دھمکی کام کر گئی اور انہوں نے
۱۲ سے لیکر ۱۰ فیصدی تک مزدوری بڑھا دی۔

شولاپور میں ہنگامہ ہوا۔ یہاں کے مزدوروں نے فروری میں سیاسی
قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ انکے ساتھ قانون پیشہ کے مزدور بھی شریک ہو گئے۔
اب مزدور تحریک ان بڑے بڑے شہروں سے آگے نکل گئی ہے۔ ریاستوں کے
مزدوروں نے بھی ہنگامہ اٹھایا۔ اندور میں ریاست کے وزیر نے قانون کے
ذریعہ مزدوری گھٹا دی۔ وہاں کے سترہ ہزار مزدوروں نے اس پر ہنگامہ
اٹھایا۔ اجین۔ راج نندن گاؤں میں اسٹرائکیں ہوئیں۔

جنوبی ہند میں مدراس کی کرناٹک مل میں اسٹرائک ہوئی۔ کوئمبٹور میں ۳۰
نومبر کو عورتوں نے دیوالی کا بھتہ لینے کے لئے جھاڑو اور جوتیاں لیکر مل کے منیجر کو
دھرنا دیا۔ وسطی ہند میں ناگپور میں جہاں دس ہزار مزدور مہینہ سے مزدوری بڑھانے
کا مطالبہ کیا۔ اور فروری میں دھرنا اسٹرائک کی۔ جسپر حکومت نے جانچ کمیٹی
مقرر کی اور مل مالکوں نے اسکے فیصلہ کو ماننے کا وعدہ کیا۔ اس کمیٹی نے ۵ فیصدی
مزدوری بڑھانے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

ریلوے مزدوروں کو بھی ہوش آ گیا۔ انکی سبھائیں بہت جاندار ہو گئی ہیں
وہاں اسٹرائک ہو جانا بہت معمولی بات ہے۔ اور ان لوگوں نے اپنی سبھاؤں کو
تسلیم کرانے کی مانگ شروع کر دی ہے۔ اسکے علاوہ قلی سبھائیں بھی زور پکڑ رہی
ہیں، ۱۶ مارچ کو سمندری قلیوں نے کلکتہ میں جلوس نکالا۔ ۲۶ اکتوبر کو بمبئی
کے مال گودام کے دس ہزار مزدوروں نے تنخواہ بڑھانے کی مانگ پیش کی —
۱۸ نومبر کو بمبئی کے سمندری قلیوں نے اپنے مطالبات پیش کئے۔ مدراس میں
شریکیم مزدوروں نے اسٹرائک کرنے کی تیاری کی۔ مگر حکومت کے وعدہ پر
خاموش ہو گئے۔

کانوں کے مزدوروں میں بھی آزادی کی لڑائی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ۱۵ مارچ
کو جمشید پور کے دو ہزار مزدوروں نے اسٹرائک کی۔ اور اسی طرح اور کانوں
کے مزدوروں نے بھی اپنی مانگیں مرتب کر لی ہیں۔ پریس کے مزدوروں کی
تنظیم بھی زور پکڑ رہی ہے۔ الہ آباد میں یہ تحریک بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ جتنا کہ
کے مزدور خود منظم ہو رہے ہیں۔

مزدور تحریک کا براہ راست حملہ مل مالکوں پر ہے۔ مل مالک انکا مقابلہ کرنے کو
زمینداروں اور برطانیہ سے دوستی کر لینا چاہتے ہیں۔ جتنی جتنی یہ دوستی مضبوط ہوتی
جائے گی، مزدور کی لڑائی زیادہ سیاسی ہوتی جائے گی۔ اسکے علاوہ اب
مزدور سمجھ گئے ہیں کہ کانگریس اور دوسری جماعتوں کی مدد انکی لڑائی
میں کیسی کارآمد ہے، اب وہ ان جماعتوں کے ساتھ رہنے کے لئے انکے کاموں
میں ہاتھ بٹائیں گے۔ اس طرح وہ دن قریب ہے جب کانگریس، کسان سبھا اور
مزدور سبھا ساتھ ساتھ لڑیں گے۔

ہندستان کی خارجی پالیسی

ہاجرہ بیگم

آمادہ رہوں اور مرا سلک یہ ہے کہ مئی کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے۔ دوسرے ملکوں سے ہندستان کا کیا برتاؤ ہونا چاہیئے؟ کسی ہندستانی سے بھی آپ یہ سوال پوچھئے تو جواب ملیگا کہ "دوستانہ" لیکن یہ سوال پوچھنے سے پہلے ایک اور بھی سوال اٹھتا ہے کہ ہندستان کی خارجی پالیسی کا موجودہ حالات میں مطلب کیا ہے؟ کیا ہندستان کی جو ایک غلام ملک ہے۔ کوئی خارجی پالیسی ہو بھی سکتی ہے؟ اگر بفرض محال ہندستانی دوسرے ملکوں کے بارے میں کوئی پالیسی طے بھی کرلیں تو کیا وہ اسپر عمل بھی کرسکتے ہیں؟

آج ہندستان پر فوجی قرضہ کا بار ایک ہزار دو سو چھتیس کروڑ روپیہ ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے اسکا چوتھائی بھی نہ تھا۔ اسکے باوجود حالت یہ ہے کہ ہم ہر سال اپنی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرنے میں۔ یعنی فوج، بحری بیڑا، پولیس اور جیلخانوں وغیرہ کے محکموں پر پچاس کروڑ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور اس رقم کی صرف تہائی رقم حفظان صحت، تعلیم، اور علمی تحقیقات وغیرہ پر۔ ان جنگی اور قومی تعمیر کے اخراجات میں جو اتنا بڑا فرق ہے اسکی وجہ ہمکو یہ سمجھائی جاتی ہے کہ ملک کی آمدنی پر پہلا بار اور حق ملک کی "حفاظت" کا ہے!

اگر انگلستان کے جنگی اخراجات کے بارے میں کوئی یہ دلیل پیش کرے تب تو بات معقول بھی ہے۔ کیونکہ انگلستان کے بے شمار مقبوضات پر۔ جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسرے حریف سامراجی طاقتوں کی آنکھیں برابر لگی رہتی ہیں۔ لیکن اگر آج ہندستان میں کسی کو کسی کا ڈر ہے تو وہ بقول جواہرلال نہرو "برطانیا" کو ہندستانیوں کا اور ہندستانیوں کو سامراج کا۔ اور یہی وہ خطرہ ہے جسکے بچاؤ کیلئے ہمارا پچاس کروڑ روپیہ ہم سے بغیر پوچھے ہر سال خرچ کر دیا جاتا ہے!

گو یہ صحیح ہے کہ ہر ملک کے لئے ترقی اور بہتری سے پہلے حفاظت کا سوال آتا ہے۔ لیکن ہم ہندستانی ایک برے چکر میں پھنس گئے ہیں کیونکہ ہم قومی تعمیری کاموں میں زیادہ روپیہ اسلئے نہیں لگا سکتے کہ ہم اپنا زیادہ تر روپیہ خود اپنی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ یعنی ایک ایسی حکومت کو قائم اور برقرار رکھنے میں جو ہمکو اپنے پاؤں تلے روندتی ہے۔

سچ یہی ہے کہ آج ہندستانیوں کو انگریزوں کے علاوہ کسی دوسری قوم کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ جو واقعات رونما ہو رہے ہیں انکو دیکھتے ہوئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اپنا رتبہ اور رسوخ بڑھانے کے لئے آج جو موقع ہندستان کو ہے اس سے بہتر موقع شاید ہی ملے۔

آج جاپان چین میں بری طرح مشغول ہے۔ اور غالباً برسوں تک اپنے اندرونی اور خارجی معاملات سے اسکو سر اٹھانے کی مہلت نہ ملیگی۔ اسی طرح جرمنی اور اٹلی بھی آئندہ کئی سال تک یورپ اور افریقہ میں مصروف رہینگے۔ کرۂ ارض پر ہندستان کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ جدید طرز کے جنگی حملوں سے جسقدر ہندستان محفوظ ہے اتنا شاید ہی کوئی دوسرا ملک ہو۔ کیونکہ ہندستان کے شمال، مشرق، اور شمال مغرب میں ہمالیہ اور دوسرے اونچے اونچے پہاڑ ہیں کہ دشمن کے لئے انکو پار کرنا نہایت ہی دشوار ہے۔ اور جنوب میں ہزاروں میل تک سمندر پھیلا ہوا ہے جو ہندستان کے اور ان ملکوں کے درمیان حائل ہے جو آئندہ جنگ میں حصہ لینے والے ہیں۔

ان حالات میں جہانتک ممالک غیر کا تعلق ہے ہندستان کے حق میں بہترین پالیسی یہ ہوگی کہ اپنے قریب ترین پڑوسیوں مثلاً ترکی۔ ایران۔ سوویٹ روس، افغانستان، تبت، اور چین۔ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے، اور تجارتی اور مدافعانہ معاہدے طے کرے۔ جہانتک سرحدی قبائل کا تعلق ہے انکو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانے کے بجائے افغانستان کی مدد اور مشورے سے ان سرحدی لوگوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہئیں اور انکی حالت سدھارنے اور بہتر کرنے میں انکی مدد کرنا چاہئے۔

لیکن جب تک ہم مجوزہ فیڈریشن کی پوری پوری مخالفت کرکے اپنے خارجی معاملات اور تعلقات کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں۔ اسوقت تک ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ صلح کل اور دوستانہ برتاؤ نہ کرسکینگے۔ بلکہ الٹا انگریزی سامراج کی رجعت پسند پالیسی کی دم میں بندھ کر ہم بھی یورپ کے مخصوں میں پھنس کر رہ جائینگے۔ اور یوں خود اپنی غلامی کی زنجیروں کو اور بھی زیادہ مضبوط بنا لینگے۔

اسلئے جو ہندستانی اپنے ملک اور لوگوں کی بھلائی دل سے چاہتے ہیں انکی سمجھ میں یہ تو آگیا ہوگا کہ ہندستان کو بچانے کے بجائے اور انگریز الٹا اسکو گھسیٹ کر آئندہ جنگ یورپ میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے جسمیں ہندستان کو برطانیہ کی مدد کرنی چاہئے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ انگلستان میں لیبر گورنمنٹ قائم ہوجائے جو فرانس، سوویٹ روس یا امریکہ کے ساتھ ظالم فاشسٹ حکومتوں کے خلاف اتحاد کرے۔ لیکن یہاں ہم ان سب ممکن اور ناممکن صورتوں سے بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اور نہ ہی ہم اسکا کوئی بالکل صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئندہ جنگ یورپ میں کون سی طاقت کن دوسری طاقتوں کا ساتھ دے گی۔

لیکن ایک بات جو بالکل صاف ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ہندستان میں جنگ اور رجعت پسندی کے خلاف جد وجہد کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم سامراج کے خلاف اپنی جد وجہد پورے زور شور کے ساتھ جاری رکھیں یہانتک کہ ہندستانیوں کو اس بات کا پورا حق حاصل ہوجائے کہ وہ خود ممالک غیر سے جس قسم کے بھی تعلقات قائم کرنا چاہیں قائم کرسکیں۔

اسوقت ہمارے سامنے ہندستان میں نہ تو فاشسٹ کا سوال ہے اور نہ انگریزی سامراج کی دم کے پیچھے یورپین اور امریکن جمہوریت کی حمایت کا

بلکہ ہم کو آج خود اپنے ملک میں ایک سچی جمہوریت قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہم دنیا میں آزادی کی راہ میں اس وقت رہ سکتے ہیں جبکہ ہمیں حق حاصل ہو جائے کہ ہم ظالم اور جابر حکومتوں کے حملوں کے خلاف دوسری حکومتوں سے معاہدے کر سکیں۔

اسی طرح ہمارے ملک کی حفاظت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہم انگریزی سامراج کی حفاظت کے تمام اخراجات برداشت کریں بلکہ ہم خود اپنا بچاؤ کر سکیں۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ہماری اپنی جنتا کی فوجیں تیار ہو سکیں۔

غرض آئندہ جنگ میں ہندستان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ خود اپنی آزادی کے لئے جد وجہد کرے۔ اور جب تک ہندستانی اپنے اس فرض کے ادا کرنے میں لگے رہیں گے اس وقت تک اور اس حد تک ہندستان پر رجعت پسندی کا اثر نہ پڑ سکے گا۔

اگر یہ سچ ہے کہ جو ملک دوسرے ملکوں کو دباتا ہے خود کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بھی سچ ہے کہ جو ملک خود غلام ہو وہ اپنی غلامی کی حالت میں کسی دوسرے ملک کو آزاد نہیں کرا سکتا۔ چنانچہ انگلستان میں خواہ لیبر گورنمنٹ ہو اور خواہ کنزرویٹو۔ سامراج بہرحال سامراج ہی ہے اور ہندستان کبھی کبھی برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مل کر فاشسٹ دشمنوں کے خلاف لڑنے کا مطالبہ وہ اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ ہندستانیوں کو اس بات کی پوری آزادی نہ ہو کہ وہ چاہیں تو انگریزوں کے ساتھ شریک ہوں اور چاہیں تو نہ ہوں۔ صرف اس طرح آزاد ہو کر ہی ہندستان ان ملکوں کی سچی امداد اور پوری امداد کر سکے گا جو آزادی کے خواہاں ہیں۔ جب تک ہم کو یہ آزادی حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک ہمارے سامنے صرف ایک ہی سوال ہے۔ اور وہ انگریزی سامراج کی شکست اور خود اپنی آزادی کا سوال ہے۔

ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم کو فیڈریشن کے بارے میں [illegible] کمزوری دکھلانے کا بالکل موقع نہیں۔ فیڈریشن کی طرف سے ہم کو بالکل اور ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لینا چاہئے۔ برطانیہ اور ہندستان کی موجودہ کشمکش کا ایک اہم اور نمایاں پہلو خارجی تعلقات اور جنگ و صلح کا مسئلہ ہی ہے جس کو ہم کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔ ایک اسی اعتبار سے موجودہ فیڈریشن ہمارے لئے بالکل ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ اس کے ماتحت خارجی تعلقات تمام تر ہندستانیوں کی دست رس سے باہر اور ہمیشہ کے لئے ہمارے حکام یعنی برطانیہ کے ہاتھوں میں محفوظ ہو جائیں گے۔ فیڈریشن کے ماتحت ہندستانیوں کی رہی سہی آزادی پر بھی ہمیشہ کے لئے مہر لگ جائے گی۔

بہار کی کانگریسی وزارت کی خدمات

محکمہ اطلاعات عامہ گورنمنٹ آف بہار (پٹنہ)

تقریباً نو دس مہینوں سے کانگریسی وزارت صوبۂ بہار کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اس قلیل مدت میں اس نے صوبے کی اقتصادی اور تمدنی فضا کو بدلنے کی جو کوششیں کی ہیں، نتیجہ مستقبل قریب میں اس کی شہادت دے گا۔ سالہا سال کا کام ہے جسے گنتی کے چند دنوں میں تکمیل کے قریب پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ رفتار کی تیزی، ارادوں کی سرگرمی کی گواہ ہے۔ ذیل میں ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

آٹھ نو مہینوں کی قلیل مدت میں کانگریس نے صوبے کے باشندوں کیلئے کیا کیا ہے یہ ایک سوال ہے جس کا جواب سننے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کانگریس ملک کے کسی خاص طبقے یا کسی جماعت کی نمائندہ نہیں بلکہ وہ ہر جماعت ہر طبقے، اور ہر قبیلے کے حقوق کی علمبردار ہے، اور چاہتی ہے کہ ملک کی ہر جماعت کو فائدہ پہنچائے اور ہر طبقے کی اقتصادی مشکلوں کو دور کرے، اصلاح کی راہ میں اس کی کوششیں ضرور سرگرم ہیں لیکن وہ ایک لمحہ کے لئے بھی پسند نہیں کرتی کہ اس کی رفتار کی سرگرمی سے کسی جماعت یا کسی طبقے کے جائز حقوق پامال ہو جائیں۔

ہمارے صوبے کا زیادہ حصہ مشتمل ہے کسانوں پر۔ یہ صوبہ کاشتکاروں کا صوبہ ہے۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ کانگریسی وزارت نے کاشتکاروں کی بہبودی کے لئے کیا کیا۔

کاشتکاروں کی فلاح کی کوششیں

کانگریسی وزارت نے اپنی مختلف تعمیری کوششوں کے سلسلے میں جو پہلا آئینی قدم اٹھایا وہ ایک کاشتکاری بل کی ترتیب تھی۔ اس بل نے کاشتکاروں کے لئے بہترین آسانیاں فراہم کیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ چند دنوں میں اس قانون کی مدد سے صوبے کی کاشتکاری میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا ہوگا۔ اور خستہ حال کسان اس کے ماتحت اطمینان کا سانس لے سکیں گے۔

کسانوں کی زندگی کو بحال کرنے کے لئے اس بل نے دانہ بندی کے قدیم طریقے کو جو کسانوں میں بہت ہی نامقبول تھا منسوخ کر دیا اور اس کی جگہ بٹائی کا طریقہ جاری کر دیا۔ بٹائی کی صورت میں رعیت کا حصہ رسدی جو فی من ۲۲ سیر اور مالک کا فی من ۱۸ سیر تجویز کیا گیا ہے، وہ بھی بہت منصفانہ ہے۔ باخودہا کی تقسیم کھاتا کے متعلق بھی کافی آسانیاں رعیت کے لئے فراہم کی گئی ہیں۔ ابواب کی وصول یابی خلاف قانون قرار دی گئی۔ شرح سود

بابت بقایا لگان میں خاطر خواہ تخفیف کر دی گئی اور تاوان جو اس سلسلے میں وصول کیا جاتا تھا حذف کر دیا گیا۔ اسکے علاوہ ضلعے کی گرانی لگی جاو پہلے ۱۹۳۶ء میں اضافہ ہاے لگان بذریعہ عدالت تجویز کئے گئے تھے ان کو منسوخ کرانے کا حق بھی رعیت کو دیا گیا۔ اور آئندہ اضافوں پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں بقایا لگان کی ڈگری کے سلسلے میں غریب رعیتوں کو جو مصیبتیں جھیلنی پڑتی تھیں ان مصیبتوں میں بھی کمی ہو گئی اور کچھ ایسے دفعات پیدا کر دیے گئے جن کے روسے ایک قرضدار رعیت نہ آسانی سے جیل بھجوایا جا سکتا ہے نہ اسکی پونجی اور رہائش کے مکانات نیلام ہو سکتے ہیں۔ کسانوں کے لئے اتنی آسانیاں فراہم کرنے کے بعد بھی وزارت ان کی ضروریات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئی اور ان کی دوسری شکایتوں کا ازالہ کرنے کے خیال سے اس نے ایک دوسرا ضمنی بل بھی پیش کیا جسکے روسے وہ رعیتی زمینیں واپس ہو سکیں گی جنہیں زمینداروں نے بقایا لگان کے زر ڈگری میں نیلام کروا کے خود خرید لیا ہے۔ وزارت ان بکاشت زمینوں کی واپسی کے مطالبہ کو جائز تسلیم کرتی ہے اور اس ضمنی بل کے روسے رعیتوں کو حق دیتی ہے کہ وہ بقایا لگان کے زر ڈگری و اخراجات مقدمہ کا نصف حصہ ادا کر کے اپنی زمین واپس لے لیں۔ اسکے علاوہ اس بل کا باب سوم ۱۹۳۶ء فصلی تک کے بقایا لگان کی تخفیف کے متعلق ہے۔ یہ دفعات کسانوں کی اقتصادی گرانباری کو بہت حد تک ہلکا کر دیں گی۔

شوگر فیکٹری بل

ہندوستان کی صنعت شکر سازی کا جہاں تک تعلق ہے صوبہ بہار صوبجات کے بعد ایک خاص خصوصیت کا مالک ہے۔ اس لئے کہ اس ملک میں جتنی شکر تیار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی حصہ بہار تیار کرتا ہے، لیکن یہاں اس صنعت کی ترقی کے خلاف بعض حالات ایسے تیار ہو گئے ہیں جیسے انسداد کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی اور اسی ضرورت کی روشنی میں یہ بل مرتب کیا گیا۔

اس صنعت کی ترقی کے سلسلے میں کارخانوں کی تاجرانہ رقابت اس قدر مہلک ثابت ہوئی کہ شکر کی قیمت بازار میں کم ہونے لگی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے ساتھ گنے کی قیمت میں بھی ارزانی ہوئی کہ گذشتہ سال پیرائی کے موسم میں کاشتکاروں کا سخت نقصان ہوا اور ان بیچاروں کو اتنی رقم بھی وصول نہ ہوئی جتنی کہ انکی کاشت میں صرف کی تھی۔ ان ناگوار حالات کی بنا پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ کارخانوں کو لائسنس دیا جائے اور شکر سازی کے متعلق ایک معیار معین کر دیا جائے، ورنہ اس صنعت کو سخت نقصان پہنچے گا۔

اس بل کے روسے شکر کی تجارت کو منظم کرنے کیلئے ایک شوگر کنٹرول بورڈ قائم کیا جائے گا جسکے صدر وزیر تعلیم ہونگے۔ شکر فروشی اور شکر سازی کے متعلق بڑے بڑے مسائل کا حل کرنا اسی بورڈ کے متعلق ہوگا۔ مثلاً کارخانہ جات کو لائسنس دینا، لائسنس کے شرائط تجویز کرنا اور کم سے کم قیمت کی حد مقرر کرنا۔ اس بورڈ کے علاوہ ایک ایڈوائسری کمیٹی بھی ہوگی جو مقامی مسائل کی نگراں ہوگی۔

قرضداروں کیلئے ذریعہ نجات

سودخوار مہاجنوں کی چیرہ دستیاں اور صوبے کے قرضدار باشندوں کی بڑھتی ہوئی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے وزارت نے ایک ساہوکار بل کی ضرورت محسوس کی ہے جس کی روسے مہاجنوں کی ساہوکارانہ سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کی جائیں یہ بل جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی منزل طے کر کے واپس آگیا ہے اور عنقریب اسمبلی میں پیش ہونے والا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ مجبور اور ناچار قرضداروں کے لئے تھوڑی سی فراغت مہیا کی جائے۔ سودخواروں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو قانونی حدود میں نظربند کیا جائے اور پیشہ مہاجنی کی باقاعدہ تنظیم کر دی جائے۔ یوں تو اس بل سے ہر جماعت فائدہ اٹھائے گی۔ لیکن صوبہ کی اسلامی آبادی کیلئے جس کا ¾ حصہ قرض کے بوجھ سے دبا ہوا ہے۔ یہ قانون ایک نعمت ثابت ہوگا۔ اس بل کے روسے مہاجنوں اور ساہوکاروں کو اپنے کاروبار کی رجسٹری کرانا ہوگی۔ جو رجسٹرڈ ساہوکار نہ ہوگا اس کو عدالت میں اپنے قرضداروں کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا استحقاق نہ ہوگا۔ ساہوکار اگر اپنے روزانہ کاروبار کا حساب نہ رکھے گا یا اس میں کسی قسم کی جعل سازی کرلے گا تو اس کا نام رجسٹر ساہوکاران سے خارج کر دیا جائے گا۔ شرح سود مکفولہ قرضوں میں ۹ روپیہ سیکڑہ سالانہ اور غیر مکفولہ کا ۱۲ روپیہ سالانہ مقرر کر دی جائے گی۔ عدالت اس سے زیادہ کی ڈگری مہاجنوں کو نہ دیگی اسکے علاوہ اس بل نے قرضداروں کو یہ آسانی دی ہے کہ وہ اپنا قرض بالاقساط ادا کر سکتے ہیں۔

انسداد نشہ خوری کی اسکیم

کانگرسی وزارت چونکہ عوام کی نمائندہ اور ان کی بہبودی کی علمبردار ہے اسلئے اسکے پیش نظر صرف انکی اقتصادی بحالی ہی نہیں بلکہ وہ انہیں اخلاقی حیثیت سے بھی بلند کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے انسداد شراب نوشی اور نشہ خواری کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ ضلع چھپرہ میں پہلی اپریل ۱۹۳۸ء سے اس کے خلاف باقاعدہ جہاد شروع کر دیا گیا۔ جہاں تک ابتدائی کوششوں کا سوال ہے حکومت اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی ہے اور توقع کیجاتی ہے کہ اگر کوششوں کی رفتار یہی رہی تو انشاءاللہ ایک دن پورا صوبہ اس لعنت سے نجات پا جائے گا۔

صوبے کے تعلیمی ماحول کی اصلاح

وزارت چاہتی ہے کہ صوبہ کے تعلیمی ماحول میں ایک ایسی خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی جائے جو زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہو اور وقت کی تیز رفتاری کا ساتھ دے سکے۔ وزارت نے صوبے کی تعلیمی دنیا کا باضابطہ جائزہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو صوبہ کے تعلیمی نظام پر ایک تنقیدی نظر ڈالے گی اور ہر شعبہ کا تفصیلی مطالعہ کر کے اپنی سفارشات گورنمنٹ کے سامنے پیش کرے گی۔ ملک کے سربرآوردہ ماہرین تعلیمات اس

کمیٹی کے رکن اور پروفیسر کے، ای مُغاہ اس کے صدر ہیں۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آنریبل مسٹر سنہا پارلیمنٹری سکریٹری وزیر تعلیم کی صدارت میں ایک دوسری کمیٹی بھی ترتیب دی گئی ہے یہ کمیٹی کورڈ کے قواعد و ضوابط پر نظر ثانی کر کے انہیں وقت کی ضروریات کے مطابق کرنے کی کوشش کرے گی۔

ہندوستانی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ

وزارت کا خیال ہے کہ ملک میں قومی جذبات کی پرورش اور قومی ماحول کی تعمیر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مادری زبان کو اسکولوں اور کالجوں میں ذریعہ تعلیم نہ بنایا جائے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں طلبا کو یہ آسانی حاصل ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان اس حق سے محروم رہے۔ مادری زبان کو ذریعہ تعلیم نہ بنانے کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانی طالب علم علمی اور ذہنی ترقی میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جو تھوڑی بہت ترقی کرتے ہیں وہ بھی حسنا اور فکرا ہندوستانی باقی نہیں رہتے۔ اور انکے احساسات اور انکا ذہن مغربیت میں جا بسا ہے۔ اسکے علاوہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ نصاب تعلیم میں جو علوم و فنون کی مختلف شاخیں ہیں، اگر ان کا مطالعہ ہندوستانی زبانوں میں کیا جائے تو وہ زیادہ مرغوب خاطر اور زیادہ ذہن نشین ثابت ہوں گی۔ مادری زبان کی طرف سے ملک میں جو ایک عام بے توجہی ہے اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستانی ادبیات کی ترقی رک گئی ہے اور یہاں کی زبانوں کا دامن علمی اور فنی جواہر ریزوں سے خالی ہے۔ ان تلخ حقیقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آنریبل وزیر تعلیم نے صوبہ بہار میں ہندوستانی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں جو دشواریاں ہیں ان کو دور کرنے کے لئے ملک کے بہترین دماغوں کی ایک مجلس مرتب فرمائی ہے جو وقت کے اس اہم ترین مسئلہ پر غور و فکر کر رہی ہے۔

بابو راجندر پرشاد اس کمیٹی کے صدر ہیں کمیٹی کے ممبروں میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحق، ڈاکٹر تارا چند اور ڈاکٹر سچدانند سنہا کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجوزہ کمیٹی مندرجہ ذیل امور کو عمل میں لانے کی کوشش کرے گی۔

(۱) ایسے الفاظ جو اردو اور ہندی کے معیاری مصنفین استعمال کرتے ہیں انکی ایک لغت تیار کرے گی۔

(۲) جدید اصول پر ایک ہندوستانی زبان کی گرامر ترتیب کرے گی۔

(۳) ہندی اور اردو مصنفین کے استعمال کے لئے اصطلاحی لغت تیار کرے گی۔ اسکے لئے مترجمین کیلئے انگریزی اور ہندوستانی کی ایک ڈکشنری بھی ترتیب دیگی۔

(۴) ماہرین علم و فن کی مدد سے نصابی کتابیں تصنیف کرائے گی اور انہیں جانچے گی اور منظور کرے گی۔

صوبے میں جہالت کے خلاف ایک منظم جہاد

ہمارے صوبہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی جو تعداد ہے اس کی قلت ہر شخص پر ظاہر ہے، اس اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کرنے کی غرض سے وزیر تعلیم نے صوبے کے طلبا اور مدرسین سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی فرصت کا کچھ وقت تعلیم کو مستعار دیں، اور بغیر کسی معاوضہ کے اپنے اوقات فرصت صوبہ کے جاہل باشندوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے میں صرف کریں۔ وزیر موصوف کی یہ اپیل فرزندان وطن کے دلوں تک پہنچی اور صوبہ کے طلبا اور مدرسین نے اپنا نام اس مقدس خدمت کے لئے پیش کرنا شروع کیا۔ ان رضاکاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ صوبہ کے پڑھے لکھے لوگوں نے اس سلسلہ میں اسی جوش و خروش کیساتھ جاری رہی تو چند دنوں میں یہاں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔

کاشتکاری ٹیکس

چونکہ وزارت کو اپنی مختلف تعمیری اسکیموں کے سلسلے میں روپیوں کی ضرورت ہے اس لئے اس نے زراعتی آمدنی پر ایک ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے جو وصولیاں ہوں گی وہ ترقی زراعت اور اسی طرح دوسری تعمیری کوششوں میں صرف کی جائینگی۔ وزارت کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جو لوگ زراعت سے کافی منفعت حاصل کرتے ہیں وہ ترقی زراعت کے لئے کچھ ٹیکس ادا کریں۔ صوبہ کی مستقبل کی تعمیر کا مسئلہ ایسا نہیں ہے جو بغیر کسی قربانی کے حل ہو جائے۔ ہر جماعت اور ہر طبقے کو اس کے لئے تھوڑی بہت قربانی کرنی ہوگی۔ بہار چونکہ کاشتکاروں کا صوبہ ہے اسلئے اگر تھوڑا سا بوجھ آسودہ حال کاشتکاروں پر ڈال دیا گیا تو اسمیں کون سی ناانصافی ہوئی۔

آج دنیا کی ہر قوم اپنے مستقبل کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچ رہی ہے۔ کیا ہماری اسکے لئے تھوڑی سی مالی قربانی بھی گوارا نہ کریں گے؟ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ غریب کاشتکاروں میں اس قربانی کی سکت نہیں، لیکن وزارت یہ ٹیکس غریبوں سے نہیں لینا چاہتی بلکہ صرف ان سے لینا چاہتی ہے جو آسودہ حال ہیں۔ چنانچہ اس نے غریبوں کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کی غرض سے ایک حد مقرر کر دی ہے کہ ۵ ہزار سے کم کی زراعتی آمدنی پر کوئی ٹیکس عائد نہ ہوگا۔ اسکے علاوہ وزارت نے مسلمانوں کے اوقاف عام کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وقف علی الاولاد سے منتفع ہونے والے پر جو ٹیکس لگایا گیا ہے وہ بھی اسی طریقے پر وقف کی مذہبی تقدیس کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، یہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی باہمی مشورہ سے قائم کی گئی ہے۔ بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے وزارت کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈہ پھیلا رکھا تھا کہ وہ وقف پر ٹیکس لگا کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی توہین کرنا چاہتی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وزارت نے اس معاملہ کو اولی الامر مسلمانوں ہی کے سپرد کر دیا تھا اور جو کچھ بھی فیصلہ مسلمانوں نے کیا اسے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔

مسلمان بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوؤں کے اوقاف کے ساتھ بھی وزارت کی پالیسی یہی رہی ہے اور اس نے اس معاملہ میں ہندو مذہب اور تہذیب کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہیں کی ہے۔

ترقی کاشتکاری کی اسکیم

کاشتکاروں کو ترقی دینے کی ایک اسکیم بھی حکومت کے پیش نظر ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اپنے محکمۂ کاشتکاری کو کاشتکاروں کے لئے پہلے سے زیادہ مفید بناسکے تجویز ہے کہ اس محکمہ کی کارروائی کو دیہاتی حلقوں میں ہر تجارت سے زیادہ مشتہر کیا جائے۔ کاشتکاروں کو ضروری ہدایتیں دی جائیں۔ ادھر ہر کونی مقام پر محکمۂ کاشتکاری ملازمین اس مقصد کے لئے متعین کئے جائیں۔ چونکہ صوبے کے اندر فن کاشتکاری کے ماہرین کی کمی محسوس کی گئی ہے، اس لئے حکومت بہار نے حکومت یو۔ پی سے ابھی مفاہمت کرلی کہ صوبہ بہار کے طلبا کی ایک معین تعداد کو یو۔ پی گورنمنٹ اپنے اگریکلچر کالج میں ہر سال داخل کرکے فن کاشتکاری کی تعلیم دے گی اور اس کے معاوضہ میں حکومت بہار صوبہ یو۔ پی کے طلباء کو اپنے ویٹرنری کالج میں جگہ دے گی۔ حکومت بہار اپنے محکمۂ کاشتکاری کے ملازمین کی ایک تعداد دیہاتی حلقوں میں بھیجیگی جو وہاں رہ کر کاشتکاری کے ان قدیم اصولوں کا بغور مطالعہ کرے گی جن کی رو سے صوبے کے کاشتکار اپنی کھیتی کو سرسبز رکھتے ہیں۔ یہ لوگ دو سال تک مرکزی فارم میں عملی تعلیم حاصل کرینگے اس کے بعد دیہاتی حلقوں میں تجربہ کرنے کیلئے بھیجے جائینگے۔ فی الحال ۲۰ وسیزل کو اس مقصد کے لئے چنا گیا ہے جنکی سہ سالہ ٹریننگ میں تقریباً ساڑھے سو لہزار روپیہ صرف ہوگا۔ لیکن تین سال کے بعد یہ جماعت ترقی کاشتکاری کے سلسلے میں بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔ فی الحال جب تک کہ نئے تعلیم یافتوں کی جماعت میسر نہیں ہوتی پہلے اشاعت پر اکتفا کرکے کاشتکارانہ حکمت کی عملی نمائش کا کام دیہاتی حلقوں میں شروع کردیا جائے گا۔ اور ہر حلقے میں ایک اوورسیر اور تین کلماز متعین کئے جائینگے یہ لوگ کاشتکاری کے جدید اصولوں کا عملی مظاہرہ کرکے دیہاتیوں کے لئے نئے معلومات فراہم کرینگے اور بتلائینگے کہ گنے، چاول اور گیہوں وغیرہ کی کاشت اور کھیتوں کی آبپاشی کا سائنٹفک طریقہ کیا ہے۔

اس کا بھی انتظام کیا جارہا ہے کہ نئے ترقی یافتہ بیج اور نئے آلات کاشتکاری کو بھی کاشتکاروں میں مقبول بنایا جائے۔ محکمہ کے کیمیاوی شعبے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی رفتار کو تیز کرکے پورے صوبے کی آراضی کا پڑتال کرے اور دیکھے کہ کس خطے میں کس قسم کی کھاد کی ضرورت ہے تاکہ زمین کی پرورش کے متناسب کارروائیاں شروع کردی جائیں۔

لیبر انکوائری کمیٹی

وزارت کاشتکاروں کی فلاح کے ساتھ مزدوروں کی بہبودی کیلئے بھی سرگرمی کے ساتھ کارروائی کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ مزدوروں کی زندگی اور اُنکے حالات کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو اس سلسلے میں جزوی جزوی حالات کا مطالعہ کرکے مزدوروں کی بھلائی کی راہیں تلاش کررہی ہے۔

جیل خانوں میں ترمیمی اقدام

جو پالیسی اس سلسلے میں پیش نظر ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) چونکہ یہ خیال ہے کہ جیلخانے میں قیدیوں سے جو ذلیل قسم کی خدمتیں لی جاتی ہیں انہیں منسوخ کردیا جائے۔ اسلئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان کی جگہ قیدیوں کو نئی نئی دستکاریاں سکھلائی جائیں۔ اس سے جیل خانوں کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو بھی کچھ سہارا ملیگا۔ اور قیدیوں کی جائز شکایتوں کا بھی ازالہ ہوجائے گا چنانچہ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز نے وزارت کے فیصلے کی روشنی میں کچھ تجاویز مرتب کی ہیں اور انسپکٹر جنرل کے پاس احکامات بھیجدیئے گئے ہیں کہ وہ جیل خانوں میں تیل پیرائی کی صنعت موقوف کردے۔

(۲) جیلوں کی آبادی میں تخفیف کرنے کی غرض سے افسران جیل سے پوچھا گیا ہے کہ ان کے قید خانوں میں کتنے قیدی ایسے ہیں جن کی میعاد سزا پر دفعہ ۵۴۹ ضابطۂ جیل کے ماتحت نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔

(۳) رانچی کے پاگل خانے میں کافی گنجائش نہ ہونے کی بنا پر پاگل مجرموں کو جیل خانوں ہی میں نظر بند رکھا گیا تھا۔ وزارت اب اسکے متعلق معلومات فراہم کررہی ہے تاکہ غور کیا جاسکے کہ ان میں کتنے رہائی کے قابل ہیں اور کتنے ایسے ہیں جنکو ابھی علاج کی ضرورت ہے۔ جن کا علاج ضروری سمجھا جائے گا انکی طرف حکومت کے محکمۂ طبی کو خاص طور پر متوجہ کیا جائیگا۔

دفع بیروزگاری کی کوشش

بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی لعنت کو صوبے سے دور کرنے کے لئے وزارت نے تعمیری کوششیں اور مناسب کارروائیاں کی ہیں، اور کررہی ہے۔ فی الحال یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ صوبے کے گوشہ گوشہ میں دستکاری اور حرفت کی تعلیم کو عام کیا جائیگا۔ تاکہ بیکار نوجوان مختلف حرفتیں اور صنعتیں سیکھ کر اپنی روٹی آپ پیدا کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں پہلا اقدام وزارت کا یہ ہے کہ اس نے گلزار باغ کے مدرسہ دستکاری کے معیار کو بلند کیا اور پٹنہ میں دو مدرسے کھولنے کا ارادہ کیا ہے اسکے علاوہ مڈل اور ہائی اسکولوں میں صنعت و حرفت کی تعلیم کے لئے خاص درجے بھی کھولنا چاہتی ہے۔ مزدور عورتوں کی بیکاری کی طرف سے بھی وزارت غافل نہیں ہے۔ صوبے کی ہزاروں عورتیں جو کلی ہسار اور جھریا کے کوئلے کی کانوں میں کام کرتی تھیں لیکن بعض ناگوار واقعات کی بناء پر گورنمنٹ نے ان کا کارخانوں کے اندر کام کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا۔ اب وزارت نے انکی بیکاری کو دور کرنے کیلئے تجویز کی ہے کہ انہیں کپڑا بننے اور ٹوکری بنانے کا کام سکھلایا جائے۔

وزارت صدارتی کی اسکیم جو زیر غور ہے اسکے سلسلے میں بھی توقع کی جاتی ہے کہ صوبے کے سیکڑوں بے روزگاروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنے اپنے دیہاتوں میں گھر بیٹھے سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ اسکے علاوہ کوآپریٹیو اور اگریکلچر محکموں میں جو نئی بھرتیاں ہورہی ہیں ان میں بھی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کافی گنجائش پیدا ہوجائے گی۔

صوبے کے نوجوانوں کو پارچہ بافی کی تعلیم دلوانے کے خیال سے آل انڈیا اسپنرس ایسوسی ایشن کو بھی گورنمنٹ کیطرف سے ایک گرانٹ دیا گیا ہے۔

ہندی طالب علم

شہنشا ملیح آبادی

بزدلی میری معلم، خودکشی میرا نصاب — درس گاہ زندگی میں موت ہے میری کتاب

میں ہوں تلمیذ ہوس، علامۂ زر کا مرید — قبر کا پالا ہوا، لاشوں کا شاگرد رشید

میرے ماتھے پر تمدن کی کثافت ہے رواں — میرے مستقبل کے چہرے پر تھکن کی جھریاں

عمر کی گردن میں طوق گردش لیل و نہار — دوش پر میرے لڑکپن کے بڑھاپا ہے سوار

جوئے محکومی میں ناؤ علم کی کھیتا ہوں میں — کس طرح جیتے ہیں مردوں سے سبق لیتا ہوں میں

میرے گلزار ادب میں بھوک کی باد سموم — ممتحن میرے جنازے، تربتیں ٹوپی، علوم

میرے مکتب کا خزانہ دولت گرد و غبار — مقبرے، مندر، کلیسا، مسجدیں بھوکے مزار

آدمیت کا سبق مردوں کے مکتب میں حرام — چوٹیاں میری پیمبر، داڑھیاں میری امام

بادۂ روح رواں، مٹی کے پیمانے میں ہے — علم کا تیر یہاں مجہول ہو جانے میں ہے

بجلیوں کے سر دھلے خس کے تہ خانوں میں ہیں — ہڈیاں اجداد کی میرے کتب خانوں میں ہیں

دل کو میرے شعلۂ احساس گرماتا نہیں — میں خس و خاشاک ہوں، بجلی سے ٹکراتا نہیں

ذوق آزادی کہاں، منشائے قدرت اور ہے — بھوک، فاقہ، مفلسی، انگی شریعت اور ہے

ہو نہ میرے دیس میں تیغ بغاوت بے نیام

میں غلام، ابن غلام، ابن غلام ابن غلام

ایک چھوٹا سا واقعہ

لو ہسون

ایک دیہات چھ برس ہوئے گاؤں سے راجدھانی میں آیا۔ اس درمیان میں بہت سے واقعات ہوئے جنھیں حکومت کی "اہم" کہا جاتا ہے ان میں سے بہت سے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور بہت سے کے بارے میں سنا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میرے دل پر کوئی اثر نہیں چھوڑا ان کا اثر میرے چڑچڑے پن کو اور بڑھا دیتی ہے اور جیسے جیسے دن بیتتے جاتے ہیں مجھے لوگوں سے اور نفرت ہوتی جاتی ہے۔ لیکن صرف ایک چھوٹا سا واقعہ میرے لئے بہت پرمعنی ہے۔ اور اب بھی میں اسے بھول نہیں سکتا۔

جمہوریت کا چھٹا سال۔ جاڑے کا ایک دن تیز ہوا چل رہی تھی۔ اپنی روزی کمانے کو مجھے سویرے اٹھنا پڑتا تھا۔ اپنے کام پر جاتے ہوئے مجھے راستے میں شاید ہی کوئی ملتا تھا۔ بڑی مشکل سے آخر کار مجھے ایک رکشا مل گیا میں نے رکشا والے کو دکھن دروازہ چلنے کو کہا۔

کچھ دیر میں ہوا ذرا تھم گئی۔ اس نے سڑکوں کو دھول اور گرد سے بالکل صاف کر دیا تھا۔ رکشا والا تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ دکھن دروازہ کے نزدیک ہم پہنچ ہی رہے تھے کہ کوئی یکایک سامنے آگیا اور رکشا سے ٹکرا کے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ ایک عورت تھی۔ اسکے بال کچھ کھچڑی تھے اور وہ چیتھڑوں میں لپٹی تھی۔ وہ سڑک کے ایک طرف سے یکایک نکل کر ٹھیک ہمارے سامنے سے اس پار جانا چاہ رہی تھی۔ رکشا والے نے ایک طرف ہو جانا چاہا لیکن عورت کے چیتھڑے جو ہوا میں پھڑپھڑا رہے تھے رکشا کے پہیے سے پھنس گئے۔ خوش قسمتی سے رکشا والے نے اپنی چال دھیمی کر دی تھی ورنہ وہ زور سے ٹکرا کر سخت چوٹ کھاتی۔ ہم لوگ رک گئے۔ عورت چاروں ہاتھ پیر ابھی تک جھکی ہوئی تھی۔ میرے خیال میں اسے چوٹ نہیں لگی تھی۔ کسی نے ٹکر ہوتے ہوئے دیکھا نہیں تھا۔ اور مجھے یہ دیکھ کر غصہ آ رہا تھا کہ رکشا والا رک گیا اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے مجھے دیر ہو رہی تھی۔

"کچھ ہوا نہیں ہے" میں نے کہا "چلو"

لیکن یا تو اس نے سنا نہیں یا پروا نہیں کی کیونکہ اس نے رکشا کو رکھ کے نرمی سے عورت کو اٹھایا، اسکے بازو پکڑ کے اسے کھڑا کیا اور پوچھا۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟"

"ہاں لگی"

میں نے سوچا "میں نے تمھیں گرتے دیکھا اور یقینی تم زور سے نہیں گریں۔ پھر تمھیں چوٹ کیسے لگ سکتی ہے؟ یقینی تم بہانہ کر رہی ہو۔ یہ سب بیہودہ تکلف وہ بات ہوا اور رکشا والا خود اپنے لئے مشکلیں پیدا کر رہا ہے۔ اب وہ خود ہی اس جنجال سے نکلے!"

لیکن عورت سے یہ سنکر کہ اسے چوٹ لگی ہے رکشا والا ذرا بھی نہیں ہچکچایا اسکا بازو پکڑ کر وہ اسے لے چلا۔ تب مجھے سخت تعجب ہوا کیونکہ سامنے میری نگاہ یکایک ایک تھانہ پر پڑی اور میں دیکھ رہا تھا کہ رکشا والا اسے وہیں لے جا رہا ہے۔ کوئی باہر نہ تھا اس لئے وہ اسے دروازہ سے اندر لے گیا۔

ان کے اندر جاتے ہی میں نے ایک عجیب کیفیت محسوس کی۔ میں نہیں جانتا کیوں، لیکن اس وقت مجھے یکایک معلوم ہوا کہ اس کا گرد آلود بدن بہت بڑا ہو گیا اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا گیا اور بڑا ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں اسے دیکھنے کے لئے مجھے سر اٹھانا پڑا۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے جسمانی دباؤ محسوس کیا جو اس کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس دباؤ نے میری تمام نیچائی اور چھوٹائی کو جو میرے روئیں دار لبادہ کے نیچے چھپی ہوئی تھی، باہر نکال دیا۔ میں کمزور ہو گیا جیسے کہ میری طاقت ختم ہو گئی ہو، جیسے کہ میرا خون جم گیا ہو میں چپ چاپ بلا کچھ سوچے سمجھے میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ ایک افسر کو میں نے تھانہ سے نکلتے دیکھا اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر میں رکشا سے اترا۔

"آپ دوسرا رکشا کر لیجئے یہ آدمی اب آپ کو نہیں لے جا سکتا" اس نے مجھے بتایا۔

بلا سوچے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر پیسے نکالے۔ "یہ اسے دیدو" میں نے کہا۔

ہوا ایکدم بند ہو گئی تھی لیکن سڑک ابھی تک سنسان تھی۔ چلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا، لیکن اپنے بارے میں سوچتے ہوئے میں ڈرتا تھا جو کچھ ہوا تھا اسے چھوڑ کے، میں نے مٹھی بھر پیسوں کی توجیہہ کرنی چاہی۔ میں نے یہ اسے کیوں دئے؟ انعام؟ اور کیا اپنی حرکت کے بعد میں اپنے کو اس لائق سمجھتا تھا کہ ایک رکشا والے کے بارے میں فیصلہ کر دوں؟ میں اپنے دل کی آواز کا جواب نہ دے سکا۔

ابھی تک یہ تجربہ میری یاد میں دہکتا ہے۔ میں اسکے بارے میں سوچتا ہوں اور اندر ہی اندر دکھ اور تڑپ محسوس کرتا ہوں۔ اس عرصہ کے تمام سیاسی اور فوجی ڈرامے میرے لئے اس ادب عالیہ کی طرح ہیں جو میں نے لڑکپن میں پڑھا تھا۔ میں اسکی ایک سطر بھی نہیں دہرا سکتا۔ لیکن یہ چھوٹا سا واقعہ ہر دم میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور مجھے شرم دلاتا، اچھے بننے کو اکساتا اور میرے اندر امید اور ہمت ابھارتا ہے۔ میں آج بھی اسے صاف صاف ٹھیک اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے اس روز جب یہ ہوا تھا......

(ترجمہ)

وتمنائی۔

ہندستان سے باہر

چین

کینٹن پر بمباری۔ کینٹن کی سول آبادی پر بمباری کی رفتار بڑھ گئی ۲۸-۲۹-۳۰ مئی تک تین ہزار ہوائی جہاز آئے۔ اور چالیس سے لیکر سو بموں تک گرائے جاتے ہیں۔ ۱۱۰ آدمی مرے آٹھ زخمی ہوئے۔ لوگ گھبراکر ہانگ کانگ کی طرف بھاگے اسوقت پناہ گزینوں کی تعداد ۵۰۰۰۰ تک پہنچ چکی ہے۔ غالباً جلد ہی دس لاکھ تک پہنچ جائے۔

ہزاروں خاندان ہانگ کانگ بھاگنے کی فکر میں ٹیشن پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ جاپانی ہوابازوں نے ۲۰ جون کو وہاں بھی بم گرائے۔ یہ لوگ بالکل نہتے تھے۔ اس لئے خیال ہے کہ بہت جانیں گئی ہوں گی۔ ۲۰ جون کو پھر ہوائی جہازوں نے کینٹن پر بم گرائے۔ تخمینہ ہے کہ ۵۰۰ موتیں ہوئیں۔ اور ۱۳۵۰ زخمی ہوئے

کینٹن کی حفاظت۔ ہانگ کانگ میں جو چینی فوجیں کوانگ ٹن اور کیوان سے آتی ہیں۔ انکو جنوبی چین بھیجا جا رہا ہے۔ چیانگ کائی شیک مقابلہ کے لئے تیار ہے اور نئے مورچے بنائے جا رہے ہیں۔

نئے جاپانی کابینہ کی پالیسی معلوم ہوتی ہے کہ جنوبی چین پر حملہ کرکے چینی فوجوں کا دھیان بٹا لیا جائے۔

شنگھائی میں ہیضہ۔ سرکاری خبر ہے کہ شنگھائی میں چینیوں میں ہیضہ پھیل گیا ہے۔ اور ڈر یہ ہے کہ یہ آفت جلد ہی پھیل جائے گی کیونکہ شہر لاکھوں پناہ گزینوں سے بھرا پڑا ہے۔ جو بہت بُری حالت میں زندگی گذار رہے ہیں۔ سرکاری انتظامات تیزی سے ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹروں کی ایک فوج اس وباء کے روکنے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ روزانہ ستر ہزار آدمیوں کے انجکشن لگایا جا رہا ہے۔ پوشنگ میں جاپانی فوجوں میں بھی وبا پھیل رہی ہے۔

پھر جاپانی زور پکڑ رہے ہیں۔ ۲۸ مئی جاپانیوں نے لنگھائی ریلوے کے محاذ پر ایک مقام کوچیچ (Kweitech) فتح کر لیا۔ فوجی ماہروں کا خیال ہے کہ اس فتح سے چینیوں کو شنگ کے جنوب مغرب میں گوریلا لڑائی کا موقع نہیں ملیگا۔ اور جاپانیوں کو ایک مورچہ مل گیا جہاں وہ فوجیں جمع کرکے ہینکنگ یا انکا ذریعے کے جنوبی حصہ اور انکاؤ پر حملہ کریں گے۔

میجر جنرل ڈوائے ہاراجو مانچوریا کا لارنس کہلاتا ہے۔ دریائے زرد پار کرکے چینی فوج میں گھس گیا تھا۔ چینیوں نے موقع پاکر اسکو گھیر لیا۔ لیکن چینی کچھ نقصان نہ پہنچا سکے

جاپانی فوجیں جو لنگھائی ریلوے پر مشرق کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ڈو لائے یانگ کی فوج تک پہنچ گئی ہیں۔ اب خیال ہے کہ دونوں فوجیں ملکر چینگ چاؤ پر حملہ کریں گی جہاں امید ہے کہ چینی زبردست مقابلہ کرینگے۔

جاپانی کابینہ کیا کرنیوالی ہے۔ جاپانی اخباروں کا خیال ہے کہ نئی کابینہ حکومت پر فوج کے اقتدار کو ختم کرنے کی۔ اور مسٹر اوگاکی (مشکل ہے) اب فوج پر بھی طرح قابو رکھینگے۔

اسپین۔ کاتالونیا پر باغیوں نے سخت حملہ کیا۔ انکا بیان ہے کہ انہیں جزوی فتح ہوئی ہے۔ کاتالونیا کا مشرقی حصہ میں بجلی نہیں ہے کیونکہ باغیوں نے تار کاٹ دئیے ہیں باغیوں نے مشرقی محاذ پر دھاوا کیا ہے۔ اور خیال ہے کہ اس طرف بہت تیزی سے بڑھینگے۔

موسم خراب ہے۔ اور موتیں بہت ہو رہی ہیں۔ لیکن جمہوری بہت بامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

باغیوں نے ٹروں کے محاذ پر ایک درہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ جہاں سے ریلوے لائینیں گذرتی ہیں۔

انکا سرکاری بیان ہے کہ ویلینے آب رود کے جنوب میں جو ۴ سے ۹ مئی تک لڑائی ہوئی اسمیں ۱۷۰ فوجی افسر اور سپاہی مارے گئے اور ۲۵۱۲ زخمی ہوئے۔ ۱۶ یا تو غائب ہیں یا قید ہو گئے۔

۲۹ مئی کو اٹلی اور اسپین کی دوستی کا دن منایا گیا۔ اکیس توپیں اس تقریب میں چھوڑائی گئیں۔

۲۰ مئی کو اٹلی میں یہی دن منایا گیا۔ اس سلسلہ میں مسولینی نے جو تقریر کی اسمیں کہا میں اطالوی نوجوانوں سے چاہتا ہوں کہ وہ کام کریں اور لڑیں، آج کی موجود اطالوی شہنشاہی کے لئے ہے۔ اور کل کی اس سے بھی بڑی اطالوی شہنشاہی کے لئے۔

جنرل اسٹرے نے جو اسپین کی فسطائیت کا بانی ہے اپنی تقریر میں کہا کہ بارہ سال گذرے مسولینی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اسپین پر کوئی بُرا وقت پڑا تو میں مدد کروں گا۔ وقت آیا۔ اور اٹلی نے مدد کی۔ جنرل اسٹرے نے جنرل فرانکو کی طرف سے وعدہ کیا کہ اگر کبھی اٹلی پر کوئی وقت پڑا تو اسپین مدد کرے گا۔

حکومت کے ہوائی جہازوں نے باغیوں کے ہوائی اسٹیشن جو پالما اور اسکے قریب ہیں حملے کئے۔ تین جہازوں کو جو بندرگاہ میں تھے ڈبو دیا۔ اور لسینیکے ہوائی اسٹیشن پر جہاں کہا جاتا ہے ستر اطالوی ہوائی جہاز ہیں بمباری کی۔ باغیوں کے ہوائی جہاز برابر کھلے شہروں کی سول آبادیوں پر بمباری کر رہے ہیں۔

کھلے شہروں پر بمباری کی مخالفت

اسپینی حکومت نے برطانیہ اور فرانس کو لکھا ہے کہ کیا وہ کھلے شہروں پر بمباری کو نہیں روکیں گے؟۔

وقتی صلح کی تجویز

برطانیہ کا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے لئے فرانکو اور جمہوریہ میں صلح کرا دی جائے۔ اور دونوں کی ایک کانفرنس منعقد کر دی جائے تاکہ غیرملکی والنٹیروں کے واپس

بلانے کا کام پورا ہو جائے۔

پہلے خیال تھا کہ یہ ہوائی جنگ ہی دن اور چلے گی۔ لیکن وہ برابر طول کھینچی جا رہی ہے جس نے یورپ کا امن خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اطالوی اور انگلستانی معاہدے میں والنٹیروں کی واپسی کی شرط منظور کی تھی۔

اہم خبر: امریکہ کے اسسٹنٹ سکرٹیری نے صدر روزولٹ سے مشورہ کر کے اخباروں کو ایک بیان دیا ہے کہ عورتوں اور غیر فوجیوں پر اسپین اور چین میں جو گولے گرائے جاتے ہیں اسکو امریکہ والے بربریت سمجھتے ہیں جب یہ پوچھا گیا کہ کیا اس اعلان کا اس وفد سے کوئی تعلق ہے جو انگلستان نے جنرل فرانکو کے پاس بھیجا ہے تو سکرٹری نے جواب دیا کہ امریکہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

انگریزی سفیروں اور امریکن سفیروں نے اپنی اپنی حکومتوں سے التجا کی ہے کہ سول آبادی پر بمباری بند کرائیں۔

برطانیہ کی بدحواسی

برطانیہ نے نئے سرے سے اسلحہ بندی شروع کر دی ہے صرف اس ہفتہ کی یہ خبریں ہیں —

لندن: انگریز بہت تیزی سے فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ بعض بعض بھرتی گھروں میں اب گنجائش نہیں رہی۔ اسوقت برطانیہ نئی اسلحہ بندی پر دس لاکھ پونڈ روزانہ صرف کر رہی ہے۔ ہوائی جہاز کے محکمہ اسلحہ میں اب چالیس ہزار آدمی ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں صرف ...۵۸ تھے۔

دو مہینہ میں بھرتی بہت تیزی سے ہوئی ہے۔ لیکن انتظام اتنا ہے کہ ہر ایک کو رہنے کی جگہ، اسلحہ اور وردی مل گئے۔

دارالعوام میں ایک وزیر نے کہا کہ ہمارے سائنسدانوں نے بعض نئی ایجادیں کی ہیں جب وہ لڑائی میں آئینگی تو دشمن کے چھکے چھوٹ جائینگے۔ اور برطانیہ کی ہوائی اور سمندری طاقت ایسی ہے کہ وہ انگریزی تجارت کی حفاظت کر سکتی ہے۔

افواہ ہے کہ برطانیہ بہت سے ہوائی جہاز اٹلی سے خریدنے والی ہے۔

ہوائی حملوں سے بچت کیلئے عورتوں کی ایک والنٹیر کور بنائی جا رہی ہے۔ دو مہینہ ہوئے دس لاکھ کی بھرتی کا ارادہ کیا گیا تھا۔ آدھے سے زیادہ بھرتی ہو گئی۔

ہوائی حملوں سے بچت کے لئے حفاظت گاہیں بنائی جا رہی ہیں پچیس کروڑ بیس لاکھ بالو کے بورے تیار ہیں۔ ستائیس کروڑ پچاس لاکھ تیار ہو رہے ہیں۔ ستر فائر بریگیڈ تیار ہیں۔

حکومت نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ لڑائی کے وقت آکسفورڈ اور کیمبرج کی عمارتوں میں اسپتال رکھا جائے گا۔

وزیر اعظم نے کہا کہ یہ اسکیم ہے کہ لڑائی کے موقع پر فوجی خدمت لازمی کر دی جائے گی۔ دارالعوام میں ایک قانون پاس ہو رہا ہے جس سے لڑائی کے زمانے میں حکومت کو انگریزی تجارت پر ایسا قبضہ ہو جائے گا کہ وہ فوج کی ضرورت کا سامان اس سے لے سکے۔

ہندستان

زمیندار اور کسان

جواہر لال اور کسان آراضی کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا۔ ان

سے زمینداروں کی کانفرنس کی تقریروں میں اسقدر دھمکیاں نظر آتا ہے کہ انپر سنجیدگی سے غور کرنا بھی مشکل ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ کانگرس کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں تو انکا چیلنج خوشی سے منظور کر لیا جائے گا۔ اور اگر وہ کسانوں کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں تو میرے صوبے کے کسان بھی بخوشی اس چیلنج کو منظور کر لینگے"

"کانگرس پچھلے کئی برسوں سے صوبہ متحدہ کے زرعی مسائل پر غور کر رہی تھی، ہم نے کسانوں کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے بہت کوشش کے بعد یہ تجویزیں مرتب کی ہیں۔ اب ان تجویزوں پر بھی باوجودیکہ وہ اسقدر اعتدال پسند ہیں زمینداروں کی طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ پچھلے دنوں میں بڑے بڑے زمینداروں اور تعلقداروں نے برطانوی سامراج کا ساتھ دیا ہے اور اسکی مدد سے آزادی کی تحریک کو کچلنے کی تحریکیں کی ہیں۔ انھوں نے اسکو جلانے کی کوشش کی لیکن اگر یہ روش قائم رہی اور کسانوں کے حقوق پر حملہ ہوتا رہا تو ہم زمانہ ماضی کو بھلا دینگے اور زمانہ حال کو اور ہم دیکھینگے کہ ہمارے راستہ میں کسی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں پڑ سکے گی۔

"فاشسٹی طرز پر یہ لوگ اپنے سگے ہوئے سرمایہ کی حفاظت کیلئے والنٹیر بھرتی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا انکو نہیں معلوم کہ انکے اس راستہ میں کتنے خطرات ہیں؟ کانگرس کی ایک آواز پر صوبہ متحدہ کے دیہاتوں کے کروڑوں کسان اٹھ کھڑے ہونگے۔

"اگر وہ اس بل پر جو یو پی اسمبلی میں پیش ہے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں تو انکے لئے زمینداری نظام کا نام تک رکھنا مشکل ہو جائے گا۔"

کانپور کے مل مالکوں کا حوالہ دیتے ہوئے پنڈت جواہرلال نے کہا "یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ کانپور کے مل مالک ان بڑے بڑے زمینداروں اور تعلقداروں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ انکو کانپور میں عام ہڑتال سے سامنا کرنا پڑا ہے اور اب وہ صوبہ کے تمام رجعت پسند عناصر کے ساتھ یکجہتی پیدا کر رہے ہیں اور وحشیانہ الزام لگاتے ہیں کہ ماسکو کی دولت ہندستان میں چلی آ رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ان الزامات کو ثابت کریں۔"

راجہ جہانگیر آباد

پنڈت جواہرلال نہرو کے جواب میں راجہ جہانگیر آباد نے ایک بیان شائع کیا ہے جسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ زمیندار کانفرنس کے بارے میں پنڈت جی کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ راجہ صاحب نے پنڈت نہرو اور کانگرس کے دوسرے ذمہ دار آدمیوں پر یہ الزام رکھا کہ یہ لوگ زمیندار طبقہ کے خلاف بہت بیجا پروپگنڈا کرتے ہیں۔ راجہ صاحب کو شکایت ہے کہ کسانوں نے کئی زمینداروں کے کارندوں کو مار ڈالا لیکن کانگرس نے کسانوں کی اس حرکت کی کوئی مذمت نہیں کی۔

"زمینداروں نے کسی کو چیلنج نہیں کیا ہے۔ انہوں نے صرف اپنی حفاظت اور مفسدوں کی روک تھام کے لئے والنٹیر کور بنانے کا ارادہ کیا ہے اور دھمکیوں اور گالیوں سے دب کر وہ اپنا ارادہ فسخ نہیں کر سکتے۔"

راجہ سلیم پور: راجہ سلیم پور نے پریس کے نمائندہ سے ملاقات میں کہا "یہ تعجب کی بات ہے کہ اتنا تجربہ کار سیاستدان ایسا لہجہ استعمال کرے۔ شاید انکو (پنڈت نہرو کو) یہ نہیں معلوم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی بابت کہہ رہے ہیں

بھی جگی مگروں میں جنگی خون بھرا ہے۔ وہ ایک جوالا کی مانند دانوں لگ بھال میں پھینک کر خود اپنی تباہی میں مدد کر سکتے ہیں لیکن وہ گھرکی ۔ دھمکی سے دبائے نہیں جا سکتے۔"

"زمینداروں نے کسی کو چیلنج نہیں کیا ہے انھوں نے صرف کانگرس کا چیلنج قبول کیا ہے۔"

پنڈت جواہرلال نے اس الزام کا کہ زمیندار برطانوی سامراج کے ایجنٹ اور حامی رہے ہیں، جواب دیتے ہوئے راجہ صاحب نے کہا کہ ایسی جماعت کے ایک فرد کے منہ سے جو خود برطانوی سامراج کی مشین کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ ایسی بات اور کچھ نہیں تو طنز آمیز ضرور ہے۔

آنریبل وزیر اعظم۔ پنڈت گووند ولبھ پنت نے زمیندار کانفرنس کے بارے میں ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے سے کہا "بعض وقت یہ دیکھ کر دلچسپی ہوتی ہے کہ لوگ کس طرح اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور دوسرے طبقہ وارانہ جنگ چھیڑنے کا الزام رکھتے ہیں جبکہ وہ خود ہی دوسروں پر اپنی حکومت قائم رکھنے کیلئے گھبراہٹ میں ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے خلاف ابھارتے ہیں"

بابو موہن لال سکسینہ۔ بابو موہن لال سکسینہ صدر صوبہ کانگرس کمیٹی نے زرعی بل اور زمینداروں کی گھبراہٹ کے بارے میں ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے "مجھے اودھ زمیندار کانفرنس میں تعلقداروں کی تقریروں سے بخوبی واقفیت ہے۔ انہوں نے کسانوں کو کچھ کم نہیں ابھارا ہے اور اسکے علاوہ بڑے بڑے تعلقداروں اور زمینداروں کے خرابے دیہے کسانوں کو بہت پریشان کر دیا ہے"۔

بابو موہن لال نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ چھوٹے کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کی نمائندہ کانفرنسیں تمام صوبہ میں منعقد کیجائیں تاکہ کسان بھی یو۔پی کے زرعی بل پر اپنے خیالات کا بخوبی اظہار کر سکیں

کانپور

کانپور کے مزدور اپنے مطالبات پر جمے ہیں اور ہڑتال بدستور جاری ہے۔ کارخانوں کے کلرک کیشنگ سے عاجز آگئے ہیں اور اب کارخانوں کے اندر جانے کی ضد نہیں کرتے۔ ہڑتالی بالکل پرامن ہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک حکومت یو۔پی تحقیقاتی کمیٹی پر اپنی تجویز شائع نہ کرے گی اسوقت تک کوئی سمجھوتہ کی شکل نکلنا مشکل ہے۔

جنرل اسٹرائک کمیٹی نے ۶ رجون کو پنڈت گووند ولبھ پنت وزیر اعظم یو۔پی کے پاس ایک وفد روانہ کیا ہے جو وزیر اعظم کو ہڑتالیوں کے مطالبات سے آگاہ کریگا۔ اگرچہ مزدوروں کا خاص مطالبہ یہ ہے کہ تحقیقاتی کمیٹی کی کل سفارشات مان لی جائیں، لیکن انکے فوری مطالبات یہ ہیں کہ انکی اجرت بڑھائی جائے۔ مزدور سبھا کو نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے۔ ایک ثالثی بورڈ بٹھایا جائے جو ان مزدوروں کی بے روزگاری اور نکال دیئے جانے پر غور کرے جو لذشتہ اگست سے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ نیزان مزدوروں، کلرکوں اور دوسرے کام کرنے والوں کو جو ہڑتال میں شریک تھے یقین دلایا جائے کہ انپر کوئی سختی

نہیں کیجائے گی۔

پنڈت نہرو کا پیغام۔

کانپور کے ہڑتالیوں کو پنڈت جواہرلال نہرو نے ایک پیغام بھیجا ہے جسمیں انھوں نے بتایا ہے کہ سارے ہندستان کے مزدوروں کی نگاہیں کانپور پر لگی ہوئی ہیں کیونکہ تمام مزدوروں کی قسمت کے فیصلہ کا مدار یہاں کی ہڑتال کے نتیجہ پر ہے۔ کانگرس والے بھی ہڑتال کی جانب بہت توجہ دے رہے ہیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ انکی جنگ آزادی پر اسکا خاصا اثر پڑے گا:

پنڈت جی کی رائے میں تحقیقاتی کمیٹی کی سفارشات منصفانہ ہیں اور ہر فریق کو یہ سفارشات منظور کر لینی چاہیئے تھیں۔ تنخواہ بڑھائے جانے کے بارے میں جو سفارشیں ہیں ان پر فوراً ہی عملدرآمد ہونا چاہیئے۔

انکے خیال میں مزدور تحقیقاتی کمیٹی کے ساتھ مل مالکوں کا رویہ ناجائز اور غیر منصفانہ ہے۔

جواب۔ مل مالکوں کی انجمن نے پنڈت جواہرلال کے پیغام کے جواب میں ایک بیان شائع کیا ہے جسمیں لکھا ہے کہ پنڈت جی کے پیغام نے صورت حال کو بہت بدتر کر دیا ہے۔ مل مالکوں نے شکایت کی ہے کہ صوبہ کانگرس کمیٹی کی قرارداد جو انہیں کے ایما سے پاس ہوئی تھی اکتفا نہ کر کے پنڈت جی نے اپنے رخصتی پیغام سے آگ میں اور ایندھن جھونک دیا ہے۔ اس پیغام سے ہڑتالی سمجھیں گے کہ کانگرس کے با اختیار حلقے انکو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ جمے رہے تو انکے مطالبات منظور کر لئے جائینگے۔

کانپور رپورٹ۔

بابو موہن لال سکسینہ صدر یو۔پی صوبہ کانگرس کمیٹی نے کانپور جا کر خود حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے ہڑتال کے بارے میں پریس کو ایک بیان دیا ہے جسمیں مزدوروں کی پرامن ہڑتال کی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ انکی ہمت کی بھی داد دی ہے۔ انھوں نے ۸ رجون کو کانپور کے ہڑتالیوں کا دن مقرر کیا ہے، اور تمام صوبہ کانگرس کمیٹیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ اور ہڑتال پر تجویزیں پاس کرنے کے علاوہ ہڑتالیوں کی امداد کیلئے چندہ بھی کریں۔

کانگرس لیگ گفت و شنید

مسٹر جناح نے لیگ کانگرس سمجھوتے پر مشورہ کرنے کے لئے اپنی کونسل بلائی تھی۔ ۴ر اور ۵ رجون کو اس مسئلے پر غور کیا گیا۔ لیگ کونسل کے سامنے دو خاص سوال پیش تھے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ صدر کانگرس کے سوال کے مطابق یہ گفتگوئے مصالحت آیا کانگرس اور مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت سے ہو رہی ہے یا مسلمانوں کی جملہ جماعتوں میں سے ایک سے ہو رہی ہے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا مسلمان بحیثیت سب سے بڑی اقلیت ہونے کے دوسری اقلیتوں سے رابطہ رکھ کر یہ مفاہمت کرنا چاہتے ہیں یا صرف اپنی جماعتی حیثیت سے یہ گفتگو کر رہے ہیں۔

مسلم لیگ کے تمام ممبران نے متفقہ طور پر یہ اعلان کیا کہ کانگرس کو یہ تسلیم

کرنا پڑے گا کہ اس کی گفتگو اس جماعت سے نہیں ہو رہی ہے جسکی نمائندگی مسلم لیگ کر رہی ہے بلکہ یہ گفتگو ہندستان کے تمام مسلمانوں سے ہو رہی ہے۔ اور جب تک کانگرس یہ تسلیم نہ کرے گی اسوقت تک کوئی مزید گفتگو نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں کانگرس کو یہ بھی یقین دلانا پڑے گا کہ کانگرس کی طرف سے جو مصالحت کی کوشش ہو رہی ہے وہ تمام ہندو جماعت کی جانب سے ہے۔ اور کانگرس کو پورا اختیار ہے کہ وہ انکی جانب سے اس قسم کی گفتگو کرے۔ نیز یہ کہ اس اقرارنامہ سے وہ ہندو بھی انکار نہیں کر سکتے جو ہندو مہاسبھا کے ممبر ہیں۔

اقلیتوں کے مسئلے کے متعلق یہ طے پایا کہ چونکہ مسلمان اتنی بڑی اقلیت میں ہیں کہ دوسری اقلیتیں بغیر انکی مدد اور تعاون کے کوئی اہمیت نہیں رکھیں گی۔ اور ہمیشہ سے مسلمان ان مواقع پر جب اقلیتوں کا سوال اٹھا ہے انکا ساتھ دیتے رہے ہیں لہٰذا اس موقع پر بھی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ جو بھی معاہدہ کریں اس میں دوسری اقلیتوں کے مفاد کو پیش نظر رکھیں اور انھیں اپنا سمجھیں۔

بھوپال

پچھلی دفعہ ہندستان کے صفحہ پر ریاست بھوپال کے متعلق پنڈت جواہرلال نہرو کے بیان کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ ریاست نے اس کی تردید میں ایک اعلان نامہ شائع کیا ہے جسمیں بتایا ہے کہ یہ الزامات کہ ریاست میں سیاسی تحریکات ممنوع ہیں یا شہری حقوق کا کوئی تحفظ نہیں ہے، بالکل غلط ہیں ۔ ریاست میں ہر قسم کی سیاسی مجلس اور مذہبی کانفرنسیں ہوتی ہیں چنانچہ آجکل بھی بھوپال کے ہندوؤں کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے ۔ حکومت کا کہنا ہے کہ ریاست کا ہر شخص جماعت بندی، اجتماع اور اظہار خیال میں آزاد ہے، بشرطیکہ وہ تشدد کی اشاعت نہ کرتا ہو یا وہ رعایا میں نفرت نہ پھیلاتا ہو۔ اخبارات پر سختی کے متعلق بھی ریاست پر الزام لگائے گئے ہیں۔ مگر یہ الزام غلط ہیں۔ ریاست جائز اور تعمیری تنقید کو پسند کرتی ہے مگر شخصی حملے، دروغ آمیزی اور شرانگیزی کو نہیں پسند کرتی۔ ریاست نے یقیناً ان اخبارات کو یہاں آنے کی ممانعت کی ہے یا انکو ضبط کیا ہے جو کسی مفید خدمت کے بجائے شرانگیزی کیا کرتے تھے۔

۔ جہانتک کہ جلسوں اور مذہبی جگہوں پر لوگوں کے جمع ہونے اور دینی وعظ کے سننے کا تعلق ہے ریاست کا یہ خیال ہے کہ مذہبی جگہوں کو بجائے سیاسی اکھاڑہ بنانے کے صرف دینی عبادت گاہ ہی تک محدود رکھنا مناسب ہے ۔ کتابوں اور رسالوں پر پابندی لگانے کے سلسلہ میں ریاست کا دستور صرف انھیں پمفلٹ اور اخبارات کی نگرانی کرنا اور روکنا ہے جنکا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس بیان کے جواب میں پنڈت جواہرلال نہرو نے ایک بیان جاری کیا ہے جس میں آپ نے کہا ہے کہ " یہ بیان گو بہت طویل ہے مگر ساتھ ہی ساتھ مبہم بھی ہے کیونکہ اس سے آزادی اجتماع، اظہار خیال اور اخبارات کی اشاعت کے متعلق کوئی اندازہ نہیں ہوتا ہے۔ ایک فرقہ وارانہ کانفرنس کے انعقاد یا کسی نام نہاد کانگرس کمیٹی کے وجود سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل چیز تو یہ ہے کہ سیاسی اصلاحات کے لئے کام کرنیوالی جماعتوں کو جلسے، اخبارات اور تقاریر کے معاملہ میں کتنی آزادی ہے"۔ "میں مطلق کسی اخبار کے متعلق کسی کارروائی کے کئے جانے کا مخالف تو نہیں ہوں خاصکر جبکہ وہ اخبار فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرتا ہے مگر جب ایسی کارروائی کسی سیاسی اصلاح کرنے والے اخبار کے خلاف اسکو ضبط کرکے یا ریاست میں اسکے داخلہ کو ممنوع قرار دیکر کیجائے تو یہ یقیناً قابل اعتراض چیز ہے " "شہری آزادی کا امتحان یہی ہے کہ ریاست کے متعلق اعتراضات کو کہانتک برداشت کیا جاتا ہے کہانتک جلسوں اور جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دیجاتی ہے، اور یہ کہ کہانتک اخبارات باہر سے آتے ہیں، اور کتنے اخبارات موجود ہیں۔ مگر بھوپال میں ابھی تک کوئی اخبار ہی نہیں تھا۔ اور باہر سے آنے والے اخبارات کو ممنوع کر دیا گیا۔ یہ خوفہمی کی نشانی ہے۔ بہرحال اگر میرے الزامات کو غلط ثابت کردیا جائے تو میں بہت خوش ہوں گا اور اپنے بیان کو خوشی واپس لے لوں گا لیکن اس سلسلہ میں حکومت بھوپال کو "سول لبرٹی یونین" کو غیرجانبدار تحقیقات کی اجازت دینا چاہئے"۔

کانگرسی ایثار

مسٹر لیشپتی ناتھ جو کانگرس کے ایک سرگرم کارکن ہیں اور جو الہ آباد کے پچھلے ہندو مسلم فساد میں زخمی ہو گئے تھے اب اچھے ہو گئے ہیں ۔ انہوں نے حکام سے درخواست کی ہے کہ دونوں مسلمانوں جنپر انکو زخمی کرنے کے جرم میں مقدمہ چل رہا ہے رہا کر دیئے جائیں۔ اپنی درخواست میں انھوں نے لکھا ہے کہ خوشگوار فرقہ وارانہ تعلقات کے لئے جیسا کانگرس کا عقیدہ ہے وہ نہیں چاہتے کہ اس واقعہ پر کوئی مزید کارروائی کی جائے۔

زائد صفحہ ۳

میں مزدوروں کا اور کسانوں کا اور زمینداروں کے جھگڑے میں کسانوں کا ساتھ نہ دیا؟ پھر کانگرس ہی آگے چلکر وہ آزادی پسند، سرمایہ دشمن جماعت کیوں نہیں ہو سکتی جس کا مولانا نے تذکرہ کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ ایک سرمایہ پرست اور دو ایک زمینداری پسند لوگ کانگرس چھوڑ زمینداروں اور سرمایہ داروں کی جماعت میں جاکر شریک ہو جائینگے۔

سوشلسٹوں کا کانگرس میں صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ کسی جماعت کے لئے ردکا کام دیں۔ بلکہ وہ کانگرس کے اقتصادی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ نکالتے ہیں۔ کانگرس نے جو کچھ مزدوروں اور کسانوں کے لئے کیا، اس میں سوشلسٹوں کا خاص دخل ہے۔ کانگرس میں ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ سوبھاش چندر بوس نے کہا ہے کہ کانگرس کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ایک جماعت بایاں بازو تیار کرے۔

سوشلسٹ طبقہ کانگرس کو ترقی پسند سرمایہ دار دشمن اور آزادی پسند جماعت مانتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسی جماعت میں رہ کر ہم ملک کو زیادہ فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ تین برس سے یہ جماعت قائم ہے۔ اور اتنے ہی عرصہ میں تجربہ ہو گیا کہ یہ نظریہ بالکل صحیح تھا۔

سوشلسٹ جماعت ملک کو لیکر چلنا چاہتی ہے۔ نہ کہ اکیلے آگے بڑھتے چلے جانا۔ دوسری طرف کانگرس ملک کی رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے کو تیار ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کانگرس کے دونوں بازوؤں میں کبھی جھگڑا ہو۔

ہندوستان بیورو پبلشنگ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد ذکی عمدۃ المطابع پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے چھپوا کر لسٹ منزل ناتھ روڈ سے شائع کیا۔

جلد ۲ نمبر ۲۶ | ... جون سنہ ۱۹۳۸ء | فی پرچہ ۱ سالانہ ۳ سے

اردو وہندی کا جھگڑا مٹ رہا ہے

مدراس کی کانگرسی وزارت نے اپنے صوبہ میں "ہندستانی" پھیلانے کا فیصلہ کر لیا ہے یہ ہندستانی نہ تو ہندی ہوگی، نہ ہندی ہندستانی۔ اور نہ فارسی اردو، بلکہ خالص ہندستانی یعنی ایسی زبان جو اردو رسم خط میں لکھی جائے تو اردو کہلائے، اور ہندی رسم خط میں لکھی جائے تو ہندی کہلائے۔

جامعہ ملیہ نے ایسی زبان کی ایک ریڈر تیار کی ہے۔ اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے کہ یہ واقعی ایسی [illegible] ملک کی مشترکہ زبان بن سکتی ہے۔ کتاب کی تیار کرنے والی جامعہ ملیہ ہے، جس نے "ہندی ہندستانی" کے خلاف سخت لڑائی لڑی تھی۔ اور پسند کرنے والے مولانا ابوالکلام جیسے بلیغ اردو کے عالم ہیں۔ اور ان دونوں کو دیکھتے ہوئے یقین ہے کہ ریڈر کی زبان واقعی مشترکہ زبان ہوگی۔

اردو میں ہندی کے الفاظ بکثرت ہیں۔ اگر نظیر اکبر آبادی۔ انشار اور دیگر پرانے شاعروں کا کلام دیکھئے تو یہ الفاظ بے حد ملتے ہیں۔ اسکے علاوہ روز مرہ بول چال میں بہت آتے ہیں۔ اسی طرح ہندی میں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی بہت ہیں۔ ہندی کی مانی ہوئی لغت "شبد ساگر" دیکھئے۔ اس میں روز مرہ میں استعمال ہونیوالے فارسی کے الفاظ سب ہی تو موجود ہیں۔ بہرحال باہمی تعصب جس نے اردو ہندی کو ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیا ہے۔

ملک میں کچھ ایسی طاقتیں پیدا ہوگئی ہیں جو دونوں زبانوں کو ایک بنا رہی ہیں۔ مثلاً سینما۔ اس میں تماشے والوں کو مجبوراً بول چال کی زبان رکھنا پڑتی ہے، جو اردو بھی ہے اور ہندی بھی۔ اسی طرح اب ملکی تحریکیں عوام تک پہونچ گئی ہیں تو لیڈروں کی کوشش یہ ہے کہ ایسی زبان بولیں اور لکھیں جسے عوام سمجھ سکیں۔ اس کوشش میں زبان سے سنسکرت اور عربی کے بھاری لفظوں کو نکالنا پڑے گا۔ اسی طرح ایک تحریک ہے کہ ہندستانی کو ملک کی مشترکہ زبان بنایا جائے۔ مشترکہ زبان میں ایسے ہی الفاظ کھپ سکیں گے جو ہر ایک کی زبان پر رچ سکیں، اور ہر ایک کی بول سے قریب ہوں۔ ایسی زبان میں فارسی اور سنسکرت کے بھاری لفظوں کی کھپت کیسے ہو سکتی ہے؟

اسوقت اگر ایک کوشش کیجائے تو اردو ہندی کا خیالی فاصلہ اکدم کم ہو جائے۔ وہ کوشش یہ ہے کہ ہندستانی زبان کی ایک لغت تیار کر دی جائے۔ اس لغت میں وہ تمام الفاظ ہوں جو دونوں زبانوں میں مشترک ہیں۔ اس میں فارسی کے وہ تمام الفاظ ہوں جو "شبد ساگر" میں موجود ہیں۔ اور سنسکرت و بھاشا کے وہ تمام الفاظ جو اردو کی لغتوں میں موجود ہیں۔ اس طرح ہندستانی زبان کا ذخیرہ معلوم ہو جائیگا۔ ابھی تو ہندی والے ہندستانی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں فارسی کا ایک لفظ بھی نہو۔ اسوقت یہ بیڑیاں کٹ جائیں گی۔ اور ہندستانی لکھنے کا ایک راستہ کھل جائیگا۔

بے زبان عوام نے ظالم جاپان کو سزا دیدی

جاپانی مال کا بائیکاٹ کامیاب ہو رہا ہے۔ جاپانی تجارت کے اعداد و شمار جو چھپتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی مال کی نکاسی دوسرے ملکوں میں آہستہ آہستہ گھٹتی جا رہی ہے۔

لوں کا محنت گھٹ گئی - جوٹ کے دام کچھ چڑھ گئے - اب ۱۹۳۸ء میں پیداوار کرنا اور زیادہ ہے۔

اس دام کے چڑھنے اترنے نے بیرونی ملکوں کی تجارت کا بھی اثر پڑا ہے۔ بنگال، بہار اور آسام میں جوٹ کی پیداوار اتنی ہوتی ہے جس کی کھپت ہندستان میں نہیں ہو سکتی۔ اس غرض سے ہندستان متحدہ امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور جاپان کو محتاج تھا۔ لیکن متحدہ امریکہ، اور انگلستان میں آٹھ دس سال سے کساد بازاری بڑھ رہی ہے۔ جیسا کہ وہاں کے بیکاری کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ ان ملکوں نے کساد بازاری اور بیکاری کا مقابلہ یوں کیا۔ کہ اپنے ملک میں تجارتی کارخانے کھلوائے۔ سڑکیں بنوائیں۔ اس طرح ملکی صنعت کو ترقی دی۔ اور ملکی مال کی کھپت کیلئے باہری مال کی درآمد پر بندشیں لگا دیں۔ آخری ترکیب نے دوسرے ملکوں کو نقصان پہنچایا۔ اور انھیں بندشوں نے جوٹ کی نکاسی پر اثر ڈالا۔

چاول کی پیداوار کا بھی یہی تجربہ ہے اور اینکھ کی پیداوار کا بھی یہی حال ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف پیداوار بڑھنے سے ملک کی غریبی دور نہیں ہو سکتی۔ غریبی دور کرنے کے لئے اپنے ملک کا سماجی نظام اور دنیا کا سماجی نظام بدلنا پڑے گا۔

جواہرلال ور گاندھی جی کا نقطۂ نگاہ اور مسٹر جناح کا نقطۂ نگاہ

گاندھی جی اور مسٹر جناح کی خط و کتابت بھی اخباروں میں آ گئی۔ یہ خط و کتابت بھی ایسی ہی نایاب چیز ہے جیسی کہ جواہرلال اور جناح کی خط و کتابت۔ انکے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے طریقہ کار میں کیا فرق ہے۔ انکے اسنے کیا ہیں اور جواہرلال گاندھی جی اور مسٹر جناح کے نقطۂ نگاہ کیسے الگ الگ ہیں۔

گاندھی جی نے بہت خلوص سے مسٹر جناح کو صلح کی دعوت دی ہے۔ کہ آؤ تم بھی آزادی پرست ہو تو ہم سے ملجاؤ تاکہ آپس کی لڑائیاں مٹا کر ہم دونوں اپنے خونخوار دشمن، سامراج کا مقابلہ کریں۔ گاندھی جی کے خطوں میں انسانی ہمدردی اور خلوص کی ایسی بو ہے جو دل پر فوراً کارگر ہو جاتی ہے۔ جواہرلال کا طریقہ انسے جداگانہ ہے۔ وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ کانگرس اور مسلم لیگ میں اختلاف کیا ہے۔ اور کن باتوں پر میل ہو سکتا ہے۔ وہ اتحاد کی دعوت اس بات پر دیتے ہیں کہ بین اقوامی حالات بہت پیچیدہ ہیں۔ عالمگیر جنگ منڈلا رہی ہے۔ اس صورت میں ہمکو ہوشیاری سے اپنے کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ مسٹر جناح کا طرز ہی الگ ہے۔ وہ نہ بین اقوامی سیاست سے مطلب رکھتے ہیں، نہ عوام کی غریبی سے، اور نہ ان باتوں سے کہ مسلم لیگ کا اختلاف کن باتوں میں ہے، انکا مطالبہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ مسلم لیگ کو تمام مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مان لو۔ یعنی انکو سارے ہندستانی مسلمانوں کی سرمایہ داری ید۔ کیوں؟ مسلمانوں کی اور جماعتیں بھی تو ہیں۔

مسلم لیگ کے پاس پروگرام کی جگہ ڈنڈا ہے

مسلم لیگ نے کانگرسی مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت پر اینٹوں اور پتھروں سے حملہ کر دیا جس سے مجمع میں بڑی کھلبلی مچ گئی۔ پندرہ آدمی زخمی ہوئے زخمیوں میں ہمارے صدر سبھاش چندر بوس اور مولوی اشرف الدین کانگرس کمیٹی کے سکریٹری بھی ہیں۔

یہ حادثہ مشرقی بنگال کے ضلع پٹنہ کی تحصیل برہمن بڑیہ میں ہوا۔ جہاں کی بہت گھنی آبادی ہے۔ اور کانگرسی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان لوگوں نے صدر کانگرس کی آمد پر شاندار جلوس نکالا۔ مسلم لیگیوں کو قوم پرست مسلمانوں کی یہ حرکت بہت کھلی۔ انھوں نے سیاہ جھنڈوں سے مجمع کو ناکامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ مگر بہت بڑے مجمع کے سامنے ایک آدھ جھنڈے کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ اس پر مسلم لیگیوں کا غصہ جنون سے بدل گیا۔ اور انھوں نے اینٹوں سے مجمع پر حملہ کر دیا۔

لیگیوں کی ایسی حرکتوں کی تعداد تو اتنی بڑھ گئی ہے کہ یہ خبر پڑھکر ذرا حیرت نہیں ہوئی۔ تشدد کے ساتھ ساتھ یہ لوگ کانگرس پر جھوٹے الزامات لگاتے ہیں جھوٹا پروپگنڈا کرتے ہیں۔ اور اس طرح غلط خبروں پر مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ اگر ذمہ دار لیگیوں کو انکی غلطی بتائی جاتی ہے تو پھر وہ واقعہ کو صاف ٹال جاتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ علانیہ اپنی غلطی کو مان لیں اور اپنی جماعت کو ہدایت کر دیں کہ اب ایسی حرکتیں نہ ہونے پائیں۔

ہندستان کے پچھلے نمبر میں مسٹر جناح اور جواہرلال نہرو کی خط و کتابت چھپ چکی ہے۔ اس میں جواہرلال نے مسلم لیگ کی [illegible] بنا پر لاالفاظ پروپگنڈے پر مسٹر جناح کو آگاہ کیا مگر مسٹر جناح نے اس [illegible] ٹالدیا۔ جب صدر کا یہ حال ہے تو اور کسی کے لئے کیا کہنا۔ لیگی جو عام طور پر کانگرس پر الزامات تراشتے ہیں اور کانگرسیوں پر حملے کرتے ہیں اسکی وجہ چھپی نہیں ہے۔ یہ نہ کریں تو اور کیا کریں۔ لیگ نے انکو کچھ کرنے کو بتایا ہی نہیں۔ لیگی علماء اور لیڈر مسلمانوں میں دورے کرتے ہیں۔ انکے دلوں میں ہندوؤں اور کانگرس کے خلاف نفرت بھر کر چلے آتے ہیں۔ انکو بالکل نہیں بتاتے کہ تم لوگ کیا کرو۔

بھولے لیگی یہ تو جانتے نہیں کہ وہ چند خود غرضوں اور سرمایہ داروں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ وہ فخر کرتے ہیں کہ ہمارے مقاصد بہت اونچے ہیں۔ ہم سرمایہ دشمن، آزادی پرست ہیں ہم کسانوں اور غریبوں کی غریبی دور کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن بیچارے نہیں جانتے کہ یہ مقاصد حاصل کیسے کریں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کانگرس کو کوسا کرتے ہیں۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ کانگرس دن بدن انھیں مقاصد کو حاصل کرتی جاتی ہے، تو رشک و حسد کے جل کر اینٹیں اور پتھر برسانے لگتے ہیں یہ تو انسانی فطرت ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ مسلم لیگ کوئی طریقہ کار بتائے۔ یہ ہو نہیں سکتا، کیونکہ اس صورت میں مزدوروں اور کسانوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے وہ جو قدم بھی اٹھائیگی وہ کانگرسی قسم کا ہوگا۔ یعنی الٹا ہوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے زمینداروں اور کارخانہ داروں کے خود ساختہ حقوق گھٹانا ہونگے۔ مزدوروں اور کسانوں کو مضبوط کرنا پڑے گا۔ یعنی لیگ کے کرتا دھرتا کو اپنا ہی نقصان کرنا پڑیگا۔ اور فرقہ بندی خود بخود ٹوٹ جائے گی۔

اسلامی چین جاپان کے مقابلہ پر

کم لوگ جانتے ہوں گے کہ چین میں ۰۰۰۰۰ ۵ مسلمان بستے ہیں۔ چین کی آبادی کا دسواں حصہ اسلامی ہے۔ یہ بھی کم لوگ جانتے ہونگے کہ اسوقت یہ سب مسلمان ایکا کرکے جاپان کا مقابلہ کررہے ہیں۔ یہ لوگ ابتدائے اسلام سے رفتہ رفتہ کرکے یہاں آتے رہے۔ اور بستے رہے پھر رفتہ رفتہ چین کے شمالی مغربی ملکوں میں پھیل گئے۔ اسوقت وہاں کے تین بڑے بڑے صوبوں کانسو، ننگ سیا اور چنگھائی میں یہ لوگ آباد ہیں۔ باہری دنیا سے ان لوگوں کے بہت کم تعلقات ہیں۔ بہادری اور جنگی روایات ان میں قریب قریب اسی طرح باقی ہیں جیسی صدیوں پہلے لیکر آئے تھے۔ یہ لوگ اچھے شہسوار ہیں اور ہتھیار چلانا خوب جانتے ہیں۔ اسکے علاوہ، فوجی قواعد سے بھی آشنا ہیں۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے مدبر ہیں اور اچھے سالار ہیں جنکو مرکزی حکومت نے ذمہ دار خدمتیں سونپی ہیں۔ مثلاً جنرل ماہنگ کرائی ننگ شیا میں کمانڈر ہے جنرل مالنگ چنگھائی میں گورنر ہے۔ جنرل چوخاد لیانگ۔ چیانگ کائی شیک کا بھروسے کا سپہ سالار ہے۔

اگر جاپان جسنے مشرقی سونیان پر قبضہ کرلیا ہے، ارادہ کرے کہ ذرا اور مغرب کی طرف بڑھ جائے تو اسے ایسے ہی منچلے جانبازوں سے سابقہ پڑیگا جیسے۔ برطانیہ کو سرحد پر پیش آتا ہے۔ جاپان اس خطرے کو خوب سمجھتا ہے اور اسی لئے اس نے ان لوگوں کو ملانے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اسکی ایک نہیں چلی۔

ایک زمانے میں خبر اڑی تھی کہ جاپان کا شہنشاہ مسلمان ہوگیا، ہندستانی اخبارات اسپر بیحد خوش ہوئے، کہ ایک بہت بڑی طاقت انکی برادری میں داخل ہوگئی۔ اسکے بعد سننے میں آیا کہ وہ مسلمان نہیں ہوا ہے۔ صرف اسلام پناہ بن گیا ہے۔ یہ خبریں ان میں سے، جو چینی مسلمانوں کو جاپان دوست بنانے کے لئے پھیلائی جاتی ہیں چار ہیں جو سنسنی خیز ہونے کی وجہ سے جھلک کر ہندستان آپہنچیں۔ ورنہ جاپان نے ان مسلمانوں کو آپس میں لڑا دینے اور انکو مرکزی حکومت سے لڑا دینے کیلئے ایک باقاعدہ پروپگنڈا ڈپارٹمنٹ کھول رکھا تھا۔ اسکی طرف سے اسکول اور کالج تھے، اخبارات نکلتے تھے۔ اور مقامی اخباروں کو امداد دی جاتی تھی۔

پروپگنڈے کے علاوہ جانبازیوں کا بھی ایک محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ اس محکمہ کو جاپانیوں کا کام مشنریوں سے اچھا اور کوئی کرسکتا تھا۔ اسی لئے انھیں کے سپرد کیا گیا تھا۔ حال ہی میں کچھ مشہور چینی مسلمانوں نے ایک مینی فسٹو چھاپا ہے جس میں ان جانبازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ان سے خبردار رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اس مینی فسٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ سے جاپان اسپر تل گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح چین کا اتحاد توڑا جائے اور اس مقصد کے لئے اس نے کوئی چال اٹھا نہیں رکھی۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ قبیلہ یا فرقوں کے نام پر مسلمانوں کو لڑا دیا جائے جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو کچھ جاپانی مرگے مسلمانوں کی آبادی میں بھیجے گئے۔ اور انھوں نے یہ سمجھانا شروع کیا کہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ جاپانی شہنشاہ کی سرپرستی میں چین میں ایک اسلامی حکومت قائم کرلیں۔ یہ وہی لالچ ہے جس میں انجورِیا کے رہنے والے آگئے۔ اور آکر اپنی آزادی کھو بیٹھے۔ انکی غلامی چینی مسلمانوں کے لئے ایسی عبرت بنی کہ وہ جاپانی چالوں کو خوب سمجھ گئے۔

اس سے تھک کر جاپان نے ایک اور کی سوچی۔ بہت سے جاپانی کرنل لارنس کی طرح جوشیلے مسلمان بنکر مشرق قریب کے ملکوں میں جاکر مسلمانوں میں یہ پروپگنڈا کرنے لگے کہ چینی مسلمان سب کے سب مرکزی حکومت سے بغاوت پر آمادہ ہیں تاکہ اپنی آزاد حکومت قائم کریں۔ اس پروپگنڈے سے انکا مطلب یہ تھا کہ چینی مسلمانوں میں جو ایک فیصدی جاپان دوست ہیں انکو بیرونی ہمدردی دلاکر مضبوط کیا جائے۔

اس کا نتیجہ جاپان کے حق میں بُرا ہوا۔ وہ یہ کہ اپنے اتحاد کو دنیا میں بگڑا چینی مسلمان جابجا اٹھ کھڑے ہوئے اور ایسی تیزی سے اٹھے کہ جسکی مثال صدیوں سے ان لوگوں میں نہیں ملتی، انھوں نے اپنا ایک وفد مشرق قریب کے اسلامی ملکوں میں بھیجا کہ وہاں جاکر جاپان کے اس زہریلے پروپگنڈے کو دور کیا جائے، اور ایک گروہ اس کام کے لئے تیار کیا کہ وہ چینی مسلمانوں کی تنظیم کرے۔ انکو سیاسی تعلیم دے اور انکی فوجیں تیار کرکے جاپان کے مقابلہ میں لائے۔

پچھلے دنوں ہوئے چین کے تمام اسلامی حصوں کے نمائندے ہانکاؤ کی بڑی مسجد میں آکر جمع ہوئے۔ اور انھوں نے اسلامی دشمن شکن انجمن۔ اور قومی امدادی پروپگنڈا جتھہ تیار کیا۔ اس جتھے کے بارہ مسلمان لیڈروں میں تین ایسے ہیں جو مصر سے مذہبی تعلیم کی تکمیل کرکے آرہے ہیں۔

صدر جلسہ نے ظاہر کیا کہ مسلمان برابر چینی فوج میں، اور امدادی جتھوں میں جوق در جوق شریک ہورہے ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو آمادہ کریں کہ بڑی سے بڑی تعداد میں، قومی، لڑائی میں آکر شریک ہوں۔

ایک مقرر نے بتایا کہ نمائشی "اسلام پناہ" جاپان کیسا مسلمان دشمن ہے۔ اسنے اس لڑائی میں نہ جانے کتنی مسجدیں بے دردی سے شہید کرڈالیں۔

ایک اور مقرر نے کہا کہ مسلمان ابھی تک اس لئے خاموش رہے کہ ان میں سیاسی تعلیم بالکل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سیاسی تعلیم ضروری ہے اگر ہم اس تعلیم پر توجہ نہیں دینگے تو مضبوط قومیں ہماری آزادی بھی چھین لیں گی اور مذہب بھی۔ اس لئے اس انجمن کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کو سیاسی تعلیم دے۔ اس جلسہ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اسوقت ہمکو تیزی سے عملی کارروائی کرنا ہے۔ اور ہماری عملی کارروائی صرف یہ ہوسکتی ہے کہ جتنے تندرست جوان مسلمان ملیں سب کو فوج میں بھرتی کرائیں۔

اس وقت ڈیڑھ ہزار مسلمان نوجوانوں کی جو جسم اور علم میں یکتا ہیں ایک فوج تیار کی گئی ہے، اور اسکو قواعد سکھائی جارہی ہے۔ یہ نوجوان چین کے تمام اسلامی خطوں سے سمٹ کر جمع ہوئے۔ انکو دیکھکر مسلمانوں کی اور فوجیں تیار ہورہی ہیں۔

ناکافی غذا سے بیماریاں

رام منوہر لوہیا

کسی قوم کی سالانہ اموات کے اعداد و شمار سے اسکے افراد کی عام تندرستی کا بہت کچھ ٹھیک ٹھیک اور صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حکومت ہند کے صحت عامہ کے کمشنر کی رپورٹ مجریہ ۱۹۳۸ء میں برطانوی ہند کی آبادی تقریباً ۲۸ کروڑ ۸۰ لاکھ ہے اور اموات کا تخمینہ ۶ کروڑ ۳۰ لاکھ کیا گیا ہے۔ اس حساب سے موت کی شرح ۲۳ء۹ فی ہزار نکلتی ہے۔ فیڈرل ملایا اسٹیٹس اور سیلون کی برطانوی نوآبادیات یا انہیں نوآبادیات اور مصر و جنوبی امریکہ کی چلی کی جمہوریت کو نکال کر دنیا کے ہر ملک میں شرح موت ہندستان سے کہیں کم ہے۔ برطانیہ میں شرح موت فی ہزار ۱۱ء۵ ہے۔ متحدہ امریکہ میں ۱۰ء۶۔ جاپان میں ۱۷ء۸۔ ہالینڈ میں ۸ء۷۔ آسٹریلیا میں ۹ء۵ ہے۔ گویا جب ہندستان میں ۳ آدمی مرتے ہیں تو ہالینڈ میں ایک مرتا ہے۔ انگلستان میں ایک کے مقابلہ میں ہندستان کے دو آدمی ختم ہو جاتے ہیں یا اگر اسکو اور پھیلا کر کہا جائے تو انگلستان میں صحت عامہ ہندستان کے مقابلہ میں دوگنی بہتر ہے۔

ایک اوسط ہندستانی کی زندگی معمولاً ۲۳ یا ۲۴ سال سے زیادہ نہیں ہوتی برخلاف اسکے نیوزیلینڈ یا ہالینڈ کا رہنے والا آسانی اس سے ۴۰ سال زیادہ تک جی سکتا ہے۔ اس بے وقت کی موت سے جس زبردست مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، اور اتنے کام کرنے والے نوجوان ضائع ہو جاتے ہیں اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔

بچوں کی شرح موت - ہندستان میں ۴۳ فیصدی موتیں ۵ سال سے کم ہی کی عمروں میں ہو جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انمیں سے زیادہ تر موتیں کمزوری اور نقص کی ایسی بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہیں جنکا بچاؤ ممکن ہے۔ ایک سال کی عمر کے ایک ہزار بچوں میں سے ہندستان میں ۱۶۷ مر جاتے ہیں اسکے برخلاف انگلستان میں ایک ہزار میں ۶۰، متحدہ امریکہ میں ۵۶، نیوزیلینڈ میں ۳۲ - اور جاپان میں ۱۰۶ بچے مرتے ہیں۔ اس طرح ہندستان میں نیوزیلینڈ کے ۵ گنے اور انگلستان کے ڈھائی گنے بچے مرتے ہیں۔ ان اعداد کو دیکھنے کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہندستانیوں کی ماؤں اور خاندانوں کو کتنا زبردست صدمہ اٹھانا پڑتا ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندستان میں بچوں کی پیدائش کی شرح بہت زیادہ ہے۔ ایک ہزار بچوں میں ۳۴ء۹ ہندستان میں پیدا ہوتے ہیں اسکے مقابلہ میں برطانیہ میں ۱۵ء۲، نیوزیلینڈ میں ۱۶ء۵، متحدہ امریکہ میں ۱۶ء۹، ہالینڈ میں ۲۰ء۲ اور جاپان میں ۳۱ء۲ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ہندستان میں پیدائش کی شرح قریب قریب جاپان کے برابر ہے لیکن برطانیہ کی دوگنی اور ہالینڈ کے مقابلہ میں ۷۰ فیصدی زیادہ ہے۔

بلا شبہ ہندستان کی بڑھی ہوئی پیدائش سے بھی وہی خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں جو یہاں کی شرح اموات میں نظر آتی ہیں اور اس حد تک صحت عامہ کی بہتری کا انحصار شرح پیدائش کے کم ہو جانے پر ہے لیکن یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ اتنی زیادہ اور بے وقت موتوں کی وجہ صرف شرح پیدائش ہے یہ تو اس کی ایک ضمنی وجہ ہے۔ ہندستان میں شرح پیدائش ہالینڈ سے ۷۰ فیصدی زیادہ ہے۔ اتنی زیادہ جیتی اور جانی نقصان - - - - - - - - - - - - - - جو ہندستان کی شرح اموات - - - سے کچھ

نظر آرہا ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ عوام کی غریبی اور طبی امداد کا ناکافی ہونا ہے۔

طاعون، ہیضہ اور چیچک کی وبا سے ہر سال ۵۰ ہزار سے زیادہ تک جانیں ضائع ہوتی ہیں اگرچہ امراض ایسے ہیں کہ ان سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

پبلک ہیلتھ کمشنر کی رپورٹ ہے کہ ۴۴ فیصدی موتیں ملیریا یا بخار سے ہوتی ہیں۔ اتنی جانیں ضائع ہونے کے علاوہ ہر سال لوگ آبادی پر ملیریا کے بڑے اثرات پھیل جاتے ہیں حساب لگایا گیا ہے کہ ہندستان کی کل آبادی میں سے ہر تین شخصوں میں سے ایک ملیریا بخار میں سال میں کم سے کم ایک مرتبہ ضرور مبتلا ہوتا ہے۔ ان اعداد کے ذریعہ سے ہم اس چیز کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں کام کرنے کے گھنٹوں میں کتنی کمی ہو جاتی ہوگی اور لوگوں کی جسمانی حالت کتنی کمزور ہو جاتی ہوگی۔ پبلک ہیلتھ کمشنر نے حساب لگایا ہے کہ ملیریا کے بچاؤ اور علاج کے لئے ۲ لاکھ پونڈ کونین استعمال کیجاتی ہے مگر پھر بھی ملک کی ضروریات کے لحاظ سے ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ کی کمی رہ جاتی ہے۔ اس طرح ہماری فوری ضرورت یہ ہے کہ کونین کی موجودہ مقدار ۵۰۰ فیصدی بڑھادی جائے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کارگر اور مستقل نتائج اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب دلدل زمینیں صاف کیجائیں۔ گندے پانی کی نکاسی کا مناسب بندوبست ہو۔ اور مقدار و قسم دونوں لحاظ سے اچھی غذا کا انتظام کیا جائے۔

ایک کروڑ اندھے - مکمل اندھوں اور رات میں اندھے ہو جانیوالوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ حساب لگانے سے معلوم ہوا ہے کہ ان امراض میں تقریباً ایک کروڑ آدمی مبتلا ہیں یوں ہندستان کی تمام آبادی کا ۴ فی صدی حصہ مستقلاً یا عارضی طور پر بینائی سے محروم ہے۔ زیادہ تر تو بینائی آنکھوں کو سورج کی تپش اور دیہاتوں کی گرد سے نہ بچانے کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ دھوپ کی عینک سے اس کا کافی بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اگر ملک کی آبادی کو نابینائی کی اس لعنت سے بچانا ہے تو آدھے سے زیادہ آدمیوں کو مفت عینک دینا ہوگی

شفاخانوں کی کمی - عوام کے علاج کیلئے کل دواخانوں اور ہسپتالوں کی تعداد ۶۰۰۰ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ۱۸۵۰۰ آدمیوں پر ایک ہسپتال یا شفاخانہ رکھا گیا ہے۔ اس حالت کا اگر جرمنی میں ہٹلر سے پہلے کے دور کے بیماری بیمہ فنڈ سے مقابلہ کیا جائے تو صرف بھی دونوں کا فرق بہت نمایاں نظر آئیگا۔ جرمنی میں ہٹلر کے برسر اقتدار ہونے سے قبل وہاں ۶۰۰ آدمیوں پر ایک سرکاری ڈاکٹر ہوتا تھا جو مریضوں کو مفت دیکھتا تھا اور ان کو دیکھنے گھروں میں جاتا تھا۔ اسکے علاوہ اس چیز کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندستان کے نیم تربیت یافتہ میں انتظامی حالت انتہائی خراب ہے ڈاکٹر طبیب اپنے پیشہ کے زیادہ تر اہل نہیں ہوتے اور کم از کم بھی جاہل اور سخت مزاج ہوتے ہیں دیہاتوں میں اس قسم کی کہانیاں مشہور ہیں کہ مریض کے کھلے ہوئے منہ میں میز کے اوپر ہی سے دوا انڈیل دیجاتی ہے۔

خرچ صحت اور دیگر طبی معاملات پر ہندستان کی مرکزی و صوبجاتی حکومتیں ۵ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہیں۔ لیکن انگلستان میں یہ خرچ ۱۴ کروڑ ۳۰ لاکھ روپیہ ہوتا ہے گویا ہر ہندستانی کی صحت و تندرستی کے سلسلہ میں سالانہ ۳ آنہ خرچ کیا جاتا ہے حالانکہ انگریزی حکومت ہر انگریز کی صحت پر ۶ روپیہ صرف کرتی ہے۔ یہ ایک اور ۳۲ کا تناسب ہوتا ہے۔ اور اگر ہم اس میں بیمہ کی رقم کو بھی شامل کرلیں جو انگلستان میں بیکاروں کو دی جاتی ہے — کیونکہ یہ بھی صحت عامہ

ہماری مدمیں آتا ہے ——— تو صحت و تندرستی پر ہمارے اور ان کے خرچ کا تناسب
اور ۳۰۰ کا ہو جائے گا۔

۵ من سالانہ غذا۔ ہندستان کی اس ہیبت ناک بیماری کی خاص وجہ غذا کی کمی ہے۔
غذا کے متعلق تحقیق سے یہ تو ممکن ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء کی مقدار میں کوئی نیا تناسب
قائم کر دیا جائے مگر غذا کی کمی کے اتنے بڑے مسئلے کو اس طرح نہیں حل کیا جا سکتا ہے۔
ہماری کل آبادی کے لئے صرف ۵ کروڑ ٹن اناج ملتا ہے گویا ہندستان کے ہر شخص کو
روزانہ آدھ سیر سے بھی کم اناج میسر آتا ہے دودھ اور دیگر پینے والی چیزیں
کو بھی اگر اس میں شامل کر لیا جائے تو اوسطاً ہر ہندستانی سال بھر میں ۵ من غذا کھاتا ہے مگر
دوسری طرف ہر انگریز سال بھر میں کھانے پینے کی چیزیں ملا کر ۳۰ من غذا استعمال کرتا ہے گویا ایک
انگریز کی غذا ایک ہندستانی کی غذا سے ۶ گنی بہتر ہوتی ہے۔ غذا کی اس کمی کو دور کرنے
کا طریقہ صرف یہ ہے کہ غذائی پودوں کی کاشت کے رقبے اور پیداوار کو بڑھایا جائے۔
ہمارے یہاں مختلف غذائی پودوں کی پیداوار ریاستہائے متحدہ امریکہ، جرمنی اور
جاپان کے مقابلہ میں آدھی ہے۔ اچھے بیجوں اور سائنٹفک انتظامات سے انکو دوگنا کیا
جا سکتا ہے۔ بنجر زمینوں کو چھوڑ کر ان زمینوں کا رقبہ جنہیں زیر کاشت نہیں لایا گیا ہے تقریباً ایک کروڑ
۵۰ لاکھ ایکڑ ہے اور اگر ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ایکڑ موجودہ زیر کاشت زمین کو مد نظر رکھا جائے
تو اس میں ۶۰ فیصدی کے اضافہ کا امکان ہے۔ بہرحال زرعی رقبہ اور پیداوار میں
اضافہ کا مسئلہ کوئی (فنی) ٹکنیکل مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر ایک اقتصادی مسئلہ
ہے۔ فنی اصلاحات کو جاری کرنے کے لئے زبردست سرمایہ کی ضرورت ہے اور اس سے
بھی زیادہ ضرورت ہے ایک ایسے نظام کی جسمیں عوام کو زیادہ سے زیادہ غذا پہنچ سکے

دودھ کا استعمال۔ اب ہمکو ہندستانیوں میں دودھ کے استعمال پر غور کرنا ہے
جسپر کچھ عرصے سے بڑی توجہ دی جا رہی ہے۔ ایک سرکاری ماہر کی رپورٹ ہمکو یہ بتلاتی ہے
کہ ہمارے ملک میں دودھ کی پیداوار ۸ کروڑ من ہے گویا ہر آدمی کے حصہ میں روزانہ
۴/۱ سے ۳ چھٹانک تک دودھ پڑتا ہے۔ برطانیہ میں دودھ کی سالانہ پیداوار ہندستان کی نصف
ہے اور دونوں ملکوں کی آبادیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک انگریز ایک ہندستانی کے مقابلہ
میں دوگنا دودھ پاتا ہے۔ ان اعداد پر دو اثرات کام کر رہے ہیں۔ اول تو یہ کہ ہندستان کی دودھ پیداوار کا
اندازہ بالکل صحیح طریقے سے نہیں کیا گیا ہے اور اس چیز کا امکان ہے کہ اس میں زبردست
غلطی ہوئی ہو دوسرے یہ کہ انگلستان میں دودھ کا استعمال وہاں کی اندرونی
پیداوار سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ہالینڈ اور دیگر ممالک سے بھی ڈیری کی پیداواروں کی
ایک بہت بڑی تعداد انکے یہاں آتی ہے۔ اسکے علاوہ ایک یورپین کی عام غذا کیا
بلحاظ مقدار اور کیا بلحاظ قسم بہت اعلیٰ ہوتی ہے اور اسلئے ہندستان میں دودھ
کی ضرورت نسبتاً اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ سے اسکا تقابل
اور زیادہ مناسب ہوگا۔ صرف اندرونی پیداوار کو ہی اگر مد نظر رکھا جائے تو ایک امریکن

طلبا کے لئے دودھ۔ ایک ہندستانی کے مقابلہ میں چار گنا دودھ استعمال کرتا ہے
عوام کے دودھ کے استعمال میں کوئی اصلاح اسی صورت میں
ہو سکتی ہے جبکہ ہمارے سماجی نظام میں ایسی تبدیلیاں کر دی جائیں کہ دودھ کی پیداوار
میں ہر قسم کی فنی اصلاحیں کی جا سکیں۔ پھر بھی موجودہ حالت میں بھی ایک بنیادی
اور نہایت اہم ترقی کی جا سکتی ہے۔ تمام برطانوی ہند میں ابتدائی اور ثانوی مدارس
میں طلبا کی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ہمارے ملک کے سرکاری
اس قسم کا کوئی قانون بنا دیا جائے کہ ہر طالب علم کو روزانہ پاؤ بھر دودھ ملے تو ہر حیثیت
حساب سے کل خرچ ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ ہوگا۔ پہلے پہل تو یہ اعداد بہت خوفناک معلوم ہوتے
ہیں۔ مگر جب ہم اس چیز پر ہر پہلو سے غور کریں گے تو پھر یہ خطرہ نہیں رہیگا کیونکہ صوبجات
متحدہ میں اسکول جانے والے بچوں کی تعداد ۱۵ لاکھ بمبئی میں ۱۳ لاکھ شمالی مغربی
صوبہ میں ۱۰ لاکھ اسی طرح سے دیگر صوبوں میں ہے۔ اور گو یہ صحیح ہے کہ یہ اعداد [illegible]
کے ہیں اور اسوقت سے انہیں تھوڑا بہت اضافہ بھی ہوا ہے اور ابھی اور اضافے
ہوں گے مگر پھر بھی حساب کی خاطر ہم ان اعداد کو صحیح مانے لیتے ہیں۔ اب الگ الگ
دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یو۔پی میں ایک کروڑ ۰ لاکھ بمبئی میں ایک کروڑ ۴۰ لاکھ
اور صوبہ سرحد میں ۱۱ لاکھ روپے سالانہ خرچ ہونگے۔ یہ سالانہ خرچ اتنے زیادہ
نہیں معلوم ہوتے کہ اسکیم کو شروع ہی سے ختم کر دیں۔ پھر یہ کہ اگر ہم دودھ کے قانون کو
پھیلا کر ۲۰۰ میونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور لوکل بورڈوں پر چھوڑ دیں تاکہ وہ
اپنے لئے خود ہی روپے کا انتظام کریں اور حکومت صرف انکی امداد کرے، تو اس سے
اور زیادہ کفایت ہو جائے گی۔ اسکے علاوہ اس خرچ کا ایک حصہ ان والدین سے
بھی بطور چندہ وصول کیا جا سکتا ہے جو بہ اطمینان سے کھاتے پیتے ہیں۔ یہ چیز قابل
ذکر ہے کہ دہلی کے ایک تجربہ نے ثابت کر دیا کہ لڑکوں کی دو جماعتوں میں سے جس جماعت
نے تین مہینے تک دودھ پیا اسکے وزن میں ڈیڑھ سیر کا اضافہ ہو گیا۔

گویا اب ہمکو یہ معلوم ہو گیا کہ دودھ اور اناج کی زیادتی پیداوار، آبپاشی
اور صفائی، دلالوں کا ختم کر دیا جانا، مناسب طبی امداد کا انتظام اور دیگر چیزوں کا بندوبست
مثلاً عینک وغیرہ ہر جگہ عوام کی تندرستی اور صحت میں کسی بنیادی تبدیلی کا دارومدار
ہے۔ مگر قومی تعمیر کی یہ بڑی اسکیمیں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب برطانوی سامراج
ہمارے راستہ میں روڑے اٹکانے کے لئے موجود نہ ہو۔ اسلئے جب تک ہندستان کے
لوگ اس قابل نہ ہو جائیں کہ اپنی نمائندہ اسمبلی بنائیں اور آزاد ہندستان کا دستور اساسی
مرتب کریں اسوقت تک یہ اسکیمیں یوں ہی رہینگی۔ اس دوران میں بقول پبلک ہیلتھ کمشنر
کے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے وقت ہماری آبادی ۴۸ کروڑ ہو جائے گی۔ گویا روٹی کے
طلبگاروں میں کثیر اضافہ ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یا تو یہ ہوگا کہ زمین کی پیداوار میں انقلاب
کیا جائیگا یا پھر یا پھر حکومت کو ختم کرنے کی اور زیادہ زبردست کوشش ہوگی۔

ہندستان کا کسان

ذیل کا مضمون۔ ایف۔ ایم، دی۔ بیلو کے ایک مضمون سے اخذ کیا گیا ہے جو امریکہ کے رسالہ کرنٹ ہسٹری بابت جون ۳۸ء میں شائع ہوا ہے

سرکار کی طرف سے جو کتابیں ہندستان کے اسکولوں کے نصاب میں داخل کی جاتی ہیں ان میں برطانوی عہد حکومت کی برکات کا دل کھول کر تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ برطانوی عہد کے امن و امان کو خوب سراہا جاتا ہے یہ صحیح ہے کہ آج کل کی جنگوں کی قتل و غارت گری سے ہندستان کو نجات مل گئی ہے لیکن بھوک سے بلک بلک کر جان توڑنے کی لعنت و مصیبت اب بھی باقی ہے

ہندستان کسانوں کا ملک ہے، اس لئے ہندستان کی مرفہ الحالی کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ یہاں کا کسان مرفہ الحال ہو۔ لیکن جب تحقیقات کی جاتی ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسان کی معاشی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے خصوصاً جب سے زرعی اشیاء کی قیمتیں گرنا شروع ہوئی ہیں، اسوقت سے تو کسان کی حالت ابتر ہو گئی ہے زمینداروں اور ساہوکاروں کے خلاف جذبہ بڑھتا جا رہا ہے جسے قوم پرست جماعتیں حکومت کی مخالفت میں استعمال کر رہی ہے

معاشیات کے ایک ماہر نے بیان کیا ہے کہ گذشتہ سو سال سے دنیا کی غذا جس قیمت پر فراہم کی جا رہی ہے وہ لاگت سے (اگر لاگت میں اس کے تمام ضروری عناصر کو شامل کیا جائے) کم ہے۔ مغربی ملکوں کی سرمایہ دارانہ زراعت پر ممکن ہے یہ قول صادق آئے یا نہ آئے لیکن ہندستان کی زراعت کے بارے میں اس کی صداقت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہندستان کے کسان کو زراعت کے کاروبار میں خسارہ ہی خسارہ ہے، برسات مشتبہ اور غیر یقینی ہوتی ہے، مویشی کثرت کے ساتھ مرتے رہتے ہیں اور قیمتوں میں تلون کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت میں نفع کی صورتیں کم اور نقصان کی بہت زیادہ ہیں، ہندستان کے لوگ نقصان کے باوجود اس پیشے سے محض اس لئے لگے ہوئے ہیں کہ زندگی بسر کرنیکا اسکے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے

پیداوار کی کمی غذا کی فصلوں کو پیدا کرنے سے جو خالص بچت کسان کو معمولی سالوں میں ہوا کرتی تھی وہ عموماً بہت کم ہوتی تھی لیکن جب سے قیمتیں گر کر اپنی موجودہ حالت کو پہنچی ہیں، اسوقت سے تو بچت کی جگہ کسان کو صاف اور کھلا ہوا نقصان ہو رہا ہے، کسان کی جوت میں جو آج رقبہ ہے اس پر صدیوں سے کاشت کا سلسلہ جاری ہے اس لئے زمین کی قدرتی زرخیزی سے جتنا انتہائی کام لیا جا سکتا تھا۔ وہ لیا جا چکا ہے اب اس کی زرخیزی میں اضافہ کھاد کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے لیکن کسان زمین میں کھاد یا تو اس لئے نہیں ڈالتا کہ زمین اس کی اپنی نہیں ہے یا اس لئے کہ گوبر جو سب سے سستا کھاد ہے، اس کا فائدہ ایندھن کی طرح استعمال کرنے میں زیادہ ہے، ہندستان کی برسات کا تلون مشہور ہے اگر ایک سال خشک سالی ہوتی ہے تو دوسرے سال سیلاب آ جاتے ہیں۔ آبپاشی کے انتظام سے جزئی طور پر اس کی کچھ تلافی ہوتی ہے حکومت نے تقریباً ایک ارب پچاس کروڑ روپیہ، تین کروڑ ایکڑ غیر مزروعہ رقبے کو کاشت میں لانے کے لئے صرف کیا ہے۔

لیکن آبپاشی شدہ رقبہ کا تناسب اب بھی بہت کم ہے پھر ایک طرف تو پانی کی رسد ناقابل اعتماد ہے، دوسری طرف اولے، پالے، جنگلی جانوروں، ٹڈیوں، چوہوں اور دوسرے موذی جانوروں سے پیداوار کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ کاشت کے طریقے بڑے دقیانوسی ہیں، جو اوزار استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً لکڑی، کا ہل اور جنسیا وہ بہت ہی ابتدائی اور قدیم ہیں، غلے کی کھائی یا ہاتھ سے کی جاتی ہے، یا لکڑی سے پیٹ کر یا بیلوں کے کھروں کے نیچے روند کر جدید آلات کے خریدنے کے لئے کسان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ مویشیوں کی نسل کشی بلا امتیاز کی جاتی ہے۔ بیمار مویشیوں کو الگ نہیں رکھا جاتا جس سے ان میں امراض اور وبائیں پھیلتی ہیں پھر ایک فصل کاٹنے کے بعد کھیتوں کو عرصے تک پرتی یا خالی چھوڑ دیا جاتا ہے بے کار مویشیوں کو مذہبیات کے خوف سے مارا نہیں جاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ میں تو مویشی کا وزن اوسطاً چودہ سو پونڈ ہوتا ہے لیکن ہندستان میں چار سو سے سات سو پچاس پونڈ تک ہوتا ہے

اوپر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسان کی مشکلوں کا سبب (اگرچہ ان میں سے بعض اس نے اپنے لئے خود پیدا کی ہیں) پیداوار کی کمی ہے، ہندستان میں فی ایکڑ صرف ۱۳ بشل گیہوں پیدا ہوتا ہے حالانکہ انگلستان میں گیہوں کی پیداوار ۳۲ بشل اور ڈنمارک میں ۳۹ بشل فی ایکڑ ہے ہندستان میں فی ایکڑ ۹۰۰ پونڈ چاول پیدا ہوتا ہے، لیکن امریکہ میں ایک ہزار نوے اور جاپان میں دو ہزار ستر پونڈ۔ ہندستان میں فی ایکڑ ۹۰ پونڈ روئی پیدا ہوتی ہے، لیکن امریکہ ۱۴۱ پونڈ اور مصر میں ۲۰۲ پونڈ، ہندستان کے ایک ماہر معاشیات تخمینہ کیا ہے کہ برطانوی ہندستان میں پیداوار کا اوسط فی ایکڑ جس میں آبپاشی شدہ فصلیں بھی شامل ہیں جاپان کے مقابلہ میں صرف ۱/۴ ہے

پیداوار کی اس کمی کے باوجود کھانے والوں کی تعداد ۳۵ کروڑ ہے، اور ان میں سے ۹۰ فیصدی کو زراعت کے پیشے سے ہی اپنا گذارا تلاش کرنا پڑتا ہے جس رقبے پر غذا کی فصلوں کی کاشت کی جاتی ہے، اسکا تناسب جب برطانوی ہندستان کی آبادی پر پھیلایا جاتا ہے تو اسکا حصہ رسدی کس ۷/۸ ایکڑ پڑتا ہے پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ۱۹۴۱ء تک آبادی کی تعداد میں ۴ کروڑ تک اضافہ ہو جانے کی امید ہے! اس لئے صورت حال بہت نازک ہوتی جا رہی ہے! چند سال گذرے ایک ماہر زراعت نے دکن میں ایک نمائندہ گاؤں کی حالت کا مطالعہ کر کے دریافت کیا تھا کہ زمین کے مالکوں میں صرف ۸ خاندان ایسے تھے جنہیں اپنی زمین سے کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی ۲۰ ایسے تھے جو زراعت کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اپنی آمدنی میں اضافہ کر کے محض گذارے کے لائق کما رہے تھے۔ اور ۷۶ خاندان ایسے تھے جو سخت افلاس میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان مہاراجوں اور لکھ پتیوں کے باوجود جو دنیا کی اسٹیج پر موروں کی طرح دم پھیلا کر ناچتے اور اپنے پروں کی چمک دمک دکھاتے ہیں، ہندستان غریبوں کا ملک ہے۔

لوگوں کی غذا سے ان کی معاشی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ کرنل میک کریسن ہندوستان میں غذا کی تحقیقات کا کام کرتے ہیں انھوں نے جب ملک کی آبادی کے مختلف طبقوں گروہوں مثلاً سکھوں، مرہٹوں، پٹھانوں، گورکھوں، بنگالیوں، اور مدراسیوں کی غذا کے بارے میں تحقیقات کی تو اس سے بعض عجیب حقائق ظاہر ہوئے۔ جب مختلف گروہوں کی غذاؤں پر تجربہ چوہوں کو کھلا کر کیا گیا تو اس آزمائش سے سکھوں اور بنگالیوں کی غذا کا فرق نمایاں طور پر ظاہر ہو گیا۔ جن چوہوں نے سکھوں کی غذا کھائی، تو تندرست چاق و چوبند اور اس لمبے ہو گئے۔ لیکن جنھوں نے بنگالیوں کی غذا کھائی ان کی تندرستی خراب اور ان کا مزاج سخت چڑچڑا ہو گیا۔ اس لئے بنگال میں جو سیاسی شورش ہے وہ سب ناکافی غذا کی وجہ سے ہے لارڈ لنلتھگو موجودہ وائسرائے نے ملک میں غذا کے مسائل سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔ انہیں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صرف ۳۹ فیصدی آبادی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے کافی غذا ملتی ہے۔

انسانی انسانی عنصر ظاہر ہے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اسی کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسان جن حالات میں کام کرتا ہے وہ سخت بہت شکن اور حوصلہ فرسا ہیں۔ اسے نہ صرف پیداوار کی کمی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، بلکہ زمیندار، ساہوکار اور سرکاری ملازم سب اس کی جان کے لاگو بنے رہتے ہیں زمیندار ایسا لٹیرا ہے کہ فصل چاہے اچھی ہو یا خراب وہ اپنا لگان ضرور وصول کرتا ہے۔ ساہوکار اتنا لالچی ہے کہ جب وہ ضرورت رکھتا ہے کہ کسان کو عمر بھر کے لئے اپنا مقروض بنا سکے تو اسے اپنے ہی کھاتوں میں جعل سازی کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور سرکاری ملازموں کی بیری ہے جو محاصل وصول کرنے کے سلسلے میں کسان کی سب چیزیں قرق کر لیتے ہیں اور خانہ برباد کر کے اسے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے مجبور کرتے ہیں یہ دیہاتی زندگی کے ایسے واقعات ہیں جن سے ہر شخص واقف ہے۔ کسان جاہل، ناواقف، اور ناعاقبت اندیش ہوتا ہے، اس کی زندگی پوری طرح اپنے ان دوست نما دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، ایسے سرکاری چپراسیوں، منشیوں اور محرروں کو جن کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں۔ رشوت دینا پڑتی ہے ان چھوٹے چھوٹے ملازموں پر جو بڑے افسر ہوتے ہیں جن کو اس لوٹ مار سے حصہ ملتا ہے۔ اور اس طرح غریب کسان کو جس کا شکار کرنا بہت آسان ہے پوری طرح نوچ کھسوٹ لیا جاتا ہے۔ ساہوکار کا سود معمولی شرح سود ۲۵ فیصدی سے ۵۰ فیصدی تک ہوتی ہے اس کے علاوہ کسان اپنی فصل کو ساہوکار کے ہاتھ سستے داموں فروخت کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے مزید نقصان پہنچتا ہے کسان جب زمین کی حیثیت بڑھاتے ہیں یا اس کی ترقی دیتے ہیں۔ یا جب ان کی آبادی میں اضافہ ہوتا ہے، تو ان تمام سب باتوں کا نفع زمیندار کو ملتا ہے کیونکہ اسے لگان بڑھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ ساہوکاروں کا ظلم اتنا بڑھا ہوا ہے کہ خود کاشت کرنے والے زمینداروں کے ہاتھوں سے زمینیں تیزی کے ساتھ نکلی جا رہی ہیں، دس سال کے اندر اندر صرف پنجاب میں محض لگان وصول کرنے والے زمینداروں کی تعداد (جو اپنی زمین کی کاشت خود نہیں کرتے بلکہ لگان پر اٹھاتے ہیں) ۱۶ لاکھ ۲۶ ہزار سے ۱۰ لاکھ ۰ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ زمین کے معاملہ کی اصلاح اور ساہوکاری کا ایک فوری مطالبہ ہے لیکن حکومت کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کچھ سال گذرے سود کے خلاف ایک قانون بنایا گیا تھا لیکن اس پر عمل درآمد کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ مالدار لوگوں کو اقتدار حاصل ہے اور حکومت ان سے بگاڑ کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔

نتیجہ یہ ہے کہ کسان تقدیر پرست بن گیا ہے۔ صرف حال کی باتیں سوچتا ہے اور مستقبل کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے، یہ بات اس کی فضول خرچی کی عادتوں سے پوری طرح ثابت ہوتی ہے، اس کی زندگی میں دلچسپیوں کی اس قدر کمی ہے کہ جب کبھی کوئی شادی یا موت ہوتی ہے، تو ان تقریبوں کو غنیمت سمجھ کر وہ نہایت بے دردی سے روپیہ خرچ کرتا ہے، اپنی ذاتی پونجی کوئی نہیں ہوتی اس لئے قرض کے اژدہے کو مطلب کرتا ہے، اور عموماً اکثر ایمان دار۔ اور محنتی کسانوں کی تباہی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ قرض کی وجہ سے ہزاروں مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور آخر میں مجبور ہو کر صنعتی شہروں میں کام کی تلاش میں کسان نکل کھڑا ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں سے اس کی کارکردگی میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے اور امراض کے دفع کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی۔ ہندوستان میں بہت سی وبائیں پھیلی رہتی ہیں؛ مثلاً پلیگ، ہیضہ، چیچک، لیکن ان وبائی امراض سے زیادہ تباہ کرنے والے وہ امراض ہیں جو مستقل طور سے موجود رہتے ہیں مثلاً ملیریا، کالا آزار، پیچش، تپ دق، پیٹ کے کیڑے اور ہک ورم (HOOK WORM)۔ حکومت کی طرف سے علاج کا انتظام برائے نام ہے، جو لوگ امراض میں مبتلا ہوں ان کے علاج کا کوئی بندوبست نہ ہو ایسے لوگوں سے کھیتی اور دوسرے کاروبار میں اعلیٰ معیار کارکردگی کی توقع کرنا فضول ہے۔

جہالت کا مسئلہ۔ دیہاتوں کی ترقی کی اگر کوئی امید کی جا سکتی ہے تو وہ تعلیم کے ساتھ وابستہ ہے لیکن یہ بیان کرتے وقت افسوس ہوتا ہے کہ صرف ۸ فیصدی آبادی پڑھنا اور لکھنا جانتی ہے، لارڈ میکالے کو تعلیم کے بارے میں اپنا مشہور مراسلہ لکھے ہوئے اور کمپنی کو ہندوستان میں انگریزی تعلیم پھیلانے کا وعدہ کئے ہوئے سو سال گذر گئے ہیں۔ اس کے برعکس امریکہ پر نظر ڈالئے تو وہاں کم و بیش ۲۵ سال کے عرصہ میں ۹۰ فیصدی حبشیوں میں تعلیم پھیلا دی گئی ہے اور جاپان نے ۴۰ سال کی مدت میں اپنی پوری آبادی کو تعلیم یافتہ بنا دیا ہے۔ لیکن ہندوستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ سو سال میں حکومت زیادہ سے زیادہ ۸ فیصدی لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں کامیاب ہوئی ہے۔

لیکن جب حکومت کی نصف سے زیادہ آمدنی فوج پر خرچ کر دی جائے اور جو باقی بچے اس میں سے بڑا حصہ مختلف سروسوں کے عہدہ داروں کو نذر کر دیا جائے تو اس سے زیادہ تعلیم کی توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے۔ ہر صوبے میں جبری تعلیم کا قانون پاس ہو چکا ہے۔ لیکن یہ سب کاغذی کارروائی ہے تعلیم روپئے سے پھیلتی ہے اور سرکار کے خزانے میں اس کام کے لئے روپیہ ہی نہیں ہے نتیجہ یہ ہے کہ لوگ جہالت کی وجہ سے کشمکش حیات میں کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ اور ترقی کی تمام راہیں ان کے لئے مسدود رہتی ہیں جب تک تعلیم کے ذریعہ ہندوستان کے کسانوں کو نئے طریقوں کے فائدے سے

انتظام کیا جائے گا اس وقت تک نہ زراعت کے سائنٹیفک طریقے پھیلائے جا سکتے ہیں نہ ساہوکار سے نجات دلانے کیلئے امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ نہ دیہاتی لوگوں میں حفظان صحت کو ترقی دی جا سکتی ہے اور نہ امراض پر فتح حاصل کی جا سکتی ہے غرضیکہ کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حکومت .... سستے اور زود اثر نسخوں کی قائل ہے۔ چنانچہ پنجاب میں زراعتی کالج کے گریجوئٹ سرکار کے خرچ سے زمینوں پر بٹھائے جا رہے ہیں تاکہ وہ اپنے پڑوسیوں کو پیداوار بڑھانے کا سبق دے سکیں اسی طرح بمبئی میں ایک تجویز ہے کہ ڈاکٹروں کو وظیفہ دے کر دیہات میں پریکٹس کرنے کے لئے مائل کیا جائے۔ حکومت دیہات میں بہت سے ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کی تجویز پر غور کر رہی ہے تاکہ سوویٹ روس کی طرح ریڈیو کے ذریعہ تعلیم بالغاں کو ترقی دے سکے۔ مگر ریڈیو کا سٹ خریدنا کسان کے بل بوتے سے باہر ہے اس لئے حکومت کو سرکاری روپے سے کسانوں کے لئے ریسیونگ سٹ فراہم کرنا ہوں گے۔

دیہات کی بے کاری

دیہات کا ایک دوسرا بڑا مسئلہ بے کاری ہے کسان کم سے کم تین مہینے ضرور ہی بے کار رہتا ہے علاوہ ازیں محنت کو پیداوار کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور زمین کو ہزاروں ایسے بے روزگار لوگوں کی پرورش کرنا پڑتی ہے جن کی محنت سے فائدہ سال کے صرف چند معروف دنوں میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پرانے زمانے میں اس زائد آبادی کو دیہاتی صنعتوں، مثلاً پارچہ بافی۔ دری بافی۔ کسیرے کے کام وغیرہ میں مصروف رکھا جا سکتا تھا لیکن جب سے برطانیہ اور بعد میں جاپان نے اپنا سستا مال ہندوستان کی منڈیوں کو بھیجنا شروع کیا ہے، تمام مقامی صنعتیں تباہ ہو گئی ہیں۔ ہندوستان میں بڑے پیمانے کی چند صنعتیں ہیں، مثلاً سوتی پارچہ بافی کے کارخانے لوہے اور فولاد کے کارخانے، شکر کے کارخانے لیکن ان کا وجود محض تجارتی محاصل کی وجہ سے قائم ہے اور ان سے دیہات کے لاکھوں بے روزگاروں کے لئے کام نہیں نکل سکتا اور چونکہ سرکاری پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کو ایک زراعتی ملک رکھا جائے چاہے زراعت میں لوگوں کے لئے نفع ہو یا نہ ہو، اس لئے صنعت کی ترقی ابھی تک ابتدائی منزل میں ہے اگر ہندوستان میں بھوکے لوگوں کے جلوس اور روٹی یا خون کے مظاہرے نہیں ہوتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی غریب جاہل رعایا ابھی تک یہ نہیں جانتی کہ بے روزگاری سماج کے ظلم و ناانصافی سے پیدا ہوئی ہے۔

روپیہ کہاں سے آتا ہے

بہر کیف صورت حال امید افزا نہیں معلوم ہوتی، حکومت کی بیشتر آمدنی جو کاشتکاروں اور دوسرے غریب طبقوں سے وصول کی جاتی ہے وہ ان بڑے عہدہ داروں کی تنخواہوں پر صرف کر دی جاتی ہے، جو ملک میں امن و امان اور اس سے تھوڑا کچھ زائد قائم رکھنے کے لئے مامور ہیں۔ مثال کے طور پر صوبہ آسام میں جس کی آبادی کا ۸۰ فی صدی حصہ زراعت پیشہ ہے حکومت کے کل مصارف میں سے صرف ایک فیصدی زراعت کے محکمے پر خرچ کیا جاتا ہے ۱۹۳۷ء کے دستور کے نفاذ کے بعد سیکڑوں روپیہ مجالس قانون ساز کے اراکین اعلیٰ عہدہ داروں کی تنخواہوں پر صرف ہوگا جو نئے سیاسی کاموں کو نپٹانے کے لئے لازم رکھے جائیں گے۔ لیکن لوگوں کی معاشی حالت میں وہ ترقی نظر نہیں آتی جس کے حاصل سے زائد خرچ کو پورا کیا جا سکے گا۔ ہندوستان کا توازن تجارت پہلے تقریباً ہمیشہ موافق رہا کرتا تھا لیکن اب ناموافق ہو گیا ہے اگر گذشتہ پانچ سالوں میں ہندوستان سے سونا برآمد کیا جاتا تو ہندوستان میں سخت مالی دشواریاں پیدا ہو جاتیں ۱۹۳۱ء میں برطانیہ نے معیار طلائی ترک کیا تھا۔ اس وقت سے اکتوبر ۱۹۳۶ء تک ہندوستان سے ۲ ارب ۸۶ کروڑ ۸۶ لاکھ ۸۰ ہزار ۹۱۰ روپے کا سونا برآمد کیا گیا اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے ہندوستان کی عورتیں اپنا زیور بیچ بیچ کر اپنے شوہروں کا قرض ادا کر رہی ہیں۔

ہندوستان کا کسان سیکڑوں سالوں کی بدحالیوں اور ناانصافیوں کی وجہ سے اپنی موجودہ مشکلات میں مبتلا ہے اور برسر اقتدار طبقے جو بوجھ اس پر لادتے رہے ہیں انھیں اب تک وہ کسی نہ کسی طرح برداشت کرتا چلا آیا ہے، لیکن بوجھ اٹھانے کی ایک حد ہوتی ہے اور غالباً اب وہ زمانہ دور نہیں ہے جب کسان اپنا یہ سارا بوجھ اتار کر پھینک دے گا۔

(جامعہ)

چینیوں کو لوٹنے کے بعد جاپانی سپاہی

جاپان کے پیٹ بھرے اپنے جھنڈے کو مکھا بھاسورج کہتے ہیں لیکن ابھرتا ہوا سورج کہنا موزوں ہے
(کانگرس سوشلسٹ)

نوجوان سے

"اسرار الحق مجاز"

جلالِ آتش و برق و سحاب پیدا کر
اجل بھی کانپ اٹھے وہ شباب پیدا کر

ترے خرام میں ہے زلزلوں کا راز نہاں
ہر ایک گام پہ اک انقلاب پیدا کر

صدائے تیشۂ مزدور ہے ترا نغمہ
تو سنگ و خشت سے چنگ و رباب پیدا کر

بہت لطیف ہے اے دوست تیغ کا بوسہ
یہی ہے جانِ جہاں اس میں آب پیدا کر

ترا شباب امانت ہے ساری دنیا کی
تو خارزارِ جہاں میں گلاب پیدا کر

ترے قدم پہ نظر آئے محفلِ انجم
وہ بانکپن وہ اچھوتا شباب پیدا کر

فلک پہ بارہا چمکا ہے آفتابِ جمیل
زمیں کے بطن سے اب آفتاب پیدا کر

ترے جلو میں نئی جنتیں نئے دوزخ
نئی جزائیں انوکھے شباب پیدا کر

شراب کھینچی ہے سب نے غریب کے خوں سے
تو اب امیر کے خوں سے شراب پیدا کر

گرا دے قصرِ تمدن کہ اک فریب ہے یہ
اٹھا دے رسمِ محبت عذاب پیدا کر

سکون خواب ہے بے دست و پا ضعیفی کا
تو اضطراب ہے خود، اضطراب پیدا کر

جو ہو سکے ہمیں پامال کر کے آگے بڑھ
نہ ہو سکے تو ہمارا جواب پیدا کر

بہے زمیں پہ جو میرا لہو تو غم مت کر
اسی زمیں سے مہکتے گلاب پیدا کر

تو انقلاب کی آمد کا انتظار نہ کر
جو ہو سکے تو ابھی انقلاب پیدا کر

متمدن دنیا — غیر متمدن انسان

اختر انصاری

ناسی نے کہا تھا۔ "میں بہت سویرے اسپتال پہنچ جاتا ہوں۔ مریض آٹھ بجے سے پہلے آنے شروع نہیں ہوتے۔ خالی بیٹھا رہتا ہوں، ادبی رسائل کی ورق گردانی کیا کرتا ہوں، تم سات بجے وہیں آنا۔ باتیں کریں گے" میں دوسرے دن سات بجے اسپتال پہنچ گیا۔ بہت دیر تک ناسی سے گفتگو ہوتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کر کسی کام سے دوسرے کمرے میں گیا۔ اسپتال کی فضا سے مجھے یوں بھی وحشت ہوتی ہے، جب اسکے آنے میں دیر ہوئی تو میرا جی گھبرانے لگا۔ باہر نکل آیا اور کھلی ہوا میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ صبح کا وقت ہر جگہ اور ہر موسم میں خوشگوار ہوتا ہے۔ پھر یہ تو پہاڑ تھا اور اپریل کے دن۔ یہاں کی صبح کا کیا کہنا کوہستانی مناظر مست اور سرشار تھے، ہوائیں بلندی، پاکیزگی اور عظمت کے نشے میں چور ہیں۔ ہوائیں نکھار اور تازگی پائی جاتی تھی۔ سبزہ جو اس رنگین دنیا کے گوشہ گوشہ پر قبضہ کئے ہوئے تھا، دلفریب بھی تھا اور نظر نواز بھی۔ قدرت اپنی شادابیوں اور رعنائیوں کا نچوڑ لئے میرے سامنے کھڑی تھی۔ اپنی بہترین شراب پیش کر رہی تھی ایسی اس احساس سے جھوم گیا طبیعت لہرانے لگی، لیکن اس وقت جب میرے دل میں بے پناہ مسرت کا ایک چشمہ پھوٹنا شروع ہو رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت —— میری نظر ایک تکلیف پہنچانے اور دل دکھانے والے منظر سے دوچار ہوئیں، یعنی دو پہاڑی قلی اپنے کاندھوں پر ایک ڈانڈی اٹھائے ہوئے آئے۔ جس جگہ میں ٹہل رہا تھا وہیں انھوں نے ڈانڈی کو رکھ دیا اور پاس کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان پہاڑی قلیوں کو دیکھا اور —— خوشی کے ابلتے ہوئے جذبات رک گئے، مسرت کے پھوٹتے ہوئے چشمے پر پھر کسی نے ایک بھاری پتھر لا کر ڈال دیا۔

ایک شخص ہے، نوعمر، تندرست اور توانا۔ جوانی کا خون اس کی رگوں میں اچھل رہا ہے۔ جسم شیشے کی طرح چمکتا ہے۔ صحت اور قوت اعضا سے ٹپکتی ہے۔ اسکو ہر وقت اپنی توانائی کا احساس رہتا ہے۔ ایک دن وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ پاؤں میں چوٹ آتی ہے۔ زخم ہو جاتا ہے۔ اب اس زخم کی تکلیف اسکے احساس توانائی پر غالب آجائیگی اس کا دماغ رگوں میں اچھلتے ہوئے خون کی روانی اور فراوانی کی طرف توجہ نہ کر سکیگا بلکہ اس درد اور کرب سے لبریز ہو جائیگا جو پاؤں کے زخم سے پیدا ہو رہا ہے۔

یا —— ایک خوش نصیب انسان ہے۔ دنیا اور زندگی کی ہزاروں نعمتیں اسکو حاصل ہیں۔ وہ ہر وقت خوش رہتا ہے۔ کامرانیاں اور فتح مندیاں اسے مسرور رکھتی ہیں۔ ایک صبح وہ ایک خبر سنتا ہے جو اس کیلئے نہایت غمناک ہے۔ اب اسکی ساری کامرانیاں اور فتح مندیاں اسے خوش کرنے میں کامیاب نہ ہوں گی۔ لیکن یہ ایک غمناک خبر اس کی ساری زندگی کو تلخ بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ تکلیف خواہ کتنی ہی خفیف ہو راحت کے شدید سے شدید احساس پر غالب آجاتی ہے۔ چنانچہ میں جب پہاڑ پر ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو رنگینیوں اور رعنائیوں میں گھرا ہوا پاتا ہوں۔ میرے گرد و پیش کا حسن میرے دل و دماغ کو مسرت کے لطیف ترین جذبات سے پُر کر دیتا ہے، لیکن پھر جب کسی پہاڑی مزدور کا چہرہ سامنے آجاتا ہے ساری رنگینیاں اور رعنائیاں دل سے محو ہو جاتی ہیں، قدرتی مناظر کی خوبصورتی کا جادو دماغ سے زائل ہو جاتا ہے، مسرت کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں۔ اور میں ایک پوشیدہ لیکن روح فرسا اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ یہ سوچنے لگتا ہوں کہ انسان فطرت کا ایک جزو ہوتے ہوئے بھی فطرت سے کسقدر بعید ہے، ایک طرف فطرت ہے، شاداب، پرنور، جھلکتی ہوئی۔ دوسری طرف انسان ہے، بھوکا، ننگا، اور مصیبت زدہ۔ ایک طرف بالیدگی، فراوانی، اور فیاضی ہے، دوسری طرف احتیاج، محرومی، اور ناداری۔ فطرت کے چہرے پر لازوال تبسم کی شگفتگی ہے، انسان کی آنکھوں میں دکھ اور تکلیف کے ختم نہ ہونے والے آنسو!!!

یہ دو پہاڑی مزدور جو اس وقت میری نظروں کے سامنے تھے اپنے طبقے کے بہترین نمائندے تھے۔ انکے بھدّے اور بوسیدہ لباس کو انسانی لباس کہنا گویا انسانوں کا مذاق اڑانا تھا۔ انکے چہروں پر کچھ ایسی وحشت اور بہیمیت تھی کہ وہ انسان کم اور حیوان زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ ان میں اور جانوروں میں بظاہر یہی فرق نظر آتا تھا کہ وہ منہ سے بول سکتے تھے اور جانور نطق سے محروم ہوتے ہیں۔ انکو دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے ہزاروں برس پہلے کے انسان کی تصویر کھنچ گئی، اس انسان کی جو وحشی اور غیر متمدن تھا اور جس نے آدمیت کی ساری منزلیں طے نہیں کی تھیں۔ لیکن میں نے ابھی صرف ان لوگوں کی ظاہری اور جسمانی ہئیت پر غور کیا تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھ پر حقیقت واضح ہونے والی تھی کہ وہ دماغی اور ذہنی اعتبار سے بھی۔ اس متمدن، مہذب اور ارتقائی زمانے سے ہزاروں برس پیچھے ہیں۔

مزدوروں نے ڈانڈی کو زمین پر رکھ دینے کے بعد جب اسکا پردہ اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ ڈانڈی میں جس شخص کو ڈال کر لائے ہیں وہ اتفاق سے ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنکے لئے ڈانڈیاں مخصوص ہیں بلکہ خود اسی طبقے سے تعلق رکھتا ہے جسکے لئے ڈانڈیاں اٹھانے کی خدمت مخصوص ہے، یعنی وہ بھی ایک مزدور ہے۔ اور اپنے عزیزوں یا دوستوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر اسپتال میں علاج کے واسطے آیا ہے۔ جس طرح ناسی کام میں لگا ہوا تھا اسی طرح دوسرے ڈاکٹر بھی اندر مصروف تھے، چنانچہ ان لوگوں کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ سامنے سورج بلند ہو رہا تھا اور اسکی شعاعوں کی تیزی بڑھ رہی تھی۔ جو شاید مریض کو ناگوار تھی۔ اسی لئے مزدوروں نے پردہ پھر ڈال دیا۔

چند منٹ کے بعد اندر سے کوئی ڈاکٹر آیا۔ اس نے پوچھا "کیا بیمار ہے؟" مزدوروں نے جواب میں پردہ اٹھا کر مریض کو دکھایا۔ میری اور ڈاکٹر کی نظریں بیک وقت اس پر پڑیں۔ اسکے چہرے سے زندگی کے آثار رخصت ہو چکے تھے۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور منہ خوفناک طریقہ پر کھلا ہوا تھا۔ "یہ تو مردہ ہے"۔ ڈاکٹر نے کہا۔ مزدور اس کا منہ تکنے لگے۔ "لے جاؤ اسے یہاں سے، یہ مر چکا ہے" ڈاکٹر یہ کہکر اندر چلا گیا۔

ابھی آٹھ نہیں بجے تھے اور مریض آنے شروع نہیں ہوئے تھے، میں اکیلا زندگی اور موت کے اس فیصلے کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں مزدور بہت گھبرائے ہوئے تھے۔

(باقی مضمون ...)

خیال کیا جاتا ہے کہ جرمنی نے ایک یادداشت کے ذریعہ اعلان کیا ہے کہ وہ آسٹریا کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتا۔

۱۶ر جون کو جرمنی کے شعبۂ معیشت کے وزیر ہر فنک نے ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جرمنی تجارتی قرض کو ایمانداری سے ادا کرے گا لیکن سیاسی قرض، نازی معیشتی نظام کے خلاف ہے۔ انہوں نے آسٹریا کے قرضہ کو سیاسی قرضہ بتایا اور کہا کہ بین الاقوامی اصولوں کے مطابق جرمنی سے اس قرضہ کی ذمہ داری لے لینے کی امید نہیں کی جا سکتی۔

خلاصہ یہ کہ جرمن ریشٹاگ (مجلس قانون ساز) اپنے اوپر اس قرض کی ذمہ داری نہیں لے گی لیکن چونکہ وہ برطانیہ سے بگاڑ کرنا بھی نہیں چاہتی اس لئے اس کی خواہش ہے کہ کچھ ایسے انتظامات کر دیئے جائیں کہ سود ادا کر دیا جائے۔ جرمنی کی طرف سے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ ڈاز اور ینگ کے قرضوں کے سود میں کمی کر دی جائے۔ سمجھوتے کی کافی امید ہے۔

متحدہ امریکہ نے دوسری بار جرمنی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ آسٹریا کے قرضہ کی ذمہ داری اپنے اوپر اوڑھ لے۔ امریکہ کے سرکاری نوٹ میں لکھا ہے کہ بین الاقوامی قواعد کے مطابق جب ایک حکومت دوسری حکومت پر قبضہ کرتی ہے تو وہ غائب کے ساتھ اسکے تمام قرضے کا بار بھی اپنے سر لے لیتی ہے۔

مظلوم چین کی امداد

پچھلی دفعہ کانگرس ورکنگ کمیٹی نے طے کیا تھا کہ چینیوں کی مدد کے لئے ایک طبی وفد بھیجا جائے۔ اس سلسلہ میں یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ جولائی کے پچھلے ہفتہ میں چار ڈاکٹروں کا جتھا بھیجا جا رہا ہے۔ یہ لوگ چینی حکومت کو امداد دینے کے علاوہ وہاں کے حالات دیکھ کر طے کریں گے کہ ہندستان سے کتنے آدمی اور بلائے جائیں۔ ان ڈاکٹروں کو صرف کرایہ اور الاؤنس ملیگا۔ الاؤنس کسی حالت میں ۱۲۰۰ روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔

ہڑتال کا خطرہ

سی۔ پی۔ کی کانگریس حکومت نے کپڑے کے کارخانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں کی شکایتوں کی تحقیقات کرنے اور مناسب سفارشیں کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ کمیٹی نے تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ شائع کر دی اور اب حکومت نے بھی اپنی رائے کا اعلان کر دیا ہے۔

مزدوری میں اضافہ کے متعلق حکومت نے تحقیقاتی کمیٹی کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ۱۹۳۳ء کے بعد سے مزدوری میں جو کاٹ چھانٹ کی گئی ہے اس کا ۶۰ فیصدی حصہ بحال کیا جائے۔

مزدور سبھا۔ ۱۷ر جون کو ناگپور ٹیکسٹائل یونین کی نمائندہ کونسل کا جلسہ ہوا جس میں کمیٹی کی رپورٹ اور حکومت کے فیصلہ پر غور کیا گیا۔ کونسل نے اتفاق رائے سے حکومت کی سفارش کو رد کر دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ مزدوری میں جو تخفیف کی گئی ہے اسکا ۱۰۰ فیصدی حصہ بحال کیا جائے۔ کونسل نے صوبہ کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں کی مجلس عاملہ سے سفارش کی کہ وہ اس مطالبہ کو پورا کرانے کے لئے پہلی جولائی سے ہڑتال کا اعلان کر دے۔ ناگپور ٹیکسٹائل ورکرس یونین کے صدر کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مزدوری ایکٹ کے مطابق مل مالکوں کو ہڑتال کا نوٹس دے دے۔

۱۹ر جون کو صوبہ کانگرس کمیٹی کی میٹنگ میں حکومت کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے وزیر اعظم کھرے نے کہا کہ حکومت کو مل مالکوں کے مقابلہ میں مزدوروں کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہے۔ اور مزدوروں کو صلاح دی کہ وہ حکومت کی سفارشوں کو رد نہ کریں۔ انہوں نے بتایا کہ عملی طور پر کم مزدوری پانے والے مزدوروں کیلئے ۶۰ فیصدی اور ۱۰۰ فیصدی میں کوئی فرق نہیں رہیگا۔

مسٹر جناح اور اسلامی جھنڈا

مولانا کامل نے ہندستان اسٹینڈرڈ میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے جھنڈے کے متعلق یہ مضمون لکھا ہے۔ "چند ہی روز ہوئے جب مسٹر جناح نے بمبئی میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہراتے ہوئے فرمایا تھا، یہ کوئی نیا جھنڈا نہیں ہے بلکہ بہت ہی پرانا ہے اور خود پیغمبر اسلام نے یہ جھنڈا ہمیں دیا ہے۔"

"وہ اپنے ہم مذہبوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع ہونے کیلئے کہہ سکتے ہیں لیکن انکے اس بیان کی کہ لیگ کا جھنڈا اسلامی جھنڈا ہے اور ایسا جھنڈا ہے جسکو رسول نے خود دیا ہے تردید کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

معلوم ہوتا ہے مسٹر جناح اسلام اور اسلامی تاریخ سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق میں مسلم لیگ کا چاند اور تارے والا جھنڈا کہیں بھی اسلامی جھنڈا نہیں تسلیم کیا جاتا پیغمبر اسلام نے کبھی ایسا جھنڈا نہیں دیا۔ انکے صحابہ اور جانشینوں، اور بنی امیہ، بنو عباسیہ اور بنو فاطمہ کی خلافتوں میں بھی جنگ یا امن کسی حالت میں اس طرح کا جھنڈا نہیں استعمال کیا گیا۔

"اسکے علاوہ ایسا جھنڈا کبھی بھی ساری اسلامی دنیا پر نہیں لہرایا گیا۔ آج بھی بہت سے اسلامی ممالک ہیں لیکن انکے جھنڈے مختلف ہیں۔ مثلاً ایران کے جھنڈے پر شیر اور سورج کا نشان ہوتا ہے۔

"ان حالات میں یہ صاف ہے کہ مسٹر جناح یا تو اسلامی تاریخ سے بالکل بے بہرہ ہیں یا وہ اس قسم کی جھوٹی باتوں سے مسلم عوام کو جان بوجھ کر گمراہ کر رہے ہیں۔

"میں مسٹر جناح اور انکے ساتھیوں کو پورے زور کے ساتھ چیلنج کرتا ہوں کہ وہ تاریخی اعتبار سے مسلم لیگ کے جھنڈے کو اسلامی جھنڈا یا ایسا جھنڈا جو ہمیں رسول سے پہنچا ہے ثابت کر دیں۔"

"میں اس چیلنج کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں اور عنقریب ہی اس موضوع پر اور روشنی ڈالوں گا۔"

ریاستوں میں اندھیر

والا (کاٹھیاواڑ) آل انڈیا ریاستی عوام کانفرنس کے جنرل سکریٹری نے ریاست والا کے مظالم پر پریس کو ایک بیان دیا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ والا کے بڑے راجہ جنکے حقوق سرکار نے ضبط کئے تھے اب ریاست کے مالک بنا دیئے گئے ہیں اور آتے ہی انہوں نے شہری آزادی پر پابندیاں لگانا شروع کر دی ہیں جس سے ریاست میں عام بے چینی پھیلی ہوئی ہے

ریاستی عوام نے سردار ولبھ بھائی پٹیل صدر گجرات صوبہ کانگریس کمیٹی اور سیٹھ
گوپال داس صدر کاٹھیاواڑ پولیٹیکل کانفرنس سے مشورہ کیا اور خبر ہے کہ ان دونوں
لیڈروں نے بھی یہی رائے ظاہر کی کہ ریاست کی حالت اتنی خراب ہو گئی ہے کہ اب
ستیہ گرہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔ اسپر عوام نے ایک جنگی کونسل بنائی اور حکام کو احکامات
واپس لینے کیلئے لکھا لیکن کوئی جواب نہ ملا اور پولیس نے جلسہ کے اشتہار زبردستی
چھین لئے۔ جنگی کونسل کے صدر کو گرفتار کر لیا گیا اور اسکو ہتھکڑیاں پہنا کر شہر میں پھرایا گیا۔
عوام نے ہڑتال کا اعلان کر دیا! ستیہ گرہ چلانے کے لئے ہر طرف سے بڑی
بڑی تعداد میں والنٹیر آ رہے ہیں۔

کشمیر۔ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر مسٹر عبداللہ نے ایک بیان میں بتایا ہے
کہ انکی کانفرنس نے پچھلے چناؤ میں اسمبلی کی ۲۱ نشستوں میں سے ۱۹ پر قبضہ کر لیا ہے اور اب
انکی لڑائی اسمبلی کے اندر و باہر دونوں محاذوں پر ہوگی۔

ریاستی اسمبلی کی بابت انہوں نے لکھا ہے کہ سرکاری ممبروں کی اکثریت ہونے
کی وجہ سے عوام کی آواز کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ پولیس، راجہ کے اخراجات)
اور فوج کا خرچ اسمبلی کے اختیارات سے باہر ہے۔ پولیس اور اسکے متعلقہ
اخراجات پر ۸۰ لاکھ خرچ ہوتا ہے جبکہ ریاست کی کل آمدنی ڈھائی کروڑ ہے۔ جو
اخراجات اسمبلی کے اختیار میں ہیں انکے متعلق بھی مہاراجہ کی کونسل اسمبلی کی رائے کو نظر انداز
کر دیتی ہے

ہمارے صدر

میمن سنگھ میں تین ہزار عورتوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے صدر کانگریس سبھاش
چندر بوس نے بتایا کہ گزشتہ ۲۵ سال سے بنگال اور دیگر مقامات کی عورتیں آزادی کی تحریک
میں حصہ لے رہی ہیں لیکن اب انہیں ایک خاص مقام دیا گیا ہے یہاں تک کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی
مدد کے بغیر کانگریس اتنے صوبوں میں اکثریت ہرگز نہ حاصل کر سکتی تھی۔

سبھاش چندر بوس کی رائے میں عورتوں کے مختلف علیحدہ اداروں اور جماعتوں کو
ایک مرکزی تنظیم کے دائرے میں آ جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اعلیٰ درجہ کی سیاسی اور
سماجی خدمات انجام دینے کیلئے یونیورسٹی کی تعلیم لازمی نہیں ہے بلکہ ہندوستانی
عورتوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ عملی تجربہ اور اسکے ساتھ ملک کی بے غرض خدمت
ہی اصل چیزیں ہیں۔

آخر میں ہمارے صدر نے کہا کہ کروڑوں مردوں اور عورتوں کی معاشی
مسئلہ اور غربت کے حالات کو سامنے رکھکر ہی حل کیا جا سکتا ہے اور ہمارے ملک کی عورتوں
کو ان حالات سے قریبی تعلق پیدا کرنا چاہئے۔

کانپور کے مزدوروں کا استقلال

۳۰ جون سے کانپور کی ہڑتال کا چھٹا ہفتہ شروع ہو گیا۔ مل مالکوں نے ابھی
تک حکومت یو۔پی کے فیصلہ پر کوئی خیال ظاہر نہیں کیا ہے۔ لیکن انکی انجمن نے ایک وفد
نینی تال بھیجا ہے جو وزیر اعظم اور وزیر صنعت کو مل مالکوں کے نقطہ نظر سے آگاہ
کرے گا۔

کانپور میونسپل بورڈ نے ہڑتالی مزدوروں کی امداد کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ دینے کی
قرارداد پاس کی تھی لیکن کمشنر نے اسکو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ یہ اسکے خیال میں یو۔پی میونسپل
ایکٹ کے حدود کے باہر ہے۔

کانپور شہر کانگریس کمیٹی نے کچھ عرصہ ہوا ایک قرارداد پاس کی تھی کہ جو ممبر
ہڑتالی مزدوروں کی امداد کرنے میں کوئی عملی کام کرے اسکے خلاف صوبہ کانگریس کمیٹی سے
کہکر تادیبی کارروائی کرائی جائے۔ اسپر مسٹر آر۔ آر گپتا نے جو یو۔پی اسمبلی کے ممبر اور کانپور
کانگریس کے نائب صدر ہیں، سکریٹری شہر کانگریس کمیٹی کو ایک خط لکھا ہے جس میں انہوں نے
بتایا ہے کہ انکے نزدیک کانگریس کمیٹی صوبہ کانگریس کی قرارداد کے اصول یا نظام العمل کے خلاف
ہے۔

مسٹر گپتا نے کانگریس کمیٹی کو یقین دلایا ہے کہ وہ صوبہ کانگریس کی اس
قرارداد کی مخالفت نہیں کرینگے جسکی رو سے ہڑتالیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی گئی
ہے لیکن انکے خیال میں انکو اس بات کی پوری آزادی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو قائل کرنے
کی کوشش کریں کہ اس قسم کی تجویز پاس کرنا کانگریس کمیٹی کے لئے جائز نہیں تھا۔

کانگریس کسانوں کی امداد پر

کانپور ۱۸ جون۔ تحصیل بلہور کے ۱۰ ہزار کسانوں میں تقریر کرتے ہوئے آنریبل
رفیع احمد قدوائی وزیر مالیات نے کہا کہ حکومت یو۔پی کا قبضہ داری کا بل ممکن ہے کہ
زمینداروں کے کسیقدر خلاف ہو لیکن اس سے کسانوں کو کافی امداد مل جائے گی۔
اس بل سے ایک خاص بات یہ ہوگی کہ کسان کو پیداوار کا صرف پانچواں حصہ حکومت
کو دینا ہوگا اور بقیہ کے وہ خود مالک ہوں گے۔ زمین انکی ہوگی اور اسپر انکو موروثی
حق حاصل ہوگا۔

انہوں نے بتایا کہ حکومت نے ۱۰ لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے مزدوروں کیلئے
ایک صنعتی بینک کھولا ہے اور کسانوں کیلئے ایک کروڑ کے سرمایہ سے ایک امداد باہمی
(کوآپریٹیو) بینک کھولنے کی تجویز زیر غور ہے۔ تاکہ کسانوں کو کم سے کم شرح سود پر قرضہ
مل سکے اور وہ مویشی اور بیج آسانی سے خرید سکیں۔

یو۔پی کے رضاکار

صوبہ متحدہ کی صوبہ کانگریس کمیٹی کا والنٹیر محکمہ بہت تیزی سے کام کر رہا ہے۔ اضلاع
کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ لاکھ کی مقررہ تعداد جلد ہی پوری ہو جائے گی۔ ضلعوں
میں ٹریننگ کیمپ کھولے گئے ہیں۔ اسمیں جو والنٹیر بھرتی ہوں گے انکو ایک قسم کا حلف لینا ہوگا
اور ایک خاص طریقہ کی وردی پہننا ہوگی۔

ملک کی صنعتی تعمیر

آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم و صنعت و حرفت بہار نے تمام صوبوں کے کانگریسی حکومت
کے وزراء کے نام ایک گشتی چٹھی لکھی ہے جس میں انہوں نے ملک کی بڑی بڑی اور بنیادی
صنعتوں کو ترقی دینے کی تدابیر تجویز کرنے کیلئے غور میں ایک کانفرنس بلانے کا خیال
ظاہر کیا ہے۔ ان صنعتوں کو ترقی دینے کیلئے ڈاکٹر سید محمود کے نزدیک ہر ایک تمام صوبوں کی

مالدار ہونے کی ترکیب

پہلا بڑا اور مشہور ہنر کی طرح گھر بیٹھے بہت سا منفعت کما کر جیسی آمدنی ہوتی ہو اور نیز فنون کے ذریعہ ہمارا ملک بہت زمانے میں بارہ روپیہ ماہوار رہیگا۔ ہر شخص رسالہ پڑھکر ولایتی کے اندر بنا چاہیں گھر جس جگہ بیٹھ ہیں بدلتا ہے جو ہر شخص آسانی سے دوسری جگہ بیٹھکے کر یادگار ہو۔ ولایتی کے اندر مشتمل کپڑا ال بنا سکتا ہوں متعلق کی بیٹھ کتاب نفع ہوتا ہے۔ بیش قیمت کے جرمنی خضاب بنانے سیکھو۔ انکو دیکھنے کے بکتے ہیں۔ بیچا جائیگا منافع ہے۔ ہر مہینے میں تمام اشیا کا ہر۔ رسالہ دستکاری کے خریداروں کو بالکل مفت ایک ۲ میں شرح ۔ سکتا ہوں کہ اگر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار منافع ہو تو ہر فنی روپیہ ہم ابھی دینے کا وعدہ کریں۔ ہر ایک ہنر ایک کام ہم اپنے ہی سکھلا جائیگا۔ اسلئے آج ہی سیکھو۔ ماہوار رسالہ دستکاری ۲۰ سال سے جاری ہے سالانہ قیمت ۲ روپیہ ایک پرچہ ۳ آنہ کئی قسم کے کولنے والے کریم، فنائل وغیرہ کو نسخہ مفت۔ وی پی سے بھیجا جائیگا۔

ہمارا پتہ ——————

منیجر۔ رسالہ دستکاری۔ نیم بازار دھولی۔

جواب طلب امور کے لئے جوابی خط لکھو

دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ

بیمہ کرائیے — جنتر منتر — بیمہ کرائیے

الہ آباد

اگرچہ نئی لیکن کامیابی میں قریب ۱۵۰ پرانی کمپنیوں سے

اچھی

۱۹۲۹ء میں بارہ لاکھ کا کاروبار، صوبہ اور ضلع آرگنائزر

اور ایجنٹوں کی ضرورت ہے

پتہ ——————

دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ

شیوچرن لال روڈ الہ آباد

جلدی کیجئے

عمدہ بڑا بڑا ۶۶ دانہ دسہری آم اسی ہفتہ میں منگائیے تو ۲ روپے بھیجدیجئے۔ پیسہ ۶ دانہ ۸ روپیہ پانچ روپیہ۔

پتہ۔ نذیر اینڈ سنس منڈی ناداں محل لکھنؤ

آپکو اور کون سا ثبوت چاہیئے

FLY — TRADEMARK

پٹنہ، لکھنؤ، اور لاہور کے پچھلے تینوں نمائشی مقابلوں میں، یو۔پی ہینڈ لوم امپوریم کے پارچہ جات کو سب زیادہ انعامات ملے ہیں۔

اور ہر نمائش میں ہینڈ لوم امپوریم نے ہی سب سے زیادہ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا فروخت کیا ہے۔

ہماری خصوصیتیں۔ قیمت ہر ایک کی آمدنی کے مطابق۔ سامان ہر مذاق کے موافق رنگ اور وضع زیادہ سے زیادہ نفاست پسند طبیعتوں کیلئے موزوں

یو۔پی گورنمنٹ ہینڈ لوم امپوریم امین آباد

ہے ہر قسم کا سوتی، ریشمین اور اونی، ہاتھ کا بنا ہوا اور ہاتھ کا چھپا ہوا کپڑا لیجئے

یو۔پی میں ہمارے ایجنٹ:۔ دہرہ دون۔ ہر پرشاد اینڈ کو پلٹن بازار مراد آباد۔ ٹنڈن برادرس سول لائنس۔ میرٹھ سٹی۔ ایس موہن برادرس آگرہ مہر کلاتھ ہاؤس، سیو کا بازار، بلند شہر کشوری لال رگن لال جوہری بازار، نینی تال۔ ٹی ڈی جوشی اینڈ برادرس تلی تال۔ فرخ آباد، آر ڈی موہن اینڈ کمپنی فیض آباد۔ لارل اینڈ کمپنی رکابگنج مین پوری گھمو برادرس کانپور رانی ام کنہیا لال سرائے لاٹھی محل

ہندوستان نیوز پیپرز لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام سید محمد ذکی عمدۃ المطابع برقی پریس لکھنؤ سے طبع کراکر دفتر نیشنلسٹ نمبر ۲۰ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔